مصائب امام حسینؑ پر مستند ترین کتاب
مقتلِ مقرم
المعروف
مقتل الحسین علیہ السلام کا اردو ترجمہ
مؤلف
حضرت علامہ سید عبدالرزاق المقرم
مترجم
علامہ حسن رضا باقر (فاضل شام)

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

مقتل الحسینؑ المقرم

مؤلف

علامہ السیّد عبدالرزاق الموسوی المقرم (اعلی اللہ مقامہ)

مترجم

علامہ حسن رضا باقر ابن حافظ اقبال حسین جاوید

تراب پبلیکیشنز لاہور
0345-8512972

نوٹ: التماس سورۃ فاتحہ برائے بانی ادارہ تراب پبلیکیشنز شہید ولایت علامہ ناصر عباس ملتان

کتاب : مقتل الحسینؑ المقرم

مؤلف : علامہ السید عبدالرزاق الموسوی المقرم (اعلی اللہ مقامہ)

مترجم : علامہ حسن رضا باقر ابن حافظ اقبال حسین جاوید

پروف ریڈنگ : شیر محمد عابد مولائی

پیشکش : حسنین اقبال خان

اشاعت : ستمبر 2014ء

تعداد : 1100

ہدیہ : Rs 750

ملنے کا پتا

تراب پبلیکیشنز لاہور

فون: 0345-8512972

ای-میل: molai512@gmail.com

www.facebook.com/turabpublishers

ترتیب

***

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

میں کتاب ہذا ''مقتل الحسینؑ'' اور اس پر ہونے والے تمام اخراجات کو شاہِ شہیداں نواسۂ رسولؐ خدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی نذر کرتا ہوں۔

- اس مظلوم کے نام، جس پر جبریل علیہ السلام نے فخر کیا اور میکائیل علیہ السلام نے گہوارے میں جس کو لوریاں دیں۔
- اس مظلوم کے نام، جسے جنابِ بتول سلام اللہ علیہا گہوارے میں سُلا کر لوریاں دیتیں تھیں:

حُسَیْنًا وَاحُسَیْنًا وَاحُسَیْنًا ، غَرِیْبًا وَاغَرِیْبًا وَاغَرِیْبًا

کربلا لا زالت کرب و بلا کربلا وا کربلا وا کربلا

- اس مظلوم کے نام، جس کو پیاس میں نیزوں کے گھونٹ پلائے گئے اور جس پر ہر طرح کے ظلم و ستم کو روا رکھا گیا۔
- اس مظلوم کے نام، جو یکہ و تنہا دشمنوں کی یلغار کو ہٹا رہا تھا اور جس کی ریشِ مبارک اپنے ہی خون سے سرخ اور رخسار خاک آلود تھے۔
- اس مظلوم کے نام، جس نے گلشنِ نبوت کو پل بھر میں اپنی آنکھوں کے سامنے اُجڑتے ہوئے دیکھا۔
- اس مظلوم کے نام، جس نے توحید و رسالت اور امامت کی بقا کے لیے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی تصدیق کرتے ہوئے حالتِ سجدہ میں سر کٹا دیا۔

اے مظلوم ماں اور مظلوم باپ کے مظلوم بیٹے! اپنے نوکر کی طرف سے یہ حقیر سا ہدیہ قبول فرمایئے۔

✡

مقتلِ شہؑ کی زمین، خون میں تر ہو کے رہی زندگی اپنے ہی سینے کی سپر ہو کے رہی

نوکِ نیزہ کی بلندی تھی کہ سر ہو کے رہی ظلم کے اَبر چھٹے اور دین کی سحر ہو کے رہی

جبر کا نام و نشان ، بھولا ہوا خواب ہوا

صبر، شبیرؑ کے سجدے سے ظفر یاب ہوا

(شہیدِ راہِ ولایت سید محسن نقویؒ)

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوندِ متعال اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ○ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ○ (سورۂ قصص: آیت ۴ تا ۶)

"یقیناً فرعون زمین میں بڑا بن بیٹھا تھا اور اس نے زمین کے رہنے والوں کو مختلف طبقات میں بانٹ رکھا تھا، ان میں سے ایک گروہ کے افراد کو وہ کمزور کرتا تھا، ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ وہ یقیناً فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور کر دیا گیا ہے، ان پر احسان کریں اور انھیں رہنما مقرر کریں اور انھیں زمین کا وارث بنائیں اور انھیں زمین میں اقتدار عطا کریں اور فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان ہی کمزوروں کے ہاتھ سے وہ کچھ دکھا دیں، جس کا انھیں ان سے اندیشہ تھا"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ان آیات کے بعد مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات سنائے تاکہ آں حضرتؐ کو اپنے اہلِ بیتؑ پر توڑے جانے والے مصائب پر تسلی محسوس ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے تقویت و تسلی کے بعد اپنے حبیبؐ کو بالواسطہ طور پر یہ بشارت دی ہے کہ خدا آلِ محمدؐ پر خصوصی فضل و کرم کرے گا اور انھیں زمین میں اپنا جانشین مقرر کرے گا اور انھیں اُمت کا رہنما بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے یہ واضح کیا کہ جب فرعون نے بنی اسرائیل پر مصائب کے پہاڑ توڑے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حکومت کو ختم کر دیا اور بنی اسرائیل کو حکومت عطا کی۔ اسی طرح جب اس اُمت کے ظالم حکام آلِ محمدؐ پر ظلم کے پہاڑ توڑ کر فارغ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو تباہ کر دے گا اور آلِ محمد علیہم السلام کو حکومت و اقتدار عطا فرمائے گا۔

معزز قارئین!۔۔۔۔ اُس وقت کے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی اُمت پر مظالم کی اِنتہا کردی جب کہ سن ساٹھ اور اکسٹھ ہجری کے فرعونِ وقت یزید ملعون نے نواسۂ رسولِ مقبولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اہلِ بیت علیہم السلام پر مظالم کی اِنتہا کردی بلکہ اس یزید ملعون نے اپنے مظالم میں اُس وقت کے فرعون کے مظالم کی حدود کو توڑ دیا، جس کی مثال عالمین میں نہیں ملتی۔ یزید ملعون کی بربریت اور ظلم وستم کو جو اُس ملعون نے آلِ محمد علیہم السلام پر روا رکھے، اُن کو اس روایت کے ذریعے آشکار کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ منہال بن عمر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو منہال بن عمر نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کیسے ہیں؟

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: (اے منہال!) آج ہماری وہی حالت ہے جو آلِ فرعون میں بنی اسرائیل کی تھی۔ آلِ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ آج اسی طرح ہمارے بیٹے قتل کیے جارہے ہیں اور ہماری عورتوں کو زندہ رکھا جارہا ہے۔ ہمارے دشمنوں کے لیے خزانوں کے منہ کھلے ہوئے ہیں اور ہمارے دوستوں کو ڈرایا دھمکایا جارہا ہے۔ عجم، عربوں کی اس لیے عزت کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی تھے اور عرب قریش کا اس لیے احترام کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا لیکن ہم تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان ہیں، اس کے باوجود کوئی ہمارا اِحترام نہیں کرتا"۔

ناظرین!۔۔۔۔ قرآنِ کریم کی ان آیات اور روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ یزید ملعون ایک فاسق و فاجر اور کائنات کا بدترین درندہ صفت انسان تھا جو اپنے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آلِ پاکؑ کے خون کا پیاسا تھا۔ جس نے حُرمتِ رسولِ مقبولؐ کا بھی خیال نہ کیا۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اس کے باوجود آج بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور یزید ملعون کو اپنا امام بھی مانتے ہیں۔

لمحۂ فکریہ!۔۔۔۔ ہم عالمِ اسلام کے تمام مرد وخواتین، پیر وجوان بالخصوص غیور نوجوانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ غور وفکر سے کام لیتے ہوئے قرآنِ کریم اور تاریخ کا دقیق مطالعہ کریں اور انصاف پسند علماء و دانشوروں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق سوال کریں۔ اُن سے صرف یہ پوچھیں کہ نواسۂ رسولؐ کا جرم کیا تھا؟ لہٰذا عبداللہ ابن عمر کے اس قول پر ضرور غور کریں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْهُمَا وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ الْمُحْرِمِ يَقْتُلُ الذُّبَابَ؟

فَقَالَ: أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُوْنَ عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ ابْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۱۳، حدیث ۱۰۲۹، مطبوعہ لاہور)

''عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے: (اہلِ عراق میں سے) ایک شخص نے اِن سے پوچھا کہ اگر کوئی احرام والا شخص (حالتِ احرام میں) مکھی کو مار ڈالے تو کیا حکم ہے؟ ابن عمر نے کہا: اہلِ عراق مکھی کو تو مار ڈالنے کے بارے پوچھتے ہیں، حالانکہ بے شک! انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے نواسے کو قتل کرڈالا (جن کے بارے میں) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ''یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں''۔

اَرباب دانش!۔۔۔۔ عبداللہ ابن عمر کا یہ قول حضرت رسولِ خدا ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں اور آپؐ کی نبوت و رسالت کا اقرار کرنے والوں کے ضمیروں کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ لوگ حالتِ احرام میں مکھی کے مارنے کے متعلق تو پوچھتے ہیں لیکن آج تک کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ نواسۂ رسولؐ نے باندھا ہوا احرام کیوں توڑا اور آپؑ نے حج کیوں نہیں ادا کیا نیز یہ کہ امام عالی مقامؑ کو بمعہ عزیز و اقارب اور اصحاب کے کس جرم میں بے دردی سے شہید کیا گیا اور آپؑ کے ناموس کو کیوں قید کیا گیا۔

اے قاتلِ حسینؑ انتظار کر!۔۔۔۔ انتظار کیجیے! وہ وقت بالکل ہی قریب ہے جب ان شہیدوں کے بے گناہ خون کے ایک ایک بے گناہ قطرے کا انتقام لینے والے منتقمِ آلِ محمد علیہم السلام تشریف لائیں گے تو پھر اس کائنات کے ذرّے ذرّے پر عظمتِ آلِ محمدؐ ظاہر ہو جائے گی اور دشمنانِ آلِ رسولؐ ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔

شیخ الطائفہ کتاب الغیبۃ میں لکھتے ہیں کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ...... تا آخر کی آیت پڑھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ آلِ محمدؐ پر احسان کرے گا اور ان میں سے مہدی (علیہ السلام) کو بھیج کر انھیں عزت و عظمت دے گا اور ان کے دشمنوں کو ذلیل کرے گا۔

معزز قارئین!۔۔۔۔ اب غیبتِ کبریٰ میں یہ ذمہ داری ہر محبِ اہلِ بیتؑ پر عائد ہوتی ہے بالخصوص اہلِ علم حضرات پر یہ ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ خاندانِ تطہیرؑ کی داستانِ مظلومیت ہر خاص و عام تک پہنچائیں۔ اس لیے کہ آج بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ پوچھتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا حضرت رسولؐ خدا سے کیا رشتہ ہے؟ لہٰذا ضروری ہے کہ کسی نہ کسی حوالے سے چاہے وہ تحریراً ہو یا تقریراً ہو، اس پیغامِ حق کو عوام الناس تک پہنچایا جائے۔

برادرانِ ایمانی!۔۔۔۔ ادارہ ہذا نے قرآنِ کریم اور اہلِ بیت علیہم السلام کے فرامین کے پیشِ نظر نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اہلِ بیت علیہم السلام کی داستانِ مظلومیت کو کتاب کی صورت میں عوام الناس تک پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔

ادارہ تراب پبلی کیشنز کی یہ نایاب پیش کش ''کتاب مقتل الحسینؑ'' آپ کے زیرِ نظر ہے۔

یہ کتاب عالمِ اسلام کے مایہ ناز عالمِ دین علامہ السید عبدالرزاق الموسوی المقرم کی عربی کتاب "مقتل الحسینؑ المقرم" کا اُردو ترجمہ ہے، جس میں اہلِ بیت علیہم السلام کی مدینہ منورہ سے روانگی سے لے کر کربلا تک اور اسیرانِ آلِ محمدؐ کی اسیری اور پھر واپسی مدینہ تک کے تمام حالات و واقعات مفصل طریقہ سے بیان کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کے ترجمہ کے فرائض سرانجام دینے والے نوجوان عالمِ دین عربی فاضل جناب علامہ حسن رضا باقر ابن علامہ حافظ اقبال حسین جاوید اعلی اللہ مقامہٗ ہیں، جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کے ترجمہ کے فرائض کو اللہ تعالیٰ اور چہاردہ معصومین مقدس علیہم السلام کی خوشنودی کے لیے اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے بڑے احسن انداز میں سرانجام دیا۔ مالکِ دوجہاں بحق شہیدانِ کربلا آپ کو اس فریضہ کی ادائیگی پر اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

معزز ناظرین! ــــ ہم اُمید کرتے ہیں کتاب ہذا عاشقانِ امامِ مظلوم کربلاؑ کے لیے آنسوؤں کی برسات کا سامان مہیا کرے گی۔ ہم محبانِ آلِ رسولؐ سے نہایت عاجزی و انکساری سے اپیل کرتے ہیں کہ اگر کتاب میں کہیں پر کوئی غلطی نظر آئے تو اپنے نیک مشوروں سے ہماری مدد فرمائیں۔

بارالہا! بحق سید الشہداء ہماری طرف سے اس کتاب اور اس پر ہونے والے اخراجات کو اپنی پاک بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرما۔

یارب دِلم اَز غمِ حسین محزُون کن   دَر سینۂ ما محبت اَفزُون کن

"یارب! میرے دل میں غمِ حسینؑ زیادہ ہو، میرے سینے میں آپؑ کی محبت میں اضافہ فرما"۔

✡

لختِ دلِ فاطمہ زہراؑ کا، وہ مظلوم حسینؑ   بارشِ ظلم میں تنہا مرا معصوم حسینؑ
پیاس میں قطرۂ دریا سے بھی محروم حسینؑ   غربتِ دینِ پیمبرؐ، ترا مقسوم حسینؑ

جس نے شاداب چمن پل میں اُجڑتے دیکھا
جس نے چپ رہ کے عزیزوں کو بچھڑتے دیکھا

(شہیدِ راہِ ولایت سید محسن نقوی)

خاکِ پائے اصحابِ حضرت امام حسین علیہ السلام

الحقیر پُر تقصیر!

علی ابوتراب خان

سربراہ ادارہ تراب پبلی کیشنز، لاہور

سخنِ مترجم

کربلا اور حضرت امام حسین علیہ السلام دو ایسے نام ہیں جن سے ہر باشعور اور باضمیر انسان اپنے ایمان کو جلاء بخشتا ہے کیونکہ یہ حق اور حقانیت کا رمز ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں ان نام نہاد خلافت و اسلامیہ کے دعویداروں کے چہروں سے منافقت، بدکرداری اور اسلام دشمنی کی نقاب اُلٹ دی جو مسلمانوں کے اسلام اور ایمان سے خلافت کے نام پر کھلواڑ کر رہے تھے اور آپؑ نے رہتی دنیا تک ذلت و رُسوائی اور لعنت کا طوق ان کے گلے میں پہنا دیا اور یزید کے نام کو بُرائی کا محور اور گالی بنا دیا۔ یزید دینِ اسلام میں یزیدی اصول و کردار کی آمیزش کرنا چاہتا تھا لیکن نواسۂ رسولؐ، جگر گوشۂ علیؑ و بتولؑ، جوانانِ جنت کے سردار حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے مقدس لہو سے یوں شجرِ اسلام کی آبیاری کی کہ اسے تا قیامت زندہ و جاوید اور لازوال بنا دیا۔

کربلا میں اسلام اور توحید و ولایت کو بچانے کے لیے فقط ایک فرد نہیں کھڑا ہوا تھا بلکہ ایک پوری نسل کا وارث کھڑا ہوا تھا۔ نسلِ انبیاءؑ کا وارث...... جو کچھ امام حسین علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام سے ارث میں لیا اسی وراثت کی حفاظت کے لیے امام علیہ السلام کو کربلا آنا پڑا۔ یعنی ارثِ انبیاءؑ ختم ہو رہا تھا، لُٹ رہا تھا۔ ارثِ انبیاءؑ خطرے میں تھا اور اس کو بچانے کے لیے امام علیہ السلام اپنا سب کچھ لٹا رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں یزید بھی تنہا نہیں کھڑا تھا بلکہ وہ بھی ایک پوری نسل کا وارث بن کر کھڑا تھا۔ آلِ سفیان کا وارث، آلِ فرعون کا وارث، آلِ نمرود کا وارث، آلِ شداد کا وارث، آلِ قارون کا وارث، آلِ قابیل کا وارث گویا جتنے جفاکار اور ستم گر تاریخ میں گزرے ہیں ان سب کا وارث اور نمائندہ یزید لعین تھا۔ کربلا میں حق و باطل کے مابین برپا ہونے والے اس معرکہ میں امام حسین علیہ السلام نے بھی اپنا ورثہ حسینیت کی شکل میں آگے منتقل کر دیا اور یزید نے بھی اپنی وراثت یزیدیت کی صورت میں آگے منتقل کر دی...... تو معلوم ہوا کہ ابھی تک وہ دونوں وراثتیں موجود ہیں اور چلی آرہی ہیں۔ ارثِ حسینؑ بھی اور ارثِ یزید لعین بھی۔ لیکن اس میں یہ مشخص کرنا اہم ہے کہ ہر انسان کو یہ پتا چل جائے کہ میں کس کا وارث ہوں، اور میں نے کس سے کچھ لیا ہے!!

اس کتاب ''مقتل الحسینؑ'' کے مولف حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ عبدالرزاق الموسوی المقرم نے انتہائی خوبصورت انداز میں کربلا کے پس منظر کو سمجھاتے ہوئے کربلا کے دردناک واقعات اور دلسوز سانحات کو بیان کیا ہے اور مولف نے

انتہائی دیانت داری کے ساتھ تاریخ کے اوراق سے بنو اُمیہ کے متعلق حق و حقیقت پر مبنی کلمات کو سپردِ قرطاس کیا لیکن حسینیت کی مظلومیت کہ ہم آج بھی ان میں سے بعض کا برملا اظہار کرنے سے قاصر ہیں اور عربی سے اُردو سانچے میں ڈھالتے وقت بعض مصلحتوں کے تحت ان کو حذف کر دیا گیا، اگرچہ کہ وہ اسلام کی تاریخ کا سیاہ باب ہے لیکن وہ سیاہ باب ہی ان تاریک چہروں کی سیاہی کو آشکار کرتا ہے۔

مترجم کا مؤلف کی ہر تحریر اور نظریے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے اور امانتِ علمی کے تحت مؤلف کے نظریے کو من و عن پیش کیا گیا ہے۔ یقیناً خطباء و واعظین اور ذاکرین کے لیے یہ ایک علمی نادر تحفہ ہے جس سے مستفید ہو کر ملکۂ کونین، سیّدۃ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہراسلام اللہ علیہا کی خوشنودی کے ساتھ خدا و رسولؐ کی خاص عنایات اور انعام و اکرام کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں۔

اس پُرآشوب دور میں میری اپنے وقت کے امام، حجتِ دوراں، بقیۃ اللہ، منتقم و وارثِ خونِ حسینؑ امامِ زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ الشریف) کی بارگاہِ اقدس میں یہ التجا ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے رُخِ انور سے پردۂ غیبت ہٹائیں اور دنیا کو کربلا اور حسینیتؑ سمجھائیں اور کربلا کے ان مظلوم شہداء کے ناحق خون کا ظالموں سے انتقام لیں اور ہمیں اپنے قدموں میں شہادت کا جام نوش کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

بندۂ ناچیز پُرتقصیر اپنی اس ادنیٰ سی کاوش کو خدا اور رسولؐ، آئمہ معصومین علیہم السلام بالخصوص کربلا کے دل دہلا دینے والے اور آنکھ کو رُلا دینے والے واقعات کی چشم دید گواہ ملکۂ شام محسنہ انسانیت و حسینیت، عقیلہ بنی ہاشم، اُم المصائب حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ ان کی نگاہِ کرم سے قبولیت کے ساتھ دنیا و آخرت کی خوش بختی اور مغفرت کا طالب ہوں۔

الداعی الی الکربلا!

حسن رضا باقر

ابن حافظ اقبال حسین جاویدؔ

مولف کے حالاتِ زندگی

سید عبدالرزاق بن محمد بن عباس بن حسن بن قاسم بن حسون بن سعید بن حسن بن کمال الدین بن حسن بن سعید بن ثابت بن یحییٰ بن دویس بن عاصم بن حسن بن محمد بن علی بن سالم بن علی بن مبرہ بن موسیٰ بن علی بن جعفر بن امام ابوالحسن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادقؑ۔

آپ کا لقب "مقرم" ہے اور آپ کا خاندان اس وجہ سے اس سے ملقب تھا کہ آپ کے اجداد میں سے ایک جدِ بزرگوار علیل ہوئے تو ان کے پاؤں میں مرض کی وجہ سے چلنے کی سکت نہ رہی اور پھر وہ گھر پر ہی قیام کرتے لہٰذا ان کو مقرم کہا جانے لگا اور اس سے قبل آپ کے خاندان کو آپ کے جدِ بزرگوار سعید بن ثابت کی نسبت سے "سعیدی" لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

سید عبدالرزاق موسوی مقرم ۱۳۱۶ھ بمطابق ۱۸۹۴ء نجف اشرف عراق میں ایک نیک و صالح اور متقی و پرہیزگار والدین کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی سید محمد بن سید عباس اکثر کوفہ کی جامع مسجد اعظم میں عبادت و ریاضت اور اعتکاف میں مشغول رہتے۔ لیکن آپ کی پرورش آپ کے نانا سید حسین نے کی جو کہ خود ایک عالم و فاضل شخصیت کے مالک تھے اور آپ نے دینی تعلیم کے حصول کی ابتداء ان سے کی۔ انھوں نے آپ کو عربی زبان و ادب، علم فقہ اور عقائد کے مسائل سے آشنا کیا اور آپ کے نانا بزرگوار ۱۳۳۴ھ میں دارفانی سے دارِبقاء کی طرف کوچ کر گئے۔ آپ کے والد گرامی نے ۱۳۵۱ھ اور والدہ نے ۱۳۷۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ نے انتہائی سخت اور کسمپرسی کے حالات میں زندگی گزاری اور ہر مشقت و تکلیف کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا اور مکتبِ اہلِ بیتؑ کی تعلیمات کے حصول اور ان کی نشر و اشاعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا قرار دیا۔

آپ نے نجف اشرف کے عظیم فقہاء اور اساتذہ سے علمی و ادبی فیض کا اکتساب کیا ان میں سے چند یہ ہیں:

① آیت اللہ العظمیٰ میرزا محمد حسین النائینی (متوفی ۱۳۵۵ھ)
② آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالحسن اصفہانی (متوفی ۱۳۶۵ھ)
③ آیت اللہ العظمیٰ سید محسن الحکیم (متوفی ۱۳۹۰ھ)
④ آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئی ⑤ حجۃ الاسلام شیخ آغا ضیاء العراقی

⑥ حجۃ الاسلام شیخ حسین حلی نجفی ⑦ حجۃ الاسلام شیخ محمد رضا آل شیخ ہادی آل شیخ کاشف الغطاء

⑧ مجاہد کبیر حجۃ الاسلام شیخ محمد جواد البلاغی (متوفی ۱۳۵۲ھ)

علماء کے دروس اور محفلوں میں آپ کو خاص قدر و منزلت حاصل تھی اور آپ نے اپنی کتب میں علمی، تحقیقی اور دلائل کے اسلوب کو اپنایا ہے۔ آپ تاریخی واقعات کو بھی نقد و تحقیق کے اصولوں پر پرکھنے کے بعد درج فرماتے اور مفہوم کو سمجھانے کے لیے آسان و خوبصورت الفاظ کا چناؤ کرتے۔ آپ نے آئندہ نسلوں کو حق و حقانیت اور مکتب اہلِ بیتؑ کی تعلیمات اور اہداف سے روشناس کرنے کے لیے درج ذیل مطبوعہ علمی آثار چھوڑے ہیں:

① مقتل الحسینؑ ② زید الشہید ③ مختار بن عبیدہ ثقفی

④ الصدیقۃ الزہراؑ ⑤ الامام زین العابدینؑ ⑥ الامام الرضاؑ

⑦ الامام الجوادؑ ⑧ قمر بنی ہاشم ⑨ علی الاکبرؑ

⑩ الشہید مسلم بن عقیل ⑪ السیدہ سکینہؑ ⑫ سر الایمان فی الشھادۃ الثالثۃ

⑬ یوم الاربعین عند الحسینؑ ⑭ المحاضرات فی الفقہ الجعفری (سیّد علی شاہرودی کی کتاب پر تعلیقات)

آپ کے خطی نسخوں میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

① المستقد الاکبر محمد ﷺ ② الحسن بن علیؑ ③ عاشوراء فی الاسلام

④ الاعیاد فی الاسلام ⑤ ذکری المعصومینؑ ⑥ زینب العقیلہؑ

⑦ میثم التمار ⑧ ابوذر الغفاری ⑨ عمار بن یاسر

⑩ نقل الاموات فی الفقہ الاسلامی ⑪ نقد التاریخ فی مسائل ست ⑫ حلق اللحیۃ

⑬ دراسات فی الفقہ والتاریخ ⑭ ربائب الرسول ⑮ الکنی والالقاب

⑯ نوادر الآثار ⑰ یوم الغدیر ۔ أو حجۃ الوداع ⑱ حاشیۃ علی الکفایۃ (شیخ محمد کاظم الخراسانی)

⑲ حاشیۃ علی المکاسب (شیخ مرتضیٰ الانصاری)

اہلِ بیت علیہم السلام کی ولایت و مودّت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور آپ لوگوں کو اس نعمتِ خداوندی پر استقامت کی تلقین فرماتے اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے بلند اہداف سے لوگوں کو آگاہ کرتے۔ آپ ظاہری نمود و نمائش اور بناوٹ سے کوسوں دُور تھے اور ہمیشہ سادگی کی زندگی کو ترجیح دی۔ علم و عمل کا یہ درخشاں ستارہ ۱۷ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ بمطابق ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا لیکن رہتی دنیا تک ان کے علمی و تحقیقی آثار و کتب سے انسانیت منوّر ہوتی رہے گی اور جادۂ مستقیم سے آگاہی حاصل کرتی رہے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (سورۂ عنکبوت: آیہ ۶۹)

"اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا انھیں ہم ضرور اپنی راہ کی ہدایت کریں گے اور اس میں شک نہیں کہ خدا نیکوکاروں کا ساتھی ہے"۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ (سورۂ آل عمران: آیہ ۱۶۹)

"اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے ہاں سے روزی پاتے ہیں"۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (سورۂ آل عمران: آیہ ۱۷۰)

"اور خدا نے جو فضل و کرم ان پر کیا ہے اس (کی خوشی) سے پھولے نہیں سماتے اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے اور ان میں آ کر شامل نہیں ہوئے ان کی نسبت یہ (خیال کر کے) خوشیاں مناتے ہیں کہ (یہ بھی شہید ہوں تو) ان پر نہ کسی کا خوف ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے"۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰي بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (سورۂ توبہ: آیہ ۱۱۱)

"اس میں تو شک ہی نہیں کہ خدا نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات پر خرید لیے ہیں کہ (ان کی قیمت) ان کے لیے بہشت ہے اور (اسی وجہ سے) یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے ہیں اور خود بھی مارے جاتے ہیں۔ یہ پکا وعدہ توراۃ، انجیل اور قرآن میں لکھ دیا گیا ہے اور خدا سے بڑھ کر اور کون زیادہ اپنے وعدے کو پورا کرسکتا ہے۔ تم تو اپنی فروخت سے جو تم نے خدا سے کی ہے خوشیاں مناؤ یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا قیام

شہید راہِ دین خدا، محافظ اسلام، فرزند امیر المومنین حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام کا مقصد اُموی حکومت کی بدعات کو باطل قرار دینا، شریعت مقدسہ سے ملحق کی گئی غلط باتوں کا منہ توڑ جواب دینا اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنا کہ اُمویوں نے جو ذلت آمیز بدعات، فسق وفجور اور گھٹیا باتیں دین سے منسوب کیں اور ان کی اندھیر نگری والی سیاست کو بے نقاب کرنا تھا [1] اور آپؑ نے اپنے مقدس ہدف و مقصد کے حصول کی خاطر قیام فرمایا، دین کی سرکردہ شخصیات کو اس بُرائی اور رُسوائی سے آگاہ کیا، لوگوں کو ذلیل و رُسوا یزید (ملعون) کی پہچان کروائی اور اس کے گردونواح میں موجود شرانگیز رہبروں اور فتنوں کے جراثیموں کی نشاندہی کی، جس نے لوگوں کی سماعت و بصارت کے دریچے وا کردیے یہاں تک کہ ہر مسلمان ان کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا۔ آپؑ کے اس مقدس قیام سے مسلمانوں کے عزائم پھر سے جوان ہوئے اور بعض لوگوں کے دینی جذبات اُبھر کر مخالف سے ٹکرانے لگے۔ اس حسینی قیام نے ایسی بحث و جدال کی شکل اختیار کی جس کے بعد خون ریز جنگیں ہوئیں جنھوں نے بنی اُمیہ کی زندگیوں کا خاتمہ کردیا اور اسلامی خلافت کے نام پر قائم کی ہوئی ان کی بادشاہت کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کردیا۔ اس معرکہ میں فتح پانے والے حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذکر ہمیشہ قائم اور آپؑ کی وصیت ہمیشہ لوگوں کے دلوں پر نقش رہے گی۔ آپؑ کو شرافت و بزرگی وراثت میں ملی اور آپؑ کی شان بلند و بالا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ پروردگار ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

''اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے ہاں سے روزی پاتے ہیں''۔ (سورۂ آل عمران: آیہ ۱۶۹)

---

[1] احمد امین نے اپنی کتاب ''ضحی الاسلام من الحکم الاموی'' کی جلد نمبر ۱، ص ۲۷ پر تحریر کیا ہے کہ ''اُموی حکومت ہرگز ایک اسلامی حکومت نہیں تھی کہ جس میں تمام لوگوں کو برابر حقوق حاصل ہوتے اور ہر اچھائی کرنے والے کو اس کا صلہ ملتا خواہ وہ عربی ہوتا یا کوئی عجمی غلام، اور ہر مجرم کو سزا دی جاتی خواہ وہ عربی ہوتا یا کوئی عجمی غلام۔ لیکن اُموی دورِ حکومت میں حکمرانی عربوں کی تھی اور وہ حکمران صرف عربوں کے خدمت گزار تھے۔ اس دورِ حکومت میں عرب اسلامی طرزِ حکومت پر حکمران نہیں تھے بلکہ وہ زمانۂ جاہلیت کی طرز پر حکمرانی کر رہے تھے''۔

جو شخص بھی تاریخ کا دقیق انداز میں مطالعہ کرے اور حقائق کو تجزیاتی انداز میں دیکھے تو اس کے سامنے حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات مقدس جو بزرگی و کرامت والی ہے واضح طور پر آشکار ہوتی ہے۔ ان تاریخی شواہد کے بعد آپ کے سامنے امام علیہ السلام کا پاکیزہ ہدف، نیک نیتی اور بلند مقاصد جو آپؑ نے اپنے وطن اور سفر میں ملحوظ خاطر رکھے تھے وہ کھل کر سامنے آتے ہیں کہ جن اہداف و مقاصد کو آپؑ اپنی پیش قدمی اور کربلا میں قیام اور یزیدیوں کو دعوت حق دیتے ہوئے اپنے سامنے رکھے ہوئے تھے۔ میں آپ کے متعلق یہ گمان نہیں کرتا کہ اگر آپ کو امامؑ جو کہ عظیم شہید ہیں، کی معرفت ہو کہ وہ کون ہیں اور ان کے اعمال کیسے تھے تو پھر آپ کے سامنے امامؑ کے اہداف و مقاصد، آپؑ کے کلمات اور جملوں کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت ہو۔ حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہر بات کو جاننے سے پہلے آپ کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس مخالف کا موقف جاننا چاہیے کہ جس ذلیل و رُسوا شخص کے ظلم اور مصائب نے امام علیہ السلام کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا۔

اگر ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کو جو کہ امامت اور واضح حق کی نمائندگی کر رہے تھے، اس سے قطع نظر ہو کر دیکھیں تو بھی ہم ملاحظہ کریں گے کہ اس وقت کوئی شخص بھی آپؑ کی برابری نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کوئی آپؑ کے سامنے فخر و مباہات کر سکتا تھا کیونکہ آپؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ جب بھی آپؑ کے دشمن نے اپنا موازنہ آپؑ کی ذات مبارک سے کرنے کی کوشش کی تو خود کو ہیچ پایا کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو یزید (ملعون) اور اس کے آباء و اجداد پر اپنی باعزت اور پُروقار ذات کے ذریعے واضح برتری حاصل تھی۔

کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ابوسفیان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موازنہ کریں گے؟! یا معاویہ کا امیر المومنین علی علیہ السلام سے؟! یا ہندہ جگر خورہ کا اُمّ المومنین حضرت خدیجہؑ سے؟! یا میسون کا حضرت فاطمہ سیّدۃ نساء العالمین سے؟! یا جاہلیت کے طور اطوار کا اسلام کی وحی کے ساتھ؟! یا ان کی جہالت کا اپنے علم سے؟! یا ان کی ذلت و رُسوائی والی شرانگیزی کا اپنی مقدس ذات سے؟!۔ اسی طرح دیگر اُمور کا ہرگز موازنہ نہیں کر سکتے تھے کہ جنھیں قلم لکھنے سے قاصر اور زبان بیان کرنے سے عاجز ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے مخلص اولیاء کے درمیان کچھ ایسے گہرے راز ہیں جنھیں اہلِ معرفت حضرات کی بصیرت بیان کرتی ہے اور کوتاہ لوگوں کی افکار ان رازوں کو جاننے سے قاصر ہیں یہاں تک کہ ان کوتاہ فکر لوگوں کو تعصب نے اندھا کر دیا اور وہ اس مقدس ہستی کے خلاف زبان درازی کرنے لگے۔ وہ اپنی دشمنی کو ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام حسینؑ اپنے نانا کی تلوار سے مارے گئے ہیں کیونکہ انھوں نے اپنے وقت کے امام (یزید ملعون) کے خلاف خروج کیا تھا جب کہ اس (یزید لعین) کی بیعت کی جا چکی تھی اور اہل حل وعقد کے اجماع کے ذریعے خلافت کی تمام شرائط مکمل ہو چکی تھیں اور اس نے کوئی

ایسا کام سرانجام نہیں دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج کیا جاتا اور وہ اس خلافت کا بار نہ اُٹھا سکتا۔ ①

ایسی باتیں کرنے والے اس حقیقت سے بالکل غافل ہیں کہ میسون (عیسائی) کے بیٹے نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا بلکہ اس کی زندگی واقعۂ کربلا سے پہلے اور بعد ذلت آمیز واقعات اور پست اعمال سے بھری پڑی ہے، جس پر اسے طعن و تشنیع کی جاسکتی ہے۔ جب کہ یزید (ملعون) نے ایسی ماں کا دودھ پیا جو شہوتوں سے لبریز تھا اور ایسی گود میں پرورش پائی جس پر رسولِ خدا کی زبانِ مبارک کے ذریعے لعنت وارد ہوئی ہے۔ ② اگر اُمت اسلامیہ سرکار دو عالم ﷺ کے واجب حکم کی اطاعت کرتی تو اُمت بنواُمیہ کی طرف سے نازل ہونے والے عذاب اور سختیوں سے محفوظ رہتی لیکن اُمت نے خدا کی عطا کردہ نعمتوں اور حجتوں کو جھٹلایا تو ان پر وہ مصائب آئے کہ جن کا انجام زہرِ قاتل ثابت ہوا۔ خدا نے انھیں خوف اور

---

① یہ عبارت ابوبکر بن عربی اندلسی نے اپنی کتاب "العواصم" کے صفحہ نمبر ۲۳۲ پر تحریر کی ہے جب کہ اس کی تحقیق محب الدین الخطیب نے کی ہے اور یہ کتاب ۱۳۷۱ھ میں شائع ہوئی۔ اس نے لکھا ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "عنقریب اس اُمت میں اختلافات ظاہر ہوں گے، جو شخص اس اُمت کے اتحاد کے بعد اس میں تفرقہ ڈالے تو تلوار سے اس کی گردن اُڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو"۔ پس لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر حضرت امام حسینؑ سے اختلاف کیا اور جو کچھ انھوں نے ان کے نانا سے سنا تھا اس کے تحت انھیں قتل کر دیا (العیاذ باللہ)

محب الدین نے اس حدیث پر تعلیقہ لگاتے ہوئے کہا کہ یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح کی کتاب الامارۃ میں نقل کی ہے۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح مسلم کی جلد ۲، ص ۱۲۱ پر کتاب المفردات کے بعد کتاب الامارۃ میں زیاد بن علاقہ نے عرفجہ سے اور عرفجہ نے نبی اکرم ﷺ سے نقل کی ہے۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب کی ج ۳، ص ۳۸۱ پر ابن علاقہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سیّئ المذہب اور اہلِ بیتؑ سے منحرف تھا اور عرفجہ کا تذکرہ ج ۷، ص ۱۷۶ پر کیا ہے لیکن اس کی مدح یا ذم کے بارے میں کچھ بھی نقل نہیں کیا جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ مجہول راویوں میں سے تھا کہ جن سے منقول حدیث کی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ابوبکر بن عربی اندلسی یزید (ملعون) کی خلافت کو درست سمجھتا تھا حالانکہ اس نے نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کو پڑھا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "میری اُمت میں عدل و انصاف قائم رہے گا یہاں تک کہ بنی اُمیہ کا ایک شخص اس میں رخنہ ڈالے گا جس کا نام یزید ہوگا"۔ اس حدیث کو ابن حجر نے مجمع الزوائد میں ج ۵، ص ۲۴۱ پر مسند ابی یعلی اور بزاز سے نقل کیا ہے۔ اور الصواعق المحرقہ کے ص ۱۳۲ پر مسند الرویانی کے ذریعے ابی درداء سے منقول ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا: "سب سے پہلے میری سنت کو تبدیل کرنے والا شخص بنواُمیہ سے ہوگا، اس کا نام یزید ہوگا"۔ صحیح بخاری کی کتاب الفتن اور باب قول النبی میں آپؐ کا فرمان ہے: "میری اُمت کی ہلاکت اس اُمت کے ایک لڑکے سے ہوگی"۔ ابوہریرہ سے مروی ہے کہ میں نے رسولِ خدا سے سنا: "میری اُمت کی ہلاکت قریش کے چھوکرے کے ہاتھوں ہوگی"۔ ابن حجر نے فتح الباری، ج ۱۳، ص ۷ پر اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ بازار میں یہ کہتے ہوئے جاتا: "اے اللہ! مجھے ۶۰ ہجری اور چھوکروں کی حکومت نہ دکھانا"۔ ابن حجر کہتا ہے کہ وہ اس سے یزید کی خلافت کی طرف اشارہ کرتا تھا کیونکہ وہ ہی ۶۰ ہجری میں تختِ حکومت پر بیٹھا تھا۔

② تفصیل کے لیے تاریخ طبری: ج ۱۱، ص ۳۵۷، حوادث ۲۸۴ھ، تاریخ ابوالفداء: ج ۲، ص ۵۷، حوادث ۲۳۸ھ اور نصر کی کتاب "صفین" ص ۲۴۷، مطبوعہ مصر اور سبط ابن جوزی کی کتاب "تذکرۃ الخواص" ص ۱۱۵، مطبوعہ ایران میں مرقوم نبی کریمؐ کی حدیث کی طرف رجوع کریں۔

وحشت کا لباس پہنا دیا اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا تا کہ اب خود ہی اس ظلم و زیادتی کا مزہ چکھ لیں۔ اُمت ذلت و غلامی کی زنجیروں میں قید ہو کر زندگی بسر کرنے لگی اور اپنی آنکھوں سے بے حیائی دیکھتی رہی اور خواہشات و شہوات کے گرویدہ لوگ ان کی عزتیں پامال کرتے رہے۔ خاندانِ بنواُمیہ کی حقیقت یزید (ملعون) کی شہوت پرستی سے ٹپک رہی تھی، اس نے بے حیائی اور خواہش پرستی کی انتہا کر دی۔ اس نے اپنے ان تمام بُرے ارادوں کو ظاہر کیا جو وہ اسلام کے خلاف اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھا اور وہ اس بات پر خوش تھا کہ اس کے لیے میدان خالی ہو اور کوئی اسے روک ٹوک کرنے والا نہ ہو۔

اہلِ سنت کے معروف عالمِ دین علامہ آلوسی بیان کرتے ہیں: "جو شخص یہ کہتا ہے کہ یزید (ملعون) نے قتلِ حسینؑ سے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا ہے اور اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ یزید کے مددگاروں میں اپنا شمار کر لے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ خبیث، نبی اکرم ﷺ کی تصدیق نہیں کرتا تھا۔ اس نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لوگوں اور نبیؐ کی طیب و طاہر اولاد کے ساتھ ان کی زندگی میں اور ان کے وصال کے بعد جو کچھ کیا اور اس نے جو ذلت آمیز کام سرانجام دیئے، وہ اس کے نبیؐ کی نبوت و رسالت کا معتقد نہ ہونے کی کوئی کم دلیل نہیں ہیں، گویا کہ اس نے قرآنِ مجید کے پاکیزہ اوراق کو گندگی میں ڈال دیا ہو۔ میں یہ تصور نہیں کرتا کہ اُس دور کے جلیل القدر مسلمان اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں تھے بلکہ وہ سب کچھ جانتے تھے لیکن مغلوب اور مجبور ہونے کی وجہ سے ان کے پاس صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یزید خبیث مسلمان تھا تو وہ ایسا مسلمان تھا، جس نے اتنے گناہانِ کبیرہ سرانجام دیے جن کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں ایسے شخص پر نام لے کر لعنت کرنے کو جائز سمجھتا ہوں اگرچہ کہ فاسقوں میں بھی اس جیسا فاسق نہیں ہوگا۔ ظاہر یہی ہے کہ اس نے اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کی تھی اور اس کی توبہ کا احتمال اس کے ایمان کے احتمال سے بھی کم ہے۔

ابن زیاد، عمر ابن سعد اور ان کا لشکر بھی یزید (ملعون) کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ ان کے اعوان و انصار اور ان کی جماعت اور جو بھی ان کی طرف رغبت رکھتا ہے ان سب پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ کسی آنکھ نے بھی حضرت امام حسینؑ سے زیادہ کسی ہستی پر گریہ نہیں کیا۔ مجھے اپنے دور کے نامور فاضل شاعر عبدالباقی آفندی العمری الموصلی کی بات نے حیرت زدہ کر دیا کہ جب اس سے یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا:

یزید علی لعنی عریض جنابه

فاغدوا به طول المدی العن اللعنا

"میں یزید (ملعون) پر جتنی زیادہ لعنت کر سکوں کرتا ہوں اور تم کو بھی اس پر لعنت کرنی چاہیے اور تم ہمیشہ جس قدر بدترین لعنت اس پر کر سکتے ہو، کرتے رہو"۔

جو شخص اس حقیر اور ذلیل انسان پر واضح طور پر لعنت کرنے سے گھبراتا ہو تو اسے یہ کہنا چاہیے:

لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ رَضِیَ بِقَتْلِ الْحُسَیْنِ وَمَنْ آذٰی عِتْرَۃَ النَّبِیِّ بِغَیْرِ حَقٍّ ﴿وَمَنْ غَصَبَہُمْ حَقَّہُمْ﴾
یعنی "ہر اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو قتلِ حسینؑ پر راضی ہوا اور جس نے ناحق نبیؐ کی اولادِ اطہارؑ کو تکلیفیں دیں (اور جس نے ان کا حق غصب کیا)"۔

اس طرح لعنت کرنے والا بھی عام طور پر یزید خبیث پر لعنت کرنے والا شمار ہوگا اور ان الفاظ کے ذریعے لعنت کے جواز پر کوئی مخالفت بھی نہیں کرے گا ماسوائے ابن عربی جیسے لوگ کہ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ بظاہر جو کچھ ابن عربی اور اس کے ہم نوا لوگوں نے منقول ہے اس سے یہی پتا چلتا ہے کہ وہ اس شخص پر لعنت کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ جو قتلِ حسینؑ پر راضی ہو۔ مجھے میری زندگی کی قسم! ایسی بات کرنے والا یزید (ملعون) سے زیادہ گمراہ اور گمراہ کن ہے۔

علامہ آلوسی مزید تحریر کرتے ہیں کہ برزنجی نے "الاشاعہ" اور ابن حجر ہیثمی نے "الصواعق المحرقہ" میں بیان کیا ہے: جب امام احمد ابن حنبل سے ان کے بیٹے عبداللہ نے یزید (ملعون) پر لعنت کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: اس شخص پر کیسے لعنت نہ کی جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں لعنت کی ہے۔ یہ سن کر عبداللہ نے کہا: میں نے کتابِ خدا کی تلاوت کی ہے لیکن اس میں مجھے یزید پر لعنت نہیں ملی تو امام احمد ابن حنبل نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝ (سورۂ محمد: آیہ ۲۲)

"کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ اگر تم حاکم بنو تو روئے زمین میں فساد پھیلانے اور اپنے رشتے ناطوں کو توڑنے لگو"۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰىٓ أَبْصَارَهُمْ ۝ (سورۂ محمد: آیہ ۲۳)

"یہ وہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان کو بہرہ اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے"۔

علماء کے ایک گروہ نے یزید (ملعون) کے کفر کو یقینی قرار دیا اور اس پر واضح لعنت کی ہے۔ ان میں قاضی ابویعلیٰ اور حافظ ابن جوزی شامل ہیں۔ تفتازانی نے کہا ہے: "ہمیں نہ صرف یزید کی ذات بلکہ اس کے ایمان کے بارے میں بھی تحفظات ہیں۔ اس پر اور اس کے مددگاروں پر خدا کی لعنت ہو"۔ جلال الدین سیوطی نے بھی اس پر کھلم کھلا لعنت کی ہے۔

تاریخ ابن الوردی اور کتاب الوافی بالوفیات میں تحریر ہے کہ جب یزید (ملعون) کے سامنے حضرت امام حسین علیہ السلام کے خاندان کی عورتوں اور بچوں کو لایا گیا جب کہ شہدا کے سر نوکِ نیزہ پر سوار تھے تو اس وقت وہ قصرِ جیرون کی بلندی سے دیکھ رہا تھا۔ وہاں پر ایک کوا کائیں کائیں کر رہا تھا تو اس نے کہا:

لما بدت تلك الحمول واشرقت	تلك الشموس على ربى جيرون
نعب الغراب فقلت قل اولا تقل	فلقد قضيت من النبي ديوني

"جب یہ سر قصر جیرون کی بلندیوں سے ظاہر ہوئے اور یہ آفتاب روشن ہوئے تو کوے نے چلانا شروع کر دیا، پس! میں نے کہا کہ تُو آواز دے یا نہ دے میں نے نبی ﷺ سے اپنا قرض چکا لیا ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یزید (ملعون) نے رسولؐ خدا کی آلِ اطہارؑ کو شہید کر کے رسولؐ خدا سے اپنے ان رشتہ داروں کا بدلہ لیا جن کو جنگِ بدر میں قتل کیا گیا تھا۔ اس جنگ میں یزید (ملعون) کا دادا عتبہ، اس کا بیٹا اور اس کے کئی رشتہ دار قتل ہوئے۔ یہ الفاظ واضح کفر پر مبنی ہیں۔ اگر اس سے یہ قول ثابت ہوتا ہے تو اس نے کفر کیا۔ اسی طرح یزید (ملعون) نے عبداللہ بن زبعری کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کے اشعار پڑھ کر اپنے کفر کو آشکار کیا اور وہ اشعار لَيْتَ أَشْيَاخِيْ "اے کاش! کہ آج میرے آباؤ اجداد زندہ ہوتے"۔ (تفسیر روح المعانی: ج ۲۶، ص ۲۳، آیت فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ)

اس کے علاوہ یزید (ملعون) نے کئی کفریہ اور الحادیہ کلمات کہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کے انبیاءؑ اور مومنین کی قیامت تک لعنت کا حق دار ٹھہرا۔ یزید (ملعون) پر لعنت کرنے میں صرف وہی شخص ہچکچاہٹ محسوس کر سکتا ہے جو ایمان کی دولت سے محروم ہو اور جسے تعصب نے اندھا کر دیا ہو ایسا شخص اس بنا پر حق کے راستے پر چلنے سے کوسوں دُور ہے۔ پس! پھر وہ یزید (ملعون) کے کردار میں متردد ہے اور وہ اس قدر حیران و پریشان ہے کہ نہ تو وہ صحیح راستے کی طرف جا سکتا ہے اور نہ ہی تنگ و تاریک گمراہی کے راستے سے نکل سکتا ہے۔

محقق علماء نے یزید (ملعون) کے کفر اور زندیق ہونے میں لیت ولعل (ٹال مٹول) سے کام نہیں لیا۔ ابن خلدون کہتے ہیں: قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی نے اپنی کتاب "العواصم والقواصم" میں یہ غلط بات کہی ہے کہ حضرت امام حسینؑ شریعت کی تلوار سے مارے گئے۔ کیونکہ ابن العربی المالکی یہ قول تحریر کرتے ہوئے اس بات سے غافل رہا ہے کہ اسلامی خلافت کے لیے عادل امام کی شرط ہے لہٰذا اُس دور میں حضرت امام حسینؑ سے بڑا عادل کون ہو سکتا تھا؟! آپؑ سے زیادہ بہتر امام کون ہو سکتا تھا؟! اور مختلف نظریات کے حامل افراد سے جنگ کرنے میں حضرت امام حسینؑ سے زیادہ منصف مزاج کون ہو سکتا تھا؟!

ابن خلدون نے اپنی کتاب مقدمہ ابن خلدون کے ص ۲۵۴ پر تحریر کیا ہے کہ یزید (ملعون) کے فاسق ہونے پر علماء کا اجماع ہے اور فسق کے ہوتے ہوئے وہ عہدۂ امامت کا حق دار نہیں بن سکتا تھا، اسی لیے حضرت امام حسینؑ نے اس فاسق کے خلاف قیام کیا۔ صحابہ یا تابعین نے اس لیے گھر بیٹھے رہنے کو ترجیح نہیں دی تھی کہ یزید (ملعون) کا یہ فعل درست تھا بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ناحق خون کا بہانا اور حضرت امام حسینؑ کے خلاف جنگ میں یزید کی مدد کرنا جائز نہیں ہے۔ یزید (ملعون) کا حضرت امام حسینؑ کو شہید کرنا ایک ایسا فعل ہے جو اس کے فاسق ہونے پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے جب کہ اس معرکے میں حضرت امام حسینؑ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ہیں۔ (المقدمۃ: ص ۲۵۴ اور ۲۵۵، عند ذکر ولایۃ العھد)

ابنِ مفلح الحنبلی بیان کرتے ہیں: ابن عقیل اور ابن جوزی نے غیر عادل امام کے خلاف خروج کو جائز قرار دیا ہے۔

انھوں نے اس بات کی دلیل یہ دی ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے حق کو قائم کرنے کے لیے یزید (ملعون) کے خلاف خروج کیا تھا۔ ابن جوزی نے اپنی کتاب "السر المصون" میں یہ ذکر کیا ہے کہ عامۃ المسلمین میں سے زیادہ تر اہلِ سنت اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کا یزید (ملعون) کے خلاف خروج کرنے میں یزید (ملعون) درست اور حضرت امام حسینؑ خطا پر تھے (العیاذ باللہ)۔ لیکن اگر یہ لوگ سیرت کی کتابوں میں غور وفکر سے کام لیں تو انھیں یہ معلوم ہوجائے گا کہ یزید (ملعون) کی بیعت کیسے ہوئی اور لوگوں کے لیے اس کی بیعت کو کیسے لازم ٹھہرایا گیا۔ اس نے اس معاملے میں لوگوں کے ساتھ ہر برائی کا ارتکاب کیا اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اس کی خلافت ابتدا میں درست تھی تو پھر بھی اس نے کئی ایسے کام کیے ہیں جس کی بنا پر عقدِ بیعت فسخ ہوتی ہے۔ جیسے کہ مدینہ میں لوٹ مار، منجنیق سے خانہ کعبہ پر پتھراؤ، حضرت امام حسینؑ اور ان کے خاندان کو شہید کرنا اور پھر چھڑی کو آپؑ کے دانتوں پر مارنا اور آپؑ کے سر کو نوک نیزہ پر سوار کرنا۔ ان تمام اُمور کے باوجود جو بھی شخص یزید (ملعون) کو درست کہتا ہے وہ اس کے کردار سے جاہل ہے اور شاید وہ ان باتوں سے شیعوں کے خلاف اپنے غیظ وغضب کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ (الفروع: ج ۳، ص ۵۴۸، باب قتال اھل البغی، مطبعۃ المنار ۱۳۴۵ھ)

تفتازانی کہتے ہیں: سچ تو یہ ہے کہ یزید (ملعون) کا حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر راضی اور خوش ہونا اور اس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی توہین کرنا، اس کے متعلق معناً (معنی کے لحاظ سے) متواتر روایات موجود ہیں اگرچہ ان کی تفصیل اخبار آحاد ہیں۔ ہم ان تمام باتوں کی موجودگی میں نہ صرف یزید (ملعون) کی ذات بلکہ اس کے ایمان پر تحفظات رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یزید (ملعون) اور اس کے مددگاروں پر لعنت کرے۔ (شرح العقائد النسفیہ: ص ۱۸۱)

ابن حزم کا بیان ہے: یزید (ملعون) بن معاویہ کی حکومت کے فقط دنیاوی اغراض ومقاصد تھے، اس کی کوئی تاویل نہیں ہے اور وہ صرف ایک باغی سرکش تھا۔ (المحلیٰ: ج ۱۱، ص ۹۸، طبع استنبول ۱۳۴۳ھ)

شوکانی کا بیان ہے کہ بعض نام نہاد علماء نے اس وقت تمام حدیں عبور کر دیں جب انھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ نبیؐ کے نواسہ حضرت امام حسینؑ نے یزید (ملعون) بن معاویہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یزید (ملعون) ایک شرابی اور شریعت مقدسہ کی حرمت کو پامال کرنے والا شخص تھا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت کرے جو یزید (ملعون) کی حمایت میں ایسی باتیں کرتے ہیں۔ مجھے ایسی باتیں کرنے والوں پر تعجب ہوتا ہے کہ جن سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور شاید یہ باتیں سن کر ایک سخت چٹان بھی ریزہ ریزہ ہوجائے۔ (نیل الاوطار: ج ۷، ص ۱۴۷)

جاحظ کہتے ہیں: جو بداعمالیاں یزید (ملعون) نے سرانجام دی ہیں جیسے حضرت امام حسینؑ کو شہید کرنا، رسولِ خدا کی بیٹیوں کو قید کرنا، نواسۂ رسولؐ کے دانتوں سے چھڑی سے توہین کرنا، مدینہ منورہ کے لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور خانہ کعبہ کو منہدم کرنا، علاوہ ازیں یزید (ملعون) کی سنگدلی، آلِ رسولؐ سے دشمنی، بری رائے، بغض وکینہ اور منافقت یہ سب اُمور یزید (ملعون)

کے ایمان سے خارج ہونے کی دلیل ہیں۔ پس! وہ فاسق و فاجر اور ملعون ہے اور جو بھی اس ملعون پر لعنت کرنے سے روکے وہ بھی ملعون ہے۔ (رسائل الجاحظ: ص ۲۹۸، بنوامیہ کے متعلق گیارھواں مکتوب)

برہان حلبی بیان کرتے ہیں کہ شیخ محمد البکری اپنے والد کی پیروی کرتے ہوئے یزید (ملعون) پر لعنت کیا کرتے اور کہتے تھے: اللہ تعالیٰ یزید (ملعون) کو مزید ذلیل و رسوا کرے اور جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں رکھے۔ (السیرۃ الحلبیۃ)

اسی طرح ابوالحسن علی بن محمد الکیاھراسی نے بھی یزید (ملعون) پر لعنت کی ہے اور کہا ہے کہ اگر میں قلم کو صفحۂ قرطاس پر کھینچنے لگوں تو میں اس شخص کے بے پناہ بیہودہ کرتوتوں کو ضبط تحریر میں لاسکتا ہوں۔ (وفیات الاعیان ابن خلکان: ترجمہ علی بن محمد الکیاھراسی، یافعی کی مرآۃ الجنان: ج ۳، ص ۱۷۹، ۵۰۴ھ)

ابن العماد نے علی بن محمد الکیاھراسی سے نقل کیا ہے کہ جب ان سے یزید (ملعون) بن معاویہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا: وہ صحابی نہیں تھا کیونکہ وہ عمر بن خطاب کے زمانے میں پیدا ہوا۔ یزید (ملعون) کے متعلق احمد بن حنبل کے دو قول وارد ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک پیچیدہ اور دوسرا واضح وصریح ہے۔ اور مالک کے بھی دو قول ہیں: ایک پیچیدہ دوسرا واضح وصریح ہے اور ابوحنیفہ کے بھی دو قول ہے۔ ایک پیچیدہ اور دوسرا واضح وصریح ہیں لیکن ہمارا اس کے متعلق صرف ایک ہی قول ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں بلکہ وہ واضح ہے اور ہمارا یہ قول کیونکر واضح نہ ہو جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ یزید (ملعون) بندروں سے کھیلنے والا، شراب کے نشے میں دھت رہنے والا اور حالت نشہ میں اشعار کہنے والا شخص تھا۔ (شذرات الذھب، ابن عماد، ج ۳، ص ۱۷۹، ۵۰۴ھ)

ڈاکٹر علی ابراہیم حسن کہتے ہیں کہ یزید (ملعون) شرابی، لہو ولعب اور شکار کا دلدادہ تھا۔ (تاریخ الاسلام العام، ص ۲۷۰، تیسرا ایڈیشن)

ذھبی نے سیر اعلام النبلاء میں کہا ہے: یزید (ملعون) بن معاویہ ایک ناصبی، بداخلاق، اکھڑمزاج اور ظالم شخص تھا۔ وہ شراب پیتا اور (علی الاعلان) گناہوں کا ارتکاب کرتا تھا۔ اس نے اپنی حکومت کی ابتدا حضرت امام حسینؑ کو شہید کرکے کی اور اس کی حکومت کا خاتمہ واقعۂ حرہ پر ہوا۔ لوگوں نے اسے سخت ناپسند کیا اور اسے زیادہ زندگی گزارنا نصیب نہ ہوئی۔

شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں: اگر دنیا میں ایک عادل حکومت قائم ہو جو شرعی احکام وقوانین پر عمل درآمد کرتی ہو اور دوسری حکومت ظالم ہو جو شرعی قوانین کو پامال کرتی ہو تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ پہلی حکومت کی مدد کرے۔ پھر وہ کہتے ہیں: اسی وجہ سے رسولؐ خدا کے نواسہ حضرت امام حسینؑ نے یزید (ملعون) بن معاویہ کے خلاف خروج کیا جو کہ ایک ظالم و جابر اور سرکش حاکم تھا جس نے طاقت اور مکر وحیلہ سے مسلمانوں پر تسلط جما لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے اور خاص کر بنی اُمیہ اور نواصب میں سے جو بھی اس کا مددگار ہے اسے ذلیل و رسوا کرے۔ (تفسیر المنار: ج ۱، ص ۳۶۷، سورۂ مائدہ، آیت ۳۷ اور ج ۱۲،

ص ۱۸۳، ۱۸۵)

ابن تغری الحنفی کہتے ہیں: یزید (ملعون) فاسق اور شرابی تھا (النجوم الزاھرہ: ج ۱، ص ۱۶۳)۔ اور وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز القزوینی نے یزید (ملعون) کو امیر المومنین کہا تو علماء نے اسے تعزیر کرنے کے فتاویٰ کا اجراء کیا۔ پھر اسے بغداد سے قزوین شہر بدر کر دیا گیا۔ (النجوم الزاھرہ: ج ۶، ص ۱۴۳، ۵۹۰ھ)

ابوشامہ بیان کرتے ہیں: احمد بن اسماعیل بن یوسف قزوینی بغداد آیا تو اس نے بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں عاشورا کے دن وعظ و نصیحت کی اور لوگوں نے اسے یزید (ملعون) بن معاویہ پر لعنت کرنے کو کہا تو اس نے جواب دیا: یزید (ملعون) امام اور مجتہد تھا۔ یہ سن کر سامعین میں سے ایک شخص فوراً اس کی طرف لپکا اور قریب تھا کہ وہ اسے قتل کر دیتا۔ اس نے اسے منبر سے نیچے گرا دیا۔ پھر لوگوں نے احمد بن اسماعیل بن یوسف قزوینی کو بغداد سے قزوین کی طرف شہر بدر کر دیا اور وہ قزوین میں ہی ۵۹۰ھ میں مر گیا۔ [1]

سبط ابن جوزی کہتے ہیں: جب ان سے یزید (ملعون) پر لعنت کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا: احمد بن حنبل نے اس پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے ہمارے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کے ساتھ جو کچھ کیا اور رسولؐ خدا کی آلؑ کو قیدی بنا کر شام تک اونٹوں پر پھرایا تو اس طرح آلِ رسولؐ کی توہین کی گئی اس لیے ہم اس بنا پر اسے پسند نہیں کرتے اور اگر تم ہماری اس مصالحت سے راضی ہو کہ ہم اسے پسند نہیں کرتے تو ٹھیک ہے، ورنہ ہم اپنے اصل دعویٰ کی طرف رجوع کریں گے کہ اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ (مرآۃ الزمان: ج ۸، ص ۴۹۶، ۴۹۷ھ، حیدرآباد)

ابوالقاسم الزجاجی نے اپنی اسناد کے ساتھ عمر بن ضحاک سے نقل کیا ہے کہ عمر بن ضحاک کہتا ہے: یزید (ملعون) بن معاویہ کا ایک بندر ہم نشین تھا۔ ایک دن اس نے اسے جنگلی گدھی پر سوار کیا اور اس کی رسی کو کھینچ دیا اور اس کے پیچھے گھوڑے کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس گھوڑے نے گدھی کو تھکا دیا اور وہ مر گئی تو یزید (ملعون) بن معاویہ نے کہا:

تمسك اباقيس بفضل عنانها فليس علينا ان هلكت ضمان

كما فعل الشيخ الذى سبقت به زياداً امير المومنين اتان

''اے اباقیس! تم اس گدھی کی لگام کی رسی کو پکڑ کے رکھو اور اگر یہ ہلاک ہو جائے تو ہم اس کے ضامن نہیں ہیں جیسے اس سے پہلے ایک بوڑھے سے کیا گیا تھا کہ امیر المومنین (یزید ملعون) کی طرف سے زیاد کی جنگلی گدھی کو کچل دیا گیا''۔ (امالی الزجاجی: ص ۴۵، طبع مصر، المکتبۃ المحمودیۃ)

---

[1] ابوشامہ کی کتاب رجال القرنین: ص ۶، ۵۹۰ھ، مضمار الحقائق: تقی الدین عمر بن شہنشاہ ایوبی (متوفی ۶۱۷ھ) تحقیق ڈاکٹر حسن حبشی، ص ۱۲۰، حوادث ۵۷۹ھ۔

ابن اثیر نے ابی یعلی حمزہ بن محمد بن احمد بن جعفر بن محمد بن زید بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں یزید (ملعون) کو کافر نہیں کہتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ میری اولاد پر غیروں کو مسلط نہ کرنا اور خدا نے مجھے یہ چیز عطا فرمائی کہ ان پر غیر مسلم تسلط نہیں جما سکتا۔ (کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۵۱، ۶۴ھ، مروج الذھب) ①

اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ ان سے یہ کلام صادر ہوا ہے تو پھر یہ یقیناً انھوں نے تقیہ کرتے ہوئے ایسا کہا ہوگا۔ علامہ مجلسیؒ کے شاگرد میرزا عبداللہ آفندی نے مکمل کر اس کا انکار کیا ہے کیونکہ علم الرجال کے علماء میں سے جس عالم نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے اس نے ان کی مدح وتوصیف کی ہے اور انھیں اچھے الفاظ میں یاد کیا ہے لہٰذا ان سے ایسا کلام صادر نہیں ہوسکتا۔ اگر علمائے رجال کو خود ایسا کلام ملتا یا وہ علم الرجال کی کسی اور کتاب میں دیکھتے تو انھیں اس بنا پر ناپسند کرتے۔

شیخ صدوقؒ نے اپنی کتابوں میں انھیں رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ کہا ہے کیونکہ یہ شیخ صدوقؒ کے مشائخ میں سے تھے۔

عیون اخبار الرضا: ص ۳۹۴، باب ۳۹ میں مثال کے طور پر انھوں نے ان واقعات کو درج کیا ہے جو ۳۳۹ھ قم میں رُونما ہوئے۔ ان میں سے ایک وہ مکتوب ہے جو علی بن ابراہیم بن ہاشم نے ۳۰۹ھ میں شیخ صدوقؒ کی طرف حضرت امام علی رضاؑ کے خادم یاسر کے متعلق لکھا تھا۔

خطیب بغدادی نے اپنے تعصب کے باوجود ان (ابویعلی حمزہ بن محمد بن احمد بن جعفر بن محمد بن زید بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ) کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے لیکن ان سے یہ مذموم کلام ذکر نہیں کیا ہے (تاریخ بغداد: ج ۸، ص ۱۸۲، پہلا ایڈیشن)۔ پس! یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلام رافعی اور ابن اثیر نے خود اپنی طرف سے بڑھایا ہے، اس کلام کا اصلاً کوئی بھروسہ نہیں اور اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

جب ہمیں یہ معلوم ہوگیا ہے کہ اُمت اسلامیہ کے نامور علماء یزید (ملعون) سے نفرت کرتے ہیں تو اب ہم عبدالمغیث بن زہیر بن علوی الحربی کا محاسبہ کرتے ہیں کہ اس نے کن اصولوں کی بنیاد پر یزید (ملعون) کے فضائل کے موضوع پر کتاب تصنیف کی ہے (طبقات الحنابلہ: ابن رجب، ج ۱، ص ۳۵۶)۔ اسے کون سی ایسی صحیح روایت ملی تھی کہ اس نے وہ کتاب میں تحریر کردی۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ یزید (ملعون) کی ساری زندگی ذلت ورُسوائی اور شریعت کے تقدس کو پامال کرنے پر محیط ہے؟! اس لیے علماء کے نزدیک اس کتاب کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

---

① یہ روایت غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ: "ابویعلی کے اس قول کی پیروی نہیں کی جاسکتی کیونکہ ان کے شرف، قدرومنزلت اور ثقہ کی حیثیت سے یہ بعید ہے کہ ان سے یہ خشک کلام صادر ہوا گرچہ اس سے پہلے رافعی نے بھی ان کی طرف اپنی کتاب "التدوین فی علماء قزوین" میں اس کلام کو منسوب کیا ہے۔ (التدوین فی علماء قزوین: ج ۲، ص ۱۸۲۔ اس کی فوٹو کاپی السید الحکیم لائبریری نجف میں موجود ہے)۔

ابن العماد نے اپنی کتاب "شذرات الذھب" ج ۴، ص ۲۷۵، حوادث ۵۸۳ھ میں تحریر کیا ہے کہ عبدالمغیث بن زہیر بن علوی الحربی نے اپنی کتاب میں موضوع (من گھڑت) روایات بیان کی ہیں۔ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" کی ج ۱۲، ص ۳۲۸ پر تحریر کیا ہے کہ اسے ابن جوزی نے بہترین جواب دیا تھا اور ان کا اسے یہ جواب دینا درست تھا۔

کامل ابن اثیر، ج ۱۱، ص ۲۴۳ اور مروج الذھب میں تحریر ہے کہ اس نے عجیب و غریب روایات اور باتوں کا ذکر کیا ہے۔ ابن رجب نے "طبقات الحنابلہ" ج ۱، ص ۳۵۶ پر لکھا ہے کہ ابن جوزی نے اس کو ایک کتاب کے ذریعے جواب دیا تھا، ابن جوزی کی اس کتاب کا نام الرد علی المتعصب العنید المانع من لعن یزید ہے۔

یہ انتہائی حیران کن بات ہے کہ عبدالغنی المقدسی نے یزید (ملعون) کے متعلق جو فتویٰ دیا، جب اس سے یزید (ملعون) کے متعلق سوال ہوا تو اس نے جواب دیا: "یزید (ملعون) کی خلافت صحیح تھی (العیاذ باللہ)۔ کیونکہ اس کی ساٹھ صحابیوں نے بیعت کی تھی۔ ان صحابہ میں ابن عمر بھی شامل تھا اور جو شخص اسے (یزید ملعون) پسند نہیں کرتا تو اسے اس سے بدسلوکی بھی نہیں کرنی چاہیے اگرچہ وہ خود صحابی نہیں تھا۔ بے شک! اس پر لعنت کرنے سے اس لیے روکا جاتا ہے کہ کہیں لعنت کا یہ سلسلہ اس کے باپ تک نہ جا پہنچے تاکہ فتنہ کا دروازہ بند ہو جائے۔ (طبقات الحنابلہ: ابن رجب، ج ۲، ص ۳۴)

اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ابن حجر الہیثمی نے اس بات کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یزید (ملعون) قتلِ حسینؑ پر راضی نہ تھا اور نہ ہی اس نے حضرت امام حسینؑ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا (الفتاویٰ الحدیثیہ: ص ۱۹۳) حالانکہ اس کے متعلق متواتر روایات موجود ہیں کہ وہ (ملعون) قتلِ حسینؑ پر راضی تھا۔ اس بات کا منکر ایسے ہی ہے جیسے کوئی سورج کی روشنی کا منکر ہو۔

ابن جریر اور سیوطی نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ شہید ہو گئے تو یزید (ملعون) ان کی شہادت پر خوش ہوا اور ابن زیاد (ملعون) بھی اس وقت اس سے زیادہ خوش تھا لیکن بعد میں وہ نادم و پشیمان ہوا۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۱۹، پہلا ایڈیشن، تاریخ الخلفاء: ج ۱، ص ۱۳۹، یزید (ملعون) کے حالات میں)

خوارزمی نے بیان کیا ہے کہ یزید (ملعون) نے نعمان بن بشیر سے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَتَلَ الْحُسَیْنَ یعنی (العیاذ باللہ) "تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے حسینؑ کو قتل کیا"۔ (مقتل الحسینؑ: خوارزمی، ج ۲، ص ۵۹)

لیکن لوگوں نے یزید خبیث کی بداعمالیوں کا اسی طرح دفاع کیا جس طرح وہ اس کے سرپرست کی سرکشی اور اس کی پیغمبرؐ اسلام کے قوانین کی مخالفت کا دفاع کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ کیا اس کا سرپرست وہی شخص نہیں ہے جس کے باپ صخر نے مسلمانوں کی تلواروں کے خوف سے اسلام قبول کیا تو اس نے صخر سے کہا:

یاصخر لاتسلمن طوعاً فتفضحنا — بعدالذین ببدر اصبحوا مزقا

لا ترکنن الی امر تقلدنا — والراقصات بنعمان به الحرقا

فالموت اهون من قیل العداة لنا — خیل ابن هند عن العزی کذا فرقا

فان ابیت ابینا ما ترید ولا — تلم عن اللات والعزی اذا اعتنقا

"اے صخر! تم اسلام قبول کر کے ہمیں رُسوا نہ کرو جبکہ اس سے قبل جنگِ بدر کی لاشوں سے ہمارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ تم کسی ایسی شے کا حصہ نہ بنو کہ جس کی ہمیں بھی پیروی کرنی پڑے جب کہ نعمان کی رقاصاؤں کے دل زخموں سے چور چور ہیں"۔ (تذکرۃ الخواص: ص ۱۱۵، مطبوعہ ایران)

"ہمارے لیے موت اس سے زیادہ آسان ہے کہ نوجوان ہمیں یہ کہیں کہ ہندہ کا بیٹا شہسوار عزیٰ کی حفاظت سے فرار اختیار کر گیا۔ اگر تم نے اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو ہم بھی تمھاری منشاء کے مطابق انکار کر دیں گے۔ اگر لوگ لات اور عزیٰ کی پرستش کرتے ہیں تو انھیں ان کی پرستش سے باز نہ رکھو"۔ (التعجب، کراجکی: ص ۹۳، ضمیمہ کنزالفوائد)

فتح مکہ کے دن یزید (ملعون) کے دادا صخر (ابوسفیان) نے لشکرِ اسلام کی شان و شوکت دیکھ کر حضرت عباس سے کہا کہ یہ بادشاہت ہے تو فوراً حضرت عباسؓ نے اسے جواب دیا: وائے ہو تجھ پر! یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے۔ (ابن الاثیر: ج ۲، ص ۹۳، مروج الذہب اور تاریخ طبری: ج ۳، ص ۱۱۷، پہلا ایڈیشن)

میسون کا بیٹا یزید (ملعون) برائیوں کا مرکز و محور تھا اور خلافتِ الٰہیہ تو در کنار وہ بادشاہت کا بھی حق دار نہیں تھا؟! جب کہ اس وقت رسولؐ کی اُمت میں ریحانۃ الرسولؐ اور جوانانِ جنت کے سردار موجود تھے۔ ان کے والد گرامیؑ وہ ہیں جنھوں نے اپنے جہاد کے ذریعے دین کو قائم فرمایا اور ان کی والدہ محترمہؑ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔ حضرت امام حسینؑ چادرِ تطہیر میں آنے والے پنجتن پاکؑ میں سے پانچویں فرد ہیں، آپؑ حدیثِ ثقلین میں قرآنِ مجید کے برابر ہیں اور آپؑ سے علم کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ آپؑ جہاں کا بھی رُخ کرتے تمام مخلوق آپؑ پر فخر و مباہات کرتی تھی۔ آپؑ نبیؐ کے کندھوں پر نبوت کی خوشبو تھے اور آپؑ کے رُخِ انور سے امامت کی چمک ظاہر ہوتی تھی۔ جب ولید نے حضرت امام حسینؑ سے بیعت کا سوال کیا تو امامؑ نے ان ہی باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ایها الامیر انا اهل بیت النبوة ومعدن الرسالة ومختلف الملائکة بنا فتح الله وبنا یختم۔ ویزید (ملعون) رجل فاسق شارب الخمر وقاتل النفس المحترمة معلن بالفسق ومثلی لایبایع مثله۔

"اے گورنر! ہم نبوت کے اہلِ بیتؑ اور رسالت کی کان ہیں۔ ہمارے گھر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ابتدا ہم سے کی تھی اور وہ کائنات کا خاتمہ بھی ہم پر کرے گا۔ اور یزید (ملعون) ایک فاسق اور شرابی مرد ہے وہ نفسِ محترمہ کا قاتل ہے، وہ کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا"۔ (اللہوف، ابن طاؤس)

اس کے بعد ہم اس چالاک اور ہوشیار شخص سے سوال کرتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ "یزید (ملعون) کی بیعت کے انعقاد کے بعد حضرت امام حسینؑ نے خروج کیا تھا"۔ تو مجھے بتائیں کہ اس ظالمانہ بیعت کا انعقاد کب ہوا تھا؟ اور اہل حل وعقد نے کب اس پر اجماع کیا تھا؟ یا اس کی بیعت اس کے باپ نے لوگوں کو خوفزدہ کرکے لی تھی؟ یا جس دن اس کے باپ نے برائی کے محور اپنے گورنروں کو دنیاوی مال بھیجا اور وہ بھی حیرت سے اپنے ہونٹوں کو کاٹ رہے تھے؟[1] یا جس دن یزید (ملعون) کے کارندوں نے لوگوں پر اس کی بیعت کو پیش کیا اور رسولؐ خدا کے بیٹے (حضرت امام حسینؑ) اور ان کے ساتھ ہاشمیوں نے اس ملعون کی بیعت سے انکار کیا اور ابن زبیر مکہ فرار ہوگیا اور ابن عمر اپنے گھر میں چھپ گیا۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۷۰)

عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے برسرِ عام یہ کہا کہ یزید (ملعون) کی بیعت ھرقل (شاہِ روم) کی بیعت کی طرح ہے۔ جب ایک ھرقل مرگیا تو اس کی جگہ دوسرا ھرقل آگیا۔ (تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۱۹۹، بحوالہ مروج الذہب، مجالس ثعلب: ص ۵۱۹، زمخشری کی الفائق: ج ۲، ص ۳۰۳، مادہ قفص، مطبوعہ مصر)۔ اور وہ (عبدالرحمٰن بن ابی بکر) کہا کرتا تھا کہ اس کی بیعت قوق کی بیعت ہے اور قوق قیصر روم کا نام ہے۔ (سلس الغانیات: ص ۶۱، نعمان خیری آلوسی)

معاویہ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو ایک ہزار درہم بھیجے تاکہ اس کے ذریعے اس کی ہمدردیاں حاصل کرے تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اسے جواب دیا: میں دنیا کے عوض اپنا دین نہیں بیچتا۔ (تہذیب الاسماء، نووی: ج ۱، ص ۲۹۴، عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بیان میں)

جب عابس بن سعید نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو یزید (ملعون) کی بیعت پر اُبھارا تو عبداللہ نے اسے کہا: میں یزید (ملعون) کو تم سے زیادہ بہتر جانتا ہوں، تم نے اپنے دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالا ہے۔ ("القضاۃ" کندی: ص ۳۱۰)

مروان بن حکم نے یزید (ملعون) کی بیعت کے لیے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل العدوی کے پاس ایک شامی کو بھیجا تو سعید بن زید نے اس شامی سے کہا: "مروان مجھے اس بات کا حکم دیتا ہے کہ میں ان لوگوں کی بیعت کرلوں جن سے میں نے تلوار سے جنگ کی تو انھوں نے اسلام قبول کیا۔ خدا کی قسم! انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ خود کو سرنڈر کیا

---

[1] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۳۵۔ اس بات کو ابن خلکان نے بھی احنف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

تھا۔(تہذیب تاریخ ابن عساکر: ج۶،ص ۱۲۸)

زیاد بن ابیہ نے عبید بن کعب النمیری سے کہا: معاویہ نے مجھے یزید (ملعون) کی بیعت کے بارے میں یہ لکھا کہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری سنبھالنا ایک بہت بڑا کام ہے مگر یزید (ملعون) اپنی خواہشات میں مگن رہتا ہے اور وہ اپنے شکار کے مشغلے کی وجہ سے اس سے لاپروا اور غافل ہے۔ زیاد کہتا ہے: معاویہ نے مجھے یزید (ملعون) کے بارے میں بتایا کہ وہ کس قدر دینی اُمور سے لاپرواہ اور بُرائیوں کا دلدادہ ہے۔(تاریخ طبری: ج۶،ص ۱۶۹، حوادث ۵۶ھ)

سعید بن عثمان بن عفان نے اپنے خط میں یہ لکھتے ہوئے معاویہ کو یزید (ملعون) کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا کہ "میرا باپ یزید (ملعون) کے باپ سے بہتر ہے اور میری ماں یزید (ملعون) کی ماں سے بہتر ہے اور میں خود یزید (ملعون) سے بہتر ہوں"۔(نوادر المخطوطات: محمد بن حبیب، مکتوب نمبر ۶،ص ۱۶۵)

احنف بن قیس نے یزید (ملعون) کی بیعت کو ناپسند کرتے ہوئے معاویہ کو خط لکھا کہ: "وہ اپنی اس غلطی کو پہچانے جو اس نے اپنے بیٹے یزید (ملعون) کے لیے بیعت لینے کا ارادہ کیا ہے کیوں کہ وہ یزید (ملعون) کو حسنؑ وحسینؑ پر فوقیت دے رہا ہے حالانکہ وہ دونوں اس سے افضل ہیں۔ تمھاری حضرت امام حسنؑ کے ساتھ صلح میں دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی تھی کہ حضرت امام حسنؑ پر کسی کو فوقیت نہیں دی جائے گی اور عراق کے لوگوں نے جب سے حسنین شریفینؑ سے محبت کا دم بھرنا شروع کیا ہے اس کے بعد انھوں نے ان سے بغض نہیں رکھا۔ عراقیوں کے جسم میں وہ دل دھڑکتے ہیں جو یزید (ملعون) کے لیے بیعت کی وجہ سے معاویہ سے بغض رکھتے ہیں"۔(الامامہ والسیاسہ: ج۱،ص ۱۶۱، الامۃ پبلشرز، مصر، ۱۳۲۸ھ)

سیدالشہدا حضرت امام حسینؑ معاویہ کو وعظ ونصیحت اور سیدھا راستہ دکھاتے رہے اور اسے یزید (ملعون) کی بُرائیوں سے آگاہ کرتے رہے اور انھیں ہر لحاظ سے یزید (ملعون) پر فضیلت حاصل ہے۔ آپؑ نے اپنے خط میں معاویہ کو تحریر کیا: "بے شک میری ماں اس کی ماں سے بہتر ہے اور میرے والد گرامی اس کے باپ سے بہتر ہیں"۔

اس کے جواب میں معاویہ نے لکھا: "ہاں! تمھاری والدہ گرامی اللہ کے رسولؐ کی بیٹی ہیں اور وہ قبیلہ کلاب کی عورت سے بہتر ہیں لیکن مجھے یزید (ملعون) سے اتنی محبت ہے کہ اگر کوئی مجھے اس کے مقابلے میں سرسبز نخلستان ہی کیوں نہ دے دے تو بھی میں اس پر ہرگز راضی نہ ہوں گا۔ البتہ تمھارے والد اور اس کے والد نے جب اللہ تعالیٰ کو فیصلہ سونپ دیا (تحکیم کو قبول کرلیا) تو اس وقت تمھارے والد کے خلاف، اس کے والد کے حق میں فیصلہ دیا گیا"۔(المثل السائر: ابن اثیر، ج۱،ص ۷۱، باب الاستدراج، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۸ھ)

یہاں پر ابوعبداللہ حضرت امام حسینؑ خاموش ہو گئے کیونکہ آپؑ جانتے تھے کہ جگر خورہ کے بیٹے کو حقائق سے قائل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ حقیقت سے جی چراتا تھا، اس لیے آپؑ نے معاویہ سے یہ بھی نہیں فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام کے بابا جان

تیرے باپ سے افضل ہیں۔ کیونکہ امامؑ جانتے تھے کہ وہ یہ سب باتیں نہیں سن سکتا حالانکہ یہ بات مشہور تھی کہ حضرت علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے اور آپؑ میں تمام اوصاف حمیدہ موجود تھے اور آپؑ کو دیگر تمام حضرات پر فضائل کے لحاظ سے برتری حاصل تھی۔ اس لیے معاویہ نے وہم پیدا کرنے کے لیے شبھۃ المنافرہ والحاکمہ کا سہارا لیا جسے علم البلاغت کے ماہرین ''استدراج'' کہتے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کو دوسری مرتبہ یہ تحریر کیا کہ: ''تم نے یزید (ملعون) کے متعلق جو یہ تحریر کیا ہے کہ وہ باکمال ہے اور وہ اُمت محمدیہؐ کی باگ ڈور سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو یہ تمھاری سوچ ہے۔ تم یہ چاہتے ہو کہ لوگوں کو شک میں مبتلا کیا جائے۔ گویا تم ایسے شخص کی توصیف کر رہے ہو جو لوگوں کی نظر سے اوجھل ہو یا تم کسی ایسے شخص کی تعریف اور فضیلت بیان کر رہے ہو، جس سے لوگ نا آشنا ہوں یا تم صرف وہی کچھ بتا رہے ہو جسے صرف تم ہی جانتے ہو!

یزید (ملعون) اپنے بارے میں خود بتاتا ہے کہ اس کی اصلیت کیا ہے اور تمھیں بھی یہ چاہیے کہ یزید (ملعون) کی خواہش کے مطابق اس کے لیے شکاری کتوں کو جمع کرو۔ [1] اس کے لیے شرط لگانے والے کبوتر اور ایسی ناچ گانے والی کنیزوں کا اہتمام کرو جن کے پاس ناچ گانے کے آلات بھی ہوں اور اس کے لیے لہو ولعب کی محفلیں سجاؤ تو پھر اسے اپنا مددگار پاؤ گے ـــــ تم یزید (ملعون) کے لیے جس کام کی تگ ودو کر رہے ہو اسے ترک کردو، کیا تمھیں اس بات کی پرواہ نہیں کہ مخلوقِ خدا پر اپنے بعد خود سے بھی زیادہ بوجھ ڈال رہے ہو۔ خدا کی قسم! تم اس وقت تک ظلم وجور میں غرق باطل قوت کو آگے نہیں لاسکتے جب تک اس کے لیے ماحول سازگار نہیں ہوتا۔ تمھارے اور موت کے درمیان صرف آنکھیں بند ہونے کا فاصلہ ہے۔ اس لیے میں تمھیں یہ نصیحت کر رہا ہوں کہ ایسا کام کرو جو قیامت کے دن تمھارے کام آسکے مگر اس دن کوئی فرار کا راستہ نہیں ہوگا''۔ (الامامہ والسیاسۃ: ابن قتیبہ، ج ۱، ص ۱۵۴)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کو اپنے تیسرے خط میں تحریر کیا: ''تمھیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک کتاب ہے جس میں ہر چھوٹا بڑا جرم درج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے جرائم کو بھلا نہیں دیا حالانکہ تُو نے کتنے لوگوں کو محض شک کی بنیاد پر قتل کرڈالا اور کتنے خدا کے خاص دوستوں پر تہمتیں لگا کر قتل کرڈالا اور کتنے ہی اللہ کے نیک وصالح بندوں کو گھروں سے نکال باہر کیا۔

اے معاویہ! میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تو حجر بن عدی کندی اور ان کے نماز گزار اور عبادت گزار ساتھیوں کا قاتل نہیں ہے؟ ان کا جرم فقط یہ تھا کہ وہ تجھے ظلم سے منع کرتے اور بدعتوں کے مخالف تھے اور وہ خدا کے معاملے میں کسی ملامت

---

[1] ابن طقطقی نے ''الآداب السلطانیۃ''، فصل اول، ص ۳۸ پر لکھا ہے کہ یزید (ملعون) شکاری کتوں کو سونے کے کنگن پہناتا اور سونے سے آراستہ گھونگھرو پہناتا اور ہر کتے کے لیے ایک خاص خادم مقرر کر رکھا تھا جو اس کی خدمت کرتا۔

کرنے والے کی ملامت کی پروانہیں کرتے تھے ــــ کیا تُو صحابی رسولؐ حضرت عمرو بن حمق کا قاتل نہیں ہے؟ جو خدا کے ایسے نیک اور صالح بندے تھے جن کو عبادت کی کثرت نے نڈھال کر دیا تھا، اور ان کا جسم عبادتِ خدا میں گھل گیا تھا، اور ان کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ حالانکہ تُو نے انھیں امان اور خدا کا عہد دیا تھا اگر ایسا عہد و پیمان کسی اُڑتے ہوئے پرندے کو بھی دیا جاتا تو وہ بھی پہاڑ کی چوٹی سے اُتر کر تیرے پاس آجاتا لیکن تُو نے خدا کے اس عہد کا بھی پاس نہ کیا اور اس عہد و پیمان کو توڑتے ہوئے انھیں بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ اے معاویہ! کیا تیرا یہ جرم بھی نہیں ہے کہ تُو نے سمیہ نامی عورت کے بیٹے زیاد کو اپنا بھائی بنا ڈالا جب کہ وہ قبیلہ ثقیف کے غلام کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔ رسولؐ خدا کا ارشاد ہے: ''جس کے بستر پر کوئی بچہ پیدا ہو، وہ اسی کا بچہ ہوتا ہے اور زنا کار کے لیے سنگساری کی سزا ہے'' لیکن تُو نے جان بوجھ کر رسولؐ خدا کی سنت کو ترک کیا اور اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی۔ پھر اس پر تُو نے مزید یہ جرم کیا کہ اس زنازادے کو عراقین (بصرہ اور کوفہ) پر مسلط کر دیا۔ تُو نے ایسا اس لیے کیا کہ وہ بے گناہ مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں قلم کرے اور ان کی آنکھوں کو پھوڑ ڈالے اور انھیں کھجور کے درختوں کے ساتھ سولی پر لٹکائے جیسے تُو اس اُمت سے نہیں ہے یا یہ لوگ تیری حکومت میں نہیں رہتے۔ کیا تُو نے ابن زیاد کو یہ نہیں لکھا تھا کہ جو شخص بھی حضرت علیؑ کے دین پر ہو اسے قتل کر ڈالو تو پھر اس نے تیرے کہنے کے مطابق شیعیانِ علیؑ کو بے دردی سے قتل کر دیا حالانکہ حضرت علیؑ کا دین خدا کا دین ہے۔ یہ وہی دین خدا ہے جس کی خاطر حضرت علیؑ نے تیرے باپ اور تجھ پر تلوار چلائی اور آج تو اسی کی برکت سے اس تخت پر بیٹھا ہے کہ جس حکومت کو تُو غصب کیے ہوئے بیٹھا ہے۔ اگر علیؑ کی تلوار نہ ہوتی تو تُو اس مقام تک نہ پہنچتا۔

اے معاویہ! تُو نے لوگوں سے جبری طور پر اپنے بیٹے یزید (ملعون) کے لیے بیعت لی جو کہ شراب خور اور کتوں سے کھیلنے والا شخص ہے۔ تُو نے ایسا کر کے اپنی ذات کے ساتھ برا کیا اور اپنے دین کو برباد کیا اور امانت میں خیانت کی''۔ (رجال الکشی: ص ۴۳، مطبوعہ ہندوستان عمرو بن الحمق کے بیان میں۔ ''الدرجات الرفیعہ'': سیّد علی خان، ص ۴۳۴، مطبوعہ نجف اشرف)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے چوتھی مرتبہ معاویہ کو خط تحریر کیا اور اسے اس کے جرائم سے آگاہ کیا۔ یہ خط امام علیہ السلام نے اس وقت تحریر فرمایا جب زیاد بن ابیہ نے حضرت مسلم بن زیمر حضرمی اور حضرت عبداللہ بن نجی حضرمی کو ناحق قتل کیا اور کوفہ میں انھیں ان کے گھر کے دروازے پر کئی دنوں تک سولی پر لٹکائے رکھا۔ یہ دونوں امیرالمومنین حضرت علیؑ کے شیعوں میں سے تھے۔

امام علیہ السلام نے اس خط میں یہ بھی لکھا کہ ''کیا تجھے حجر بن عدی، ان کے ساتھیوں اور بنی حزرم کے لوگوں کے بارے میں سمیہ کے بیٹے نے خط نہیں لکھا تھا کہ یہ لوگ حضرت علیؑ کے دین پر ہیں اور ان سے محبت رکھتے ہیں۔ تو تم نے اسے جواب میں لکھا کہ جو بھی علیؑ کے دین پر ہو اسے قتل کر ڈالو۔ رسولؐ خدا کے چچازاد علیؑ وہ ہستی ہیں جنھوں نے تیرے باپ کے مقابلے میں تلوار چلائی اور آج تو اسی کی بدولت اس تخت پر قابض ہے۔ اگر علیؑ کی تلوار نہ ہوتی تو تم ہرگز اس مقام پر نہ ہوتے تو پھر

تیرا اور تیرے باپ کا یہ حشر ہوتا کہ تم تھوڑے سے مال کو لے کر مکہ سے شام جاتے پھر وہ بیچ کر تھوڑا بہت فائدہ لے کر واپس آتے اور اسی پر اپنی زندگی بسر کرتے"۔

امام علیہ السلام نے اسے یہ تفصیلی خط لکھا جس میں اس کی اس بات پر سرزنش کی کہ تم نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا اور اسے کوفہ وبصرہ کا گورنر بنا دیا۔ (المحبر: ابن حبیب، ص ۴۷۹، حیدرآباد)

حضرت رسولؐ خدا کے بیٹے نے اس وقت باطل کے سامنے یہ وعظ و نصیحت کی جب آپؑ نے ملاحظہ کیا کہ حق کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں اور وہ حرص وطمع کا شیدائی بن چکا ہے لیکن امیر شام اپنی چاہت کے باوجود جو سب پر واضح ہے حضرت امام حسین علیہ السلام کو چھو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اسے فتنہ وفساد کا ڈر تھا اور اسے اپنی حکومت سے ہاتھ دھونا پڑ سکتے تھے۔ امیر شام یہ بھی جانتا تھا کہ حضرت امام حسینؑ اس کے سامنے جھکنا پسند نہیں کرتے تھے اور اس دور کے شیعہ، ان کے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کے دور کے شیعوں سے یکسر مختلف تھے کیونکہ وہ امیر شام کے کارندوں سے تنگ آ چکے تھے اس لیے کہ وہ اس کی حکومت میں کس قدر اذیت اور مصائب سہتے ہوئے زندگی گزار رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ایسا دور آ چکا تھا اگر کسی شخص کو زندیق کہا جاتا تو وہ اپنی توہین محسوس نہیں کرتا تھا لیکن اسے ابوتراب سے منسوب ترابی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے کئی مرتبہ لوگوں کے سخت کلام کا سامنا کیا جب کہ وہ امام حسنؑ سے قیام کا مطالبہ کر رہے تھے حالانکہ وہ لوگ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ امامؑ امین ہیں اور انھیں یقین بھی تھا کہ وہ امامت کے منصب پر فائز ہیں اور وہ جو بھی کرتے ہیں لوگوں کی بہتری، اصلاح اور اپنے پروردگار کے حکم سے کرتے ہیں یہاں تک کہ لوگوں نے کئی دفعہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے قیام کا مطالبہ کیا لیکن امامؑ قیام کے لیے کھڑے نہیں ہوئے کیونکہ انھیں امام حسنؑ کے کیے ہوئے عہد و پیمان کا لحاظ تھا اس لیے قیام کو ایک خاص وقت تک کے لیے مؤخر کر دیا اور امام حسینؑ کو اپنے نانا رسولؐ خدا اور اپنے بابا وصی مصطفیؐ سے ان حالات کا پہلے سے علم ہو چکا تھا۔

امیر شام یہ بھی جانتا تھا کہ اگر اس نے حضرت امام حسینؑ کو کوئی نقصان پہنچایا تو اس صورت میں شیعہ ان کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پھر آپس میں یہ خط وکتابت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے بیٹے یزید لعین کو یہ نصیحت کی تھی کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ امن وسلامتی کے ساتھ رہنا خواہ تمھیں ان کی طرف سے جتنی سختی کا سامنا کرنا پڑے۔

امیر شام نے یزید لعین کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: "عراقی اس وقت تک حضرت امام حسینؑ کا دامن نہیں چھوڑیں گے جب تک انھیں خروج پر آمادہ نہ کرلیں۔ اگر وہ تمھارے خلاف خروج کریں اور اس میں کامیاب ہو جائیں تو تم پھر بھی ان سے درگزر سے کام لینا۔ ان کی تم سے قرابتداری اور عظیم حق ہے"۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص۱۷۹)

لیکن جہالت کے مرقع یزید (ملعون) نے اپنی سرکشی اور غرور کی وجہ سے اپنے باپ کی نصیحت کی کوئی پرواہ نہ کی اور

اس معاملے میں بہت جلدی کی اس کے باوجود اس کا غرور خاک میں مل گیا اگرچہ ذلیل ورُسوا یزید (ملعون) اس جلد حاصل ہونے والی فتح پر خوش ہوا لیکن پھر اسے بہت جلد ناکامی کا احساس بھی ہو گیا۔ لوگ اسے فحش گالیاں دیتے اور بہت زیادہ ملامت کرتے تھے یہاں تک کہ غیر مسلم بھی اسے لعن طعن کرتے تھے۔

یزید (ملعون) کے دربار میں بادشاہ روم کے سفیر کی گفتگو اس پر شاہد ہے، جب اس نے یہ دیکھا کہ یزید (ملعون) کے سامنے ایک نُورانی چمکتا ہوا سر رکھا ہوا ہے اور وہ چھڑی سے اس کی توہین کر رہا ہے۔ تو اس دوران اس رومی سفیر کی بات سے یزیدی دربار ہل گیا اور یزید (ملعون) سمجھ گیا کہ اس کا یہ غلط فعل زیادہ دیر تک نہیں چھپ سکتا اور وہ اس کی غلط تاویل سے لوگوں کو قائل نہیں کر سکتا۔ پھر جب یزید (ملعون) نے اس رومی سفیر کے قتل کا حکم جاری کیا تو تمام حاضرین نے اس مقدس سر سے بلند آواز میں یہ سنا: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ [1]

کیا کسی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے کبھی یہ دیکھا یا سنا ہے کہ ایک سر جسم سے جدا ہو اور وہ فصیح و بلیغ کلام کر رہا ہو۔ کیا میسون کا بیٹا اللہ کے رازوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتا تھا؟ یا وہ اس سر اقدس کے مقدس نُور کی کرنوں کو ختم کر سکتا تھا؟...... ہرگز نہیں۔

یزید (ملعون) نے اپنی بیوی ہند کے سامنے واضح طور پر شہادت امام حسینؑ کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔ جب یزید (ملعون) کی بیوی ہند [2] نے اپنے محل کے دروازے پر ایک نُورانی سر کو لٹکا ہوا دیکھا جس سے علوی انوار کی کرنیں آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ اس سر اقدس سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں اور اس سے پاکیزہ

---

[1] مقتل العوالم: محدث عبداللہ نور اللہ بحرانی، ص ۱۵۰۔ اس روایت کو "روضات الجنات": ص ۳۷۰ پر محدث بحرانی کے تذکرہ اور شیخ عبداللہ بن حاج صالح السماہیجی جو "الصحیفۃ العلویۃ" کو جمع کرنے والے ہیں، کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

[2] عبداللہ بن عامر بن کریز کی بیوی ہند کا یزید (ملعون) کے ساتھ شادی کا قصہ اور یہ کہ اس کے شوہر عبداللہ کو مجبور کرنا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تاکہ اس سے یزید شادی کر سکے۔ یہ ان واقعوں میں سے ایک قصہ ہے جس کو گھڑنے والے کا مقصد جوانانِ جنت کے سرداروں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کی شان اور قدر ومنزلت کو کم کرنا تھا۔ اس قصہ کو مختلف صورتوں سے نقل کیا گیا ہے:

پہلی صورت: مقتل الحسین خوارزمی: ج۱، ص ۷، مطبوعہ نجف اشرف میں اسناد کے ساتھ یحییٰ بن عبداللہ بن بشیر الباہلی سے منقول ہے، وہ کہتا ہے: ہند بنت سہیل بن عمرو، عبداللہ بن عامر بن کریز کی بیوی تھی اور وہ معاویہ کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا۔ معاویہ نے اس کا خراج اس لیے بند کر دیا تاکہ وہ اپنی بیوی ہند کو طلاق دے کیونکہ یزید (ملعون) اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ جب عبداللہ بن عامر نے اسے طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو گئی تو معاویہ نے ابوہریرہ کو ایک ہزار دینار مہر کی رقم دے کر روانہ کیا۔ ابوہریرہ نے یہ سارا ماجرا مدینہ میں امام حسین علیہ السلام کو سنایا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ہند کے سامنے میرا بھی ذکر کرنا اور ابوہریرہ نے ایسا ہی کیا اور ہند نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شادی کے لیے چنا۔ پھر امامؑ نے ہند سے شادی کر لی اور انھیں یہ معلوم ہوا کہ ہند کا سابقہ شوہر عبداللہ بن عامر بھی ہند میں رغبت رکھتا ہے تو امام حسین علیہ السلام نے ہند کو طلاق دے دی۔ ←

خوشبو کی مہک آرہی ہے۔(الخطط: مقریزی، ج ۳، ص ۲۸۴)

اس مصیبت نے اس کے قلب پر گہرا اثر کیا اور وہ فوراً یزید (ملعون) کے دربار کی طرف بڑھی یہاں تک کہ اپنی چادر کا خیال بھی نہ کیا اور چلا رہی تھی کہ رسولؐ خدا کی بیٹی کے بیٹے کا سر ہمارے گھر کے دروازے پر لٹک رہا ہے۔ یہ دیکھ کر یزید فوراً اس کی طرف بڑھا اور اس کے سر پر چادر کروائی اور اس سے کہا: ''حسینؑ پر بلند آواز سے گریہ کرو کیونکہ وہ بنی ہاشم کے فریادرس تھے، ابن زیاد (ملعون) نے انھیں شہید کرنے میں بہت جلدی کی''۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۷)

یزید (ملعون) اس طریقہ سے اس امر کو چھپانا چاہ رہا تھا اور اپنے آپ سے یہ بوجھ اُتار کر اس جرم کو اپنے گورنر پر ڈال رہا تھا لیکن حقیقت چھپ نہیں سکتی کیونکہ اس نے اس راز کو خود اس چھوٹے خط میں تحریر کیا تھا جسے مورخین ''چھ ہے کا

← آپؑ نے عبداللہ بن عامر سے کہا: ''میں تم دونوں کے لیے بہترین محلل ہوں''۔ اس روایت کی اسناد میں یحییٰ بن عبداللہ بن بشیر الباہلی نے ابن مبارک سے اسے نقل کیا ہے اور علمائے رجال کے نزدیک وہ مجہول راوی ہے۔

دوسری صورت: مقتل الحسینؑ خوارزمی: ج ۱، ص ۱۵۰، فصل ۷۔ ابن سیرین نے اسناد کے ساتھ ہذلی سے نقل کیا ہے کہ ہذلی کہتا ہے: عبدالرحمن بن عتاب بن اسید نے ہند سے شادی کے بعد اسے بے آبرو کر کے طلاق دے دی۔ پھر عبداللہ بن عامر بن کریز نے اس سے شادی کرلی اور باقی سارا واقعہ درج بالا روایت کے مطابق ہے لیکن یہاں پر حضرت امام حسینؑ کے بجائے حضرت امام حسنؑ کا نام ہے کہ امام حسنؑ نے ہند کو طلاق دینے کے بعد فرمایا: تم دونوں مجھ سے بہتر محلل نہیں پاؤ گے۔ اور ہند کہا کرتی تھی: لوگوں کے سید و سردار حضرت امام حسنؑ اور ان میں سخی عبداللہ اور مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے عبدالرحمن ہیں۔ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' ج ۱۲، ص ۴۵ پر تحریر کیا ہے کہ ہذلی کا نام ابوبکر ہے اور یہ ابن معین کے نزدیک جھوٹا، ابوزرعہ کے نزدیک ضعیف اور نسائی کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ اور صفدی سے ''الوافی بالوفیات'' ج ۳، ص ۱۴۶ پر ہے کہ محمد بن سیرین نے خود بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ وہ حدیث سننے کے بعد اس میں سے کچھ کم کر دیتا تھا اور یہ جرجایا کا اسیر تھا۔ طرح التقریب: ج ۱، ص ۱۰۳ پر ہے کہ یہ عین التمر کا قیدی تھا۔

تیسری صورت: نویری کی کتاب ''نھایۃ الادب'' ج ۶، ص ۱۸۰ پر مرقوم ہے کہ زینب عبداللہ بن سلام کے عقد میں تھی جو عراق میں معاویہ کا گورنر تھا۔ معاویہ نے اس سے یہ مطالبہ کیا کہ یزید (ملعون) تمھاری بیوی میں رغبت رکھتا ہے لہٰذا تم اسے طلاق دے دو اور میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کر دیتا ہوں۔ جب اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو معاویہ کی بیٹی نے شادی سے انکار کر دیا۔ پھر معاویہ نے ابوہریرہ اور ابودرداء کو عراق روانہ کیا تا کہ وہ دونوں عراق جا کر زینب بنت اسحاق سے یزید (ملعون) کے لیے خواستگاری کریں۔ جب وہ دونوں کوفہ پہنچے تو حسینؑ ابن علیؑ بھی کوفہ میں موجود تھے اور ان دونوں نے انھیں سارا واقعہ سنایا۔ امام حسینؑ نے ان سے کہا کہ زینب کے سامنے میرا بھی ذکر کرنا۔ جب انھوں نے زینب کے سامنے امام حسینؑ کا ذکر کیا تو اس نے شادی کے لیے امامؑ کا انتخاب کیا اور امامؑ نے اس سے شادی کرلی۔ جب امامؑ کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن سلام بھی اپنی اس سابقہ بیوی میں رغبت رکھتا ہے تو آپؑ نے اسے طلاق دے دی تا کہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو سکے۔

یہ قصہ کافی طولانی ہے جسے نویری نے ''نھایۃ الادب'' میں اسناد کے بغیر مرسل ذکر کیا ہے۔ ابن بدرون نے بھی اس واقعہ کو ''شرح قصیدہ ابن عبدون'' (ص ۱۶۲، مطبوعہ ۱۳۳۰ھ) میں مرسل ذکر کیا ہے اور اس عورت کا نام ''ارینب'' لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب امام حسینؑ اپنے اہل و عیال کے ساتھ کوفہ سے چلے گئے تھے تو دوبارہ کوفہ کبھی نہیں آئے۔ ←

کان" کہتے ہیں۔ اس نے یہ خط اپنے بڑے خط کے ساتھ مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کو ارسال کیا تھا اس میں یہ تحریر کیا کہ تمام مدینہ والوں سے میری بیعت لو اور اس چھوٹے خط میں یہ بھی تحریر تھا کہ حسینؑ کے لیے میری بیعت کو لازم قرار دو۔ اگر وہ انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۱۸۸)

یہ بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ یزید (ملعون) یہ جانتا تھا کہ اس وقت کے نیک و صالح لوگ اور اُمت کے معززین اس کی بیعت پر متفق نہیں تھے اور ان لوگوں نے اس کے باپ معاویہ کے سامنے خوف اور دھمکی کے باعث اس کی بیعت پر حامی بھرلی تھی۔ یزید (ملعون) یہ چاہتا تھا کہ خود کو سرکاری طور پر شہادتِ امام حسینؑ سے الگ کر لے۔ اگر اس کے

← چوتھی صورت: میدانی نے "الامثال" کی ج۱، ص ۲۷۷ پر حرف الراء درب سام لقاعد کے عنوان کے تحت ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ معاویہ نے یزید (ملعون) سے اس کی خواہشات کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: میں عبداللہ بن عامر بن کریز کی بیوی سلمٰی اُم خالد سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ پھر معاویہ نے عبداللہ بن عامر کو بلا کر کہا کہ اگر تم اپنی بیوی اُم خالد کو طلاق دے دو تو تمھیں پانچ سال تک بلادِ فارس کا خراج دیا جائے گا تو اس نے اسے طلاق دے دی۔ پھر معاویہ نے اپنے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کو خط لکھا کہ اُم خالد کو اس کی طلاق سے آگاہ کردو۔ معاویہ نے عدت کے بعد ابوہریرہ کو ۶۰ ہزار دینار دے کر مدینہ روانہ کیا کہ ان میں سے ۲۰ ہزار اُم خالد کا حق مہر، ۲۰ ہزار ان کی قدر منزلت اور ۲۰ ہزار اس کے لیے تحفہ ہیں۔ مدینہ پہنچ کر ابوہریرہ نے یہ سارا قصہ حضرت امام حسنؑ کو سنایا تو انھوں نے اسے کہا کہ اُم خالد کے سامنے میرا بھی ذکر کرنا اور حضرت امام حسینؑ نے کہا: میرا بھی ذکر کرنا اور عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، عبداللہ بن جعفر طیار، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن مطیع بن اسود میں سے ہر ایک نے کہا کہ ہمارا بھی ذکر کرنا۔ جب ابوہریرہ اُم خالد کے پاس گیا تو اسے معاویہ کے ارادے سے آگاہ کیا۔ پھر ان لوگوں کی خواہش کا بھی تذکرہ کیا کہ یہ حضرات بھی تم سے شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔

تو اس نے امام حسنؑ کا انتخاب کیا اور امامؑ نے اس سے شادی کرلی اور ابوہریرہ مال لے کر واپس معاویہ کے پاس چلا گیا۔ جب معاویہ کو اس سارے واقعے کا پتا چلا تو وہ ابوہریرہ پر غضب ناک ہوا لیکن ابوہریرہ نے اسے جواب دیا: اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔ قابلِ اعتماد مورخین کی نظر میں یہ سب حقائق ہیں جنھیں وہ رقم کر رہے ہیں (کہ یہ صرف اور صرف ایک ڈرامہ ہے اور حقیقت سے اِن روایات کا کوئی تعلق نہیں ہے) لیکن انتہائی افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو طعن و تشنیع سے بچانے کے لیے ان کی عزت و کرامت کا تحفظ نہ کیا۔ اگر ان واقعات میں غور سے کام لیا جائے تو انسان سمجھ سکتا ہے کہ اس سارے ڈرامے کا مقصد رسولؐ خدا کے دونوں بیٹوں (امام حسن اور امام حسین علیہما السلام) کو بدنام کرنا اور ان کی ساکھ کو نقصان پہنچانا ہے۔ حالانکہ یہ وہ ہستیاں ہیں جو حالتِ جنگ و صلح میں اس اُمت کے امام ہیں۔ جو شخص کسی بھی چیز کو چھان بین کیے بغیر قبول کرلیتا ہے اور ان کی علتوں اور اسباب کو نہیں دیکھتا۔ تو پھر وہ اس جھوٹ سے بڑے جھوٹ پر بھی یقین کر لیتا ہے کہ جسے سن کر پہاڑ بھی اپنی جگہ سے حرکت کرنے لگے۔ وہ حضرت امام حسنؑ پر بہت زیادہ شادیاں کرنے کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ صرف اور صرف تہمت اور بے بنیاد جھوٹ ہے اور یہ کہنا کہ ان میں تین طلاقیں دینا عام سی بات تھی تو میں کہتا ہوں کہ انھیں امام حسنؑ کے سوا کوئی ایسا صادق مرد نظر نہیں آتا تھا جو ان عورتوں سے عقدِ دائمی کرنے کے بعد طلاق دیتا۔ خدا جانے یہ لوگ قیامت کے روز نواسۂ رسولؐ کا کیسے سامنا کریں گے جب وہ ان سے پوچھیں گے کہ تم نے کس معتبر دلیل کی بنیاد پر مجھے بدنام کیا۔

گورنر نے یہ گھناؤنا جرم کیا تھا جس پر لوگ اسے ملامت کر رہے تھے تو اس جرم کی سزا بھی اسی گورنر کو ملنی چاہیے تھی مگر یزید (ملعون) نے جو خط تمام مدینہ والوں سے بیعت لینے کے لیے لکھے تھے اس میں یہ جرأت نہیں کی کہ وہ یہ لکھتا کہ جو میری بیعت سے انکار کرے اس کا سر قلم کر کے میری طرف روانہ کردو۔ اسی وجہ سے اب اس کو یہ موقع مل گیا تھا کہ یہ گناہ اپنے گورنر کے سر تھوپ دے، جیسا کہ وہ یہ عذر پیش کر رہا تھا۔ بعض مورخین بھی اس کے اس فریب میں آگئے اور انھوں نے بھی یہ بات تسلیم کرلی۔ کیا یزید (ملعون) کو یہ عذر کوئی فائدہ پہنچا سکے گا؟ ہرگز نہیں۔

لبسوا بما صنعوا ثیاب خزایة
سودًا تول صبغهن العار

"یزیدیوں نے ایسا لباس پہنا جو انھوں نے خود ذلت و رسوائی سے تیار کیا تھا۔ یہ لباس سیاہ و تاریک ہے جو ننگ و عار سے رنگا ہوا ہے"۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ انبیاءؑ

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے متعلق گفتگو کائنات کے رازوں میں سے ایک راز اور نبوتوں کا ورثہ ہے۔ اس عظیم خبر کو نبیوں کی پاک زبانوں سے سنا گیا۔ انھوں نے اسے اوصیاء کے درمیان اور ان رازوں کا بار اُٹھانے والے لوگوں کے سامنے بیان کیا تا کہ انھیں اس عظیم انقلابی شخصیت سے آگاہی حاصل ہو، جس کا تمام مخلوق پر یہ احسان ہے کہ اس نے آخری شریعت کی حفاظت کی۔ جس کی ابتداء سابقہ نبیوں نے کی اور اس آخری شریعت کے لیے راستہ ہموار کیا اور لوگوں کے نفوس کو تیار کیا۔ خداوند عالم اس ہستی کی مظلومیت پر رنج و غم کرنے والوں کو اجر وثواب عطا فرماتا ہے کیونکہ انھوں نے اس دردناک مصیبت سے دوسروں کو آگاہ کیا۔

حضرت آدمؑ نے ان پر گریہ کیا، حضرت ابراہیم الخلیلؑ اور حضرت موسیٰؑ ان پر آہ و زاری کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے حضرت امام حسینؑ کے قاتل پر لعنت کی اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ بھی اس پر لعنت کریں اور ان سے فرمایا: تم میں سے جو شخص حضرت امام حسینؑ کے زمانہ میں موجود ہو، اسے چاہیے کہ وہ ان کے ہمرکاب ہو کر لڑے اور جو آپؑ کے ہمراہ لڑتے ہوئے اپنی جان فدا کر دے گا گویا وہ انبیاءؑ کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ گویا میں اس مقدس روضے کو دیکھ رہا ہوں کہ ہر نبیؑ اس مقدس روضے کی زیارت کر رہا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: بے شک! جہاں پر آپؑ کا روضۂ مبارک ہوگا وہ زمین کا بہترین ٹکڑا ہوگا اور اس سرزمین میں ایک روشن چراغ کو دفنایا جائے گا۔ (کامل الزیارات: ص ۶۷، ابن قولویہ، متوفی ۳۶۷ھ)

حضرت اسماعیل علیہ السلام صادق الوعد جب انھیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دی گئی تو انھوں نے یہ تمنا کی کہ کاش! وہ ان لوگوں میں شامل ہوں جو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی قیادت میں شہادت حسینؑ کا بدلہ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپؑ کے ظہور میں کشائش فرمائے۔ (کامل الزیارات: ص ۶۵)

واختار یحییٰ ان یطاف براسه

وله التأسی بالحسین یکون

"حضرت یحییٰؑ نے حضرت امام حسینؑ کی اقتداء اور پیروی کرتے ہوئے یہ چاہا کہ ان کا سر بھی امام حسینؑ کی طرح شہر بہ شہر پھرایا جائے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر نے رسولِ اقدس کو بھی رُلا دیا اور غمگین کردیا[1] یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت امام حسینؑ زندہ تھے۔ اگر رسولِ خدا کربلا کی تپتی ہوئی ریتی پر اپنے کنبے کے افراد کے ساتھ اُن کی لاشوں کو یوں دیکھتے، جب کہ وہ ایسے نظر آرہے تھے جیسے سخت تاریک رات میں روشن چراغ نظر آتا ہے اور امامؑ اور ان کے ساتھیوں پر وہ پانی بند کردیا گیا جو عام جانوروں کے لیے کھلا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر نبیؐ کے دل پر کیا گزرتی؟

ہاں! رحمت عالم پیغمبرؐ اسلام نے اپنے دل کے ٹکڑے کو اس حالت میں دیکھا کہ جسے دیکھ کر آسمان پھٹ جاتا۔ انھوںؐ نے گمراہی میں غرق اس جمِ غفیر کو بھی دیکھا جو روئے زمین پر خاندانِ رسالتؐ کو ختم کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے، وہاں پر موجود لوگوں کو بھی دیکھا جب کہ امامؑ کبھی اس ظالم لشکر کو دیکھتے تھے اور کبھی آسمان کی طرف دیکھتے اور امامؑ قضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے تھے۔ (کامل الزیارات)

جب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام صفّین کی طرف جاتے ہوئے سرزمینِ کربلا سے گزرے تو آپؑ اس زمین پر اُترے اور اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہاں پر ان کی سواریاں بیٹھیں گی۔ پھر ایک اور مقامؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہاں ان کا خون بہایا جائے گا اور آلِ محمدؐ کے بچے یہاں پر اُتریں گے۔

پھر امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اے خاک! افسوس ہے تجھ پر، اس سرزمین سے ایسے لوگ محشور ہوں گے جو قیامت کے دن بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ (کتاب صفّین: نصر بن مزاحم، ص ۱۵۷-۱۵۹)

پھر آپؑ کے آنسو جاری ہوگئے اور آپؑ کو گریہ کرتے ہوئے دیکھ کر آپؑ کے ساتھی بھی رونے لگے۔ آپؑ نے اپنے خاص اصحاب کو بتایا کہ ان کے بیٹے حسینؑ اپنے خاندان اور ساتھیوں سمیت یہاں پر شہید ہوں گے اور وہ تمام شہدا کے سردار ہیں، گزرے ہوئے اور آنے والے لوگوں میں سے کوئی شہید ان کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ (کامل الزیارات: ص ۲۷)

امیر المومنینؑ حضرت علی علیہ السلام نے ایک اور حدیث میں کئی خبریں دینے کے بعد فرمایا: سرزمینِ کربلا پر آلِ محمدؐ کے جوانوں کو شہید کیا جائے گا اور ان پر زمین و آسمان روئیں گے (دلائل النبوۃ: ابونعیم، ج ۳، ص ۲۱۱)۔ آپؑ نے فرمایا: میرا باپ فدا ہو اس مظلوم پر جس کا خدا کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (اسد الغابہ: ج ۴، ص ۱۶۹)

پھر امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: خاندانِ بنواُمیہ ضلالت و گمراہی میں غرق رہے گا یہاں تک کہ وہ حرمت والے مہینہ میں حرمت والا خون بہائیں گے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ قریش کا ایک جوان اس خون میں تیر رہا ہے۔ جب اُموی ایسا

---

[1] سہیلی نے "الخصائص" ج ۲، ص ۱۲۵ پر یہ حدیث اُم الفضل اور انس سے نقل کی ہے، اور ماوردی نے یہ روایت "اعلام النبوۃ" ص ۸۳ پر حضرت عائشہ سے نقل کی ہے اور اس مجلس میں حضرت علیؑ، ابوبکر، عمر، حذیفہ، عمار اور ابوذر بھی موجود تھے۔ ابن حجر نے "مجمع الزوائد" ج ۹، ص ۱۸۸ پر حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔ اس روایت کو ذکریا انصاری نے "فتح الباقی" میں نقل کیا ہے جو کہ الفیہ کی شرح ہے اور یہ الفیہ: ج ۱، ص ۲۵ پر منقول ہے۔

کریں گے تو پھر روئے زمین پر ان کا کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہوگا اور پھر ان کی حکومت و سلطنت باقی نہ رہے گی۔ (شرح النہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۳۶۳، مطبوعہ مصر، پہلا ایڈیشن)

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کی طرف جاتے ہوئے کربلا سے گزرے تو انھوں نے فرمایا: یہ وہ جگہ ہے جہاں پر میرے بھائی شہید کیے جائیں گے۔ یہاں پر وہ اپنے خیمے لگائیں گے اور یہاں پر ان کا ناحق خون بہایا جائے گا اور اوّلین و آخرین میں سے بہترین ہستی کے بیٹے کو شہید کیا جائے گا۔ (رجال الکشی: ص ۱۴، مطبوعہ ہندوستان)

جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہاالسلام کربلا کی زمین سے گزرے تو انھوں نے وہاں پر ہرنوں کو گھاس چرتے ہوئے دیکھا تو ہرنوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام کرتے ہوئے کہا: وہ یہاں پر شوق سے چرتے ہیں کیونکہ یہ مبارک مٹی رسولؐ احمد کے بیٹے کی ہے اور وہ اس زمین میں محفوظ ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ نے ان ہرنوں کی مینگنیوں کو لے کر سونگھا اور کہا: اے اللہ! اسے محفوظ رکھنا یہاں تک کہ حضرت امام حسینؑ کے والد بھی انھیں سونگھیں کیوں کہ اِن میں ان کے لیے تعزیت و تسلیت کا پیغام ہے۔ ان ہرنوں کی مینگنیاں کربلا کی سرزمین پر پڑی رہیں یہاں تک کہ جب امیرالمومنینؑ کربلا تشریف لائے تو اس وقت کافی مدت گزر جانے کے باعث اِن کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ آپؑ نے اُنھیں اُٹھا کر سونگھا تو گریہ کرنے لگے اور پھر یہ کہتے ہوئے اُنھیں ابن عباس کے حوالے کر دیا کہ اسے سنبھال کر رکھنا۔ جب تم اِنھیں دیکھو کہ یہ خون میں تبدیل ہوگئی ہیں تو سمجھ لینا کہ حسینؑ شہید ہوگئے ہیں۔ ابن عباس نے عاشورہ کے دن ظہر کے بعد اِنھیں دیکھا تو یہ خون میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ (اکمال الدین: شیخ صدوق، ص ۲۹۵)

□□□

رسولؐ خدا کے انتقال کے بعد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام منصبِ خلافت پر فائز ہوئے۔ پھر آپؑ کے بیٹے حضرت امام حسنؑ، پھر ان کے بھائی سید الشہداءؑ حضرت امام حسینؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام علی زین العابدینؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام محمد باقرؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام جعفر صادقؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام علی رضاؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام محمد تقیؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام علی نقیؑ پھر ان کے بیٹے حضرت امام حسن عسکریؑ اور پھر ان کے بیٹے حضرت امام المنتظر ابو القاسم محمد عجل اللہ فرجہ الشریف منصبِ خلافت پر فائز ہوئے۔

متواتر احادیث سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے امامؑ کو اپنے بندوں کے لیے حجت اور منارۂ ہدایت قرار دیا ہے تاکہ گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگ امامؑ کے وجودِ مبارک کے ذریعے ہدایت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ امامؑ کو قوتِ قدسیہ نوریہ ودیعت فرماتا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے کائنات کی معلومات اور عالمِ موجودات میں ہونے والے واقعات و حادثات سے مطلع ہوسکے۔

ایک صحیح حدیث میں معصومؑ سے منقول ہے: "جب ہم میں سے کوئی مولود پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے نور کا ایک ستون بلند کیا جاتا ہے جس کے ذریعے وہ بندوں کے اعمال اور مختلف شہروں اور ممالک میں ہونے والے واقعات کو دیکھتا ہے۔ (بصائر الدرجات: صفار، ج ۹، ص ۱۲۰)

اس حدیث سے اس قوتِ قدسیہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ معصومؑ کو عطا فرماتا ہے تاکہ وہ اس قوتِ قدسیہ کے ذریعے عالم الملک اور عالم الملکوت کے قول اور عمل سمیت اس کے تمام اجزا اور حقائق کشف کرسکے۔ اس قوتِ قدسیہ کے وسیلہ سے جہالت اور غفلت کے پردے ختم ہوجاتے ہیں اور ہر شۓ علمِ حضوری کے تحت بنفسِ نفیس معصوم امامؑ کی ذواتِ قدسیہ کے سامنے حاضر ہوتی ہے، جیسے نور کے ظاہر ہونے سے ظلمت کے پردے چھٹ جاتے ہیں اور جس شۓ کو گھٹاٹوپ اندھیرے نے چھپا دیا ہو وہ نگہبان کی آنکھوں کے سامنے آشکار اور روشن ہوتی ہے۔

ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ جل شانہ نے انھیں اس قوتِ قدسیہ کے ذریعے اوّلین و آخرین کے تمام اُمور، جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے، جو کچھ ہوچکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا، اُن تمام اشیاء سے مطلع ہونے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے گویا یہ تمام اشیاء ان کے سامنے بنفسِ نفیس حاضر ہوں۔ (مختصر البصائر: ص ۱۰۱)

پھر امام علیہ السلام نے یہ فرماتے ہوئے اس کی دلیل رقم فرمائی کہ ہر وہ شۓ جو اللہ کے رسولؐ کے لیے ثابت ہے وہ بعینہٖ اسی طرح ہمارے لیے بھی ثابت ہے سوائے نبوت اور بیویوں کے۔[1] (المختصر: ص ۲۰)

---

[1] یعنی ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں صرف نبیؐ کے لیے خاص حکم ہے۔ (مترجم)

ایسا کہنے سے ہرگز غلو نہیں ہوتا ہے کیونکہ ان کی ذواتِ اطہارؑ پر درج ذیل نصِ قرآنی کی تطبیق ہوتی ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ○

"اے اہلِ بیتِ رسولؐ! بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ وہ تم سے رجس کو دُور رکھے اور تمہیں ایسے پاک رکھے جیسے پاک رکھنے کا حق ہے"۔ (سورۂ احزاب: آیہ ۳۳)

یہ ہستیاں خدائے قُدوس کے فیض کی متحمل تھیں۔ بے شک! اللہ تعالیٰ کے فیض میں کنجوسی نہیں بلکہ اس کی نعمتیں اور فیض ہمیشہ جاری و ساری رہتا ہے۔ کسی شخص کے متعلق غلو اور مبالغہ آرائی تب ہوگی اگر اس کے لیے کسی ایسی صفت اور خصوصیت کو ثابت کیا جائے جس کی اس میں صلاحیت و قابلیت نہ ہو۔ عقل کسی صورت میں بھی معبود کے لطف و کرم میں مانع نہیں ہوتی بلکہ اس کا لطف و کرم اور نعمتوں کی فراوانی ان لوگوں پر بھی ہوتی ہے جو طغیانیت اور سرکشی میں غرق ہوتے ہیں۔ ان کی سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ ان سے اپنی رحمت، احسان اور فضل کو نہیں روکتا اور اس سے اس کی رحمت و فضل کے خزانے ختم نہیں ہوتے اور یہ وہ اُمور ہیں جن کے قیاس و استدلال ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جب اس ربِ اکبر کا سرکشوں پر اس قدر فیض و احسان جاری رہتا ہے تو پھر وہ ہستیاں جو حقیقتِ محمدیہ سے وجود میں آئیں اور ایسی حقیقت جو نُورِ اقدس سے تخلیق ہوئی تھی ان پر خدائے عزوجل کس قدر اپنے فیوض و برکات اور لطف کی بارش برساتا ہوگا، حالانکہ یہ ذواتِ مقدسہ اس فیض کی اہل بھی ہیں۔ پس اعلمِ غیب کے متعلق آئمہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا اس کی بنیاد پر یہ کہ وہ بندگانِ خدا کے اعمال سے مطلع ہوسکتے ہیں اور وہ ما کان و مایکون کے عالم ہوتے ہیں۔ اس قول میں کوئی نئی بات نہیں اور نہ ہی یہ خلافِ شرع ہے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کے متعلق جس علمِ غیب کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ اس علمِ غیب سے مختلف ہے جو صرف ذاتِ باری تعالیٰ سے خاص ہے کیونکہ اس علم کا ان (آئمہ معصومینؑ) کے لیے قائل ہونا محال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کے شایانِ شان ہے کہ اس کا علمِ غیب ذاتی ہے جو کسی دوسرے کا محتاج نہیں لیکن آئمہ معصومین علیہم السلام کو علمِ غیب خدا کی طرف سے عطا کیا گیا ہے اور وہ خدا کے لطف و کرم اور فیض کے وسیلہ سے چیزوں کے خواص اور حادثات و واقعات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

پس اعلمِ غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ علمِ غیب ہے جو ذاتِ واجب الوجود سے مختص ہے۔ اس علم کا آسمانوں اور زمینوں کے خالق کے سوا کوئی مالک نہیں کیونکہ اس کا یہ علم عینِ ذات ہے۔ دوسرا وہ علمِ غیب ہے جو کسی ایسی علت سے صادر ہوتا ہے جس کا وجود فیضِ الٰہی پر موقوف ہوتا ہے اور علمِ غیب کی یہ دوسری قسم انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام میں پائی جاتی ہے۔ جو کچھ

ہم نے یہاں پر بیان کیا ہے مفسر قرآن علامہ آلوسی نے بھی درج ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس کی طرف متنبہ کیا ہے کہ ارشاد پروردگار ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط

"(اے نبیؐ) کہہ دیجیے کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کے غیب کا علم صرف خدا کے پاس ہے"۔(سورۂ نمل: آیہ ۶۵)

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: سچ تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے اس علم غیب کا انکار کیا گیا ہے یعنی جو شخص کسی واسطے اور وسیلے کے بغیر جانتا ہو۔ خدا کے خاص بندوں کے لیے جو علم غیب کا عقیدہ ہے وہ اس قسم کا علم غیب نہیں کہ جو عین ذات ہوتا ہے بلکہ وہ ذات واجب الوجود کے فیض سے اس علم کے مالک ہوتے ہیں۔ اس معنی کے تحت یہ نہیں کہا جائے گا کہ انھیں غیب کا علم ہے کیونکہ یہ کفر ہوگا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ان ہستیوں پر علم غیب ظاہر کیا گیا اور انھیں علم غیب سے مطلع کیا گیا ہے۔(روح المعانی: ج ۲۰،ص ۱۱)

اس بات کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو حضرت امام ابوجعفر محمد تقی الجوادؑ سے مروی ہے کہ جب آپؑ کو ان کی زوجہ اُم الفضل بنت مامون الرشید نے یہ بتایا کہ اسے اچانک ماہواری کا سامنا کرنا پڑا جو عورتوں کو عادت کے مطابق ہوتا ہے اور اس نے امامؑ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا تو امامؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم کے ذریعے میں بھی یہ علم رکھتا ہوں۔(بحار الانوار: ج ۱۲،ص ۲۹، از "مشارق انوار الیقین"، حافظ رجب البرسی)

اس کا مطلب ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام ہر وقت فیضِ الٰہی کی احتیاج رکھتے ہیں کیونکہ اگر یہ رابطہ مسلسل قائم نہ ہو اور اس کا فیض ہر لمحے جاری وساری نہ رہے تو چھٹے امامؑ کی تعبیر کے مطابق اس صورت میں ان کے پاس جو کمالات ہیں وہ سب ختم ہو جائیں۔ حضرت امام ابوعبداللہ جعفر صادقؑ نے فرمایا: اگر ہم ہر شب جمعہ اپنے کمالات میں اضافہ نہ کریں تو ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائے۔(اُصولِ کافی)

امام جعفر صادقؑ کا اس فرمان سے لوگوں کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان کا علم ذات باری تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے اور وہ ذات قدوس کے ہمیشہ رہنے والے فیض اور اس کی رحمتوں کے محتاج ہیں۔ اس فیضِ الٰہی کو شب جمعہ سے خاص کرنے کا مقصد یہ ہے کہ باقی تمام راتوں کے برعکس اس رات میں خدا کا لطف وکرم زیادہ برستا ہے۔ حضرت امام علی رضاؑ کا درج ذیل فرمان فیضِ الٰہی اور اس کے بے پایاں لطف وکرم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: خداوند متعال ہم پر اپنے علم کے دروازے وا کرتا ہے تو ہم عالم ہیں اور اگر وہ ہم سے اپنا فیض منقطع کرلے تو ہم عالم نہ رہیں۔(مختصر البصائر: ص ۶۳)

کریں گے تو پھر روئے زمین پر ان کا کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہوگا اور پھر ان کی حکومت وسلطنت باقی نہ رہے گی۔ (شرح النہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۴۳ ۳، مطبوعہ مصر، پہلا ایڈیشن)

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کی طرف جاتے ہوئے کربلا سے گزرے تو انھوں نے فرمایا: یہ وہ جگہ ہے جہاں پر میرے بھائی شہید کیے جائیں گے۔ یہاں پر وہ اپنے خیمے لگائیں گے اور یہاں پر ان کا ناحق خون بہایا جائے گا اور اولین و آخرین میں سے بہترین ہستی کے بیٹے کو شہید کیا جائے گا۔ (رجال الکشی: ص ۱۳، مطبوعہ ہندوستان)

جب حضرت عیسٰی ابن مریم علیہ السلام کربلا کی زمین سے گزرے تو انھوں نے وہاں پر ہرنوں کو گھاس چرتے ہوئے دیکھا تو ہرنوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے کلام کرتے ہوئے کہا: وہ یہاں پر شوق سے چرتے ہیں کیونکہ یہ مبارک مٹی رسولؐ احمد کے بیٹے کی ہے اور وہ اس زمین میں محفوظ ہیں۔ پھر حضرت عیسٰیؑ نے ان ہرنوں کی مینگنیوں کو لے کر سونگھا اور کہا: اے اللہ! اسے محفوظ رکھنا یہاں تک کہ حضرت امام حسینؑ کے والد بھی انھیں سونگھیں کیوں کہ ان میں ان کے لیے تعزیت وتسلیت کا پیغام ہے۔ ان ہرنوں کی مینگنیاں کربلا کی سرزمین پر پڑی رہیں یہاں تک کہ جب امیرالمومنینؑ کربلا تشریف لائے تو اس وقت کافی مدت گزر جانے کے باعث ان کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ آپؑ نے انھیں اٹھا کر سونگھا تو گریہ کرنے لگے اور پھر یہ کہتے ہوئے انھیں ابن عباس کے حوالے کر دیا کہ اسے سنبھال کر رکھنا۔ جب تم انھیں دیکھو کہ یہ خون میں تبدیل ہو گئی ہیں تو سمجھ لینا کہ حسینؑ شہید ہو گئے ہیں۔ ابن عباس نے عاشورہ کے دن ظہر کے بعد انھیں دیکھا تو یہ خون میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ (اکمال الدین: شیخ صدوق، ص ۲۹۵)

□□□

شہادت کے لیے پیش قدمی

ابتدائی گفتگو

انسانی معاشرے کے لیے ایک ایسے ہادی و پیشوا کا ہونا ضروری ہے جو معاشرے کے خلا کو پُر کر سکے۔ ایسا ہادی جو معاشرے کی غلطیوں کی اصلاح کرے اور اِن کے نقائص کو دُور کرے اور معاشرے میں فتنہ وفساد کے اسباب کا قلع قمع کرے۔ اگر اُمت میں کوئی ایسی شخصیت موجود نہ ہو جو شریر افراد کی شرانگیزیوں کو روکے تو وہ شریر لوگ معاشرے کے افراد سے اپنی خواہشات کے مطابق کھیلتے رہیں گے اور معاشرے کو تباہی کے دہانے پر پہنچا کر لوگوں کو منتشر کر دیں گے۔ پھر ایسی صورتِ حال میں ایک قریبی رشتہ دار اپنے قرابت داروں پر بھی بھروسہ نہ کرے گا اور تمام لوگ صرف اپنی اپنی خواہشات کے غلام ہوں گے۔ اس مُصلح اور ہادی کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے چُنتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے نفوس کی پاکیزگی اور ان کے نفوس کا اُن اُمور سے منزہ ومبرہ ہونا جس سے عالمین کا رب راضی نہ ہو، سے خوب واقف ہوتا ہے۔ اس ہادی و پیشوا کا ان گناہوں سے معصوم ہونا ضروری ہوتا ہے جن گناہوں اور بُری صفات سے معاشرے کے دوسرے افراد وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ ہادی ان لوگوں کے ساتھ اُن کے بُرے کاموں میں شریک نہیں ہوتا اور وہ بندگانِ خدا کو فحاشی و بداخلاقی سے بچاتا ہے اور بھلائی کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہلاکت میں گرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس نور سے نبی اعظمؐ کو خلق فرمایا اور انھیں تمام صفاتِ حمیدہ سے نواز کر پوری کائنات پر برتری وفوقیت اور تمام موجودات پر شرف اور فضیلت عطا فرمائی۔ خدا نے آپؐ میں الٰہی تجلیات ودیعت فرمانے کے ساتھ آپؐ کو وحی کی نعمت سے بھی نوازا۔

اس قلم میں اس ہستی کے بارے میں کچھ لکھنے کی طاقت نہیں ہے جس کے متعلق خود سرکارِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے فرمایا:

لا یعرف اللہ الا انا وانت، ولا یعرفنی الا اللہ وانت، ولا یعرفك الا اللہ وانا[1]

[1] المختصر: ص ۱۶۵، حسن بن سلیمان الحلی (یہ شہیدِ اوّل کے شاگردوں میں سے ہیں اور ۸۰۲ھ میں زندہ تھے) اور ان کی دوسری کتاب "مختصر البصائر"، ص ۱۲۵۔

یعنی "اللہ کو میرے اور تمھارے سوا کوئی نہیں جانتا، اور مجھے اللہ اور تمھارے سوا کوئی نہیں جانتا اور تمھیں اللہ اور میرے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

بے شک انبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہری طور پر اس دُنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہنا تھا بلکہ انھیں بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنی طبیعی عمر گزارنے کے بعد اس دنیا سے پردہ کرنا تھا۔ آپؐ کی بتائی ہوئی شریعت کے قوانین ہر زمانے میں قابلِ عمل ہیں۔ لیکن یہ حق و سچ کی شریعت جو اُمت کی اصلاح اور بھلائی کے لیے آئی ہے، اس میں ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپؐ کی جگہ پر آپؐ کا ایک ایسا خلیفہ ہو جو روحانی کمال، اخلاص اور عصمت کے بلند درجے کے لحاظ سے آپؐ کے ہی نقشِ قدم پر گامزن ہو۔ چونکہ وہ تمام اسرار جو انسانی جسد میں پوشیدہ ہیں انھیں صرف ان کا خالق ہی جانتا ہے لہٰذا اگر ان اسرار کی معرفت کا کام اُمت پر چھوڑ دیا جاتا تو اُمت اس سے قاصر تھی کیونکہ انھیں ان خاص اوصاف سے آگاہی نصیب نہیں کی گئی جو امام سے مختص ہوتے ہیں۔ اگر امام کا انتخاب اُمت پر چھوڑ دیا جاتا تو ان میں انتشار اور فتنہ و فساد پیدا ہو جاتا جس سے یہ لوگ دوبارہ لڑائی جھگڑے کی طرف لوٹ آتے اور یہ مولا سبحانہ وتعالیٰ کے لطف و کرم کے خلاف ہے۔ ارشاد پروردگار ہے:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ (سورۂ قصص: آیت ۶۸)

"اور تمھارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔ یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے"۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝ (سورۂ احزاب: آیہ ۳۶)

"اور کسی ایمان دار مرد اور ایمان دار عورت کے لیے مناسب نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ فیصلہ کردیں تو پھر اس میں ان کا اختیار ہو اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا ہے"۔

پس اخلافت ایک الٰہی منصب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ہستی کو اس منصب سے نوازتا ہے جو نبوت کا بار اُٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور جس شخص یا قوم تک دعوتِ الٰہی کا پیغام پہنچانا مقصود ہو امام اس تک یہ پیغام پہنچاتا ہے۔ منجیِ بشریت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو شریعت لے کر آئے تھے، امامؑ اس شریعت کی تفصیل سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے، جس سے جاہل کی ہدایت ہوتی ہے اور غافل کو تنبیہ اور وہ شریعت کی حدود کو پھلانگنے والے کو اس کے جرم کی سزا دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شریعت کے جن احکام و قوانین کو اجمالی طور پر بیان کیا ہو یا اس دور میں وقت کی وسعت نہ ہونے کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن احکام و قوانین کو بیان نہ کیا ہو امام انھیں تفصیلاً بیان کرتا ہے۔

رسولِ خدا کے انتقال کے بعد امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ پھر آپؑ کے بیٹے حضرت امام حسنؑ، پھر ان کے بھائی سید الشہداءؑ حضرت امام حسینؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام علی زین العابدینؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام محمد باقرؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام جعفر صادقؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام علی رضاؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام محمد تقیؑ، پھر ان کے بیٹے حضرت امام علی نقیؑ پھر ان کے بیٹے حضرت امام حسن عسکریؑ اور پھر ان کے بیٹے حضرت امام المنتظر ابوالقاسم محمد عجل اللہ فرجہُ الشریف منصب خلافت پر فائز ہوئے۔

متواتر احادیث سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے امامؑ کو اپنے بندوں کے لیے حجت اور منارۂ ہدایت قرار دیا ہے تاکہ گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگ امامؑ کے وجودِ مبارک کے ذریعے ہدایت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ امامؑ کو قوتِ قدسیہ نوریہ ودیعت فرماتا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے کائنات کی معلومات اور عالمِ موجودات میں ہونے والے واقعات و حادثات سے مطلع ہو سکے۔

ایک صحیح حدیث میں معصومؑ سے منقول ہے: "جب ہم میں سے کوئی مولود پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے نور کا ایک ستون بلند کیا جاتا ہے جس کے ذریعے وہ بندوں کے اعمال اور مختلف شہروں اور ممالک میں ہونے والے واقعات کو دیکھتا ہے۔ (بصائر الدرجات: صفار، ج۹، ص ۱۲۰)

اس حدیث سے اس قوتِ قدسیہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ معصومؑ کو عطا فرماتا ہے تاکہ وہ اس قوتِ قدسیہ کے ذریعے عالم الملک اور عالم الملکوت کے قول اور عمل سمیت اس کے تمام اجزا اور حقائق کشف کر سکے۔ اس قوتِ قدسیہ کے وسیلہ سے جہالت اور غفلت کے پردے ختم ہو جاتے ہیں اور ہر شے علمِ حضوری کے تحت بنفسِ نفیس معصوم امامؑ کی ذواتِ قدسیہ کے سامنے حاضر ہوتی ہے، جیسے نور کے ظاہر ہونے سے ظلمت کے پردے چھٹ جاتے ہیں اور جس شے کو گھٹا ٹوپ اندھیرے نے چھپا دیا ہو وہ نگہبان کی آنکھوں کے سامنے آشکار اور روشن ہوتی ہے۔

ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ جل شانہ نے انھیں اس قوتِ قدسیہ کے ذریعے اوّلین و آخرین کے تمام اُمور، جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے، جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا، اُن تمام اشیاء سے مطلع ہونے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے گویا یہ تمام اشیاء ان کے سامنے بنفسِ نفیس حاضر ہوں۔ (مختصر البصائر: ص ۱۰۱)

پھر امام علیہ السلام نے یہ فرماتے ہوئے اس کی دلیل رقم فرمائی کہ ہر وہ شے جو اللہ کے رسولؐ کے لیے ثابت ہے وہ بعینہٖ اسی طرح ہمارے لیے بھی ثابت ہے سوائے نبوت اور بیویوں کے۔ [1] (المختصر: ص ۲۰)

---

[1] یعنی ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں صرف نبیؐ کے لیے خاص حکم ہے۔ (مترجم)

ایسا کہنے سے ہرگز غلو نہیں ہوتا ہے کیونکہ ان کی ذواتِ اطہارؑ پر درج ذیل نصِ قرآنی کی تطبیق ہوتی ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝

"اے اہلِ بیتِ رسولؐ! بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ وہ تم سے رجس کو دُور رکھے اور تمہیں ایسے پاک رکھے جیسے پاک رکھنے کا حق ہے"۔ (سورۂ احزاب: آیہ ۳۳)

یہ ہستیاں خدائے قُدوس کے فیض کی متحمل تھیں۔ بے شک! اللہ تعالیٰ کے فیض میں کنجوسی نہیں بلکہ اس کی نعمتیں اور فیض ہمیشہ جاری و ساری رہتا ہے۔ کسی شخص کے متعلق غلو اور مبالغہ آرائی تب ہوگی اگر اس کے لیے کسی ایسی صفت اور خصوصیت کو ثابت کیا جائے جس کی اس میں صلاحیت و قابلیت نہ ہو۔ عقل کسی صورت میں بھی معبود کے لطف و کرم میں مانع نہیں ہوتی بلکہ اس کا لطف و کرم اور نعمتوں کی فراوانی ان لوگوں پر بھی ہوتی ہے جو طغیانیت اور سرکشی میں غرق ہوتے ہیں۔ ان کی سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ ان سے اپنی رحمت، احسان اور فضل کو نہیں روکتا اور اس سے اس کی رحمت و فضل کے خزانے ختم نہیں ہوتے اور یہ وہ اُمور ہیں جن کے قیاس و استدلال ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جب اس ربِ اکبر کا سرکشوں پر اس قدر فیض و احسان جاری رہتا ہے تو پھر وہ ہستیاں جو حقیقتِ محمدیہ سے وجود میں آئیں اور ایسی حقیقت جو نُورِ اقدس سے تخلیق ہوئی تھی ان پر خدائے عزوجل کس قدر اپنے فیوض و برکات اور لطف کی بارش برساتا ہوگا، حالانکہ یہ ذواتِ مقدسہ اس فیض کی اہل بھی ہیں۔ پس علمِ غیب کے متعلق آئمہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا اس کی بنیاد پر یہ کہ وہ بندگانِ خدا کے اعمال سے مطلع ہو سکتے ہیں اور وہ ما کان و ما یکون کے عالم ہوتے ہیں۔ اس قول میں کوئی نئی بات نہیں اور نہ ہی یہ خلافِ شرع ہے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کے متعلق جس علمِ غیب کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ اس علمِ غیب سے مختلف ہے جو صرف ذاتِ باری تعالیٰ سے خاص ہے کیونکہ اس علم کا ان (آئمہ معصومینؑ) کے لیے قائل ہونا محال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کے شایانِ شان ہے کہ اس کا علمِ غیب ذاتی ہے جو کسی دوسرے کا محتاج نہیں لیکن آئمہ معصومین علیہم السلام کو علمِ غیب خدا کی طرف سے عطا کیا گیا ہے اور وہ خدا کے لطف و کرم اور فیض کے وسیلہ سے چیزوں کے خواص اور حادثات و واقعات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

پس علمِ غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ علمِ غیب ہے جو ذاتِ واجب الوجود سے مختص ہے۔ اس علم کا آسمانوں اور زمینوں کے خالق کے سوا کوئی مالک نہیں کیونکہ اس کا یہ علم عینِ ذات ہے۔ دوسرا وہ علمِ غیب ہے جو کسی ایسی علت سے صادر ہوتا ہے جس کا وجود فیضِ الٰہی پر موقوف ہوتا ہے اور علمِ غیب کی یہ دوسری قسم انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام میں پائی جاتی ہے۔ جو کچھ

ہم نے یہاں پر بیان کیا ہے مفسرِ قرآن علامہ آلوسی نے بھی درج ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس کی طرف متنبہ کیا ہے کہ ارشاد پروردگار ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

"(اے نبیؐ) کہہ دیجیے کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کے غیب کا علم صرف خدا کے پاس ہے"۔(سورۂ نمل: آیہ ۶۵)

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: سچ تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے اس علمِ غیب کا انکار کیا گیا ہے یعنی جو شخص کسی واسطے اور وسیلے کے بغیر جانتا ہو۔ خدا کے خاص بندوں کے لیے جو علمِ غیب کا عقیدہ ہے وہ اس قسم کا علم غیب نہیں کہ جو عین ذات ہوتا ہے بلکہ وہ ذاتِ واجب الوجود کے فیض سے اس علم کے مالک ہوتے ہیں۔ اس معنی کے تحت یہ نہیں کہا جائے گا کہ انھیں غیب کا علم ہے کیونکہ یہ کفر ہوگا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ان ہستیوں پر علمِ غیب ظاہر کیا گیا اور انھیں علمِ غیب سے مطلع کیا گیا ہے۔(روح المعانی: ج ۲۰، ص ۱۱)

اس بات کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو حضرت امام ابوجعفر محمد تقی الجواد علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب آپؑ کو ان کی زوجہ اُم الفضل بنت مامون الرشید نے یہ بتایا کہ اسے اچانک ماہواری کا سامنا کرنا پڑا جو عورتوں کو عادت کے مطابق ہوتا ہے اور اس نے امامؑ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا تو امامؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم کے ذریعے میں بھی یہ علم رکھتا ہوں۔(بحارالانوار: ج ۱۲، ص ۲۹، از "مشارق انوار الیقین"، حافظ رجب البرسی)

اس کا مطلب ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام ہر وقت فیضِ الٰہی کی احتیاج رکھتے ہیں کیونکہ اگر یہ رابطہ مسلسل قائم نہ ہو اور اس کا فیض ہر لمحے جاری وساری نہ رہے تو چھٹے امامؑ کی تعبیر کے مطابق اس صورت میں ان کے پاس جو کمالات ہیں وہ سب ختم ہو جائیں۔ حضرت امام ابوعبداللہ جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر ہم ہر شبِ جمعہ اپنے کمالات میں اضافہ نہ کریں تو ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائے۔(اُصولِ کافی)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا اس فرمان سے لوگوں کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان کا علم ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے اور وہ ذاتِ قدوس کے ہمیشہ رہنے والے فیض اور اس کی رحمتوں کے محتاج ہیں۔ اس فیضِ الٰہی کو شبِ جمعہ سے خاص کرنے کا مقصد یہ ہے کہ باقی تمام راتوں کے برعکس اس رات میں خدا کا لطف وکرم زیادہ برستا ہے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا درج ذیل فرمان فیضِ الٰہی اور اس کے بے پایاں لطف وکرم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: خداوند متعال ہم پر اپنے علم کے دروازے وا کرتا ہے تو ہم عالم ہیں اور اگر وہ ہم سے اپنا فیض منقطع کر لے تو ہم عالم نہ رہیں۔(مختصر البصائر: ص ۱۳)

جو شخص سورۂ جن کی تلاوت کرتا ہو کیا وہ اس بات میں شک کر سکتا ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ....

"(خدا ہی) غیب کو جاننے والا ہے اور اپنی غیب کی بات صرف اسی پر ظاہر کرتا ہے جس رسولؐ کو اس کے لیے پسند فرمائے"۔ (سورۂ جن: آیہ ۲۶-۲۷)

جس ہستی اور اس کے رب کے درمیان صرف دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ تھا وہ خاتم الانبیا، رسولِ مرتضیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کیونکہ خدا نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو آپؐ پر فضیلت اور برتری عطا نہیں فرمائی۔ ابوجعفر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: خدا کی قسم! وہ ہستی حضرت محمدؐ کی ذات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا تھا"۔ (بحارالانوار: ج۱۵، ص ۴۷، ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" ج ۱۳، ص ۳۸۴، کتاب التوحید میں اس آیت کے تحت گفتگو کی ہے)

خاتم الانبیاؐ کے خلفائے برحق بھی خدا کے برگزیدہ اور چنے افراد ہوئے ہیں کیونکہ وہ بھی نورِ محمدیؐ کا پرتو ہیں اور اس بات پر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا وہ جواب شاہد ہے جو آپؑ نے عمرو بن ھداب کو اس وقت دیا تھا جب وہ اس آیت کو دلیل بناتے ہوئے آئمہ اطہارؑ کے علمِ غیب کا انکار کر رہا تھا تو امامؑ نے فرمایا:

"بے شک! رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ اور برگزیدہ رسول ہیں اور ہم اس رسولؐ کی میراث ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب سے آگاہ فرمایا اور اس نے ہمیں قیامت کے دن تک ما کان ومایکون کے علم سے نوازا ہے"۔ (بحارالانوار: ج ۱۲، ص ۲۲، باب ورودہ البصرہ اور ج ۱۵، ص ۴۷ از کتاب الخرائج)

اور وہ رسولؐ، اللہ کا حبیب کیوں نہ ہو جسے اس نے خود چن کر خاص کر لیا ہو اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے یہ شرف بھی عطا کیا ہو کہ وہ خود اس رسولؐ سے کسی فرشتے کے توسط کے بغیر ہم کلام ہوا ہو۔

زرارہ بیان کرتا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس غنودگی اور غشی کے بارے میں سوال کیا جو اللہ کے رسولؐ پر طاری ہوتی تھی۔ میں نے پوچھا: کیا وحی کے نزول کے وقتِ رسولِ خدا کی ایسی کیفیت ہو جاتی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں! بلکہ جب کسی واسطہ کے بغیر خود اللہ تبارک وتعالیٰ آپؐ سے مخاطب ہوتا تھا تو پھر آپؐ کی یہ کیفیت ہوتی تھی۔ حضرت جبرائیلؑ کبھی اجازت کے بغیر آپؐ کے پاس نہیں آئے بلکہ جب وہ رسولِ خدا کے پاس آتے تھے تو آپؐ کے سامنے ایک غلام کی طرح باادب بیٹھتے تھے۔ (توحید: شیخ صدوق، ص ۱۰۲، باب نفی الرؤیۃ، علل الشرائع: ص ۱۴، باب ۷، علم الیقین: فیض کاشانی، ص ۸۶)

اور اگر رسولؐ خدا ایسی حالت میں ہوتے کہ جب اجازت لینا مناسب نہ ہوتا تو وہ پرنالے کے پاس کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ آپؐ اجازت دیتے تو پھر حضرت جبرائیلؑ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ (بحارالانوار: ج۱۱، ص۲۱۶، باب احوال اصحاب الصادقؑ)

بعض اوقات نبی اکرم ﷺ پر کسی فرشتے کے توسط کے بغیر وحی کا نزول ہوتا تھا جیسا کہ اسے برہان الدین الحلبی ①، سہیلی ②، ابن سید الناس ③، جلال الدین سیوطی ④، اور زرقانی ⑤ نے بیان کیا ہے۔

وہ احادیث جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رسولؐ اعظم کے مقام و منزلت کو بیان کرتی ہیں، ان احادیث کی رُو سے شیخ صدوق نے وحی اور غشی و غنودگی کے متعلق اپنے عقیدے کو رقم کیا ہے۔ (الاعتقادات، علامہ حلّی نے باب حادی عشر میں اس پر تعلیقہ لگایا ہے)

اسی طرح شیخ مفیدؒ کی رائے بھی اس سے مختلف نہیں ہے، وہ کہتے ہیں: ''وحی کی ایک قسم یہ ہے کہ نبیؐ اسے کسی واسطے کے بغیر سنتے ہیں اور دوسری قسم یہ ہے کہ جسے فرشتوں کے واسطے اور ذریعے سے سنتے ہیں۔ (شرح الاعتقادات الصدوق: ص۲۱۱، مطبوعہ تہران)

حجۃ الاسلام شیخ محمد تقی اصفہانی المعروف آقا نجفی نے بھی اسی روش کو اپنایا ہے بلکہ وہ مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کو قرآن مجید اور اس کے معارف وفنون، اشیاء کے خواص اور کائنات کے اَسرار و رُموز کا آپؐ پر وحی کے نزول سے پہلے علم ہوتا تھا لیکن خداوند متعال یہ چاہتا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے وحی کے نزول سے پہلے اس علم کا اظہار نہ کریں۔ ارشاد پروردگار ہے:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْكَ وَحْیُهٗ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۱۴)

''(اے رسولؐ) آپ قرآن پڑھنے میں اس سے پہلے کہ آپؐ کو وحی کردی جائے جلدی نہ کریں''۔

اگر نبی اکرم ﷺ کو قرآن مجید کے اَسرار و معارف سے پہلے آگاہی نہ ہوتی تو یہاں پر وحی سے پہلے قرآن مجید کے احکامات کو بیان کرنے سے روکنے کا کوئی مقصد نہ ہوتا۔ پس! اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو کائنات کے حادثات و واقعات سے آگاہی ہونا اور آپؐ کا ماضی، حال اور مستقبل کا علم جبرائیلؑ کے نزول پر موقوف نہیں کیونکہ خدا کی

---

① السیرۃ الحلبیہ: ج۱، ص۲۹۳، باب بدء الوحی۔

② الروض الانف: ج۱، ص۱۵۴

③ عیون الاثر: ج۱، ص۹۰

④ الخصائص الکبریٰ: ج۲، ص۱۹۳

⑤ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ: ج۱، ص۲۲۱، پہلا ایڈیشن۔

خاص عطا اور لطف و کرم کی وجہ سے آپؐ جبرائیلؑ کی خلقت سے بھی پہلے تمام حقائق سے مطلع و آگاہ تھے۔

یہاں پر ایک اور شبہے کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے جسے وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے جو ان شخصیات کے جمال و جلال کے مراتب میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ رسولِؐ اعظم بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد مختلف زبانوں کو لکھنا، پڑھنا جانتے تھے اور ان کے رسم الخط سے بھی آشنا تھے کیونکہ آپؐ کمال کے بلند ترین درجات پر فائز تھے، اس لیے آپؐ میں ان صفات کی کمی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اگر آپؐ کو اس پر عبور نہ ہوگا تو آپؐ کسی دوسرے کی طرف رجوع کریں گے جو لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ اس صورت میں (العیاذ باللہ) نبیؐ اس شخص سے مفضول قرار پائیں گے حالانکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ نبیؐ میں تمام قابلِ تعریف اوصاف موجود ہوتے ہیں۔ علمائے کرام میں سے محققین بھی اسی نظریے کے قائل ہیں جو ہم نے بیان کیا ہے۔ [1]

درج ذیل آیت میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ .....

"اور آپؐ اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا کرتے"۔ (سورۂ عنکبوت: آیہ ۴۸)

یہ آیت اس بات کی نفی نہیں کرتی کہ آپؐ کتابت کے طور و اطوار سے آگاہ نہیں تھے بلکہ یہ آیت زیادہ سے زیادہ یہی بات ثابت کرتی ہے کہ آپؐ لکھتے نہیں تھے۔ اس کا اس بات سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے کہ آپؐ لکھنا جانتے ہی نہیں تھے بلکہ نبیؐ لکھنا جانتے تھے لیکن انھوں نے کبھی کچھ لکھا نہیں۔ آپؐ سے کتابت کی نفی کا مقصد یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے

---

[1] شیخ مفید نے "المقالات" ص ۱۲۳، شیخ طوسی نے "التبیان" ج ۲، ص ۲۳، شہید اول نے "المبسوط" اور "غایۃ المراد"، علامہ حلی نے "التحریر والقواعد"، سید مجاہد نے "المناہل"، ابن شہر آشوب نے "المناقب" ج ۱، ص ۱۷۱، علامہ مجلسی نے "مرآۃ العقول" ج ۱، ص ۱۴۸، السید محمد حسن شعبان القزوینی نے "الریاض"، فاضل ہندی نے "کشف اللثام"، مقداد نے "التنقیح" اور حاج ملا علی الکنی نے "القضاء" میں اسے بیان کیا ہے۔ "السرائر" کی عبارت کے مطابق اس پر علما کا اجماع ہے اور انھوں نے اس مسئلے کو کتاب القضاء میں قاضی کی کتابت کے مسئلے کے تحت ذکر کیا ہے۔

الشہاب الخفاجی نے اپنی کتاب "شرح الشفاء" ج ۳، ص ۳۹۸، باب ۳، فصل "نبیؐ کے اسمائے گرامی" اور ص ۵۱۴ پر فصل "نبیؐ کے معجزات" میں واضح طور پر یہ تحریر کیا ہے کہ آپ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے۔ علامہ آلوسی نے "روح المعانی" ج ۲۱، ص ۴ پر سورۂ عنکبوت کی آیت نمبر ۴۸ کے تحت لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ آپ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے۔ پھر انھوں نے صحیح بخاری سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے صلح کے عہدنامے کو تحریر کیا تھا۔ پروفیسر عبدالعظیم الزرقانی نے اپنی کتاب "مناہل العرفان" ص ۳۶۰، پہلے ایڈیشن میں یہ کہا ہے کہ جو روایات آپؐ کی کتابت کی نفی کرتی ہیں ان سے مراد یہ ہے کہ آپؐ نے کسی سے کتابت سیکھی نہیں۔ جو روایات اس کے اثبات پر ہیں، یعنی آپؐ پہلے سے لکھنا جانتے تھے ان میں تہذیب تاریخ ابن عساکر ج ۶، ص ۲۴۹ پر ہے کہ ابو الولید الباجی نے نبیؐ کی کتابت کے اثبات پر ایک کتابچہ لکھا اور احمد بن محمد نحلی اور جعفر بن عبدالجبار سمیت ایک گروہ نے اس مسئلے پر ان کی تائید و توثیق کی ہے۔

ہاتھ سے لکھا کرتے تو وہ گمراہ اور جھوٹے لوگ آپؐ کی نبوت میں شکوک وشبہات کا اظہار کرتے جیسا کہ قرآن مجید نے آپؐ کے نہ لکھنے کا مذکورہ سبب کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔

ہمارے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسولِ اکرمؐ کی اولاد میں سے آئمہ معصومینؑ کو وہ تمام کمالات اور فضائل عطا کیے ہیں جو ان کے جدِ بزرگوار رسولؐ خدا کو عنایت فرمائے تھے،، سوائے نبوت اور زواج کے۔ کیونکہ آپؐ خاتم الانبیاء ہیں اور زواج دائمی میں ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنا صرف آپؐ کے لیے خاص حکم ہے۔

جو شخص ان ہستیوں میں پائے جانے والے علمِ غیب کی حقیقت کو نہیں جانتا وہ اس کا منکر ہے اور جسے شریعت کی سوجھ بوجھ نہیں، وہ علمِ غیب کا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر کہتا ہے۔

شیخ زادہ حنفی کہتا ہے: قاسم صفار نے اس شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے جو اس بات پر عقد زواج کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اس کے رسولؐ ہیں لیکن وہ یہ عقیدہ بھی رکھتا ہو کہ نبیؐ کو علمِ غیب ہوتا ہے۔ لیکن تاتارخانیوں نے ایسے شخص کو کافر نہیں کہا کیونکہ ان کے بقول نبی ﷺ کی پاک وطاہر روح کو بعض اشیاء کے متعلق علمِ غیب ہوتا ہے۔ (مجمع الانھر: ج۱، ص۳۲۰)

ارشادِ ربانی ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ .....

"(خدا ہی) غیب کو جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر وہ جس رسولؐ کو چن لے"۔ (سورۂ جن: آیہ ۲۶-۲۷)

درحقیقت یہ دونوں علم کے دعوے دار علمِ غیب کے اس معنی کا شعور ہی نہیں رکھتے جو نبیؐ کے لیے ثابت کیا جاتا ہے اور نہ ہی انھیں خاتم الانبیاؐ کی حقیقت کا ادراک ہے۔ ان دونوں نے وہی کچھ کہا جو ان کا جی چاہا۔

جب ہم نے اس علمِ غیب کو واضح کردیا کہ جو نبیؐ اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے لیے ہوتا ہے، تو اس کے بعد بیدار مغز پڑھنے والے کے لیے شک اور تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں! اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض اشیاء کا علمِ غیب صرف خدا تعالیٰ سے خاص ہے اور ان اشیاء کے بارے میں اس کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے، ان میں سے ایک قیامت کے دن کا بھی علم ہے۔

وہ روایات جن میں آئمہ معصومین علیہم السلام کے علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے جیسے ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: "ہمیں ان لوگوں پر تعجب ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہمیں علمِ غیب ہوتا ہے حالانکہ خدا کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں۔ (آپؑ نے فرمایا:) ایک دفعہ میں نے اپنی لونڈی کو مارنے کا ارادہ کیا تو وہ بھاگ گئی اور مجھے یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ گھر

کے کسی کمرے میں چھپ گئی ہے۔ (بصائر الدرجات: ص ۵۷ اور ۶۲، اصول کافی، مرآۃ العقول سے اقتباس: ج ۱، ص ۱۸۶)

یہ روایت تقیہ پر محمول کی گئی ہے کیونکہ اس مجلس میں داؤد الرقی، یحییٰ البزاز اور ابوبصیر موجود تھے اور ان میں اتنی قابلیت نہیں تھی کہ وہ اہلِ بیتؑ کے علم کی گہرائیوں کو برداشت کر سکتے۔ اس لیے ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان لوگوں کے عقیدے کو ثابت رکھنے کے لیے خود سے علمِ غیب کی نفی کی ہے۔ اس بات کی تائید درج بالا روایت کا راوی سدیر بھی کرتا ہے کہ سدیر جب ایک اور موقع پر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے علمِ غیب کی نفی کے بارے میں جو کچھ سنا تھا اس پر حیرت کا اظہار کیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وہ اس سے بھی زیادہ علم رکھتے ہیں ہمیں پوری کتاب مقدس اور اس کے معارف وفنون اور اسرار کا علم ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے اس روایت کو راویوں کے مجہول ہونے کے باعث "مرآۃ العقول" میں ذکر نہیں کیا ہے۔

درج بالا روایت میں یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ کنیز کی جگہ کا علم نہ ہونے سے آپؑ کی مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اسے اپنی ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر امامؑ نے انکشاف واقعی کی نفی نہیں کی: آپؑ کا یہ فرمان مَا عَلِمْتُ اس کا مطلب ہے کہ میں نے اسے اپنی ان آنکھوں سے نہیں دیکھا کہ وہ کس حجرے میں ہے، ورنہ جو ہستی اپنے علم کے بارے میں یہ کہے کہ جو گزر چکا ہے اور جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے ان میں سے کچھ بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تو پھر اس ہستی پر ایک کنیز کا امر ہرگز مخفی نہیں ہو سکتا۔

روایت میں ہے کہ مبشر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے امامؑ کے دولت کدہ پر آیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک کنیز دروازہ کھولنے کے لیے بڑھی۔ جب کنیز نے دروازہ کھولا تو اس نے کنیز کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فوراً گھر کے اندر سے گرج دار آواز میں فرمایا: تیرا باپ زندہ نہ رہے، اندر آجا۔ یہ سن کر مبشر فوراً اندر آگیا اور یہ عذر پیش کرنے لگا کہ اس نے برائی کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے یقین میں اضافہ کرنا چاہتا تھا (کہ اس کا امامؑ اسے ہر حال میں دیکھ رہا ہے)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اگر یہ دیواریں ہمارے لیے بھی اسی طرح پردہ بن کر حائل ہو جائیں جس طرح تمھارے لیے رکاوٹ ہوتی ہیں تو اس صورت میں تو ہم اور تم برابر ہوئے۔ (مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۷۴، بحار الانوار: ج ۱۱، ص ۷۰)

پھر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے محمد بن مسلم سے فرمایا: اگر ہمیں یہ علم نہ ہو کہ تم لوگ کہاں پر اور کس حالت میں ہو تو ہمیں دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ پھر امامؑ نے اس گفتگو سے استدلال کیا جو امامت کے متعلق امام محمد باقر علیہ السلام اور ان کے ساتھی کے درمیان ربذہ کے مقام پر ہوئی۔ (بحار الانوار: ج ۱۱، ص ۷۲)

نبی کریم ﷺ کا یہ قول: وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ "اگر میں (بغیر خدا کے بتائے) غیب کو جانتا ہوتا تو یقیناً اپنا بہت سا فائدہ حاصل کر لیتا"۔ (سورۂ اعراف، آیت ۱۸۸)۔ یہ صرف اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں"۔ یعنی وہ علم غیب کے صرف اپنی طرف سے عالم نہیں تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص بھی ان ہستیوں کے متعلق علم غیب کا معتقد ہو اور وہ یہ عقیدہ بھی رکھتا ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نبی اکرمؐ اور ان کی اولاد اطہارؑ پر ملکۂ قدسیہ کے ذریعے لطف وکرم فرماتا ہے جس کی وجہ سے یہ کائنات میں موجود ہر شے کو کشف کر سکتے ہیں (تو یہ شرک نہیں ہے)۔ ①

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک دن جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ قید خانے میں تھے تو آپؑ نے اپنے ساتھیوں سے سوال کیا کہ کیا ان کی کوئی جاسوسی تو نہیں کر رہا ہے تو انھوں نے امامؑ کو جواب دیا کہ یہاں پر کوئی جاسوس نہیں۔ پھر امامؑ نے فرمایا: اس عمارت کے رب کی قسم! آپؑ نے اسے تین دفعہ دہراتے ہوئے کہا کہ اگر میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے درمیان ہوتا تو میں ان دونوں کو یہ بتاتا کہ میں ان سے زیادہ بڑا عالم ہوں اور میں انھیں اس چیز کی بھی خبر دیتا جو ان کی دسترس میں نہیں تھی۔ کیوں کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ وہ جانتے تھے جو ہو چکا ہے۔ آئندہ کے متعلق ان کو علم نہیں دیا گیا تھا اور نہ ہی ان حادثات و واقعات کا علم جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ بے شک ہمیں ماضی، حال اور قیامت تک کے مستقبل کا علم عطا کیا گیا اور ہم نے اس علم کو اللہ کے رسولؐ سے ورثے میں پایا ہے۔ (اصول کافی، مرآۃ العقول کے حاشیہ پر، ج ۱، ص ۱۸۹)

یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ یہ حدیث درست ہے اور اس کا راوی ابراہیم بن اسحاق الاحمر جو کہ ضعیف راوی نہیں ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام کا جاسوس کے متعلق پوچھنا آپؑ کے وسیع علم کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اس کے اظہار کے پابند نہیں ہوتے بلکہ وہ ظاہراً اسی پر عمل کرتے ہیں جس کا تقیہ تقاضا کرتا ہو۔ یا آپؑ نے اس لیے ایسا فرمایا تھا کہ آپؑ اپنے بعض ساتھیوں کی حالت دیکھ رہے تھے کیوں کہ انھیں یہ گمان ہو رہا تھا کہ ہماری کوئی جاسوسی کر رہا ہے۔

اسی طرح کا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک اور قول بھی ہے جس میں آپؑ فرماتے ہیں: زمینوں اور آسمانوں میں جو کچھ ہے مجھے اس کا علم ہے، جنت وجہنم کے احوال کا مجھے علم ہے اور جو کچھ گزر چکا ہے یا جو گزر رہا ہے اور آئندہ ہوگا، مجھے

---

① خفاجی نے "شرح الشفاء" ج ۳ ص ۱۵۰ پر تحریر کیا ہے کہ جن آیات میں نبی کریم ﷺ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد کسی واسطہ کے بغیر علم غیب کا حصول ہے لیکن نبی کریم ﷺ کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے مطلع کرنے سے علم غیب کا عالم ہونا ثابت ہے۔ اس کی دلیل پروردگار کا یہ ارشاد ہے: فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ○ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (سورۂ جن، آیہ ۲۶-۲۷) یعنی "اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول کو چن لے"۔

اس کا بھی علم ہے۔ پھر جب آپؑ نے یہ محسوس کیا کہ سننے والوں کے لیے یہ بہت بڑا جملہ ہے تو آپؑ کو یہ اندیشہ ہوا کہ میرے اس جملے سے یہ لوگ سیدھے راستے سے نہ ہٹ جائیں تو آپؑ نے فرمایا: مجھے کتاب خدا سے یہ سارا علم حاصل ہوا ہے کیونکہ پروردگار کا ارشاد ہے: تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ "اس کتاب میں ہر شے کا بیان ہے" (سورۂ نحل: آیت ۸۹)۔ (اُصولِ کافی، مرآۃ العقول: ج ۱، ص ۱۸۹ کے حاشیہ سے اقتباس)

پس! اس روایت کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب کی حالت کا خیال رکھتے ہوئے ان کے سامنے ایسا استدلال پیش کیا جو اُن کو قائل کرسکتا ہو۔ اسی طرح آئمہ علیہم السلام وقتی مصلحتوں اور شخصی احوال کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے علم کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے بارے میں فرمانا کہ ان دونوں کو ماضی کا علم عطا کیا گیا تھا، یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ حضرت خضرؑ کو اس بچے (جسے انھوں نے قتل کیا تھا) کے مستقبل کی حالت کا علم تھا کیونکہ یہ ان اُمور میں سے ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وقتی مصلحت کے تحت ان پر آشکار کیے تھے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام سے جو وارد ہوا ہے کہ جب امامؑ کسی شے کے بارے میں جاننا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے آگاہ فرما دیتا ہے۔ (اصولِ کافی، مرآۃ العقول: ج ۱، ص ۱۸۷ کے حاشیہ سے اقتباس)

یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ ایک خاص وقت کے تحت اماموں کو علم ہوتا ہے بل کہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ قوتِ قدسیہ جو ولادت کے وقت سے ان میں ودیعت کی گئی ہوتی ہے یہ قوتِ قدسیہ ان کے اس ارادے کے تحت عمل کرتی ہے جو پوشیدہ حقائق کو ظاہر کرنے کے لیے مصلحت پر موقوف ہوتا ہے اور یہ اسی مصلحت کے تحت اپنے پوشیدہ علم کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی مضمون کی تین احادیث وارد ہوئی ہیں اور علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول میں بعض حدیثوں کو ضعیف اور بعض کے راویوں کو مجہول قرار دیا ہے۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خلفائے اطہارؑ کو نوری ملکہ کے ذریعے فیض یاب کرتا ہے اور وہ اس نوری ملکہ (قوتِ قدسیہ) کے توسط سے تمام حادثات و واقعات، کائنات میں موجود اشیاء کے خواص اور عالمِ موجودات کے اسرار، کائنات میں ہونے والے خیر وشر کے حوادث سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ اس میں ہرگز غلو نہیں ہے کیونکہ اس مقدس فیض کے حصول کی ان ذواتِ مقدسہ میں قابلیت موجود ہے۔ بے شک! پروردگار کی عطا میں بخل نہیں ہوتا اور وہ جسے چاہے اور جو چاہے عطا کرتا ہے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام اسی الٰہی عطا اور عنایت سے لوگوں کو آشنا کرنے کے لیے یہ فرماتے رہے کہ وہ لحہ بہ لحہ اور مسلسل اللہ جل شانہٗ کی نعمتوں اور فیض کے محتاج ہوتے ہیں اور اگر اس کا فیض وانعام مسلسل، جاری وساری نہ رہے تو ان کا علم فنا

ہوجائے۔ ان ہستیوں کے لیے خدا کا خاص لطف و کرم اور مسلسل فیضِ الٰہی بعید نہیں ہے کہ جنھوں نے خود کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے خاص کیا ہو اور وہ اولیاء وصدیقین جن کا خمیر پاک ومقدس پانی سے گوندھا گیا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ خداوند تعالیٰ نے انھیں اپنی شریعت کا امین بھی قرار دیا ہو۔ محقق علماء کی نظر میں یہ صرف ان ہستیوں پر ہی صادق آتا ہے جیسا کہ شیخ مفید نے "المقالات" ص ۷۷ پر، علامہ مجلسیؒ نے "مرآۃ العقول" ج ۱، ص ۱۸۷ پر تحریر کیا ہے اور محقق آشتیانی نے شیخ مرتضیٰ انصاری کی کتاب "رسائل" ج ۲، ص ۶۰ کے حاشیہ پر درج بالا علماء کی تحقیق کی روشنی میں اس علمی کارروں کو آگے بڑھایا ہے۔

ابن حجر الہیثمی نے کہا ہے کہ درج ذیل دو آیتوں میں خدا کے ارشادات ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں جیسا کہ ارشادِ پروردگار ہوتا ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (سورۂ نمل: آیت ۶۵)

"(اے نبیؐ) کہہ دیجیے کہ زمین اور آسمانوں کے علمِ غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

اور ارشادِ پروردگار ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ (سورۂ جن: آیت ۲۶)

"(اے نبیؐ) اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا ہے"۔

ان آیات میں انبیاءؑ، اولیاءؑ کے لیے غیبی اُمور کے جزئیات کا علم ہونے میں تضاد نہیں ہے کیونکہ ان کا علم خدا کے مطلع کرنے کے مرہونِ منت ہے۔ ان کا علمِ غیب اس علمِ غیب سے مختلف ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کے شایانِ شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم قدیمی، ازلی، دائمی اور ابدی ہے جس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس کا یہ علم ذاتی ہوتا ہے جس کی بنا پر اس کی مدح وستائش کی جاتی ہے۔ درج بالا دونوں آیتوں میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے علاوہ جسے بھی علمِ غیب ہوتا ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مطلع کرنے سے غیب کی جزئیات کا عالم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا انبیاءؑ واولیاءؑ کو غیب کے بعض اُمور سے مطلع کرنا ممکن ہے اور یہ کسی صورت میں بھی محال نہیں ہے، جو ان کے لیے اس علمِ غیب کا منکر ہے وہ بغض وکینہ کی بنیاد پر اس کا منکر ہے۔ یہ بدیہی امر ہے کہ انبیاءؑ واولیاءؑ کا غیب کے اُمور سے مطلع ہونے سے ان کا خداوند تعالیٰ کے اُس علمِ غیب میں شریک ہونے کا باعث نہیں بنتا جو علم صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے خاص ہے اور وہ ازل سے اس علم سے متصف ہے۔ نووی نے اپنے فتاویٰ میں بھی اسی روش کو اپنایا ہے۔ (الفتاویٰ الحدیثہ: ص ۲۲۲)

اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابن حجر کو اس بات سے اختلاف نہیں ہے کہ اولیاءؑ کو غیب کا علم ہوتا ہے لیکن وہ اس بارے میں شیعوں کی موافقت بھی نہیں کرتا جو وہ نبیؐ کے اہلِ بیتؑ میں سے آئمہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں عقیدہ رکھتے

ہیں کہ ان اماموں کے پاس اتنی طاقت وقدرت ہے کہ انھیں قیامت تک کے کائنات میں رُونما ہونے والے تمام واقعات و حادثات کا علم ہے۔ لیکن ابن حجر کہتا ہے کہ علمِ غیب کی یہ وسعت صرف ذاتِ باری تعالیٰ جل شانہٗ سے مختص ہے۔ لیکن جس ملاک اور نکتہ کی بنیاد پر اس نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ اولیاءؒ کو بعض غیبی اُمور کی معرفت ہوتی ہے، بعینہٖ اسی ملاک (منطق) کی بنیاد پر یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انھیں ان تمام غیبی اُمور سے مطلع کردے جس کا شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر غیبی اُمور کے علم کا معیار اللہ تعالیٰ کا اپنی قدرت وصلاحیت عطا کرنا ہے اور آلِ رسولؐ میں سے خاص ان ذواتِ مقدسہ کو نُوری ملکہ (قوتِ قدسیہ) ودیعت کرنا ہے تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قدرت وصلاحیت اس قدر زیادہ ہو کہ ان پر تمام غیبی اُمور اس طرح ظاہر ہوں گویا کہ وہ تمام اشیاء ان کے سامنے موجود ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہاں کچھ اُمور ایسے ہیں جن کا علم صرف خدا کو ہے۔ کسی کا علم کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہوجائے اس کی ان اشیاء تک رسائی نہیں ہوسکتی (جیسے قیامت کے دن کا علم)۔ اسی لیے ابن حجر کے بیان کی روشنی میں مفسر قرآن نیشاپوری نے اپنا عقیدہ رقم کرتے ہوئے کہا ہے: اگر یہ کہا جائے کہ اولیاءاللہ کے لیے کرامت دکھانا محال اور ناممکن ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یا تو یہ اس لیے ناممکن ہے کہ خدا میں اتنی اہلیت نہیں (العیاذ باللہ) یا یہ کہ مومن اس کا اہل نہیں مگر یہ دونوں مفروضے بعید ہیں کیونکہ مومن کو یہ توفیق نصیب ہوتی ہے، اس ذات کی معرفت کی بنا پر جس نے اپنے بندے کو مختلف صلاحیتوں اور انعام سے نوازا ہے، کیونکہ جو حقیر اور کم تر پر سخاوت میں بخل نہیں کرتا تو پھر با فضیلت اور با شرف تو اس کی فیاضی کا زیادہ حق دار ہے۔ (النور السافر فی اعیان القرن العاشر: ص ۸۵، عبدالقادر العیدروسی)

ابن ابی الحدید کہتا ہے: ہم اس بات کے منکر نہیں ہیں کہ نوعِ بشر میں کچھ ایسے اشخاص بھی ہوں جو غیب کی خبریں دیں اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور وہ اس کی عطا کردہ قوت، صلاحیت اور اسباب کی فراہمی کے باعث غیبی اُمور کی خبریں دیتے ہوں۔ (شرح نہج البلاغہ: ج ۱، ص ۴۲۷، مطبوعہ مصر، پہلا ایڈیشن)

ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ (سورۂ لقمان: آیت ۳۴)

"اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا"۔

اس آیت کے مفہوم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح مکہ کا علم ہونے میں تضاد نہیں ہے اور نہ ہی اس آیت کے مفہوم اور نبی کریمؐ کے اس علم میں کوئی تضاد ہے کہ عنقریب ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جنگ ہوگی۔ یہ آیت زیادہ سے زیادہ اس بات کی نفی کر رہی ہے کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کا آپؐ کو ذاتی علم نہیں ہے لیکن اگر آپؐ کو ان واقعات سے خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ آگاہ فرمائے تو پھر اس بات کی نفی نہیں کی گئی کیونکہ یہ امر جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو موجودہ اور آیندہ

پیش آنے والے واقعات سے باخبر فرمائے"۔ (شرح نہج البلاغہ: ج ۲، ص ۳۶۲، مطبوعہ مصر، پہلا ایڈیشن)

آیۃ التَّهْلُكَةِ "خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو"

جو کچھ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام سے ان کی شہادت کا علم پوشیدہ نہیں تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں، کس وقت اور کیوں شہید کیے جائیں گے؟ ـــــ یہ ان پر اس قوت قدسیہ کے ذریعے آشکار ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ دیگر تمام حادثات و واقعات سے مطلع ہوتے ہیں۔ اس قوت قدسیہ کے ساتھ ساتھ یہ ہستیاں اپنے جدِ بزرگوار رسولِ خدا پر آسمان سے نازل ہونے والے صحیفہ میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس کے ذریعے ان اُمور سے واقف ہوتے ہیں۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کا اپنی شہادت سے آگاہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنی مقدس جانوں کو خود ہلاکت کے لیے پیش کر دیتے تھے جس کی قرآن میں ممانعت ہے۔ بے شک اپنی جان کو بچانا اور اسے ہلاکت میں ڈالنے سے پرہیز کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب انسان اپنی جان بچا سکتا ہو یا اس کے سامنے اپنی جان کو بچانے سے زیادہ اہم مصلحت نہ ہو لیکن اگر وہاں کوئی ایسی مصلحت ہو جو اس بات کا تقاضا کرتی ہو کہ اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالا جائے جیسے جہاد میں ہوتا ہے یا دشمن کی طرف سے حملہ کی صورت میں اپنی جان کا دفاع کرنا، یہ مذموم نہیں ہے بلکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر اس صورت میں انسان مارا جائے تو وہ جہاد کرنے والوں کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور مومنوں کو جہاد کا خود حکم دیا ہے اسی لیے انھوں نے اپنی جانوں کو شہادت کے لیے پیش کر دیا۔ ان میں کتنے ہی ایسے خوش بخت ہیں جو درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور کتنے ہی نبیؑ گزرے ہیں جو دعوتِ حق کی راہ میں مارے گئے اور انھیں کوئی بات حق کے موقف سے ہٹا نہ سکی، یہاں تک کہ وہ اپنی مقدس جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا اپنی جانوں کو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے میں ان کے لیے اپنی عبودیت قرار دیا۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا:

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (سورۂ بقرہ: آیہ ۵۴)

"پس تم خالق کی طرف رجوع کرو اور آپس میں خود کو قتل کرو"۔

اگر آیۃ التَّهْلُكَةِ کے سیاق و سباق پر اکتفا کیا جائے تو یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس آیت میں جس ہلاکت میں پڑنے سے متنبہ کیا گیا ہے وہ اس موضوع سے خارج ہے جس کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں کیونکہ یہ آیت اس آیت کے بعد واقع ہے جس میں مسلمانوں پر حرمت والے مہینوں میں ظلم و اعتداء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ○ وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَ اَحْسِنُوْا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○

"حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے برابر ہے (اور کچھ مہینوں کی یہ خصوصیت نہیں) حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کے برابر ہیں پس جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسی ہی زیادتی تم اس پر کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ خدا پرہیزگاروں کا ساتھی ہے، اور خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ (سورۂ بقرہ: آیات ۱۹۴-۱۹۵)

پس اس آیت میں خود کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کرنے کا حکم اس بات سے مخصوص ہے کہ جب مشرک حرمت والے مہینوں میں مسلمانوں پر ظلم و اعتداء کریں اور مسلمانوں میں مشرکوں سے لڑائی کی طاقت نہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس نہی کے عموم سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر ہر قسم کی ہلاکت میں پڑنے سے روکا گیا ہے تو یہ نہی ان مستقلات عقلیہ میں سے نہیں ہے کہ جس میں تخصیص نہ ہو سکے بلکہ یہ نہی ان مخصوص احکام میں سے ہے کہ اگر وہاں مفسدہ سے زیادہ بڑی مصلحت موجود نہ ہو تو اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور اگر کوئی ایسی لازم و ضروری مصلحت کارفرما ہو تو اس صورت میں اصلاً حرمت کا حکم صادق نہیں آتا جیسے اسلام کے مقدسات کا دفاع کرنے میں اگر جان بھی جاتی ہو تو یہ ہرگز حرام نہیں ہے (بلکہ وہ خدا اور رسولؐ کے نزدیک بلند مقام پر فائز ہوگا)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ان مومنوں کی مدح وثناء بیان کی ہے جو اپنی جانوں کو راہِ خدا میں قربان ہونے کے لیے پیش کرتے ہیں اور وہ دعوت الٰہی کی تائید کے لیے جہاد کرتے ہیں۔

ارشاد پروردگار ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ (سورۂ توبہ: آیہ ۱۱۱)

"مومنوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی جانوں اور اموال کو اس چیز کے عوض بیچ دیتے ہیں کہ ان کے لیے جنت ہے۔ وہ راہِ خدا میں جنگ کرتے ہیں اور دوسروں کو مارتے ہیں اور خود بھی مارے جاتے ہیں"۔

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ○

''اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں انھیں ہرگز مُردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہوتے ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں''۔ (سورۂ آل عمران: آیہ ۱۶۹)

اور پروردگار کا ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ ط (سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۷)

''اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضاؤں کے عوض اپنی جان کو بیچ دیتے ہیں''۔

رسولِ خدا نے اپنی اُمت کو اپنی گراں قدر تعلیمات سے روشناس کرتے ہوئے فرمایا: شہداء میں افضل حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؑ ہیں اور جو شخص ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بلند کرے اور وہ اس جرم کی پاداش میں اسے قتل کردے تو وہ شہید ہے۔ (احکام القرآن، جصاص، ج ۱، ص ۳۰۹، آیۃ التھلکۃ)

محمد بن حسن شیبانی کی افکار ان تعلیمات سے بعید نہیں ہیں جو اس نے یہ کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر کوئی شخص ایک ہزار کے لشکر پر حملہ آور ہو اور پھر وہ اس دوران بحفاظت واپس آجائے یا مارا جائے۔ اس نے مزید یہ کہا کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ہزار کے لشکر پر حملہ آور ہو اور وہ اس معرکہ میں زخمی ہوجائے یا مارا جائے اور وہ اس کے ذریعے دشمن کے دل میں رعب و دبدبہ ڈال کر ان کے لشکر کو پریشان کرنا چاہتا ہو تو اس کا یہ اقدام شہادت سے افضل ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی منفعت ہے۔ (احکام القرآن: جصاص، ج ۱، ص ۳۰۹، آیۃ التھلکۃ)

ابن عربی مالکی کا قول ہے کہ بعض علما نے اس امر کو جائز قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بہت بڑے لشکر پر شہادت کے مرتبہ کے حصول کی خاطر حملہ آور ہو تو یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا نہ ہوگا کیونکہ ارشاد پروردگار ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ ط (سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۷)

''اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضاؤں کی خاطر اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں''۔

خاص طور پر جب ایسا اقدام مسلمانوں کے عزم و حوصلہ کو مزید بلند کرنے کا موجب ہو اور وہ یہ تصور کرنے لگیں کہ ان میں سے ہر ایک فرد ہزاروں کا مقابلہ کرسکتا ہے تو یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہے۔ (الاحکام: ابن عربی، ج ۱، ص ۴۹، آیۃ التھلکۃ، پہلا ایڈیشن ۱۳۳۱ھ)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اطہارؑ جنھیں اپنی شریعت کا امین قرار دیا اور اس اُمت پر خلفاء بنایا ہے، انھیں ایسے اُمور سے نوازا ہے جو خاص مصلحت کے تابع ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر مصلحتوں کو ایک عام بشر کا فہم درک نہیں کرسکتا بلکہ ان کی حقیقت کو عقلیں جاننے سے قاصر ہیں۔ ان اُمور میں سے ایک آئمہ معصومین علیہم السلام کا حصول رضائے الٰہی کی خاطر قربانی پیش کرنا ہے کہ یہ ہستیاں خدا کی مرضیوں کے حصول کی خاطر اپنے مال جاہ و حشم اور مقدس اشیاء کو

قربان کردیتے ہیں۔

آپ تاریخ میں یہ دیکھیں گے کہ کبھی ان ذواتِ مقدسہ کو تاریک زندانوں میں ڈالا گیا تو کبھی انھیں جلاوطن کیا گیا اور کبھی انتہائی کٹھن حالات میں جینا پڑا اور کبھی لوگوں کی بدکلامی کا سامنا کرنا پڑا لیکن انھوں نے یہ سب کچھ برداشت کیا یہاں تک کہ دنیا سے پردہ فرما گئے۔ وہ ان حالات کے متعلق اپنے جدِ بزرگوار سے سب کچھ سن چکے تھے جو وحی کے ذریعے انھیں خبر دے چکے تھے کہ انھیں اُمت اسلامیہ کے اتحاد اور مصلحت کے تحت ان اُمور کو برداشت کرنا پڑے گا اس لیے اگر یہ ان اقدامات کی صورت میں خلافِ مصلحت کوئی قدم اُٹھاتے تو دین ختم ہو جاتا، بُرائیوں کو فروغ ملتا اور گمراہیوں کی تشہیر ہوتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پوشیدہ علم کے ذریعے انھیں جن اُمور سے آگاہ فرمایا تھا یہ اس کے برعکس نہیں چل سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ معصومینِ مقدسؑ میں سے ہر ایک امامؑ نے مختلف اَدوار میں اپنے ہدف کی تکمیل کی خاطر مختلف راستے اپنائے تھے۔ ان آئمہ معصومین علیہم السلام میں سے بعض آئمہؑ کو جنگ وجدال اور جہاد کے بجائے صبر کا حکم دیا گیا اور بعض کو تلوار کے ذریعے شہادت اور بعض کو زہر کے ذریعے شہادت سے آگاہ کیا گیا۔ اِن مختلف طرح کی شہادتوں اور اُمور کا راز اس عملی کردار میں پنہاں ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمان ومکاں کے لحاظ سے اپنی مصلحتوں کے تحت آئمہ معصومینؑ کے سپرد کیے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کا خود کو شہادت یا زہر کے لیے پیش کرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اس امر سے ناواقف تھے کہ وہ ظالم وجابر بادشاہ ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے بلکہ انھیں اس بات کا علم ہوتا تھا کہ ان کا قاتل کون ہے اور وہ کس چیز کے ذریعے انھیں قتل کرے گا اور وہ کس دن اور کس گھڑی میں قتل کیے جائیں گے۔ لیکن یہ ہستیاں اپنے خالق کی اطاعت اور اس خاص حکمِ الٰہی کی پیروی اور فرمانبرداری کرتے ہوئے یہ سب کچھ قبول فرماتی تھیں۔ آئمہ معصومینؑ اس امر میں بھی اپنے مولا سبحانہ تعالیٰ کی اِسی طرح اطاعت کرتے تھے جیسے وہ دیگر ان تمام اَوامر میں اپنے آقا ومولا کی اطاعت کرتے تھے کہ جن واجبات اور مستحبات کا انھیں آقا سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ عقل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ غلام کو ہر حال میں اپنے آقا ومولا کے حکم کی اطاعت کرنی چاہیے اور جس کام سے وہ منع کرے اس سے رُک جانا چاہیے۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس امر یا نہی میں پائی جانے والی اس مصلحت یا مفسدہ کی معرفت حاصل کرے کہ جس کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے بشرطیکہ مولا وآقا اپنے افعال میں حکیم ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جو کام وہ (خالق) کرے اس سے اس بارے میں نہیں پوچھا جاتا لیکن مخلوق سے ان کے افعال کی بازپرس کی جاتی ہے''۔ (سورۂ الانبیاء: آیت ۲۳)

تو اس صورت میں ایک غلام کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ اپنے آقا کے احکام کے اسباب کی جانچ پڑتال کیے بغیر اس کی اطاعت اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرے۔ محقق علماء ہمارے اس درج بالا نظریے کی تائید کرتے ہیں۔ اگر علمی تحقیق کرنے والے لوگ خود کو اس کام میں مگن کرلیں اور وہ یہ جان سکیں کہ اہلِ بیت علیہم السلام نے اپنی جانوں کو مشکلات میں کیوں ڈالا تو وہ

خود کو دائیں اور بائیں طرف کی باتوں میں اُلجھائے نہ رکھیں گے۔ بغیر تحقیق کے بات کرنے والے افراد کوئی ایسی حقیقت پیش نہیں کر سکتے جس سے کسی کو مطمئن کیا جا سکے کیونکہ ان کے اپنے ذاتی افکار و خیالات کسی قاعدے اور قانون کے تابع نہیں ہوتے۔

اہل بیتؑ کی معصوم ہستیوں سے کچھ ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جب انھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دشمن ان کی زندگی کا خاتمہ چاہتے ہیں یا ان کی قید و بند کی صعوبتیں شدت اختیار کر جائیں گی اور ان پر یہ واضح ہو کہ قضا کو مؤخر کیا جا سکتا ہے تو وہ قضا کو ٹالنے کے لیے ہر وسیلہ اپناتے ہیں۔ وہ ایسی دعا کرتے ہیں جسے رد نہ کیا جا سکے یا اپنے جدِ بزرگوار نبی اکرم ﷺ سے شکایت کرتے ہیں تاکہ ان سے یہ ضرر اور حوادث دُور ہو سکیں۔

حضرت امام ابوجعفر محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جب ہم اہل بیتؑ کو کوئی امر سخت رنجیدہ کرتا ہے یا ہمیں حاکم وسلطان کے شر کا اندیشہ ہو تو ہم کہتے ہیں:

یاکائناً قبل کل شیء و ویامکوّن کل شیء و صلّ علی محمد واھل بیتہ وافعل بی کذا کذا

(مہج الدعوات: سیّد رضی الدین ابن طاؤس، ص ۲۶۵، بمبئی ایڈیشن)

جب منصور دوانیقی نے ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پر غیض و غضب کا اظہار کیا اور آپؑ کو مکر و فریب سے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ ان پر اس مصیبت کو آسان فرمائے تو اس دعا کے سبب آپؑ سے قتل ہونے کے بادل چھٹ گئے یہاں تک کہ جب منصور کی امام جعفر صادق علیہ السلام پر نظر پڑی تو وہ خوشی کے ساتھ مسکراتے ہوئے آپؑ کی طرف بڑھا اور انھیں گلے سے لگایا۔ اس کے بعد اس نے خود یہ بتایا کہ اس نے اپنا ارادہ اس لیے بدل لیا تھا کہ اس نے جب یہ دیکھا کہ رسولؐ خدا اس حالت میں اس کی طرف بڑھ رہے ہیں کہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے اور ان کے بازوؤں پر کپڑا نہ تھا۔ آپؐ غصے کی حالت میں اسے دیکھتے ہوئے اس کے اور امامؑ کے درمیان آگئے اور انھوںؐ نے فرمایا: اے منصور! اگر تم نے ابوعبداللہ کے ساتھ کوئی برا سلوک کیا تو میں تمھیں نیست و نابود کر دوں گا۔ یہ دیکھ کر منصور نے سمجھ لیا کہ اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ امامت کی عظمت و جلالت کا احترام کرے اور عفو و درگزر سے کام لے۔ اس کے بعد منصور نے امامؑ کو شہنشاہانہ شان و شوکت کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ (مہج الدعوات: ص ۲۹۹)

جب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قید طویل ہو گئی اور آپؑ پر سختیاں حد سے بڑھ گئیں تو آپؑ نے اس قید سے رہائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے یہ دعا فرمائی:

یَامُخَلِّصَ الشجر من بین رمل وماء ویامخلّص اللبن من بین فرث ودم ویامخلّص الولد من بین مشیمة ورحم ویامخلّص النار من بین الحدید والحجر ویامخلّص

الودع من بین الاحشاء والامعاء خلصنی من ید ھارون (امالی شیخ صدوق: ص ۲۲۷، مجلس نمبر ۶۰)

اس دعا کی برکت سے آپؑ کو قید کی تاریکیوں اور مصائب کی سختیوں سے چھٹکارا ملا۔ جب ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو زہرآلود خرمے پیش کیے تو آپؑ نے اس خرمے کو اُٹھایا جو زہرآلود نہیں تھا اور زہرآلود خرما اس کی کتیا کے آگے ڈال دیا جسے کھاتے ہی وہ مرگئی۔ (عیون اخبار الرضا: ص ۵۷)

امام علیہ السلام اپنے اس فعل سے اس کتیا کو مارنا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ اس سرکش کو خبردار کرنا چاہتے تھے کہ تمھارے دماغ میں ہمارے قتل کی جو سازش چل رہی ہے ہم اس سے خوب آگاہ ہیں اور تم جو خفیہ طریقہ سے مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو ابھی میری موت کا وقت نہیں آیا۔

اسی لیے جب آپؑ کی اجل کا وقت آن پہنچا تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ پھر ان زہرآلود خرموں کو تناول فرمالیا جو ہارون نے پیش کیے تھے حالانکہ آپؑ کو معلوم تھا کہ یہ خرمے زہرآلود ہیں۔ امامؑ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دعا کے لیے بلند کیا اور فرمایا:

یَارَبِّ اِنَّکَ تعلم اَنّی لو اکلت قبل الیوم لکنت قد اعنت علی نفسی

"اے میرے پروردگار! تو یہ جانتا ہے کہ اگر میں آج سے پہلے کبھی یہ تناول کرتا تو میں خود اپنی ہلاکت کا باعث ہوتا"۔

یہ دعا کرنے کے بعد آپؑ نے ان خرموں میں سے تناول کیا اور داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے دنیا سے پردہ فرماگئے۔ (مرآۃ العقول: ج۱، ص ۱۸۸۔ روضۃ الواعظین: ص ۱۸۵)

اسی بنیاد پر ابوالحسن حضرت امام علی ہادی نقی علیہ السلام نے ابوہاشم کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایک شخص کو کربلا مقدس روانہ کرے جو اس کے لیے ان امراض سے شفایابی کی دعا کرے جن میں وہ مبتلا ہیں۔ امامؑ نے وہاں دعا کرنے کا سبب یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ اس جگہ (کربلا) سے اس سے دعا کی جائے۔ (کامل الزیارات: ابن قولویہ، ص ۲۲۳)

اس ذریعے سے آئمہ معصومین علیہم السلام کا مقصد یہ سمجھانا تھا کہ تکوینی اُمور عادت کے مطابق طبیعی اسباب کے تحت چلتے ہیں یا وہ یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ اگر انسان پر مصائب و مشکلات آن پڑیں تو خدا سے لو لگا کر دعا کرنے میں کتنے فوائد پنہاں ہیں۔ جیسا کہ منصور دوانیقی کے غلام ربیع کے دل و دماغ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس دعا نے گہرے اثرات مرتب کیے جو آپؑ نے اس وقت تلاوت فرمائی جب آپؑ اس حالت میں منصور کے پاس تشریف لائے کہ وہ آپؑ پر سخت غضب ناک تھا اور آپؑ کو نقصان پہنچانا تھا لیکن ربیع نے یہ ملاحظہ کیا کہ امامؑ کے تشریف لانے پر وہ کیسے آپؑ کی

عزت وتکریم گزر رہا ہے۔(مجمع الدعوات)

اسی وجہ سے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے کبھی اپنے نانا رسولؐ خدا کی تربت سے شفا طلب کی اور کبھی طبیب کی ہدایات پر عمل کیا اور کبھی ان لوگوں کے تجربات پر عمل کیا جو اس حالت سے گزر چکے ہوں۔ [1]

حالانکہ امامؑ یہ جانتے تھے کہ ان کی شہادت اس مرض کے سبب نہیں ہوگی اور آپؑ کی موت کا ایک وقت معین ہے لیکن وہ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ بیماریوں کا علاج طبیعی اسباب کے تحت کیا جاتا ہے اور ان اسباب سے بے نیاز ہوکر زندگی نہیں گزار سکتے لیکن جب آپؑ کی یقینی شہادت کا وقت قریب آیا تو آپؑ نے قضائے خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کسی شے پر عمل نہیں کیا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب جعدہ بنت اشعث زہر آلود دودھ کا جام لے کر آئی جب کہ وہ سخت گرمی کا دن تھا اور حضرت امام حسن علیہ السلام روزے کی حالت میں تھے۔(الخرائج: ص ۲۲۔ امامؑ کے معجزات کے ضمن میں، مطبوعہ ہندوستان)

امامؑ نے یہ زہر آلود دودھ کا جام دیکھا تو آپؑ نے فوراً آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ، الحمد للہ علی لقاء محمد سیّد المرسلین وابی سیّد الوصیین وامی سیّدۃ نساء العالمین وعمی جعفر الطیار فی الجنۃ وحمزۃ سیّد الشھداء (بحار الانوار: ج۱۰، ص ۱۳۲، از عیون المعجزات)

پھر آپؑ نے اس دودھ کو نوش فرمایا اور جعدہ سے کہا: اس شخص (امیر شام) نے تجھے بے وقوف بنایا ہے اور تجھ سے استہزاء کیا ہے، اللہ تعالیٰ تجھے اور اسے ذلیل ورُسوا کرے۔(ارشاد، شیخ مفید "الخرائج")

اس وقت جعدہ کی حالت یہ تھی کہ اس پر کھجور کی شاخوں کی طرح لرزہ طاری تھا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو بتایا تھا کہ مامون کے ہاتھوں ان کی شہادت واقع ہوگی۔ آپؑ نے اپنے اصحاب کو تلقین کی تھی کہ جب میری اجل کا وقت آ پہنچے تو تم لوگ صبر سے کام لینا۔(الامام الرضاؑ: ۴۵، سیّد عبدالرزاق المقرّم)

حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ اسماعیل بن مہران مامون کے لوگوں کی وجہ سے میرے بارے میں بہت زیادہ پریشان اور غم زدہ ہے تو آپؑ نے اسماعیل بن مہران سے فرمایا: میری شہادت مامون کے ہاتھوں نہیں ہوگی اور میں اس سفر سے واپس اپنے وطن لوٹ جاؤں گا۔ جب امامؑ کو دوسری دفعہ دارالحکومت طلب کیا گیا تو آپؑ نے اسماعیل بن مہران سے فرمایا: اس بار حتمی قضاء کا وقت آ پہنچا ہے اور میری شہادت کے بعد امامت کے سلسلہ میں میرے بیٹے علی نقی الہادیؑ کی طرف

---

[1] کامل البھائی: ص ۳۵۳-۳۵۶۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اور اس کے مؤلف ساتویں صدی کے عالم حسن بن علی بن محمد طبری مازندرانی (ریاض العلماء) ہیں۔

رجوع کرنا کیونکہ میرے بعد وہ اُمت کے امامؑ ہیں۔ (الارشاد: اعلام الوریٰ، ص ۲۰۵)

جب اُم الفضل نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں زہر آلود رومال پیش کیا تو آپؑ نے اپنے مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کے امر کی اطاعت اور قضا کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس رومال کو استعمال کرنے سے انکار نہیں کیا بلکہ آپؑ نے اس سے وہ رومال لینے کے بعد یہ فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے ایسے بانجھ پن میں مبتلا کرے گا جس کا کوئی علاج نہیں ہوگا اور ایسی بلا و مصیبت میں ڈالے گا جو چھپانے سے بھی نہ چھپ سکے گی۔ پھر وہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوئی کہ اس کے بدن کے حواسِ خمسہ متاثر ہوئے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی روایات میں یہ منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا تھا: ابن ملجم ان کا قاتل ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔۔۔ اور جب امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام ظاہری طور پر مسند خلافت پر فائز ہوئے اور ابن ملجم آپؑ کی بیعت کرنے کے لیے آیا تو امیرالمومنینؑ نے فرمایا: جو شخص میرے قاتل کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اس (ابن ملجم) کو دیکھ لے۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے امامؑ سے عرض کیا: پھر آپؑ اسے قتل کیوں نہیں کر دیتے؟! تو امیرالمومنینؑ نے جواب دیا: تم لوگوں پر مجھے تعجب اور حیرت ہے کہ تم یہ چاہتے ہو میں اپنے ہی قاتل کو قتل کر دوں؟! [۱]

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام اس جملے کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے تھے کہ جب ان کی شہادت ایک یقینی امر اور حتمی قضاء ہے اور ان کا قاتل ابن ملجم وہ قضا ہے جس میں اختلاف نہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خدا کے ارادے کو توڑ دیں اور جس حتمی تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہو اس کی گرہ کیسے کھول دیں۔ اسی بات کی طرف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عقبہ اسدی کے سامنے اپنے فرمان کے ذریعے اشارہ کیا تھا کہ اگر آئمہ معصومین علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں طواغیت اور سرکشوں کی ہلاکت پر اصرار کرتے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی درخواست کو ضرور قبول فرماتا۔ یہ اس کے لیے ان موتیوں کو ڈوری میں پرونے سے زیادہ آسان ہے جو ٹوٹنے کے بعد بکھر چکے ہوتے ہیں لیکن ہم صرف وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ [۲]

خلاصہ

مذکورہ بالا مضبوط دلائل کے ذریعے حقیقت پر پڑا ہوا پردہ اُٹھ جاتا ہے اور اس حقیقت کے مظاہر آشکار ہو جاتے ہیں۔ ایک نقاد اور غیر جانب دار تحقیق کرنے والے کے سامنے یہ سچ اور حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام پہلے سے ہی ان پر نازل ہونے والی قضاء و قدر اور طبیعی اسباب کے تحت وجود میں آنے والی قضاء جسے رد نہیں کیا جا سکتا،

---

[۱] ''بصائر الدرجات''، صفار، ص ۳۴، رسالہ ابن بدرون، ص ۱۵۶ پر ابن عبدون کے قصیدہ کی شرح کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

[۲] ''اصول کافی'' باب آئمہ معصومینؑ جانتے ہیں کہ وہ کب موت سے ہمکنار ہوں گے۔ ''الخرائج'' ص ۱۴۳۔

سے واقف ہوتے تھے لیکن یہ ہر خوشی و غمی اور آسائش و مصائب کا سامنا صرف اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جو تمام موجودات کا خالق و موجد ہے، اس نے جس علم غیب سے انھیں فیض یاب کیا ہے، وہ علم اس میں حائل ہو کر رکاوٹ نہیں بنتا۔

دوسرا یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو جن اُمور سے آگاہ کیا ہو اور تیسرا ان کے جدّ بزرگوار پر نازل ہونے والی کتاب مقدس کے علوم جن پر ان کی مکمل طور پر دسترس ہوتی ہے، وہ ان کو ان اقدامات سے نہیں روکتے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان آئمۃ الہدیٰؑ کے لیے جو بلند مقامات و منازل اور ہمیشہ رہنے والا شرف تیار کر رکھا ہے، وہ اس شرف و بزرگی کو شہادت کے بغیر اور اپنی ذواتِ مقدسہ کو شہادت کے لیے پیش کیے بغیر نہیں پاسکتے۔ اسی لیے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کی اطاعت اور مصلحتِ واقعی کے تحت اپنی قیمتی جانوں کو قربان کر دیا۔ اِس مصلحتِ واقعی کو ایک عام بشر کی عقل درک کرنے سے قاصر ہے لہٰذا اس مصلحت کے دقیق اُمور کو صرف وہی جان سکتا ہے جو علام الغیوب ہو۔ ہمارے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم تمام شرعی احکامات میں پائی جانے والی بہتری اور فساد کے عنصر سے آگاہی حاصل کریں بلکہ ہماری عقل صرف ہمیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم تمام اَوامر اور نواہی میں اپنے مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کریں۔

ہمیں اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو صحیح احادیث کو غور سے سنتا ہے اور اسے ان پر یقین بھی ہوتا ہے اور وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی اولاد میں سے آئمہ کو ماضی، حال اور مستقبل کا علم ہوتا ہے اور ان کے پاس علم المنایا والبلایا ہوتا ہے تو پھر اس کے باوجود اس پر بہت سی احادیث کے مطالب کیسے مخفی ہو جاتے ہیں جب کہ یہ تمام احادیث واضح طور پر بیان کرتی ہیں کہ آئمہ معصومینؑ سے جو کلام بھی صادر ہو یا یہ کسی بات پر خاموشی اختیار کریں یا جنگ کے لیے اقدامات کریں یا صلح کے لیے رضامند ہوں تو آئمہؑ ان تمام اُمور کو اس خاص امر کے تحت بجالاتے ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اس رسولؐ کے ذریعے ان تک پہنچایا ہوتا ہے جو رسولؐ خدا کی وحی کا امین ہے۔ ان آئمہؑ سے کوئی چھوٹی یا بڑی شے مخفی نہیں ہوتی اور یہ کسی بھی شے یہاں تک کہ اپنی موت کی گھڑی سے بھی لاعلم نہیں ہوتے۔

ان باتوں پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا یہ فرمان شاہد ہے۔ آپؑ نے فرمایا: مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو ہم سے ولایت کا دم بھرتے ہیں اور ہمیں امامؑ بھی مانتے ہیں اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری اطاعت کو فرض قرار دیا گیا ہے، اس کے باوجود آئمہؑ کے حجت ہونے کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے دلوں کی کمزوری کی بنا پر اپنے نفسوں کی پیروی کرتے ہیں اور ہمارے حق میں کوتاہی کرتے ہیں اور اُن لوگوں پر عیب لگاتے ہیں جنھیں ہماری معرفت کی سچی برہان عطا کی گئی ہے اور جو ہمارے امر کو تسلیم کرتے ہیں۔ کیا تم لوگ اللہ کے متعلق یہ تصور کرتے ہو کہ اس نے اپنے بندوں پر اپنے اولیاء کی اطاعت کو تو فرض قرار دیا ہو لیکن اپنے ان اولیاء پر آسمان و زمین کی خبروں کو مخفی رکھا ہو اور ان سے اس علمی مواد کو قطع کر دیا ہو جس پر ان

لوگوں کے دین کا دارومدار ہو۔

پھر حمران نے امامؑ سے پوچھا: اے رسولؐ خدا کے بیٹے! امیرالمومنین حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ نے جو قیام کیا اور اپنے زمانے کے طاغوتوں اور سرکش لوگوں کے ہاتھوں انھیں جن حالات کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ شہید کردیے گئے اور ان سرکش لوگوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ اس کے متعلق آپؑ کی کیا رائے ہے؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اسے جواب دیا: اے حمران! بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ امر ان ہستیوں پر مقدر (تقدیر کا فیصلہ مقرر) کردیا تھا جب کہ انھوں نے اپنے اختیار سے اس کی قضا و قدر پر رضامندی کا اظہار کیا تو پھر ان پر اس قضا و قدر کا اجراء کیا گیا۔ آئمہؑ اپنے اس علم کے ذریعے اس امر سے مطلع تھے جو علم رسولؐ خدا کے ذریعے ان تک پہنچا تھا۔ حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ نے اسی علم کے ساتھ قیام فرمایا اور ہم آئمہ اہل بیتؑ میں سے جو خاموشی کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ بھی اسی علم کی بدولت خاموش رہتا ہے۔ اگر یہ ہستیاں ارادہ کرتیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس مشکل کو دور کردے اور وہ اس سے درخواست کرتے کہ ان شیاطین اور سرکش لوگوں کی حکومت کو ختم کردے تو یہ خدا کے لیے ان موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے سے زیادہ آسان تھا جو ٹوٹنے کے بعد بکھر چکے ہوں۔ آئمہؑ ان اُمور کو سرانجام دے کر کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے اور نہ ہی خدا کی نافرمانی کرتے ہیں بلکہ وہ ان امور کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان مقامات و منازل اور عزت و اکرام کے مستحق ٹھہرتے ہیں جن مقامات تک خدا ان ہستیوں کو پہنچانا چاہتا ہے۔ پس! اے حمران! دوسرے مسالک کے لوگ اس مسئلہ میں تمھیں کہیں غلط راستے پر نہ ڈال دیں۔ (الکافی: مرآۃ العقول کے حاشیہ پر، ج۱، ص ۱۹۰، باب انھم یعلمون ما کان "بصائر الدرجات"، صفار، ص ۳۳، "الخرائج" راوندی، ص ۱۴۳)

اس حدیث شریف کی روشنی اور شعاعوں سے وہ پوشیدہ راز اور الٰہی حکمتیں ظاہر ہوجاتی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے ان اولیاء کو خاص کیا ہے کہ جو اس کی وحی کے خزانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کے ذریعے اپنے اولیاء کو دیگر لوگوں سے منفرد قرار دیا ہے وہ پوشیدہ اسرار اور الٰہی حکمتیں درج ذیل ہیں:

ا: ان اولیاء کو ہر شے کا علم عطا کیا ہے اور خدا نے ان سے آسمانی خبریں منقطع نہیں کیں اور یہ غیب کی خبروں کو عمومی طور پر مختلف موضوعات کی صورت میں اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

ب: ان اولیاء اللہ پر ظالم و جابر حکمرانوں کی طرف سے نازل ہونے والے قہر و ستم اور خطرات مختلف مصلحتوں کی وجہ سے ہوتے ہیں جنھیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جس کا ہر شے پر تسلط ہے۔

ج: ان اولیاء اللہ کا دین الٰہی کی تبلیغ کی خاطر جنگ، جہاد یا شہادت کا راستہ اپنانا، یا ضلالت و گمراہی کے پیشوؤں کے بُرے افعال پر خاموشی اختیار کرنا، یا اُمت کو سرکشی کے عالم میں غرق دیکھنا یا ایسے اقدامات کرنا جس سے اپنی ذوات مقدسہ

کو اپنے مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کے ان اُوامر کی اطاعت کرتے ہوئے قربان کر دینا جو اُوامر ان ذواتِ مقدسہ سے خاص ہوں تو ایسے تمام اُمور میں آئمہؑ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی اور اطاعت کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس حوالے سے کسی طرح بھی مجبور اور ان پر زبردستی نہیں کرتا بلکہ آئمہ معصومین علیہم السلام کو اس امر میں اسی طرح ارادہ واختیار کی آزادی حاصل ہوتی ہے جس طرح ان کے علاوہ دیگر انسان اپنی تمام تکالیف واحکامات کو بجالانے میں اپنے ارادے میں آزاد اور خودمختار ہوتے ہیں۔

د: خدا کے برگزیدہ اور چنے ہوئے بندے حتمی قضاء وقدر اور حتمی اجل کے آگے سرِتسلیم خم کرتے ہیں اور وہ موت کے سبب کو دُور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے توسّل نہیں کرتے تاکہ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوں کیوں کہ شہادت اشرف وافضل، بلند درجہ اور عالی منزلت پر فائز کرنے والی موت ہے لہٰذا اس طرح کی موت، شہادت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ جب امیرالمومنین حضرت علیؑ اپنی شہادت کے وقت اپنے قاتل کو جانتے تھے تو پھر اس صورت میں کیا جواز بنتا تھا کہ انھوں نے خود کو قتل ہونے کے لیے پیش کر دیا؟

امام علی رضا علیہ السلام نے بعینہٖ درج بالا سبب اور علّت کو جواب میں بیان فرمایا۔ امامؑ نے فرمایا: بے شک! وہ یہ سب جانتے تھے لیکن اس راز کی بہتری اسی میں تھی کہ تمام اُمور ان صورتوں میں ہی طے ہوں جن کی تقدیر کا جس طرح فیصلہ کیا جاچکا ہے۔ (اصولِ کافی، مرآۃ العقول: ج۱،ص ۱۸۸)

یہ امر اور اسی طرح کے دیگر اقدامات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر آئمہ اہلِ بیتؑ خود کو کسی ایسے امر کے سپرد کر دیں جو موت کا باعث ہو تو یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ خدا کی اطاعت اور اس کے حکم کی بجاآوری کر رہے ہوتے ہیں کہ جو حکم خاص ان کے لیے ہوتا ہے۔ آئمہؑ کے علم میں نقص واقع نہیں ہوتا اور ان کا خود کو موت کے لیے پیش کر دینا ایسا امر نہیں ہے جس کا عقل انکار کرتی ہو بلکہ علمائے امامیہ میں سے اکثر محققین کا یہی نظریہ ہے۔

شیخ مفیدؒ نے المسائل العکبریہ کے جواب میں بیان کیا ہے: ہم اس بات سے منع نہیں کرتے کہ امامؑ کسی بھی شے کے متعلق اس کی تفصیل جان سکتا ہے اور امامؑ ہر شے کی خصوصیات سے آگاہ ہوتا ہے اور انھیں یہ سب علم اللہ تعالیٰ کے آگاہ کرنے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم اس بات سے بھی انکار نہیں کرتے کہ امیرالمومنینؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی شہادت پر صبر کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ شہادت قبول فرمائیں تو ان کو رفیع و بلند درجے پر فائز کیا جائے گا کہ جن بلند درجات پر فائز ہونے کے لیے شہادت کے بغیر رسائی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی اور اگر امیرالمومنینؑ کے علاوہ کسی اور کو اس شہادت کا حکم دیا جاتا تو وہ اس پر رضامند نہ ہوتا۔ اس حوالے سے امیرالمومنینؑ نے اپنے آپ کو ہرگز ہلاکت میں نہیں ڈالا اور نہ ہی اپنے نفس کی کسی ایسے معاملے میں مدد کی جسے عقل وذہن

قبیح تصور کرتا ہو اور اس میں کوئی ایسی بات خلافِ شریعت نہیں ہے (کہ جو خودکشی کے مترادف ہو) جیسے بعض اعتراض کرنے والوں کا گمان ہوتا ہے۔

اسی طرح ہم اس بات کا بھی انکار نہیں کرتے کہ حضرت امام حسینؑ کو عاشورا کے دن یہ علم تھا کہ زمین کے نیچے کس جگہ پر پانی موجود ہے اور وہ پانی سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر تھے، اگر آپؑ ایک گز اور زمین کھودتے تو پانی کا چشمہ نکل آتا۔ اس صورت میں حضرت امام حسینؑ کا مزید کنواں کھودنے سے منع کرنا۔ خود اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہے کیونکہ جب خدا کی طرف سے انھیں اس کام سے روک دیا گیا تھا تو اب امامؑ کا پانی کی طلب کے لیے کوشش و سعی کو ترک کرنا ہی ان کی عبودیت اور بندگی تھی اس لیے عقل اس کا انکار نہیں کرتی اور اسے قبیح تصور نہیں کرتی۔

اسی طرح حضرت امام حسن علیہ السلام معاویہ کے ساتھ صلح کے انجام سے واقف تھے۔ روایت میں مذکور ہے کہ امام حسنؑ کو اس صلح کے انجام کا بخوبی علم تھا اور وقت کا تقاضا بھی یہی تھا کیونکہ اگر امامؑ اس وقت صلح نہ کرتے تو یہ ان کے جلد قتل ہونے کا باعث بنتا اور آپؑ کے اصحاب کو معاویہ کے حوالے کر دیا جاتا۔ امامؑ کے پاس یہی بہترین حل تھا کہ اس وقت تک خود کو محفوظ رکھیں یہاں تک کہ آپؑ کا دنیا سے کوچ کرنے کا وقت آجائے۔ یہ آپؑ کا اپنے بہت سارے شیعوں اور خاندان کے افراد کو بچانے کے لیے بہترین اقدام تھا۔ اگر آپؑ صلح نہ کرتے تو پھر دین میں اس سے بھی بڑا فساد برپا ہوتا۔ امامؑ اس سے مکمل طور پر باخبر تھے، اس لیے آپؑ نے ایسا اقدام کیا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا آپؑ کو یہی حکم تھا کہ وہ ایسا اقدام کرکے اپنے معبود کے حکم کی فرماں برداری کریں۔

علامہ حلّی سے ایک شخص نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے خود کو قتل ہونے کے لیے پیش کر دیا؟ تو انھوں نے جواب دیا: یہ ممکن ہے کہ امیر المومنینؑ نے یہ خبر پہلے سے دی ہو کہ وہ اس مخصوص رات میں اور جگہ پر شہید کیے جائیں گے۔ آپؑ سے اس چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا جس کا ہم سے مطالبہ نہیں کیا گیا اور یہ ممکن ہے کہ آپؑ کا شہادت کو قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے اسی طرح واجب ہو جس طرح جہاد کرنے والے پر میدان میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا واجب ہوتا ہے اگرچہ یہ ثابت قدمی اس کے قتل کا سبب ہی کیوں نہ ہو۔ (علامہ حلّی کا یہ قول علامہ مجلسیؒ نے "مرآۃ العقول" ج۱، ص ۱۸۹، اور بحار الانوار، ج۹، ص ۶۶۳ پر درج کیا ہے)

گراں قدر عالم شیخ یوسف بحرانی بیان کرتے ہیں: آئمہ معصومینؑ کا تلوار یا زہر کے ذریعے اپنی شہادت پر راضی ہونا اور اسی طرح اپنے ظالم دشمنوں کے ہاتھوں پیش آنے والی تکالیف اور مصائب کا خندہ پیشانی سے سامنا کرنا حالانکہ یہ ہستیاں ان تمام اُمور سے خوب واقف اور انھیں خود سے دُور کرنے پر قادر ہوتی ہیں۔ وہ اس لیے ان پر راضی ہوتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی اور رضا اسی میں ہے اور اس نے ہی ان کے لیے ان چیزوں کا انتخاب کیا ہے اور

یہ اُمور اللہ تعالٰی کے قرب کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف نہیں ہے جس کو آیت کے ذریعے حرام قرار دیا گیا ہے۔ شارع کی طرف سے یہ نہی تحریمی ہے لیکن آئمہ معصومینؑ جانتے ہیں کہ ان کے اس فعل میں اللہ تعالٰی کی رضامندی ہے اور اس نے ہی ان کے لیے اس امر کا انتخاب کیا ہے اور یہ نہی تحریمی کے خلاف نہیں ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر ان ہستیوں پر وقت معین اور مخصوص اجل سے پہلے مصائب اور بلائیں نازل ہوں تو وہ انھیں کوئی ضرر اور نقصان نہ پہنچا سکیں۔ شاید وہ ایسی صورت میں ظاہراً احتیاطی تدابیر کو اپناتے ہیں اور باطنی طور پر اس کے اثرات پوشیدہ رکھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالٰی سے دعا کرتے ہیں کہ اس مصیبت کو ان سے ٹال دے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالٰی کا اس میں ایسا کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی ان کی یہ حتمی تقدیر ہے۔ مختصراً یہ کہ آئمہ معصومین علیہم السلام قضا وقدر کے متعلق اپنے علم کی بنیاد پر جانتے ہیں کہ خدائے قہار وقادر ومختار نے ان کے لیے کس شے کا انتخاب کیا ہے۔ (الدرۃ النجفیۃ: ص ۸۵)

اس کے متعلق علامہ مجلسی، محقق کرکی اور شہید اوّل کے شاگردوں میں سے حسن بن سلیمان الحلی وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنی شہادت کا علم ہونا

ہمارے سابقہ بیان سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس صورت میں عقل اور شارع خود کو موت کے لیے پیش کر دینے کی مدح کرتے ہیں۔ اگر ایک طرف خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت ہو اور دوسری طرف دین اور شریعت کو باقی رکھنے کی مصلحت ہو اور حق و سچ کا اظہار صرف اسی صورت میں ہوتا ہو کہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا جائے تو اس صورت میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ہرگز شریعت کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام حسینؑ نے عوام کے سامنے ایسا روشن اور جرأت مندانہ قدم اُٹھایا جسے اُس وقت سے لے کر آج تک آنے والی نسلیں اور لوگ اپناتے چلے آرہے ہیں اور ہمیشہ اپناتے رہیں گے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے مقدس قیام کے ذریعے اس دور کی اقوام اور آنے والی اُمتوں کو بنواُمیہ کے کرتوتوں سے آگاہ کیا۔ بنواُمیہ نے شریعت کے جن قوانین کو توڑا گیا اور شریعت کے قوانین کے مقدسات پر ظلم کا ارتکاب کیا گیا، ان سے امامؑ نے لوگوں کو مطلع کیا۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنی جان اور آپؑ کے پاس مال و اسباب وغیرہ میں سے جو کچھ تھا، سب کو دین محمدیؐ کی تبلیغ اور دعوت اسلام کی خاطر قربان کر دیا۔ اس مقدس قیام سے مختلف اُمتوں نے اہم دروس اور عبرتوں کا استفادہ کیا اور اقوام عالم کو یہ پتا چلا کہ اصولوں کی پاسداری کس طرح کی جاتی ہے۔ سیّدالشہداء حضرت امام حسینؑ نے لوگوں کو ظلم کی زنجیروں سے آزاد کروانے اور بربریت سے نجات دلانے کے لیے اپنی ہر چھوٹی اور بڑی شے کو قربان کر دیا۔

جیسا کہ محمد بن حسن شیبانی نے اس شخص پر ضرر و حرج کی نفی کی ہے جو ایک ہزار کے لشکر پر حملہ کرے جب کہ اس کے بچ جانے کا احتمال بھی نہ ہو بلکہ دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے کا قوی امکان ہو تو اس کا یہ اقدام خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا ایسا کرنا مسلمانوں کے لیے نفع کا باعث ہے اور اس کا یہ اقدام مسلمانوں کے عزائم کو مضبوط کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنے اس اقدام کے ذریعے دوسرے مسلمانوں میں اپنے اصولوں کا دفاع کرنے اور عزت کے پرچم تلے موت کو گلے لگانے کی روح پھونک دی ہے۔ (احکام القرآن: جصاص، ج ۱، ص ۳۰۹)

اسی طرح ہر شخص ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اس فضیلت کا اقرار کرتا ہے کہ امامؑ نے قیام فرما کر ان لوگوں کے خلاف اقدام کیا جو گمراہیوں میں غرق تھے۔ آپؑ نے اس مقصد کی خاطر اپنے مقدس نفس اور خاندان اور اصحاب کے نیک و صالح افراد کی اَنمول جانوں کو قربان کر دیا اور آپؑ کی شہادت کے بعد رسولؐ خدا کے حرم کو لوٹا اور قید کیا گیا لیکن زمانے

کی پیشانی پر روشن سطروں سے یہ رقم کر دیا کہ ان کا قیام اور خروج حق اور سچ پر مبنی تھا اور ان کے مکار دشمن کے تمام مقاصد باطل تھے کیوں کہ وہ لوگ حق کے قوانین کو ناپسند کرتے اور سرکشی و طغیانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس معرکہ میں امامؑ فاتح اور منصور رہے اور آپؑ کا مدِ مقابل گمراہی کے سمندر میں غرق اور ناکام ثابت ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کی حدود اور حرمتوں کو پامال کرتا اور اسلام کے ان قوانین سے تجاوز کرتا تھا جنھیں رسولؐ خدا نے نافذ کیا تھا جو کہ دعوتِ الٰہی کے پیمبرؐ تھے۔

ہمیں ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ گمان تھا کہ کوئی ان کے ساتھ ہیں لیکن ان کا یہ گمان غلط ثابت ہوا (العیاذ باللہ)۔ اگر فرض کرو کہ ہم اپنے موقف سے پیچھے ہٹ کر یہ کہہ دیں کہ حضرت امام حسینؑ کے پاس ماضی، حال اور مستقبل کے حالات اور واقعات کا عمومی علم نہیں تھا تو پھر آپؑ کا وہ علم کہاں جائے گا جس کا انھیں اپنے نانا رسولؐ خدا اور آپؑ کے بابا وصی مصطفیٰ حضرت علیؑ کی روایات و احادیث کے ذریعے مختلف واقعات و حوادث کا علم تھا۔ کیوں کہ رسولؐ خدا اور حضرت علی مرتضیٰؑ نے یہ بتایا تھا کہ آپؑ کو سرزمینِ کربلا میں اپنے خاندان کے افراد اور اصحاب کے ساتھ شہید کیا جائے گا اور یہ حتمی قضاء ہے۔

کیا حضرت امام حسینؑ کو حضرت اُم سلمہؓ نے اس وقت ان کی شہادت کے بارے میں آگاہ نہیں کیا تھا کہ جب امامؑ عازمِ سفر ہوئے۔ حضرت اُم سلمہؓ نے آپؑ کے اس سفر سے اپنے خوف کا اظہار کیا کیونکہ ان کو سچے رسولؐ نے یہ خبر دی تھی جو اپنی ذاتی خواہشات کی بنیاد پر کلام نہیں کرتے تھے کہ حضرت امام حسینؑ کو سرزمینِ کربلا پر شہید کیا جائے گا۔

حضرت امام حسینؑ نے حضرت اُمِ سلمہؓ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: مجھے اس دن کا بھی علم ہے کہ جس دن مجھے شہید کیا جائے گا اور جس گھڑی میں مجھے شہید کیا جائے گا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے خاندان اور اصحاب میں سے کون کون میرے ساتھ شہید ہوگا۔ کیا آپ یہ گمان کرتی ہیں کہ آپ کو اس امر کے بارے میں علم ہے اور مجھے اس کا علم نہیں اور کیا موت سے فرار ممکن ہے اگر میں آج اس کے لیے نہ نکلا تو کل مجھے ضرور نکلنا ہوگا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی عمرالاطرف سے فرمایا: مجھے میرے بابا نے یہ خبر دی تھی کہ میری تُربت ان کی تُربت کے قریب ہوگی۔ کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ کو اس امر کا علم ہے اور مجھے اس کا علم نہیں ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ وہ مجھے شہید اور ان مستورات کو اسیر دیکھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن زبیر سے فرمایا: اگر میں کیڑے مکوڑوں کے بل میں بھی چھپ جاؤں تو یہ لوگ مجھے باہر نکال لائیں گے اور مجھے قتل کر کے اپنا مقصد حاصل کریں گے۔

آپؑ نے حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے فرمایا: میں نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا اور انھوں نے مجھے ایک کام

کا حکم دیا، جسے مَیں ضرور بجالاؤں گا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے سفر کے دوران دشوار گزار گھاٹی سے گزرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: میں خود کو شہید دیکھ رہا ہوں۔ مَیں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ مجھے کتے نوچ رہے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ وحشی کتا مجھ پر جھپٹ رہا ہے۔

جب عمرو بن لوذان نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ مشورہ دیا کہ مَیں کوفہ والوں کا جو حال دیکھ رہا ہوں اس میں بہتر یہی ہے کہ آپ کوفہ کے راستے سے واپس پلٹ جائیں تو آپؑ نے فرمایا: مجھ پر کوفہ والوں کی آرا مخفی نہیں ہیں لیکن خدا کے حکم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور یہ لوگ مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک مجھے شہید نہ کردیں۔

اس کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ اور مکہ میں اور کوفہ کے راستے میں کئی مقامات پر اشارہ و کنایہ اور واضح الفاظ میں اپنی شہادت کے متعلق خبر دی جیسا کہ آپ ان تمام اقوال کا مطالعہ کریں گے۔ حضرت امام حسینؑ کے یہ فرامین اس بات پر شاہد ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو علم اور یقین تھا کہ وہ سرزمین کربلا پر اس دن شہید کیے جائیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ پھر اس صورت میں کون شخص اس بارے میں شک کرسکتا ہے کہ امامؑ کو اپنی شہادت کا علم تھا یا نہیں!

جیسا کہ امامؑ کا وہ خطبہ جو آپؑ نے مکہ میں اس وقت ارشاد فرمایا جب آپؑ عراق کے لیے عازمِ سفر ہو رہے تھے۔ اس میں آپؑ نے فرمایا: گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ کربلا اور نواویس کے درمیان جنگل کے خونخوار بھیڑیے میرے جسم کے حصوں کو کاٹ رہے ہیں اور وہ اپنے خالی شکموں کو میرے لہو سے ضرور بھریں گے اور جو دن قلمِ قدرت سے لکھا جاچکا ہے اس سے فرار نہیں ہے۔

جن لوگوں نے امامؑ کو سفر سے باز رکھنا چاہا اُنھوں نے یہ مشورہ دیا کہ آپؑ خدا کی وسیع و عریض زمین میں کسی اور جگہ کی طرف چلے جائیں تو اُن کو حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو جوابات دیے وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سیّدالشہداؑ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ آپؑ سے کوفہ والوں کی نیت پوشیدہ نہیں تھی اور آپؑ کا اس طرح عازمِ سفر ہونا اس میں بھی ایک خاص خدا کا راز پنہاں تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے عاشورا کے دن جنگ سے پہلے اور جنگ کے بعد اس لیے استغاثے بلند کیے اور لوگوں کو نصرت کے لیے پکارا تاکہ اس بدنصیب مخلوق پر حجت تمام کردیں۔

حضرت امام حسینؑ نے ہر اس شخص کے سامنے اپنے علم کا اظہار نہیں کیا جو آپؑ کو کوفہ کی طرف سفر سے باز رکھنا چاہتا تھا کیونکہ امامؑ جانتے تھے کہ ہر ظرف ان حقائق سے فیض یاب نہیں ہوسکتا اس لیے کہ کچھ ظروف وسیع اور کچھ تنگ ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا امامؑ کو روکنے میں اپنا مطمع نظر تھا۔ اسی لیے امامؑ نے ہر ایک کو وہی جواب دیا جس کا ظرف جتنی وسعت رکھتا تھا اور اس کی عقل و معرفت جسے برداشت کرسکتی تھی۔ بے شک اہلِ بیتؑ کا علم مشکل اور اسے سمجھنا دشوار ہے جس کا صرف کوئی نبی مرسلؐ، مقرب فرشتہ یا وہ مومن متحمل ہوسکتا ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذریعے آزما لیا ہو۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام ایک فاتح شخصیت

حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے قیام پر یقین تھا کہ وہ فاتح اور منصور ہوں گے اور وہ شہادت سے ہمکنار ہو کر دین محمدیؐ کو حیات جاودانی بخشیں گے، بدعتوں کا خاتمہ کریں گے، اپنے دشمنوں کے کرتوتوں سے پردہ اُٹھائیں گے اور اُمت کو یہ بات سمجھا دیں گے کہ ہم اہل بیتؑ دوسروں سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے بنی ہاشم کو تحریر کیے گئے خط میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: تم میں سے جو ہمارے ساتھ چلے گا وہ شہید ہو جائے گا اور جو پیچھے رہے گا وہ فتح سے ہمکنار نہیں ہوگا۔ (کامل الزیارات: ص ۷۵، بصائر الدرجات: صفار، ج ۱۰، ص ۱۶۱)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جس فتح کا اس خط میں تذکرہ کیا ہے یہ آپؑ کے قیام اور قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ جس نے ضلالت و گمراہی کے ستونوں کو زمین بوس کر دیا اور شریعت مطہرہ کے سیدھے راستے سے باطل کے کانٹوں کو ہٹا دیا، توحید اور عدل کے ارکان کو قائم کیا اور اُمت مسلمہ کو یہ سبق دیا کہ برائی کے مقابلے میں کھڑا ہونا اور قیام کرنا اُمت پر واجب ہے۔

حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے بھی اسی مطلب کو بیان کیا تھا، جب آپؑ مدینہ واپس پہنچے تو ابراہیم بن طلحہ بن عبیداللہ نے امامؑ سے پوچھا: اس معرکہ میں کون جیتا ہے؟

امام سجاد علیہ السلام نے جواب دیا: جب نماز کا وقت ہو جائے گا اور اذان و اقامت کہی جائے گی تو اس وقت تم خود ہی جان لو گے کہ کون جیتا ہے۔ (امالی شیخ طوسی: ص ۶۶)

یہاں پر امامؑ اس ہدف اور مقصد کی نشان دہی فرما رہے ہیں کہ جس کی خاطر سید الشہداؑ نے اپنی مقدس جان کو قربان کر دیا اور یزید (ملعون) نے اللہ کے نور کو بجھانے کے لیے جو کوشش کی وہ اس میں ناکام ہوا۔ رسولؐ خدا کی کاوشوں کو یزید (ملعون) کے باپ نے بھی اسی طرح ناکام بنانا چاہا کہ آپؐ کی رسالت کی گواہی نہ دی جائے۔ جب کہ اُمت اسلامیہ پر دن میں پانچ مرتبہ رسول اسلام حضرت محمدؐ کی رسالت کی گواہی دینا واجب تھی۔ اسلام نے شرک کی بنیادوں کو منہدم کر دیا اور بتوں کی عبادت کو باطل قرار دیا۔ اسی طرح اُمت پر یہ بھی واجب قرار دیا گیا کہ وہ نماز کے تشہد میں نبیؐ اور ان کی پاک آلؑ پر درود بھیجیں۔ اگر نبیؐ پر درود پڑھا جائے اور ان کی آلؑ پر درود نہ پڑھا جائے تو یہ دم کٹا درود ہے۔ (الصواعق المحرقہ: ص ۸۷، کشف الغمہ: شعرانی، ج ۱، ص ۱۹۶، مولف کی کتاب زین العابدین: ص ۳۷۱)

جیسا کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی عقیلہ بنی ہاشم نے یزید (ملعون) کو یہ کہتے ہوئے اس فتح اور کامیابی کی طرف اشارہ کیا:

- فکد کیدك ، واسع سعیك وناصب جهدك فو الله لاتمحو ذکرنا ولاتمیت وحینا ، ولاتدرك امدنا ، ولایوخص حنك عارها وشنارها

"(اے یزید (ملعون) تو جتنا چاہے مکروفریب کرلے، تو جتنی کوشش کرنا چاہتا ہے کرلے، خدا کی قسم! تو
- رہتی دنیا تک ہمارا ذکر نہیں مٹا سکتا اور نہ ہی ہماری وحی کے پاکیزہ آثار ختم کرسکتا ہے، اور نہ ہی تو ہماری قدرومنزلت اور درازیٔ مدت تک پہنچ سکتا ہے! تو نے جس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس کا بدنما داغ اپنے دامن سے نہیں دھوسکتا"۔

اگر واقعہ کربلا میں غوروفکر سے کام لیا جائے تو انسان پر یہ آشکار ہوجاتا ہے کہ معرکۂ کربلا میں دی جانے والی قربانیاں، جنگِ بدر کے دن دی جانے والی قربانیوں سے کہیں زیادہ ہیں اگرچہ وہ پہلی اسلامی فتح تھی۔ جنگِ بدر کے دن مسلمان نبیؐ کے پرچم تلے موت سے ہمکنار ہونے کے لیے پرجوش تھے اور ان کی مدد کے لیے تین ہزار فرشتے نازل ہوئے تھے۔ نبی اکرمؐ کی یہ آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی کہ فتح ہماری ہی ہوگی اور ان پر زور دیا گیا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر دشمن پر دھاوا بول دیں۔ مسلمانوں نے اس حالت میں قریش کے سرکش افراد کا مقابلہ کیا جب کہ ان کے دل کامیابی اور غلبہ پانے کے لیے مطمئن تھے۔

اگر معرکہ کربلا کا بدر کے معرکہ سے موازنہ کیا جائے تو یہ انتہائی مشکل کام ہوگا کیونکہ کربلا کے میدان میں سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور بہت بڑی اذیت درپیش تھی اور ہر طرف سے موت کے تھپیڑے تھے جب کہ جنگِ بدر میں ایسی کوئی کیفیت نہیں تھی۔ میدانِ کربلا میں جنگ کا آغاز اس انداز میں ہوا کہ بنوامیہ والوں نے اپنے ہی نبیؐ کے نواسہؑ کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔

خشية انهضها بغيها	فجاءته تركب طغيانها
بجمع من الارض سدالفرج	وغطى النجود وغيطانها
وطا الوحش اذا لم يجد مهربا	ولازمت الطير او كانها

"ظلم وسرکشی نے انھیں اس اقدام پر اُکسایا اور یہ اپنی جابرانہ حکومت پر سوار ہوکر آئے۔ تمام زمین ہجوم سے بھری ہوئی تھی اور گھاٹیوں اور راستوں کو گھیر لیا گیا۔ جب انھیں کوئی راہِ فرار نظر نہ آئی تو ان وحشی درندوں نے سب کو روند ڈالا اور ظلم وبربریت کی اس کیفیت میں پرندوں نے اپنے گھونسلوں کو نہ چھوڑا"۔

لیکن حق کے گروہ کے حوصلے پست نہیں ہوئے تھے اور انھوں نے ان خطرات کا کسی کی مدد کی اُمید رکھے بغیر مقابلہ کیا۔ ان لوگوں سے زندگی کے تمام وسائل منقطع کردیے گئے یہاں تک کہ پانی جو وافر اشیاء میں شمار کیا جاتا ہے اور ہر ایک کے لیے مفت مہیا ہوتا ہے، اس پانی کو بھی ان وفاشعاروں پر بند کردیا گیا۔ بچے اور عورتیں مستقبل کے شر اور فتنے سے پریشان تھے اور بچے پیاس سے یوں چیخ رہے تھے کہ ہر ایک کے کان میں ان کی آوازیں پڑ رہی تھیں لیکن پھر بھی انھوں نے ان سخت حالات اور مصائب کو کھلے دل اور پختہ عزم کے ساتھ قبول کیا۔ یہ تمام پاک نفوس بنواُمیہ سے جنگ کے مقابلے کے لیے تیار تھے اور انھوں نے اپنی عزت و کرامت کے تحفظ اور جو اُمور انھیں سونپے گئے تھے ان کی خاطر اپنے مقدس لہو کو بہادیا۔ حرب (ابوسفیان) کی اولاد کی حکومت اس کتے کے مانند تھی جو اپنا ناک خود چاٹ رہا ہوتا کہ سطح ارض سے اس کی بے شرمی اور رسوائی ختم ہوجائے۔

اہلِ بیت علیہم السلام کی مدح میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

لولم تكن جمعت كل العلى فينا	لكان ما كان يوم الطف يكفينا
يوم نهضنا كامثال الاسود به	واقبلت كالدبا زحفًا اعادينا
جاؤ والسبعين الفًا سل بقينهم	هل قابلونا وقد جئنا بسبعينا

(شعراء الغری: ج۱، ص۳۸۷، سید باقر ہندی (نوراللہ ضریحہ)

''اگر ہم (اہلِ بیتؑ رسولؐ) میں پہلے تمام اوصافِ حمیدہ موجود نہیں تھے تو ہم میں ان تمام خوبیوں کو جاننے کے لیے کربلا کی جنگ کافی ہے۔ معرکۂ کربلا کے دن ہم شیر کے مانند بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے اور ہمارا دشمن باربرداری کے جانور کی طرح رینگ رینگ کر آگے آرہا تھا۔ وہ لوگ ستر ہزار کی تعداد میں آئے تھے اور ان میں سے جو زندہ بچ گئے ہیں ان سے پوچھو کہ کیا تم ہمارا مقابلہ کروگے اگر ہم صرف ستر افراد آجائیں''۔

کربلا کی جنگ اُس جاہلیت پر اسلام کی فتح تھی جس جاہلیت کو بنواُمیہ اور ان کے حواریوں اور ان کے کرتوتوں کے ذریعے متعارف کروایا گیا کہ جو اُموی توحید کے نور اور نبوت کی کرنوں سے روشناس نہیں ہوئے تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے سلطنت یا ریاست کے حصول یا خود کو منوانے کے لیے قیام نہیں کیا تھا۔ اگر آپؑ کا یہ مقصد ہوتا تو آپؑ ان اسباب کے ساتھ خروج کرتے جو اس میں مددگار ثابت ہوتے اور امامؑ ان اسباب کو زیادہ بہتر جانتے تھے۔ اگر امامؑ چاہتے تو اپنے ان ساتھیوں سے جو آپؑ کے ہمراہ مکہ و مدینہ سے آئے تھے، یہ بات پوشیدہ رکھتے کہ وہ سب شہید کردیے جائیں گے اور ان کے خاندان کی عورتوں کو قیدی بنالیا جائے گا تاکہ ان کی فوج منتشر نہ ہو اور ان کی ظاہری

طاقت برقرار رہے لیکن امامؑ نے ان سے یہ بات ہرگز نہ چھپائی بلکہ ان کو حالات سے مکمل طور پر آگاہ کیا اور یہ اجازت بھی دے دی کہ جو مجھے چھوڑ کر جانا چاہتا ہے وہ چلا جائے۔

پھر وہ لوگ جدا ہو گئے جو دنیاوی لالچ کی وجہ سے آپؑ کا ساتھ دے رہے تھے لیکن منتخب کردہ افراد نے آپؑ کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا اور وہ آپؑ کی نصرت پر قائم رہے۔ ان بندگانِ خدا نے ہرگز بزدلی نہ دکھائی اور نہ ہی دشمن کے آگے عاجزی کا مظاہرہ کیا کیونکہ ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے ہدف سے مایوس ہوں۔ ان لوگوں کو اپنی فتح اور کامیابی کا یقین تھا اور اس کامیابی اور یقین کی ترجمانی ان کے وہ جوابات کر رہے تھے جو انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شبِ عاشور دیے تھے جب امامؑ نے انھیں ۱۰ محرم کو پیش آنے والے مصائب اور تکالیف سے آگاہ کیا اور ان سے اپنی بیعت اُٹھالی اور ان کو جانے کی اجازت دے دی تو ان اصحاب نے جواب دیا: اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں آپؑ کے ساتھ شہادت کا شرف بخشا ہے۔ اگر یہ دنیا ہمیشہ باقی رہنے والی ہو ہم بھی اس میں ہمیشہ کے لیے رہیں تو پھر بھی ہم آپؑ کے ساتھ اس سرزمین پر قیام کو ترجیح دیں گے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو اپنے ساتھ جہاد میں اتنا ہی شریک پایا جتنا آپؑ کو اُن پر اعتماد تھا اور ان وفاشعاروں نے بھی شریعت کے تقدس کا بڑی دلیری سے دفاع کیا۔ اسی لیے حضرت امام حسینؑ نے قوم کے اکابرین کے سامنے یہ جملہ کہہ کر اپنے اصحاب کے درخشاں اور روشن چہروں کو روشناس کروایا: "میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار کسی کے اصحاب نہیں پائے اور نہ ہی کسی کے خاندان والے میرے خاندان والوں سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں"۔ (تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۴)

مجھے ان راویوں اور تاریخ نقل کرنے والوں پر تعجب ہوتا ہے جنھوں نے روایات کو نقل کرنے میں اتنی آزادی اور خودغرضی سے کام لیتے ہوئے ان اصحابِ باوفا اور پاک و طاہر لوگوں پر ایسا بہتان باندھا ہے جسے سن کر انسانیت کا چہرہ شرمسار ہو جاتا ہے اور ان اصحابِ باوفا اور پاک لوگوں کے سچے وجدان کا انکار ہوتا ہے۔

جیسے ان کے متعلق کہا گیا: ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ جس قدر مصیبت سخت ہوتی جا رہی تھی، ان کے اعضاء کانپ رہے تھے اور ان کا رنگ متغیر ہوتا جا رہا تھا سوائے حضرت امام حسین علیہ السلام کے، کہ آپؑ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا"۔ (نفس المہموم: ص ۱۳۵، از معانی الاخبار، بحارالانوار: ج ۲، ص ۱۴۴، باب سکرات الموت، بحارالانوار: ج ۱۰، ص ۱۶۷، از معانی الاخبار)

راویوں نے اس وقت یہ بات کی جب انھیں عزت کو قبول کرنے والے اور ذلت و رُسوائی سے انکار کرنے والے شہیدِ اعظم میں کوئی خامی نظر نہ آئی اور وہ سیدالشہداء کے مرتبہ کو گھٹا نہ سکے تو اُنھوں نے آپؑ کے اصحاب اور اہلِ بیتؑ کو تنقید کا

نشانہ بنایا۔ یہ اس کج رو قوم کی طرف سے کیا گیا تھا جن میں یہ بیماری تھی کہ وہ زہر کو گھی میں ملا کر سادہ لوح لوگوں کو بیوقوف بناتے تھے تاکہ وہ اسے حقیقت سمجھ کر تسلیم کر لیں۔ وہ اس کے ذریعے تاریخ کے چہرے کو مسخ کرنا چاہتے تھے لیکن ایک بابصیرت اور سمجھ دار شخص حقیقت کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ لوگ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ بابصیرت لوگوں پر مخفی نہیں۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز زجر بن قیس الجعفی (ملعون) کا وہ قول ہے جو اس نے یزید (ملعون) سے بیان کیا کہ ہم نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور وہ ہم سے چھپنے کے لیے ٹیلوں اور گڑھوں کا یوں سہارا لے رہے تھے جیسے کبوتر عقاب کے شکار سے بچنے کے لیے پناہ کی تلاش میں ہوتا ہے۔ (العقد الفرید: ج ۲، ص ۳۱۳، خلافت یزید)

(اے ملعون) تیرے منہ میں خاک ہو۔ گویا تو نے وہ خوف ناک منظر نہیں دیکھا کہ جہاں ان لوگوں کی دین حنیف کی خاطر مفادات، اقدامات اور بہادری جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کیا تو ان لوگوں کی اس شجاعت اور دلیری سے بھی غافل ہے جو ان لوگوں نے جنگ صفین اور دیگر خونریز جنگوں میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کے بیٹے کے ہمرکاب ہو کر لڑیں اور داد شجاعت پائی۔ یہاں تک کہ کوفہ کے لوگ ان کی بہادری و دلیری کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

ہاں! ان حالات نے تمھیں دہشت زدہ کر دیا اور تم یہ بھی نہیں جانتے کہ تم کیا کہہ رہے ہو! یا وقت نے تمھیں اس سے دُور کر دیا اور تم یہ بھی بھول گئے کہ وہاں کیا کچھ ہوا تھا! لیکن کیا تم کوفہ والوں کے گھروں میں یتیموں کی چیخ و پکار اور بیواؤں کی آہ وزاری کو بھی بھول گئے ہو۔ یہ سب ان خاص بندگانِ خدا نے ماضی میں اپنی تلواروں کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں کو گزند پہنچائے تھے۔ تمھارا یہ بہانہ اور عذر ہے کہ تم نے اس لمحے کو غنیمت جانا اور اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں کی اس قدر و منزلت کو گھٹانا شروع کر دیا جسے ہمیشہ سراہا گیا۔ تم یہ سب کچھ اس یزید (ملعون) شرابی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کر رہے تھے۔

ان عاشقانِ توحید کے بدترین دشمن عمرو بن حجاج نے بھی اپنی قوم کو جنگ پر اُبھارنے کے لیے ان بہادروں کے صحیح اوصاف کو واضح طور پر بیان کیا۔ اس نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ تم لوگ کن سے جنگ کر رہے ہو؟ تم روئے زمین کے بہادر ترین لوگوں سے لڑ رہے ہو، جو انتہائی بابصیرت اور دُور اندیش ہیں اور موت کے طلب گار ہیں۔ تم میں سے کوئی بھی ان کے مدمقابل نہیں جاسکتا اور اگر کوئی ان کے مدمقابل گیا تو وہ مارا جائے گا حالانکہ ان کی تعداد انتہائی کم ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم نے ان پر پتھر پھینکے تو پھر تم انھیں قتل کر سکتے ہو۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۴۷)

ایک شخص جو معرکۂ کربلا میں عمر بن سعد (ملعون) کے ساتھیوں میں سے تھا اس سے کسی نے پوچھا: وائے ہو تم پر، کیا تم لوگوں نے رسولِ خدا کی ذُریت کو شہید کیا تھا؟

اس نے جواب دیا: اے کاش! کہ میں مرتے دم تک پتھر بن جاتا! اگر تم وہ کچھ دیکھتے جو ہم نے دیکھا ہے تو تم بھی

وہی کچھ کرتے جو ہم نے کیا تھا۔ ہم پر ایک ایسے گروہ نے حملہ کیا جن کے ہاتھ قبضۂ تلوار پر تھے اور وہ غضب ناک شیر کی طرح ہم پر جھپٹ رہے تھے۔ وہ دائیں اور بائیں طرف سے گھڑسواروں پر ٹوٹ پڑے تھے اور انھوں نے خود کو موت پر گرا دیا تھا۔ انھوں نے اپنے لیے کوئی امان قبول نہ کی اور انھیں دُنیاوی مال و زر کی خواہش نہ تھی۔ کوئی چیز انھیں روک نہیں سکتی تھی سوائے موت کے یا وہ حکومت پر قبضہ کرلیں۔ اگر ہم انھیں تھوڑا سا بھی موقع مہیا کرتے تو وہ ہمارے پورے لشکر کو نیست و نابود کردیتے تو پھر تم کیا اُمید کرتے ہو کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے تھا، تیری ماں نہ رہے؟! (شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، ج۱، ص ۳۰۷، مطبوعہ مصر، پہلا ایڈیشن)

ان وفاشعاروں کی بہادری اور شجاعت کی گواہی کعب بن جابر (ملعون) نے بھی دی ہے جب اس نے حضرت بُریر کو شہید کیا تھا۔ اس کی بیوی نے اسے لعن طعن کی اور کہا: کیا تم نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کے بیٹے کو شہید کرنے میں مدد کی تھی؟ اور تم نے سیّدالقراء (قاریانِ قرآن کے سیّد و سردار) کو شہید کردیا اور تم نے بہت بھیانک کام سرانجام دیا ہے۔ خدا کی قسم! اب میں تم سے کبھی کوئی بات نہیں کروں گی۔ پھر کعب بن جابر (ملعون) نے اسے مخاطب کرتے ہوئے درج ذیل اشعار کہے:

ولم ترعینی مثلهم فی زمانهم ولا قبلهم فی الناس اذانا یافع

اشد قراعاً بالسیوف لدی الوغی الاکل من یحمی الذمار مقارع

وقد صبروا للضرب والطعن حسرا وقد نازلوا لو انّ ذٰلك نافع

"میری آنکھوں نے ان کے دور میں کوئی ان جیسا نہیں دیکھا، جب سے مَیں جوان ہُوا ہوں اس سے پہلے بھی ان جیسا نہیں دیکھا۔ یہ جنگ میں تلوار کے لگاتار وار کرنے والے ہیں۔ آگاہ رہو! جو بھی اپنے حرم و خاندان کی حفاظت کرتا ہے وہ سردار ہوتا ہے، اور یہ اس وقت ثابت قدم رہتے ہیں جب تلواریں اور نیزے چل رہے ہوتے ہیں یہاں تک کہ یہ سواریوں سے اُتر کر بھی لڑتے ہیں اگرچہ یہ ان کے لیے نفع بخش نہ ہو"۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۷)

تو بتایئے! پھر معرکۂ کربلا میں اصحابِ حسینؑ میں کون ایسا تھا جسے حالات نے پریشان کردیا ہو اور وہ گھبرا کر کانپنے اور لرزنے لگا ہو؟!

کیا یہ حضرت زہیر بن قین ہی تھے جنھوں نے اپنا ہاتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کے کندھے پر رکھا اور یہ اشعار کہتے ہوئے اذنِ جہاد طلب کیا:

اقدم هدیت هادیًا مهدیًا

فالیوم القی جدك النبیا

"میں اپنی جان اس ہستی پر فدا کرنا چاہتا ہوں جو دوسروں کی ہدایت و رہنمائی کرنے والی اور ہدایت یافتہ ہے اور میں آج آپؑ کے نانا نبیؐ خدا سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں"۔

یا وہ ابن عوسجہ ہیں جب وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے تو حضرت حبیب ابن مظاہر کو وصیت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدد و نصرت کرنا گویا اس نے اس راہ میں جو مشکلات اور مصائب برداشت کیے اور پھر اپنی جان کو اپنے مولاؑ پر قربان کر دیا اس پر بھی مطمئن نہیں ہوا بلکہ ابھی اور قربانی دینا چاہتا تھا۔

یا وہ ابوثمامہ صیداوی ہیں جنھیں اپنے معبود اور پروردگار کی راہ میں کسی شے کی پرواہ نہیں تھی اور انھوں نے تمام مصائب و آلام اس نماز کے لیے برداشت کیے جس کا وقت ہو چکا تھا۔

یا وہ سعید الحنفی تھے جنھیں نماز کے وقت نشانہ بنایا گیا یہاں تک کہ جب وہ زیادہ خون بہہ جانے پر گر پڑے تو حضرت امام حسینؑ سے عرض کیا: اے رسولؐ خدا کے بیٹے! کیا میں نے وفا کی ہے؟

یا کیا یہ ابن شبیب الشاکری تھے جنھوں نے اپنا تمام جنگی ساز و سامان اُتار کر رکھ دیا تا کہ لشکرِ یزید (ملعون) کے افراد ان کے قریب آنے کی ہمت کر سکیں اور وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور کے ایسے بہادر ہیروز بھی تھے جو شجاعت اور دلیری میں شہرت رکھتے تھے مگر جنگ کے دوران اپنے بدن کو مکمل طور پر جنگی ساز و سامان سے ڈھانپ کر رکھتے تھے تا کہ دشمن کو کوئی ایسا موقع فراہم نہ کیا جائے جس سے وہ اپنے مدِ مقابل کو آسانی سے شہید کر سکے۔

یا وہ حضرت جون ہیں جنھیں حضرت امام حسین علیہ السلام نے (کبر سنی کی وجہ سے) جنگ میں جانے کی اجازت نہ دی تو وہ آپؑ کے قدموں میں گر کر قدم بوسی کرنے لگے۔ ان کی یہ حالت تھی کہ وہ مسلسل گریہ کر رہے تھے اور اپنے مولاؑ سے یہ کہہ رہے تھے: "بے شک! میرا رنگ کالا اور میرا خاندانی پس منظر پست ہے اور میرے بدن سے بدبو آتی ہے لہٰذا مجھ پر جنت عنایت فرما کر احسان کیجیے تا کہ میرا رنگ سفید اور میرا خاندان بلند ہو جائے اور میرے بدن سے خوشبو آنے لگے"۔

اگر ہم ابوجعفر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے اس فرمان پر غور و فکر کریں جس میں آپؑ فرماتے ہیں: "بے شک! میرے دادا حسینؑ کے اصحاب نے لوہے (تلوار، تیر اور نیزوں) کے چھونے کے درد کو محسوس بھی نہ کیا"۔ (الخرائج: راوندی، ص ۱۳۸، مطبوعہ ہندوستان)

امام علیہ السلام کا یہ فرمان ان طیب و طاہر لوگوں کی ثابت قدمی اور صبر و استقلال کو واضح کرتا ہے کہ انھیں نبیؐ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں جانے کا شوق اور اپنے ہدف سے اس قدر والہانہ لگاؤ تھا کہ انھیں زخموں کے درد کا احساس بھی نہ ہوا۔ ہرگز وہ شخص اس پر تعجب نہیں کرے گا جو عشق میں مبتلا ایک عاشق کی حالت کو جانتا ہو کہ جب وہ اپنے احساسات کے ساتھ محبوب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسے اس راہ میں پیش آنے والی تکالیف اور درد و الم کا احساس تک نہیں ہوتا۔

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ "کثیر" شاعر اپنے خیمہ میں بیٹھا ہُوا تیروں کو تراش رہا تھا کہ اس کے پاس "عزہ" آئی (جس سے وہ عشق کرتا تھا)۔ جب کثیر نے اس کو دیکھا تو اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اس نے اپنی انگلیوں کو تراشنا شروع کر دیا اور ان سے خون جاری ہوگیا مگر اسے درد کا احساس تک بھی نہ ہوا (الاغانی: ج ۲، ص ۳۷)۔ [1]

راویوں کا بیان ہے کہ انصار کے ایک نوجوان نے ایک عورت کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا اور وہ اسے پسند آگئی تو وہ اس کا اپنی نظروں سے تعاقب کرنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ عورت ایک گلی میں داخل ہوگئی تو وہ نوجوان بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور اپنی نظروں سے اس کا تعاقب کرتا رہا یہاں تک کہ اس کا چہرہ دیوار میں لگے ہوئے شیشے سے ٹکرایا اور وہ زخمی ہوگیا لیکن اسے اس کا احساس تک نہ ہوا۔ جب وہ عورت چلی گئی تو وہ اپنی طرف متوجہ ہوا اور اپنے لباس اور اپنے سینہ پر لہو بہتا ہوا دیکھا تو اُس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر آپؐ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا:

> قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ (سورۂ نور: آیہ ۳۰)
>
> "(اے نبیؐ) مومنوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظروں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے۔ بے شک وہ لوگ جو کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے"۔ [2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: راہِ خدا میں مارے جانے والا شہید اپنی شہادت کے دوران تکلیف کو صرف ایسے محسوس کرتا ہے جیسے کسی شخص کو چٹکی بھرنے سے احساس ہوتا ہے۔ [3] جب رُشید الہجری [4] کو ابن زیاد (ملعون) نے بلایا اور

---

[1] "الموشح" مرزبانی، ص ۱۴۴۔ جہاں پر شاعر "کثیر" کے متعلق ابوعبیدہ سے منقول ہے کہ محمد بن علیؑ (محمد حنفیہ) نے کثیر سے کہا: تُو خود کو ہمارا شیعہ سمجھتا ہے اور آلِ مروان کی مدح سرائی اور تعریف کرتے ہو۔ تو اس نے جواب دیا: میں ان کو بیوقوف بناتا ہوں اور انھیں سانپ اور بچھو بنا کر ان سے مال بٹورتا ہوں۔

[2] الکافی، مرآۃ العقول کے حاشیہ پر ج ۳، ص ۵۱۱، باب ۱۹۰ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی (غیر محرم) عورت کی طرف نظر کرنا ناجائز ہے۔ اور انھی امامؑ سے تفسیر البرہان، ج ۳، ص ۱۳۷ پر سورۂ نور، آیت ۳۰ کی تفسیر کے ذیل میں۔

[3] تیسیر الاصول: ابن الدیبع، ج ۱، ص ۱۲۹، کنز العمال: ج ۲، ص ۲۷۸، فضل الشہادۃ۔

[4] علامہ حلی نے اپنی کتاب "الخلاصہ" میں ان کا نام راء کی پیش کے ساتھ رُشید تحریر کیا ہے اور رجال ابی داؤد میں ہے کہ الہجری میں حاء اور جیم پر زبر ہے اور سیوطی نے بھی اپنی کتاب "لب اللباب" ص ۲۷۷، باب الحاء میں یہی بات تحریر کی ہے۔ اور "انساب السمعانی" میں ہے کہ ہجری میں حاء اور جیم پر زبر اور راء کے نیچے زیر ہے۔ ہجر یمن کے دُور دراز علاقہ میں واقع ایک شہر ہے اور اس کے آخر میں یاء نسبتی ہے۔ اور سمعانی نے ←

ان سے پوچھا کہ تمھیں امیرالمومنین حضرت علیؑ نے کس چیز کی خبر دی تھی؟

رُشید الہجری نے جواب دیا: ہاں! ایک دن مَیں امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپؑ کے پاس آپؑ کے اصحاب بھی تشریف فرما تھے اور اس وقت آپؑ ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے حکم دیا کہ رُشید کے لیے کھجور کے درخت سے تازہ خرمے لے آؤ۔ میں نے آپؑ سے عرض کیا: اے امیرالمومنینؑ! یہ کھجوریں کس قدر خوش ذائقہ ہیں تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا: کسی غیر باپ کی طرف منسوب عبیداللہ تمھیں مجھ سے بیزاری کرنے کا حکم دے گا، اگر تم نے مجھ سے بیزاری کا اعلان نہ کیا تو وہ تمھارے دونوں ہاتھ، دونوں ٹانگیں اور زبان کو کاٹ ڈالے گا اور وہ تمھیں اس کھجور کے تنے کے ساتھ سولی پر لٹکا دے گا۔

میں نے عرض کیا: کیا اس کا صلہ اور انجام جنت ہوگا؟

تو امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ہاں، تم دنیا اور آخرت میں میرے ساتھ ہوگے۔

میں نے عرض کیا: خدا کی قسم! میں آپؑ سے ہرگز بیزاری کا اعلان نہیں کروں گا۔

حضرت رُشید الہجری روزانہ دن کے وقت اس درخت کے پاس جاتے اور اسے پانی دیتے اور کہتے: مَیں نے تیرے لیے پرورش پائی ہے اور تمھاری نشوونما میرے لیے ہوئی ہے۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ابن زیاد (ملعون) کوفہ کا گورنر بن گیا اور اس نے رُشید الہجری کو بلایا اور ان سے اس بارے میں پوچھا جو امیرالمومنین حضرت علیؑ نے اسے بتایا تھا تو رُشید الہجری نے اسے بتایا: مجھے میرے دوست (امیرالمومنین حضرت علیؑ) نے یہ بتایا تھا: تم مجھے ان سے بیزاری کرنے کے لیے بلاؤ گے اور میں کبھی بھی ان سے براءت کا اعلان نہیں کروں گا تو پھر تم میرے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دو گے۔

یہ سن کر ابن زیاد (ملعون) نے کہا: میں اس کی بات کو ضرور غلط ثابت کروں گا۔ پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو یہ حکم دیا

← ایک پوری فہرست بیان کی ہے ان مشہور لوگوں کی کہ جن کے نام کے ساتھ ہجری لگتا ہے۔ ان مشہور لوگوں میں سے ایک کوفہ کا رہنے والا رُشید ہے جو اپنے باپ سے روایات واحادیث نقل کرتا تھا اور تاریخ البخاری: ج۱، حصہ ۲، ص ۳۰۵ پر ہے کہ یہ اپنے باپ سے اور اس کا باپ عبداللہ سے روایت نقل کرتا تھا۔ ابن اثیر کی کتاب اللباب، ج۳، ص ۲۸۵ پر ہے کہ رُشید الہجری کی نسبت اس معروف شہر کی طرف ہے جو یمن میں ہے اور وہ "ہجر" جو مدینے کے نزدیک واقع ہے اس کا تذکرہ ابن القیسرانی نے "الانساب المتفقۃ" ص ۲۲۳، تاج العروس، لسان العرب مادہ ہجر اور ابن اثیر کی کتاب "النھایۃ" میں بھی موجود ہے۔ اسی طرح سمہودی نے "وفاء الوفاء" ج۲، ص ۳۸۶ پر نووی سے نقل کیا ہے اور مصباح المنیر میں بھی یہی منقول ہے۔ زکریا بن محمود القزوینی نے اپنی کتاب "آثار البلاد" ص ۲۸۰ پر تحریر کیا ہے کہ یہ اس ہجر شہر کی طرف منسوب ہے جو بحرین میں واقع ہے، وفاء الوفاء مادہ ہجر میں ہے کہ زرکشی نے اسے ازہری سے نقل کیا ہے۔

کہ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگوں کو کاٹ دو لیکن زبان رہنے دو، پھر اسے اس کے خاندان والوں کے پاس چھوڑ آؤ۔

جب لوگوں نے رُشید ہجری کو اس حالت میں دیکھا تو ان کے اردگرد جمع ہونے لگے اور وہ لوگوں کو مستقبل کے ان تمام حالات و واقعات سے آگاہ کرنے لگے جن سے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے انھیں مطلع کیا تھا اور وہ لوگوں کو اہلِ بیتؑ کے فضائل سنانے لگے۔ پھر کہا کہ لوگو! مجھ سے سوال کرو۔ میرے پاس ان لوگوں کے لیے ایک ضرورت کی شے ہے جنھیں انھوں نے ابھی تک پورا نہیں کیا۔ اتنے میں ایک مرد فوراً ابن زیاد (ملعون) کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا ہے؟ تم نے اس کے دونوں ہاتھوں اور دونوں ٹانگوں کو قطع کر دیا لیکن وہ پھر بھی لوگوں کو کئی اہم امور کے بارے میں آگاہ کر رہا ہے۔

یہ سن کر ابن زیاد (ملعون) نے حکم دیا کہ اس کی زبان کاٹ دو اور وہ اسی رات انتقال کر گئے۔ پھر انھیں سولی پر لٹکا دیا گیا (رجال الکشی: ص ۵۱) اور انھیں عمرو بن حریث کے گھر کے دروازے پر سولی دی گئی۔ (میزان الاعتدال: ذہبی، ج ۲، ص ۴۳۹، لسان المیزان: ابن حجر، ج ۲، ص ۴۶۱)

رُشید الہجری کی بیٹی قنوا سے مروی ہے وہ کہتی ہے کہ میں نے اپنے بابا جان سے ان کے ہاتھ پیر قطع ہونے کے بعد پوچھا: بابا جان! کیا آپ کو سخت تکلیف محسوس ہو رہی ہے؟ تو وہ بولے: میری بیٹی! مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی سوائے اس کے کہ جتنی تکلیف اس شخص کو ہوتی ہے جو کسی اژدھام یا مجمع میں لوگوں کے درمیان پھنس گیا ہو۔ (رجال الکشی: ص ۵۱، بشارۃ المصطفیٰ: ص ۱۱۳، امالی شیخ طوسی: ص ۱۰۳، مجلس نمبر ۶، پہلا ایڈیشن)

رُشید الہجری نے امیرالمومنین حضرت علیؑ کی صحبت سے استفادہ کرتے ہوئے آپؑ سے علم المنایا والبلایا حاصل کیا[1] اور آپؑ کسی بھی شخص کو اس کے ساتھ آئندہ پیش آنے والے حالات سے آگاہ کر دیا کرتے تھے اور امیرالمومنین حضرت علیؑ نے آپ کو "راشد" کا لقب عطا فرمایا۔ (امالی شیخ طوسی: ص ۱۰۴، مجلس نمبر ۶، پہلا ایڈیشن)

یہ حالت ایک محتاط اور غور و فکر کرنے والے بابصیرت انسان کو یہ بات سمجھاتی ہے کہ جو شخص اپنے احساسات کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے تو وہ اس کی ربوبیت کے مظاہرے کا جلوہ دیکھ لیتا ہے اور وہ ان ہمیشہ باقی رہنے والے انعام و اکرام کا مشاہدہ کر لیتا ہے جو دین کی دعوت کی راہ میں دی جانے والی قربانیوں کے عوض اسے عطا ہوتے ہیں تو پھر اس کے سامنے زخموں کے درد کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ اس بات کی بھی تائید کرتا ہے کہ جب عاشق اپنے محبوب کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے تو وہ اس وقت ان تمام اذیتوں اور تکلیفوں سے غافل اور بے نیاز ہو جاتا ہے

---

[1] بصائر الدرجات: صفار، ج ۶، ص ۷۳، باب آئمہ اپنے شیعوں کے حالات کو جانتے ہیں۔ انھوں نے اسے بحارالانوار: ج ۱۱، ص ۲۴۶ حضرت موسیٰ کاظمؑ کے حالات سے نقل کیا ہے۔

جو اسے درپیش ہوتی ہیں۔ جیسا کہ مصر کی وہ عورتیں جنھوں نے حضرت یوسفؑ صدیق نبی کے حُسن و جمال کا مشاہدہ کرتے ہوئے پھلوں کے بجائے چاقوؤں سے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے لیکن انھیں درد کا احساس تک نہ ہوا۔ اِس منظر کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں یوں بیان کیا ہے:

فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ○ (سورۂ یوسف: آیت ۳۱)

"جب ان عورتوں نے اسے دیکھا تو اسے بڑا حسین پایا اور انھوں نے (بے خودی میں) اپنے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہنے لگیں: حَاشَ لِلّٰهِ۔ یہ آدمی نہیں ہے، یہ تو صرف ایک معزز فرشتہ ہے"۔

اس وقت ان عورتوں نے زخم کے درد اور دکھ کو محسوس نہ کیا۔[1] تو ایسے عالم میں اگر حضرت امام حسین علیہ السلام اور اصحابِ امامؑ کو اپنی شہادت پر رنج والم کا احساس ہوتو کیا یہ عجیب وغریب بات نہ ہوگی کیونکہ یہ پوری کائنات کے چُنے ہوئے لوگ تھے۔ جب اِن عاشقانِ توحید و رسالت نے الٰہی حُسن و جمال کے مظاہر سے اپنا عشق دکھایا تو انھیں کسی تلوار، تیر اور نیزوں کے زخموں کے درد والم کا احساس تک نہ ہوا۔ جب کہ اصحابِ امام حسینؑ کی روح اور دل میں سیّدالشہداءؑ کی ولاء اور محبت بجلی کی طرح جاگزیں تھی اس لیے یہ اپنی مقدس جانوں کو ایک اہم ہدف کی تکمیل کی خاطر قربان کرنے کے لیے بے قرار تھے۔ (اِن کے بارے میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے:)

بابی افدی وجوھا منھم	صافحوا فی کربلا فیھا الصفاحا
أوجھاً یشرقن بشراً کلما	کلح العام ویقطرن سماحا
تتجلّی تحت ظلماء الوغی	کالمصابیح التماعاً والتماحا
أرخصوا دون ابن بنت المصطفی	أنفساً تاقت الی اللہ رواحا
فقضوا صبراً ومن أعطافھم	أرج العزیشوب الدھر فاحا
لم تذق ماء سوی منبعث	من دم القلب بہ غصت جراحا
أنھلت من دمھالو أنہ	کان من قانی العشایطفی التیاحا
أعُریت فھی علی أن ترتدی	بنسیج الترب تمتاح الریاحا[2]

[1] دیوان الصبابہ: ص ۳۹ پر تزیین الاسواق کے حاشیے پر اس کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے ان کی تعداد چالیس تھی اور ان میں سے نو عورتوں کو حضرت یوسفؑ سے خاص لگاؤ اور عقیدت تھی۔

[2] یہ قصیدہ سیّد عبدالمطلب حلّی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں تحریر کیا جس کا مکمل ذکر شعرالحلۃ: ج ۳، ص ۲۴۳ پر ہے۔

"مجھے تمام لوگ تیوریاں چڑھا رہے تھے اوران سے آزاد خیالی ٹپک رہی تھی اس وقت ان لوگوں کے چہرے ایک اُمید سے چمک رہے تھے۔ ظلمت اور تاریکی کے شور تلے یوں روشنی پھیلا رہے تھے جیسے کوئی فانوس جگمگا رہا ہو اور اس کے نظارے کو کسی نے چرا لیا ہو۔

انھوں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بیٹی کے بیٹے کے سامنے اپنی جانوں کو بہت حقیر سمجھا اور ان کے دفاع میں اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ انھوں نے صبر کا مظاہرہ کیا اور ان کی شفقت و مہربانی یہ ہے کہ انھوں نے زمانے میں عزت و اکرام کو پھیلایا۔

انھوں نے کسی پانی کا ذائقہ نہیں چکھا سوائے دل کا وہ خون جس نے زخموں کو درد و اندوہ دیا۔ صرف ان کا خون ہی ان کی پیاس بجھا سکتا تھا۔ یہ بے گور و کفن تھے اور ان کا کفن زمینِ کربلا کی خاک تھی جسے ہَوا اُڑا رہی تھی"۔

▫▫▫

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ

بے شک! شریعتِ مقدسہ نے معصیتِ خدا اور منکرات کا دروازہ بند کرنے اور فساد سے روکنے کے لیے لوگوں پر ظلم و فساد کے خلاف قیام کو واجب قرار دیا ہے۔ اُمت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان باغی اور سرکش لوگوں کے ظلم و عدوان کو روکنے اور اس کا موثر جواب دینے کے لیے اس امام کی پیروی کریں جسے بندگانِ خدا کی رُشد و ہدایت کے لیے خلیفہ متعین کیا گیا ہو اور ان سرکش لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرتے ہوئے ظلم و فساد کا راستہ اپنایا ہو۔ لیکن امامؑ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلے انھیں حق کی دشمنی سے توبہ کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ لوگ سب سے عظیم شریعت کے اصولوں کی طرف پلٹ آئیں جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۂ حجرات، آیت ۹ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ

"اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک گروہ دوسرے کے خلاف زیادتی و سرکشی کرے تو جو زیادتی کرے اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے"۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ظاہری دَورِ خلافت میں شریعت کی حقانیت کے دفاع اور اُمتِ اسلامیہ کو جہالت سے ہوشیار کرنے کی خاطر ایسے لوگوں کے خلاف عملی جدوجہد کی اور لوگوں پر واجب تھا کہ وہ امیر المومنینؑ کی طرف رجوع کرتے کیونکہ آپؑ حق کے امام تھے، جن کی اطاعت اُمت پر فرض قرار دی گئی تھی۔ اُس دور کے مسلمانوں کی اکثریت نے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی بیعت کی حقانیت کا اعتراف کیا اور انھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ جو بھی ان کے خلاف خروج کرے اُس سے جنگ کرنا حق ہے۔ ان کے یہ کلمات جو علما نے اپنی کتابوں میں تحریر کیے ہیں، ان باتوں پر گواہ ہیں اور ان کے یہ کلمات اس دعویٰ کی بھی تائید کرتے ہیں جس کی عقل و نقل تائید کرتے ہیں۔

ابوحنیفہ کا قول ہے کہ جس نے بھی حضرت علیؑ سے جنگ کی ہے حضرت علیؑ اس سے زیادہ حق کے حق دار تھے۔ اگر حضرت علیؑ ان لوگوں سے جنگ نہ کرتے تو مسلمانوں کے درمیان کسی کی سیرت ایسی نہ تھی کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ ان لوگوں سے کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؑ نے طلحہ اور زبیر سے اس وقت جنگ کی جب ان

دونوں نے امیرالمومنینؑ کی بیعت کرنے کے بعد مخالفت کی۔ اس کے باوجود جنگِ جمل کے دوران حضرت علیؑ نے جمل والوں کے ساتھ عادلانہ رویہ اپنایا اور آپؑ تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے اور امام عادل کے خلاف بغاوت اور خروج کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنا سنت قرار پائی۔ (مناقب ابی حنیفہ: خوارزمی، ج ۲، ص ۸۳-۸۴، مطبوعہ حیدرآباد، ہندوستان)

ابوحنیفہ کے شاگرد محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۷ھ نے بھی اپنے استاد کا راستہ اپناتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اگر معاویہ اور حضرت علیؑ کے درمیان آپس میں جنگ و قتال نہ ہوتی جب کہ معاویہ حضرت علیؑ کے خلاف ظلم و تجاوز اور علمِ بغاوت بلند کر رہا تھا تو ہمیں کبھی یہ رہنمائی نہ ملتی کہ باغیوں کے ساتھ جنگ و قتال کیا جاتا ہے۔ (الجواہر المضیئہ طبقات الحنفیہ، ج ۲، ص ۲۶)

سفیان ثوری کہتا ہے: جس نے بھی حضرت علیؑ سے جنگ کی ہے حضرت علیؑ اس سے زیادہ حق (حکومت و خلافت) کے حق دار تھے۔ (حلیۃ الاولیاء: ابونعیم، ج ۷، ص ۳۱)

شافعی کہتا ہے: جنگِ صفین میں مارے جانے والے افراد پر خاموشی اختیار کرنا بہتر ہے کیوں کہ جس نے بھی حضرت علیؑ سے جنگ کی ہے وہ اس سے زیادہ حق کے حق دار تھے۔ (ادب الشافعی و مناقبہ: ص ۳۱۴)

ابوبکر احمد بن علی رازی الجصاص (متوفی ۳۷۰ھ) نے کہا ہے: حضرت علیؑ باغی گروہ کے ساتھ جنگ کرنے میں حق بجانب تھے اور اس میں آپؑ کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ حضرت علیؑ کے ساتھ بڑے بڑے صحابہ اور بدری اصحاب تھے جن کی قدر و منزلت سے سب خوب واقف ہیں۔ (احکام القرآن: ج ۳، ص ۴۹۲)

قاضی ابوبکر ابن العربی (متوفی ۵۴۶ھ) نے کہا ہے: حضرت علیؑ امام ہیں کیونکہ لوگوں نے ان پر اجماع اور اتفاق کیا تھا اس لیے لوگوں کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ انھیں چھوڑ دیں کیونکہ آپؑ ان سب سے زیادہ بیعت کے حق دار تھے اور حضرت علیؑ نے بیعت کو اس لیے قبول کیا کیونکہ ساری اُمت آپؑ کے گرد جمع ہوگئی تھی۔ اگر آپؑ اسے قبول نہ کرتے تو باہمی فتنہ کی وجہ سے مسلمانوں میں خون ریزی ہوتی اور اسلامی مملکت کا شیرازہ بکھر جاتا اور شاید دین بھی بدل جاتا اور اسلام کے ستون زمین بوس ہو جاتے۔

شامیوں نے حضرت علیؑ سے یہ مطالبہ کیا کہ انھیں حضرت عثمان کے قاتلوں تک رسائی دی جائے تو حضرت علیؑ نے انھیں جواب دیا: تم لوگ پہلے بیعت کے تحت امام کے تابع ہو کر حق اور انصاف کا مطالبہ کرو تو پھر وہاں تک رسائی حاصل کر سکتے ہو کیونکہ حضرت علیؑ کی رائے سب سے زیادہ مناسب اور آپؑ کی بات زیادہ راست تھی۔ اگر حضرت علیؑ ان قاتلوں کو شامیوں کے حوالے کر دیتے تو ان کے قبائل اپنے قبائلی تعصب کی بنا پر اُٹھ کھڑے ہوتے اور تیسری قبائلی جنگ شروع ہو جاتی۔ اس لیے حضرت علیؑ نے انتظار کیا تا کہ امن و امان کی صورت بہتر ہو جائے اور اسلامی حکومت مضبوط ہو جائے اور

عام بیعت کا انعقاد مکمل ہو جائے تو پھر اس بارے میں فیصلہ کیا جائے اور عدالت اپنا حکم صادر کرے۔ اس بارے میں اُمت میں اختلاف نہیں ہے کہ امامؑ کے لیے اس صورت میں قصاص لینے میں تاخیر کرنا جائز ہے، اگرچہ یہ فتنہ کے اُبھرنے اور مسلمانوں کے متفرق و پراگندہ ہونے کا باعث ہو۔

اس بیان کی روشنی میں ہر وہ شخص جس نے حضرت علیؑ کے خلاف خروج کیا تھا، وہ باغی ہے۔ اسلامی نکتۂ نظر سے باغی کے ساتھ جنگ کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے اور صلح کے ساتھ امامؑ کی تابعداری کرے۔ بے شک شام والوں کے ساتھ جنگ کرنا جنھوں نے امیرالمومنین حضرت علیؑ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور جمل و نہروان والوں کے ساتھ جنگ کرنا صحیح تھا۔ اُن تمام لوگوں کا یہ فرض بنتا تھا کہ وہ امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے سامنے بیٹھتے اور پھر جو اپنی آنکھوں سے دیکھتے اس کا مطالبہ کرتے لیکن جب انھوں نے ایسا طریقہ نہیں اپنایا تو وہ باغی قرار پائے۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مقدس فرمان میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ (سورۂ حجرات: آیہ ۹)

''پس جو گروہ بغاوت و زیادتی کرے تم اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے''۔

معاویہ نے سعد بن ابی وقاص [1] کو اس بات پر بُرا بھلا کہا کہ تم نے علیؑ کے خلاف جنگ میں شرکت نہیں کی تو سعد نے اسے جواب دیا: ہاں! مجھے اس بات پر پشیمانی ہوئی کہ میں نے باغی گروہ سے جنگ کرنے کے میں دیر کر دی ہے۔ اس

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۹۷ پر امیرالمومنینؑ کی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، حسان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید الخدری، محمد بن مسلمہ، نعمان بن بشیر، زید بن ثابت، رافع بن خدیج، فضالہ بن عبید، کعب بن عجرہ، عبداللہ بن سلام، صہیب بن سنان، سلامہ بن سلامہ بن وقش، اسامہ بن زید، قدامہ بن مظعون اور مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔
ابومنصور عبدالقاہر بغدادی نے اصول الدین: ص ۲۹۰، باقلانی نے التمہید: ص ۲۳۳، ابن تیمیہ نے الفتاویٰ المصریۃ: ج ۴، ص ۲۲۶ اور ابوجعفر طبری نے اپنی تاریخ اخبار الملوک والامم: ج ۳، ص ۱۵۳ پر ان لوگوں کا ذکر کیا ہے۔
ذہبی نے سیر اعلام النبلاء: ج ۱، ص ۷۹ تا ۸۳ پر سعد بن ابی وقاص کے بارے بیعت میں غیر آمادگی کا تذکرہ کیا ہے اور اس نے لکھا ہے کہ اس کا عذر خدا اور اس کے رسولؐ کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس کا یہ عذر تھا: ''میں اس وقت تک کسی کی بھی پیروی نہیں کروں گا جب تک اسے ایک ایسی تلوار عطا نہ کی جائے کہ جو ایک زبان رکھتی ہو اور دو آنکھیں تاکہ ان کے ذریعے کافر اور مومن کی پہچان ہو سکے۔ الاستیعاب میں سعد بن ابی وقاص کے ذکر میں مرقوم ہے: معاویہ نے اسے خط میں شعر لکھا کہ وہ میری طرف مائل ہو جائے اور سعد نے اسے جواباً درج ذیل اشعار لکھے:

اتطمع فی الذی اعطی علیاً   علی ما قد طمعت به العفاء
لیوم منه خیر منك حیاً   ومیتاً انت للمرء الفداء
فاما امر عثمان فدعه   فان الرأی اذهبه البلاء

کی مراد امیر شام اور اس کے ساتھی تھے۔ (احکام القرآن: ج ۲، ص ۲۲۴-۲۲۵، مطبوعہ مصر ۱۳۳۱ھ)

ابوبکر محمد باقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے بعض فضائل ذکر کرنے کے بعد یہ بیان کیا ہے:

بے شک! حضرت علیؑ بعض خصوصیات اور فضائل کی وجہ سے خلافت کے لیے موزوں اور امامت کے زیادہ حق دار تھے۔ اگر ان کی ذات گرامی میں غور وفکر کیا جائے اور ان کی ولایت کو دیکھا جائے تو وہی خلافت و امامت کے حقیقی وارث تھے۔ حضرت عثمان کے قتل کے تیسرے دن جب مہاجرین و انصار کے سرکردہ لوگوں نے آپؑ کی بیعت کر لی تو اس کے بعد آپؑ کی اطاعت اور تابع داری کرنا مسلمانوں پر واجب تھا حالانکہ آپؑ لوگوں کو اپنی بیعت سے روک رہے تھے لیکن لوگ آپؑ کی بیعت پر اصرار کر رہے تھے کیونکہ آپؑ باقی تمام لوگوں سے اعلم، افضل اور خلافت و امامت کے زیادہ حق دار تھے۔ لوگوں نے آپؑ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہا کہ باقی امت کی حفاظت کریں اور دارالہجرت کو بچالیں۔ پھر ان تمام لوگوں نے طلحہ و زبیر کے آنے سے پہلے آپؑ کی بیعت کر لی تھی اور ان دونوں (طلحہ و زبیر) نے بھی دوسروں کی پیروی کرتے ہوئے آپؑ کی بیعت کر لی کیونکہ اب ان دونوں پر حضرت علیؑ کی بیعت کرنا واجب ہو چکا تھا۔ اگر یہ دونوں آپؑ کی اطاعت اور تابع داری کرنے میں دیر کرتے تو گناہ گار ٹھہرتے ــــ ان دونوں کا حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا بَایَعْنَاكَ مُكْرَهَيْنِ [1]
''ہم نے ناپسندیدگی سے تمھاری بیعت کی تھی''۔

ان کا یہ کہنا حضرت علیؑ کی امامت پر اثر انداز نہیں ہوتا کیونکہ ان دونوں کے بیعت کرنے سے پہلے آپؑ کی بیعت کا انعقاد ہو چکا تھا اور ان دونوں کا حضرت عثمان کے قاتلوں کو قتل کرنے کا مطالبہ غلط تھا کیونکہ کسی شخص کی امامت کو اس بات سے مشروط کرنا کہ وہ ایک قتل کے بدلے میں پوری ایک جماعت کو قتل کرے تو یہ ہرگز درست نہیں کیونکہ امامؑ اپنے اجتہاد کی پیروی کرتا ہے۔ بعض اوقات اس کا اجتہاد یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ایک شخص کے قتل کے بدلے میں پوری ایک جماعت کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر اس کا اجتہاد اس کے برعکس نتیجہ اخذ کرے (یعنی وہ ایک شخص کے قتل کے بدلے پوری ایک جماعت کو قتل کر دے) تو بعض اوقات وہ دوبارہ اجتہاد کرتا ہے تو وہ اسی نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت علیؑ ایک شخص کے بدلے میں پوری ایک جماعت کو قتل کرنا جائز سمجھتے تھے تو اس وقت تک حضرت عثمان کے تمام قاتلوں کو قتل کرنا جائز نہیں تھا جب تک ان قاتلوں کے خلاف ایسی گواہی ثابت نہ ہو کہ ان گواہوں نے

← ''جو کچھ حضرت علیؑ کو عطا کیا گیا ہے کیا تم بھی اس کے حریص ہو تو تمھیں اپنی ایسی اُمیدوں کو خیرباد کہہ دینا چاہیے۔ حضرت علیؑ کا ایک دن تمھاری ساری زندگی سے بہتر ہے اور تمھیں اپنی جان اس شخص پر فدا کر دینی چاہیے اور عثمان کے متعلق تم بات نہ کرو کیونکہ وہ رائے اور سوچ، رنج والم اور مصیبت کے ساتھ ختم ہو گئی''۔

[1] مستدرک الحاکم: ج ۳، ص ۱۱۴ پر ہے کہ سب سے پہلے طلحہ نے حضرت علیؑ کی بیعت کی تو حضرت علیؑ نے فرمایا: یہ بیعت توڑ دی جائے گی۔

انھیں اپنی آنکھوں سے قتل کرتے ہوئے دیکھا ہے اور حضرت عثمان خون کے وارث ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے باپ اور سرپرست کے خون کا مطالبہ نہ کریں۔ یہ اس صورت میں بھی جائز نہیں ہوتا اگر یہ بہت بڑے فساد اور امن وامان میں سخت خلل کا باعث ہو جیسے حضرت عثمان کے قاتلوں کا معاملہ یا اس سے بھی بڑے فساد کا اندیشہ ہو تو حد کو جاری کرنے کے لیے مناسب وقت تک تاخیر کرنا زیادہ بہتر اور اُمت کے بہترین مفاد میں ہوتا ہے اور اس سے فساد کا خاتمہ ہوتا ہے۔(التمهید: ص ۲۲۹-۲۳۲)

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف حاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ھ) کہتے ہیں: امیرالمومنینؑ حضرت علیؑ کی بیعت کے متعلق وارد ہونے والی تمام روایات صحیح ہیں اور ان پر علماء مسلمین کا اجماع ہے۔ ان میں سے ایک روایت کے مطابق خزیمہ بن ثابت بیعت کے بعد منبر کے سامنے کھڑے ہو کر کہتا ہے:

اذا نحن بایعنا علیًا فحسبنا — ابوحسن مما نخاف من الفتن

وجدناه اولی الناس بالناس انه — اطب قریش بالکتاب وبالسنن

وانّ قریشاً ما تشق غباره — اذا ما جریٰ یوماً علی الضمر البدن

وفیه الذی فیهم من الخیر کله — وما فیهم کل الذی فیه من حسن

''جب ہم نے حضرت علیؑ کی بیعت کی تو ہم نے کہا کہ ہمیں جن فتنوں کا ڈر ہے اس سے بچانے کے لیے ابوحسنؑ ہمارے لیے کافی ہیں۔ ہم نے انھیں تمام لوگوں سے بہتر پایا ہے وہ قریش کے تمام افراد سے زیادہ قرآن مجید اور سنت کو جاننے والے ہیں۔

قریش میں سے کوئی ان پر سبقت نہیں لے سکتا جب کہ وہ کسی دن اپنی چھوٹی زرہ کے ساتھ گھوڑے پر تیز رفتاری سے بڑھ رہے ہوں۔ جتنی بھلائیاں اور نیکیاں قریش کے سارے افراد میں ہیں وہ سب حضرت علیؑ میں موجود ہیں لیکن حضرت علیؑ میں جو تمام اچھائیاں پائی جاتی ہیں وہ ان سب میں موجود نہیں ہیں''۔

ذھبی نے اس سارے واقعہ کو تلخیص المستدرک میں ذکر کیا ہے(المستدرک: ج ۳، ص ۱۱۵)۔ پھر حاکم نے عبداللہ بن عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: مجھے درج ذیل آیت کے بارے میں کبھی ہچکچاہٹ اور تردد نہ ہوا مگر یہ کہ میں نے اس باغی گروہ (جنگِ صفین میں شامی لشکر) سے جنگ نہیں کی جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے حکم دیا تھا اور وہ سورۂ حجرات کی آیت نمبر ۹ ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (سورۂ حجرات: آیہ ۹)

''جو لوگ سرکشی اور بغاوت کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرلیں''۔(المستدرک: ج ۲، ص ۴۶۳)

حاکم نیشاپوری نے ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے: ہم نے اس قول کا عہد کر رکھا تھا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ جس نے بھی امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے ان کی خلافت کے بارے میں جھگڑا کیا وہ باغی ہے۔ ابن ادریس کی بھی اس کے متعلق یہی رائے ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث: ص ۸۴)

ابو منصور عبدالقاہر بغدادی (متوفی ۴۲۹ھ) کہتا ہے: اہلِ حق کا حضرت علیؑ کی امامت کے صحیح ہونے پر اجماع ہے اور آپؑ کو حضرت عثمان کے قتل کے بعد امامت و خلافت کے لیے متعین کیا گیا اور بے شک! آپؑ جمل والوں اور صفین میں معاویہ کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کرنے میں حق بجانب تھے۔ (اصول الدین: ص ۲۸۶-۲۹۲)

ابو اسحاق ابراہیم بن علی شیرازی فیروز آبادی (متوفی ۴۷۶ھ) کہتا ہے: اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ امامؑ کے خلاف خروج کرے اور تاویل کرتے ہوئے اس کو معزول کریں یا اپنی سوچ کے مطابق اس کے حق کو روکے رکھیں اور امام کی اطاعت سے منحرف ہوتے ہوئے ان کے خلاف بغاوت کریں تو امام کو ان سے جنگ کرنی چاہیے کیونکہ پروردگار کا ارشاد ہے:

فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (سورۂ حجرات: آیہ ۹)

"اگر دو گروہوں میں سے ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کرے تو باغیوں سے جنگ کرو"۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے ساتھ اور حضرت علیؑ نے جنگِ جمل کے دن بصرہ والوں کے ساتھ، صفین میں معاویہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ اور نہروان میں خوارج کے ساتھ جنگ کی تھی۔ (المھذب فی الفقہ الشافعی: ج ۲، ص ۲۳۴، مطبوعہ مصر ۱۳۴۳ھ)

ان حقائق سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کا ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنا درست تھا اس لیے کہ آپؑ حق کے امام تھے اور ان لوگوں کی گردنوں پر آپؑ کی بیعت واجب تھی اور ان کا آپؑ کی اطاعت و فرماں برداری سے خارج ہونا اگرچہ وہ اس کی تاویل بیان کرتے ہوں تو ان کی اس تاویل سے ان کے عمل کو ہرگز بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

امام الحرمین جوینی (متوفی ۴۷۸ھ) کہتا ہے: حضرت علیؑ امامت و خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے لحاظ سے حق سچ کے امام تھے اور ان سے جنگ کرنے والے باغی و سرکش تھے۔ (الارشاد فی اصول الاعتقاد: ص ۴۳۳)

علاء الدین کاسانی حنفی (متوفی ۵۸۷ھ) کہتا ہے: سیّدنا علیؑ نے صحابہ کی موجودگی میں نہروان کے مقام اہلِ حروراء کے ساتھ جنگ کی تھی اور یہ جنگ نبی اکرمؐ کے سیّدنا حضرت علیؑ کے متعلق اس فرمان کی تصدیق تھی کہ "اے علیؑ! آپ قرآنِ مجید کی تاویل پر اسی طرح جنگ کریں گے جیسے میں نے اس کی تنزیل پر جنگ کی ہے"۔ حضرت علیؑ کا قرآنِ مجید کی تاویل پر جنگ کرنا خوارج کے ساتھ جنگ ہے اور یہ حدیث نبویؐ سیّدنا حضرت علیؑ کی امامت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کی تاویل پر جنگ کو اپنی تنزیل پر جنگ سے تشبیہ دی ہے اور رسولِ خدا تنزیل پر جنگ کرنے میں

حق بجانب تھے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سیدنا حضرت علیؑ ان لوگوں کے ساتھ تاویل پر جنگ کرنے میں بھی حق بجانب تھے کیونکہ حضرت علیؑ کا پیغام ان تک پہنچ چکا تھا جب کہ وہ لوگ اسلامی مملکت میں قیام پذیر تھے اور مسلمان تھے۔

لہٰذا ہر اس شخص پر امامؑ کے حکم پر لبیک کہنا ضروری ہے جسے امامؑ ان لوگوں کے خلاف جنگ کے لیے بلائیں اور اگر اس کے پاس قدرت و طاقت بھی ہو تو اس کے لیے جنگ سے پیچھے ہٹنا جائز نہیں کیونکہ ہر اس کام میں امام کی اطاعت فرض ہے جس میں خدا کی نافرمانی نہ ہو۔ پس! جس کام میں امام کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم ہو اس کی خلاف ورزی کیسے کی جاسکتی ہے؟!

ابوحنیفہ سے جو یہ بات مروی ہے کہ جب مسلمانوں کے درمیان فتنہ اور محاذ آرائی واقع ہو تو انسان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں ہی بیٹھے۔ ان کا یہ قول کسی خاص وقت پر محمول کیا جائے گا کہ جب امامؑ نے جنگ کے لیے نہ پکارا ہو بلکہ عام مسلمان اس کا تقاضا کر رہے ہوں لیکن اگر امام جنگ کے لیے پکارے تو اس کی پکار پر لبیک کہنا واجب ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ (بدائع الصنائع: ج ۷، ص ۱۴۰، احکام المرتدین)

یحییٰ بن شرف نووی شافعی (متوفی ۶۷۷ھ) کہتے ہیں: حضرت علیؑ ان جنگوں میں حق بجانب اور صحیح راستے پر تھے۔ بڑے بڑے صحابہ کرام، تابعین اور علمائے اسلام یہ کہتے ہیں کہ فتنوں کے نمودار ہونے پر حق پر ہونے والے کی نصرت و مدد کرنا اور ان کے ساتھ مل کر باغیوں سے جنگ کرنا واجب ہے کیونکہ پروردگار کا ارشاد ہے: "باغیوں سے جنگ کرو" (سورۂ حجرات: آیت ۹) اور یہی قول صحیح ہے۔ (شرح صحیح مسلم: ارشاد الساری کے حاشیہ پر، ج ۱۰، ص ۳۳۶ اور ۳۳۸)

ابن ہمام الحنفی (متوفی ۶۸۱ھ) کہتے ہیں: حضرت علیؑ جمل والوں اور صفین میں معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے میں حق پر تھے کیوں کہ نبی اکرمؐ کا حضرت عمار یاسر کے متعلق فرمان ہے: تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ "آپ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا"۔ حضرت عمار یاسر کو معاویہ کے ساتھیوں نے شہید کیا تھا۔ اس فرمان سے یہ واضح اور آشکار ہو جاتا ہے کہ وہ گروہ معاویہ اور اس کے ساتھی تھے۔ حضرت عائشہ نے جنگِ جمل کے بعد اس جنگ پر ندامت اور پشیمانی کا اظہار کیا جیسا کہ ابو عمرو نے "الاستیعاب" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے عبداللہ بن عمر سے کہا: اے عبدالرحمٰن کے باپ! تم نے مجھے اس سفر سے کیوں نہ روکا تھا؟

عبداللہ بن عمر نے حضرت عائشہ کو جواب دیا: کیونکہ میں نے یہ ملاحظہ کیا کہ وہ شخص (عبداللہ ابن زبیر) آپ پر غالب ہو چکا ہے۔

حضرت عائشہ نے کہا: اگر تم مجھے منع کرتے تو میں ہرگز اس سفر (جنگِ جمل) کے لیے نہ نکلتی۔ [1]

---

[1] فتح القدیر: ج ۵، ص ۴۶۱، کتاب القضاء ادب القاضی، تاریخ طبری: ج ۵، ص ۲۲۱ پر ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا: اے کاش! میں جمل کے دن سے بیس سال پہلے مر چکی ہوتی، اور "العقد الفرید" میں ج ۲، ص ۲۸۸ پر اصحاب جمل کے ذکر کے تحت بھی مرقوم ہے۔ معارف ابن قتیبہ میں ہے کہ حضرت عائشہ سے کسی نے پوچھا: کیا ہم آپ کو رسولؐ خدا کے ساتھ دفن کریں؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں۔

ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کہتا ہے: جب حضرت عثمان کا قتل ہوگیا تو لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کرلی کیونکہ آپؑ اس وقت دوسروں سے زیادہ خلافت کے حق دار اور افضل تھے لیکن مسلمانوں کے دل پراگندہ اور فتنہ کی آگ بھڑک چکی تھی، تمام لوگوں کا ایک رائے پر اتفاق نہیں تھا اور مسلمان منظم نہیں تھے۔ خلیفہ کو مکمل طور پر طاقت و دسترس حاصل نہ تھی اور نہ ہی اُمت کے سرکردہ افراد اُمت کی بہتری کے لیے اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنا سکتے تھے یہاں تک کہ حروراء کے لوگ مارقین اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے امیرالمومنین حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کی۔ حضرت علیؑ نے خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق ان لوگوں کو قتل کردیا۔ آپؑ نبیؐ کے اس فرمان کی اطاعت کررہے تھے: ''خوارج کے گروہ کو ان دو فریقوں میں سے وہ فریق قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا''۔

حضرت علیؑ اور آپؑ کے ساتھیوں نے انھیں قتل کیا تھا۔ پس! نبیؐ کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت علیؑ اور آپؑ کے ساتھی معاویہ اور اس کے ساتھیوں کی نسبت حق سے زیادہ قریب تھے۔ (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ج ۲، ص ۲۵۱)

ابن تیمیہ کہتا ہے: ہر وہ فرقہ جو شیعیت کا دعوے دار ہے وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ خلافت کے معاملہ میں معاویہ ہرگز حضرت علیؑ کی برابری نہیں کرسکتا اور حضرت علیؑ کے خلیفہ بننے کے امکان کے ساتھ معاویہ کا خلیفہ بننا جائز نہیں ہے۔ بے شک! حضرت علیؑ کی فضیلت، اسلام قبول کرنے میں پہل، علم، دین، ان کی شجاعت اور ان کے دیگر تمام فضائل یہ ایسی خصوصیات تھیں جو معروف ہیں۔ اس وقت شوریٰ کے اراکین میں سے حضرت علیؑ اور سعد کے علاوہ کوئی باقی نہیں بچا تھا مگر سعد نے اس امر خلافت کو ترک کردیا اور حضرت عثمان کی وفات ہوگئی۔ تو اب صرف حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی مخصوص شخصیت خلافت کے لیے باقی نہیں بچی تھی۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ج ۴، ص ۲۲۴)

زیلعی (متوفی ۷۶۲ھ) کہتا ہے: اس وقت حق حضرت علیؑ کے ساتھ تھا۔ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپؐ نے حضرت عمار یاسرؓ کے متعلق فرمایا تھا کہ ''تمھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا''۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عمار یاسرؓ اس معرکۂ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے اور انھیں معاویہ کے ساتھیوں نے شہید کیا۔

زیلعی مزید کہتا ہے: اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جمل میں حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ کرنے والے طلحہ، زبیر، عائشہ اور ان کے ساتھی تھے اور صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ کرنے والا معاویہ اور اس کا لشکر تھا اور اس میں حضرت علیؑ حق بجانب تھے۔ پھر وہ کہتا ہے: جب حضرت علیؑ مسندِ خلافت پر تشریف فرما ہوئے تو معاویہ شام میں تھا اور اس نے کہا کہ میں علیؑ کو کسی چیز کی پیش کش نہیں کروں گا اور نہ ہی اس کی بیعت کروں گا اور نہ میں اس کے پاس جاؤں گا۔ (نصب الرایۃ: ج ۴، ص ۶۹، باب ادب القاضی میں اس بارے میں رہنمائی کرنے والی احادیث کے تحت یہ مذکور ہے۔)

ابن قیم جوزی (متوفی ۷۵۱ھ) کہتا ہے: حضرت علیؑ اپنے دور میں اُمتِ مسلمہ کے ان افراد میں سے تھے جنھوں نے

اسلام قبول کرنے میں پہل کی اور حضرت علیؑ ان سب سے افضل تھے۔ جب آپؑ کو خلیفہ بنایا گیا تھا تو اس وقت مسلمانوں میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو آپؑ سے زیادہ اس منصب کا حق دار ہوتا۔ (بدائع الفوائد: ج ۳، ص ۲۰۸، ابن قیم جوزی)

ابوعبداللہ ابن محمد بن مفلح حنبلی (متوفی ۷۶۳ھ) کہتا ہے: حضرت علیؑ معاویہ سے زیادہ حق کے نزدیک تھے اور وہ باغیوں کے ساتھ جنگ کرنے میں سب سے زیادہ انصاف پسند تھے۔ اس معاملے میں بعض لوگ حضرت علیؑ کی مکمل کر حمایت کرتے تھے اور بعض خاموشی اختیار کر لیتے تھے۔ ابن ہبیرہ نے ابوبکرہ کی اس حدیث "فتنہ کی صورت میں جنگ نہ کرو" کے بارے میں کہا ہے کہ یہ قتلِ عثمان کے بارے میں ہے لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے متعلق مسلمانوں میں سے کوئی فرد بھی حضرت علیؑ سے پیچھے نہیں ہٹا۔ سعد بن ابی وقاص، عبداللہ ابن عمر، اسامہ، محمد بن مسلمہ اور مسروق اور احنف جنھوں نے حضرت علیؑ کا ساتھ نہیں دیا تھا اور گھروں میں بیٹھے رہے وہ بعد میں اس پر پچھتائے۔ عبداللہ ابن عمر اپنی موت کے وقت یہ کہتا رہا: "میں دنیا سے اس حالت میں جا رہا ہوں کہ میرے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت نہیں ہے کہ میں حضرت علیؑ کا ساتھ نہ دے سکا"۔ اسی طرح مسروق اور دیگر افراد کا حضرت علیؑ کا ساتھ نہ دینے پر حسرت و پشیمانی کا اظہار منقول ہے۔ (الفروع: ج ۳، ص ۵۴۲ اور ۵۴۳)

ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کہتا ہے: حضرت علیؑ نے جنگِ جمل اور جنگِ صفین وغیرہ میں جن لوگوں سے جنگ کی تھی حضرت علیؑ ان جنگوں میں حق بجانب اور راہِ راست پر تھے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری: ج ۱۲، ص ۲۴۴، کتاب استتابۃ المرتدین، باب ترک قتال الخوارج للتالیف)

محمود العینی (متوفی ۸۵۵ھ) جمہور علماء سے نقل کرتا ہے کہ انھوں نے واضح طور پر یہ کہا ہے: حضرت علیؑ اور ان کا گروہ راہِ راست پر تھا جب کہ اس وقت روئے زمین پر حضرت علیؑ سے افضل اور خلافت کے متعلق ان سے زیادہ کوئی حق دار نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری فی شرح صحیح بخاری: ج ۱۱، ص ۳۴۶، کتاب الفتن)

ابن حجر الہیثمی (متوفی ۹۷۴ھ) کہتا ہے: اہلِ جمل اور صفین والوں نے حضرت علیؑ پر یہ تہمت لگائی تھی کہ آپؑ حضرت عثمان کے قاتلوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں حالانکہ آپؑ قتلِ عثمان سے بری تھے اور اس قتل سے آپؑ کا کوئی تعلق نہ تھا۔ [1]

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۲، ص ۲۴۰ پر ہے کہ محمد بن سیرین کہا کرتے تھے: میں نے کہیں یہ نہیں پڑھا کہ حضرت علیؑ کی بیعت سے پہلے ان پر حضرت عثمان کے قتل کی تہمت لگائی گئی ہو بلکہ جب آپؑ کی بیعت کر لی گئی تو لوگوں نے انھیں قتلِ عثمان سے متہم کیا۔ باقلانی نے اپنی کتاب "التمہید" ص ۲۳۵ پر تحریر کیا ہے کہ حضرت علیؑ بصرہ میں یہ فرمایا کرتے تھے: "خدا کی قسم! میں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی میں نے اس کے قتل میں مدد کی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کیا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں"۔ لوگوں نے یہ گمان کیا کہ آپؑ یہ فرما کر کہ "میں اس کے ساتھ ہوں" اپنے قتل کی خبر دے رہے ہیں حالانکہ آپؑ یہ فرمانا چاہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عثمان کو موت دی ہے وہی میری موت کا سبب ہوگا۔ یعنی اگر ←

پھر وہ مزید لکھتا ہے: امام پر باغیوں سے جنگ کرنا واجب ہے کیونکہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور وہ اس وقت تک ان سے جنگ نہ کرے یہاں تک کہ ان کے پاس ایک ایسا شخص بھیجے جو امین، عادل، زیرک اور نصیحت کرنے والا ہو، تا کہ وہ ان لوگوں سے ان اُمور کے متعلق سوال کرے جو وہ امامؑ پر تہمتیں اور عیب لگاتے ہوں تا کہ اس معاملے میں حضرت علیؑ کی سیرت پر عمل کیا جائے۔ جیسے انھوں نے نہروان میں خوارج کے پاس ابن عباس کو بھیجا تھا اور اس کے بعد بعض افراد حضرتؑ کی اطاعت میں دوبارہ آ گئے تھے۔ (تحفۃ المحتاج، شرح المنھاج: نووی، ج ۴، ص ۱۱۰-۱۱۲)

شھاب الخفاجی (متوفی ۱۱۰۰ھ) کا قول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا"۔ حضرت عمار کو جنگِ صفین میں اس وقت معاویہ کے ساتھیوں نے شہید کیا جب وہ حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ یہ حدیث واضح

← میں نے عثمان کے قتل میں شرکت کی ہے تو میرے ساتھ بھی ایسا ہو جیسا اس کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ انھوں نے قسم اُٹھائی تھی اور وہ اس میں صادق ہیں کہ نہ تو انھوں نے عثمان کو قتل کیا ہے اور نہ ہی اس میں مدد کی ہے۔

"العقد الفرید" باب براءۃ علی من دم عثمان (حضرت علیؑ کا خونِ عثمان سے بری الذمہ ہونا) ج ۲، ص ۲۷۴ پر مرقوم ہے کہ حضرت علیؑ کوفہ میں فرمایا کرتے تھے: اگر خاندانِ بنواُمیہ والے چاہیں تو میں ان کے ساتھ کعبہ میں پچاس قسموں کے ساتھ مباہلہ کرنے کو تیار ہوں کہ میں نے عثمان کے خلاف کسی کام کا آغاز نہیں کیا۔ ابن تیمیہ کی "الفتاویٰ المصریہ" ج ۴، ص ۲۲۴ پر مرقوم ہے کہ حضرت علیؑ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ انھوں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس کے قتل پر راضی ہوئے حالانکہ وہ قسم کھائے بغیر بھی نیکوکار اور صادق ہیں۔ "تاج العروس شرح القاموس" ج ۸، ص ۱۱۳، مادہ نفل انفل الحلف کے تحت حضرت علیؑ سے حدیث منقول ہے: آپؑ نے فرمایا: اگر بنواُمیہ رضامند ہوں تو ہم بنوہاشم پچاس قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہ تو عثمان کو قتل کیا ہے اور نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا پتا ہے۔ ابن سکیت کی "اصلاح المنطق" مادہ "ملاء" باب مایھمز وترک العامۃ ھمزہ کے تحت حضرت علیؑ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے نہ تو عثمان کو قتل کیا اور نہ ہی اس کے لیے کسی کی مدد کی تھی۔

نصر کی کتاب "صفین" ص ۶۰، مطبوعہ مصر میں مرقوم ہے کہ مغیرہ بن اخنس اسی دن عثمان کے ساتھ گھر میں مارا گیا اور اس کے بیٹے نے اس بارے میں اشعار کہے جس میں بیان کیا کہ حضرت علیؑ ان لوگوں کے ساتھ قتل میں ہرگز شریک نہیں تھے، اس کے اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے:

فأما علی فاستغاث ببیتہ فلا آمر فیھا ولم یك ناھیًا

"البتہ علیؑ تو ان سے عثمان نے اپنے گھر میں مدد طلب کی اور انھوں نے اس بارے میں نہ تو حکم دیا اور نہ ہی کسی کو اس سے روکا"۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ: ج ۱، ص ۱۱۲، مطبوعہ مصر میں ایک جملہ لکھا ہے جو اِن حوادث و واقعات کے متعلق گہری سوجھ بوجھ کا پتا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے: معاویہ حضرت علیؑ سے بہت زیادہ ناراض تھا کیونکہ جنگِ بدر کے دن حضرت علیؑ نے اس کے بھائی حنظلہ اور اس کے ماموں ولید کو قتل کیا تھا اور وہ اس کے نانا عتبہ یا شیبہ کے قتل میں بھی شریک تھے۔ آپؑ نے بنوعبدالشمس کے چیدہ چیدہ افراد کو قتل کر دیا۔ اس وجہ سے معاویہ نے یہ مشہور کر دیا کہ عثمان کا قتل علیؑ نے کیا ہے یا وہ سارے قاتل اس کے ساتھی ہیں۔ "کامل المبرد" ج ۲، ص ۲۴۰ پر ہے: عروہ بن زبیر کہا کرتا تھا کہ حضرت علیؑ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے کہ وہ قتلِ عثمان پر کسی کی معاونت کریں۔

طور پر بتاتی ہے کہ خلیفہ برحق حضرت علیؑ ہیں۔ معاویہ نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی اور وہ باغیوں میں سے ایک باغی گروہ قرار پایا۔ باغی وہ ہوتا ہے جو امامؑ کے خلاف ناحق خروج کرے۔

رسولِ خدا سے حدیث منقول ہے: ''جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو سمیہ کا بیٹا حق کے ساتھ ہوگا''۔ اس حدیث میں سمیہ کے بیٹے سے مراد حضرت عمار ہیں جو حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے مرہونِ منت ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور حضرت عثمان کے قاتلوں کو کسی دوسرے گروہ کے حوالے نہ کرنے پر ان کا اجتہاد درست تھا۔ (شرح الشفاء: ج ۳، ص ۱۱۶، مطبوعہ ۱۳۲۶ھ)

شوکانی (متوفی ۱۲۵۵ھ) نے نبی اکرم ﷺ کی حدیث ابوسعید سے نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میری اُمت دو گروہوں میں بٹ جائے گی اور ان میں سے جو گروہ ظلم و تجاوز کرتے ہوئے خروج کرے گا اُنھیں ان دو گروہوں میں سے وہ گروہ قتل کرے گا جو ان میں سے زیادہ حق کا طرف دار اور حق کے قریب ہوگا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ اور آپؐ کے ساتھی حق پر اور معاویہ اور اس کے ساتھی باطل پر تھے۔ (نیل الاوطار: ج ۷، ص ۱۳۸)

مفسر قرآن ابوالثناء آلوسی نے بعض حنابلہ کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ حنبلی علماء نے واضح طور پر باغیوں سے جنگ کرنے کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ حضرت علیؑ اپنے دورِ خلافت میں باغیوں کے ساتھ جہاد کے بجائے قتال میں مشغول رہے اور اس صورت میں یہ جہاد سے افضل ہے۔ پھر آلوسی نے عبداللہ بن عمر کی اس ندامت اور پشیمانی کا ذکر کیا ہے جس کا وہ حضرت علیؑ کے ساتھ باغیوں سے قتال میں شریک نہ ہونے کے باعث اظہار کرتے تھے۔ آلوسی نے اس کی تردید نہیں کی۔ (روح المعانی: ج ۲۶، ص ۱۵۱، مطبوعہ مصر)

محمد کرد علی کا قول ہے: حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کے قاتلوں سے قطع تعلقی اور بیزاری کا اظہار کر کے سنت کی خلاف ورزی نہیں کی۔ جن لوگوں نے انھیں قتل کیا تھا وہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی تعداد کافی زیادہ تھی اس لیے حضرت علیؑ ان سب کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ آپؐ کے لیے ممکن بھی نہیں تھا کہ ان سب افراد کو یا بعض کو گرفتار کر لیتے۔ یہ سارا واقعہ آپؐ کی منشاء کے خلاف تھا اس لیے ہرگز اس میں آپؐ کی مصلحت کارفرما نہیں تھی اور نہ ہی آپؐ یہ چاہتے تھے کہ وہ کئی قبائل کے غیظ و غضب کا نشانہ بنیں۔ ان میں وہ بھی قبائل تھے جو آپؐ کی مدد و نصرت کر رہے تھے۔ حضرت علیؑ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے: اگر بنو اُمیہ چاہیں تو وہ خاندان بنو ہاشم کے پچاس افراد کو پیش کر سکتے ہیں جو اللہ کی قسم کھا کر یہ کہیں گے کہ میں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی میں نے اس کے قتل میں مدد کی تھی۔ (الاسلام والحضارۃ العربیہ: ج ۲، ص ۳۸۰)

علمائے اہلِ سنت کی درج بالا تحریریں اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ حضرت علیؑ دوسروں سے زیادہ خلافت کے حق دار تھے اور ان پر خروج کرنے والے باغی اور جنگ و قتال کے مستحق تھے، یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آتے۔ اس لیے برگزیدہ صحابہ کرام اور تابعین حضرت علیؑ کے ہمرکاب تھے۔ ان میں سے ایک حضرت اویس قرنیؓ ہیں جو جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کی ہم رکابی میں شہید کیے گئے۔ (عمدۃ القاری: عینی، ج ۱۱، ص ۳۴۶)

عبداللہ بن عمرو بن عاص کہا کرتا تھا: مجھے کبھی کسی چیز کے بارے میں اس قدر پچھتاوا نہیں ہوا جس قدر اس باغی گروہ سے جنگ نہ کرنے کا پچھتاوا ہوا جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے حکم دیا تھا پھر وہ رسولؐ خدا کی یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: "حضرت سمیہ کے فرزند عمارؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا" لہٰذا حضرت امام علیؑ کے خلاف بغاوت کرنے والے معاویہ اور اس کے ساتھی تھے۔ جب اس سے یہ پوچھا گیا کہ تم جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ شریک کیوں نہ ہوئے تھے؟ تو اس نے ایک ایسا عذر پیش کیا جو اسے قیامت کے دن کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

اس نے جواب دیا: بے شک میں نے نہ تو کسی پر تلوار چلائی تھی اور نہ ہی کسی کو نیزہ مارا کیونکہ اللہ کے رسولؐ کا ارشاد ہے: "اپنے باپ کی فرمانبرداری کرو" اور میں نے اپنے باپ کی فرمانبرداری کی تھی۔ (عمدۃ القاری: عینی، ج ۱۱، ص ۳۴۶)

یہ اس کی طرف سے حقائق پر پردہ ڈالنے اور دھوکا دینے کی کوشش ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو خلافِ حقیقت چیز پر محمول کر کے حق کی مخالفت کیونکر کی جا سکتی ہے؟!

شریعت اس بات کو کیسے جائز قرار دے سکتی ہے کہ اس حدیث کا یہ مفہوم لیا جائے کہ اگر واجبات کو ترک کرنے یا محرمات کا ارتکاب لازم آتا ہو تو بھی باپ کی اطاعت و فرماں برداری کرنا واجب ہے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ بے شک! جس امام کی بیعت ہو چکی ہو اس کی اطاعت کرنا مسلمانوں کی گردنوں پر فرض قرار دی گئی ہے اور اس وقت اُمت کے لیے اس کے علاوہ فرار کا کوئی اور راستہ نہیں کہ وہ امام کے آگے خضوع و خشوع کا اظہار کرے اور امام انھیں جس کام کے لیے پکاریں تو اس کے حکم کی بجا آوری اُمت پر واجب ہے لیکن امام کی اطاعت و فرماں برداری کا تقابل باپ کی اطاعت و فرماں برداری سے ہرگز نہیں کر سکتے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (سورۂ لقمان: آیہ ۱۵)

"اور اگر یہ دونوں (ماں اور باپ) تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو کسی ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا جس کا تجھے علم نہیں تو اس کام میں ان کی اطاعت نہ کرو"۔

اس آیت میں امام علیہ السلام کی اطاعت بھی شامل ہے کیونکہ اس آیت میں جس شرک سے روکا گیا ہے، وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ

کی اطاعت وفرماں برداری کو ترک کرنے کے حوالے سے کنایہ ہے۔ اس آیت میں نبیؐ اور امامؑ جس کی بیعت مسلمانوں کی گردنوں پر ہو ان کی اطاعت سے رُوگردانی کا حکم بھی شامل ہے کہ جس سے منع کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضرت عائشہ جب حضرت علیؑ سے جنگ وقتال کے لیے سفر پر نکلیں تو انھوں نے بصرہ تک سفر میں پوری نماز پڑھی کیونکہ ان کی نماز قصر تب ہوتی جب وہ خدا و رسولؐ اور امامؑ کی اطاعت میں سفر کر رہی ہوتیں"۔ (نیل الاوطار: شوکانی، ج ۳، ص ۱۷۹، صلاۃ المسافر، باب من اجتاز فی بلد فتزوج فیہ)

بے شک! شریعت مقدسہ نے امامؑ پر لازم قرار دیا ہے کہ ہر وہ شخص جو اس سے بغض وعناد رکھتا ہو اور اس کی اطاعت سے خارج ہو گیا ہو تو وہ ان پر اس طرح حجت قائم کرے کہ انھیں یہ یاد دلائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں پر ان کی سرکشی اور طغیانیت کے باوجود مسلسل نعمتیں نازل کرتا رہتا ہے۔

پھر انھیں اس چیز کی معرفت کروائے کہ دنیا فانی ہے اور جو اس فانی دنیا سے دل لگا بیٹھا وہ خسارہ اٹھائے گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے جس شخص کو خواہشات نفسانی نے اندھا کر دیا ہو اس کا دل مواعظ قدسیہ اور قرآن مجید کی محکم آیات کی تلاوت سے روشن ہو جائے اور اسے رُشد و ہدایت کا راستہ نظر آ جائے اور وہ واضح حقیقت کو محسوس کرے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے تین دن تک اسی روش کو اپنایا جسے اسلامی قانون نے سنت بنایا۔ اس سے پہلے آپؑ اپنے اصحاب سے کہتے رہے کہ شریعت کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز نہ کرو۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قتال میں جلدی نہ کریں یہاں تک کہ سامنے والا فریق مومنین سے جنگ وقتال کرتے ہوئے ظلم وتعدّی کرے تاکہ ان ظالم وسرکش لوگوں پر اتمام حجت ثابت ہو جائے۔ (نہج البلاغہ: ج ۳، ص ۲۰۴، وصایا امیر المومنینؑ)

امیر المومنین حضرت علی (سلام اللہ علیہ وعلی ابنائہ المعصومین) نے جمل اور صفین اور نہروان والوں کو بہت زیادہ وعظ ونصیحت کی تاکہ قیامت کے دن ان لوگوں کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے اور جس تک ان کا پیغام پہنچے اور جو ان کے خلاف دشمنی پر مُصر ہے اس کی دلیل باطل ہو جائے اور ان کے ارشادات کے انوار کی روشنی میں اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی طرف رُشد وہدایت کرے جو ہدایت لینا چاہے اور جو راہِ حق سے بھٹکنا چاہے اسے بھٹکنے دے۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام اور روزِ عاشور

ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی روزِ عاشور کربلا میں اسی روش کو اپنایا۔ آپؑ نے اس وقت تک ان لوگوں سے جنگ و قتال نہ کی جب تک اپنے دشمنوں کو گمراہی پر کمربستہ نہ دیکھ لیا اور یہ مشاہدہ نہ کر لیا کہ یہ لوگ آپؑ کو ہر مصیبت اور تکلیف میں مبتلا کر کے آپؑ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپؑ، آپؑ کے اہل و عیال اور اصحاب پر پانی تک کو بند کر دیا جس کے بارے میں بانی شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تمام لوگ پانی اور (اپنے جانوروں کے لیے) چراگاہ کے متعلق برابر حقوق رکھتے ہیں"۔

کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام اس کے ذریعے ان لوگوں پر حجت تمام کرنا چاہتے تھے، اس لیے آپؑ ان ضلالت و گمراہی میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطاب کر رہے تھے تاکہ وہ لوگ ان کی دلیل و حجت پر سنجیدگی سے غور کریں۔ آپؑ نے سب سے پہلے اس فانی دنیا کا خسارہ بیان کیا کہ جو بھی دنیا سے دل لگائے گا اس کے پاس گھاٹے کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔ پھر آپؑ نے ان لوگوں کو پیغمبرؐ اسلام کے نزدیک اپنی قدر و منزلت اور مقام و مرتبہ سے آگاہ کیا اور یہ بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی حسن مجتبیٰؑ کے متعلق یہ شہادت (گواہی) دی تھی کہ یہ دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ یہ شہادت وہ نبیؐ دے رہا تھا جو اپنی خواہشات سے کلام نہیں کرتا بلکہ وحی الٰہی کی ترجمانی کرتا ہے۔ آپؑ نے یہ اس لیے بتایا تاکہ لوگ نبیؐ کی اس شہادت سے حق و باطل میں فرق معلوم کر سکیں۔

آپؑ نے ان لوگوں کو اس حقیقت کی بھی یاددہانی کروائی کہ اگر میرے پاس ان کا مال یا اور کوئی چیز اور حق ہے تو وہ بھی انھیں واپس لوٹانے کو تیار ہوں۔ آخر میں آپؑ نے قرآن مجید کو اپنے سر پر اُٹھا کر انھیں اس بات کی دعوت دی کہ میرے اور تمھارے درمیان یہ قرآن فیصلہ کرے گا لیکن جب آپؑ نے یہ ملاحظہ کیا کہ ان لوگوں پر ان قیمتی نصیحتوں کا کچھ اثر نہیں ہُوا تو آپؑ پر یہ واضح ہو گیا کہ یہ لوگ اپنی سرکشی پر ڈٹے ہوئے، خدا اور اس کے رسولؐ کی حکم عدولی پر اصرار کر رہے ہیں۔ پھر آپؑ نے ان کی اُن پست و حقیر حرکتوں سے پردہ اُٹھا دیا جن کی وجہ سے وہ بلند ہونا چاہتے تھے اور اولادِ علیؑ کی اس خودداری سے حجاب ہٹایا جس خودداری کا سبق انھوں نے دن رات پڑھا تھا۔ یہ خودداری ان کی فیاضی کے دروازے کے چکر لگاتی ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

الا وان الدعی ابن الدعی قد رکزنی بین اثنتین بین السلة والذلة، وهیهات منا الذلة، یأبی الله لنا ذلك ورسوله والمؤمنون وحجور طابت وطهرت وانوف حمیة ونفوس أبیة من أن نؤثر طاعة اللئام علی مصارع الکرام ألا وانی زاحف بهذه الأسرة علی قلة العدد وخذلان الناصر

"آگاہ ہوجاؤ! اس دعویدار باپ کے دعویدار بیٹے نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا ہے کہ یا تو تلوار کو قبول کروں یا ذلت کو۔ اور ہم سے ذلت کو قبول کرنا بعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ، رسولؐ خدا اور مومنوں کے لیے یہ بات قابلِ قبول نہیں ہے کہ وہ ذلت قبول کریں۔ پاکیزہ ماؤں کی پاکیزہ گودیں اور غیرت مند آباء و اجداد کے غیرت مند افکار و نظریات ہمیں ہرگز ذلت کو قبول کرنے اور پست لوگوں کے آگے جھک جانے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ہم عزت کی موت کو ذلت و پستی پر مقدم رکھتے ہیں۔ تم سب آگاہ ہوجاؤ! میں اس چھوٹی سی جماعت اور مددگاروں کی تعداد کی کمی کے باوجود اور مدد کا وعدہ کر کے چھوڑ جانے والوں کے باوجود جہاد کے لیے تیار ہوں"۔

سیّد حیدر حلّی نے کیا خوب کہا ہے:

کیف یلوی علی الدنیة جیداً — لسوی الله مالواه الخضوع

ولدیه جأش أردمن الدرع — لظمأی القنا وهن شروع

وبه یرجع الحفاظ لصدر — ضاقت الأرض وهیی فیه تضیع

فأبی أن یعیش الا عزیزاً — أو تجلی الکفاح وهو صریع

"اصولوں کی پاس داری کرنے والے امام حسینؑ اس قدر پست کیسے ہوسکتے ہیں وہ صرف خدا کے آگے جھکتے اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے پاس ایسا دلیر دل ہے جو زرہ سے زیادہ دشمن کے حملوں کو رد کرتا ہے اور نیزوں کی پیاس بجھانے سے پہلے وہ خود شہادت کے متمنی ہیں۔ اور جب کسی پر زمین تنگ کردی جائے تو سینے کی حفاظت کرنے والے ان کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں اور اب یہ زمین ان پر ہی تنگ کردی گئی۔ امام حسینؑ ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے ذلت کی زندگی سے انکار کرتے ہوئے صرف عزت کی زندگی گزارنے کو ترجیح دی یا وہ دشمن کا آمنے سامنے مقابلہ کرنے کو تیار ہیں اور دشمن کا دوبدو مقابلہ کرنے کے عادی ہیں"۔ (سیّد حیدر حلّی کا حضرت امام حسینؑ کی شان میں قصیدہ)

شریعتِ مطہرہ کے یہ احکام اور ہدایات حق کی طرف بلانے اور باطل کے سدِّ باب کے لیے قیام کرنے کے متعلق ہیں۔

اسی طرح جب گمراہ مشرکین کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہو تو شریعت کے مطابق بچہ، نابینا، بوڑھا مرد، عورت اور وہ نابالغ لڑکا جسے اس کے والدین کی اجازت نہ ہو ان کے لیے جہاد ترک کرنا جائز ہے لیکن معرکۂ کربلا میں ان اصولوں کے برعکس ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ وہاں پر جو کچھ ہوا وہ ان مصالح اور اسرار کی بنیاد پر جائز ہے جنھیں انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ سیّدالشہداء حضرت امام حسینؑ نے ان مصالح اور اسرار کے متعلق انسانیت کے سب سے بڑے نجات دہندہ، اپنے نانا رسولؐ خدا اور ان کے وصی اپنے بابا علی مرتضیٰؑ سے آگاہی حاصل کی تھی۔

پس! حضرت امام حسینؑ نے جہاد میں کسی اور نئی سنت کو شرعی قرار نہیں دیا بلکہ یہ وہ الٰہی سبق ہے جسے خداوند تعالیٰ جو لامحدود ظرف و مکان کا حامل ہے، نے عالم الابداع میں مقدس لوح پر تحریر کر دیا تھا۔ خداوند متعال نے جبرئیل امینؑ کو اس سے آگاہ کیا اور جبرئیلؑ نے حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰؐ کو اس کی خبر دی تھی اور دعوتِ الٰہی کے پیمبرؐ نے اس امانت کو اپنے بیٹے سیّدالشہداء حضرت امام حسینؑ تک پہنچایا۔ پس! کربلا کے خونیں معرکہ میں جن حیرت انگیز اُمور کا مشاہدہ کیا جاتا ہے وہاں تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے ولی حجتِ خدا حضرت امام ابوعبداللہ الحسینؑ کو آگاہ فرما رکھا تھا۔

شہیدِ کوفہ حضرت مسلم ابن عقیلؑ جو علم و عمل کے پیکر، عقل کی پختگی اور خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ میں وہ تمام صفات موجود تھیں جن کا حجتِ خدا امامؑ کی نیابت و ولایت کی صلاحیت و اہلیت کے لیے ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ آپؑ بھی اسی روش پر کاربند رہے اور اسی راستہ کو اپنایا، جب کہ پیاس کی شدت سے آپؑ کا جگر پھٹ رہا تھا کہ ایسی حالت میں نجس پانی پینا بھی شریعت کی رُو سے جائز ہو جاتا ہے، لیکن اس حالت میں بھی حضرت مسلم ابن عقیلؑ نے قمر بنی ہاشم حضرت عباسِ علمدارؑ کی طرح وفاداری کا مظاہرہ کیا کیونکہ دونوں نے پاک و پاکیزہ ماں کا دودھ پیا ہوا تھا اور دونوں نے امامت اور عصمت کے مکتب سے تعلیم حاصل کی تھی۔ آپؑ دونوں آئمہ معصومین علیہم السلام کے دین حنیف کے مفادات کی خاطر شہادت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے۔ انھوں نے نیک و صالح اعمال کے ذریعے اپنی سیرت کو لوگوں کے لیے نمونہ قرار دیا جیسا کہ حضرت مسلم بن عقیلؑ نے آخر لمحہ تک پانی کا ایک گھونٹ تک نہ پیا اور اپنی جان قربان کر دی۔

اسی طرح حضرت ابوالفضل العباسؑ نے جب یزیدی لشکروں کو چیرتے ہوئے سرزمین کربلا میں زلزلہ بپا کر دیا اور نہرِ فرات پر قبضہ کر لیا تو آپؑ نے اس وقت بھی اپنے نفس کو یہ اجازت نہ دی کہ وہ پانی کو لبوں سے لگائیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سیّدالشہداء اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کے خاندان کی مستورات اور حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد اور ان کے بچے بچیاں سب پیاسے ہیں کیونکہ انھوں نے جو شریعت اپنے بابا وصی مصطفیٰؐ اور اپنے ان دونوں بھائیوں سے حاصل کی تھی، جن کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا: ''یہ دونوں امامؑ ہیں خواہ جنگ کریں یا صلح کریں''۔ اس کے مطابق ان کے لیے ہرگز یہ جائز نہیں

تھا کہ وہ خود کو سیراب کرتے جب تک اس زمانے کی حجت خدا (امام) حالتِ پیاس میں ہو، خواہ تھوڑے سے پانی سے ہی کیوں نہ سیراب ہوں مگر تقدیر ان کی خواہش اور تمنا کے درمیان حائل ہو گئی۔

ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان چند لوگوں کی جماعت کے ساتھ قیام کیا جو جماعت سن رسیدہ افراد، شیر خوار بچوں اور عورتوں پر مشتمل تھی۔ آپؑ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے مدِمقابل آنے والے لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف کینہ اور دشمنی ہے اور وہ لوگ نبیؐ کے خاندان اور ان کی اولاد کا قلع قمع کرنے کے لیے آئے ہیں، لیکن شہید کربلاؑ نے ایسی سیاست کا مظاہرہ کیا جس کی گہرائی کو درک کرنا دشوار اور اس کی تفسیر سے عقل عاجز ہے۔ آپؑ کی دُور اندیش سیاست نے واقعۂ کربلا کہ اس جیسا واقعہ پہلے کبھی رُونما نہیں ہوا تھا، کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنے والی نسلوں کو ان ظالم و جابر لوگوں کی سیاہ کاریوں سے آگاہ کر دیا جن کے آباء و اجداد نے اسلام کی تلوار کی وجہ سے مسلمانوں میں تفرقہ اور انتشار پھیلانے کے لیے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنے مقصد کو اس وقت حاصل کر لیا جب آپؑ کے روشن انقلاب کی کرنوں سے شکوک و شبہات کے بادل چھٹ گئے اور مخدراتِ عصمت و طہارت کے خطبات نے لوگوں کی افکار کو غم آلود اور ان کے اذہان کو ان تمام اُمور سے پریشان کر دیا تھا کہ جو ذلت و رسوائی اور بے حیائی کے اعمال ان ظالم و جابر سرکش لوگوں اور ان کے آباؤ اجداد نے سرانجام دیے تھے۔

اسی بہترین نہج کے مطابق سیدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نے وہ گراں قیمت پرمغز اور حکمت آموز جملہ ادا فرمایا جس میں اپنے خاندان اور اصحاب کو واضح طور پر یہ تجویز پیش کی کہ وہ مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ مؤرخین نے تحریر کیا ہے کہ آپؑ نے نو محرم کی رات اپنے خاندان اور اصحاب سے فرمایا:

> انی لا اعلم اصحاباً اولی ولا خیراً من اصحابی ولا اهل ابر واصل من اهل بیتی فجزاکم الله عنی جمیعًا ألا وإنی اظن یومنا من هؤلاء غداً وانی قد رایت لکم فانطلقوا جمیعًا فی حلٍ لیس علیکم منی ذمام وهذا اللیل قد غشیکم فاتخذوه جملًا ولیأخذ کل رجل منکم بید رجل من اهل بیتی! فجزاکم جمیعًا خیراً وتفرقوا فی سوادکم ومدائنکم فإن القوم انما یطلبونی ولو اصابونی لذهلوا عن طلب غیری۔ [1]

---

[1] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۳۸ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۴، ابن کثیر کی البدایہ: ج ۸، ص ۱۷۸ پر مذکور ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے انھیں جانے کی اجازت دے دی لیکن آپؑ کے اصحاب اور اہلِ بیتؑ نے آپ کا ساتھ دینے پر اصرار کیا۔ فضل بن شاذان کی کتاب "اثبات الرجعہ" میں ابوجعفر حضرت امام محمد باقرؑ سے بھی مروی ہے۔ شیخ مفیدؒ نے "الارشاد"، شیخ طبرسیؒ نے "اعلام الوریٰ"، فتال نے "روضۃ الواعظین" اور خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ" ج ۱، ص ۲۴۶ پر اس روایت کو نقل کیا ہے۔

"بے شک! میں نہیں جانتا کہ میرے اصحاب سے زیادہ کسی کے اصحاب وفادار اور بہترین ہوں اور نہ ہی میرے اہلِ بیتؑ سے زیادہ کسی کے نیکی کرنے والے اور صلہ رحمی کرنے والے اہلِ بیتؑ ہیں۔ پس! میری طرف سے خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔ آگاہ رہو! مجھے یقین ہے کہ ہمارا کل کے دن ان سے سامنا ہونا ہے اور میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ تم یہاں سے کسی پُرامن جگہ کی طرف چلے جاؤ۔ میری طرف سے تم پر کوئی پابندی اور رکاوٹ نہیں ہے۔ اب رات نے تمھیں گھیر لیا ہے پس تم رات کی تاریکی کو اپنے لیے سواری قرار دو اور تمہارا ہر مرد میرے خاندان والوں کا ہاتھ پکڑ کر انھیں بھی اپنے ساتھ لے جائے اور تم سب کو خدا بہترین جزا دے۔ تم لوگ اس رات کی تاریکی میں منتشر ہو جاؤ، بے شک! یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں۔ اگر میں ان کے ہاتھ آگیا تو یہ باقی سب سے غافل ہو جائیں گے"۔

اے ظلم کا انکار کرنے والے! آپؑ کی کیا پُرمغز گفتگو ہے۔ اے سیّدالشہداؑ! آپؑ نے اپنے اصحاب کو کیا ارفع و اعلیٰ اختیار دیا تھا۔ اے روحِ نبوت! آپؑ کے اقوال و افعال کس قدر محکم ہیں۔ ہاں بے شک یہ سنہری جملہ زمانے کی جبیں پر نوری حروف سے لکھ دیا گیا ہے کہ وہ برگزیدہ اور منتخب کردہ لوگ جن کی توصیف کرتے ہوئے امیرالمومنینؑ نے فرمایا: "وہ تمام شہدا کے سردار ہیں اور کوئی آگے بڑھنے والا ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور نہ ہی کوئی ان کی قدر و منزلت تک پہنچ سکتا ہے"۔ (کامل الزیارات: ابن قولویہ، ص ۱۹۷۰ اور ۹۹۹)

یہ لوگ پوری دنیا سے چھانٹے ہوئے اور کائنات سے چُنے ہوئے ہیں۔ ہم نے مقدس قربانی اور ہدف کی تکمیل کی خاطر عزم و ہمت، ثابت قدمی اور اخلاص کا درس ان ہی لوگوں سے لیا ہے۔ ان کی سیرت طیبہ میں ان لوگوں کے لیے عظیم عبرت اور درس ہیں جو ان اصحابِ حسینؑ کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ ان لوگوں نے دنیا سے رُخ موڑ لیا تھا اور اس کی چمک دمک کے دھوکے میں آنے سے انکار کر دیا اور عزت کے پرچم تلے موت قبول کی اور ظالم و جابر سلطنت کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے اپنے سامنے یہی مقصد رکھا ہوا تھا کہ یا تو اپنے ہدف اور مقصد کی تکمیل کے ذریعے کامیابی حاصل کریں گے یا شہادت اور سعادت کی منزل پر فائز ہوں گے۔

اگر شریعت کے امین حضرت امام حسینؑ انھیں کربلا سے جانے کی اجازت نہ دیتے اور وہ کلمات ادا نہ کرتے جن سے ان کے پاکیزہ نفوس کے راز آشکار ہوتے ہیں تو کبھی آنے والی نسلوں کو ان کے علم، یقین اور خداداد صلاحیتوں میں ایک دوسرے پر برتری اور فضیلت کی معرفت حاصل نہ ہوتی اور ان نسلوں کو ان ہستیوں کے بلند اہداف اور اپنے اصولوں پر اخلاص اور بصیرت کے ساتھ ڈٹے رہنے اور ثابت قدمی سے آگاہی حاصل نہ ہوتی۔

سیّدالشہداؑ انھیں جانے کی اجازت دے کر ان کی نفسیات اور توجہات کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ یہ امتحان اس شخصیت

کی طرف سے لیا جا رہا تھا جو حکیم و دانا اور ماضی و مستقبل کے حادثات و واقعات کا علم رکھتا تھا۔ آپؑ اپنے قیمتی اہداف و مقاصد کو جاننے کے باوجود آپؑ کا علم اس بات کا تقاضا نہیں کر رہے تھے کہ آپؑ ان باوفا ساتھیوں کا امتحان لیں اور نہ ہی اس لیے کر رہے تھے چونکہ امامؑ چھپی ہوئی باتوں سے واقف تھے بلکہ امامؑ تو آنے والی نسلوں کو ان اصحاب کی عزت و عظمت سے آگاہ کرنا چاہ رہے تھے۔ یہ وہ فضائل ہیں جن کی طرف ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اور آپؑ کے اہلِ بیتؑ کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے متعلق مطالعہ کرنے والوں کو آگاہ کرنے کے لیے پہلے ہی اشارہ کر چکے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کا اس طرح اپنے اصحاب اور خاندان والوں کا امتحان لینا اس پر ہرگز تعجب اور حیرت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس طرح کا امتحان کائنات کو پیدا کرنے والا خالق بھی لے چکا ہے جس کا علم تو ہر چھوٹی بڑی چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

خالقِ اکبر نے اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرے حالانکہ اللہ حضرت اسماعیلؑ کے ذبح ہونے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس کا خلیل رسول اس کے حکم کی اطاعت کرے گا اور اس کا نبی حضرت اسماعیلؑ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرے گا لیکن اللہ تعالیٰ اس مصلحت کے تحت یہ حکم دے رہا تھا جسے تمام جہانوں کا پروردگار پہلے سے جانتا تھا لیکن انسانی عقل اس کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ گنجے، برص زدہ اور نابینا شخص کا قصہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص مصلحت اور نظام کے ذریعے انھیں اپنے انعام واکرام سمجھانا چاہتا تھا۔ جو ان کے اس قصہ سے عبرت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ضرور شکر ادا کرنا چاہیے کیوں کہ کفرانِ نعمت کرنے سے خسارہ مقدر بنتا ہے۔[1]

ابو عبداللہ حضرت امام حسینؑ نے اس لیے ان کو آزمایا تھا تاکہ آنے والی نسلیں ان کے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کی عزت و شرف اور ان کے پاکیزہ نسب کی معرفت حاصل کر سکیں اور وہ یہ جان سکیں کہ میرے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کس قدر ان اُمور کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کا باعث تھے۔

□□□

---

[1] صحیح البخاری: کتاب الانبیاء، باب الاقرع والابرص، فتح الباری: ج ۶، ص ۳۲۳، اسی باب کے ضمن میں۔ (یہ قوم بنی اسرائیل کے تین افراد کا قصہ ہے جن میں سے ایک کوڑھی (برص زدہ) دوسرا گنجا اور تیسرا نابینا تھا، خدا نے اپنے ایک فرشتے کے ذریعے ان کی خواہشات کی تکمیل کی اور انھیں مال و زر سے نوازا اور پھر ایک دن ایک محتاج شخص کی شکل میں فرشتے کو ان کے پاس بھیجا اور کہا کہ مجھ مسافر و تنگ دست کی مدد کرو تو گنجے اور کوڑھی نے مدد کرنے سے انکار کر دیا اور نابینا نے مدد کی۔ درحقیقت اس حدیث میں خدا کے شکر گزار اور ناحق شناس بندے کا بیان ہے۔ مترجم)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا اپنے اصحاب اور خاندان کے افراد کو میدانِ کارزار سے جانے کی اجازت دینا

بے شک! کائنات میں کسی بھی شخص کی پاکیزگی، اُصولوں کی پاسداری، ثابت قدمی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک یہ علم نہ ہوجائے کہ اس کے قول اور فعل میں تضاد نہیں ہے یا اس کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ کرنے والا اس کی گواہی دے۔ تاریخ سے ان لوگوں کے حالات مخفی نہیں ہیں جو نیک وصالح اعمال سرانجام دیتے رہے اور جنھوں نے اپنی ہر شے کو شریعتِ حقہ کی تائید کی خاطر قربان کردیا۔ تاریخ کے اوراق کربلا کے خونیں معرکہ کے علاوہ شہدائے کربلا کے ان اعمال سے بھی بھرے پڑے ہیں جو ان کی ذواتِ مقدسہ، ان کی نیتوں کے اخلاص اور ان کے نفوس کی طہارت وپاکیزگی سے مزین وآراستہ ہیں۔

اگر حضرت امام حسینؑ کے اصحاب اور اہلِ بیتؑ کے وہ اقوال نہ ہوتے جو انھوں نے اس وقت بیان کیے تھے جب امامؑ نے انھیں جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ یہ امر مجھ پر چھوڑ دو کیونکہ یہ قوم صرف میرے خون کی پیاسی ہے تو ہمیں ان ہستیوں کی قابلیتوں اور صلاحیتوں اور ان کے نکتۂ نظر میں تفاوت کا علم حاصل نہ ہوتا جس کی گہرائی تک رسائی مشکل ہے اور یہ کہ فضیلت میں تمام انسان برابر نہیں ہوتے۔ علم ایک نور ہے، اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہتا ہے اس میں یہ نور ودیعت کردیتا ہے لیکن بندگانِ خدا میں علم کی شدت اور ضعف میں فرق ہوتا ہے۔

یہ مسلم ابن عوسجہ اسدی ہیں جن کے متعلق تاریخ نے ان کے ہمیشہ رہنے والے کارناموں اور نیک وصالح مواقف کو تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی بیان نہیں کیا، سوائے شبث ابن ربعی کے اس جملہ کے، جس میں اس نے بیان کیا ہے کہ مسلم ابن عوسجہ آذربائیجان کی جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے گھوڑوں کی حرکت سے پہلے ہی وہ چھے مشرکوں کو ابدی نیند سُلا چکے تھے۔ ان کے حالات پڑھنے والا یہ جان سکتا ہے کہ انھیں کس قدر نبیؐ کے خلفاء وجانشین سے محبت تھی اور انھوں نے ان خلفائے نبیؐ سے ولایت کا کس قدر مضبوط رشتہ قائم کر رکھا تھا۔ زمانے کے اُتار چڑھاؤ نے انھیں اور ان کی نبیؐ کے جانشینوں کے ساتھ محبت وولایت کے رشتے کو نہیں بدلا اور حالات کی کسمپرسی نے ان میں تغیر پیدا نہیں کیا۔

حضرت مسلمؓ ابن عوسجہ اسدی حضرت امام حسینؑ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کر رہے تھے:

"کیا آپؑ کو تنہا چھوڑ دیں؟ جب قیامت کے دن ہم سے آپؑ کے حق کے متعلق سوال کیا جائے گا تو ہم خدا کو کیا جواب دیں گے؟ خدا کی قسم! میں اس وقت تک آپؑ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا جب تک اپنے نیزے کو آپؑ کے دشمنوں کے سینوں میں نہ توڑ دوں اور جب تک میرے ہاتھ میں تلوار رہے گی میں ان پر تلوار سے وار کرتا رہوں گا اور اگر میرے پاس کوئی اسلحہ باقی نہ رہا تو میں انھیں اس وقت تک پتھروں سے مارتا رہوں گا یہاں تک کہ میں آپؑ کی معیت میں مارا جاؤں"۔

ان کے یہ کلمات ہمیں یہ افادیت پہنچاتے ہیں کہ اس مرد مجاہد نے اپنی زندگی کے آخری مرحلہ تک اصولوں پر ثابت قدمی کے ساتھ ساتھ بصیرت کا بھی مظاہرہ کیا۔ انھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر درد و الم اور خون آلود زخموں کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ آپ نے اپنے درج بالا قول کو اپنے عمل سے سچ کر دکھایا جب آپ تلوار کا سامنا کر رہے تھے اور آپ کے سینے میں نیزہ گھونپ دیا گیا لیکن آپ نے نہ صرف ان تکالیف و مصائب کو برداشت کیا بلکہ حبیب ابن مظاہرؓ کو حضرت امام حسینؑ کی مدد و نصرت کرنے کی وصیت بھی فرمائی۔ آپ یہ اس لیے کہہ رہے تھے کہ روز قیامت اللہ کے رسولؐ یہ نہ کہہ دیں کہ انھوں نے ان کے حق میں کوتاہی کی ہے۔ آپ اس وقت زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے پھر آپ نے اپنی قیمتی جان کو اسی عقیدہ و اطاعت کے ساتھ سپرد خدا کر دیا۔ [1]

سعید بن عبداللہ الحنفی نے امام حسین علیہ السلام کی محبت میں مسلم ابن عوسجہ کی سیرت و اخلاص کی پیروی کرتے ہوئے سیّد الشہداءؑ پر اپنی جان کو فدا کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے ان الفاظ کا اظہار کیا:

وَاللہ لا نخلّیك حتّٰی یعلم اللہ أنّا قد حفظنا غیبة رسول اللہ فیك واللہ لو علمت أنّی اقتل ثم أحیا ثم أحرق حیًا ثم أذری یفعل بِ ذٰلك سبعین مرة ما فارقتك حتّٰی ألقی حمامی دونك فکیف لا أفعل ذٰلك وانما هی قتلة واحدة ثم الکرامة التی لا انقضاء لها أبداً۔

"خدا کی قسم! ہم آپؑ کو کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ خدا جان لے کہ ہم نے آپؑ کے متعلق پیغمبرؐ کی نصیحت کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم بھی ہو جائے کہ میں (آپؑ کی محبت میں) قتل ہوں گا اور پھر زندہ ہوں گا۔ پھر مجھے زندہ جلا کر میری راکھ کو فضا میں بکھیر دیا جائے اور

[1] رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے کے لیے اپنی جان کو فدا کرنے کے لیے یہ ولولہ اور تیاری مجھے سعد بن ابی وقاص کی اس معذرت اور بہانہ جوئی کی یاد دلا رہا ہے جب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اسے اپنی نصرت کی دعوت دی، جیسا کہ شیخ مفیدؒ کی کتاب "الجمل" ص ۵۹ (دوسرا ایڈیشن) پر مرقوم ہے کہ اس نے جواب دیا: "میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں اس جنگ کے لیے نکلوں اور اچانک کوئی مومن مارا جائے، لیکن میں اس صورت میں تمھاری نصرت کو تیار ہوں اگر تم مجھے ایک ایسی تلوار عطا کرو جس کے ذریعے مجھے کافر اور مومن کی پہچان ہو جائے"۔

اسی طرح میرے ساتھ ستر بار کیا جائے تو بھی میں آپؑ سے ہرگز جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ آپؑ کے ہمرکاب شہید ہو جاؤں اور میں ایسا کیوں نہ کروں جب کہ مجھے معلوم ہے کہ مجھے صرف ایک دفعہ قتل ہونا ہے اور اس کے بعد ایسی عزت و کرامت کی زندگی ہے جو ہمیشہ باقی رہے گی"۔

پھر انھوں نے ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا دفاع کرتے ہوئے جنگ کی اور دوسروں کو بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت کرنے کی نصیحت کی۔ انھوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی محبت کی خاطر دشمنانِ خدا نے انھیں ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہوئے خون آلود زخموں میں نہلا دیا جب کہ وہ امام حسینؑ کا اس وقت دفاع کر رہے تھے، جب امامؑ میدانِ کربلا میں نماز ظہر ادا کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ظلم و استبدادیت کا انکار کرنے والے امامؑ کی طرف سے یہ سمجھ گیا کہ اس نے اجر رسالت ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے جو حق اس پر واجب کیا تھا اس نے اسے پورا کر دیا۔ اُنھوں نے پروردگار کی خوشنودی اور رضا کے ساتھ موت کو خوشی سے گلے لگالیا جب کہ امامؑ کے حق میں کوتاہی میں گھاٹا اور نقصان ہے۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے اسے شہادت کے ذریعے خوش بختی کے حصول کی یہ خوشخبری دی کہ وہ مجھ سے پہلے رسولِ خدا سے ملاقات کا شرف حاصل کرے گا۔

ابھی سعید بن عبداللہ الحنفی کا خطاب ختم ہی ہوا تھا کہ زہیر بن قین کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے تمام آنے والی نسلوں کی سماعتوں کی نظرِ دین کی طرف دعوت دینے والے ایسے سبق آموز کلمات پیش کیے جو آئندہ نسلوں کے ضمیروں کو ہمیشہ کے لیے بیدار رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ آپ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا:

واللہ لوددت أنی قتلت ثم نشرت ثم قتلت حتی اقتل علی ھذہ ألف مرۃ و إن اللہ یدفع بذلک القتل عن نفسک وعن أنفس ھؤلاء الفتیۃ من أھل بیتک

"خدا کی قسم! میں اس بات کو پسند کروں گا اگر میں آپ کی محبت میں قتل کیا جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے اور پھر مجھے قتل کیا جائے اور اسی طرح مجھے ہزار دفعہ بھی قتل کیا جائے تو میں قتل ہوتا رہوں گا لیکن آپؑ کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑوں گا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ میرے قتل کے ذریعے آپؑ کو اور آپؑ کے خاندان کے جوانوں کو محفوظ رکھے"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کسی بھی بندے کی اطاعت کو قبول کرتا ہے بشرطیکہ وہ ایسے اعمال کے ذریعے اس کی فرمانبرداری کرے جو اعمال قیامت کے دن نفع بخش ہوں لیکن کچھ لوگ اطاعت و فرماں برداری کا اس سے بھی زیادہ گہرا مقصد بیان کرتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ اہلِ یقین کے نزدیک خدا کی اطاعت و فرماں برداری کا مفہوم یہ ہے کہ انھیں ہرگز اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ وہ اپنے واجبات کی ادائیگی کر رہے ہیں بلکہ وہ اس بات کو اہمیت دیتے ہیں

کہ ہم اس لیے مولا سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کرتے ہیں کیونکہ وہ عبادت کے لائق ہے۔

زہیر ابن قین تو یقین کے پیکر اور خالص ایمان کے مرقع تھے اور ہم نے آپ کے درج بالا بیان میں یہ پڑھا ہے کہ آپ کس قدر دُور اندیش اور عقائدِ حقہ کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرنے والے تھے۔ ان کے نزدیک اپنی جان قربان کرنے کا مقصد اس شخص کی حفاظت کرنا تھا، جس کی امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب تھی اور ان جانوں کو بچانا مقصود تھا جو اللہ کے رسولؐ کو بہت عزیز تھیں۔ وہ دشمنانِ خدا کے خلاف جہاد میں اللہ کی اس عبادت کے ذریعے آخرت کے ثواب کے طلب گار نہیں تھے اور اس دن اپنی کوششوں کا صلہ نہیں چاہتے تھے جس دن انسانوں کو ان کے نیک اعمال پر صلہ دیا جائے گا بلکہ وہ اپنی اس عبادت کے ذریعے دشمن کے ان ہاتھوں کو کاٹنا چاہتے تھے جو ہاتھ اس شخص کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے کہ جس کی شخصیت میں رسالت کا امتزاج تھا اور وہ اپنے زمانے پر حجتِ خدا تھا۔ جیسا کہ نبی کریمؐ نے ان کے بارے میں فرمایا:

حُسین منی وانا من حُسین [1] "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں"۔

بے شک! بانئ شریعت اپنی اس تعبیر کے ذریعے یہ نہیں بتانا چاہتے تھے کہ شہیدِ کربلا ان کے بدن کا ٹکڑا ہیں کہ جس میں کمزوری کا شائبہ ہو بلکہ سید البلغاء کے کلام سے یہ مقصود ہونا بھی محال ہے کیونکہ ہر بیٹا اپنے باپ کا جزو ہوتا ہے لہٰذا اس میں حضرت امام حسینؑ کے لیے کوئی فضیلت وامتیاز نہیں ہے بلکہ رسولِ خدا نے اپنے اس سنہری جملے کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ سید الشہداءؑ نے اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے جو سختیاں اور تکالیف اُٹھائی ہیں اور شریعت کے راستے سے باطل کے کانٹوں کو ہٹایا ہے اور اُمت کے ان لوگوں کو مجرمانہ اعمال سے چوکنا اور ہوشیار کیا ہے جو دین کے ساتھ کھیل تماشا کرتے تھے۔

پس! جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے دعوتِ الٰہیہ کی نشر واشاعت کی خاطر قیام کیا اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام آخری فرد ہیں جنھوں نے اس دعوتِ الٰہیہ کے ستونوں کو مستحکم اور پائیدار کرنے کے لیے قیام کیا۔

سید جعفر حلّی نے کیا خوب کہا:

قد أصبح الدين منه شاكياً سقماً ۔۔۔ وما الى أحد غير الحسين شكا

فما رأى السبط للدين الحنيف شفاً ۔۔۔ الا إذا دمه فى كربلا سفكا

---

[1] علمائے امامیہ میں سے ابن قولویہ نے "کامل الزیارات" ص ۵۲ پر اس حدیث کو درج کیا اور درج ذیل اہلِ سنت علماء نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ترمذی کی "جامع ترمذی"، مناقب الحسینؑ، حاکم نیشاپوری کی "المستدرک" ج ۳، ص ۱۷۷، ابن عساکر کی "تہذیب تاریخ الشام" ج ۴، ص ۳۱۴، ابن حجر کی "مجمع الزوائد" ج ۹، ص ۱۸۱، "الصواعق المحرقۃ" ص ۱۱۵، حدیث ۲۲، بخاری کی "الادب المفرد"، متقی ہندی کی "کنزالعمال" ج ۷، ص ۱۰۷، صفوری کی "نزہۃ المجالس" ص ۳۷۹ اور امالی سید مرتضیٰ، ج ۱، ص ۱۵۷، مجلس نمبر ۱۵۔

وما سمعنا علیلًا لا دواء له الا بنفس مداویه اذا هلکا
بقتله قام للاسلام نشر هدی فکلما ذکرته المسلمون ذکا

"بتحقیق! اس وقت دین شکوہ کر رہا تھا اور وہ بیمار پڑ گیا تھا اور دین اسلام نے صرف حضرت امام حسین علیہ السلام سے اپنی بیماری کی شکایت کی تھی اور دین حنیف کے پیغمبرؐ کے نواسے نے یہ دیکھا کہ اس کو صرف اس صورت میں شفا مل سکتی ہے اگر میرا خون زمین کربلا پر بہایا جائے۔ ہم نے کبھی کسی بیمار کے بارے میں یہ نہیں سنا کہ اس کے لیے دوا نہیں ہے مگر یہ کہ جب مریض مر رہا ہو تو طبیب اسے اپنی جان دے کر بھی بچاتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے اسلام کی دعوت و تبلیغ پھولی اور پھلی ہے اور مسلمان جب بھی حضرت امام حسینؑ کا تذکرہ کرتے ہیں تو اسلام کی خوشبو مہکتی اور پھیلتی ہے"۔ ①

اگر حضرت زہیرؓ بن قین کھل کر اپنی اس محبت و مودت کا اظہار نہ کرتے تو ہمیں کبھی ان کی اس بے پناہ محبت کا پتا نہ چلتا جو ان کے دل میں ان ہستیوں کے متعلق تھی جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہر گناہ سے پاک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان ہستیوں کو اپنے بندوں کے لیے منارۂ ہدایت اور اپنی شریعت کا محافظ قرار دیا ہے۔ جب کہ تاریخ کے اوراق پر حضرت زہیرؓ بن قین کے متعلق یہی لکھا گیا ہے کہ یہ عثمان بن عفان کے چاہنے والے اور رسولِ اطہرؐ کے بیٹے سے سخت دشمنی رکھتے تھے مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔

عابس بن ابی شبیب الشاکری کا وہ موقف جو انھوں نے کوفہ میں حضرت مسلمؑ بن عقیل کی بیعت کے دن اور روزِ عاشور کربلا میں اپنایا تھا، یہ ان کی بے پناہ فضیلت اور اہلِ بیتؑ کی محبت میں راسخ عقیدہ ہونے کو واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ انھوں نے اپنے امامؑ کی حفاظت کی خاطر کسی شے کی پرواہ نہیں کی یہاں تک کہ وہ امامؑ کے لیے اپنی جان اور ہر اس قیمتی شے کو قربان کر سکتے تھے جو ان کے پاس تھی۔ جب انھوں نے کوفہ کے خائن افراد کو دیکھا کہ وہ حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کی بیعت کر رہے ہیں تو آپ نے حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ سے عرض کیا:

لا أخبرك عن الناس ولا أعلم ما في نفوسهم وما اغرك منهم و والله انی احدثك عما أنا موطن نفسی علیه والله لأجيبنكم اذا دعوتم ولا قاتلن معكم عدوكم ولأضرب بسيفي دونكم حتّٰی ألقی الله لا أريد بذلك الا ما عند الله (تاریخ طبری: ج ٦، ص ١٩٩)

"میں آپؑ کو ان لوگوں کے بارے میں تو کچھ نہیں بتا سکتا اور نہ ہی میں اس کے بارے میں جانتا ہوں جو ان کے دلوں میں ہے اور جو ان کی طرف سے آپؑ کو دھوکا دیا جائے گا۔ خدا کی قسم! میں آپؑ کو

① سید جعفر حلیؒ کا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں قصیدہ، یہ ان کے دیوان میں طبع ہو چکا ہے۔

اس چیز کی خبر دے رہا ہوں جو میرے دل میں ہے اور خدا کی قسم! آپؑ جب بھی مجھے پکاریں گے میں آپؑ کی دعوت پر لبیک کہوں گا اور میں آپؑ کے ساتھ آپؑ کے دشمنوں سے ضرور بالضرور جنگ کروں گا اور میں آپؑ کے ساتھ اپنی تلوار سے اس وقت تک ان پر وار کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میری روح پرواز کر جائے اور مجھے اس کے ذریعے کسی چیز کی طلب نہیں مگر اس اجر کی جو اللہ کے پاس محفوظ ہے"۔

پس کوفہ والوں نے واضح طور پر اپنی دھوکا دہی کا اظہار نہ کیا اس لیے کہ کہیں وہ کوفیوں کی اس کمزور بیعت کو توڑنے کا سبب قرار نہ پائیں اور دشمنوں کے اظہار کا موقع فراہم نہ کریں۔ کوفہ کے لوگوں نے بظاہر خوب صورت بات کی لیکن درحقیقت وہ اس کے انجام کا انتظار کر رہے تھے۔ اگر وہ لوگ خائن اور دھوکا باز نہ ہوتے تو ان ہزاروں بیعت کرنے والوں میں سے کوئی ایک شخص ہی حضرت مسلم ابن عقیلؑ کی اس دن اس راستے کی طرف رہنمائی کر دیتا جو شہر سے باہر جاتا تھا اور یہ وہ دن تھا جب تاریکیوں کے بادل حضرت مسلم ابن عقیلؑ پر سایہ فگن تھے اور انھیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ جائیں تو کہاں جائیں۔

پھر عابس بن ابی شبیب شاکری نے شب عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا: مجھے روئے زمین پر کوئی چیز آپؑ سے زیادہ عزیز نہیں ہے، اگر میں آپؑ سے ظلم و ستم کو دُور کر سکتا تو یہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوتا۔ کاش! میں آپؑ کو ان ظالموں سے محفوظ رکھ سکتا"۔

جی ہاں! اے ابن ابی شبیب! بے شک، جو لوگ اللہ تعالیٰ سے مخلص ہوتے ہیں اور خود کو اس کی ذات کے لیے وقف کر دیتے ہیں تو وہ موجودات کے محور اور کائنات کی علت وسبب امامؑ وقت کی نصرت کے ذریعے ابدی بقا کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

پھر نافع بن ہلال نے کھڑے ہو کر عرض کیا: خدا کی قسم! ہم خدا کی تقدیر سے ہرگز ڈرے ہوئے اور گھبرائے ہوئے نہیں ہیں اور نہ ہی ہمیں اپنے رب سے ملاقات ناپسند ہے۔ بے شک! ہم اپنے ارادوں اور نیتوں پر ثابت قدم ہیں۔ جس نے آپؑ سے محبت کا دم بھرا، ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور جس نے آپؑ سے دشمنی کی، ہماری بھی اس سے دشمنی ہے"۔

آپؑ کے دوسرے اصحاب نے بھی ایسی ہی گفتگو کی۔ جب امامؑ نے اپنے خاندان کے افراد کو واپس پلٹ جانے کی اجازت دی تو وہ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں:

أنفعل ذٰلك لنبقٰى بعدك لا ارانا الله ذٰلك ابدًا

"کیا ہم آپؑ کا ساتھ اس لیے چھوڑ کر چلے جائیں تاکہ آپؑ کے بعد مزید زندہ رہ سکیں۔ خدا ہمیں وہ دن کبھی نہ دکھائے کہ ہم دنیا میں زندہ ہوں اور آپؑ نہ ہوں"۔

پھر آپؑ نے اپنا رُخ انور اولادِ عقیلؑ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

حسبکم من القتل بمسلم قد اذنت لکم

"تم لوگوں کے لیے مسلمؑ کی شہادت ہی کافی ہے۔ میں تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ"۔

پھر ان کی زبانیں یوں گویا ہوئیں کہ انھوں نے نصرتِ دین اور امامِ حجتؑ کا دفاع کرنے کے لیے اپنے مافی الضمیر کو یوں بیان کیا:

"پھر ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنے خاندان کے بزرگ، سیّد و سردار اور ان چچاؤں کی اولادوں کو تنہا چھوڑ دیا تھا جو روئے زمین کے بہترین افراد تھے۔ اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے دشمنوں کی طرف ایک تیر بھی نہ پھینکا اور نہ ہی کسی کو نیزہ مارا اور نہ ہی کسی پر تلوار کا وار کیا تھا؟ نہیں، خدا کی قسم! ہم ہرگز آپؑ کو دشمن کے نرغہ میں تنہا چھوڑ کر نہیں جائیں گے بلکہ ہم اپنی جانوں کو، اپنے مال واسباب کو اور اپنے خاندان کو آپؑ پر قربان کر دیں گے اور اس وقت تک آپؑ کے ہمرکاب ہو کر لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ہمارا اور آپؑ کا انجام ایک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپؑ کے بعد ہماری زندگی کو برباد کرے"۔

اس تشویش ناک صورتِ حال میں خود کو قربانی کے لیے تیار رکھنا جب کہ مدد اور بچاؤ کے تمام راستے مسدود ہو جائیں اور یہاں تک کہ وہ پانی بھی بند کر دیا جائے جو شریعت میں جانوروں تک کے لیے مباح اور جائز ہوتا ہے۔ یہ پختہ عزم ان اصحاب اور خاندان والوں کے بلند کمالات کو ظاہر کرتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ ان لوگوں کو اس فانی دنیا کی بود و باش سے کوئی غرض نہ تھی۔ اگر ان لوگوں میں زندہ رہنے کی تھوڑی سی بھی خواہش و تمنا ہوتی تو وہ اس دنیاوی زندگی سے پیار کرتے اور امامؑ کی طرف سے دی جانے والی اجازت کو قیامت کے دن اپنے لیے عذر کے طور پر پیش کرتے ہوئے امامؑ کا ساتھ چھوڑ جاتے۔

لیکن یہ اَرواح جن کو تمام جہانوں کے پروردگار نے پاک مٹی سے تخلیق کیا اور پھر اس میں یقین کے نور کی آمیزش کر دی، ہرگز زندہ رہنے کی خواہش مند نہ تھیں مگر اس صورت میں کہ یہ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دیں۔ یہ لوگ زندہ رہنے کی خواہش کیسے کر سکتے تھے جب کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ رسولِ خداؐ کے جگر گوشہ اور اسلام کے روحِ رواں کو کس قدر خون آلود زخم اور سخت پیاس واذیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

نفوس ابت الا التراث ابیھم — فھم بین موتور لذاك وواتر

لقد الفت ارواحھم حومة الوغی — کما أنست اقدامھم بالمنابر

"ان اَرواح کو اپنے باپ کی میراث کے سوا کسی شے کی خواہش نہ تھی اور ان کے پاس دو اُمور میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار تھا کہ وہ یا تو اس حالت میں مارے جائیں کہ ان کے خون کا کوئی بدلہ نہ لے

سکے یا وہ ان لوگوں سے خود ہی بدلہ لیتے ہوئے انھیں قتل کر دیں کہ جن سے کسی نے بدلہ نہیں لیا۔ ان کی اَرواح اسی طرح میدانِ کارزار کی عادی ہیں جس طرح ان کے قدم منابر سے مانوس ہیں"۔ (ابن نما کی "مثیر الاحزان")

اسی اثنا میں محمد بن بشیر حضرمی کو یہ خبر پہنچی کہ اس کے بیٹے کو رَے کے دُور افتادہ علاقے میں قید کر دیا گیا ہے تو اس نے یہ خبر سن کر کہا: "میں خدا کے حضور اس کو سپرد کرتا ہوں، مجھے میری جان کی قسم! میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ حالتِ قید میں ہو اور میں اس کے بعد زندہ رہوں"۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس سے یہ گفتگو سنی تو اسے جانے کی اجازت دے دی اور اس سے اپنی بیعت اُٹھالی تا کہ وہ اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے کچھ کر سکے۔ جب محمد بن بشیر حضرمی نے سیّد الشہداءؑ سے یہ سنا تو اس کی دینی حمیت اور جذبۂ ایمانی نے جوش مارا، اس نے فوراً اپنی سچی محبت کے ذریعے اپنے راسخ عقیدے کا یوں اظہار کیا کہ وہ امامؑ کی خاطر اپنی ہر شے کو قربان کر سکتا ہے۔ اس نے عرض کیا: "اے ابو عبداللہ! اگر میں آپؑ کا ساتھ چھوڑوں تو درندے مجھے زندہ نوچ کر کھا جائیں"۔

جس انسان میں پختہ ایمان، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کا سچا جذبہ موجود ہو تو یہ جذبہ اسے اَوجِ کمال اور فضیلت کے اعلیٰ درجات تک پہنچا دیتا ہے۔ اگر ابن بشیر کا عقیدہ ڈانواں ڈول ہوتا تو وہ امامؑ کی طرف سے اجازت ملنے کے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے واپس پلٹ جاتا اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور لوگوں کے سامنے اس بارے میں یہ عذر بھی پیش کر سکتا تھا۔

بے شک! حسینی جذبے اور ذہانت نے ہرگز اپنے عقیدت مندوں کے لیے کشادگی کو ختم نہیں کیا تھا، بلکہ انھیں آزاد کرتے ہوئے جانے کا اختیار دے دیا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے حبشی غلام حضرت جونؓ کو آزاد کرتے ہوئے کربلا سے چلے جانے کی اجازت دی تا کہ اس کے جانے میں حیاء آڑے نہ آئے۔ لیکن سیّد الشہداء حضرت امام حسینؑ تکالیف اور مصائب کے سامنے اس کی ثابت قدمی اور صبر سے واقف تھے۔ آپؑ ان لوگوں سے اس حبشی غلام کا تعارف کروا رہے تھے جنھوں نے آپؑ کا گھیراؤ کر رکھا تھا تا کہ آنے والی متردّد قومیں اس کے کردار سے آشنا ہو سکیں۔ حضرت امام حسینؑ نے جونؓ کے اس کردار کو واضح کیا کہ اس نے کس طرح ان لوگوں کے خلاف شریعت کا دفاع کیا جو بددیانت لوگ دین کو کھیل تماشا سمجھتے تھے۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ حالات کس قدر خطرناک ہیں اور اس راہ میں کتنی زیادہ تکالیف اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ فرماتے ہوئے اس کے جانے کو مناسب اور موزوں قرار دیا اور اسے اپنی جان بچانے کی اجازت دے دی:

یا جَون اِنما تبعتنا طلباً للعافیة فلا تبتل بطریقتنا

"اے جَونؓ! تم تو اس لیے اس سفر میں ہمارے ہمراہ آئے تھے تا کہ عافیت اور سلامتی کا حصول ہو لیکن یہاں تو آزمائش و بلا ہے لہٰذا تم ہماری وجہ سے خود کو مصیبت میں نہ ڈالو"۔

یہ سن کر حضرت جَونؓ کی آنکھوں سے اشک برسنے لگے اور انھیں یہ خوف لاحق ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے ہمیشہ کی سعادت و خوش بختی کی توفیق میسر نہ ہو۔ آپ نے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ وہ جملہ ارشاد فرمایا جو ہمیشہ آنے والی نسلوں کے کانوں میں گونجتا رہے گا اور آنے والی نسلوں کو اس بات سے آگاہ کرتا رہے گا کہ مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے والے کو کامیابی ملتی ہے۔

انما الراحة بعد العناء

"بے شک! مشکلات کے بعد راحت و آسانی ہے"۔

پھر حضرت جَونؓ نے عرض کیا:

انا فی الرخاء الحس قصاحکم وفی الشدة اخذ لکم انّ ریحی لنتن وحسبی لئیم ولونی اسود فتنفس علی بالجنة لیطیب ریحی ویشرف حسبی ویبیض لونی! لا واللہ لا افارقکم حتّی یختلط ھذا الدم الاسود مع دمائکم۔ (اللہوف: ابن طاؤس، ص ۶۱، مطبوعہ صیدا)

"بے شک! آسائش کے زمانے میں مَیں آپؑ کے دروازے کا نوکر رہا ہوں اور اب یہ کیسے ممکن ہے کہ مشکل اور غربت کے وقت آپ کو دھوکا دیتے ہوئے چھوڑ کر چلا جاؤں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے پسینہ سے بدبو آتی ہے، میرا خاندان پست اور رنگ سیاہ ہے۔ پس پھر آپؑ مجھے جنت سے کیوں محروم کرتے ہیں بلکہ مجھ پر جنت کا احسان فرمائیں تا کہ میرے بدن سے خوش بو آنے لگے اور میرا حسب اعلیٰ ہو جائے اور میرا رنگ سفید ہو جائے۔ نہیں، خدا کی قسم! مَیں اس وقت تک آپؑ سے جدا اور اس دہلیز سے سر نہیں ہٹاؤں گا جب تک یہ سیاہ خون آپؑ کے خون سے مخلوط نہ ہو جائے"۔

اگر حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت جَونؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کھلے الفاظ میں واضح طور پر نہ فرمایا ہوتا تو کسی شخص کو اس غلام کے دل اور ضمیر کی اس قدر پاکیزگی اور اخلاص اور ان کی نیک نیتی سے آگاہی حاصل نہ ہوتی۔ امامؑ کی طرف سے میدانِ کربلا سے چلے جانے کا اذن ملنے کے بعد شہادت کے لیے ڈٹے رہنا ان کے مضبوط راسخ عقیدے کا پتا دیتا ہے۔

خلاصہ

بے شک! امام علیہ السلام کی شخصیت کی حفاظت کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کی حفاظت کرنا واجب ہے، اسے عقل اور شریعت دونوں ضروری قرار دیتے ہیں۔ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کے خلاف امامؑ کا ساتھ نہ دے اور امامؑ سے پیچھے ہٹ جائے جو امامؑ کے وجود کو ختم کرنا چاہتے ہوں بلکہ ایسے وقت میں اپنی جان و مال کو امامؑ پر قربان کر دینا واجب ہوتا ہے تاکہ دشمن کو امامؑ کی ذات کی اہمیت کا پتا چلے جو عالم الموجودات کی زندگی اور کائنات کی بقا کا سبب ہیں۔ اسی طرح امامؑ کا یہ فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو امامؑ کی ذات کے دفاع اور ان کی نصرت و مدد کے لیے دعوت دے جب کہ امامؑ کو علم ہوتا ہے کہ جو ان کے موافق ہوگا وہ اپنی جان کو خطرات میں ڈال دے گا۔ اگر موت کے خطرہ سے بچاؤ کا کوئی راستہ نہ ہو تو امامؑ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی بھی شخص پر اپنے دفاع کو ضروری قرار نہ دے کیونکہ ایسے وقت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اس بات سے آگاہ تھے کہ ان پر ان کے دشمنوں کی طرف سے جو ظلم وستم ڈھائے جا رہے ہیں وہ ایک ایسا عہد ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی اور یہ ایک ایسی قضا ہے جسے ٹالا نہیں جاسکتا ہے۔ جیسا کہ امام حسین علیہ السلام نے حضرت اُم سلمہؓ کو یہ فرماتے ہوئے خبر دی: اگر میں دین کے لیے آج گھر سے نہ نکلا تو مجھے کل ضرور نکلنا ہوگا اور اگر میں کل اس امر کے لیے نہ نکلا تو مجھے پرسوں نکلنا ہوگا۔ کیا موت سے فرار ممکن ہے؟! کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ آپ کو اس بات کا علم ہے اور مجھے اس کا علم نہیں ہے؟!

پس! اس صورت میں حضرت امام حسین علیہ السلام پر یہ واجب نہیں تھا کہ وہ کسی دوسرے پر امامؑ کی حفاظت اور دفاع کو لازم قرار دیتے۔ ہاں! لیکن جس انسان پر خدا کی تقدیر لازم ہو، اس سے یہ فرض ساقط نہیں ہوتا کہ وہ حجتِ خدا امامؑ کی شخصیت کا دفاع نہ کرے۔ وہ شخص خدا اور رسولؐ کی بارگاہ میں کوئی عذر خواہی نہیں کرسکتا جو اللہ کے خلیفہ ونمائندہ کو لوگوں کے حصار میں گھرا ہوا دیکھے کہ لوگوں نے ان پر مدد کے تمام راستے مسدود کر دیے ہیں اور پانی تک ان پر بند کر دیا گیا ہے لیکن وہ پھر بھی نمائندہ خدا سے دشمن کی یلغار کے خاتمہ کے لیے کھڑا نہ ہوتا کہ ان کی جان سے لاحق خطرات کو دُور کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ اس شخص کی کوئی دلیل قبول نہیں کرے گا جو امامؑ کو اس مصیبت کی حالت میں دیکھنے کے باوجود ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے اگرچہ بہت زیادہ مشکلات اور مصائب کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ لیکن اگر زمانہ کی حجتِ خدا امامؑ اسے جانے کی اجازت دے دیں اور اس سے فرمائیں کہ مجھے اپنے دشمنوں میں تنہا چھوڑ دو کیونکہ امامؑ خداوند تعالیٰ حکیم وعلیم کی طرف سے مصلحتوں سے واقف ہوتا ہے۔ جب امامؑ اجازت دے دیں تو اس وقت عقل وشرع کی رُو سے امامؑ کے ساتھ رہنا اور ان کی حفاظت اور دفاع کرنا واجب نہیں ہوگا اور نہ ہی جو شخص انھیں چھوڑ کر الگ ہوجائے وہ شریعت کی مقرر کردہ حدود

سے تجاوز کرنے والا شمار ہوگا۔ وہ قیامت کے دن یہ عذر پیش کرسکتا ہے کہ اسے خود امامؑ نے ان کی نصرت ترک کرنے اور میدانِ کارزار سے جانے کی اجازت دی تھی۔

اگر امامؑ کسی شخص سے یہ فرمادیں کہ وہ مجھے اپنے دشمنوں کے نرغہ میں تنہا چھوڑ دے اور میں نے تم سے بیعت لینے کے بعد اب بیعت اُٹھالی ہے تو یہ امامؑ کی طرف سے اچانک اور بے اصولی بات نہیں ہوتی بلکہ وہ شخص اس لیے اس پر تعجب کرتا ہے کہ اسے ہر کام کی حقیقی مصلحت کا علم نہیں ہوتا ہے۔ لیکن امامؑ ان مصلحتوں سے واقف ہوتا ہے، اس لیے امام کا یہ عمل شرعی ذمہ داری کے مطابق ہوتا ہے۔ جس شخص کو امامؑ واپس پلٹ جانے کی اجازت دے دیں اور وہ امامؑ کا استغاثہ اور انھیں مدد طلب کرتے ہوئے نہ دیکھے اور نہ سنے تو پھر اس پر امامؑ کے استغاثہ پر لبیک اور ان کی مدد کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی لیکن اگر وہ یہ مشاہدہ کرے کہ امامؑ پریشانی و مصیبت کی کیفیت میں استغاثہ بلند کر رہے ہیں اور اس کے کانوں میں استغاثہ کی گونج پڑے تو اس کے لیے ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ امامؑ کی نصرت ترک کرے۔ کیونکہ جب امامؑ استغاثہ بلند کریں تو اس وقت انھیں اس بات کی اشد ضرورت ہوتی ہے کہ ان کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے اور ان کا دفاع کیا جائے۔ اس صورت میں امامؑ کے استغاثہ پر لبیک نہ کہنے والے کا قیامت کے دن کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام عبیداللہ بن حر جعفی کے ساتھ قصر بنی مقاتل میں موجود تھے۔ امامؑ نے اس سے مدد طلب کی تو اس نے انکار کردیا۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں اگر ہوسکے تو تم ہماری چیخ و پکار نہ سننا اور ہمارے اس واقعہ کے عینی شاہد گواہ نہ بننا کیونکہ جس نے بھی ہماری چیخ و پکار اور غم زدہ آوازیں سنیں اور پھر اس نے ہماری مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل جہنم میں پھینکے گا''۔

امام علیہ السلام کا یہ فرمان ہمارے درج بالا بیان کی تائید کرتا ہے کہ جو شخص امامؑ کا استغاثہ سننے کے باوجود ان کی مدد نہ کرے تو قیامت کے دن اس کی کوئی دلیل قابلِ قبول نہ ہوگی لیکن جس نے ان کی چیخ و پکار نہ سنی ہو اور امامؑ نے اسے جانے کی اجازت بھی دے دی ہو تو اس کا عذر قابلِ قبول ہے۔

ضحاک بن عبداللہ مشرقی کا عذر روزِ حساب قابلِ قبول نہیں کیونکہ اس نے حضرت امام حسینؑ کو مدد طلب کرتے ہوئے سنا اور امامؑ کو کئی بار اس حالت میں دیکھا تھا اس لیے اس پر واجب ہوگیا تھا کہ وہ آخری سانس تک امامؑ کا دفاع کرتا۔ یہ شخص جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ سے کہا کہ میں اس وقت تک آپؑ کے ہمرکاب ہوکر لڑنا چاہتا ہوں جب تک آپؑ کے دشمن آپؑ کے ساتھ لڑ رہے ہیں لیکن اگر میں کسی کو بھی آپؑ کے ساتھ جنگ کرتا ہوا نہ دیکھوں تو کیا میں آپؑ کو چھوڑ کر جاسکتا ہوں؟ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: ہاں۔

اس نے اپنے گھوڑے کو ایک جگہ پر چھپا دیا اور وہ دیکھ رہا تھا کہ کس طرح دشمن کی طرف سے اصحابِ حسینؑ کے گھوڑوں کے پاؤں کاٹنے کے بعد وہ پیادہ لڑ رہے ہیں۔ جب امام حسینؑ تنہا رہ گئے تو ضحاک نے حضرت امام حسینؑ سے پوچھا: کیا ابھی تک میرے لیے وہ شرط باقی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! تم آزاد ہو اگر تم اپنی جان بچا سکتے ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔ پھر اس نے اس مخفی جگہ سے اپنے گھوڑے کو نکالا اور اس پر سوار ہو کر اس نے ان لوگوں پر دھاوا بول دیا تو انھوں نے اسے راستہ مہیا کر دیا۔

وہ اپنے راستے پر جا رہا تھا کہ پندرہ لوگوں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ نہر فرات کے کنارے ایک خشک کنویں کے پاس پہنچا تھا کہ ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ اسے ایوب بن مشرح خیوانی، کثیر بن عبداللہ شعبی اور قیس بن عبداللہ صائدی نے پہچان لیا اور انھوں نے اپنے خاندان والوں سے کہا: یہ ہمارا چچازاد ہے، ہم تمھیں خدا کا واسطہ دے کر التجا کرتے ہیں کہ اس کی جان بخش دو۔ پھر وہ ان سے جان بچا کر نکل گیا۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۵)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ تمھیں اجازت ہے اس کا یہ عذر ہرگز قیامت کے روز قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ ابوعبداللہ حضرت امام حسینؑ نے اسے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم میری شہادت تک یہاں صبر کرو کیونکہ امامؑ جانتے تھے کہ اس شخص کا شروع سے ہی یہ ذہن تھا کہ وہ محفوظ طریقہ سے اپنی جان بچا لے۔ مولا سبحانہ وتعالیٰ حشر کے دن اس کے عذر کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے استغاثہ کو سنا تھا اور جس نے بھی امامؑ کا استغاثہ سننے کے بعد ان کی مدد نہ کی اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل جہنم میں ڈالے گا۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذریعے شریعت کی بقاء

حضرت امام حسین علیہ السلام کا قیام اور انقلاب دین کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لیے علت تامہ کا آخری جز تھا کیونکہ اس حسینی قیام نے حق اور باطل کے درمیان فرق واضح کردیا اور دو گروہوں میں سے حق کے گروہ کو الگ کردیا اور باطل کے گروہ کو الگ کردیا۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ اسلام کی ابتداء محمدی ہے اور اس کی بقاء حسینی ہے۔ اسی لیے ہدایت کے اماموں اور پیشواؤں نے جب بھی اصلاح کے لیے اپنے پیغام کی نشرواشاعت کی اور اپنے جد بزرگوار رسولؐ خدا کی شریعتِ مقدسہ کے احیاء کے لیے اپنے بیان کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کیا تو انھوں نے لوگوں کو حضرت امام حسینؑ کی اس انقلابی تحریک کی طرف ضرور متوجہ کیا اور انھیں اس حسینی تحریک کو پیش آنے والے مصائب و آلام سے آگاہ کیا کہ جنھیں سن کر سخت چٹان ریزہ ریزہ اور کم سن کے بال سفید ہوجائیں اور دل پگھل جائیں۔

آئمہ معصومینؑ اُمت کی اصلاح اور بہتری کی خاطر شہید ہونے والے حضرت امام حسینؑ پر ڈھائے جانے والے مظالم، سنگدلی اور جبر و استبداد کو بیان کرتے اور اس اُمت کے نمایاں افراد کے سامنے اس خونیں معرکہ میں حضرت امام حسینؑ، ان کے خاندان اور اقربا کی مظلومیت کا تذکرہ کرتے کیونکہ آئمہ معصومینؑ جانتے تھے کہ وہ ان کی مظلومیت کو ظاہر کر کے لوگوں کے دلوں کو نرم اور ان کے احساسات و عواطف کو اپنی طرف جذب کر سکتے ہیں۔ پھر فطری طور پر ظلم و ستم کے ان واقعات کو سننے والا شخص اس مظلوم امامؑ کی شخصیت کے بارے میں آگاہی حاصل کرتا ہے اور وہ ان اسباب کو جاننا چاہتا ہے جس کی وجہ سے ان کے خلاف ظلم و جور کے سخت جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔

پھر طبیعی طور پر اسے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ نبیؐ کے نواسہ ایک عادل امام ہیں جو اس پست دنیا کی خواہش نہیں رکھتے اور انھوں نے ان باطل کی ترویج کرنے والوں کی دعوت پر کوئی توجہ نہ دی اور امامت ان کو اپنے نانا اور اپنے باباؑ سے ورثہ میں ملی ہے۔ امامؑ کا مخالف اور ہر وہ شخص جو امامؑ کے مخالف کے نقش قدم پر چلا ہے وہ امامؑ کے مقابلے میں ہرگز خلافت کا دعویدار نہیں ہوسکتا۔

جب ایک دفعہ ان باتوں کو سننے والا یہ حقیقت جان لیتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے بعد آنے والے آئمہؑ یہ سب حق پر تھے تو پھر اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ ان اماموں کی سیرت پر عمل کرے اور ان کی مثالی سیرت اور طریقہ کو اپنے لیے نمونہ عمل بنائے۔ بے شک! اسی کے ذریعے امن و سلامتی اور ہم آہنگی کی بنیادوں کو پائیدار بنایا جاسکتا ہے۔

بنواُمیہ اور بنوعباس کی غاصبانہ حکومت نے اہلِ بیت علیہم السلام کو اپنے ہی گھروں میں محبوس کر دیا اور ان پر ان کے گھروں کے دروازے بند کر دیے اور انھیں اپنے شیعوں سے میل ملاپ سے روک دیا گیا۔ اہلِ بیتؑ نے بنواُمیہ اور بنوعباس کے خلفاء کی طرف سے ہر طرح کی اذیت اور سختیوں کو برداشت کیا، اسی وجہ سے آئمہ معصومینؑ نے تلوار کے ذریعے باطل کے سرپرستوں کے خلاف خروج کرنے کے بجائے ان لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کو ترجیح دی، حالانکہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ یہ سرکشی اور طغیانیت میں غرق ہیں۔ امیرالمومنینؑ کے شیعہ اور آپؑ کی اولاد پر ظلم کیا جا رہا ہے اور یہ لوگ ہر پتھر کے نیچے اور ہر شہر سے حضرت علیؑ اور آپؑ کے شیعوں کو تلاش کر رہے ہیں تا کہ وہ روئے زمین سے حضرت علیؑ کی اولاد اور ان کے شیعوں کا خاتمہ کر سکیں۔ ان ظالم و جابر حکمرانوں کو دیکھا گیا کہ منصور دوانیقی اور ہارون الرشید نے کس طرح حضرت فاطمہ زہراؑ کی ذریت پر ظلم وستم کرتے ہوئے اپنی حکومت کے ستونوں کو بلند کیا۔ (عیون اخبار الرضا: شیخ صدوق، ص ۶۲)

لیکن ان تمام سختیوں کے باوجود آئمہ علیہم السلام اپنے شیعوں کو مجالس و محافل کے انعقاد کی رغبت دلاتے رہے[1] تا کہ واقعۂ کربلا کی یاد ہمیشہ ان کے دلوں میں باقی رہے اور اس دردناک سانحہ کے لیے بہنے والے آنسو اور اس میں بیان ہونے والے مصائب ایک عہد کے طور پر آگے نسل در نسل منتقل ہوتے رہیں۔ آئمہ معصومینؑ نے اس مقصد کی خاطر مجالس و محافل کے انعقاد کی فضیلت میں بہت زیادہ احادیث بیان کیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دینی روابط کو استوار رکھنے کے لیے یہ مجالس و محافل ایک مضبوط عامل کی حیثیت رکھتی ہیں جس کی خاطر امیرالمومنینؑ اور آپؑ کے بیٹوں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ نے ان مصائب کو برداشت کیا اور یہ ایسے مصائب تھے جن سے مضبوط پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے۔

---

[1] کربلا کے دردناک اور الم ناک سانحہ کی یاد میں مجالس کا انعقاد صرف گھروں تک محدود نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ یہ معصومینؑ سے منقول روایات کے اطلاق کے خلاف ہے۔ امالی صدوق میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے: جس شخص نے ہمارے مصائب کو بیان کیا اور رویا اور رُلایا اس کی آنکھ اس دن نہیں روئے گی جس دن تمام آنکھیں (ندامت کے آنسوؤں کی وجہ سے) اندھی ہوں گی۔

قرب الاسناد: ص ۲۶ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جس شخص نے ہمارا ذکر کیا یا اس کے سامنے ہمارا ذکر کیا گیا اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پَر کے برابر آنسو نکل آیا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

کامل الزیارات، ص ۱۰۰ پر ابوہارون مکفوف سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جس شخص کے سامنے حضرت امام حسینؑ کا ذکر ہوا اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پَر کے برابر آنسو نکل آئے تو اس کا ثواب خدا پر ہے اور وہ اس کے لیے جنت سے کم پر راضی نہیں ہوگا۔

اس طرح کی کئی روایات آئمہ معصومینؑ سے منقول ہیں اور ان روایات کے عموم سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ہر وہ طریقہ جس سے حضرت امام حسینؑ یا اہلِ بیتؑ کے مصائب کی یاد تازہ ہوتی ہو وہ اس میں شامل ہے خواہ ان کے غم میں مجلس کا اہتمام کیا جائے یا اس کے لیے مال خرچ کیا جائے یا کوئی شاعری بیان کی جائے یا ان مصائب کو تحریر و تدوین کیا جائے یا کسی کے سامنے ان کے مصائب کو بیان کیا جائے یا کسی بھی انداز میں لوگوں کے سامنے اس سانحہ کی تصویر کشی کی جائے۔ یہ تمام اُمور حضرت امام علی رضاؑ کے اس فرمان مَن ذَكَّرَ بِمُصَابِنَا "جس نے بھی ہماری مصیبت کا تذکرہ کیا" کے عموم کے مصادیق میں شامل ہیں۔

آئمہ معصومین علیہم السلام نے مختلف طریقوں سے حضرت امام حسینؑ کی یاد تازہ کرنے کی اہمیت کو بیان کیا ہے کیونکہ اس حسینی تحریک کی یاد کو برقرار رکھنے کا مذہب کو ناپید ہونے سے بچانے کے ساتھ مکمل تعلق اور واسطہ ہے۔ آئمہ معصومینؑ نے بعض مقامات پر اسے عموم کے تحت اور بعض مقامات پر اسے خصوص کے تحت بیان کیا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو کسی دوسرے کے ساتھ بیٹھتا ہے تو وہ دونوں ایک دوسرے سے ہمارے امر کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بے شک! ان کے ساتھ تیسرا وہ فرشتہ ہوتا جو ان دونوں کے لیے مغفرت کی دعا طلب کر رہا ہوتا ہے۔ جہاں پر بھی دو شخص ہمارا ذکر کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعے فرشتوں کے سامنے فخر ومباہات کرتا ہے۔ پس تم لوگ جب بھی اکٹھے ہوں تو ہمارے ذکر میں خود کو مشغول رکھو۔ بے شک! تمھارا اکٹھے ہونا اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمارا تذکرہ کرنا، ہمارے امر اور ہدف کو زندہ رکھتا ہے۔ اور ہمارے بعد لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو ہمارے امر کا تذکرہ کرتا ہے اور لوگوں کو ہمارے ذکر کی طرف بلاتا ہے"۔

ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فضیل بن یسار سے پوچھا: کیا تم لوگ جب آپس میں مل بیٹھتے ہو تو ہمارے بارے میں تذکرہ کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں۔

پھر امامؑ نے فرمایا: آگاہ رہو! بے شک، میں ایسی مجالس ومحافل کو پسند کرتا ہوں۔ پس تم لوگ ہمارے امر کو زندہ رکھو۔ پس! جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور وہاں پر ہمارے امر کو زندہ کرے تو اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا جس دن سب لوگوں کے دل مردہ ہو چکے ہوں گے"۔

آئمہ معصومینؑ اس طرح کے بیانات کے ذریعے اُمت کے سامنے اپنی امامت کے متعلق اعتقاد کی وضاحت کرتے تھے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں جس عصمت اور فضائل ومراتب سے نوازا ہے اس سے لوگوں کو آگاہ فرماتے تھے۔ جو شخص ان آئمہ معصومینؑ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اس پر یہ لازم ہے کہ آئمہ معصومینؑ کی خلافت کا بھی معتقد ہو اور وہ ان لوگوں کی خلافت پر یقین نہ رکھتا ہو جنھوں نے اس الٰہی منصب کو غصب کیا تھا۔

وہ تمام اُمور جو مختلف انداز میں امام حسین علیہ السلام کی یاد دلاتے ہیں جیسے آپؑ کے سوگ میں مجالس کا اہتمام کرنا، [1]

---

[1] ابن قولویہ نے کامل الزیارات، ص ۱۷۴ پر مالک جہنی سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے عاشورہ کے دن فرمایا: ہر شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کا سوگ منائے اور ان پر گریہ وزاری کرے اور جو شخص بھی گھر میں موجود ہو، اسے امامؑ پر آہ وبکا کا حکم دے اور اپنے گھر میں ان کی مجلس کا اہتمام کر کے ان پر حزن ورنج وغم کا اظہار کرے اور گھروں میں ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہوئے امامؑ پر آہ وبکا کریں اور امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر ایک دوسرے سے تعزیت کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو خدا کے حضور میں ان کا ضامن ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں بیس لاکھ حج وعمرہ اور رسولِ خدا اور آئمہ راشدینؑ کے ہم رکاب ہو کر جنگ میں شرکت کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

گھروں میں اور شاہراہوں پر ماتم کرنا۔ (۱) یہ اُمور اس مسلک کی ترویج میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ شعائر حسینیہ میں شبیہ کا کردار اس حادثے کو زیادہ بہتر انداز میں پیش کرتا ہے جب کہ اس شبیہ کے ساتھ نظم کے انداز میں ان مظالم کو بیان کیا جائے جو بنواُمیہ اور ان کے حواریوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام پر ڈھائے تھے کیونکہ شبیہ کی شکل میں مصائب بچوں اور عام لوگوں کے ذہنوں میں واضح انداز میں اُتر جاتے ہیں جو اس حادثے کی باریک بینی کو کتابوں اور شاعری کے مطالب کے ذریعے آسانی سے نہیں سمجھ سکتے اور اس کا آئمہ معصومینؑ اور ان کے چاہنے والوں کے درمیان مذہبی روابط کو محفوظ رکھنے کے لیے دلوں پر گہرا اثر ہوتا ہے اور لوگوں کے ذہنوں میں ان کے عقیدے کو راسخ کرنے کے لیے عزاداری کے اس انداز کا اہم کردار ہے۔

واقعۂ کربلا کو تمثیل و تشبیہ کے انداز میں پیش کرنے کے لیے شیعوں نے بعض دوسرے لوگوں اور اسلامی فرقوں کی طرح اسی نہج کو اپنایا ہے اور ہندوستان میں تمام اسلامی ممالک سے زیادہ یہ انداز رائج ہے۔ (۲)

آئمہ معصومینؑ کے امر کو زندہ رکھنے کے لیے ایک دوسرے کو اس امر کی یاد دلانا اور اسے عملی طور پر اپنانا، یہ امر ہماری توجہ کا طالب ہے کیونکہ آئمہ معصومین علیہم السلام اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ ان کے امر کے بارے میں گفتگو کی جائے اور ایک دوسرے کے سامنے ان کا ذکر کیا جائے۔ شاید اُمت اس اُمر کے پنہاں فوائد کو مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر ہے بلکہ زیادہ تر لوگ اپنے اس عمل کا یہ فائدہ تصور کرتے ہیں کہ فقط آخرت میں انھیں اس پر ثواب ملے گا لیکن جو شخص اہلِ بیتؑ کے اسرار سے واقف اور ان کے اقوال و افعال کے اہداف و مقاصد سے مطلع ہے اس کے سامنے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اہلِ بیتؑ نے اس لیے ایسی مجالس و محافل کے انعقاد کا حکم دیا ہے تا کہ ان کے شیعوں پر مزید لطف و اکرام کیا جائے اور ان کے علم میں وسعت پیدا ہو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام پر رونا

بہت زیادہ ایسی روایات مذکور ہیں جن میں سیّدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام پر گریہ وزاری پر بہت زیادہ اُبھارا گیا ہے اور یہ روایات حدِ تواتر تک پہنچتی ہیں۔ امامؑ کے مصائب پر گریہ وزاری کرنے کا ثواب یہاں تک مروی ہے کہ اگر کسی

---

(۱) شیخ طوسی نے التہذیب، ج ۲، ص ۲۸۳ پر باب الکفارات کے آخر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت حسین ابن علیؑ کی مصیبت پر حضرت فاطمہؑ کی بیٹیوں نے اپنے گریبان چاک کیے اور اپنے رخساروں پر ماتم کیا اور اس طرح کی مصیبت پر رخساروں کو پیٹا جانا چاہیے اور گریبان چاک کیے جانے چاہئیں۔ شہید اوّل نے اپنی کتاب "الذکریٰ" کی بحث ۴ اور مطلب ۳ میں احکام الاموات کے تحت اس کا ذکر کیا ہے۔

(۲) فارسی جریدہ الحبل المتین اشاعت ۲۸، میں تحریر ہے کہ فرانسیسی دانشور ڈاکٹر جوزف نے اپنی کتاب "الاسلام والمسلمون" میں ذکر کیا ہے کہ تمثیل اور شبیہ کا رواج شیعوں میں صفویوں کے دورِ حکومت سے چلا آ رہا ہے جنھوں نے مذہب کے بل بوتے اور اپنے مذہب کے روحانی علماء کی مدد سے حکومت و سلطنت حاصل کی تھی۔

شخص کی آنکھ سے مکھی کے پَر کے برابر آنسو نکل آئے تو اس سے جہنم کی آگ بجھ جاتی ہے۔ ان روایات میں گریہ وزاری پر اُبھارنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی آنکھوں سے کسی کے رنج وغم پر اس وقت آنسو نکلتے ہیں جب اس کے دل میں ایک خاص احساس پیدا ہوتا ہے اور وہ ان مصائب سے متاثر ہوتے ہوئے اشک بہاتا ہے یا وہ اس ہستی سے ایک خاص تعلق کی بنا پر اپنے دل میں درد اور رنج محسوس کرتا ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ہم یہ ملاحظہ کرتے ہیں جس طرح انسان مظلومِ کربلا حضرت امام حسینؑ پر ڈھائے جانے والے مظالم اور مصائب سے متاثر ہو کر ان کی ذاتِ مبارک کے مزید قریب ہوتا ہے اور ان کی سیرت سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اس گریہ وبکا سے انسان کے دل میں ان لوگوں کے خلاف دشمنی اور نفرت پیدا ہوتی ہیں جنھوں نے کربلا میں سیدالشہداؑ پر یہ مظالم ڈھائے۔

آئمہ اطہارؑ جو لوگوں میں سب سے زیادہ اس بات سے آگاہی رکھتے ہیں کہ کون سے حالات و واقعات کس بات کا تقاضا کرتے ہیں جو ان کے لیے حق وحقانیت کی طرف بلانے میں معاون اور بہتر ثابت ہوں۔ آپؑ اپنے اغراض و مقاصد تک رسائی کے لیے ہر بہتر ذریعہ اپناتے تھے، ان ذرائع میں سے ایک ایسا ذریعہ جس سے اُمت اسلامیہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے رُوگردانی کرتی ہے وہ آئمہ اطہارؑ کا حضرت امام حسینؑ کے مصائب وآلام پر گریہ وزاری کا حکم دینا ہے کیونکہ اس طرح ان ظالم و جابر لوگوں کے ظلم وستم کا تذکرہ کیا جائے گا جس سے انسان کا دل متاثر ہوگا اور وہ ان لوگوں سے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے نفرت کریں گے۔ حضرت امام حسینؑ کے درج ذیل فرمان کا مقصد بھی یہی تھا۔ آپؑ نے فرمایا:

اَنَا قَتِيْلُ الْعِبْرَةِ لَا يَذْكُرُنِیْ مُؤْمِنٌ اِلَّا بَكٰی (کامل الزیارات: ص ۱۰۸)

"میں کشتہ گریہ (عبرت) ہوں، مجھے جب بھی مومن یاد کرے گا تو گریہ کرے گا"۔

پس ایک مومن شخص جس کا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ محبت و ولاء اور ان کا پیروکار اور تابعدار ہونے کی حیثیت سے رشتہ قائم ہوتا ہے تو پھر جب بھی اس کے امام اور ولی پر مصیبت آئے یا انھیں کوئی نقصان پہنچایا جائے یا وہ خطرات میں گھر جائیں تو فطری طور پر انسان کا نفس اس سے ایک خاص اثر لیتا ہے جس سے اس کا دل اپنے امامؑ کے ساتھ وابستگی کی بنا پر ٹوٹ جاتا ہے اور جب یہ مصائب عروج پر ہوتے ہیں تو ان کا اثر اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

سیدالشہداؑ حضرت امام حسینؑ کا اپنے اس جملہ اَنَا قَتِيْلُ الْعِبْرَةِ سے صرف یہ بتانا مقصود نہیں تھا کہ ان کی شہادت کا مقصد ان پر صرف گریہ وزاری کرنا ہے تاکہ ان پر گریہ وزاری کرنے والا آخرت میں اجر وثواب کا حق دار ٹھہرے اور ان کی شہادت کا اس کے علاوہ کوئی اور فائدہ نہیں۔ بلکہ اس کے علاوہ بھی شہادتِ امام حسینؑ کے اور کئی اثرات اور اہداف ہیں۔ ان میں سے اہم ترین شریعتِ حقہ کا احیا، پرچمِ ہدایت اور شریعت کے جن اُمور کو بگاڑا جا چکا تھا ان کو درست کرنا، اُمت مسلمہ کے درمیان اصلاح اور بہتری کے اقدامات کرنا اور اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل کی خاطر ظلم وجور کا ارتکاب

کرنے والے اربابِ اقتدار کی سیرت کے سیاہ باب سے لوگوں کو روشناس کراتا ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنے اس فرمان کے ذریعے لوگوں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ ان کی شہادت کے تذکرہ اور ان پر گریہ و بکا کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ جو شخص بھی آپؑ کے مصائب پر غم زدہ ہوتا ہے اس کا یہ غم و اندوہ کبھی کم نہیں ہو سکتا اور آپؑ پر ڈھائے جانے والے مظالم کو سن کر ان کا درد و الم کبھی مدھم نہیں پڑ سکتا۔

آپؑ نے ان رنج و الم اور مصائب کو کھلے دل سے قبول کیا اور ایسے صبر کا مظاہرہ کیا کہ آسمان کے فرشتے بھی حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ آپؑ کے ان مصائب کو سننے والے کا سب سے پہلے یہی ردِعمل ہوتا ہے کہ وہ آپؑ پر گریہ و زاری کرتا ہے اور پھر جب کبھی بھی وہ حضرت امام حسینؑ کو یاد کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے اشکوں کی برسات ہونے لگتی ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مزید آپؑ کے چاہنے والوں کے دلوں میں آپؑ کی چھپی ہوئی محبت ہے جب کہ محبت حسینؑ کے ہوتے ہوئے یادِ حسینؑ بھی ہو تو پھر حضرت امام حسینؑ کے ذکر اور آپؑ پر آہ و بکا اور گریہ و زاری کے درمیان مزید گہرا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس تعلق کا حق تب ہی ادا ہوتا ہے جب کہ امامؑ کی شہادت کی نسبت ان پر گریہ و زاری کی طرف دی جائے۔ اسی لیے حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اَنَا قَتِیْلُ الْعِبْرَۃِ "میں کشتۂ گریاں ہوں"۔

عرب اپنے کلام کے دوران اس روش کو اپناتے تھے جب وہ کسی انسان اور اس کی کسی حالت اور صفت کے درمیان گہرا تعلق دیکھتے تھے تو وہ اس کو اس خاص حالت اور صفت کی طرف مضاف کرتے تھے جیسے عرب اپنے خاص تاثرات کے اظہار کے لیے یہ کلمات (مضاف و مضاف الیہ کے طور پر) استعمال کرتے ہیں: مضر الحمراء، ربیعۃ الخیل، زید النار، صبیۃ النار اور مسرۃ الازواج وغیرہ۔ بے شک قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر نے اپنے لیے اس کے سوا کوئی ایسی قابلِ ستائش صفت نہ پائی جس کی وجہ سے ان کی مدح سرائی کی جا سکے سوائے جنگ کے حالات کو سنبھالنا اور جنگ کے لیے گھوڑے مہیا کرنا۔ حضرت امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کے بیٹے حضرت زیدؓ کو کسی خاص اچھی یا بری صفت سے متصف نہیں کیا گیا سوائے یہ کہ انھوں نے بصرہ میں بنو عباس کے گھروں کو جلایا تھا۔ عقبہ ابن ابی معیط کی اولاد کو جہنم کی آگ کے سوا کسی اور صفت سے متصف نہیں کیا گیا اس لیے کہ انھیں رسولِ خدا نے اس وقت اس آگ کی طرف منسوب اور متصف کیا تھا جب آپؐ نے عقبہ ابن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا جب کہ وہ ایک کافر شخص تھا، اور اس نے یہ حکم سن کر نبی کریمؐ سے پوچھا کہ میری اولاد کا کیا ہوگا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔

جعدہ بن اشعث جن رذائل اور برے اوصاف سے متصف ہے ان میں اس کی تشہیر اس بری صفت کے ذریعے ہوئی ہے کہ جو اس نے نواسۂ رسولؐ ابو محمد حضرت امام حسنؑ کو زہر دیا تھا۔ جب یہ اوصاف لوگوں کے درمیان مشہور ہوئے تو انھوں نے اسے یوں بیان کرنا شروع کر دیا کہ قبیلہ مضر کو سرخ خونیں جنگ کی مناسبت سے "مضر الحمراء" کہا گیا۔ قبیلہ ربیعہ کو طرف

جنگی گھوڑوں کی نسبت سے "ربیعۃ الخیل" کہا گیا۔ حضرت زید کو بنوعباس کے گھروں کو آگ سے جلانے کی وجہ سے "زید النار" کہا گیا اور اپنے شوہر کو زہر دینے کی وجہ سے جعدہ کو "مسمۃ الازواج" کہا گیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ فرمان کہ میں ایک ایسا شہید ہوں جس پر آنسو بہائے جائیں گے۔ اسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت امام حسینؑ ایک ایسے شہید ہیں جن کی شہادت پر آنسو بہائے جاتے ہیں۔ یہ بعینہ ایسا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ یہ تب ہی ہوتا ہے جب کسی انسان کے ذہن میں ان کی شہادت کے تذکرہ اور آنسو بہانے کے درمیان ایک گہرا تعلق قائم ہوتا ہے۔

رونے کی شکل بنانا

ہدایت کے علم بردار آئمہ علیہم السلام نے یہ بھی پسند فرمایا کہ واقعۂ کربلا کی یاد ہمیشہ لوگوں کے ذہنوں میں باقی رہے اور مستقبل میں آنے والی نسلیں اس کے متعلق گفتگو کرتی رہیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دین اس وقت تک باقی اور تر وتازہ رہے گا، جب تک اُمت اس عظیم سانحہ کی یاد مناتی رہے گی۔ آئمہؑ نے اس کی یاد منانے کے لیے صرف گریہ و بکا اور رونے کے حکم پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ انھوں نے اس بات پر بھی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ اگر صرف رونے کی شکل بنالی جائے اور آنکھوں سے اشک نہ بھی نکلیں تو یہ بھی اجر وثواب کا باعث ہوگا۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ تَبَاکٰی فَلَہُ الْجَنَّۃُ (امالی صدوق: ص۸۶، مجلس ۲۹)

"جو (غم حسینؑ میں) رونے کی شکل بنائے اس کے لیے اجر میں جنت ہے"۔

اس حقیقت سے سب واقف ہیں کہ وہ شخص رونے کی شکل بناتا ہے جس کے لیے اپنی آنکھوں سے اشک برسانا مشکل ہوں لیکن وہ اس مصیبت پر غم زدہ ضرور ہوتا ہے جیسا کہ اکثر افراد میں اس بات کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ جب انسان اپنے محبوب پر ڈھائے جانے والے رنج و آلام اور مظالم کا تصور کرتا ہے تو وہ نفسیاتی طور پر اس کا اثر لیتا ہے اور وہ ان ظالموں سے نفرت کرتا ہے جنھوں نے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ایک حدیث میں ذکر ہوا ہے کہ آپؐ نے سورۂ زمر کی آخری آیات کی تلاوت کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی:

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَہَنَّمَ زُمَرًا (سورۂ زمر: آیہ ۷۱)

"اور جو لوگ کافر تھے ان کے غول کے غول جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے"۔

یہ آیت سن کر انصار کا ایک گروہ گریہ و بکا کرنے لگا لیکن ان میں ایک جوان نے گریہ نہ کیا۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے عرض کیا: میری آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا لیکن میں نے رونے کی شکل بنائی تھی۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے رونے کی شکل بنائی اس کے لیے بھی جنت ہے۔ (کنز العمال: ج۱، ص ۱۴۷)

جریر نے نبی اکرم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میں تمھارے سامنے اس آیت کی تلاوت کرتا ہوں: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (سورۂ تکاثر: آیہ ۱) "نسل و مال کی بہتات نے تم لوگوں کو غافل بنا رکھا ہے"۔ جو اس آیت کو سن کر گریہ کرے گا اس کے لیے جنت ہے اور جس نے صرف رونے کی شکل بنائی تو اس کے لیے بھی جنت ہے۔ (کنز العمال: ج۱، ص ۱۴۸)

حضرت ابوذر غفاریؓ نے نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اگر تم میں سے کوئی شخص گریہ کر سکتا ہو تو اسے گریہ کرنا چاہیے اور جسے رونا نہ آتا ہو تو وہ اپنے دل میں حزن و ملال کو محسوس کرے کیونکہ سخت دل خدا کی رحمت سے دُور ہوتا ہے"۔ (اللؤلؤ والمرجان: نوری، ص ۷۴، مجموعہ شیخ ورام، ص ۲۷۲)

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان رونے کی شکل تب بناتا ہے جب دل میں رنج و غم پیدا ہوتا ہے اور انسان کا دل اس درد کو محسوس کرتا ہے جیسا کہ رونے کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس لیے حزن و ملال ہوتا ہے کیونکہ انسان یہ تصور کرتا ہے کہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی ہے اور اب اسے آخرت میں ذلیل و رسوا کرنے والے عذاب سے دوچار کیا جائے گا کیوں کہ اس کی یہ معصیت خدا سے دُوری کا سبب بنی ہے، لہٰذا اب وہ ایسا کام کرے جس سے اپنے آقا و مولا کا قرب نصیب ہو۔ آلِ رسولؐ کے مصائب کا تذکرہ کرنے سے انسان کے دل میں ان کے دشمنوں کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے اور جن لوگوں نے آلِ رسولؐ کو تکالیف دیں اور ستایا ان کے خلاف بغض اور عداوت کا اظہار ہوتا ہے۔

جس بات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے شاید شیخ محمد عبدہ کی بھی یہی مراد ہے، وہ کہتے ہیں: "رونے کی شکل بنانا درحقیقت انسان کا رونے کے لیے کوشش کرنا ہے اور اس میں دکھلاوا نہیں ہوتا ہے"۔ (تفسیر المنار: ج۸، ص ۳۰۱)

شریف جرجانی کہتے ہیں: باب "تفاعل" اکثر اس صفت کے اظہار کے لیے آتا ہے جو صفت موصوف میں نہ پائی جائے، جیسے تغافل (کسی شخص کا جان بوجھ کر غفلت کا اظہار کرنا) تجاہل (بناوٹی جہالت ظاہر کرنا) اور تواجد وغیرہ۔ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اس میں تکلف اور تصنع (بناوٹ) ہوتا ہے اور ایک گروہ اس کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے اس صفت کے حصول کا قصد نہیں ہوتا اور اس کی بازگشت رسولِ خدا کے اس فرمان کی طرف ہوتی ہے کیوں کہ آپؐ نے فرمایا ہے: اگر تم گریہ نہ کر سکو تو گریہ کرنے کی شکل بناؤ۔ یہاں نبی اکرمؐ کی گریہ کرنے کی شکل بنانے سے وہ شخص مراد ہے جو گریہ و بکا کے لیے ذہنی اور قلبی طور پر تیار ہو۔ نبی اکرمؐ کی مراد وہ شخص نہیں ہے جو رونے کی شکل تو بنا رہا ہو لیکن

اصل بات سے غافل اور محض عبث اور فضول ایسا کر رہا ہو۔ (التعریفات: ص ۴۸)

پس! جو شخص گریہ کر رہا ہو اور جو گریہ کرنے کی شکل بنا رہا ہو تو درحقیقت یہ دونوں افراد اس لحاظ سے ایک جیسے ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ جب بھی اہلِ بیتؑ پر ڈھائے جانے والے مظالم کا تصور کرتے ہیں تو ان کا دل اس درد کو محسوس کرتا اور ان مظالم پر ان کا دل کڑھتا اور جلتا رہتا ہے۔ پھر یہ اس لحاظ سے بھی ایک جیسے ہوتے ہیں کہ یہ ان لوگوں سے نفرت، دُوری اور برائت اختیار کرتے ہیں جنھوں نے اہلِ بیتؑ کو ان کے حقیقی مقام و مرتبہ سے دُور کیا۔ جو شخص معصومینؑ کے کلام کے اہداف و اسرار کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا وہ رونے کی شکل بنانے والے شخص کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یہ دکھلاوا کرتا ہے جب کہ ہم نے رونے کی شکل بنانے میں پنہاں راز کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے تو اب اس کے بعد انسان بلاغت کی اہمیت اور بلغاء افراد کی قدر و منزلت سے آشنا ہو سکتا ہے کہ اہلِ بیتؑ کے کلام میں کس قدر گہرے اسرار موجود ہوتے ہیں۔ ان اُسرار سے آگاہی صرف وہ شخص حاصل کر سکتا ہے جو ان کے کلام میں پنہاں اسرار کو جانتا ہو اور جن حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے معصومینؑ نے یہ کلام ارشاد فرمایا ہے اور یہ حالات جن باتوں کا تقاضا کرتے ہوں وہ ان سے بخوبی واقف ہو۔ بے شک! آئمہ معصومینؑ نے ہمیشہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے تمام دقیق وسائل کو بروئے کار لانے کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور لوگوں کو اپنے اس حق سے آگاہ کرتے تھے جو غصب کیا گیا تھا۔

ان اُمور میں سے ایک حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی وہ وصیت ہے جس میں آپؑ نے آٹھ سو درہم مختص کرتے ہوئے فرمایا: سوگ کرنے والی عورتیں حج کے موسم میں مقامِ منیٰ میں ان کی عزاداری کا اہتمام کریں۔ ①

جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ حج کے دوران منیٰ میں مختلف مسالک اور مذاہب کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور اس وقت ان پر عورتوں کے سوا وہ تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں جو پہلے ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ منیٰ میں قیام کرنے کے ایام عید کے دن ہوتے ہیں جب لوگ ایک دوسرے کی زیارت کو آتے جاتے ہیں اور وہاں پر خوشی کی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کے لیے عید ملن پارٹیوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

آپ اس باریک بین نکتہ کو سمجھیں کہ امام علیہ السلام نے عرفات اور مشعر الحرام کے بجائے منیٰ میں عزاداری کروانے کا حکم کیوں دیا تھا؟! اس کی وجہ یہ ہے کہ عرفات اور مشعر الحرام میں لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت اور اس کی بارگاہ میں دعا و مناجات میں مشغول ہوتے ہیں اور ان دونوں مقامات پر وقت کی قلت ہوتی ہے۔

---

① "التہذیب": طوسی، ج ۲، ص ۱۰۸، کتاب المکاسب "المنتہیٰ": علامہ حلی، ج ۲، ص ۱۱۲، "الذکریٰ": شہید اوّل احکام الاموات کی بحث نمبر ۴۔ من لا یحضرہ الفقیہ ص ۳۰ پر ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے یہ وصیت فرمائی: "آٹھ سو درہم ان کے سوگ کے لیے مختص کیے ہیں جن کے ذریعے دس سال تک حج کے دوران منیٰ میں عزاداری کا اہتمام کیا جائے۔

ہاں اِحج کے دوران منٰی میں تین دن گزارے جاتے ہیں اور یہ عید اور فرح و سُرور کے دن ہوتے ہیں، حزن و ملال اور گریہ و بکا کے دن نہیں ہوتے۔ یہ فطری بات ہے کہ جب کوئی شخص خوشی کے دنوں میں کسی کو روتا اور غم مناتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ فوراً ان اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے جن کی بنا پر یہ شخص آہ و زاری کر رہا ہو اور وہ اس شخص سے پوچھتا ہے کہ خوشی کے دنوں میں تمھارے رونے کا سبب کیا ہے؟ یہی مقصد ہے مقامِ منٰی میں خواتین کی عزاداری کا، تاکہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں کہ یہ خواتین کس کا سوگ منارہی ہیں اور یہ کس ہستی کے کس پیغام کا پرچار کررہی ہیں اور اس ہستی کا اپنا کردار کیسا تھا۔ پھر لوگ اس شخص کے متعلق پوچھتے ہیں جس نے اس ہستی سے دشمنی کی اور ان کے حق کو غصب کیا۔ اس طرح اس شخص کے سامنے حق روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے اور وہ مثالی کردار اور سیرت سے روشناس ہوتا ہے کیونکہ خدا کا نور بجھ نہیں سکتا اور اس نورِ خدا کی طرف بلانا ایک واضح دلیل و برہان کے تحت ہے۔

جو شخص حج کے دوران منٰی میں عزاداری کے اس پروگرام میں شریک ہوتا ہے تو پھر وہ جب اپنے وطن واپس جاتا ہے تو لوگوں کو اس کے متعلق بتاتا ہے اور لوگ اس خبر کو ایک دوسرے سے بیان کرتے ہیں تو اس طرح یہ خبر ان لوگوں تک بھی پہنچ جاتی ہے جو وہاں پر موجود نہیں ہوتے اور یوں ہر شخص پر اتمامِ حجت ہوجاتی ہے اور کسی کے پاس اس عذر کی گنجائش نہ رہتی کہ وہ یہ کہے کہ میں تو مدینہ جا نہیں سکتا جہاں پر "خدا کی حجت" قیام پذیر ہے اور نہ وہ یہ عذر کرسکتا ہے کہ میرے پاس ان کے متعلق کوئی پیغام اور خبر نہیں پہنچی اور نہ ہی یہ عذر باقی رہتا ہے کہ میں امامؑ کی دعوتِ حق اور ان کے دشمنوں کی ضلالت وگمراہی سے آگاہ نہیں ہوا۔ پس اس وقت زیادہ تر یہی امر تھا کہ اب کوئی جاہل کا عذر باقی نہ رہے۔

ہم یہاں پر اس بات کو بھی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کیا وجہ تھی جس کی بنا پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے غم و اندوہ کرنے والی خواتین کو حج کے دنوں میں مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں عزاداری برپا کرنے کا حکم نہ دیا یہ اس لیے کہ اگر آپؑ مکہ یا مدینہ میں عزاداری کا اہتمام کرنے کا حکم دیتے تو ان مجالس کا انعقاد گھروں میں کیا جاتا اور پھر مرد کیسے ان عورتوں کے غم واندوہ اور گریہ و بکا کو سن سکتے اور پھر کیسے اس گریہ اور آہ و زاری سے مطلوبہ مقاصد حاصل ہوتے؟!

اور یہ دعویٰ کہ عورت کی آواز عورہ (بے پردگی) ہے اور اجنبی مردوں کے لیے اس کی آواز سننا حرام ہے، یہ دعویٰ ناقابلِ قبول ہے کیونکہ محمد ابن یعقوب کلینی نے کافی میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ اُمِ خالد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس وقت آپؑ کے پاس ابوبصیر بھی موجود تھے اور اُمِ خالد عاقلہ، عارفہ تھیں۔ پھر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوبصیر سے پوچھا: کیا تم اس کی گفتگو سننا چاہتے ہو؟ پھر امامؑ نے ابوبصیر کو چٹائی پر اُمِ خالد کے ساتھ بٹھا دیا۔ پھر اُمِ خالد نے گفتگو کرنا شروع کی اور وہ عاقلہ اور بالغہ تھیں۔ (وسائل الشیعہ: حر عاملی، ج ۳، ص ۲۵، باب ۱۰۶، نامحرم عورت کی آواز سننے کا حکم)

اگر عورت کی آواز کا سننا نامحرم مردوں کے لیے حرام ہوتا تو امامؑ ہرگز ابوبصیر کو اس کی اجازت نہ دیتے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا منیٰ میں گریہ وزاری اور غم منانے والی خواتین کے لیے اپنے مال کو مختص کرنے کی وصیت کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ نامحرم مردوں کا عورت کی آواز کو سننا جائز ہے کیونکہ اگر نامحرم مردوں کا ان کی آواز کو سننا گناہ ہوتا تو امامؑ انھیں مدینہ اور مکہ میں گھروں کے اندر امامؑ پر گریہ وزری کا حکم دیتے بلکہ امامؑ کے حکم کی تعمیل اس صورت میں ہوتی ہے کہ مرد بھی ان کی آواز سنیں اور ان مردوں کو بھی یہ پتا چلے کہ یہ خواتین کیوں سوگ منا رہی ہیں۔

حماد کوفی کی حدیث میں منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ کوفہ کے رہنے والے لوگ ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کے پاس پندرہ شعبان کو زیارت کے لیے آتے ہیں اور ان میں سے بعض افراد قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور بعض افراد ان کے قصے بیان کرتے ہیں۔ امامؑ نے یہاں تک فرمایا کہ عورتیں ان پر گریہ وزاری اور عزاداری بپا کر رہی ہوتی ہیں۔

یہ سن کر حماد نے عرض کیا: جو کچھ آپؑ نے فرمایا ہے ان میں سے بعض اُمور کا میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ پھر امامؑ نے فرمایا: تمام حمد وثنا اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمارے شیعوں میں ایسے افراد رکھے ہیں جو ہماری زیارت کے لیے شوق سے دوڑے چلے آتے ہیں اور وہ ہماری مدح وستائش بیان کرتے ہیں اور وہ ہمارے لیے نوحہ کناں اور غم زدہ ہوتے ہیں۔ (کامل الزیارات: ص ۳۲۵، باب ۱۰۸، اوّل النوادر)

اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کے نزدیک عورتوں کا گریہ وزاری اور عزاداری کا اہتمام کرنا اس سے نامحرم مردوں کا ان کی آوازوں کو سننا لازم آتا ہے اور اگر مرد کے لیے عورت کی آواز سننا حرام ہوتا تو حجت خدا امامؑ کبھی اسے اچھا اور مستحسن قرار نہ دیتے اور ان کے لیے رحمت کی دعا نہ کرتے۔

اور یہ نظریہ کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے تو اس کی تائید میں کوئی روایت موجود نہیں ہے لیکن مردوں کا نامحرم عورتوں سے باہمی گفتگو یا ان کے ساتھ ایک گھر میں ٹھہرنے سے اس لیے منع نہیں کیا گیا کہ اس سے عورت کی آواز کے ذریعے اس کی بے پردگی ہوتی ہے بلکہ اس وجہ سے روکا گیا ہے کہ اس بات کا ڈر ہے وہ کسی ایسے کام میں نہ پڑ جائیں جس کا انجام اچھا نہ ہو اور جس سے خدا کی نافرمانی اور معصیت ہوتی ہو۔

علامہ حلی نے اپنی کتاب "التحریر" میں نکاح کے ضمن میں مسئلہ نمبر ۹ میں جو بیان کیا ہے کہ نابینا مرد کا نامحرم عورت کی آواز سننا جائز نہیں۔ وہ انھوں نے شاید اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس سے اس کے گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے، نہ کہ اس لیے کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے۔ ہاں علامہ حلی نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں نکاح کے مسائل میں یہ واضح طور پر بیان کیا ہے کہ عورت کی آواز کا اس صورت میں کان لگا کر سننا حرام ہے، اگر گناہ میں پڑنے کا ڈر ہو، ورنہ یہ حرام نہیں۔

شافعی مذہب کے اس مسئلے میں دو قول ذکر ہوئے ہیں کہ کیا عورت کی آواز عورہ (بے پردگی) ہے یا نہیں۔ "جواہر الکلام" کے مصنف نے محقق حلی کے جواب میں یہ ذکر کیا ہے کہ کئی صدیوں سے چلی آنے والی متواتر سیرت سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے اور آئمہ معصومینؑ کے زمانہ میں عورتیں ان سے بات کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ زہراؑ نے اور ان کی بیٹیوں نے (کوفہ و شام میں) خطبات دیے تھے، اور یہ بات سب کو معلوم ہے لہٰذا عورت کی آواز کا سننا نامحرم مرد کے لیے حرام نہیں ہے۔ اور اہلِ سنت کی فقہ میں اس سے نہیں روکا گیا۔ "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" ج۱، ص۱۹۷ پر مذکور ہے کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی نہیں ہوتی کیونکہ نبی اکرمؐ کی ازواج صحابہ سے کلام کیا کرتی تھیں اور وہ ازواج سے دینی احکام سنا کرتے تھے۔ شیبانی حنبلی نے "نیل المآرب" ج۲، ص۱۲۷ پر تحریر کیا ہے کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی نہیں ہوتی لیکن لذت کے قصد سے اس کی آواز سننا حرام ہے۔ ابن حجر نے بھی "الزواجر" ج۱، ص۲۷ کے حاشیہ پر اپنی کتاب "کف الرعاع" میں اسی قول کو اپنایا ہے۔ ہاں! اہلِ سنت میں سے کچھ نے اس قول کو اپنایا ہے کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے اور یہ قول ابن حجر کی رائے کے موافق نہیں ہے۔

ابن نجیم الحنفی نے "البحر الرائق" ج۱، ص۲۷۰ پر تحریر کیا ہے کہ الکافی کے مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ عورت اُونچی آواز میں تلبیہ (لبیك اللهم لبیك) نہ پڑھے کیونکہ اس کی آواز سے بے پردگی ہوتی ہے۔ کتاب "المحیط" کے مصنف نے بھی باب الاذان میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ "فتح القدیر" کا مصنف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ اگر یہ کہا جاتا کہ عورت اُونچی آواز میں نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوگی، یہ بات زیادہ مناسب تھی۔

"شرح الامینیہ" میں اس کے مصنف نے بیان کیا ہے کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی نہیں ہوتی لیکن اگر اس سے فتنہ اور گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس سے اجتناب کیا جائے جیسا کہ صاحب "الہدایہ" اور دیگر علماء نے تلبیہ کے مسئلہ میں اس کی یہی علت بیان کی ہے۔

"النوازل" کے مصنف نے کہا ہے کہ عورت کے نغمہ (سُریلی آواز) سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے اور اس کی بنیاد اس قول پر ہے کہ عورت کا کسی دوسری عورت سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنا زیادہ پسندیدہ عمل ہے بجائے یہ کہ وہ کسی نابینا سے اس کی تعلیم حاصل کرے۔

ابن نجیم نے "الاشباہ والنظائر" ص۲۰۰ پر خنثیٰ کے احکام میں ذکر کیا ہے کہ ایک قول کے مطابق خنثیٰ کی آواز عورہ (بے پردگی) ہے۔ ابن مفلح الحنبلی نے "الفروع" ج۲، ص۱۲ پر بیان کیا ہے کہ صحیح ترین قول یہ ہے: خنثیٰ کی آواز کا سننا حرام نہیں ہے کیونکہ اس سے بے پردگی نہیں ہوتی۔ عینی نے "عمدۃ القاری فی شرح الصحیح البخاری" ج۴، ص۱۲، باب "جنازے کے پیچھے چلنے کے حکم" میں ذکر کیا ہے کہ عورت پر مرد کے سلام کا جواب دینا واجب ہے لیکن وہ

اپنی آواز بلند نہ کرے کیونکہ اس سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے۔

زین الدین العراقی نے "طرح التقریب" ج ا، ص ۲۵۰ پر ابن عبدالبر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابن عبدالبر نے "الاستذکار" میں بیان کیا ہے کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی نہیں ہوتی۔ شافعی مذہب کے پیروکاروں کے نزدیک یہی قول صحیح ہے اور اسی حوالے کے تحت ج ۷، ص ۴۵ پر نکاح کے مسائل کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی نہیں ہوتی۔ نووی کی "شرح المجموع" ج ۷، ص ۲۴۹، ایڈیشن دوئم میں ہے کہ دارمی اور قاضی ابوطیب نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ عورت کا تلبیہ کے وقت اپنی آواز کو بلند کرنا حرام نہیں ہے۔

شوکانی کی "نیل الاوطار" ج ۴، ص ۲۷۴، باب التلبیہ کے تحت مذکور ہے کہ زدیانی اور ابن رفعہ کے نزدیک تلبیہ کہتے وقت عورت کا اپنی آواز کو بلند کرنا حرام نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کی بے پردگی نہیں ہوتی ہے۔

□□□

خاکِ کربلا پر سجدہ

اہلِ بیتؑ میں سے آئمہ اطہار علیہم السلام نے لوگوں کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت سے آگاہ کرنے اور انھیں اس بات سے واقف کرنے کے لیے کہ ان کا دشمن حق کی سنتوں سے دُور ہے اور یہ کہ حضرت امام حسینؑ کے قیام نے دعوتِ رسولؐ کو محکم کیا ہے۔ آئمۂ معصومین علیہم السلام نے اس پیغام کی طرف جانے والے راستے کی پیروی کا حکم دینے کے لیے جن طریقوں کو اپنایا ان میں سے ایک خاکِ کربلا پر سجدہ کرنے کا حکم دینا ہے۔ خاکِ کربلا پر سجدہ کرنے کے اہم اسرار میں سے ایک سر یہ ہے کہ دن میں پانچ وقت جب نمازی اپنی پیشانی کو اس خاک پر رکھے گا تو یہ سجدہ گاہ روحِ نبیؐ سیّدالشہداؑ، ان کے باوقار اہلِ بیتؑ اور باوفا اصحاب کی صحیح اصولوں کی پاسداری کی خاطر قربانی اور سیّدالشہداؑ پر ڈھائے جانے والے ان سخت ترین مظالم و تکالیف کی یاد دلاتا رہے گا، جن سے سخت چٹانیں بھی ریزہ ریزہ ہوجاتیں لیکن امامؑ نے ان کا یوں صبر سے مقابلہ کیا کہ آسمانوں کے فرشتے بھی حیرت زدہ ہو کر رہ گئے جیسا کہ سیّدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں وارد ہوا ہے۔

خاکِ کربلا پر سجدہ اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ یہ وہ خاک ہے جس میں مظلومِ کربلا، ان کے اہلِ بیتؑ اور ان اصحابِ باوفا کا خون ملا ہوا ہے، جن کے متعلق امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ وہ تمام شہدا کے سیّد و سردار ہیں اور کوئی آگے بڑھنے والا ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور کوئی پیچھے سے آنے والا اُن کے ساتھ ملحق نہیں ہوسکتا۔

جیسا کہ کامل الزیارات: ص ۲۷۰، باب ۸۸ پر منقول ہے: اس خاک پر دن میں پانچ وقت پیشانی رکھنے سے ان کے موالی (نمازی) کا دل فطری طور پر جوش کھائے گا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوں گے اور اس کا دل کڑھتا اور جلتا رہے گا اور وہ ہر اس شخص سے دُوری اختیار کرے گا جس نے ان پر ظلم و ستم روا رکھا اور جو ان ظالم و جابر لوگوں کے طریقے پر چلا اور جس نے ان ظالموں کو ان پر ظلم کے لیے بنیاد فراہم کی۔ نیز سجدہ کرنے والے پر یہ آشکار ہوتا ہے کہ انقلابِ حسینیؑ نے ظلم و جَور کے بتوں کو زمین بوس کردیا۔ اسی طرح آنے والی نسلوں کو یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ کس طرح ایک باعزت قیمتی انسان اپنے عقیدہ کی تائید کی خاطر موت کو آسانی سے گلے لگالیتا ہے اور وہ دنیا کے مال و اسباب کو ہیچ (قابلِ نفرت) سمجھتا ہے۔

جس طرح آئمۂ معصومینؑ نے خاکِ کربلا پر سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح انھوں نے خاکِ کربلا کے دانوں سے پروئی ہوئی تسبیح سے ذکر اور وظائف کا بھی حکم دیا ہے تاکہ اس کے ذریعے اس گراں قدر ہدف کو حاصل کیا جاسکے

جن اہداف کی طرف اہلِ بیتؑ نے رہنمائی کی ہے اگرچہ اُمت ان کے دقیق اسرار کو سمجھ نہیں پائی۔

دوسرے لوگ جب ہمیں خاکِ کربلا پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ ہم پر اپنی جہالت کے باعث بدعتی اور گمراہ ہونے کا فتویٰ داغ دیتے ہیں، وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کیونکہ وہ اس خاک پر سجدہ کرنے کے حکمت آمیز رازوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیث کو سمجھ نہیں پائے جو نبیؐ وحیِ الٰہی کے بغیر کلام نہیں کرتے:

جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا

"میرے لیے زمین کو سجدہ کرنے کی جگہ اور تیمم کا مقام قرار دیا گیا ہے"۔

خاکِ کربلا کا پانی سے مخلوط تیار کیا گیا یہ ٹکڑا جو تیار ہونے کے بعد سخت ہوجاتا ہے وہ اس متفق علیہ حدیث کے مصادیق میں سے ایک مصداق ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہونا

بے شک مختلف اوقات میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے لوگوں کے اجتماعات اور وہاں اکٹھے ہونے کے متعلق احادیث میں بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ بے شک! کربلا میں جس ہستی کی زیارت کی جاتی ہے وہ دین کے ستونوں میں سے ایک ستون اور دین کا منارۂ ہدایت ہے۔ اس سے دین کی حقیقی تعلیمات اخذ کی جاتی ہیں اور اس سے علوم و معارف کا سبق ملتا ہے۔ جب زائرین مختلف علاقوں سے ان کی قبر مبارک کے قریب جاتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کی دوسرے کے ساتھ آشنائی ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک جب اس حیرت انگیز ہجوم کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ لوگوں کے قافلے جوق در جوق آ رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ سیدالشہداؑ کے روضۂ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کرے کیونکہ اس روضۂ اقدس میں وہ برگزیدہ آرام فرما رہے ہیں جو لوگوں کو دعوتِ الٰہیہ سے روشناس کراتے اور لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و دانائی اور اچھے انداز میں وعظ و نصیحت کے ذریعے بلاتے ہیں۔

یہ منظر دیکھ کر اس شخص کی نظر میں اس برگزیدہ ہستی کی عظمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جس کی وہ زیارت کر رہا ہوتا ہے۔ پھر وہ بہترین انداز میں ان کی توصیف بیان کرتا ہے، ان کے پیغام کو بہتر انداز میں سمجھتا ہے اور وہ اس پُرشکوہ منظر سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کا دل پگھل جاتا ہے اور اس کے یقین میں پختگی آتی ہے۔ پھر وہ فطرتی طور پر اس ہستی کی تعلیمات کی پیروی کرتا ہے، ان کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے، ان کے نقشِ قدم پر چلتا ہے اور اسے ان کی مظلومیت کا پتا چلتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے بے شمار فوائد ہیں اُن فوائد میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس زیارت کے تحت مومنین کے درمیان بھائی چارے کا رابطہ مضبوط ہوتا ہے جس کی قرآنِ مجید دعوت دیتا ہے:

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ (سورۂ حجرات: آیہ ۱۰)

"بے شک! مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔

بے شک! زائرین جب قبرِ مبارک کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں یا جب وہ زیارت کے لیے جاتے ہوئے راستے میں ایک دوسرے کے ساتھ ہم سفر ہوتے ہیں تو وہ آپس میں نیکی کے اُمور اور ان پر ملنے والے صلہ کے متعلق تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ وہ باہمی گفت و شنید کے ذریعے ایک دوسرے کی دینِ مبین کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور اس طرح ان کے سامنے دوسرے فرقوں کے اعتقادات میں پائی جانے والی خطائیں آشکار ہوتی ہیں۔ یوں دو عقیدوں کے درمیان عقل مندی اور دانائی کی بنیاد پر رابطہ استوار ہوتا ہے۔

ہدایت کے علَم بردار تمام آئمہؑ کی زیارت میں یہ حقیقت موجود ہے کہ یہ آئمہؑ ہر قابلِ اتباع ہدایت (وہ ہدایت جس کی پیروی کی جا سکے) اصلاحات کی آگاہی، مہذب و شائستہ طور طریقوں، درست رہنمائی اور مکمل علم و معرفت کے لیے کشادہ راستے اور راہِ کامرانی ہیں۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ ان کے ظاہری فضل، بے بہا علوم، تقویٰ و پرہیزگاری اور بے شمار معجزات جاننے کے بعد ان کے متعلق درج بالا عقیدہ رکھا جائے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اگر آئمہ معصومینؑ کے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اس نیت اور ارادے کے ساتھ کی جائے کہ یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے تقرب کا باعث ہیں تو اس سے یہ عقیدہ مزید راسخ ہوتا ہے۔

یہی وہ واحد سبب ہے جس کی بنا پر آئمہ معصومینؑ کی زیارت کو شرعی طور پر جائز قرار دیا گیا ہے۔ تمام آئمہؑ کے بجائے صرف سیدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی سال کے تمام دنوں میں مخصوص زیارات کو مختص کیا گیا ہے اور مزید یہ کہ آپؑ کی زیارتِ مطلقہ پر اُبھارا گیا ہے۔ حالانکہ سیدالمرسلین حضرت محمدؐ کی کوئی خاص زیارت مختص نہیں کی گئی۔ سیدالشہداؑ کے لیے زیارتِ مخصوصہ کے کئی اسباب اور علتیں ہیں۔

زیارتِ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مخصوص ہونے کے اہم اسباب

بے شک! اُموی ذہنیت ابھی تک زندہ ہے اور زمانے کے اعتبار سے اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور زیارتِ امام حسین علیہ السلام کے ذریعے ان کے مخصوص اغراض و مقاصد کے خلاف آواز بلند کی جاتی ہے۔ اب اُموی سوچ بوسیدہ ہو چکی ہے جب کہ ہر کوئی انھیں ذلت و رُسوائی اور برے الفاظ میں یاد کرتا ہے لیکن اُموی چیلے اس ذہنیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور ہر نسل کے کچھ افراد اس سوچ کو بھی اپناتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اہلِ بیتؑ کا مقصد اس ذہنیت کو ٹھنڈا اور بے حس و حرکت کرنا اور لوگوں کو اُموی ذہنیت کی ضلالت و گمراہی کی طرف اس طرح متوجہ کرنا کہ انھیں بشریت کے بہت بڑے نجات

دہندہ سیّدالشہدا ؑ کی تعلیمات کے ذریعے حقیقت سے آگاہ کیا جائے اور انھیں سیّدالشہدا ؑ کے ان مصائب اور مشکلات سے آشنا کیا جائے جو امامؑ نے اپنے پیغام کو پھیلانے اور حسینی فکر کے احیا کی خاطر برداشت کیے۔

جن اُمور کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو قیامِ حسینیؑ اور انقلابِ حسینیؑ کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، ان کی مظلومیت سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے اور انھیں یہ بتایا جاتا ہے کہ خدا کی طرف سے عطا کیے گئے حق کو ان سے کیسے دُور کیا گیا۔ ان میں سے ایک طریقہ سیّدالشہدا ؑ کے مصائب اور واقعات کا تذکرہ کرنا ہے تاکہ لوگ آپؑ کے مصائب کو محسوس کریں۔ ان مصائب وتکالیف اور واقعۂ کربلا کے تذکرہ سے نہ صرف یہ کہ ان کے موالیوں اور شیعوں کے دل پگھل جاتے ہیں کہ جو ان کی اتباع کرتے ہیں اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی خلافت کو غصب کیا گیا تھا بلکہ اس کے ساتھ ان کے سخت ترین دشمن کا دل بھی پگھل کر نرم ہوجائے گا۔

آئمہ معصومینؑ یہ چاہتے تھے کہ ان کے شیعہ پورا سال اور ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ ساتھ اس امر سے بھی ہرگز غافل نہ ہوں کہ یہ غاصب حکومت راہِ حق سے کوسوں دُور ہے۔ انھوں نے اپنے شیعوں کی اس بات پر حوصلہ افزائی فرمائی کہ وہ جوانانِ جنت کے سردار کے مرقدِ مطہر کے گرد مخصوص ایام اور عام دنوں میں زیارت کے لیے جمع ہوں۔ جب وہ اکٹھے ہوں گے تو فطری طور پر آپس میں اس سنگدلی اور ظلم کا تذکرہ کریں گے جس کا ارتکاب اُمویوں نے بچوں کو ذبح اور نبیؐ کی بیٹیوں کو شہر بہ شہر پھرا کر کیا۔

شیخ ھادی نے اپنے اشعار میں اس بات کا یوں اظہار کیا:

مغلولة الایدی الی الاعناق   تسبی علی عجف من النیاق
حاسرة الوجه بغیر برقع   لاستر غیر ساعد واذرع

"نبیؐ کی بیٹیوں کو اس حالت میں بے پالان اونٹنیوں پر قیدی بنا کر سوار کیا گیا کہ ان کے ہاتھ پسِ گردن بندھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے کھلے ہوئے بے مقنع و چادر تھے اور ان کے پاس اپنے پردے کے لیے ہاتھ اور بازوؤں کے سوا کچھ نہ تھا"۔ (حجۃ الاسلام شیخ ہادی کاشف الغطاء، قدس سرہ)

بے شک! ایک انسان کی حمیت و دینی غیرت اور فہم و ذکاء اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرتی کہ وہ کسی بھی ایسے شخص کے آگے عاجزی کا اظہار کرے جو کسی عام انسان کے ساتھ ایسے گھٹیا اور حقیر افعال کا مرتکب ہوا ہو، چہ جائیکہ اس نے رسولِ اقدس کی اولاد کے ساتھ ایسا کیا ہو۔ یہ اعمال سن کر انسان کا دل ٹوٹنے لگتا ہے اور اس کے جذبات اور عاطفت اُبھرنے لگتی ہے پھر وہ ان ناپاک لوگوں کے بارے میں یہی حکم لگاتا ہے کہ یہ لوگ دینِ اسلام سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

طبعی طور پر سیّدالشہدا ؑ کی ذات اور واقعات میں باقی اماموں کی نسبت یہ عنصر زیادہ موجود ہے کہ جسے سن کر دل پگھل کر

نرم ہوجاتے ہیں۔ اسی وجہ سے معصومینؑ نے معرکۂ کربلا کو حجت و دلیل قرار دیتے ہوئے اپنے دشمنوں کے خلاف مختلف انداز سے بھرپور حملے کیے۔ کبھی انھوں نے اپنے شیعوں کو معرکۂ کربلا کو یاد کرتے ہوئے گریہ وزاری کرنے کا حکم دیا، کبھی انھیں کسی بھی انداز میں مجالس ومحافل کے انعقاد کا حکم دیا اور کبھی انھیں سیدالشہداؑ کی زیارت پر اُبھارا۔ اسی طرح کے دیگر اُمور کو اپنانے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے یہاں تک کہ اس اُمت کے قلوب واذہان میں ہمیشہ حسینیت کی یاد کو باقی رکھا گیا ہے جیسا کہ اس اُمت کی ابتدا بھی حسینیت ہے اور اس کی انتہا بھی حسینیت پر ہوگی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وہ دعا جو آپؑ نے حالتِ سجدہ میں کی، اس دعا کو معاویہ بن وہب نے امامؑ سے نقل کیا ہے جس سے قلوب میں نور پیدا ہوتا ہے اور عقیدے میں پختگی کے ساتھ دلوں کو راحت وچین ملتا ہے اور ہمیں ان گہرے اسرار کا علم ہوتا ہے جو اُمت کے ان اعمال میں پنہاں ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سجدہ کی حالت میں دعا کرتے ہوئے فرمایا:

اللھم یامن خصّنا بالکرامة ووعدنا بالشفاعة وخصنا بالوصیة واعطانا علم ما مضی وعلم ما بقی وجعل افئدة من الناس تھوی الینا اغفرلی ولاخوانی وزوار قبر جدی الحسین الذین انفقوا أموالھم وأشخصوا أبدانھم رغبة فی برنا ورجاء لما عندك فی صلتنا وسروراً أدخلوہ علی نبیك واجابة منھم لأمرنا وغیظًا ادخلوہ علی عدونا أرادوا بذلك رضاك فکافئھم عنا بالرضوان واکلأھم باللیل والنھار واخلف علی أھالیھم وأولادھم الذین خلفوا بأحسن الخلف وأصحبھم واکفھم شر کل جبار عنید وکل ضعیف من خلقك وشدید وشر شیاطین الانس والجن۔

وأعطھم افضل ما أملوہ فی غربتھم عن أوطانھم۔

وما آثرونا به علی ابنائھم واھالیھم وقراباتھم۔

اللھم إن أعداءن عابوا علیھم خروجھم إلینا فلم ینھھم ذلك من الشخوص إلینا خلافاً منھم علی من خالفنا

اللھم ارحم تلك الوجوہ التی غیّرتھا الشمس۔

وارحم تلك الخدود التی تقلبت علی حضرة أبی عبدالله الحسین۔

وارحم تلك الأعین التی جرت دموعھا رحمة لنا۔

وارحم تلك القلوب التی جزعت واحترقت لنا۔

وارحم تلك الصرخة التي كانت لنا۔

اللهم انی استودعك تلك الانفس والابدان حتّٰی توفیهم علی الحوض یوم العطش الأکبر۔

ولما استكثر معاویة بن وهب هذا لزوار الحسین قال الامام الصادق: ﴿ان من یدعو لزوار الحسین فی السماء أکثر ممن یدعو لهم فی الأرض﴾۔

"اے اللہ! جس نے ہمیں عزت و کرامت کے ساتھ مخصوص کیا اور ہم سے شفاعت کا وعدہ کیا اور ہمیں وصیت سے مختص کیا اور جس نے ہمیں ماضی اور آنے والے زمانوں کے علم سے نوازا اور لوگوں کے دلوں کو ہماری طرف جھکا دیا۔

اے خدایا! مجھ پر، میرے بھائیوں پر اور میرے جدِ امجد حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک کی زیارت کرنے والوں پر رحم فرما کہ جنھوں نے اپنے مال کو راہِ حسینؑ میں خرچ کیا اور اپنے جسموں کو ہمارے ساتھ نیکی کرنے کی خاطر مشغول کیا، اس اُمید کے ساتھ کہ تیرے پاس ہمارے ساتھ بھلائی کا صلہ موجود ہے اور انھوں نے ایسا تیرے نبیؐ کو خوش کرنے کے لیے اور ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اور ہمارے دشمنوں کو ناراض کرتے ہوئے کیا اور انھوں نے اس کے ذریعے تیری خوشنودی حاصل کرنا چاہی۔

پس! تو انھیں ہماری طرف سے اپنی رضامندی اور خوشنودی کا صلہ عطا فرما اور تو دن رات ان کی حفاظت فرما اور ان کے پیچھے ان کے خاندان والوں اور ان کی اولاد کو ان کا بہترین جانشین قرار دے اور تو ان کا ساتھ دے اور تو انھیں ہر جابر و سرکش کی شرانگیزی سے محفوظ فرما اور اپنی مخلوق میں سے ہر کمزور اور طاقتور کے ذریعے ان کی مدد فرما اور انھیں جن و انس کے شیاطین کے شر سے محفوظ فرما۔

اور یہ لوگ اپنے وطن سے دُوری کے دوران جو کچھ خرچ کرتے ہیں اور تجھ سے اُمید رکھتے ہیں تو اس سے زیادہ بہتر انھیں عطا فرما اور انھوں نے اپنی اولاد، خاندان اور رشتے داروں سے زیادہ ہمیں اہمیت دی لہٰذا تو انھیں اس کا اجر اور بدلہ عطا فرما۔

اے خدایا! بے شک ہمارے دشمنوں نے ان پر یہ پابندیاں عائد کر دیں کہ یہ ہماری زیارت کے لیے گھروں سے نہیں نکل سکتے لیکن ان لوگوں کو یہ بات ہرگز ہماری طرف آنے سے نہ روک سکی اور جنھوں نے ہماری مخالفت کی اس پر انھوں نے اس کے خلاف عمل کر دکھایا۔

اے خدایا! ان چہروں پر رحم فرما جنھیں سورج نے متغیر کر دیا اور ان رخساروں پر رحم فرما جو ابوعبداللہ الحسینؑ کی قبر مبارک سے مَس ہوئے ہیں اور ان آنکھوں پر رحم فرما جن سے ہم پر شفقت و مہربانی کرتے

ہوئے آنسو برستے رہے۔ اور ان دلوں پر رحم فرما جو ہماری وجہ سے خوفزدہ اور جلتے رہے اور ان کی اس آہ وزاری اور گریہ وبکا پر رحم فرما جو وہ ہماری خاطر کرتے رہے۔

اے خدایا! میں یہ روحیں اور بدن تیرے حوالے کر رہا ہوں یہاں تک کہ تو انھیں اس دن حوض تک پہنچا دے اور سیراب کردے کہ جس دن بہت زیادہ پیاس ہوگی۔ جب معاویہ بن وہب نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے زائر کے لیے اتنی زیادہ دعائیں سنیں تو اس نے تعجب کا اظہار کیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے فرمایا: بے شک زائر حسینؑ کے لیے زمین والوں سے زیادہ آسمان والے دعائیں کرتے ہیں"۔ ①

یہ دعا اُمت کے امامؑ کی طرف سے بیان کی گئی ہے۔ یہ دعا ایسے واضح احکامات اور مدح وتوصیف پر مشتمل ہے جس کی معرفت صرف وہی شخص حاصل کرسکتا ہے جو ان کے نُور سے منور ہوا ہو۔ جس نے ان کی ولایت کی رسی کو مضبوطی سے تھام رکھا ہو۔ اسی لیے اہلِ بیتؑ کے مصائب پر گریہ وبکا اور چیخ وپکار کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ علمائے لغت کے نزدیک صَرْخَۃٌ اس شدید چیخ وپکار کو کہتے ہیں جو مصیبت اور گھبراہٹ کے وقت کی جاتی ہے۔ (تاج العروس: ج ۳، ص ۶۶)

چونکہ امام علیہ السلام کی اس دعا میں یہ مختص نہیں کیا گیا کہ یہ آہ وبکا گھروں میں ہو یا کسی اور جگہ پر لہٰذا اس کا اطلاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آہ وزاری اور عزاداری کا اہتمام ہر حالت میں معصومینؑ کے نزدیک پسندیدہ فعل ہے، خواہ یہ شاہراہوں اور چوراہوں پر کی جائے یا سرعام کسی مقام پر کی جائے یا ان کے علاوہ کسی اور مقام پر کی جائے خواہ مردوں یا عورتوں کی طرف سے اس کا اہتمام کیا جائے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو زیارت کے دوران جن اُمور کی طرف متوجہ کیا ہے ان میں سے ایک اپنے رخساروں کو قبر مطہر کے ساتھ رگڑنا اور مَس کرنا ہے۔ یہ حکم حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ شیخ طوسیؒ نے "التہذیب" جلد ا، ص ۲۰۰ پر قبروں پر نماز پڑھنے کے ضمن میں یہ روایت نقل کی ہے کہ محمد بن عبداللہ الحمیری کہتا ہے: میں نے فقیہ کو ایک خط لکھا، اس میں اس شخص کے متعلق پوچھا جو قبروں کی زیارت کے لیے جاتا ہے تو انھوں نے مجھے اپنے دستخط کے ساتھ یہ جواب لکھ بھیجا: نافلہ اور فریضہ نماز میں قبر پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ قبروں کی زیارت کرتے وقت اپنے دائیں رخسار کو قبر پر رکھ دے۔ اس روایت کا عموم اس رجحان پر دلالت کرتا ہے کہ معصومینؑ کی قبور مبارکہ میں سے ہر ایک کی قبر مبارک پر اپنے رخسار کو مَس کرنا ایک پسندیدہ فعل ہے۔

---

① اس دعا کو کلینیؒ نے "الکافی"، ابن قولویہ نے "کامل الزیارات"، ص ۱۱۶ اور شیخ صدوق نے "ثواب الاعمال" ص ۵۴ پر نقل کیا ہے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کو دوسروں پر ترجیح دینا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی دعا سے ہمیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ شیعہ اپنے اماموں کی ولادت اور شہادت کے موقع پر ان کے امر کو زندہ رکھنے کے لیے جو مال خرچ کرتے ہیں اور اس کے ذریعے اپنی اولاد، خاندان اور رشتہ داروں پر آئمہ کو ترجیح دیتے ہیں تو یہ ایک پسندیدہ فعل ہے اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ آپ ایثار کے معنی سے واقف نہ ہوں۔ ایثار اپنی ذات پر کسی دوسرے کو ترجیح دینا ہے۔ یہ یا تو دوستی اور بھائی بندی کے تحت کسی کی تمام ضروریات کو پوری کرنا، یا کسی کی خواہش کی تکمیل کے لیے اس کی اعانت کرنا یا اس کی عزت و تکریم کے ذریعے ایثار کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ ان قابلِ تعریف صفات میں سے ہے جو انسان کی فطرت کی اچھائی و سخاوت، اخلاق کی پاکیزگی اور ذات کی خوبی سے وجود میں آتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی قرآنِ مجید میں تعریف کی ہے جو ایثار کا مظاہرہ کرتے ہیں:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ (سورۂ حشر: آیت ۹)

"اور اگرچہ اپنے اُوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو تو وہ دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں"۔

یعنی وہ لوگ اپنی ضرورت، غربت اور بدحالی و مفلسی کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ (تاج العروس: ج ۳، ص ۳۸۷)

اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے کہ جو شخص ایثار کرتا ہے اگر وہ کسی ایسے شخص کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے جس میں وہ تمام صفات موجود ہوں کہ جس کی وجہ سے ایثار کیا جانا چاہیے تو ایسے شخص کے ساتھ ایثار کرنے کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اگر آپ صاحبانِ فضیلت میں غور و فکر اور بصیرت کا مظاہرہ کریں تو آپ کو "نبیؐ کی عترت" سے زیادہ ایثار کا حق دار کوئی نظر نہیں آئے گا کیونکہ خالق سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں جس بلند رُتبہ اور فضیلت سے نوازا ہے اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اُمت مسلمہ پر نبیؐ کی عترت کے وہ احسانات ہیں جن کا بدلہ دینا ضروری ہے اور اُمت پر ان کے حقوق واجب ہیں جن کی ادائیگی سے کوئی راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتا ہے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کا کون سا موالی ایسا ہوگا جو انھیں اپنی ذات، اپنے خاندان اور قریبی رشتہ داروں سے زیادہ ترجیح نہ دیتا ہو کیونکہ ان کا موالی یہ یقین کے ساتھ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ آئمہ اطہارؑ ہی الٰہی فیوض و برکات کے نزول کے اسباب ہیں۔ یہ شریعت کی تعلیم دینے والے ہیں اور ان آئمہؑ نے انسان کو سعادت و خوش بختی کے راستے دکھلائے ہیں اور انسان کو بلند اخلاق، صحیح سیاست، اجتماعی و معاشرتی احکام اور کامیابی کی ضامن تعلیمات کے ذریعے بلند مقام تک پہنچا کر کامیاب و کامران کیا۔

اس کے ساتھ دین کے اماموںؑ نے اُمت کی کشتی کو کامیابی کے ساحل پر لگانے کے لیے انتہائی تگ و دو کی اور اُمت کی اس کشتی کو ہلاکت و گمراہی کی موجوں سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ انھوں نے اپنی مبارک زندگی پر اُمت کی بہتری اور

حفاظت کو ترجیح دی۔ آئمہ معصومینؑ نے اُمت کو صحیح راستے پر گامزن رکھنے اور ان سے عذاب کو دُور رکھنے کے لیے اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا۔

جیسا کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی حدیث [1] میں ہے کہ انھوں نے اپنے شیعوں کو محفوظ رکھا اور خود کو مشکلات کے لیے پیش کر دیا۔ کیونکہ آپؑ کو اپنے شیعوں کے ساتھ ہمیشہ محبت رہی یہاں تک کہ آپؑ اپنے شیعوں پر خدا سے رحم کی ہر صبح و شام دعا کرتے رہے اور اپنے شیعوں کی خوشی سے خوش ہوتے اور ان کے غم سے غم زدہ ہوتے تھے کیونکہ یہ ان کی بچی ہوئی مٹی سے خلق ہوئے ہیں اور ان کے شیعہ اس پاکیزہ درخت کے پتّے ہیں جس کی جڑیں زمین میں مضبوط اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

حجت خدا حضرت امام مہدی علیہ السلام کی دعا میں وارد ہوا ہے: "اے اللہ! ہمارے شیعہ ہماری بچی ہوئی مٹی اور ہمارے انوار کی شعاعوں سے خلق ہوئے ہیں اور انھوں نے ہماری محبت اور ولایت پر بھروسا کرتے ہوئے بہت زیادہ گناہ کیے ہیں، اگر ان کے گناہ تیرے اور ان کے درمیان حائل ہوں تو ان سے درگزر فرما اور ہم اس پر راضی ہیں۔ اگر گناہوں کی وجہ سے ان کے درمیان آپس میں خلیج حائل ہے تو آپس میں ان کے اُمور کی اصلاح فرما اور ان کے وہ گناہ معاف فرما جو ہم تک ان کے خمس پہنچنے میں رکاوٹ ہیں۔ انھیں جنت میں داخل فرما اور جہنم کی آگ سے دُور رکھ، تو انھیں اور ہمارے دشمنوں کو ایک جگہ پر اپنے غصہ اور ناراضگی کی جگہ (جہنم) میں اکٹھے نہ رکھنا"۔

میں ہرگز اہلِ بیتؑ کے حُب داروں کے متعلق یہ تصور نہیں کرتا کہ آپ آئمہ معصومینؑ کے لیے ایثار کی خاطر شریعت

---

[1] "مرآۃ العقول" ج ۱، ص ۱۸۹ پر اصولِ کافی سے حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم ابن جعفر علیہما السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شیعوں پر غضب ناک ہوا تو اس نے مجھے یہ اختیار دیا کہ میں اپنی ذات اور اپنے شیعوں میں سے کسی ایک کو مشکلات جھیلنے کے لیے چنوں تو میں نے ان کو بچالیا اور خدا کے حضور اپنی ذات کو پیش کر دیا۔

علامہ مجلسیؒ کہتے ہیں: شاید خدا شیعوں پر اس لیے غضب ناک ہوا کہ انھوں نے تقیہ کرنا چھوڑ دیا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کا چرچا ہوا تو اب یہ امر متردد تھا کہ ہارون الرشید شیعوں کو قتل کر دے یا امام علیہ السلام کو قید کر دے پھر انھیں قید خانے میں ہی مار ڈالے تو امامؑ نے اپنی ذات کو مشکلات جھیلنے کے لیے پیش کر دیا اور اس طرح اپنے شیعوں کو بچالیا۔ اور اس میں ہرگز تعجب اور حیرت کی بات نہیں ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی علیہ السلام کے شیعوں کے گناہوں سے آگاہ فرمایا تو انھوں نے ان کے لیے مغفرت طلب کی جیسا کہ شیخ صدوقؒ کی معانی الاخبار: ص ۱۰۰، بحار الانوار: ج ۶، ص ۲۵۰، باب المصافحہ، علل الشرائع سے ملحق "الروضۃ" ص ۳۵ پر ہے کہ حضرت علیؑ ہمیشہ اپنے شیعوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے۔ اور "بشارۃ المصطفیٰ" ص ۲۷۳ پر ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: بے شک! ہمارے شیعوں کے ہم پر بہت زیادہ حقوق ہیں۔ اور "کامل الزیارت" میں ہے کہ ہم ہر صبح و شام ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ "عیون المعجزات" ص ۷۶ پر ہے کہ حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اُمِ فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر سے فرمایا: میں اپنے گناہ گار شیعوں کے لیے ہر دن اور رات میں سو دفعہ مغفرت کی دعا کرتا ہوں کیونکہ ہم جو جانتے ہیں اس پر صبر کرتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے اس پر صبر کرتے ہیں۔

میں بیان کیے گئے حقوق کو دیکھنے میں لگ جاؤ گے یا خود اپنے لیے وفا کے طور طریقے وضع کرو گے یا آپ اپنے لیے یہ جواز فراہم کرو گے اور رسولؐ خدا کی آل پر ہر چھوٹی بڑی شے قربان کرنے اور انھیں اپنی ذات اور خاندان پر ترجیح دینے اور ان سے ہمدردی کرنے پر ہاتھ کھینچ لو گے۔ اگر تم نے ان کی مدد اور ان پر ایثار کرنے سے انکار کر دیا تو تم نے خود کو ذلت و حقارت کے گڑھے میں دھکیل دیا اور خود کو ملامت کے لیے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا کیونکہ یہ عقل کے لحاظ سے بھی درست نہیں اور شریعت کی رُو سے بھی درست نہیں ہے۔ اور انسان کی جوانمردی بھی اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ خود کو یا اپنے مال و اسباب کو ان ہستیوں پر ترجیح دی جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایثار کے ذریعے تمام آئمہؑ کے امر کو زندہ رکھنے کی رغبت دلائی۔ ہم اس بات کی طرف امامؑ کی دعا میں استعمال کیے گئے الفاظ کے ذریعے متوجہ ہو سکتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مولا حسین علیہ السلام کے زائر کے لیے یہ دعا کرنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ زائروں کو ان کی اُمید سے بہت زیادہ عطا کرے۔ پھر فرماتے ہیں: وَمَا آثَرُوْنَا بِهٖ ان زائرین نے اپنے مال و اسباب کے ذریعے ہمیں اپنی ذات، اولاد اور خاندان پر ترجیح دی ہے۔ اگر امامؑ صرف سیدالشہداؑ کی زیارت کے متعلق ایثار کی بات کرتے تو آپؑ یہ فرماتے: وَمَا آثَرُوْهُ آپؑ نے اس کے ذریعے اپنی ذات، اولاد اور خاندان پر حضرت امام حسینؑ کو ترجیح دی، لیکن امامؑ نے یہ جملہ نہیں فرمایا بلکہ آپؑ نے مفرد صیغہ سے جمع کے صیغہ کی طرف عدول کیا ہے جو اس بات کا پتا دیتا ہے کہ آپؑ کی مراد یہ تھی کہ زائر تمام آئمہؑ کو اپنی ذات، اولاد اور خاندان پر ترجیح دے اور یہی امامؑ کے نزدیک پسندیدہ فعل ہے۔

اگرچہ مظلوم کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کو ترجیح دینا بھی اس حکم میں شامل ہے کیونکہ ان کی قبر مبارک کی زیارت زائر کو امام حسینؑ کے مقدس قیام کی یاد دلاتی ہے اور زائر اپنے مولاؑ کی ضریح اطہر کے سامنے خود کو دو صفوں کے درمیان کھڑا ہوا پاتا ہے۔ ایک صف اس مقدس لشکر کی ہے جس کی رہنمائی حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب کر رہے ہیں اور دوسری صف گمراہی کے ٹولے کی ہے جس کا سرکردہ یزید (ملعون) اور اس کے پیروکار ہیں۔ پھر وہ بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو حق کے ساتھ کھڑا کرتا ہے اور باطل و رجس کے ٹھکانے سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور یوں اس کے سامنے دو خصلتیں ولایت اور براءت (بیزاری) کی تکرار ہی ہوتی ہیں۔

ایک باشعور انسان سے ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مذکورہ دعا کا یہ جملہ ہرگز مخفی نہیں ہے:

"اے خدایا! بے شک ہمارے دشمنوں نے ان پر یہ پابندیاں عائد کر دی کہ یہ ہماری زیارت کے لیے اپنے گھروں سے نہیں نکل سکتے لیکن ان کو یہ بات ہماری زیارت سے ہرگز باز نہ رکھ سکی اور جنھوں نے ہماری مخالفت کی اس پر انھوں نے اس کے خلاف عمل کر دکھایا"۔

بے شک! حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اس فرمان کے ذریعے شیعوں کو چاک و چوبند اور ہوشیار کرنا چاہا کہ وہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے شعائر کی تعظیم، ان کے آثار کو قائم رکھنے اور ان کے ورثہ کو دنیا میں پھیلانے کے لیے ہمیشہ جدوجہد میں مصروف رہیں۔ اس راستے میں پیش آنے والی مشکلات اور کٹھن حالات خدا کی نظروں سے مخفی نہیں ہیں، اسی میں آئمہ اطہار علیہم السلام کی رضامندی ہے۔ یہ مشکلات اور کٹھن حالات ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور وہ حق پر ہیں۔ اگرچہ استہزاء اور مذاق کرنے والے لوگ ان کے ان شعائر کا مذاق اُڑائیں تو وہ ان کی ہرگز پروانہ کریں۔ بے شک! یہودیوں نے مسلمانوں کی اذان کا مذاق اُڑایا، اسی طرح مشرکین نے مسلمانوں کے سجدہ کرنے کا مذاق اڑایا۔ لیکن اس سے مسلمانوں کے اِرادے پست نہیں ہوئے اور وہ اپنے اسی صحیح راستے پر گامزن رہے اور دوسروں کے استہزاء کی کوئی پرواہ نہ کی۔ حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ کی قبر مبارک کا قرب حاصل کرنے والے لوگوں اور شعائرِ حسینیہ کا اہتمام کرنے والے جم غفیر کو جہلاء کا استہزاء (مذاق) ان اُمور سے ہرگز باز نہیں رکھ سکتا اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان جہلاء کے متعلق فرمایا ہے: "خدا کی قسم! انھوں نے اس کا ارتکاب کر کے غلطی کی اور خدا کے اجر و ثواب کی راہ سے بھٹک گئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب و جوار سے دُور ہو گئے"۔

ذریح نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں جب بھی ابوعبداللہ الحسینؑ کی زیارت کی فضیلت کو بیان کرتا ہوں تو میری اولاد اور میرے قریبی رشتہ دار میرا مذاق اُڑاتے ہیں؟

یہ سن کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اے ذریح! تم لوگوں کی پرواہ مت کرو۔ وہ جہاں جانا چاہتے ہیں جائیں لیکن تم ہمارے ساتھ رہو اور ہمارا دامن کبھی نہ چھوڑنا۔ (کامل الزیارات: ص ۱۴۳، باب ۵۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حماد سے فرمایا: مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ پندرہ شعبان کو کوفہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے کربلا آتے ہیں اور ان میں سے بعض افراد تلاوتِ قرآن کرتے ہیں۔ بعض واقعۂ کربلا بیان کر رہے ہوتے ہیں اور بعض ہماری مدح و ستائش اور فضائل بیان کر رہے ہوتے ہیں اور عورتیں گریہ و بکا کر رہی ہوتی ہیں۔

حماد نے عرض کیا: جو کچھ آپؑ نے فرمایا ہے میں نے ان میں سے بعض اُمور کا خود مشاہدہ کیا ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے انسانوں میں کچھ ایسے افراد بھی رکھے ہیں جو اپنے دل و جان سے ہم پر فدا ہوتے ہیں اور ہمارے فضائل و مصائب بیان کرتے ہیں اور ہمارے دشمن انھیں ان باتوں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ہمارے دشمنوں کو ان کے یہ اعمال بُرے لگتے ہیں۔ (مزار البحار، ص ۱۲۴، کامل الزیارات: ص ۳۲۵، باب ۱۰۸، پہلا ایڈیشن)

اس کا یہ مطلب ہوا کہ اہلِ بیتؑ سے دُوری رکھنے والے اشخاص کا شعائرِ حسینیہ کا اہتمام کرنے والے اہلِ بیتؑ کے حُب داروں کا مذاق اُڑانا، ان کا یہ فعل ان کے حُب داروں کے دلوں سے ان شعائر کے آثار کی عظمت کو کم نہیں کر سکتا جب کہ شعائرِ حسینیہ کا اہتمام آئمہؑ کے امر کو زندہ رکھنے کا موجب ہیں۔ آئمہؑ کو اپنے امر کا احیا کرنا بہت پسند ہے اور ان شعائر کے ذریعے اُمت نے دنیوی اور اُخروی فائدے حاصل کیے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

رسولِ خدا سے ایک مروی حدیث میں نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے فرمایا: گھٹیا رذیل لوگ آپؑ کی قبور کے زائرین پر اس طرح عیب لگائیں گے اور اسے یوں برا تصور کریں گے جس طرح ایک زانیہ کو زنا کرنے پر برا تصور کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ میری اُمت کے شریر ترین افراد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انھیں میری شفاعت نصیب نہیں فرمائے گا۔ (فرحۃ الغری، ابن طاؤس: ص ۳۱)

آئمہ معصومین علیہم السلام کی شان میں اشعار کہنا

بلاشک وشبہ کسی بھی شخص کی تعریف کرنے، اس کی یاد کو تازہ کرنے اور اس کے امر کو زندہ اور قائم رکھنے کے لیے شعر کو نظم کرنے کی اہمیت مسلّم ہے۔ بے شک! عام افراد کے اعمال و آثار کا لوگوں کے دلوں میں کتنا ہی اہم مقام کیوں نہ ہو اور اس کے امر کی عظمت کے لوگ معترف بھی ہوں لیکن بسا اوقات وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اور زمانے کی دُوری کی وجہ سے یہ یادیں مدھم ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور انسان اس ورثہ سے غافل ہونے لگتا ہے اور جس امر کی بہت زیادہ اہمیت تھی اب اسے بھولنے لگتا ہے۔ مگر جس بات کو شعر کی شکل میں نظم کیا گیا ہو، اس کی تاثیر بہت جلد اثر دکھاتی ہے کیونکہ انسان کی طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اس لیے لوگ اس قول کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور اس کا زبانوں پر ورد رہتا ہے اور دلوں میں محفوظ رہتا ہے یہاں تک کہ یہ نسل در نسل آگے بڑھتا رہتا ہے اور ہر قوم اس کو اپناتی ہے۔ عربی ادب نے مختلف اُمتوں کے واقعات، ان کی سیرت و کردار اور جاہلیت اور اسلام کی جنگوں کے ضمن میں بہت کچھ اپنے پاس محفوظ کر رکھا ہے۔ اس کے متعلق دعبل خزاعی نے کہا ہے کہ شعر کئی زمانوں تک باقی رہتا ہے:

انی اذ اقلت بیتاً مات قائله ومن یقال له والبیت لم یمت

"اگر میں کوئی شعر کا بیت کہتا ہوں تو یہ شعر کہنے والا تو مر جاتا ہے لیکن جس کے بارے میں شعر کہا جاتا ہے وہ شعر نہیں مرتا ہے"۔

عروہ بن اذینہ کہتا ہے:

نبئت ان رجالًا خاف بعضهم شتمي وما كنت للاقوام شتاما
فان يكونوا البراءَ لاتلف بهم منه شكاة ولا اسمعهم ذاما
وان يجيئوا اقل قولًا له اثر باقٍ يعني قراطيساً واقلاماً

''مجھے یہ بتایا گیا کہ بعض لوگ میری گالی گلوچ سے خوف زدہ ہیں حالانکہ میں لوگوں کو گالی گلوچ نہیں دیتا۔ اگر وہ لوگ بے گناہ ہیں تو میری شاعری میں ان سے کوئی شکایت نہیں ہوگی اور نہ ہی میں ان کے متعلق کوئی شکوہ سنوں گا۔ اگر وہ کوئی ایسا قول (شعر میں) بیان کریں جس میں کم فائدہ ہو لیکن پھر بھی اس کا اثر باقی رہے گا، یعنی کاغذ اور قلم کا اثر ہمیشہ رہتا ہے''۔ (الموشح: مرزبانی، ص ۲۸۰-۲۸۱)

چونکہ اہلِ بیتؑ کا ذکر دین کا ستون اور بہترین اصلاح کی روح ہے، جس کے ذریعے اہلِ بیتؑ کی تعلیمات کا درس ملتا ہے اور لوگ ان کے اقوال وافعال سے مستفید ہوتے ہیں۔ ہمیشہ آئمہ معصومینؑ نے اپنے موالیوں کو اس کام کے لیے اُبھارا کہ وہ اپنے اماموںؑ کے بے بہا فضائل کو لوگوں میں پھیلائیں اور انھوں نے دین کے احیا کی خاطر جو رنج وغم اور مصائب برداشت کیے ہیں اس کی نشرواشاعت کریں کیونکہ اسی میں ان کے امر کا احیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے ان کے امر کو زندہ کیا اور لوگوں کو ان کے ذکر کی طرف بلایا۔

آئمہ علیہم السلام نے مسلسل اس بات پر حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ ان کی مدحت میں اشعار بیان کیے جائیں اور ان کے مصائب پر مرثیہ کہا جائے اور انھوں نے اس عمل کو بہترین اطاعت و فرماں برداری میں شمار کیا ہے۔ اسی کے متعلق آئمہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا: ''جس نے ہمارے حق میں شعر کا ایک بیت کہا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کرے گا''۔ دوسرے فرمان میں ہے: ''اس کی روح القدس کے ذریعے تائید فرمائی جائے گی''۔ اور تیسرے فرمان میں ہے: ''اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک شہر تعمیر کرے گا اور اس شہر میں ہر مقرب فرشتہ اور نبی مرسل اس کی زیارت کی خاطر آئیں گے''۔ (عیون اخبار الرضا: ص ۵)

جب کمیت اسدی نے ابوجعفر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے اپنا یہ قصیدہ پڑھ کر سنایا: من لقلب متيم مستهام۔ تو امام علیہ السلام نے اسے دعا دیتے ہوئے فرمایا: ہمیشہ روح القدس تمھاری تائید فرمائے۔ (رجال الکشی: ص ۱۳۶)

ایک دفعہ شاعر کمیت اسدی ایام تشریق (عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن، گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپؑ سے اجازت طلب کی کہ وہ امام کو اپنا قصیدہ پڑھ کر سنائے۔ تو امامؑ کو یہ ناگوار گزرا کہ وہ ان باعظمت دنوں میں شعروشاعری کرے لیکن جب کمیت نے امامؑ کو بتایا کہ یہ اشعار آپؑ (اہلِ بیتؑ) کی مدحت میں بیان کیے گئے ہیں تو امامؑ مانوس ہوگئے کیونکہ یہ ذکر ضروری ہے اور اس کے ذریعے ان کا امر اور پیغام

زندہ ہوتا ہے۔ پھر آپؑ نے اپنے خاندان کے بعض افراد کو بھی بلایا تا کہ وہ اس ذکر کو سنیں۔ پھر کمیت نے وہ قصیدہ پڑھا تو بہت زیادہ گریہ ہوا اور جب وہ اس شعر پر پہنچا:

یصیب به الرامون عن قوس غیرهم فیا آخراً اسدی له الغی اوّل

"انھیں تیر انداز نشانہ بازوں نے دوسروں کی کمان سے نشانہ بنایا اور اسے غور سے سنو کہ پہلے نے آخری کو غلط رہنمائی کی تھی"۔

تو پھر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے دعا فرمائی: اے اللہ! کمیت کے سابقہ اور آئندہ، مخفی اور ظاہر تمام گناہوں کو معاف فرما اور اس پر اس قدر نوازشات فرما کہ یہ خوش ہو جائے۔ (الاغانی: ج ۵، ص ۱۱۸، معاہد التنصیص: ج ۲، ص ۲۷)

ابوجعفر حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام نے عبداللہ بن صلت کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ امامؑ اور ان کے بابا جان حضرت علی رضا علیہ السلام کے لیے سوگ اور عزاداری کا اہتمام کرے۔

ابوطالب نے ایک دفعہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو کچھ اشعار لکھ کر بھیجے اور ان اشعار میں آپؑ سے یہ اجازت طلب کی کہ وہ آپؑ کے والد گرامی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے متعلق مرثیہ لکھے تو امامؑ نے اشعار کے اس کاغذ کو پھاڑ کر اپنے پاس رکھ لیا اور اسے لکھا: "تم نے خوب تحریر کیا ہے، اللہ تمھیں اس کی بہترین جزا دے"۔ (رجال الکشی: ص ۳۵۰)

ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سفیان سے کہا کہ مجھے حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق اشعار سناؤ اور پھر آپؑ نے اُم فروہ اور اپنی اولاد کو حکم دیا کہ وہ بھی قریب آجائیں۔ جب وہ سب تشریف لے آئے تو سفیان نے یہ کہتے ہوئے اپنا قصیدہ شروع کیا:

فی وجودی بدمعک المسکوب

یہ سن کر اُم فروہ نے چیخ بلند کی اور ان کے ساتھ دوسری عورتوں نے بھی چیخ و پکار شروع کر دی۔ اتنے میں امامؑ نے فرمایا: دروازے کی طرف متوجہ ہوں۔ دروازے کی طرف متوجہ ہوں۔ جب دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں پر تمام مدینہ والے اکٹھے ہو گئے تھے۔ امامؑ نے ان کے پاس کسی کو بھیجا کہ ان سے کہو کہ کچھ نہیں ہوا، ہمارے ایک بچہ پر مصائب حسینؑ کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ (روضۃ الکافی: حدیث ۲۶۳)

لوگوں کو حادثۂ کربلا سے خبردار کرنے کے لیے یہ بہترین انداز تھا اور اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو ان کے اطفال معرکۂ کربلا کے دوران بے ہوشی کے کرب سے گزرے تھے۔ خدا جانے اس وقت امامؑ کے ذہن میں کربلا کے کس طفلِ صغیر کا خیال آیا ہوگا! کیا وہ عبداللہ رضیع ہوں گے یا حضرت امام حسینؑ کے بیٹے عبداللہ اصغر ہوں گے جن کو آغوشِ حسینؑ میں

تیر سے ذبح کر دیا گیا تھا، یا امامؑ کے ذہن میں محمد بن ابی سعید بن عقیل بن ابی طالب کا خیال آیا ہوگا۔

ایک دفعہ جعفر بن عفان [1] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آئے تو امامؑ نے ان سے فرمایا: تم حضرت امام حسینؑ کے بارے میں اشعار کہتے ہو اور تم یہ بہت اچھا کام کرتے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! ایسا ہی ہے۔ پھر امامؑ نے اسے حکم دیا کہ حضرت امام حسینؑ کے متعلق اشعار سناؤ۔ جب اس نے اشعار سنائے۔ تو امام علیہ السلام نے گریہ کرنا شروع کیا یہاں تک کہ آنسو آپؑ کے رخساروں اور ریش مبارک پر بہنے لگے۔ آپؑ نے اس سے فرمایا: تحقیق حضرت امام حسینؑ کے متعلق تمھارے ان اشعار کے وقت اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے بھی حاضر تھے، ہماری طرح انھوں نے بھی گریہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے تم پر جنت واجب کر دی ہے۔ پھر مزید امامؑ نے فرمایا: جس نے بھی حضرت امام حسینؑ کے حق میں ایک شعر بھی بیان کیا اور خود بھی رویا اور دوسروں کو بھی رُلایا تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اور اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔ [2]

یہ جعفر بن عفان مخلص شیعوں میں سے تھے۔ علمائے رجال نے ان کی توصیف و توثیق کی ہے۔ انھوں نے مروان بن حفصہ کو جواب دیا تھا، جب مروان نے یہ اشعار کہے:

خلوا الطریق لمعشر عاداتهم	حطم المناکب کل یوم زحام
ارضوا بما قسم الاله لکم به	ودعوا وراثة کل اصید حام
انّی یکون ولیس ذاك بکائن	لبنی البنات وراثة الاعمام

"ان لوگوں کے لیے راستہ خالی چھوڑ دو جن کی عادات میں یہ شامل ہے کہ ہر پرہجوم دن میں شانوں کو ملتے اور توڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر راضی رہو جو اس نے تمھارے لیے کی ہے اور ہر گھرانہ کے قریبیوں کے لیے وراثت رہنے دو۔ یہ نہ ہو سکتا ہے اور نہ کبھی ہوگا کہ چچاؤں کی میراث بیٹیوں کے بیٹوں میں تقسیم کی جائے"۔ (الاغانی: ج ۱۲، ص ۱۷)

اس کے جواب میں جعفر بن عفان نے یہ اشعار کہے:

لم لا یکون وان ذاك بکائن	لبنی البنات وراثة الاعمام
للبنت نصف کامل من ماله	والعم متروك بغیر سهام
ما للطلیق وللتراث وانما	صلی الطلیق مخافة الصمصام

"بیٹی کے بیٹوں کو کیوں نہ میراث سے ملے؟ اور یہ یقینی امر ہے کہ چچاؤں کی وراثت سے بیٹیوں کے

---

[1] الاغانی: ج ۷، ص ۸ اور ج ۹، ص ۳۵۔ ان کا تعلق قبیلہ طے سے ہے۔

[2] رجال الکشی: ص ۱۸۷، خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ" ج ۲، ص ۱۴۲، فصل ۱۳ پر حضرت امام حسینؑ کے مرثیہ کے بیان میں دو قطعوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

بیٹوں کو حصّہ ملتا ہے۔ بیٹی کو اس کے پورے مال سے آدھا مال دیا جاتا ہے۔ جب کہ چچا کا اس میں کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔ ایک آزاد کردہ شخص کیسے ورثے کی بات کرتا ہے؟! آزاد کردہ شخص تو نماز بھی تلوار کے خوف سے پڑھتا ہے"۔(الاغانی: ج۹،ص ۴۵)

ایک جماعت حضرت امام علی رضاعلیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انھوں نے امام علیہ السلام کو متغیر دیکھا تو اس بارے میں سوال کیا اور امامؑ نے فرمایا: میں نے ساری رات جاگ کر مروان بن ابی حفصہ کی بات کو سوچتے ہوئے گزاری۔ پھر آپؑ نے مروان کے درجہ بالا اشعار بیان کیے۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: پھر میں سوگیا تو کوئی شخص دروازے کو پکڑے ہوئے یہ کہہ رہا تھا:

انی یکون ولیس ذاک بکائن ... للمشرکین دعائم الاسلام
لبنی البنات نصیبھم من جدھم ... والعم متروک بغیر سھام
ما للطلیق وللتراث وانما ... سجد الطلیق مخافۃ الصمصام
قد کان اخبرک القرآن بفضلہ ... فمضی القضاء من الحکام
ان ابن فاطمۃ المنوہ باسمہ ... حاز الوراثۃ عن بنی الاعمام
وبقی ابن نثلۃ واقفاً متردداً ... یبکی ویسعدہ ذو والارحام

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور نہ یہ کبھی ہوگا اسلام کے ستون مشرکوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھ سکتے۔ نواسوں کو نانا کی میراث سے حصّہ ملتا ہے لیکن چچا کو اس کے حصّے سے محروم رکھا جاتا ہے۔ طلیق (آزاد کردہ غلام) میراث کے بارے میں کوئی بات کیسے کرسکتا ہے جب کہ اس نے تلوار کے ڈر سے خدائے واحد کو سجدہ کیا ہے۔ قرآنِ مجید نے آپ کو اس کی فضیلت سے پہلے ہی باخبر کر رکھا ہے اور قاضیوں (ججوں) نے اس کے متعلق حکم جاری کیا ہے۔ بے شک! حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بیٹے نے اپنے ارادے کے مطابق چچاؤں کے بیٹوں سے میراث پائی ہے۔ نثلہ کا بیٹا حیران و پریشان کھڑا رو رہا تھا اور اس کے رشتہ دار اس سے خوش ہو رہے تھے"۔ [1]

مروان نے شاعری کا یہ مفہوم تمام بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب کے غلام کی شاعری سے چرایا ہے جو تمام کے غلام نے رسولؐ خدا کے غلام عبیداللہ بن ابی رافع کو جواب دیتے ہوئے بیان کیا تھا۔ وہ حضرت امام حسن ابن علی علیہما السلام کی

---

[1] عیون اخبار الرضا: ص ۳۰۵، طبرسی نے "الاحتجاج" ص ۲۱۳ پر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حالات میں یہ ذکر کیا ہے کہ آپؑ نے ہاتف غیبی کی یہ آواز سنی۔

خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ سے عرض کیا کہ میں آپؑ کا غلام ہوں۔ یہ اس سے پہلے حضرت علیؑ کے ارشادات لکھا کرتا تھا۔
تمام کے غلام نے اپنے اشعار میں کہا:

جحدت بنی العباس حق ابیهم فما کنت فی الدعوی کریم العواقب
متی کان اولاد النبی کوارث یحوز ویدعی والداً فی المناسب

"عباس بن عبدالمطلب کی اولاد نے اپنے باپ کے حق کو جھٹلا دیا اور ان کے اس دعوے کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ جب نبیؐ کی اولاد کو وارث کی طرح میراث سے حق دیا گیا تو پھر وہ کیسے یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے والد سے تعلق ثابت کر کے وراثت کے دعوے دار ہوں؟" (طبقات الشعراء: ابن المعتز، ص ۱۵، تصویری نسخہ)

مروان بن سلیمان بن یحییٰ بن ابی حفصہ ایک یہودی تھا اور اس نے مروان بن حکم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسے "اصطخر" سے قیدی بنایا گیا تھا۔ پھر اسے عثمان بن عفان نے خرید کر مروان کی غلامی میں دے دیا۔ جس وقت حضرت عثمان کے گھر کا گھیراؤ کر کے حملہ کیا گیا تو یہ مروان بن حکم کے ساتھ تھا۔ جب مروان بن حکم زخمی ہوا تو اس کا غلام مروان ابن ابی حفصہ اسے اپنے کندھوں پر اُٹھا کر لے گیا۔ اس وقت مروان درد سے کراہ رہا تھا اور یہ مروان سے کہہ رہا تھا کہ خاموش رہو۔ اگر ان لوگوں کو تمھارا پتا چل گیا تو تمھیں قتل کر دیں گے۔ اس نے مروان کو قبیلہ عنزہ کی ایک عورت کے گھر میں رکھا اور وہاں پر اس کا علاج کرتا رہا۔ جب وہ ٹھیک ہو گیا تو اس نے اسے آزاد کر دیا۔ ابن ابی حفصہ نے مروان کے ساتھ جنگِ جمل اور مرج راھط میں شرکت کی تھی۔ (الاغانی: ج۹، ص ۳۴)

صالح بن حلیہ الاعجم مروان کے اس شعر انی یکون ولیس ذاك بکائن سے بہت غضب ناک ہوا۔ پھر ہر وقت مروان کے ساتھ رہنے لگا اور ایک عرصہ تک اس کی خدمت کرتا رہا یہاں تک کہ مروان اور اس کا خاندان صالح بن حلیہ سے مانوس ہو گئے۔ جب مروان ابن ابی حفصہ بیمار ہوا تو صالح اس کی تیمارداری کرتا رہا۔ ایک دن جب تمام لوگ چلے گئے اور صرف صالح اس کے پاس موجود رہ گیا تو صالح نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ مر گیا۔ پھر صالح اسے چھوڑ کر چلا گیا اور مروان کے خاندان کو اس پر شک تک نہ ہوا۔

شاعر اپنی شاعری کی بنا پر یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے اس نیک عمل پر اسے اجرِ جزیل سے نوازا جائے گا یہاں تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے جنت الخلد اور جنت کے محلات و بالا خانوں سے سرفراز فرمائے گا اور اسے ان دعوتِ الٰہی کی طرف بلانے والوں میں شمار کیا جائے گا جو علی الاعلان کلمۂ حق بلند کرتے ہیں اس لیے کہ وہ اپنے کلمۂ حق کے ذریعے خیر اور بھلائی کے ستون کو بلند کرتا ہے اور حق کی بنیادوں کو مضبوط کرتا ہے۔ وہ ہدایت کی پیش قدمی کے ذریعے باطل کے تیروں کو روندتے ہیں

اور مذہب کی روش پر چلنے والے لوگوں کے سامنے باطل کے ابھرتے ہوئے کانٹوں کا قلع قمع کرتے اور اپنے واضح راستے سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔

آئمہ معصومین علیہم السلام نے خود تقیہ کی محافظت کی اور اپنے شیعوں کے لیے تقیہ کو ضروری قرار دینے کے باوجود بھی شعراء کو آئمہؑ کے حق کو آشکار کرنے اور ان کے دشمنوں کے باطل عقائد کے اظہار سے نہیں روکا تھا حالانکہ کچھ ایسے شعرا بھی تھے جو کسی ایک جگہ پر مستقل نہیں ٹھہرتے تھے اور اہلِ بیتؑ کے دشمنوں کی طرف سے نقصان پہنچانے کے اندیشہ کی وجہ سے مختلف مقامات پر سکونت اختیار کرتے رہتے تھے کیونکہ وہ علی الاعلان رسولؐ خدا کی آلِ اطہارؑ سے محبت اور ولاء کا دم بھرتے تھے اور لوگوں کو کھلم کھلا آلِ رسولؐ کے رستے کی طرف بلاتے تھے۔ جیسے کمیت اور دعبل اور ان کی روش پر چلنے والے دیگر شعراء، بلکہ آئمہ معصومینؑ ایسے شعراء کو پسند فرماتے اور ان پر بے بہا مال خرچ کرتے اور بہت زیادہ تحائف سے نوازنے کے ساتھ ساتھ ان کے اس عمل پر ثواب کا ذکر بھی کرتے تھے۔

معصومین علیہم السلام یہ اس لیے کرتے تھے کیونکہ آپؑ جانتے تھے کہ یہ شعراء ان کے امر کو لوگوں کے سامنے آشکار کرتے اور ولایت کی بنیادوں کو مضبوط کرتے ہیں۔ یہ خلافتِ الٰہیہ کو پھیلانے کے لیے ایک مضبوط عمل ہے۔ یہاں تک کہ ہر شخص کے کانوں تک واضح حق کا پیغام پہنچ جائے اور پھر آنے والی نسلیں اس سے مستفید ہوں۔ وہ یہ سب دین کی حفاظت کی خاطر کر رہے تھے تاکہ دین ملاوٹ سے پاک رہے اور وحی کے امینوں کی قربانیوں کو حقائق سے ہٹ کر غلط رنگ دے کر نہ پیش کیا جائے۔

دین کے تقدس کا دفاع کرنے کے لیے شیعوں میں سے اگر یہ لوگ قیام نہ کرتے، جنھوں نے اپنی جانوں کو شہادت کے لیے پیش کر کے دین کے تقدس کی حفاظت کی۔ جیسے حضرت حجر بن عدی، عمرو بن حمق، میثم تمار اور ان کی طرح دیگر وہ شیعیانِ حیدر کرار جنھوں نے دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے ہاتھوں شہادت کو قبول کیا تو کبھی بھی آنے والی نسلوں کو دین کے حوالے سے آئمہ اطہار علیہم السلام کے موقف سے آگاہی حاصل نہ ہوتی اور نہ ہی انھیں آئمہؑ کے دشمنوں کے اس ارادے کا پتا چلتا جو وہ ضلالت و گمراہی اور ظلم و جور کو روئے زمین پر پھیلانا چاہتے تھے۔

□□□

خاندان (عورتوں اور بچوں) کے ساتھ خروج کرنا ایک مشکل امر ہے

حضرت امام حسین علیہ السلام اس لیے اپنے خاندان والوں کو لے کر وطن سے روانہ ہوئے کیونکہ آپؑ جانتے تھے کہ آپؑ اور آپؑ کے ساتھی میدانِ کربلا میں شہید کردیے جائیں گے۔ آپؑ کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپؑ کی شہادت کے بعد اُمت اسلامیہ کو ابن میسون (یزید ملعون) اور ابن مرجانہ (عبیداللہ ابن زیاد ملعون) کی طرف سے آپؑ کی پاک ذریت پر ہونے والے مظالم و اعتداء سے کبھی آگاہی حاصل نہ ہوتی اور یزیدیوں نے شریعتِ مقدسہ میں جو بدعات اور خلافِ شریعت کام کیے ان کا بطلان لوگوں کو پتا نہ چلتا اور حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا مقصد ہرگز پورا نہ ہوتا اگر امامؑ کے اہل و عیال آپؑ کے ہمراہ نہ ہوتے۔

اسی طرح ظلم کا انکار کرنے والے امامؑ نے لوگوں کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ اس وقت کی دینی شخصیات بھی یزید لعین کی بیعت کے انکار کا مظاہرہ کرنے سے خوفزدہ تھیں بلکہ تمام لوگ اس غاصب حکومت کی فرماں برداری کا مظاہرہ کررہے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ ظلم و جور کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے یہاں تک کہ قوم کے اکابرین اور سرداروں کے لیے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ یزید (ملعون) اور ابن زیاد (ملعون) کی بداعمالیوں کا پردہ چاک کرسکتے۔ ابن عفیف الازدی پر کلمۂ حق کی پاداش میں ہونے والی ظلم و بربریت ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتی ہے۔

سیّدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ رسولِؐ خدا کی بیٹیاں مشکلات اور مصائب پر صبر کرسکتی ہیں اور سختیوں اور تکالیف کو برداشت کرنے کے لیے ان کے دل پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت اور مضبوط ہیں۔ وہ خواتین نامساعد حالات کے باوجود اس بات سے غافل نہ تھیں کہ عوام کو آگاہ کیا جائے کہ ان گمراہ لوگوں کے کرتوتوں کے نتیجے میں یہ سب حماقتیں اور ظلم سرزد ہوا ہے اور وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے دین کو زمین بوس کررہے ہیں لیکن شہدائے کربلا نے اپنے امامؑ کے ساتھ قیام کرکے دینِ حنیف کی خاطر شہادت کو قبول کیا۔ امامؑ نے اپنے نانا کی شریعت کی آبیاری اپنے خون سے کی اور دینِ حنیف کو دوبارہ اپنے اصلی رنگ میں پیش کیا۔

آلِ رسولؐ کی شریف اور پردہ دار خواتین جن کے کلیجے کربلا کے الم ناک سانحہ کی وجہ سے جل رہے تھے اور اس گمبھیر صورتِ حال میں ان پر رنج و غم کے بادل سایہ فگن تھے، اس کے باوجود یہ خواتین اپنے شہیدوں کے خون کا بدلہ لینے

اور دین کی حقانیت اور تقدس کا دفاع کرنے کے لیے پرعزم تھیں۔

ان خواتین میں امیر المومنینؑ کی بیٹی عقیلۂ بنی ہاشم بھی تھیں جو اسیری، شہر بہ شہر قیدی کرکے پھرائے جانے، پیاروں کی جدائی، دشمنوں کی اذیتیں، بیواؤں کی فریاد، بچوں کی چیخ و پکار اور مریض کی آہ و زاری کے باوجود اپنے مقصد کی تکمیل اور شہدائے کربلا کی قربانیوں کو بچانے کے لیے پرعزم تھیں۔ آپؑ نے ان بدمعاش لوگوں کے سامنے کلام کرتے ہوئے پیغام حق دیا۔ شہزادی کا ان رذیل لوگوں کے نرغے میں ہونے کے باوجود آپؑ کی زبان میں ذرا سی بھی لکنت پیدا نہ ہوئی بلکہ آپؑ کا ایک ایک لفظ آپؑ کے دشمنوں کے مجمع پر بجلی بن کر گر رہا تھا۔ مثال کے طور پر آپؑ اپنے خاندان کے بدترین دشمن ابن مرجانہ کے سامنے اس حال میں کھڑی تھیں کہ آپؑ کا کوئی مددگار نہ تھا یہاں تک کہ آپؑ کے خاندان کے مردوں میں بھی امام زین العابدینؑ کے سوا کوئی مرد نہ تھا جو بیماری کی وجہ سے نڈھال تھے۔ آپؑ ان عورتوں کے درمیان کھڑی تھیں جو آپؑ کے گرد پناہ لیے ہوئے تھیں اور وہ شکوے کر رہی تھیں اور گریہ و بکا کر رہی تھیں اور معصوم بچوں کو پیاس کی شدت مارے جا رہی تھی۔ آپؑ کے سامنے اس ہستی اور ان کے اصحاب اور رشتہ داروں کے سر تھے جن کے لیے کائنات خلق ہوئی تھی اور ان کے بدن کربلا کے صحرا میں تپتی ہوئی ریت پر سورج کی تپش کے نیچے چھوڑ آئے تھے۔ ان حالات کے باوجود یہ ایک خاتون سب سے زیادہ طاقتور تھی جو سب کے افکار اور ذہنوں کو غم میں مبتلا کر رہی تھی۔

لیکن حیدر کرارؑ کی اس بیٹی نے عظیم ثابت قدمی اور اطمینان و ایقان کا مظاہرہ کیا کہ جب انھوں نے اپنے بابا کے لہجے میں کلام کرنا شروع کیا تو یہ تیر سے زیادہ اپنے ہدف کے آر پار ہوا اور ابن مرجانہ کو لاجواب کر دیا اور وہ پتھر کے بت کی طرح خاموش بیٹھا رہا۔ جب عقیلۂ بنی ہاشم حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

هؤلاء قوم كتب الله عليهم القتل فبرزوا إلى مضاجعهم وسيجمع الله بينك وبينهم فتحاج وتخاصم لمن الفلج تكلتك أمك يا ابن مرجانة

"یہ وہ لوگ تھے جن کی تقدیر کا فیصلہ خدا نے شہادت سے کر رکھا تھا اور یہ لوگ خوشی خوشی اپنے ٹھکانوں کی طرف بڑھ گئے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمھیں اور انھیں اکٹھا کرے گا اور پھر تمھارے خلاف دلائل دیے جائیں گے اور تمھارے خلاف فیصلہ ہوگا تو پھر تمھیں پتا چلے گا کہ کامیاب کون ہوا۔ اے مرجانہ کے بیٹے! تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے"۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے ان لوگوں پر سب کچھ واضح کر دیا جو ابن زیاد (ملعون) کی خباثت اور کمینگی سے غافل اور ناواقف تھے۔ آپؑ نے بتا دیا کہ اب یہ اپنی اس ذلت اور ننگ و عار کو کبھی ختم نہیں کر سکتا۔ آپؑ نے کوفہ کے شہر خموشاں میں لوگوں کے سامنے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ ان کی عقلیں دہشت زدہ اور افکار حیران و پریشان ہوگئیں۔ آپؑ نے اس وقت ایسا

خطبہ ارشاد فرمایا تھا جسے سنتے ہی کوئی حیرت زدہ ہوکر گریہ کر رہے تھے اور انھیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کریں۔
عقیلۂ بنی ہاشم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

وانّیٰ یرحض عنہم العار بقتلہم سلیل النبوۃ ومعدن الرسالۃ وسیّد شباب اھل الجنۃ ، وقد خاب السعی وتبت الأیدی وخسرت الصفقۃ وباؤ بالغضب من اللّٰہ وخزی فی الآخرۃ ولعذاب اللّٰہ أکبر لو کانوا یعلمون۔

"اور ان (کوفہ والوں) کے دامن سے بدنامی اور ذلت کے داغ نہیں مٹ سکتے کہ جو داغ انھوں نے فرزند رسولؐ، رسالت کی کان اور جوانانِ جنت کے سردار کو قتل کر کے اپنے دامن پر لگائے ہیں اور اب تمھاری ہر کوشش رائیگاں جائے اور تمھارے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور تمھاری تجارت برباد ہو۔ تم اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہو اور تمھارے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ کا عذاب سب سے بڑا ہے۔ اگر یہ لوگ جانتے ہوں"۔

عقیلۂ بنی ہاشم کا خطبہ اختتام پذیر ہوا ہی تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیٹی حضرت فاطمہ کبریٰؑ نے آگے بڑھ کر پُرسکون انداز میں ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپؑ کا خطاب لوگوں کے دلوں میں نیزے کی طرح چبھا اور لوگ گریہ کرتے ہوئے اپنی آوازوں کو بلند ہونے سے روک نہ سکے۔ انھیں علم ہوگیا تھا کہ انھوں نے بہت بڑے گناہ اور بدبختی کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر کوفہ کے لوگوں نے ان سے کہا: "اے پاک و طاہر ہستیوں کی بیٹی! آپؑ نے جو کہہ دیا وہی کافی ہے۔ آپؑ کے ان جملوں سے ہمارے دل جل چکے ہیں اور اس نے ہمارے جگر کو چیر کر رکھ دیا ہے"۔

ابھی حضرت فاطمہ کبریٰؑ خاموش ہوئی تھیں کہ حضرت علیؑ کی دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم علیہا السلام نے حاضرین کو اس عظیم گناہ سے آگاہ کیا جس کا وہ ارتکاب کر چکے تھے۔ یہ سن کر حاضرین واویلا اور چیخ و پکار کرنے لگے۔ یہ ایسا گریہ تھا کہ اس وقت سے قبل کسی نے اس سے زیادہ گریہ و بکا نہیں دیکھا ہوگا۔ ①

کیا کوئی ایسا تصور کرسکتا ہے کہ کوئی بھی شخص ایسی پیچیدہ صورتِ حال میں ایک لفظ بھی بول سکتا ہو جب کہ ظالم و جابر لوگوں کی تلواروں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہو خواہ اس کا خاندان اور قبیلہ کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو؟! امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی بیٹیوں کے علاوہ کس میں اتنی جرأت تھی کہ وہ ہند اور مرجانہ کے بیٹوں کی سیاہ کاریوں اور بدکاریوں کو کھلے عام بیان کرسکتا؟! یقیناً ان زہرا زادیوں کے علاوہ کسی میں یہ جرأت نہیں تھی۔

بے شک! اپنے خاندان کی مستورات اور بچوں کے ساتھ خروج کرنا اس وقت ناپسندیدہ تصور کیا جاتا ہے جب اس

---

① آپ ان تینوں خطبات کا اس کتاب میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کے اُمور میں مطالعہ کریں گے۔

میں صرف دنیاوی فوائد مضمر ہوں جس کی نفسِ امارہ رغبت دلاتا ہے۔ لیکن اگر اس میں دینی فوائد پنہاں ہوں اور ان دینی فوائد میں اہم ترین یہ ہے کہ اگر انسان اپنے اس عمل کے ذریعے باطل قوتوں کی طرف سے دین اسلام کے ساتھ چسپاں کیے گئے غیر شرعی اُمور کو صاف اور واضح کر رہا ہو اور دین اسلام کا حقیقی رُخ لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہو تو یہ عقلاً قبیح (بُرا) نہیں ہے اور نہ ہی معاشرہ اسے ناپسند کرتا ہے بلکہ شریعت بھی اس عمل پر معاونت اور حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

بے شک! اللہ تعالیٰ نے عورت کو جہاد اور دشمن کے خلاف مسلح جدوجہد سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے گھر میں بیٹھے رہنے کا حکم دیا ہے۔ یہ استثناء اس صورت میں ہے جب کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے مرد موجود ہوں اور وہ یہ اقدام کریں لیکن اگر حق کو قائم کرنا صرف عورت پر موقوف ہو، اور مرد موجود نہ ہوں یا وہ اپنا کردار ادا نہ کریں جب کہ شریعت کی بنیادوں کو ختم کیا جا رہا ہو اور خدا کے ان برگزیدہ بندوں کی قربانیوں کے نام و نشان کو مٹایا جا رہا ہو، جنھوں نے باطل کی باطل پرستی کو آشکار کرنے کے لیے قیام کیا ہو تو اس صورت میں عورت پر واجب ہے کہ اب وہ ان کی قربانیوں کو بچانے کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔

اسی لیے تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے اس وقت اللہ کی خلافتِ کبریٰ کے لیے قیام کرتے ہوئے اپنا کردار ادا کیا جب سیّدالاوصیا حضرت علیؑ سے یہ عہد لیا گیا کہ وہ نبیؐ کے بعد قائم ہونے والی خود ساختہ حکومت کے دَور میں اپنے گھر میں ہی بیٹھے رہیں گے۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے مسجد نبویؐ میں مہاجرین و انصار کے جمِ غفیر میں ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اپنے نانا رسولؐ امین کے ذریعے یہ جانتے تھے کہ جب لشکرِ یزید والے اپنا مقصد حاصل کرلیں گے اور ظلم و بربریت کی آخری حدوں کو چھونے لگیں گے تو اس کے باوجود وہ اپنے ان نجس ہاتھوں کو مخدراتِ عصمت و طہارت کی طرف نہیں بڑھا سکتے جیسا کہ آپؑ نے اپنے آخری الوداع میں ان خواتین سے فرمایا:

> ”اپنی طاقت و توانائیوں کو یکجا کرو اور آزمائش کے لیے تیار ہو جاؤ، اور آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ تمھارا حامی و مددگار اور محافظ ہے اور خدا تمھیں دشمنوں کے شر سے نجات دے گا اور تمھارے اس عمل کا انجام بہتر ہوگا، اور تمھارے دشمنوں کو مختلف قسم کے عذاب دے گا اور وہ اس آزمائش کے عوض تمھیں مختلف انواع کی انعام و اکرام اور عزت و شرف سے نوازے گا۔ پس! تم اس آزمائش میں شکوہ نہ کرنا اور اپنی زبانوں سے کوئی ایسی بات نہ جو تمھاری قدر و منزلت کو کم کردے“۔

ہم یہ تمام باتیں (کہ خاندان کی مستورات اور بچوں کے ساتھ امام حسینؑ کا قیام کرنا درست نہ تھا۔ العیاذ باللہ) اس صورت میں کرتے اگر سیّدالشہدا منصب امامت پر فائز نہ ہوتے، جب کہ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ امامؑ ہیں اور امامؑ کے

پاس ماضی، حال اور مستقبل کے حالات و واقعات کا علم ہوتا ہے اور امام ہر امر کی حقیقی مصلحت سے واقف ہوتا ہے اور وہ اپنے اقوال و افعال میں معصوم ہوتا ہے تو ہمیں ان کے آگے عاجزی اور فرماں برداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے جیسا کہ آپ حق کے امام ہیں جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ یقین رکھیں کہ امام کا ہر قول اور فعل خدا کی ان حکمتوں اور الٰہی مصلحتوں کے تحت صادر ہوتا ہے جن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ہم پر صرف یہ واجب ہے کہ ہم ان کے تمام افعال کی تصدیق کریں۔ عقل ہمارے لیے یہ ضروری قرار نہیں دیتی کہ ہم ان مصلحتوں کے بارے میں بھی آگاہی حاصل کریں جن مصلحتوں کے تحت امام ان افعال کو سرانجام دیتے ہیں۔ اسی طرح مکلفین پر جو اُمور واجب ہیں ان کے متعلق خدا کے بندوں پر یہ واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آقا و مولا کے حکم پر سرتسلیم خم کرتے ہوئے اطاعت و فرماں برداری کا مظاہرہ کریں۔ بندوں کے لیے ان اغراض و مقاصد کو جاننا ضروری نہیں ہے جن کی وجہ سے اُنھیں ان اُمور کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہے۔ غلاموں کا اپنے آقاؤں کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ ہوتا ہے جس پر عقل اس سے زیادہ کوئی حکم نہیں دیتی کہ جب آقا اپنے غلام کو کسی کام کے بجالانے کا حکم دے یا اسے کسی کام سے روکے تو وہ صرف اپنے آقا کی اطاعت و فرماں برداری کرے۔

علویوں کا خروج اور قیام کرنا

اس مقدس انقلابِ حسینی اور فتح مبین کے نتائج اور اثرات میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ اس انقلاب سے علویوں کو ظاہری طور پر ترقی ملی اور وہ بہتری کی طرف گامزن ہوئے، خواہ وہ نسب کے لحاظ سے علوی ہوں یا مذہب کے لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام کے پیروکار ہوں اور اس سے وہ لوگ بھی مستفید ہوئے جو خود کو آلِ محمدؐ سے منسوب کرتے تھے اگرچہ وہ جو عقیدہ ظاہر کرتے تھے اس کے برعکس دل میں پوشیدہ رکھتے تھے مگر یہ سب حق کے پیغام کو پھیلانے، باطل حکومت کو کمزور کرنے اور اُمت اسلامیہ کو اس بات سے آگاہ کرنے میں معاون ثابت ہوا کہ آلِ محمدؐ کا حق غصب کیا گیا ہے اور اب اس اُمت پر واجب ہے کہ وہ ان دشمنوں کے ہاتھ کاٹنے کے لیے اُٹھ کھڑی ہو۔ علویوں کے یہ خروج اور انقلابات لوگوں کے دلوں میں ایک تازہ اُمید لے کر سامنے آئے اور ان کے اس عمل نے لوگوں کو رُشد و ہدایت کی طرف رہنمائی کی تاکہ وہ حق و صداقت سے آشنا ہوسکیں۔

اُمت مسلمہ یہ سوچتی تھی کہ وہ ان لوگوں کے خلاف قیام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جن کے ہاتھ میں اس اُمت کی باگ ڈور ہے کیوں کہ وہ لوگ اپنی بادشاہت کے بل بوتے پر مسلمانوں پر حکمرانی کر رہے تھے۔ عام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس ظالم حکومت کے خلاف قیام کرنے سے صرف ناکامی مقدر بنے گی بلکہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ شریعت میں اپنی جان کو اس صورت میں ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا ہے کہ جب ایسا کرنے سے کوئی فائدہ بھی حاصل نہ ہوتا ہو۔

لیکن عزت و وقار اور حمیت و غیرت کے پیکر اور جوانانِ جنت کے سردار نے معرکۂ کربلا میں باطل کے خلاف ایک ایسا نعرہ بلند کیا جس کی صدا کئی صدیوں اور نسلوں تک ہمیشہ گونجتی رہے گی۔ آپؑ نے اس معرکہ میں بلند آواز سے چلاتے ہوئے دین کے سرکردہ افراد کو بتایا کہ شریعت میں ہر باطل کے سامنے انقلاب برپا کرنا واجب ہے بشرطیکہ باطل کو اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے مغلوب نہ کیا جاسکتا ہو۔

بے شک! وہ انسان یقیناً اپنے مقصد اور ہدف تک پہنچ جاتا ہے جو اپنے قیام اور انقلاب کا عنوان "حق کا مطالبہ" (حق دار کو اس کا حق دینا) قرار دیتا ہے تو اس انقلاب کے لیے قیام کرنے والا یا تو خود کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے یا اس کے جانشین جو اس انقلابی تحریک کو آگے بڑھاتے ہیں اُن سے یہ توی اُمید ہوتی ہے کہ "فتح مبین" ان کا مقدر ہوگی۔

ہم یہ ملاحظہ کرتے ہیں کہ جب بنواُمیہ والے شریعت مطہرہ کے ساتھ کھیل تماشا کرنے لگے تو ان کے خلاف پے در پے کئی لوگوں نے قیام کیا اور کئی تحریکیں اُٹھیں، ان تحریکوں میں حضرت امیر مختارؒ کا یہ نعرہ تھا کہ "آلِ محمدؐ کے خون کا بدلہ لینا ہے"۔

حضرت زید بن علیؑ بن حسینؑ اور ان کے بیٹے حضرت یحییٰؒ نے بھی یہ نعرہ لگاتے ہوئے قیام کیا کہ "ہمیں آلِ محمدؐ کی رضا اور خوشنودی چاہیے"۔ اور باقی ہاشمیوں نے ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا اور بپھرے ہوئے شیر کے مانند حملہ کرکے ہمہ گیر پھیلی ہوئی ضلالت و گمراہی کا صفایا کردیا۔

رسولِ خدا کی آل میں سے معصومینؑ کی سیرت پر غور و فکر کرنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ انسانی معاشرہ سے برائی کے کانٹوں کو نکال پھینکیں اور بندگانِ خدا کی مثالی راستے کی طرف رہنمائی کریں۔ آئمہ معصومینؑ کے یہ مقاصد ان خونیں معرکوں کے ذریعے بھی ہمارے سامنے واضح ہوجاتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد اُمت کو اس بات سے آگاہ کرنا تھا کہ رسولِ خدا کے بعد منصبِ خلافت کے وہ سب سے زیادہ حق دار ہیں اور جن لوگوں نے آئمہ معصومینؑ کو اس حق سے محروم کیا جو خالقِ کائنات (جس کا نام عزت و عظمت والا ہے) نے انھیں عطا کیا وہ صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ مختلف علاقوں میں اُٹھنے والی ان انقلابی تحریکوں کے ذریعے لوگوں کے دماغوں تک یہ فکر سرایت کرگئی اور ان کی باچھیں کھل گئیں۔ ان تحریکوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ اُمت پر حجت تمام ہوجائے اور کسی شخص کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ وہ اس امام سے ناواقف اور لاعلم تھا، جس کی امامت و خلافت پر نبی اعظمؐ نے نص بیان کی تھی۔

اگرچہ ہم ہدایت کے علَم بردار آئمہ معصومین علیہم السلام میں سے بعض کا یہ عمل مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ ظالم و جابر خلفاء کے خلاف خروج کرنے والے علویوں اور دیگر افراد سے بیزاری اور انکار کرتے تھے تو وہ ایسا صرف اس غاصب سلطنت کے سامنے تقیہ کرتے ہوئے کرتے تھے تاکہ حکومت ان انقلابی تحریکوں کو آئمہ اہلِ بیتؑ کی طرف منسوب نہ کرے اور پھر اس جرم میں انھیں برے انجام سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

ہاں! اہلِ بیت علیہم السلام کے خون کا بدلہ لینے کے لیے قیام کرنے والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اہلِ بیتؑ کی مظلومیت کو ایک جال کے طور پر اپناتے تھے اور پھر اس جال کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کو شکار کرتے تھے۔ جیسے ابن زبیر جو ہمیشہ حضرت امام حسینؑ اور ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کا تذکرہ کیا کرتا تھا لیکن جب اس کو بادشاہت مل گئی تو اس نے یہ رویہ ترک کردیا اور وہ اہلِ بیتؑ کا سخت ترین دشمن ہوگیا اور اس نے حکومت حاصل کرنے کے بعد اپنی اصلیت کو ظاہر کردیا۔ اس نے چالیس جمعہ تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھا۔ جب لوگوں نے اس سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا: "بے شک! نبیؐ کے اہلِ بیتؑ بُرے ہیں، اس لیے کہ جب میں نبیؐ کا تذکرہ کرتا ہوں تو وہ اس پر فخر و ناز کرتے ہیں اور اس سے خوش ہوتے ہیں اس لیے میں ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نہیں پہنچانا چاہتا"۔ ("المقاتل": ابی فرج، ص ۱۶۵، مطبوعہ ایران)

درحقیقت اسے یہ جرأت معاویہ بن ابی سفیان نے دی تھی۔ وہ جب بھی مؤذن کو اذان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے ہوئے سنتا تو اس سے کہتا: "بے شک! ہر روز دن میں پانچ دفعہ بنوہاشم کے بھائی کا نام یوں بلند کیا جاتا ہے: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ۔ تو یہ بتاؤ کہ اس کے بعد کون سا عمل باقی رہتا ہے؟ تیری ماں نہ رہے، خدا کی قسم! بس یہ نام دفن کردو، اسے دفن کردو"۔ (شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۵۳۷)

جب مامون نے اس واقعہ کے متعلق سنا تو اس نے تمام علاقوں میں یہ لکھ کر روانہ کیا کہ اس (امیر شام) پر برسرِ منبر لعنت کی جائے۔ لیکن لوگوں کے لیے اس کا یہ حکم نامہ گراں تھا اور ان پر یہ شاق گزرا اور عوام میں اضطراب پیدا ہوا تو مامون نے اسے ترک کرنے کا حکم دے دیا۔ پھر اس نے پہلا حکم نامہ منسوخ کردیا۔ (مروج الذہب: ج ۲، ص ۳۴۳، جہاں پر مامون کے متعلق گفتگو کی گئی ہے)

بنوعباس نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے محبت و ہمدردی کا ڈرامہ رچایا جو خود ظلم و جور کے حکمران تھے۔ انھوں نے یہ نعرہ بلند کیا کہ وہ معرکۂ کربلا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور خاندان پر ہونے والے ظلم اور مصائب کے لیے قیام کر رہے ہیں لیکن جب ان کی حکومت کے حصول کی خواہش پوری ہوگئی تو وہ بھی رسولِ خداؐ کی اولاد کے خلاف ہوگئے اور انھیں سطح زمین سے ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ موسیٰ بن عیسیٰ العباسی جس نے "واقعۂ فخ" کے دوران عباسی فوج کو کمانڈ کیا تھا وہ کہا کرتا تھا: "اگر خلافت کے متعلق نبیؐ نے ہم سے جھگڑا کیا ہوتا تو ہم (نعوذباللہ من ذٰلك) ان کے ناک کے بانسہ پر کاری ضرب لگاتے۔ (مقاتل الطالبین: ابوفرج، ص ۱۵۸، مطبوعہ ایران)

یہ اور ان جیسے دیگر افراد جو آلِ محمد علیہم السلام کا نام حکومت حاصل کرنے کے لیے استعمال کر رہے تھے ان سے آئمہ معصومین علیہم السلام نے بری الذمہ اور لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اگرچہ اُمت کو ان علویوں کے قیام کا یہ فائدہ ہوا کہ اُمیہ اور حرب کی اولاد میں سے جو اس اُمت کے دشمن تھے انھوں نے ان کا قلع قمع اور صفایا کردیا۔

سید عبدالمطلب حلی نے ان کے متعلق کیا خوب کہا ہے:

طمعت ابناء حرب ان تری	فیه للضیم انعطافاً وانکسارا
حاولت تسطاد منه اجدلا	نفض الذل علی الوکر وطارا
ورجت للخسف ان تجذبه	ارقماً قد الف العز وجارا
کیف یعطی بید الهون الی	طاحة الرجس عن الموت حذارا
فأبی الا التی ان ذکرت	هزت الکون اندهاشاً واندعارا
فاق من باسه فی جحفل	زحفه سد علی الباغی القفارا
ولیوث من بنی عمرو والعلی	لبسوا الصبر علی الطعن دثارا
اشعروا ضرباً بهیجاء غدا	لهم فی ضنکها الموت شعارا
فقضوا حق المعالی ومضوا	طاهری الاعراض لم یدنس عارا
بذلوها انفساً غالیة	کبرت بالعز أن ترضی الصغارا

''حرب کے بیٹوں نے یہ خواہش کی کہ وہ اس ظلم میں ہمدردی اور عاجزی و فرماں برداری کا مشاہدہ کریں۔ انھوں نے اس کے لیے ایک بہادر اور دلیر کے شکار کی کوشش کی۔ پرندوں کی طرح انھوں نے ذلت و رسوائی سے نجات کے بعد اُڑان بھرلی۔ وہ پوری طاقت سے اسے ذلیل کرنے کے لیے پُرامید تھا اگرچہ وہ عزت اور پناہ گیری سے مانوس تھا۔ وہ موت سے ڈرتے ہوئے ذلت و رُسوائی کی اطاعت و بیعت کیسے کرسکتے تھے۔ جب بیعت کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے انکار کردیا اور یہ جواب سن کر کائنات بھی دہشت زدہ ہوکر اور گھبرکر ہلنے لگی۔ آپ اپنی دلیری کے ساتھ اپنے لشکرِ جرار میں آئے اور اپنے مخالف کے تمام حربوں کو ناکام بنادیا۔

بنوعمرو کے شیر بہادری میں سب پر فوقیت رکھتے تھے اور انھوں نے اپنے نیزوں پر صبر و استقلال کا لباس چڑھا رکھا تھا۔ انھوں نے کل ہونے والی جنگ میں اپنی ضربت سے آگاہ کیا اور گھمسان کی جنگ میں ان کا نعرہ موت ہوتا تھا۔ انھوں نے بلند و برتر حق کا فیصلہ کیا اور اپنی عزت و ناموس کو پاک رکھتے ہوئے زندگی گزاری اور کبھی ذلت و رُسوائی کی گندگی سے آلودہ نہیں ہوئے۔ انھوں نے اپنی قیمتی اور باعزت و عظمت جانوں کو چھوٹوں کو خوش کرنے کے لیے قربان کردیا۔ (1)

(1) یہ سید عبدالمطلب الحلی کا قصیدہ ہے جو خاقانی کی کتاب ''شعراء الحلہ'' میں ان کے تذکرہ کے ضمن میں مکمل ذکر کیا گیا ہے۔

کربلا کے متعلق گفتگو

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَیْنِ حَرَارَةً فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَبْرُدُ اَبَدًا

"بے شک شہادتِ حسینؑ کے باعث مومنوں کے دلوں میں ایسی حرارت پیدا ہوگی جو کبھی ٹھنڈی نہیں ہوگی"۔ (مستدرک الوسائل: ج۲، ص ۲۱۷)

محرم کا چاند

هلّ المحرّم فاستهل مكبراً ... وانثر به درر الدموع على الثرى
وانظر بغرته الهلال اذا انجلى ... مسترجعاً متفجعاً متفكرا
واخلع شعار الصبر منك وزرمن ... خلع السقام عليك ثوباً اصفرا
فشباب ذى الاشجان الفيها به ... ما كان من حمر الثياب مزررا
شهر بحكم الدهر فيه تحكمت ... شر الكلاب السود فى اسد الشرى
لله اى مصيبة نزلت به ... بكت السماء له نجيعاً احمرا
خطب وهى الاسلام عند وقوعه ... لبست عليه حدادها «أم القرى»
او ما ترى الحرم الشريف تكاد من ... زفراته الجمرات ان تتسعرا
«وابا قبيس» فى حشاه تصاعدت ... قبسات وجدحرها يصلى «حرا»
علم «الحطيم» به فحطمه الأسى ... ودرى «الصفا» بمصابه فتكدرا
واستشعرت منه المشاعر بالبلاء ... وعفا «محسرها» جوى وتحسرا
قتل الحسين فيالها من نكبة ... اضحى لها الاسلام منهدم الذرى

"محرم کا چاند نمودار ہوگیا ہے اور اس کا تکبیر کہتے ہوئے استقبال کرو اور اپنے آنسوؤں کو زمین پر بکھیر دو۔
جب یہ چاند ظاہر ہو تو اسے غور سے دیکھو اس میں ناامیدی، سوگ اور سوچ بچار کے آثار نمایاں ہوں

گے۔ یہ صبر کی علامت ختم کر کے پیلا سوگ میں ڈوبا ہوا لباس پہناتا ہے۔ میں غم وسوگ کا لباس پہن کر اس کا استقبال کرتا ہوں اور سرخ زرق برق لباس سے خود کو آراستہ نہیں کرتا۔ زمانہ کے مطابق اس مہینہ میں بدترین سیاہ کتوں نے بہادر شیروں پر اپنا حکم نافذ کیا۔ خدا کی قسم! اس ماہ میں کون سی مصیبت نواسۂ رسولؐ پر نازل ہوئی کہ آسمان بھی ان پر سیاہی مائل سرخ آنسو برساتا رہا۔ یہ بڑی بدنصیبی تھی کہ اسلام کو اذیت دی گئی اور اس پر مکہ نے بھی سوگ کا لباس پہنا، کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ حرم مقدس کی عمارت کیسے آہیں بھر رہی ہے اور ابوقیس کی یہ آرزو تھی کہ وہ غار حرا میں نماز پڑھے۔ حلیم ان کو جانتا ہے اس لیے سوگوار وغم زدہ ہے اور صفا ان پر واقع ہونے والی مصیبت کی وجہ سے نالاں ہے اور احسانات نے ان کی مصیبت کو محسوس کیا اور اس پر حسرت وافسوس کرنے والے نے اپنے غم کو روکے رکھا۔ پھر اس نے آہیں بھریں۔ حسینؑ کی شہادت کتنی بڑی مصیبت ہے اور اس وجہ سے اسلام بے پناہ ہو گیا"۔ (دیوان معتوق بن شہاب الموسوی: مطبوعہ مصر، ۱۳۳۰ھ)

محرم کا مہینہ

محرم فیه الهنا محرم	والحزن فرض والبکاء محتم
شهر به الایمان ثل عرشه	والکفر بالاسلام بان بطشه
هلاله قوس رمی قلب الهدیٰ	والدین فی سهم الحتوف والردی
قد کان عند الکفر والاسلام	فیه القتال اعظم الآثام
وآل حرب حاربوا رب السما	فیه وحللو الدم المحرما
وانتهکو حرمة سادات الحرم	وارتکبو ما اعظم السماء دم
یا آل حرب لا لقیتم سلما	ولا وقیتم من لسان ذما
تعنتم فی الارض والسماء	علی لسان جملة الاحیاء
بشرا کم بالویل والثبور	وبالعذاب یوم نفخ الصور
کم حرة للمصطفیٰ هتکتم	وکم دم لولده سفکتم
یاأمة الخذلان والکفران	وحصبة الضلال والشیطان
بای عین تبصرون جده	وقد فعلتم ما فعلتم بعده

جزرتم جزر الاضاحی نسله وسقتم سوق الاماء اهله
نسیتم احسان یوم الفتح نسیتم فیه جمیل الصفح
قد کنتم لولا بدور هاشم سراً یغیم فی ضلوع کاتم
بهم تسنمتم ذری المنابر کما علوتم صهوة المفاخر

"ماہِ محرم میں خوشی کرنا حرام ہے اور اس میں رنج وغم منانا واجب اور گریہ کرنا ایک یقینی امر ہے۔ ایک ایسا مہینہ جس میں ایمان کا عرش تباہ ہوگیا اور اسلام کے ذریعے کفر کی گرفت کو ظاہر کیا گیا۔

محرم کا چاند کمان کی طرح نمودار ہوا جو ہدایت و پیشوائی کے دل پر تیر کی طرح چلا اور دین، موت اور تقدیر کے تیر کے نشانے پر تھا۔ کفر اور اسلام میں اس مہینہ کے دوران جنگ وقتال کرنا عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔

اور حرب کی اولاد نے اس مہینہ میں آسمان کے پروردگار سے جنگ کی اور انھوں نے اس خون کو بہانا حلال سمجھا جسے خدا نے حرام قرار دیا تھا۔ اور انھوں نے مدینہ منورہ کے سادات کی عزت وحرمت کو پامال کیا اور ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے جس پر آسمان نے خون کی بارش برسائی۔

اے حرب کی اولاد! تم سے کوئی سلام کرتے ہوئے نہیں ملتا اور نہ ہی تم کسی زبان کی مذمت سے محفوظ ہو۔ تم پر زندہ مخلوق کی زبان سے زمین وآسمان میں لعنت کی گئی ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن تمھارے لیے ہمیشہ کے لیے عذاب اور جہنم کی خبر دی جائے گی۔

تم نے کس قدر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دردناک عذاب سے دوچار کیا اور ان کے بیٹے (حضرت امام حسینؑ) کا کتنا زیادہ خون بہایا تھا۔

اے فریبی، دھوکے باز اور ناشکری کرنے والی اُمت اور گمراہ لوگوں اور شیطان کے گروہ! تم کس آنکھ سے ان کے نانا رسولؐ خدا کو دیکھتے اور ان کے متعلق بات کرتے ہو جب کہ تم نے ان کے بعد جو کیا سو کیا۔ تم نے قربانی کے جانوروں کی طرح ان کی نسل کو ذبح کر ڈالا اور ان کے خاندان کی عورتوں کو کنیزوں کی طرح دربدر پھرایا۔

فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم پر جو احسان کیا تھا تم اس احسان کو بھول گئے انھوں نے کس قدر خوب صورت انداز میں تم سے عفو و درگزر کیا۔ تم یہ بھی بھول گئے۔ اگر اس وقت ہاشم کی اولاد اپنا کردار ادا نہ کرتی تو تمام راز تمھارے سینوں میں دفن ہوجاتے۔ بنو ہاشم کے طفیل تم ان منابر پر چڑھے

اور تمھیں بافخر لوگوں کی طرح بلندی اور رفعت نصیب ہوئی"۔ (المقبولۃ الحسینیۃ: ص۹، آیت اللہ شیخ ہادی کاشف الغطاء)

معاویہ کی موت کے بعد یزید (ملعون)

معاویہ ۱۵ رجب ۶۰ ہجری کو دمشق میں فوت ہوا تو اس وقت اس کا بیٹا یزید (ملعون) "حوران" میں تھا۔ ضحاک بن قیس معاویہ کے کفن کو لے کر منبر پر بیٹھ گیا اور اس نے خدا کی حمد وثناء کے بعد کہا: "معاویہ عربوں کی جائے پناہ، مددگار اور بزرگ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے فتنہ وفساد کو ختم کیا اور اسے اپنے بندوں پر بادشاہت عطا کی اور اس کے ہاتھوں مختلف شہر فتح ہوئے۔ آگاہ رہو اب اس کی موت واقع ہو چکی ہے اور یہ اس کا کفن ہے۔ ہم اس کے غسل وکفن میں مشغول ہیں اور اسے قبر میں دفن کرنے والے ہیں۔ ہم اس کی ذات اور اس کے عمل کے حوالے سے بری الذمہ ہیں اور وہ قیامت کے دن تک عالم برزخ میں رہے گا۔ تم میں سے جو اس کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا چاہتا ہے وہ اس میں شرکت کے لیے آجائے"۔

پھر ضحاک نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد اسے قبرستان باب الصغیر میں دفن کر دیا۔ اس کے بعد ضحاک نے یزید (ملعون) کو خط لکھا اور اس میں اس سے اس کے باپ کی وفات پر تعزیت کی اور اسے جلدی دمشق پہنچنے کو کہا تاکہ لوگوں سے اس کے لیے دوبارہ بیعت لی جا سکے۔ ("البدایہ والنہایہ"، ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۴۳)

اس نے خط کے نیچے یہ اشعار تحریر کیے:

مضی ابن ابی سفیان فرداً شأنه — وخلفت فانظر بعده کیف تصنع

اقمنا علی المنهاج وارکب محجة — سداداً فانت المرتجی حین نفزع

"ابوسفیان کا بیٹا اپنی مثال اور منفرد قدر ومنزلت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا اور اس نے تمھیں اپنا خلیفہ وجانشین نامزد کیا ہے۔ پس! اب تم دیکھو کہ اس کے بعد کیسا برتاؤ کرتے ہو۔ تم ہمارے ساتھ صحیح رویہ اپنانا کیونکہ ہر گھبراہٹ و پریشانی میں تم ہی ہماری اُمید ہو"۔ (مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۱۷۸)

جب یزید (ملعون) نے اس کا خط پڑھا تو اس نے درج ذیل اشعار پڑھتے ہوئے کہا:

جاء البرید بقرطاس یخب به — فأوجس القلب من قرطاسه فزعا

قلنا لك الویل ماذا فی صحیفتکم — قال الخلیفة امسی مثقلاً وجعا

مادت بنا الارض او کادت تمید بنا — کأن ما عز من ارکانها انقلعا

من لم تزل نفسه توفی علی وجل | توشك مقادیر تلك النفس ان تقها
لما وردت وباب القصر منطبق | لصوت رملة هد القلب فانصدعا

"قاصد ایک خط لے کر آیا اور اس نے ہماری اُمید کو توڑ دیا اور اس خط نے خوفزدہ کرتے ہوئے میرے دل میں ڈر پیدا کر دیا۔ ہم نے کہا: تم پر وائے ہو تمھارے اس خط میں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: شام سے خلیفہ کو درد کی وجہ سے بھاری پن کا سامنا ہے۔ یہ سن کر زمین ہمارے گرد گھوم گئی یا قریب تھا کہ یہ ہمارے گرد گھومنے لگتی گویا کہ اس کے تمام ستون جڑ سے اُکھڑ گئے ہوں۔

ایک ایسا شخص جس کی روح ابھی تک تشویش ناک صورت حال سے دوچار تھی اور قریب ہے کہ اس کے متعلق جس کا اندیشہ تھا وہی حقیقت نہ بن جائے۔ جب میں شہر آ گیا تو میں نے محل کا دروازہ بند پایا اور رملہ کی آواز نے میرے دل کو ہلا کر رکھ دیا اور یہ ٹوٹ پھوٹ گیا"۔ (الاغانی: ابوالفرج اصفہانی، ج ۱۶، ص ۳۴)

اس کے بعد یزید (ملعون) دمشق کی طرف روانہ ہوا اور معاویہ کے دفن کے تیسرے دن دمشق پہنچا۔ ضحاک کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر اس کے استقبال کے لیے دمشق سے باہر نکلا۔ ضحاک پہلے اسے اس کے باپ کی قبر پر لے گیا اور اس نے اپنے باپ کی قبر کے پاس نماز پڑھی۔ پھر وہ شہر میں داخل ہوا اور منبر پر بیٹھ کر یہ خطبہ دیا:

"اے لوگو! معاویہ خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا اور خدا نے اسے نعمتوں سے نوازا تھا اور پھر اسے اپنے پاس بلا لیا، وہ اپنے سے بعد والے خلیفہ سے بہتر اور اپنے سے پہلے والے خلیفہ سے کم تر تھا اور میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس سے نہیں بڑھ سکتا۔ خدا اس کے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے اگر وہ اس سے درگزر کرے تو یہ اس کی رحمت ہے اور اگر وہ اسے عذاب دے تو یہ اس کے گناہوں کی وجہ سے ہوگا۔ اس کے بعد حکومت کی باگ ڈور میں نے سنبھال لی ہے۔ میں نے کسی چیز کی تلاش پر کبھی افسوس نہیں کیا اور نہ ہی میں کسی کام میں کوتاہی پر معذرت خواہ ہوتا ہوں۔ جب خدا کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ ہو کر رہتا ہے۔ معاویہ نے تمھارے ذریعے سمندر میں چڑھائی کی لیکن میں نے کسی مسلمان کو سمندری سفر پر روانہ نہیں کرنا اور وہ تمھیں سردی کا موسم روم میں گزارنے کی اجازت دیتا تھا لیکن میں کسی کو بھی روم کی سرزمین پر موسم سرما گزارنے کی اجازت نہیں دوں گا اور وہ تمھارے عطا کردہ مال سے ایک تہائی تمھیں دیتا تھا لیکن میں یہ سب تمھیں دیا کروں گا"۔ (البدایہ والنہایہ: ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۴۳)

ابھی کسی شخص نے یزید (ملعون) سے تعزیت نہیں کی تھی کہ عبداللہ بن ہمام السلولی اس کے پاس آیا اور کہا: اے امیر المومنین! (یزید ملعون) خدا تمھیں اس مصیبت پر اجر عطا کرے اور اس حکومت میں تمھارے لیے برکت دے اور عوام کی خدمت گزاری کے لیے تمھاری نصرت و مدد کرے۔ بے شک! تمھیں بہت بڑی مصیبت اور تکلیف سے دوچار کیا گیا ہے لیکن اس کے مقابلے میں تمھیں ایک عظیم امر (حکومت) سے نوازا گیا ہے۔ پس تم خدا کی اس عطا پر شکر ادا کرو اور اس مصیبت پر صبر کا مظاہرہ کرو۔ بے شک! تم سے خدا کا خلیفہ جدا ہوا ہے لیکن تمھیں اس کے عوض خدا کی خلافت عطا کی گئی ہے۔ بے شک! تم نے ایک جلیل القدر شخص کی جدائی کا صدمہ برداشت کیا ہے لیکن تمھیں اس کے مقابلے میں عظیم امر سے نوازا گیا ہے کہ معاویہ مرگیا اور تم سلطنت کے سربراہ بن گئے اور لوگوں کے اُمور کی باگ ڈور تمھارے ہاتھوں میں دے دی گئی۔ اللہ تعالیٰ اسے فرحت و سُرور کے مقامات سے نوازے اور تمھیں نیک و صالح اور بہترین کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

اصبر یزید فقد فارقت ذا کرمٍ   واشکر حباء الذی بالملک أصفاک

لا رزء أصبح فی الأقوام قد علموا   کما رزئت ولا عقبی کعقبک

أصبحت راعی أهل الدین کلهم   فأنت ترعاهم والله یرعاک

وفی معاویة الباقی لنا خلف   إذا نعیت ولا نسمع للمنعاک

"یزید (ملعون) صبر کرو بے شک! تم سے سخی شخص جدا ہوا ہے اور اس نعمت پر خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھیں بادشاہت کے لیے چُن لیا ہے۔ تمھارے اُوپر آنے والی مصیبت کبھی کسی پر یوں نہیں آئی اور نہ ہی کسی قوم کو اس کا علم ہے اور اس مصیبت کے بعد کسی کو ایسا نتیجہ نہیں ملا جیسے تمھیں ملا ہے۔
تم تمام دین داروں کے سرپرست و نگہبان بن گئے ہو۔ تم ان کی نگہبانی کرو اور خدا تمھاری نگہبانی کرے۔
معاویہ کے جانشین کی شکل میں ہمارے لیے وہ زندہ ہے۔ اسی لیے تمھیں کوئی تعزیت نہیں کر رہا جب کہ تم سوگوار اور غم زدہ ہو"۔

عبداللہ بن ہمام السلولی نے یہ تقریر کر کے دوسروں کے لیے تقریر کرنے کا میدان کھول دیا۔ [1] پھر قبیلہ بنو ثقیف کے ایک شخص نے یزید (ملعون) سے کہا: اے امیر المومنین! (یزید ملعون) تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور اس کی رحمتیں اور

[1] جاحظ کی "البیان والتبیین" ج ۲، ص ۱۰۹، باب وصیت معاویہ، دوسرا ایڈیشن، "کامل المبرد" ج ۳، ص ۳۰۰، ابن رشیق کی "العمدۃ" ج ۲، ص ۱۴۸، باب الرثاء، ابن عبدربہ کی "العقد الفرید" ج ۲، ص ۳۰۹، باب معاویہ کا یزید (ملعون) کے لیے بیعت طلب کرنا۔ ان تمام کتب میں تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ یہی مذکور ہے۔

برکتیں نازل ہوں۔ تمھیں ایک ایسے شخص کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا جو بہترین باپ تھا اور تمھیں تمام چیزیں عطا کی گئیں۔ پس تم اس مصیبت پر صبر کرو اور اس بہترین عطا پر خدا کی حمد وثنا کرو۔ کسی شخص کو ایسی عطا سے نہیں نوازا گیا جیسے تم کو نوازا گیا اور نہ ہی تمھاری مصیبت کی طرح کسی کو ایسی مصیبت کے صدمہ سے دوچار کیا گیا ہے"۔

پھر اسی طرح مزید لوگ اس لعین کے پاس آتے رہے اور اسے حکومت ملنے پر مبارکباد بھی دیتے رہے اور اس سے باپ کے مرنے کی تعزیت بھی کرتے رہے۔

پھر یزید (ملعون) نے کہا: ہم حق اور دین کے ناصر و مددگار ہیں۔ اے شام والو! تمھارے لیے یہ خوشخبری اور خوش بختی ہے کہ ہمیشہ تم پر خیر و بھلائی کی برسات ہوتی رہے گی۔ عنقریب میرے اور عراقیوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوگی اور میں یہ تین رات سے خواب میں دیکھ رہا ہوں۔ گویا میرے اور عراقیوں کے درمیان ایک خون کا دریا ہے اور میں نے اس خون کے دریا کو عبور کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اسے عبور نہ کرسکا۔ یہاں تک کہ میرے سامنے عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) نے اس خونین دریا کو عبور کرلیا اور میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

یہ سن کر شامیوں نے اُونچی آواز میں چلاتے ہوئے کہا: تمھارا جہاں کا بھی ارادہ ہو ہم تمھارے ساتھ ہیں اور ہماری تلواریں بھی تمھارے ساتھ ہیں اور ان تلواروں کو عراق والے جنگ صفین میں جان چکے ہیں۔ یہ سن کر یزید (ملعون) نے انھیں اچھا صلہ دیا اور ان میں بہت زیادہ مال تقسیم کیا۔

پھر یزید (ملعون) نے مختلف شہروں کے گورنروں کو ایک خط تحریر کیا جس میں اپنے باپ کی ہلاکت کی خبر دی اور انھیں ان کے عہدہ پر قائم رکھا۔ معاویہ کے غلام سرجون کی طرف سے اسے مشورہ دینے کے بعد کوفہ اور بصرہ کا گورنر عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کو بنادیا۔

یزید (ملعون) نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کو تحریر کیا:

"امابعد! معاویہ بندگانِ خدا میں سے ایک ایسا بندہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت و اکرام سے نوازا اور اسے چُن لیا اور اسے حکومت و سلطنت عطا کی۔ پھر اس کی روح کو قبض کرتے ہوئے اسے اس عالم میں بلالیا جہاں اس کے باغات کی خوشبو، اس کی رحمت اور عذاب ہے۔ اس نے تقدیر کے مطابق زندگی گزاری۔ پھر داعی اجل پر لبیک کہتے ہوئے موت سے ہمکنار ہوا۔ اور اس نے مجھے ابوتراب کی اولاد سے ہوشیار رہنے کی وصیت کی ہے کیونکہ وہ خون بہانے پر جری ہیں۔ اے ولید! تم جانتے ہو آلِ ابوسفیان کے ہاتھوں سے خدا مظلوم عثمان کے قتل کا انتقام لے گا کیونکہ وہ حق کے مددگار اور عدل و انصاف کے طلب گار تھے اور جب تمھارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو مدینہ والوں سے میرے لیے بیعت لو"۔

پھر اس نے اس خط کے ساتھ ایک چھوٹا خط بھی ملحق کیا جس میں تحریر تھا:

"(امام) حسینؑ، عبداللہ ابن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر کو بیعت لینے کے لیے سختی سے پکڑ لو اور ان میں سے جو بیعت سے انکار کرے اس کی گردن اُڑا دو اور اس کا سر میری طرف بھیج دو"۔ ①

مدینے کا گورنر ولید بن عتبہ اس مہم کو سر کرنے کے لیے متحرک ہو گیا اور اس نے اس اُمید کے سہارے حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ ابن زبیر کی طرف آدھی رات کو قاصد روانہ کیا کہ وہ لوگوں سے بیعت لینے سے پہلے ان دونوں سے بیعت لے۔ اس کے قاصد عبدالرحمٰن بن عمرو بن عثمان بن عفان ② نے حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ ابن زبیر کو مسجد نبویؐ میں موجود پایا اور انھیں ولید بن عتبہ کا پیغام پہنچایا۔ ابن زبیر کو اس وقت بلانے پر شک گزرا تو کہا کہ اس وقت بلانے کا کیا مقصد ہے جب کہ گورنر کے پاس دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے نہ ہوں ③ لیکن اس وقت کے حجتِ خدا (اصلاح کے علَم بردار حضرت امام حسینؑ) نے اسے غیبی خبر سے مطلع کیا کہ معاویہ ہلاک ہو چکا ہے اور اب وہ ان سے یزید (ملعون) کی بیعت کا مطالبہ کرے گا۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنی اس بات کی تائید کے لیے وہ سب بیان کیا جو آپؑ نے خواب میں دیکھا تھا کہ معاویہ کے گھر سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور اس کا منبر اوندھا پڑا ہوا ہے۔ ④

ودرام ابن میسون علی الدین اِسرھا	فعاثت بدین الله جهراً جرائمة
فقام مغیثًا شرعة الدین شبل من	بصمصامه بدءاً اقیمت دعائمه
وحف به ﴿ازمحص الناس﴾ معشر	نمته الی اوج المعالی مکارمه
فمن اشوس نبنیه للطعن ﴿حیدر﴾	وینمیه جدی قری الطیر ﴿هاشمه﴾
ورهط تفانی فی مس الدین لم تهن	لقلته بین الجموع عزائمه

① مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۱۷۸ تا ۱۸۰، مطبوعہ نجف اشرف۔ (ہم نے اس چھوٹے خط کو تحریر کرنے میں پنہاں راز کے متعلق کتاب کی ابتدا میں اشارہ کیا ہے۔ اس کا مطالعہ کریں)۔

② ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۲۷

③ تاریخ طبری: ج۶، ص ۱۸۹

④ ابن نما کی "مثیر الاحزان" ص ۱۰، مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۱۸۲، فصل ۸۔ یہ بات مخفی نہیں ہونی چاہیے کہ امامؑ کے خواب درحقیقت نورِ امامت کی نظروں سے حقیقتِ حال کو مشاہدہ کرنا ہوتا ہے اور نورِ امامت کے آگے کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا جو امامؑ کو کائنات کے حالات و واقعات سے مطلع ہونے سے روک سکے کیونکہ وہ عالمین پر خدا کی حجت ہوتے ہیں۔ یہاں پر امامؑ نے منبر کے اوندھا ہونے کو کنایتاً بیان کیا ہے کہ اس کے ہاتھ سے حکومت نکل جائے گی اور اپنی ہلاکت کے باعث وہ اپنی خواہشات کی تکمیل نہیں کر پائے گا۔ اور آگ کے شعلوں کا اُٹھنا اس بات سے کنایتاً اشارہ ہے کہ اس کے بعد فتنے اُٹھیں گے جیسے واقعۂ کربلا، واقعۂ حرہ اور خانہ کعبہ کو منہدم کرنا وغیرہ۔

إلى أن قضوا دون الشريعة صرّعاً كما صرعت دون العرين ضراغمه
اراد ابن هند خاب سعاه أن يرى ﴿حسيناً﴾ بأيدى الضيم تلوى شكائمه
ولكن أبى المجد المؤثل والابا له الذل ثوباً والحسام ينادمه
أبوه على وابنة الطهر أمه وطه له جد و جبريل خادمه
الى ابن سمى وابن ميسون ينثنى يمديداً والسيف فى اليد قائمه
فصال عليهم صولة الليث مغضباً وصاله فصم النفوس وصارمه

"میسون کے بیٹے نے دین پر حاکمیت کی خواہش کی اور اس نے علی الاعلان اپنے جرائم کے ذریعے دین خدا کو برباد کیا۔ حضرت امام حسینؑ نے دین و شریعت کی مدد کے لیے اپنی تیز تلوار سے شکاری شیر کی طرح قیام کیا اور دین کے ستونوں کو بلند کیا۔ اور تمام لوگ آپؑ کے گرد جمع ہو گئے تا کہ وہ آپؑ کے بلند مکارمِ اخلاق کے کمالات سے مستفید ہو سکیں۔

اس سے زیادہ بہادر کون ہوسکتا ہے جس کی حیدر کرّار نے پرورش کی ہو اور جس کے دادا حضرت ہاشمؑ نے پرندوں کے شہروں کو پالا ہو۔ دین کی حمایت کے لیے قربان ہونے کے لیے ایک گروہ ہمیشہ تیار رہتا ہے اور لوگوں کے ہجوم میں انھیں اپنی قلت کی وجہ سے کم ہمتی اور حوصلہ شکنی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسینؑ اور ان کے اعوان و انصار نے شریعت کے دفاع میں اپنی توانائیوں کو یوں صرف کیا جیسے شیر اپنے مسکن کے دفاع کی خاطر حملہ کرتے ہوئے اپنی توانائیوں کو صرف کرتا ہے۔

ہند کا بیٹا حضرت امام حسینؑ کو اپنے ظلم و استبداد کے آگے جھکا ہوا دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ مراد پوری نہ ہوسکی۔ عزت و بزرگی کی بنیاد رکھنے والے (حضرت حسینؑ) نے ذلت و عار کا لباس پہننے سے انکار کر دیا۔ جب کہ تیز کاٹنے والی تلوار ان کی ہم نشین تھی۔ ان کے بابا حضرت علیؑ اور ان کی والدہ پاک باز کی بیٹی ہیں، ان کے نانا طٰہٰ اور حضرت جبرئیلؑ ان کے خادم ہیں۔

یہ سمیہ اور میسون کے بیٹے کے آگے کیسے جھک سکتے تھے؟ جب کہ ان کے ہاتھ میں تلوار چلنے کے لیے تیار ہوتی تھی اور انھوں نے غضب ناک شیر کی طرح ان پر حملہ کیا اور اپنے دشمن کو سختی سے دوچار کر کے خود سے الگ کر دیا"۔ (علامہ شیخ محمد تقی، آل صاحب الجواہر کا قصیدہ)

آپؑ نے تیز صیقل کی ہوئی تلوار سے ان کی گردنوں پر قضا کے فیصلہ کو نافذ کیا اور اب اس فیصلہ کے خلاف وہ کسی کے پاس اپیل بھی نہیں کر سکتے کہ جو نئے سرے سے ان پر اپنا فیصلہ سناتا یہاں تک کہ دین پھر سے تر و تازہ ہو جائے اور یہ

اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک نواسۂ رسولؐ اپنے مقدس لہو سے اس دین کو سیراب نہ کرتے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن زبیر کو اپنے اس عزم سے واضح طور پر آگاہ کر دیا کہ وہ اسی وقت گورنر سے ملاقات کریں گے لیکن ابن زبیر نے آپؑ کو اس سے روکا اور کہا کہ وہ آپؑ کو یوں بلوا کر دھوکے سے قتل کرنا چاہتا ہے تو امام حسینؑ نے اسے بتایا کہ وہ اسے اس کام سے باز رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ (تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۶)

حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ان کے شیعہ موالی اور خاندان کے تیس افراد[1] اسلحہ اُٹھائے ہوئے ہمراہ ہو گئے اور وہ دروازے پر ہی کھڑے رہے کہ اگر امامؑ کی آواز بلند ہو تو وہ امامؑ کی حفاظت کے لیے فوراً اندر جا سکیں۔[2] حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ میں رسولؐ خدا کا عصا تھا۔ جب امامؑ ولید کے دربار میں جا کر بیٹھ گئے تو ولید نے انھیں معاویہ کی موت کے متعلق بتایا اور انھیں یزید (ملعون) کی بیعت کرنے کو کہا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

> مثلی لا یبایع سراً فاذا دعوت الناس الی البیعۃ دعوتنا معھم فکان امرا واحداً (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۸۹)
>
> ”مجھ جیسا شخص یوں رازداری سے بیعت نہیں کر سکتا، جب تم دوسرے لوگوں کو بیعت کے لیے بلاؤ گے اس وقت ان کے ساتھ ہمیں بھی بلا لینا اور یوں یہ سب کے لیے ایک جیسا مسئلہ ہوگا“۔

ولید امام علیہ السلام کے جواب سے اس بات پر قائل ہو گیا لیکن مروان نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے ولید سے کہا: ”اگر (حضرت امام) حسینؑ اس وقت تمھارے سامنے یزید (ملعون) کی بیعت کیے بغیر یہاں سے چلے گئے تو پھر تمھیں کبھی اس طرح (حضرت امام) حسینؑ پر تسلط حاصل نہ ہوگا، جب تک کہ تمھارے بہت زیادہ افراد قتل نہ ہو جائیں لہٰذا تم (حضرت امام) حسینؑ کو اس وقت تک زبردستی روکے رکھو جب تک یہ یزید (ملعون) کی بیعت نہ کر لیں یا ان کی گردن اُڑا دو“۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے زرقاء (نیلی آنکھوں والی) کے بیٹے[3] تم مجھے قتل کرو گے یا یہ شخص

---

[1] سید رضی الدین ابن طاؤس ”الملہوف“۔

[2] مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۸، اور ص ۱۸۳

[3] سبط ابن جوزی کی ”تذکرۃ الخواص“ ص ۲۲۹، مطبوعہ ایران اور فخری کی ”الآداب السلطانیہ“ ص ۸۸ پر ہے کہ مروان کی دادی بدکار اور زناکار تھی۔ ”کامل ابن اثیر“ ج ۴، ص ۷۵ پر ہے کہ لوگ عبدالملک بن مروان کو زرقاء بنت موہب کے ذریعے عار اور شرم دلاتے تھے کیونکہ وہ بدکار اور جھنڈے والیوں میں سے تھی۔ ”تاریخ ابن عساکر“ ج ۷، ص ۴۰۷ پر مذکور ہے کہ ایک دفعہ مروان اور عبداللہ ابن زبیر کے درمیان مکالمہ کے دوران عبداللہ نے اسے کہا: اے زرقاء کے بیٹے! تو ابھی تک یہاں ہی ہے؟! بلاذری کی ”انساب الاشراف“ ج ۵، ص ۱۲۹ پر ہے کہ ایک دفعہ ←

(ولید)؟ تُو نے جھوٹ بولا اور گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ (تاریخ طبری، تاریخ کامل اثیر، الارشاد، اعلام الوریٰ)

پھر امام علیہ السلام نے ولید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ایها الامیر انا اهل بیت النبوة، ومعدن الرسالة، ومختلف الملائكة بنا فتح الله وبنا یختم و یزید رجل شارب الخمور وقاتل النفس المحرّمة معلن بالفسق، ومثلی لا یبایع مثله ولكن نصبح وتصبحون وننظر وتنظرون اینا احق بالخلافة

"اے گورنر! ہم نبوت کے اہلِ بیتؑ اور رسالت کی کان ہیں۔ ہمارا گھرانہ فرشتوں کے نزول کی جگہ ہے۔ اللہ نے اس کائنات کی ابتداء ہم سے کی تھی اور وہ اس کی انتہا بھی ہم پر کرے گا۔ اور یزید (ملعون) ایک شرابی، نفسِ محترمہ کا قاتل ہے وہ کھلم کھلا گناہ کرتا ہے۔ مجھ جیسا شخص اس جیسے شخص کی بیعت نہیں کرسکتا لیکن ہم بھی صبح ہو لینے دیتے ہیں تم بھی صبح ہو لینے دو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں تم بھی انتظار کرو (اور کل صبح عوام کے سامنے یہ فیصلہ ہوگا) کہ ہم میں سے خلافت کا زیادہ حق دار کون ہے"۔
(چھٹی صدی ہجری کے عالم ابن نما الحلی کی "مثیر الاحزان")

← عمرو بن عاص اور مروان کے درمیان مکالمہ کے دوران عمرو نے مروان سے کہا: او زرقاء کے بچے! تو مروان نے اسے جواب دیا: زرقاء نے اس شخص کو جنا ہے جسے اور کسی عورت نے نہیں جنا۔ تاریخ طبری: ج ۸، ص ۱۹ پر ہے کہ مروان بن محمد بن اشعث مروان بن حکم کی اولاد کو ہمیشہ زرقاء کی وجہ سے ملامت اور شرم دلاتا اور عاص کی اولاد صفوریہ میں سے تھی۔
یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ شریعت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کسی مومن کو برے القاب سے یاد نہ کیا جائے اور اسے اس کے نسب پر طعنہ نہ دیا جائے۔ اس اُمت کے امامِ برحق اور مخلوق پر حجتِ خدا ان تمام پیچیدہ اُمور اور حکمتوں اور آدابِ الٰہیہ سے سب سے زیادہ واقف تھے اور ہرگز شریعت کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز نہیں کرسکتے تھے۔ چونکہ ہم زمانے کے لحاظ سے ان سے دُور ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس زمانے کے حالات کس بات کا تقاضا کر رہے تھے۔ لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم امام معصومؑ سے صادر ہونے والے ہر قول و فعل پر سرِ تسلیم خم کردیں، جب کہ وہ قرآن مجید کے مطابق بھی ہو جو کہ شرعی احکام کا مصدر و منبع ہے۔ جس طرح حضرت امام حسینؑ نے مروان کو اس کے نسب پر طعنہ دیا ہے اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ولید بن مغیرہ مخزومی کے متعلق یہ فرمان صادر ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ (سورۂ قلم: آیہ ۱۳) عربی لُغت میں زنیم اس شخص کو کہتے ہیں جو نسب کے لحاظ سے ناجائز طور پر پیدا ہوا ہو اور پھر اسے اس شخص سے ہی منسوب کردیا جائے جو اس کی ناجائز پیدائش کا سبب بنا ہو۔ حدیث نبویؐ میں مذکور ہے جیسا کہ کنزالعمال: ج ۱، ص ۱۵۶ پر ہے کہ العتل الزنیم سے مراد فاحش (زناکار) اور لئیم (کمینہ، پست شخص) ہے۔ آلوسی نے "روح المعانی" ج ۲۹، ص ۲۸ پر نقل کیا ہے کہ ولید کے باپ مغیرہ نے اس کو ناجائز طریقے سے پیدا کرنے کے اٹھارہ سال بعد یہ دعویٰ کیا کہ ولید میرا ہے۔ پس اگر قرآن مجید جو ادب اور اسرار کا سرچشمہ ہے، اس میں ایک خاص شخص کو برے القاب سے اور قبیح گناہ سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ کتاب مساجد کے محرابوں میں دن رات تلاوت کی جاتی ہے تو پھر اگر نبیؐ کے بیٹے نے مروان کو اس کی ماں کی بدکرداری کی بنا پر طعن و تشنیع کی ہے تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے حالانکہ مروان تو ہمیشہ انھیں نقصان پہنچانے کے درپے ہوتا تھا۔

پھر مروان نے سخت کلامی کی اور آوازیں بلند ہوئیں تو انیس افراد فوراً اندر داخل ہوئے اور انھوں نے ان پر اپنے خنجر وتلواریں سونت لیں اور وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو طاقت کے بل بوتے پر وہاں سے نکال کر ان کے گھر لے آئے۔
(مناقب ابن شہر آشوب: ج۲،ص ۲۰۸)

یہ منظر دیکھ کر مروان نے ولید سے کہا: تو نے بہت بڑی غلطی کی ہے، خدا کی قسم! تجھے ایسا موقع کبھی میسر نہیں ہوگا۔

یہ سن کر ولید نے کہا: اے مروان! تُو کسی اور کو ملامت کر! تُو مجھے اس کام کی ترغیب دیتا ہے جس سے میرا دین تباہ و برباد ہوتا ہے۔ تُو یہ چاہتا ہے کہ اگر امام حسینؑ یہ کہیں کہ میں یزید (ملعون) کی بیعت نہیں کرتا تو میں انھیں قتل کردوں۔ خدا کی قسم! جو شخص بھی قتلِ حسینؑ میں اپنا ہاتھ ڈالے گا مجھے یقین ہے قیامت کے دن اعمال کے میزان کے وقت اس کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہ ہوگی[1] اور خدا ایسے شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں کرے گا، اسے اس عظیم گناہ سے پاک نہیں کرے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔[2]

ولید کی حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جو تلخ کلامی ہوئی اس پر اس کی بیوی اسماء بنت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے اسے سرزنش کی تو ولید نے (غلط بیانی کرتے ہوئے) یہ عذر پیش کیا کہ انھوں نے مجھے پہلے گالی دی تھی۔ یہ سن کر اس کی بیوی نے کہا: اگر وہ تجھے گالی دیں تو کیا تُو انھیں اور ان کے بابا کو گالی دے گا؟! اس نے جواب دیا: میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔[3]

اسی رات حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے نانا کی قبر مبارک کی زیارت کی تو آپؐ کے سامنے قبر مبارک سے ایک نُور بلند ہوا جو چارسو پھیل گیا۔[4] امام حسین علیہ السلام نے نانا کی قبر پر آپؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

السلام علیك یارسول الله انا الحسین بن فاطمة فرخك وابن فرختك وسبطك الذی خلفتنی فی اُمتك فاشهد علیهم یانبی الله انهم خذلونی ولم یحفظونی وهذه شکوای الیك حتی القاك

"اے رسولؐ خدا! آپؐ پر سلام ہو، میں حسینؑ ابن فاطمہؑ ہوں۔ آپؐ کا بیٹا اور آپؐ کی بیٹی کا بیٹا، آپؐ کا وہ نواسہ جسے آپؐ اپنی اُمت میں چھوڑ کر گئے تھے۔ اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ ان لوگوں پر گواہ رہنا کہ انھوں نے میری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اور مجھے ضائع ہونے سے نہ بچایا اور آپؐ سے میرے

[1] تاریخ طبری: ج۶،ص ۱۹

[2] اللھوف: ص ۱۳

[3] ابن عساکر: ج۴،ص ۳۲۸

[4] امالی شیخ صدوق: ص ۹۳، مجلس ۳۰

یہ شکوے اس وقت تک جاری رہیں گے یہاں تک کہ آپؐ سے ملاقات کرلوں"۔

اس کے بعد حضرت امام حسینؑ نانا کی قبر مبارک پر صبح تک رکوع و سجود میں مشغول رہے۔ ①

ولید نے ایک شخص کو بھیجا جو اسے حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق کوئی خبر دے مگر اس قاصد کو امامؑ اپنے گھر میں نہ مل سکے۔ اس پر ولید کو یقین ہو گیا کہ وہ مدینہ سے باہر چلے گئے ہیں تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اسے امام حسینؑ کے

---

① مقتل العوالم، ص ۵۴ اور بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۷۲ پر محمد بن ابی طالب سے منقول ہے: یہ مسئلہ کہ کیا انبیاءؑ اور اوصیاءؑ وفات کے بعد اپنی قبروں میں موجود ہوتے ہیں یا انھیں آسمان پر اٹھا لیا جاتا ہے؟ روایات میں اختلاف کی وجہ سے اس میں مختلف آرا ہیں۔ کامل الزیارات، شیخ صدوق کی التوحید، المجالس (امالی)، عیون اخبار الرضاؑ اور الخصال، راوندی کی "الخرائج" اور "البصائر" ص ۱۳۰ پر موجود تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہمارے نبیؐ، حضرت علیؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت نوحؑ، حضرت شعیبؑ، خالد العبسی اور یوشع بن نون اپنی قبروں میں ہی موجود ہیں۔ بارش طلب کرنے (استسقاء) سے متعلق روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت آدمؑ، حضرت یوسفؑ اور ہمارے نبیؐ کی ہڈیاں زمین پر ہی موجود ہیں اور جب دوبارہ موت کے بعد زندہ کیا جائے گا تو ہمارے نبیؐ سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے۔ ان روایات کی بنا پر سید محمود بن فتح اللہ الحسینی الکاظمی نے اس مسئلے کی تائید میں ایک کتابچہ تحریر کیا ہے کہ یہ اپنی قبروں میں موجود ہیں لیکن کامل الزیارات، ص ۳۲۹، باب ۱۰۸ اور شیخ طوسیؒ کی "التہذیب" باب الزیارات کے آخر میں کتاب المزار کے تحت یہ مذکور ہے کہ کوئی نبی یا وصی تین دن سے زیادہ زمین میں نہیں رہتا یہاں تک کہ اس کی روح اور ہڈیاں آسمان پر اٹھالی جاتی ہیں۔ شیخ طوسیؒ کی "التہذیب" میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ چالیس دن سے زیادہ زمین میں نہیں رہتے اور ان کو آسمان پر اٹھا لیا جاتا ہے۔ ان میں (تین یا چالیس دن کے) اختلاف کا سبب یا تو اس مقصد کو بیان کرتا ہے کہ جو اس عدد کی کمی یا زیادتی میں پنہاں ہے یا اس میں اختلاف ان ہستیوں کے مقام و مرتبہ میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔ علامہ مجلسیؒ کی "شرح الاربعین" ص ۸۶ پر دونوں طرح کی روایات کو یوں جمع کیا ہے کہ ان میں سے بعض کو تین دن کے بعد اور بعض کو چالیس دن کے بعد آسمان پر اٹھا لیا جاتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس حوالے سے وارد ہونے والی روایات کا مقصد خوارج کا آئمہؑ کی قبروں کو دوبارہ کھولنے کی خواہش کی حوصلہ شکنی کرنا تھا۔

جو علماء اس قول کی موافقت کرتے ہیں کہ ان کے اصلی اجساد کو آسمان پر اٹھا لیا جاتا ہے اس حوالے سے شیخ مفیدؒ کی "المقالات" ص ۸۴، کراجکیؒ کی "کنز الفوائد" ص ۲۵۸، علامہ مجلسیؒ کی "مرآۃ العقول" ج ۱، ص ۳۷۳، شیخ یوسف بحرانی کی "الدرۃ النجفیۃ" ص ۲۶۶ اور محدث نوریؒ کی "دار السلام" ج ۲، ص ۳۳۱ پر مذکور ہے۔ فیض کاشانیؒ نے "الوافی" میں یہ قول بیان کیا ہے کہ ان کے مثالی اجساد کو آسمان پر اٹھا لیا جاتا ہے لیکن ان کا عناصر سے مرکب جسم زمین میں ہی باقی رہتا ہے۔ "مرآۃ العقول" ج ۱، ص ۲۲۷ پر مذکور ہے کہ علماء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ ان کے اجساد کو اٹھانے کے بعد دوبارہ واپس ان کی قبروں میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ جب ابن حاجب نے ہمارے مذہب کے بزرگ عالم دین شیخ مفیدؒ سے یہ سوال کیا کہ وہ اپنے آئمہ کی قبور اور ضریحوں کی زیارت کے لیے جوق در جوق کیوں آتے ہیں؟ تو شیخ مفید نے جواب دیا: اس لیے بندگان خدا ان کی قبور کے مقامات کی زیارت کے لیے آتے ہیں کہ وہ ان قبور اور ضریحوں میں موجود ہیں تاکہ ان کی تعظیم و تکریم کی جائے اور ان مقامات کو مقدس قرار دیا جائے جہاں انھوں نے قیام فرمایا۔ پھر انھیں وہاں سے اٹھا لیا گیا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے بندگان خدا بیت اللہ الحرام کی زیارت کے لیے تگ و دو کرتے ہیں حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس گھر میں نہیں رہتا بلکہ وہ اس مقام کی تعظیم اور بلند قدر و منزلت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں کہ یہ گھر ذات خداوندی سے منسوب ہے۔ ←

ذریعے آزمائش میں مبتلا نہیں کیا۔

اگلے دن صبح کے وقت مروان کی ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے (مدینہ میں) ملاقات ہوئی تو اس نے امام کو ایسی نصیحت کی جو اس جیسے لوگ ہی کر سکتے تھے۔ اس نے کہا کہ آپؑ یزید (ملعون) کی بیعت کر لیں۔ کیوں کہ اسی میں دین اور دنیا کی بھلائی ہے۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے کلمات زبان پر جاری فرمائے اور فرمایا:

علی الاسلام السلام اِذا بلیت الامۃ براع مثل یزید ولقد سمعت جدی رسول اللہ یقول: الخلافۃ محرمۃ علی أبی سفیان ، فاذا رأیتم معاویہ علی منبری فابقروا ابطنہ وقد رآہ أھل المدینۃ علی المنبر فلم یبقروا فابتلاھم اللہ بیزید الفاسق۔

"ایسے اسلام کو خیرباد کہہ دو کہ جس اُمت مسلمہ کا رہبر و پیشوا یزید (ملعون) جیسا شخص ہو۔ میں نے اپنے نانا رسولؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابوسفیان پر خلافت حرام ہے اور اگر تم لوگ معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اس کا پیٹ چاک کر دینا اور مدینہ والوں نے اسے منبر رسولؐ پر دیکھا لیکن اس کا پیٹ چاک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں یزید (ملعون) جیسے فاسق شخص کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کر دیا"۔ (مقتل الخوارزمی: ج۱، ص۱۸۵، فصل۹)

← ابن حجر نے "الفتاوی الحدیثیۃ" ص ۲۱۳ پر ابن عربی سے نقل کیا ہے کہ انبیاءؑ کی اُرواح قبروں میں ان کے اجساد کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں اور انھیں وہاں سے نکلنے اور ملکوت علوی یا سُفلی میں تصرف کی اجازت ہوتی ہے اور ان کے درمیان میں کوئی شے رکاوٹ نہیں بنتی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سے زیادہ افراد اور اشیاء کو دیکھ رہے ہوں کیونکہ ان کی ذات سورج کے مانند ہے۔ سمہودی کی "وفاء الوفاء" ج ۲، ص ۴۰۷، دوسری فصل حرارت کی تعمیر کے تحت مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے علاوہ ہر نبی کو دفن کے تین دن بعد آسمان پر اُٹھالیا گیا لیکن میں نے خدا سے یہ دعا کی تھی کہ میں روز قیامت تک اُمت کے درمیان موجود رہوں۔ عبدالرزاق سے مروی ہے کہ سعید بن مسیب نے لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا جو نبیؐ پر سلام بھیج رہے تھے تو سعید نے کہا: کوئی نبیؑ وفات کے بعد چالیس دن سے زیادہ زمین میں نہیں ٹھہرتا۔ اور آلوسی کی "روح المعانی" ج ۲، ص ۳۷ پر سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۴۰ کے تحت اس عنوان کے متعلق کئی احادیث مذکور ہیں۔ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۴۰ میں ارشاد ربانی ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ "محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں"۔ انس سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی بھی نبیؑ اپنی وفات کے بعد صرف چالیس دن تک اپنی قبر میں رہتا ہے"۔ سعید بن مسیب اور ابوالمقدم ثابت بن ہرمز سے منقول ہے: "کوئی نبیؑ اپنی وفات کے بعد چالیس دن سے زیادہ زمین میں قیام نہیں کرتا"۔ امام الحرمین نے "النھایۃ" اور رافعی نے "شرح" میں اس حوالے سے جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے ایک حدیث میں نبی اکرمؐ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے اس عزت و اکرام سے نوازا کہ مجھے تین دن کے بعد بھی اپنی قبر میں قیام پذیر رکھے گا...... اور امام الحرمین نے ایک اور روایت بھی ذکر کی ہے جس میں دو دن سے زیادہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ ابن العربی اور الروض نے قاضی سے نقل کیا ہے کہ انبیاءؑ کی اُرواح قبض کرنے کے بعد دوبارہ ان کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں اور انھیں اپنی قبروں سے باہر نکل کر ملکوت علوی اور سُفلی میں تصرف کا اذن ہوتا ہے۔ اس کے بعد آلوسی نے اپنی رائے ذکر کی ہے۔

مروان اور حضرت امام حسینؑ کے درمیان کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی یہاں تک کہ مروان غضب ناک ہو کر واپس چلا گیا۔ پھر دوسری رات حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے نانا پاکؐ کی قبر مبارک پر تشریف لائے اور چند رکعات نماز پڑھی، پھر بارگاہِ توحید میں عرض کیا:

اللهم ان هذا قبر نبيك محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانا ابن بنت نبيك وقد حضرني من الأمر ما قد علمت، اللهم انى أحب المعروف وأنكر المنكر وأسألك ياذا الجلال والاكرام بحق القبر ومن فيه الا اخترت لى ما هو لك رضى ولرسولك رضى

"اے اللہ! یہ تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر ہے اور میں تیرے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہوں اور اس وقت مجھے جو امر درپیش ہے تو اس سے خوب آگاہ ہے، اے خدا! بے شک میں نیکی کو پسند کرتا ہوں اور برائی سے نفرت کرتا ہوں، اے جلالت و کرامت والی ذات! میں تجھ سے اس قبر اور اس میں موجود ہستی کا واسطہ دے کر یہ سوال کرتا ہوں کہ تو میرے لیے وہ پسند کر جس میں تیری اور تیرے رسولؐ کی رضا و خوشنودی ہو"۔ پھر امام گریہ کرنے لگے۔

اور جب صبح ہونے والی تھی تو امام علیہ السلام نے اپنا سر قبر رسولؐ پر رکھ دیا اور سو گئے اور انھوں نے خواب میں رسولِ خدا کو اس حالت میں دیکھا کہ فرشتوں نے انھیں دائیں، بائیں اور سامنے سے گھیر رکھا تھا۔ رسولِ خدا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے سینے سے لگایا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا:

حبيبي يا حسين كأني أراك عن قريب مرملًا بدمائك مذبوحًا بارض كربلا بين عصابة من امتي وانت مع ذلك عطشان لاتسقى وظمآن لاتروى وهم بعد ذلك يرجون شفاعتي لا أنالهم الله شفاعتي يوم القيامة! حبيبي يا حسين، ان أباك وأمك وأخاك قدموا عليّ وهم مشتاقون إليك۔

"اے میرے پیارے حسینؑ گویا کہ میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ آپؑ خون میں لت پت ہیں اور میری اُمت کے ایک گروہ نے تجھے سرزمین کربلا پر اس حالت میں ذبح کیا ہے کہ آپؑ پیاسے ہیں اور آپؑ کو پانی سے سیراب نہیں کیا جا رہا اور آپؑ کا جگر پیاس کی شدت کی وجہ سے جل رہا ہے لیکن آپؑ کو پانی نہیں دیا جا رہا۔ اس کے باوجود وہ میری شفاعت کی اُمید بھی رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انھیں میری شفاعت نصیب نہیں کرے گا! اے میرے پیارے حسینؑ! آپؑ کے بابا، آپؑ کی والدہ گرامی اور آپؑ کے بھائی میرے پاس آئے ہیں اور وہ سب آپؑ کے مشتاق ہیں"۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام گریہ فرمانے لگے اور اپنے نانا سے عرض کیا: اے نانا جانؐ! آپؐ مجھے بھی اپنے پاس بلالیں اور مجھے اپنی قبر میں داخل کرلیں۔

لیکن رسولؐ اقدس نے آپ کو اس سے پہلے اپنے پاس بلانے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ ان کا بیٹا ان تمام حالات سے گزرے جس کی وجہ سے انھیں اجر و ثواب سے نوازا جائے گا اور قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ انھیں خاص فضیلت و برتری عطا فرمائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ضروری ہے کہ آپ شہادت کے رتبہ پر فائز ہوں تا کہ آپ کو اس کے ذریعے وہ ثواب عظیم عطا کیا جائے جو خدا نے آپؑ کے لیے اس شہادت کے تحت لکھ دیا ہے۔ بے شک قیامت کے دن آپؑ، آپؑ کے بابا، آپؑ کے چچا (حضرت جعفر طیارؑ) اور آپؑ کے بابا کے چچا (حضرت حمزہ) ایک ہی گروہ کی صورت میں محشور ہو کر جنت میں داخل ہوں گے۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے اور اپنے گھر والوں کو یہ خواب سنایا تو وہ انتہائی غم زدہ ہوئے اور انھوں نے بہت زیادہ آہ و زاری اور گریہ و بکا کیا۔[1] انھیں علم ہو گیا کہ وہ وقت قریب ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے خبر دی ہے اور وہ سب اس کے شدید خواہش مند تھے کہ نورِ نبوت ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو اور وہ اس عظیم گراں قدر تحفہ سے محروم نہ ہوں۔ آپؑ کے خاندان والے آپؑ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپؑ یا تو یزید (ملعون) کی خواہش کے مطابق عمل کریں یا اس کے زیرِ تسلط شہروں سے دور نکل جائیں۔

□□□

---

[1] مقتل العوالم، ص ۵۴ پر محمد ابن ابی طالب سے اس حوالے سے منقول ہے اور یہ تاثرات اس وقت کے تقاضوں کو ظاہر کرتے ہیں اور اُمت کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اس وقت برائیوں کا رواج اور دور دورہ تھا اور نیکیوں کو نیست و نابود کر دیا گیا تھا۔ موت کو قبول کرنا کتنا آسان تھا اور یہ جواں مردی سے قضا (موت) کو قبول کرنا دین میں عرق ریزی سے غور و فکر کی بنا پر تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سید الشہداءؑ کے لیے جس چیز کا خدا نے انتخاب کیا وہ اس کے علاوہ کسی اور کو اہمیت دے رہے تھے اور نہ ہی اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ موت سے خوفزدہ تھے۔ ایسے گماں ان کی ذات سے کوسوں دور ہیں۔ ان کے لیے جو فیصلہ کیا گیا تھا، وہ اس پر راضی تھے اور ان سے یہ پکا وعدہ لیا گیا تھا اس لیے آپؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ خدا کی تقدیر جاری ہو کر رہے گی لیکن حضرت امام حسینؑ نے اپنے نانا کی دعا اور قضا کے متعلق آگاہ فرمایا کہ ان کے نانا کی دعا قضا کے تحت نہیں تھی اور دعوتِ الٰہیہ کے پیامبر نے انھیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بلند مقامات عطا کر کے اپنے فیصلے کو جاری کرے گا اور اس کا حصول شہادت کے بغیر ممکن نہیں۔ رسولؐ خدا کے شہید نواسے کی داستان کے ہر حرف میں بلند و بالا درس اور عبرتیں ہیں۔ کیا اُمت میں کوئی ایسا فرد ہے جو اس سے عبرت اور درس حاصل کرے؟

وہ جماعت جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی جان کے حوالے سے خوف زدہ تھی

عمر الاطرف کی رائے:

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے بیٹے عمر الاطرف [1] نے حضرت امام حسینؑ سے کہا: مجھے ابو محمد حسنؑ نے اپنے بابا امیر المومنین علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے یہ خبر دی تھی کہ آپؑ کو قتل کر دیا جائے گا، اگر آپؑ بیعت کر لیتے تو یہ آپؑ کے لیے بہتر ہوتا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا: مجھے میرے باباؑ نے بتایا کہ رسولؐ خدا نے انھیں ان کی شہادت اور میری شہادت کی خبر دی تھی اور میرے بابا نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ آپؑ (حضرت امام حسینؑ) کی قبر مبارک میری قبر کے نزدیک ہوگی۔ کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ کو اس بات کا علم ہے مجھے اس کا علم نہیں ہے؟ بے شک! میں کبھی بھی اس قدر نہیں گر سکتا۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام جب اپنے باباؐ سے ملاقات کریں گی تو آپؐ سے ان کی اُمت کی شکایت کریں گی کہ آپؐ کی اُمت نے میری اولاد سے کیا سلوک روا رکھا۔ جس نے بھی ان کی اولاد کو اذیت و تکالیف دیتے ہوئے انھیں اذیت دی وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (الملہوف: ص ۱۵، مطبوعہ صیدا)

جب حضرت مختار نے کوفہ میں قیام اور انقلاب برپا کیا تو عمر بن علی بن ابی طالب حضرت مختار کے پاس گئے تو حضرت مختار نے ان سے پوچھا: کیا محمد بن حنفیہ تمھارے ساتھ ہیں؟ عمر الاطرف نے جواب دیا: نہیں۔ تو حضرت مختار نے عمر الاطرف کو خود سے الگ کر دیا۔ عمر الاطرف نے مصعب ابن زبیر کا رُخ کیا اور اس کے ساتھ جنگ میں شرکت کی جس میں کئی لوگ قتل ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ عمر الاطرف بھی قتل ہوئے۔ (الاخبار الطوال: دینوری، ص ۲۹)

لابدان ترد القیامۃ فاطم　　　وقمیصھا بدم الحسین ملطخ

ویل من شفعاؤہ خصماؤہ　　　والصور فی یوم القیام ینفخ [2]

---

[1] مؤلف نے اپنی کتاب "زبدۃ الشہید" ص ۱۰۰ پر دوسرے ایڈیشن کے حاشیہ پر عمر الاطرف کا تذکرہ کیا ہے۔

[2] مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۹۱ پر ہے کہ یہ اشعار مسعود بن عبداللہ القاضی کے ہیں۔

''حضرت فاطمہؑ قیامت کے دن اس حالت میں میدانِ محشر میں آئیں گی کہ ان کی قمیص حضرت امام حسینؑ کے خون سے لت پت ہوگی۔ ان لوگوں کے لیے سخت عذاب اور افسوس کا مقام ہے جو حضرت امام حسینؑ کے دشمن اس دن رسولؐ خدا کی شفاعت کی اُمید رکھتے ہیں کہ جب قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا''۔

حضرت محمد ابن حنفیہ کی رائے:

حضرت محمد بن حنفیہ [1] نے حضرت امام حسینؑ سے کہا: اے میرے برادر! مجھے سب سے زیادہ آپؑ سے پیار ہے اور آپؑ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ مَیں نے کسی کو بھی ایسی نصیحت نہیں کی جیسی نصیحت آپؑ کو کرنا چاہتا ہوں کیونکہ آپؑ اس نصیحت کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپؑ یزید بن معاویہ اور اس کے شہروں سے جس قدر ہو سکے دُور چلے جائیں اور وہاں پر جا کر لوگوں سے اپنی بیعت کا مطالبہ کریں اور پھر لوگوں کے پاس اپنے نمائندے بھیجیں۔ اگر وہ لوگ آپؑ کی بیعت کر لیں تو اس پر خدا کا شکر بجالائیں اور اگر وہ آپؑ کے علاوہ کسی اور شخص کی بیعت پر جمع ہو جائیں تو اس سے خدا آپؑ کے دین اور عقل کو کم نہیں کرے گا اور اس سے آپؑ کی مروت اور فضیلت پر اثر نہیں پڑے گا۔ مجھے یہ خوف لاحق ہے کہ اگر آپ ان شہروں میں سے کسی شہر میں جائیں اور وہاں لوگوں کا آپس میں یوں اختلاف ہو جائے کہ ایک گروہ آپؑ کا ساتھ دے اور دوسرا گروہ آپؑ کا مخالف ہو تو پھر وہ آپس میں لڑائی جھگڑا کرنے لگیں گے۔ آپؑ سب سے پہلے ان لوگوں کے نیزوں کا نشانہ بنیں گے جب کہ آپؑ اس اُمت میں نسب کے لحاظ سے سب سے بلند و برتر ہیں۔ اس وقت کوئی آپؑ سے، آپؑ کے بابا اور آپؑ کی والدہ سے برتر نہیں ہے۔ پھر یوں وہ لوگ آپؑ کے خون کو ضائع کر دیں گے اور آپؑ کے خاندان اور اہل و عیال کو ذلیل و رُسوا کریں گے۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان سے پوچھا: تو پھر مجھے کہاں جانا چاہیے؟

محمد حنفیہ نے جواب دیا: آپؑ مکہ چلے جائیں۔ اگر آپؑ کو وہاں پر سکون میسر ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ریگستانوں، پہاڑوں اور ایک شہر سے دوسرے شہر چلے جانا اور اس بات کا انتظار کریں کہ لوگ کس کا ساتھ دیتے ہیں۔ بے شک! جب آپؑ کو ایسے حالات درپیش ہوں تو آپؑ کی رائے سب سے بہتر اور آپؑ کا عمل سب سے پختہ ہوگا اور اگر آپؑ ان سے رُخ پھیر لیں گے تو

---

[1] مؤلف نے اپنی کتاب ''قمر بنی ہاشم'' ص ۱۰۴ پر ذکر کیا ہے کہ جنگ جمل کے وقت محمد حنفیہ کی عمر بیس سال تھی اور آپ حضرت عباسؑ سے دس سال بڑے تھے۔ جنگ جمل اور جنگ نہروان میں امیر المومنینؑ کے لشکر کا علم آپؑ کے ہاتھ میں تھا اور مؤلف نے اپنی کتاب ''زین العابدین'' ص ۳۱۶ پر ان کے بعض حالات زندگی تحریر کیے ہیں۔ مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۹۷ پر ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد یزید (ملعون) نے محمد بن حنفیہ کو خط لکھا اور انھوں نے اس سے ملاقات کی۔ مؤلف کہتے ہیں کہ یہ صرف ان کی قدر و منزلت کو گھٹانے کی خاطر بیان کیا گیا ہے اور یہ ان پر جھوٹ اور بہتان باندھا گیا ہے کیونکہ ایک غیرت مند شخص جو اپنے مقتولین کا بدلہ نہ لے سکے اس سے ایسا فعل سرزد ہونا کہ وہ اپنے پیاروں کے قاتل سے ملاقات کرے اسے عقل تسلیم نہیں کرتی۔

آپؑ کے لیے حالات اور زیادہ پیچیدہ ہو جائیں گے۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۱، تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴ ص ۷)

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بھائی! اگر دنیا میں میرے لیے کوئی جائے پناہ اور مددگار نہ بھی ہو تو بھی میں کبھی یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا۔ یہ سن کر محمد بن حنفیہ زار و قطار رونے لگے اور مزید کوئی بات نہ کی۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بھائی! خدا آپ کو اس کے لیے جزائے خیر دے کہ آپؑ نے مجھے نصیحت کی اور اپنے خیال کے مطابق بہتر مشورہ دیا لیکن میں مکہ کے لیے عازم سفر ہوں اور میں نے اس سفر کے لیے تیاری کر لی ہے جب کہ میرے ہمراہ میرے بھائی، بھتیجے اور میرے شیعہ ہیں۔ ان کا امر میرا امر اور ان کی رائے میری رائے ہے لیکن آپ مدینہ میں ہی ٹھہریں اور میری طرف سے ان پر نظر رکھیں اور میرے مخالفین کے جتنے حالات ہوں کسی کو مجھ سے مخفی نہ رکھنا۔ [1]

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام محمد بن حنفیہ کے پاس سے اٹھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت آپؑ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

لا ذعرت السوام فی فلق الصبح مغیراً ولا دعیت یزیدا
یوم اعطی مخافة الموت ضیماً والمنایا یرصدننی أن احیدا [2]

"میں صبح کی پو پھٹتے وقت نمایاں کردار حملہ آور کی وجہ سے خوفزدہ نہیں ہوں اور نہ ہی میں یزید [3] کہا جاؤں گا۔ کیا ظلم و ستم کی وجہ سے مجھے موت سے ڈرنا چاہیے اور موت میرے راستے میں گھات لگائے بیٹھی ہے کہ میں ایک طرف ہو جاؤں۔ ابو سعید المقبری نے امامؑ سے جب یہ اشعار سنے تو اسے پتا چل گیا کہ آپؑ ایک عظیم اَمر کا ارادہ رکھتے ہیں"۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۱، الاغانی: ج ۱۷، ص ۶۶، مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۱۸۶، فصل ۹، تہذیب تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۲۹)

حضرت اُمِ سلمہؓ کی رائے

اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ نے حضرت امام حسینؑ سے کہا کہ آپؑ عراق کی طرف نکل کر مجھے غم زدہ نہ کریں کیونکہ میں

---

[1] مقتل محمد بن ابی طالب، ارباب مقاتل نے اس عذر کو ذکر نہیں کیا اور علامہ حلی نے ابن مہنا کے مسائل کے جوابات دیتے ہوئے یہ عذر بیان کیا ہے کہ محمد حنفیہ بیمار تھے جیسا کہ ابن نما الحلی کی "اخذ الثار" ص ۸۱ پر ہے کہ آپ کسی حاسد کی بدنظری کی وجہ سے ایسے مرض میں مبتلا تھے کہ آپ کے زخموں میں پیپ پڑ چکی تھی اس لیے امام حسینؑ کے ساتھ نہ جا سکے۔ حضرت محمد حنفیہ کی جلالت، قدر و منزلت اور آپ کے حق و حقانیت کے متعلق اور باطل کے خلاف واضح مواقف اور امام سجادؑ کی امامت کا معترف ہونا ہمیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ہم ان کے متعلق یہ یقین رکھیں کہ وہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے معرکہ کربلا میں شریک نہیں ہوئے۔

[2] انساب الاشراف: ج ۴، ص ۶۶ پر ہے کہ آپؑ نے مکہ میں یہ اشعار بیان کیے تھے۔

[3] اس سے مراد یزید بن مفرغ ہے۔

نے آپؑ کے نانا رسولؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بیٹے حسینؑ کو عراق کی سرزمین پر جسے کربلا کہا جاتا ہے شہید کر دیا جائے گا اور میرے پاس ایک شیشی میں وہ خاک بھی موجود ہے جو نبی اکرمؐ نے مجھے دی تھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے نانی جان! مجھے معلوم ہے کہ میں ظلم وستم سے شہید اور ذبح کیا جاؤں گا مگر خدا کی بھی مشیت ہے کہ وہ میرے حرم اور خواتین کو اس حالت میں دیکھے کہ انھیں قید کر کے شہر در شہر پھرایا جائے اور میرے بچوں کو ذبح اور اسیر کر دیا جائے اور وہ مدد طلب کر رہے ہوں گے لیکن کوئی ان کی نصرت و مدد نہیں کرے گا۔

یہ سن کر حضرت اُمِ سلمہؓ نے پوچھا: ہائے افسوس! جب آپؑ کو شہید کر دیا جائے گا تو پھر آپؑ مدینہ سے کیوں جا رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا: اے نانی جان! اگر میں آج یہاں سے نہ گیا تو مجھے کل یہاں سے جانا ہوگا، اگر میں کل نہ گیا تو مجھے پرسوں جانا ہوگا۔ قسم بخدا! موت سے فرار ناممکن ہے اور مجھے اپنی شہادت کے دن کا علم ہے۔ میں اس گھڑی کا بھی علم رکھتا ہوں جس گھڑی مجھے شہید کیا جائے گا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرا مدفن کہاں ہے اور ان اُمور سے میں اسی طرح بخوبی واقف ہوں جیسے آپ سے بخوبی واقف ہیں۔ اور میں انسے یوں دیکھ رہا ہوں جیسے آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا: نانی جان! کیا آپ یہ پسند کرتی ہیں کہ میں آپ کو اپنی اور اپنے ساتھیوں کی آخری آرام گاہ دکھاؤں؟ حضرت اُمِ سلمہؓ نے کہا: ہاں! مجھے دکھاؤ۔ تو امامؑ نے انھیں اپنے اصحاب کی تربت دکھائی۔ ① پھر اس تربت میں سے کچھ خاک انھیں عطا کی اور فرمایا: اسے اپنے پاس ایک شیشی میں محفوظ کر لیں اور جب آپ دیکھیں کہ یہ خاک خون میں تبدیل ہو گئی ہے تو میری شہادت کا یقین کر لینا۔ دس محرم کو ظہر کے بعد حضرت اُمِ سلمہؓ نے ان دونوں شیشیوں کو دیکھا تو یہ خون میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ (الخرائج، امام حسینؑ کے معجزات کے باب میں، مقتل العوالم، ص ۴۷)

ہاشمی خواتین کے تاثرات

بنو عبدالمطلب کی خواتین کے لیے حضرت امام حسین علیہ السلام کا مدینہ سے نکلنا انتہائی درد بھرا منظر اور مشکل امر تھا۔ امامؑ کی روانگی کے وقت تمام مستورات واویلا اور بین کرنے کے لیے جمع ہو گئیں۔ حضرت امام حسینؑ ان مستورات کے پاس تشریف لائے اور انھیں خاموش کروایا۔ پھر امامؑ نے ان سے فرمایا: میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم اس امر میں خدا اور اس کے رسولؐ کی معصیت و نافرمانی کا اظہار نہ کرو تو ان خواتین نے جواب دیا کہ اگر ہم آپؑ پر نوحہ اور گریہ وزاری نہ کریں

---

① "مدینۃ المعاجز" ص ۲۴۴ پر "ثاقب المناقب" سے اس کتاب کے جلیل القدر مؤلف ابوجعفر محمد بن علی بن محمد المشہدی الطوسی کے ذریعے نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ نوری کی "دارالسلام" ج۱، ص ۱۰۲ پر مذکور ہے۔ "روضات الجنات" ص ۵۹۳ پر یہ مکالمہ بیان کیا گیا ہے۔ کامل بہائی کے ذریعے اس کتاب کے مصنف کی توثیق ہوئی ہے۔ "دارالسلام" میں مذکورہ روایت جعفر بن محمد الدرویستی سے مروی ہے جو ۴۰۱ھ میں شیخ مفیدؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں اس لحاظ سے یہ پانچویں صدی ہجری کے نامور علماء میں سے ہیں۔

تو ہمیں کس پر نوحہ اور گریہ کرنے کے لیے زندہ رہنا چاہیے۔ آپؑ کی روانگی کا دن ہمارے لیے ایسا ہی ہے جس دن رسولؐ خدا، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ، حضرت زینبؑ اور حضرت ام کلثومؑ کی وفات ہوئی ہو۔ اے اہلِ قبور میں سے نیکوکار افراد کے پیارے! ہم آپؑ کو خدا کی قسم دے کر کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپؑ کی موت کے بدلے ہمیں آپؑ پر قربان کر دے۔
آپؑ کی کچھ پھوپھیوں نے آپؑ کو بتایا کہ انھوں نے غیب سے یہ آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے: [1]

و إنَّ قتيل الطف من آلِ هاشم   أذل رقاباً من قريش فذلت

"کربلا میں قریش کے ذلیل ترین افراد کے ہاتھوں بنوہاشم کے ایک فرد کو شہید کیا جائے گا اور یوں

---

[1] "کامل الزیارات" ص ۹۶ پر اس بیت الشعر سے پہلے دو ابیات ذکر ہوئے ہیں۔ تبریزی کی "شرح حماسۃ ابی تمام" ج ۳، ص ۱۳ کے مطابق حماسۃ ابی تمام میں چار ابیات مذکور ہیں۔ "مروج الذھب" ج ۲، ص ۹۲ پر اسے زبیر بن بکار کی "انساب قریش" سے نقل کیا گیا ہے۔ "مناقب ابن شہرآشوب": ج ۲، ص ۲۲۸، مثیر الاحزان میں مرزبانی اور "تذکرۃ الخواص" ص ۱۲۳ سے منقول ہے۔ "معجم البلدان" ج ۶، ص ۵۶ اور ابوالحسن اشعری کی "مقالات الاسلامیین" ج ۱، ص ۱۳۲ پر اس کے پانچ ابیات مذکور ہیں۔ "تاریخ کامل ابن اثیر" ج ۴، ص ۳۷ اور ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" ج ۳، ص ۲۱۵ پر اسے چھے ابیات کے تحت ذکر کیا گیا ہے جب کہ "مقاتل الطالبیین" ص ۱۹، مطبوعہ ایران اور مصعب ابن زبیر کی "نسب قریش" ص ۳۱ پر اسے سات ابیات الشعر کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ ابن کثیر کی "البدایۃ" ج ۸، ص ۲۱۱، مقتل خوارزمی، ج ۲، ص ۱۴۹، ابن نما کی "مثیر الاحزان" اور "تہذیب تاریخ ابن عساکر" ج ۴، ص ۳۴۳ پر اس کے آٹھ ابیات مذکور ہیں۔
ان مصنفین کے درمیان ان ابیات الشعر کے کہنے والے (شاعر) میں اختلاف ہے۔ "کامل ابن اثیر" ج ۴، ص ۳۷ پر مذکور ہے کہ یہ تیمی تیم مرہ کے اشعار ہیں اور اس شاعر نے خود کو بنوہاشم کے لیے خاص کر رکھا تھا۔ "الاصابۃ" ج ۴، ص ۴۷ اور "مقالات الاسلامیین" میں یہ ابورمح الخزاعی کی طرف منسوب ہیں اور یہ روایت ابن نما نے مرزبانی سے نقل کی ہے۔ حماسۃ پر تبریزی کی شرح حماسۃ، ج ۳، ص ۱۳ کے مطابق یہ ابورمح الخزاعی کے ابیات ہیں اور "استیعاب" میں ہے کہ یہ ابوذبیح الخزاعی کے ابیات ہیں جب کہ بکری نے "المعجم ما استعجم" ج ۳، ص ۸۹۰ پر اس کا نام ابن رمح الخزاعی ذکر کیا ہے لیکن اس نے صرف یہ بیت ذکر کیا ہے: اذل رقاب المسلمین فذلت۔
زبیر بن بکار نے "انساب قریش" میں اسی طرح مسعودی نے "مروج الذھب" میں بیان کیا ہے کہ یہ ابیات سلیمان بن قبہ کے ہیں، لیکن ابن عساکر کی "تاریخ ابن عساکر" ج ۴، ص ۳۴۲، ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" ج ۳، ص ۳۱۵ اور ابوعمرو نے "الاستیعاب" میں اس کا نام قتہ لکھا ہے جب کہ ابن شہرآشوب نے اس کے نام کے آخر میں الہاشمی کا اضافہ کیا ہے۔ "تہذیب کامل المبرد" ج ۲، ص ۲۳۵، "اعیان الشیعہ" ج ۵۲، ص ۱۳۶ اور مصعب ابن زبیر کی "نسب قریش" میں اس کا نام سلیمان بن قتہ مذکور ہے جب کہ ابوتمام نے "الحماسۃ" میں اس کے نام کے آخر میں عدوی کا اضافہ کیا ہے اور تبریزی کی "شرح الحماسۃ" میں ہے کہ عدوی عدی کی طرف منسوب ہے۔ صدرالدین بن ابی الفرج بن الحسین البصری (متوفی ۶۵۹ھ) کی "الحماسۃ البصریۃ" ج ۱، ص ۲۰۰ پر مذکور ہے کہ عمر بن عبداللہ التیمی کے غلام سلیمان بن قتہ العدوی نے کہا:

مررت على ابيات آلِ محمد   فلم أرها امثالها يوم حلّت

"میں آلِ محمدؐ کے گھروں کے پاس سے گزرا اور میں نے ان جیسے (ویران اور اُجڑے ہوئے) گھر کبھی نہیں دیکھے کہ جب سے یہ گھر اپنے مکینوں سے خالی تھے"۔

قریش مزید ذلیل ورسوا ہوں گے"۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے انھیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے آگاہ کیا کہ یہ امر ہو کر رہے گا اور اس کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے۔

عبداللہ بن عمر کی رائے

عبداللہ بن عمر بن خطاب نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ آپؑ مدینہ میں ہی ٹھہرے رہیں لیکن امام علیہ السلام نے یہ ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

اے عبداللہ! یہ خدا کے نزدیک دنیا کی پستی ہے کہ نبی خدا حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کا سر بنی اسرائیل کی بدکار عورتوں میں سے ایک بدکار کو بطور تحفہ پیش کیا گیا اور میرا سر بنو اُمیہ کے ایک سرکش کو بطور تحفہ پیش کیا جائے گا۔ کیا تم یہ نہیں

← اور اس پر تبصرہ کرنے والے نے کہا کہ اس کے پانچ ابیات ہیں لیکن انھیں ذکر نہیں کیا اور "الاستیعاب" میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ "تذکرۃ الخواص" ص ۱۵۴، مطبوعہ ایران میں ہے کہ سلیمان بن قتہ اس جگہ سے گزرا جہاں پر شہدائے کربلا کو ذبح کیا گیا تھا تو وہ یہ دیکھ کر رونے لگا اور پھر اس نے إنّ قتيل الطف...... سے چار ابیات اشعر بیان کیے۔

"مقاتل ابی الفرج" ص ۴۹ اور ابن کثیر "البدایہ" ج ۹، ص ۲۱۱ پر اس کا نام سلیمان بن قتیبہ مذکور ہے۔ ابن نما کی "مثیر الاحزان" میں ہے کہ سلیمان بن قتیبہ العدوی جو کہ بنی تیم کا غلام تھا وہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے تین دن بعد کربلا سے گزرا اور اس نے اس مقام کو دیکھا جہاں پر شہدائے کربلا کو بے دردی سے شہید کیا گیا تھا تو اس نے ایک عربی کمان پر ٹیک لگاتے ہوئے یہ ابیات بیان کیے۔ ابن طاؤس نے "اللهوف"، ص ۱۱۹، مطبوعہ صیدا میں تحریر کیا ہے: "اللہ تعالیٰ ابن قتیبہ پر رحمت نازل فرمائے، اس نے یہ اشعار کہہ کر خوب اچھا عمل کیا ہے۔" "معجم البلدان" ج ۱، ص ۵۲ پر ہے کہ یہ اشعار ابودھبل الجمحی کے ہیں اور "تاج العروس" کے مصنف کی رائے بھی یہی ہے۔ "الاغانی" ج ۶، ص ۱۴۹ پر ہے کہ "ابودھبل" وہب بن زمعہ بن اسد ہے۔ اس نے معاویہ اور عبداللہ ابن زبیر کی مدح میں اشعار کہے ہیں، یہ اس سے پہلے یمن کا گورنر تھا، لیکن یہ تمام اُمور اس بات کو ضعیف قرار دیتے ہیں کہ ایسا شخص جو دشمنان اہلِ بیتؑ کی طرف سے گورنر بنایا گیا ہو وہ ان اشعار کو بیان کرے۔ "الاغانی" ج ۱۷، ص ۱۶۵ پر ہے کہ مصعب ابن زبیر کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے لوگوں سے حضرت امام حسینؑ اور ان کے قاتلوں کے متعلق پوچھا تو عروہ بن مغیرہ نے اس کے سامنے اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سلیمان بن قتہ کے یہ اشعار ذکر کیے:

فان الأُلى بالطف من آل هاشم تآسوا فسنوا للكرام التآسيا

ابن جزری نے "طبقات القراء" ج ۱، ص ۳۱۴ پر اس کا نام سلیمان بن قتہ مذکور ہے جب کہ قتہ اس کی ماں کا نام تھا، اس کا تعلق قبیلہ تیم سے تھا اور اسے بصرہ سے غلام بنایا گیا، یہ ثقہ راوی ہیں۔ ابن عباس نے ان سے تین دفعہ اور عاصم الجحدری نے ایک دفعہ ملاقات کی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ غیب کی یہ آواز اُم ہانی نے سنی تھی لیکن یہ قول درست نہیں کیونکہ ان کا یا تو نبی اکرمؐ کے زمانہ میں انتقال ہو گیا تھا جیسا کہ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۱۰ پر ہے۔ یا ان کا معاویہ کے زمانے میں انتقال ہوا جیسا کہ ابن حجر کی تقریب التہذیب، ص ۲۶۰ پر مطبوعہ لکھنؤ میں مذکور ہے۔

جانتے کہ بنی اسرائیل کے لوگ طلوع فجر سے طلوع شمس کے درمیان ستر نبیوں کو قتل کر دیتے تھے اور پھر وہ یوں خرید وفروخت میں مشغول ہوجایا کرتے تھے گویا انھوں نے کوئی جرم کیا ہی نہیں لیکن خداوند عالم نے انھیں عذاب دینے میں جلدی نہیں کی بلکہ انھیں ڈھیل دینے کے بعد اپنے سخت عذاب کی گرفت میں جکڑ لیا۔ بے شک! خدا غالب و قادر ہے اور وہ خوب بدلہ لینے والا ہے۔(ابن نما اور اللہوف)

جب عبداللہ ابن عمر کو پتا چلا کہ حضرت امام حسینؑ نے مدینہ سے روانگی کا مصمم ارادہ کرلیا ہے اور شریعت مقدسہ کے راستہ سے باطل کے کانٹوں کو ہٹانے، برائیوں کا قلع قمع کرنے اور گمراہی کے پیروکاروں کے خلاف قیام کا عزم بالجزم (پختہ ارادہ) کر رکھا ہے تو اس نے امامؑ سے عرض کیا: "اے ابا عبداللہؑ! اپنے بدن مبارک کے اس مقام سے کپڑا ہٹائیں جہاں پر ہمیشہ رسولؐ خدا بوسہ دیا کرتے تھے"۔ امام علیہ السلام نے اپنی ناف سے کپڑا ہٹایا اور اس نے وہاں پر تین بوسے دیے۔ پھر وہ زار و قطار رونے لگا۔ (امالی الصدوق: مجلس ۳۰، ص ۹۳)

حضرت امام حسینؑ نے اس سے فرمایا: اے ابا عبدالرحمٰن! خدا سے ڈرو اور میری نصرت و مدد کرنے سے پیچھے نہ ہٹو۔(اللہوف: ص ۱۷)

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام کی وصیت اور مدینہ منورہ سے خروج

حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اپنی وصیت کو حضرت محمد بن حنفیہ کے نام تحریر کیا جو کہ درج ذیل ہے:

بسم الله الرحمٰن الرحیم۔ هذا ما أوصى به الحسين بن علي عليه السلام إلى أخيه محمد بن الحنفيه ، ان الحسين يشهد أن لا اله الّا الله وحدهٗ لاشريك له وأن محمداً عبدهٗ ورسوله جاء بالحق من عنده وأن الجنة حق والنار حق والساعة آتية لاريب فيها وأن الله يبعث من في القبور۔

وإني لم أخرج أشراً ولا بطراً ولا مفسداً ولا ظالماً ، وإنما خرجت لطلب الاصلاح في أمة جدي صلى الله عليه وآله وسلم أريد أن آمر بالمعروف وأنهى عن المنكر وأسير بسيرة جدي وأبي علي بن أبي طالب، فمن قبلني بقبول الحق فالله أولى بالحق ومن رد عليّ هذا أصبر حتّى يقضي الله بيني وبين القوم وهو خير الحاكمين ۔وهذه وصيتي إليك ياأخي وما توفيقي الا بالله عليه توكلت وإليه أنيب۔

"یہ حسینؑ ابن علیؑ کی اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام وصیت ہے بے شک! حسینؑ یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں جو اس کی طرف سے حق کے ساتھ مبعوث ہوئے اور جنت حق ہے، جہنم حق ہے اور قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور جو لوگ قبروں میں ہیں اللہ تعالیٰ انھیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ بے شک! میں شرانگیزی، جاہ وحشم، فساد پھیلانے اور ظلم کرنے کے لیے نہیں نکل رہا ہوں بلکہ میں اپنے نانا کی اُمت کی اصلاح کے لیے نکل رہا ہوں۔ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے نانا اور اپنے بابا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی سیرت پر چلوں گا، جس نے مجھے حق کے ساتھ قبول کیا تو خدا یہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کے حق کو قبول کرے اور جس نے مجھے میرے

اس حق کے ساتھ ٹھکرا دیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ خدا میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اے میرے بھائی! میری یہ وصیت آپ کے لیے ہے اور میری سب توفیقات خدا کی طرف سے ہیں، میرا اسی پر بھروسہ ہے اور مجھے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس خط کو بند کر کے اس پر اپنی مہر لگادی اور یہ خط اپنے بھائی محمد حنفیہ کو دے دیا۔ ①

رافع راية الهدى بمهجته	كاشف ظلمة العمى ببهجته
به استقامت هذه الشريعه	به علّت أركانها الرفيعه
بنى المعالى بمعالى همه	ما اخضرّ عود الدين الا بدمه
بنفسه اشترى حياة الدين	فيالها من ثمن ثمين
أحيا معالم الهدى بروحه	داوى جروح الدين من جروحه
جفت رياض العلم بالسموم	لم يروها الادم المظلوم
فأصبحت مورقة الأشجار	يانعة زاكية الثمار
أقعد كل قائم بنهضته	حتى أقام الدين بعد كبوته
قامت به قواعد التوحيد	مذلجات بركنها الشديد
خدت به سامية القباب	معاهد السنة والكتاب
أفاض كالحيا على الوراد	ماء الحياة وهو ظام صادى
وكظه الظما وفى طى الحشا	رى الورى والله يقضى ما يشا
والتهبت أحشاؤه من الظما	فأمطرت سحائب القدس دما

"انھوں (حضرت امام حسینؑ) نے اپنے دل و جان کے ساتھ ہدایت کے پرچم کو بلند کیا اور اپنی شادابی

---

① مقتل العوالم: ص ۵۴، مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۱۸۸، فصل ۹۔ اس وصیت کے ذریعے رسولؐ خدا کے نواسےؑ نے اپنے ہدف کو واضح کردیا ہے۔ آپؑ اپنے اس مقدس قیام کے ذریعے اپنے بلند و بالا ہدف سے لوگوں کو روشناس اور آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ آپؑ لوگوں کو اپنی ذات کی حقیقت سے اور اس امر کی ابتداء و انتہا سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ امامؑ اپنی شہادت تک اس روش پر قائم رہے تا کہ بنو امیہ اور ان کے پیروکاروں کے اس پروپیگنڈا کا منہ توڑ جواب دیں جو لوگوں کو اس کشمکش و پیچ میں مبتلا کر رہے تھے کہ حسینؑ نے خلیفہ وقت کے خلاف خروج کیا ہے اور وہ اس کے ذریعے لوگوں کے اتحاد کو پراگندہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ لوگوں کو اپنی ذات کی طرف بلانے کی شدید خواہش رکھتے ہیں کیونکہ وہ حکومت کے خواہش مند اور ریاست و طاقت کے حصول کے ذریعے مرکزی قیادت اور رہبری کے شدید خواہاں ہیں۔ بنو امیہ کے لوگ ایسی افواہوں کے ذریعے آلِ رسولؐ کو ←

کے ذریعے نابینائی کی تاریکی کو دُور کیا۔ حضرت امام حسینؑ کے وجود سے شریعت کو استحکام عطا ہوا اور آپؑ کے وجود سے ہی شریعت کے ارکان بلند ہوئے۔

آپؑ کے بلند عزم اور ہمت کی وجہ سے شرافت وعظمت برقرار رہی اور آپؑ کے لہو سے دین کی شاخ کو ہریالی ملی۔ آپؑ نے اپنی ذات کی قربانی کے عوض دین کی حیات کو خریدا ہے، کیا کسی چیز کی اس قدر بھی مہنگی قیمت لگی ہے؟!

آپؑ نے اپنی روح کے ذریعے ہدایت کی نشانیوں کو زندہ کیا اور اپنے زخموں کے ذریعے دین کے زخموں کا علاج کیا۔ علم کا چمن بادِسموم کی وجہ سے خشک ہو چکا تھا اور اب اسے صرف مظلوم کا خون ہی سیراب کر سکتا تھا۔ پھر اس چمن کے درخت سرسبز پتوں والے ہو گئے جن کے پھل پک چکے، خوشبودار اور خوش ذائقہ تھے۔

آپؑ کے قیام کی بدولت ہر قیام کرنے والا بیٹھ گیا یہاں تک کہ آپؑ نے اپنی جان کی قربانی دے کر دین کو قائم کر دیا۔ آپؑ کی وجہ سے توحید کے ستون کھڑے ہو گئے اور کب سے توحید نے اپنے مضبوط رکن کے ذریعے آپؑ کی طرف رجوع کر رکھا تھا۔

امامؑ کی بدولت اس کا گنبد بلند وبالا شاندار ہو گیا اور یہ قرآن مجید اور سنت کی تعلیم کا مکتب بن گیا۔ اس نے اسی طرح آبِ حیات کا کام کیا جیسے درختوں کی کلیوں پر بارش برس کر انھیں فیض پہنچاتی ہے حالانکہ وہ پہلے پیاس سے مرجھا رہی ہوتی ہیں۔ حضرت امام حسینؑ خود شدتِ پیاس سے جاں بلب تھے لیکن ان کے اندر اتنا فیض تھا کہ انھوں نے ساری مخلوق کو سیراب کر دیا اور خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ جب ان کی پسلیاں پیاس کی شدت سے جل رہی تھیں تو خدائے قدوس کے بادل خون کی بارش برسا رہے تھے"۔ (حجۃ الاسلام علامہ شیخ محمد حسین اصفہانی قدس سرّہ)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مدینہ سے خروج

حضرت امام حسین علیہ السلام ۲۸ رجب ۶۰ ہجری اتوار کی رات مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپؑ کے ہمراہ آپؑ

← ختم کرنے کے لیے کیے جانے والے اپنے ظالم و جابر کرتوتوں کو جواز فراہم کر رہے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے خاندان نے تمام حالات میں اپنے اس موقف کو لوگوں کے سامنے واضح کر کے بنواُمیہ کے جھوٹ کی قلعی کھول دی اور انھوں نے اپنے سفر میں اپنے ہدف اور مقصد کو پا لیا تھا۔

کے بیٹے، بھائی، بھائی حسنؑ کے بیٹے اور خاندان کے دیگر افراد تھے (تاریخ طبری: ج۶،ص ۱۹۰)۔آپؑ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ۝

"وہ وہاں سے خوف کی حالت میں نکل کھڑے ہوئے اور (بارگاہِ خدا میں) عرض کیا: پروردگارا مجھے ظالم لوگوں کے ہاتھوں سے نجات دے"۔(سورۂ قصص: آیہ ۲۱)

آپؑ مرکزی شاہراہ سے سفر کر رہے تھے تو کچھ لوگوں نے آپؑ سے عرض کیا: آپؑ ابن زبیر کی طرح مرکزی شاہراہ سے ہٹ کر سفر کریں تاکہ آپؑ کی جان کے دشمن آپؑ تک رسائی حاصل نہ کرسکیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، خدا کی قسم! میں اس راستے کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ خدا جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے وہ کردے۔آپؑ تین شعبان جمعۃ المبارک کے دن مکہ میں داخل ہوئے۔اس وقت آپؑ اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيٓ أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَآءَ السَّبِيلِ ۝

"اور جب مدین کی طرف رُخ کیا تو وہ بولے: مجھے اُمید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا"۔(سورۂ قصص: آیہ ۲۲)[1]

آپؑ حضرت نے عباس بن عبدالمطلبؓ کے گھر پر قیام کیا۔اہلِ مکہ اور وہاں پر عمرہ کی غرض سے آئے ہوئے افراد اور دیگر مضافاتی علاقوں سے آئے ہوئے لوگ ان ہی کے گھر پر آپؑ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے رہے جب کہ ابن زبیر خانہ کعبہ کے قریب ایک طرف اپنا خیمہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔وہاں پر حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے لیے مختلف علاقوں سے لوگوں کا آنا ابن زبیر کے لیے سخت تکلیف دہ تھا۔اس کے ساتھ ساتھ امامؑ کا مکہ تشریف لانا بھی ابن زبیر پر بہت بھاری تھا کیونکہ امامؑ اس سے زیادہ جلیل القدر اور عزت کے مالک تھے اور لوگ آپؑ کے زیادہ اطاعت گزار و فرماں بردار تھے، نیز یہ کہ جب تک امام حسینؑ مکہ میں موجود ہیں کوئی اس کی بیعت نہیں کرے گا۔

ایک دن حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی نانی حضرت خدیجہ علیہا السلام کی قبر کی زیارت کے لیے مکہ سے باہر تشریف لے گئے اور وہاں پر نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے عجز و انکساری کافی دعائیں کیں۔(الخصائص الحسینیۃ: شیخ جعفر شوستری، ص ۳۵، مطبوعہ تبریز، مقتل العوالم: ص ۲۰)

---

[1] "ارشاد" شیخ مفیدؒ۔

أفدی الأُلی للعلی أسری بهم ظعن	وراء حاد من الأقدار یزعجه
رکب علی جنة المأوی معرسه	لکن علی محن البلوی معرجه
مثل الحسین تضیق الأرض فیه فلا	یدری إلی أین مأواه ومولجه
ویطلب الأمن بالبطحا وخوف بنی	سفیان یقلقه منها ویخرجه
وهو الذی شرف البیت الحرام به	ولاح بعد العمی للناس منهجه
یاحائراً لا وحاشا نور عزمته	بمن سواك الهدیٰ قد شع مسرجه
وواسع الحلم والدنیا تضیق به	سواك إن ضاق خطب من یفرجه
ویا ملیکاً رعایاه علیه طغت	وبالخلافة باریه متوجه

"میں اس باعظمت و بافضیلت پر اپنی جان فدا کردوں جو سفر کے لیے روانہ ہوا اور لوگ اس کے بلند ہدف سے اسے ہٹانے کے لیے اس کے پیچھے پڑ گئے۔ ایک ایسے قافلے کے سوار بنے جن کی منزل جنت تھی لیکن اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے انھیں بہت مصائب اور امتحان سے گزرنا پڑا۔

حسینؑ جیسی ہستی پر زمین تنگ ہوگئی اور آپؑ نہیں جانتے تھے کہ وہ کہاں رہیں اور کہاں جائیں۔ وہ بطحا میں امن کے طلب گار ہیں اور ابوسفیان کی اولاد کا خوف اس شہر میں انھیں تشویش میں مبتلا کر رہا ہے اور انھیں وہاں سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اور اس محترم گھر کو انھی کے ذریعے شرف عطا ہوا اور لوگوں کے سامنے تاریکی و نابینائی کے بعد ان کا راستہ ظاہر ہوا۔

اے حیران و پریشان آپؑ کے علاوہ کسی اور خاندان کا نور لوگوں کی رہنمائی نہیں کرسکتا اور اس نور کی روشنی چارسو پھیل گئی۔ اور علم و بردباری میں وسعت رکھنے والے انسان پر دنیا تنگ ہوگئی۔ آپؑ کے علاوہ کسی اور شخص پر یہ زمین تنگ ہوجاتی تو وہ اس آزمائش سے چھٹکارا پانے کے لیے تگ و دو کرتا۔

اے بادشاہ! تم نے اپنے طریقہ کے مطابق ظلم و جبر سے حکومت کی اور اس دور بادشاہت میں کون سا شخص ایسا ہوگا جو اس کے ظلم و ستم سے محفوظ ہوگا"۔ [1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مکہ میں قیام

حضرت امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے خط کا ایک نسخہ بصرہ کے ان سرداروں کو تحریر کیا جو بصرہ میں مسلمانوں سے خمس

---

[1] یہ حجۃ الاسلام علامہ محمد حسین کاشف الغطاء (قدس سرہ) کا قصیدہ ہے۔

جمع کرنے پر مامور تھے۔ وہ سردار درج ذیل ہیں: مالک بن مسمع البکری (1) احنف بن قیس، منذر بن جارود (2)، مسعود بن عمرو، قیس بن ہیثم، عمرو بن عبید بن معمر۔ امام علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کے ذریعے ایک شخص کی طرف خط ارسال کیا جس کا نام سلیمان (3) تھا۔ آپؑ نے خط میں تحریر کیا:

أما بعد فإنّ الله اصطفٰی محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من خلقه وأكرمه بنبوته واختاره لرسالته ثم قبضه إليه وقد نصح لعباده وبلغ ما ارسل به وكنا أهله وأولياءه وأوصياءه وورثته وأحق الناس بمقامه في الناس، فاستأثر علينا قومنا بذٰلك فرضينا وكرهنا الفرقة وأحببنا العافية ونحن نعلم أنا أحق بذٰلك الحق المستحق علينا ممن تولاه، وقد بعثت رسولي اليكم بهذا الكتاب وأنا أدعوكم إلى كتاب الله وسنة نبيه، فان السنة قد أميتت والبدعة قد أحييت، فان تسمعوا قولي أهدكم إلى سبيل الرشاد

"امابعد! تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چنا اور انھیں نبوت کے ذریعے عزت بخشی اور رسالت کے لیے منتخب کیا۔ پھر خدا نے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ نبی اکرمؐ نے بندگانِ خدا کو وعظ و نصیحت کی اور خدا نے جس پیغام کے ساتھ انھیں مبعوث کیا تھا انھوں نے وہ پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ ہم اس نبیؐ کے اہلِ بیتؑ، اولیاءؑ، اوصیاء و جانشین اور وارث ہیں۔ اور ہم لوگوں کے درمیان اس مقام (خلافت) کے لیے دوسروں سے زیادہ حق دار ہیں لیکن اس معاملہ میں مسلمانوں نے دوسروں کو ہم پر ترجیح دی اور ہم نے مسلمانوں کے درمیان فرقہ بندی اور انتشار کو ناپسند کرنے کی بنا پر اس پر

---

(1) تاریخ طبری: ج ۳، ص ۱۳، پہلے ایڈیشن میں ۳۸ھ کے واقعات میں مذکور ہے کہ مالک بن مسمع بنوامیہ کی طرف مائل تھا اور جنگِ جمل کے دوران مروان نے اسی کے پاس پناہ لی تھی۔

(2) الاصابۃ: ج ۲، ص ۴۸۰ پر مذکور ہے کہ منذر بن جارود جنگِ جمل کے دوران حضرت علیؑ کے ساتھ تھا اور آپؑ نے اسے اصطخر کا حاکم مقرر کیا۔ اس کی والدہ امامہ بنت نعمان تھی اور عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) نے اسے ہندوستان پر حاکم مقرر کیا جہاں ۶۱ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ خلیفہ کے مطابق اسے سندھ پر حاکم بنایا گیا جہاں ۶۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۱۸۳ پہلے ایڈیشن میں ۷۱ھ کے واقعات میں مذکور ہے کہ مصعب ابن زبیر نے حکم بن منذر بن جارود سے کہا: "جارود ایک فارسی گدھا تھا جو جزیرہ ابن کاوان میں رہتا تھا۔ پھر وہ ساحل سمندر کو عبور کرنے کے بعد عبدالقیس کی طرف منسوب ہوگیا۔ خدا کی قسم! میں نے اس سے زیادہ بے حیا شخص نہیں دیکھا۔ پھر اس نے اپنی بہن مکعبر فارسی سے شادی رچالی اور انھیں کبھی عزت و شرف نصیب نہیں ہوا۔

(3) تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۰۰ پر بھی مذکور ہے۔ "اللہوف" ص ۱۱ پر ہے کہ اس کی کنیت "ابورزین" ہے اور "مثیر الاحزان" ص ۱۲ پر ہے کہ امامؑ نے یہ خط ذراع السدوسی کے ذریعے ارسال کیا تھا۔

رضامندی ظاہر کی اور ہم مسلمانوں کی بہتری اور عافیت کو پسند کرتے ہیں حالانکہ ہم اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر جن لوگوں کو حاکم بنایا گیا ہے ہم ان سے زیادہ اس کے حق دار ہیں۔ میں یہ خط دے کر تمھارے پاس اپنا پیغام رساں بھیج رہا ہوں اور میں تمھیں کتاب خدا اور اس کے نبیؐ کی سنت کی طرف بلا رہا ہوں۔ بے شک! سنت کو ختم کر دیا گیا ہے اور بدعت کو زندہ کیا گیا ہے۔ اگر تم میری بات کو سنو گے تو میں تمھیں رُشد و ہدایت کی طرف رہنمائی کروں گا"۔

منذر بن جارود العبدی نے امام حسین علیہ السلام کے پیغام رساں کو ابن زیاد (ملعون) کے حوالے کر دیا اور اس (ملعون) نے اسی رات اس کو سولی پر چڑھا دیا اور ابن زیاد (ملعون) اگلی صبح کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا تا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے پہلے کوفہ پہنچ سکے۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۰۰)

منذر کی بیٹی "بحریہ" ابن زیاد (ملعون) کی بیوی تھی، اس نے یہ سمجھا کہ یہ پیغام رساں درحقیقت ابن زیاد (ملعون) کی طرف سے ایک جاسوس ہے۔

احنف نے امام علیہ السلام کے خط کے جواب میں تحریر کیا: اما بعد! آپؑ صبر کیجیے، بے شک! خدا کا وعدہ سچا ہے اور حق کے متعلق شش و پنج میں مبتلا افراد آپؑ کو راہِ راست سے نہیں ہٹا سکتے۔ (مثیر الاحزان: ص ۱۳)

یزید بن مسعود (۱) نے بنو تمیم، بنو حنظلہ اور بنو سعد کو جمع کیا اور جب وہ سب آ گئے تو یزید بن مسعود نے کہا: اے بنو تمیم! تم مجھے اپنے درمیان کس مقام و منزلت اور خاندان کی حیثیت سے دیکھتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: آپ بہت اچھے انسان ہیں، خدا کی قسم! آپ ہمارے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ ہمارے لیے فخر کا سبب ہیں۔ آپ شرف کے لحاظ سے انتہائی معزز اور خاندان کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ پھر یزید بن مسعود نے کہا: میں نے تم سب لوگوں کو اس لیے اکٹھا کیا ہے تا کہ تم سے ایک کام کے بارے میں مشاورت کروں اور اس حوالے سے تمھاری مدد حاصل کروں۔

---

(۱) مثیر الاحزان میں یہی مذکور مذکور ہے لیکن طبری اور ابن اثیر کے مطابق یہ مسعود بن عمرو تھا۔ ابن حزم نے "جمھرۃ انساب العرب" ص ۲۱۸ پر تحریر کیا ہے کہ عباد بن مسعود بن خالد بن مالک النھشلی ایک شریف النفس اور عزت دار شخص تھا۔ اس کی بہن لیلیٰ بنت مسعود حضرت علیؑ کی بیوی تھی اور امام علیؑ کے صلب سے اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ابوبکر تھا جو واقعۂ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے اور دوسرے کا نام عبداللہ تھا جو حضرت مختار کے خلاف خروج کے وقت مصعب بن زبیر کے ساتھ تھا اور یہ اس دن قتل ہو گیا جس دن حضرت مختار کے ساتھیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مولف نے اپنی کتاب "مزید الشہید" ص ۱۰۱ (دوسرا ایڈیشن) میں مورخین کے اس قول کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ اسے بصرہ کے مضافاتی علاقہ "مذار" میں قتل کیا گیا لیکن قاتل کا پتا نہ چل سکا۔ اور راوندی نے اپنی کتاب "الخرائج" میں جہاں پر امیر المومنین حضرت علیؑ کے معجزات کا تذکرہ کیا ہے وہاں پر یہ بھی تحریر کیا ہے کہ "عبداللہ کو اپنے خیمہ ہی میں حالتِ ذبح میں دیکھا گیا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اسے کس نے ذبح کیا ہے"۔

انھوں نے جواب دیا: خدا کی قسم! ہم آپ کو اپنی نصیحت سے مستفید کریں گے اور آپ کی رائے کو بہتر سمجھیں گے۔ آپ بات کیجیے تا کہ ہم سنیں۔

یزید بن مسعود نے کہا: معاویہ مر گیا ہے، خدا کی قسم! اس کی ہلاکت اور جدائی کی خبر ایک اچھی خبر ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! کہ ظلم و ستم اور معصیت کے دروازے ٹوٹ گئے ہیں اور ظلم کے ارکان زمین بوس ہو گئے ہیں۔ اس نے نئی بیعت لینے کے بعد یہ گمان کیا تھا کہ اس نے حکومت کے اُمور کو مضبوط کر دیا ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جو کچھ چاہتا تھا اس نے اس کی خاطر بہت تگ و دو کی۔ خدا کی قسم! وہ اس کے حصول میں ناکام رہا۔

پھر اس نے لوگوں سے اس حوالے سے مشورہ کیا جنھوں نے اس کی خواہش کے برعکس اظہار خیال کیا انھوں نے اس سے مکر و فریب کیا۔ اس نے کہا: یزید (ملعون) جو شرابی اور فسق و فجور کا دلدادہ ہے وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہونے کا دعویدار ہے اور وہ مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر ان پر حکمرانی کا دعویدار ہے جب کہ اس کے پاس بردباری اور علم کی بھی کمی ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اسے صحیح راستے پر چلنے کے لیے اپنے قدم کہاں رکھنے چاہییں۔ میں خدا کی سچی قسم اُٹھا کر کہہ رہا ہوں کہ یزید (ملعون) کے خلاف جہاد دین میں مشرکوں سے جہاد سے افضل ہے۔ حضرت امام حسینؑ جو حضرت علیؑ اور رسولؐ خدا کے بیٹے ہیں وہ صاحب شرف و فضیلت ہیں اور ان کی رائے پختہ اور سلجھی ہوئی رائے ہے۔ آپؑ ایسی فضیلت کے مالک ہیں جس کی توصیف بیان نہیں کی جا سکتی اور آپؑ کا علم کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ آپؑ اپنے ماضی کے بہترین کردار، کبرسنی، اہلیت و لیاقت اور رسولؐ خدا سے رشتے داری کی وجہ سے حکومت و خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپؑ چھوٹوں پر شفقت کرتے ہیں اور بڑوں سے حُسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں۔ آپؑ اپنی رعیت کے لیے بہترین نگہبان اور امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے ذریعے اپنی حجت و برہان کو قائم کیا اور لوگوں تک اپنے پیغام کو پہنچایا، پس تم لوگ حق کے نُور سے رُخ نہ موڑو اور باطل کی پستی میں نہ بھٹکتے رہو۔

صخر بن قیس نے تم لوگوں کو جنگ جمل میں دھوکا دیا تھا مگر آج تم رسولؐ خدا کے بیٹے کے ساتھ خروج اور ان کی نصرت و مدد کے ذریعے رُسوائی کے ان دھبوں کو دھو ڈالو۔ خدا کی قسم! تم میں سے کسی شخص کو رسولؐ خدا کے بیٹے کی نصرت سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے، جو شخص بھی ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے گا اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کے گلے میں ذلت و رُسوائی کا طوق ڈال دے گا اور خدا اس کے خاندان میں برکت نہیں ڈالے گا۔

دیکھو! میں نے جنگ کے لیے جنگی لباس اور زرہ زیب تن کر لی ہے، جو شخص قتل نہیں ہوگا اسے بھی موت تو آنی ہے اور جو جنگ سے فرار ہوتا ہے وہ موت سے فرار اختیار نہیں کر سکتا۔ پس! تم لوگ بہترین جواب دو، خدا تم لوگوں پر رحم فرمائے۔

بنو حنظلہ نے کہا: اے ابوخالد! ہم تمھارے ترکش کے تیر اور تمھارے قبیلہ کے شہسوار ہیں۔ جب بھی تم ہمارے ساتھ میدانِ جنگ میں جاؤ گے تو فتح تمھاری ہوگی اور جب بھی تم ہمارے ساتھ دشمن پر حملہ کرو گے تو تم فاتح رہو گے۔ خدا کی قسم! تمھیں ہمارے بغیر کسی معرکہ میں نہیں کودنا چاہیے اور خدا کی قسم! تمھیں ہمارے بغیر کسی سختی کا سامنا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر تم چاہو گے تو ہم اپنی تلواروں سے تمھاری نصرت کریں گے اور ہم اپنے جسموں کے ذریعے تمھاری حفاظت کریں گے۔

بنو عامر بن تمیم نے کہا: اے ابوخالد! ہم تمھارے بھائی اور اتحادی ہیں۔ جب تم غضب ناک ہوتے ہو تو ہم خوش نہیں ہوتے اور جب تم سفر پر روانہ ہوتے ہو تو ہم پیچھے نہیں رہتے اور یہ معاملہ آپ کے سپرد ہے، اگر آپ چاہیں تو ہمیں اس امر کے لیے حکم دے دیں۔

بنو سعد بن زید نے کہا: اے ابوخالد! ہمیں سب سے زیادہ نفرت اس بات سے ہے کہ کوئی آپ کی مخالفت کرے اور آپ کی رائے کی اطاعت نہ کرے۔ جنگ جمل کے دن صخر بن قیس نے ہمیں جنگ کو چھوڑنے کا حکم دیا تو ہم نے اس کے حکم کی اطاعت کی اور اس پر شکر کیا اور ہماری عزت باقی رہی۔ اب آپ ہمیں کچھ دیر کے لیے مہلت دیں تاکہ ہم آپس میں مشورہ کر کے آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کریں۔

یہ سن کر یزید بن مسعود نے ان سے کہا: اگر تم نے اس کے متعلق ایک دوسرے کی رائے لینے کا انتظار کیا تو خدا تم سے کبھی قتل و غارت گری کو ختم نہیں کرے گا اور تم ہمیشہ ایک دوسرے کو قتل کرتے رہو گے۔

پھر یزید بن مسعود نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے خط کے جواب میں تحریر کیا: امابعد! میرے پاس آپؑ کا خط پہنچا اور آپؑ نے مجھے جس امر کی طرف بلایا ہے میں وہ سمجھ گیا ہوں۔ آپؑ نے مجھے اس بات کی دعوت دی ہے کہ میں اپنے مال و اسباب کے ساتھ آپؑ کی اطاعت کروں اور آپؑ کی نصرت کے ذریعے کامیابی و کامرانی حاصل کروں۔ بے شک! اللہ تبارک وتعالیٰ نے کبھی زمین کو نیکوکار سے خالی نہیں چھوڑا اور ہر دور میں راہِ نجات کی طرف بلانے والا کوئی نہ کوئی نمائندۂ خدا روئے زمین پر موجود رہا ہے۔ آپؑ مخلوق پر خدا کی حجت اور اس کی زمین پر اس کی امانت ہیں۔ آپؑ رسولِ خدا کے درخت کی شاخ ہیں، وہ اصل اور آپؑ اس کی فرع ہیں۔

پس! آپؑ ہمارے پاس تشریف لے آئیں، آپؑ یہ خبر سن کر خوش ہوں گے کہ میں نے بنوتمیم کے لوگوں کو آپؑ کی اطاعت گزاری کے لیے رام کر لیا ہے۔ میں نے انھیں آپؑ کا اس قدر مطیع بنا دیا ہے کہ وہ اس اُونٹ سے بھی زیادہ آپؑ کی اطاعت و فرماں برداری میں تیزی دکھائیں گے کہ جو پیاسا اُونٹ پیاس بجھانے کے لیے تیز رفتاری سے پانی پینے کے لیے گھاٹ پر آتا ہے۔ میں نے بنوساعد کے لوگ بھی آپؑ کے مطیع و فرمانبردار بنا دیے ہیں اور میں نے ان کے دلوں کی میل کچیل کو اس بارش والے پانی سے دھو دیا کہ جب وہ بجلی کی چمک کے ساتھ برستا ہے تو ہر طرف روشنی ہی روشنی ہو جاتی ہے۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کا یہ خط پڑھا تو آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھیں اس دن خوف سے امان دے جس دن ہر دل خوفزدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمھیں اس دن عزت وعظمت عطا کرے اور سیراب فرمائے جو سخت پیاس کا دن ہوگا۔

جب ابن مسعود سفر کے لیے تیار ہوئے تو انھیں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر پہنچی اور وہ اس پر سخت غم زدہ ہوئے اور افسوس کا اظہار کیا کہ ان کی شہادت کے ذریعے سعادت کے حصول کی تمنا پوری نہ ہوسکی۔(مثیر الاحزان: ص ۱۳، اللہوف: ص ۲۱)

سعد یا منقذ کی بیٹی ماریہ ایک کنیز تھی اور وہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے با اخلاص شیعوں میں سے تھی۔ اس کے گھر شیعہ جمع ہوکر آپس میں اہل بیتؑ کے فضائل کا تذکرہ کرتے تھے۔ یزید بن ثبیط جس کا تعلق عبدالقیس سے تھا، اس نے اپنے دس بیٹوں سے پوچھا: تم میں سے میرے ساتھ (امام حسینؑ کی نصرت کے لیے) کون آئے گا؟ تو اس کے دو بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ اس کے ہمراہ ہوئے۔ اس عورت (ماریہ) کے گھر میں یزید بن ثبیط کے ساتھیوں نے اس (یزید بن ثبیط) سے کہا: ہمیں ابن زیاد کے سپاہیوں سے تمھارے بارے میں ڈر لگ رہا ہے۔ تو اس نے کہا: خدا کی قسم! اگر لمبے اور دشوار سفر کی وجہ سے میرے اُونٹ کے کُھر چپٹے ہوجائیں تو میں پھر بھی خود کو اس ہستی کی خدمت میں پہنچا کر دم لوں گا، جس نے مجھے مدد کے لیے طلب کیا ہے(تاریخ طبری: ج۶، ص۱۹۸)۔ اس کا غلام عامر، سیف بن مالک اور ادھم بن اُمیہ بھی اس کے ہمراہ ہوگئے (ذخیرۃ الدارین: ص ۲۲۴)۔ یہ سب مکہ میں حضرت امام حسینؑ سے جاملے اور اپنی سواریوں کو ان کی سواری کے ساتھ شامل کردیا یہاں تک کہ کربلا پہنچ گئے اور امام حسینؑ کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام کوفیوں کے خطوط

جب حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ میں موجود تھے تو آپؑ کو کوفہ والوں کے خطوط آنے لگے۔ بعض خطوط انفرادی طور پر لکھ کر ارسال کیے گئے اور ان میں سے کچھ خطوط پر دو، تین یا چار چار افراد کے دستخط تھے۔ یہ تمام افراد آپؑ سے درخواست کر رہے تھے کہ آپؑ کوفہ تشریف لائیں کیونکہ ان کا کوئی امام نہیں ہے اور وہ نعمان بن بشیر (یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر) کے ساتھ باجماعت نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ ادا نہیں کرتے۔ امامؑ کی طرف اس قدر زیادہ خطوط آنے لگے، یہاں تک کہ ایک دن میں چھ سو خطوط آئے اور مختلف اوقات میں کُل بارہ ہزار خطوط امامؑ کی خدمت میں ارسال کیے گئے۔ ان میں سے ہر خط میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ہم آپؑ کے طلب گار ہیں لیکن امامؑ نے کسی خط کا کوئی جواب نہ دیا۔

امام علیہ السلام کی خدمت میں آخری خط شبث بن ربعی، حجار بن ابجر، یزید بن حارث، عزرہ بن قیس، عمرو بن حجاج اور محمد بن عمیر بن عطارد کی طرف سے تحریر کیا گیا تھا۔ اس خط کا متن یہ تھا:

ان الناس ینتظرونك لا رأی لهم غیرك فالعجل العجل یا ابن رسول الله فقد اخضر الجنان وأینعت الثمار وأعشبت الأرض وأورقت الاشجار فاقدم إذ اشئت فإنما تقدم علی جند لك مجندة [1]

"بے شک! یہ لوگ آپؑ کا انتظار کر رہے ہیں اور آپؑ کے علاوہ ان کا دل کسی دوسرے کے لیے نہیں تڑپ رہا ہے لہٰذا جلدی کیجیے جلدی اے فرزند رسولؐ خدا! تمام باغ سرسبز و شاداب اور پھل پک چکے ہیں اور زمین پر ہر طرف ہریالی اور درختوں پر پتے لگ چکے ہیں۔ پس! اگر آپؑ آنا چاہیں تو تشریف لائیے آپؑ کا ساتھ دینے کے لیے پہلے سے لشکر تیار ہے"۔

بعثت بزور الکتب سر واقدم الی   نحو العراق بمکہا ودھاتھا
ھذی الخلافۃ لاول لہا ولا   کفو و إنك من خیار کفاتھا
فأتی یزیم الیعملات بمعشر   کالأسد والأشطان من غاباتھا

[1] ابن نما: ص ۱۱، مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۱۹۳، فصل ۱۰ پر کوفیوں کے اجتماع اور ان کا حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھنے کی تفصیل میں ذکر کیا گیا ہے۔

وحسان ذیل كالأهلة أوجهاً	بسناتها وبهائها وصفاتها
مازال يخترق الفلاحتى أتى	أرض الطفوف وحلّ فى عرصاتها
واذا به وقف الجواد فقال يا	قوم اخبرونى عن صدوق رواتها
ماالأرض قالوا ذى معالم كربلا	ما بال طرفك حاد عن طرقاتها
قال انزلوا فالحكم فى أجداثنا	أن لا تشق سوى على جنباتها
حط الرحال وقام يصلح عضبه	الماضى لقطع البيض فى قماتها
بينا يجيل الطرف إذ دارت به	زمر يلوح الغدر من راياتها
ما خلت أن بدورتم بالعرا	تمسى «بنو الزرقاء» من هالاتها

"امام حسین علیہ السلام کی طرف بیجوں کی کثرت کی طرح خطوط ارسال کیے گئے اور انھوں (کوفیوں) نے اپنے مکر و فریب اور چالاکی کے ذریعے آپؑ کو عراق آنے کی دعوت دی۔ انھوں نے کہا: اس حکومت و خلافت کا کوئی والی وارث اور ہم پلہ نہیں اور آپؑ اس خلافت کے بہترین حق دار و ہمسر ہیں۔

آپؑ شیر کی طرح سخت جان مردوں کی طرح آئے کہ جیسے شیر اور چیتے اپنے جنگلوں میں ہوتے ہیں۔ آپؑ ایسے افراد کے ساتھ ظاہر ہوئے جن کے چہرے چاند کی طرح روشن چمکتے ہوئے اور بیش قیمت و بے عیب تھے۔ آپؑ پہاڑوں کی چوٹیوں کو عبور کرتے ہوئے سرزمین کربلا پر پہنچے اور وہاں اپنے خیموں میں قیام کیا اور جب آپؑ کا تیز رفتار گھوڑا اچانک چلتے چلتے رُک گیا تو امامؑ نے ان لوگوں سے کہا: اے قوم! مجھے اس سرزمین کے متعلق سچ سچ بتاؤ۔ یہ کون سی زمین ہے؟ ان میں سے صاحبانِ علم نے کہا: کربلا۔ تمھاری آنکھ نے یہ سب دیکھنے سے نظریں کیوں پھیر لیں؟!

امام علیہ السلام نے فرمایا: آپ سب اپنی سواریوں سے اُتر آؤ اور اب یہاں ہماری قبریں بنیں گی اور اس کے پہلو ہماری قبروں کے لیے کاٹے ہوئے ہیں۔ آپؑ نے اپنا سامان اُتارا اور اپنی تلوار کو درست کیا تا کہ اس سے سر پر رکھنے والی خود کو کاٹ سکیں۔ آپؑ نے جب اپنے اردگرد دیکھا تو آپؑ نے دھوکا و فریب کے جھنڈوں کو ملاحظہ کیا۔

میں نے کبھی ایک لحظہ کے لیے بھی یہ تصور نہیں کیا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا کہ ایک روشن چاند (امام حسینؑ) صحرا میں اس قدر چمکے گا اور زرقاء (نیلی آنکھوں والی) کی اولاد اس حلقۂ نور میں رات بسر کریں گے"۔ [1]

---

[1] یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں شیخ محمد بن بغدادی الحلی المعروف ابن الخلفہ (متوفی ۱۲۴۷ھ) کا قصیدہ ہے۔ (شعراء الحلہ" ج ۵، ص ۱۷۴)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا کوفیوں کو جواب

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس اتنے زیادہ خطوط آگئے کہ ان خطوط سے دو تھیلے بھر گئے تو آپؑ نے کوفہ والوں کو ایک خط تحریر کیا جو ہانی بن ہانی السبیعی اور سعید بن عبداللہ الحنفی کو دے کر کوفہ روانہ کیا اور یہ دونوں امام حسینؑ کے پاس کوفیوں کی طرف سے آخری پیغام رساں تھے۔ اس خط کا متن یہ ہے:

بسم الله الرحمٰن الرحيم - من الحسين بن عليّ إلى الملأ من المؤمنين والمسلمين أما بعد فان هانئًا وسعيداً قدما عليّ بكتبكم وكانا آخر من قدم عليّ من رسلكم وقد فهمت كل الذي قصصتم وذكرتم ومقالة جلكم أنه ليس علينا إمام فأقبل لعلّ الله يجمعنا بك على الهدىٰ والحق وقد بعثت إليكم أخي وابن عمي وثقتي من أهل بيتي وأمرته أن يكتب إليّ بحالكم وأمركم ورأيكم فإن كتب أنه قد اجتمع رأي ملئكم وذوي الفضل والحجى منكم على مثل ما قدمت عليّ به رسلكم وقرأت في كتبكم، أقدم عليكم وشيكاً إن شاء الله! فلعمري ما الامام إلّا العامل بالكتاب والآخذ بالقسط والدائن بالحق والحابس نفسه على ذات الله والسلام (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۸، الاخبار الطوال: ص ۲۳۸)

"یہ خط حسین ابن علی علیہ السلام کی طرف سے کوفہ کے اہلِ ایمان بزرگان اور مسلمانوں کے نام ہے۔ اما بعد! بے شک، ہانی اور سعید تمھارے خطوط لے کر میرے پاس آئے اور تمھاری طرف سے یہ آخری پیغام رساں تھے۔ مَیں نے وہ سب کچھ سمجھ لیا ہے جو تم نے بیان کیا ہے اور تمھارے تمام خطوط کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اُوپر کوئی امام نہیں ہے لہٰذا آپؑ تشریف لے آئیں تاکہ خدا ہمیں آپؑ کے وجود سے ہدایت اور سچائی پر جمع کرے۔ میں تم لوگوں کی طرف اپنا بھائی، چچازاد اور میرے خاندان میں سے موثق ترین فرد مسلم ابن عقیلؑ کو بھیج رہا ہوں اور مَیں نے اسے یہ حکم دیا ہے کہ وہ مجھے تمھارے حالات لکھ بھیجے اور تمھارے امراء اور دانش وروں اور اہلِ خرد کی رائے سے مجھے آگاہ کرے۔ پس! اگر انھوں نے یہ تحریر کیا کہ تمھارے بزرگان اہلِ فضل اور دانش ور حضرات سب اس رائے پر اکٹھے ہیں جو کچھ تمھارے پیغام رساں اور قاصد خطوط کے ذریعے مجھ تک پہنچاتے رہے ہیں تو مَیں بہت جلد آپ کے پاس آجاؤں گا ان شاء اللہ۔ مجھے میری زندگی کی قسم! امام وہ ہوتا ہے جو کتابِ خدا پر عمل کرنے والا ہو اور عدل وانصاف کا راستہ اپنانے والا ہو، حق کی پیروی کرنے والا اور اپنی ذات کو خدا کے فرمان کے مطابق چلانے والا ہو۔ والسلام!"

پھر امام علیہ السلام نے یہ خط حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کے حوالے کیا اور ان سے فرمایا: "میں آپؑ کو کوفہ والوں کی طرف بھیج رہا ہوں اور عنقریب خدا اپنی رضا اور خوشنودی کے مطابق آپؑ کے امر کا فیصلہ کرے گا اور میں اُمید کرتا ہوں کہ میں اور آپؑ شہداء کے درجہ پر فائز ہوں گے۔ پس! آپؑ خدا کی مدد اور برکت سے عازمِ سفر ہوں اور کوفہ میں بااعتماد لوگوں کے پاس قیام کرنا۔ (مقتل الحسینؑ: خوارزمی، ج۱، ص۱۹۶، فصل ۱۰)

□□□

سفیرِ حسینؑ حضرت مسلم ابن عقیل علیہما السلام کی کوفہ کی طرف روانگی

حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کے ہمراہ قیس ابن مسہر صیداوی، عمارہ بن عبداللہ السلولی اور عبدالرحمن بن عبداللہ ازدی کو روانہ کیا اور انھیں تقویٰ الٰہی کی تلقین کی اور فرمایا: کوفہ والے جس امر پر اکٹھے ہوں اس میں خوب غور وفکر کا مظاہرہ کریں اور آپ یہ دیکھیں کہ کوفہ کے لوگ کس موقف پر اکٹھے ہیں اور اگر وہ لوگ متحد اور بااعتماد ہوں تو پھر مجھے جلدی سے خط لکھ دینا۔ (الارشاد، شیخ مفیدؒ)

حضرت مسلمؑ پندرہ رمضان [1] کو مکہ سے مدینہ کے راستے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مکہ سے روانہ ہونے کے بعد آپؑ مدینہ میں تشریف لائے اور مسجد نبویؐ میں نماز پڑھی اور اپنے خاندان اور اہل دعیال کو الوداع کیا۔ [2] پھر آپؑ نے قبیلہ بنوقیس کے دو مرد اُجرت پر حاصل کیے تاکہ وہ آپؑ کی راستے کے متعلق رہنمائی کریں لیکن سفر کے دوران ایک رات سخت گرمی اور پیاس کی وجہ سے یہ دونوں قریب المرگ ہوگئے اور انھوں نے حضرت مسلمؑ کو راستے کی نشانیوں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ آپؑ اس سمت کو پکڑ لیں اور اسی طرف چلتے جائیں تو بحفاظت منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ حضرت مسلمؑ نے ان دونوں کو وہیں پر چھوڑا اور خود ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے لگے۔ وہ دونوں مرد جو راستے کے متعلق رہنمائی کرتے تھے، پیاس کی شدت سے مرگئے۔ [3] حضرت مسلمؑ کے لیے انھیں اُٹھانا ممکن نہیں تھا کیونکہ وہ قریب المرگ تھے اور انھوں نے ایسی نشانیاں بتائی تھیں جو راستہ کی طرف نشاندہی کرتی تھیں نہ کہ انھوں نے راستہ بتایا تھا اور اس وقت یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ پانی اور ان لوگوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ یہ دونوں نہ تو خود سوار ہونے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ ہی کسی تیسرے شخص کے سہارے سوار ہوسکتے تھے۔ اگر حضرت مسلمؑ آخر وقت تک ان کے ساتھ رہتے تو آپؑ بھی ان دونوں کی طرح موت کے منہ میں چلے جاتے اس لیے اس وقت اہم ترین فریضہ یہ تھا کہ پانی کی تلاش کی خاطر سفر جاری رکھا جائے تاکہ ان قیمتی جانوں کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکے۔ اس لیے حضرت مسلمؑ نے انھیں اسی جگہ پر ہی چھوڑ دیا۔

---

[1] مروج الذہب: ج ۲، ص ۸۶

[2] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۸

[3] الاخبار الطوال: ص ۲۳۲

حضرت مسلمؑ اور ان کے خدام اس مشکل سے بخیریت نکل آئے یہاں تک کہ وہ صحیح راستہ پر پہنچے اور وہاں پر پانی سے سیراب ہوئے اور تھوڑی دیر کے لیے آرام کیا۔ پھر حضرت مسلمؑ نے ایک خط لکھا اور اس قاصد کے ذریعے امام حسینؑ کو ارسال کیا جو انھوں نے اس پانی کے چشمہ کے قریب رہنے والے لوگوں میں سے ایک شخص کو اُجرت پر لیا تھا۔ آپ نے اس خط میں تحریر کیا کہ راستہ دکھانے والے دونوں افراد کی موت واقع ہوگئی ہے اور میں نے اس سفر میں ان مشکلات کا سامنا کیا ہے اور میں اس وقت تک اسی جگہ پر قیام پذیر ہوں جب تک مجھے آپ کی رائے سے آگاہی حاصل نہ ہو۔ اس وقت حضرت مسلمؑ مقامِ بطن الخبت میں ایک تنگ و تاریک راستے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ پس وہ قاصد روانہ ہوا اور مکہ میں حضرت امام حسینؑ سے ملاقات کی اور انھیں یہ خط دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے اس خط کے جواب میں حضرت مسلمؑ کو تحریراً یہ حکم دیا کہ آپؑ کوفہ کی جانب روانہ ہوں اور اس میں ہرگز تاخیر نہ کریں۔

جب حضرت مسلمؑ نے یہ خط پڑھا تو فوراً کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب قبیلہ طی کے پانی (کنویں) کے قریب پہنچے تو وہاں تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد پھر سفر کے لیے چل پڑے۔ آپؑ نے وہاں پر ایک شخص کو ہرن کا شکار کرتے ہوئے دیکھا اور وہ اس کو شکار کرنے میں کامیاب ہوگیا تو آپؑ نے اس سے یہ فال لی کہ آپؑ کے دشمن آپؑ کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ ("الارشاد" شیخ مفیدؒ)

حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کا کوفہ میں داخل ہونا

حضرت مسلم ابن عقیل پچیس شوال کو کوفہ میں داخل ہوئے [1] اور حضرت مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر میں قیام کیا۔ [2] حضرت مختارؒ اپنی قوم میں انتہائی عزت و عظمت کے مالک، بلند ہمت، تجربہ کار، دلیر و بہادر اور دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے لیے انتہائی سخت نظریہ رکھتے تھے۔ آپؒ ایک ذہین، فطین اور صحیح رائے کے مالک تھے، خاص طور پر جنگی قوانین اور دشمن پر غلبہ پانے پر خاص مہارت رکھتے تھے گویا تجربات نے آپ کو عقل مند بنا دیا تھا یا سخت حالات و واقعات کا سامنا کرنے کی وجہ سے اپنی ذات کو مہذب بنالیا تھا۔ رسولِ اقدس کی آل کی صحبت سے فیض یاب ہونے کی وجہ سے ان آلِ اطہارؑ سے آداب و اخلاقیات کا سبق حاصل کیا۔ آپؒ عوام میں ہوتے یا نجی محفلوں میں، ہر حال میں رسولِ خدا کے حامی و مددگار رہتے۔

حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کی بیعت

حضرت مسلم ابن عقیلؑ کو خوش آمدید کہنے کے لیے شیعیانِ کوفہ جوق در جوق حضرت مختار کے گھر آنے لگے اور انھوں

---

[1] مروج الذھب: ج ۲، ص ۸۶

[2] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۹

نے حضرت مسلمؑ کے سامنے ان کے لیے اپنی اطاعت اور فرماں برداری کا اظہار کیا جس سے ان کے دل میں اور زیادہ خوشی اور سرور پیدا ہو گیا۔ جب حضرت مسلمؑ نے ان لوگوں کو حضرت امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا تو عابس بن شبیب الشاکری نے کھڑے ہو کر کہا: میں آپ کو (کوفہ کے) لوگوں کے متعلق تو کچھ نہیں کہتا اور نہ ہی میں یہ جانتا ہوں کہ ان کے دلوں میں کیا چھپا ہوا ہے اور نہ ہی میں ان لوگوں کے ذریعے آپؑ کو دھوکا میں رکھنا چاہتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں آپ کو اپنے دل کی بات بتا رہا ہوں کہ خدا کی قسم! آپؑ جب بھی مجھے بلائیں گے میں جواب دوں گا اور آپؑ کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے جنگ کروں گا اور اس وقت تک ان پر آپؑ کی خاطر تلوار سے وار کرتا رہوں گا جب تک میرے جسم میں جان ہے اور میں اپنے اس عمل سے صرف خدا سے اجر اور رضا کا طلب گار ہوں۔

حبیب ابن مظاہر نے کہا: (عابس بن شبیب شاکری) تمھارے دل میں جو کچھ تھا تم نے اسے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں بھی اسی طرح آپؑ کا ساتھ دوں گا جیسے یہ آپ کے بارے میں احساسات رکھتا ہے۔

سعید بن عبداللہ حنفی نے بھی ان دونوں کی طرح اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔ [1] اور شیعہ آپؑ کی بیعت کے لیے آتے رہے یہاں تک کہ مجموعی طور پر اٹھارہ ہزار افراد نے آپ کی بیعت کی۔ [2] بعض مؤرخین کے مطابق پچیس ہزار لوگوں نے آپؑ کی بیعت کی تھی۔ [3] اور شعبی کے مطابق چالیس ہزار لوگوں نے آپؑ کی بیعت کی تھی۔ [4] پھر حضرت مسلمؑ نے حضرت امام حسینؑ کے نام ایک خط لکھ کر عابس بن شبیب شاکری کے ذریعے روانہ کیا جس میں آپؑ کو اس بات سے آگاہ کیا کہ کوفہ کے لوگ آپؑ کی اطاعت پر اتفاق رائے رکھتے ہیں اور وہ آپؑ کے کوفہ تشریف لانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ جناب مسلمؑ نے اس خط میں تحریر کیا: ایک نگران اپنی عوام سے ہرگز جھوٹ نہیں بولتا، کوفہ کے اٹھارہ ہزار لوگ میری بیعت کر چکے ہیں اور جیسے ہی میرا یہ خط آپؑ کی خدمت میں پہنچے تو آپؑ یہاں پر تشریف لانے میں جلدی کیجیے۔ [5]

حضرت مسلمؑ نے اپنی شہادت سے ۲۷ دن پہلے یہ خط تحریر کیا تھا۔[6] حضرت مسلمؑ کے اس خط کے ساتھ کوفہ والوں

---

① تاریخ طبری: ج۶، ص۱۹۹

② تذکرۃ الخواص: ص۱۳۸، تاریخ طبری: ج۶، ص۲۱۱

③ ابن شہر آشوب: ج۲، ص۳۱۰

④ ابن نما: ص۱۱

⑤ تاریخ طبری: ج۶، ص۲۱۰

⑥ تاریخ طبری: ج۶، ص۲۲۴

نے بھی اپنے ایک خط کو ملحق کر دیا۔ انھوں نے خط میں تحریر کیا: اے فرزند رسولؐ! آپؑ یہاں آنے میں جلدی کیجیے بے شک! ایک لاکھ تلواریں کوفہ میں آپؑ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ لہٰذا آپؑ ہرگز اس امر میں تاخیر نہ کریں۔ (بحارالانوار: ج۱۰، ص ۱۸۵)

وہ گروہ جو بنی اُمیہ کا طرف دار تھا، ان میں عمر بن سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسلم بن ربیعہ الحضرمی اور عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط شامل تھے۔ ان کو یہ سب ناگوار گزرا اور انھوں نے یزید (ملعون) کو ایک خط لکھ کر آگاہ کیا کہ مسلمؑ ابن عقیلؑ کوفہ آ چکے ہیں اور کوفہ کے لوگ ان کی طرف بڑھ رہے ہیں جب کہ نعمان بن بشیر ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ (تاریخ طبری: ج ٦، ص ۱۹۹-۲۰۱)

یزید لعین نے اپنے غلام "سرجون"[1] کو بلوا بھیجا تاکہ اس سے مشورہ طلب کرے۔ یہ اس کا کاتب اور خاص آدمی تھا۔ سرجون نے اسے یہ مشورہ دیا کہ تمھیں عبیداللہ ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر نامزد کر دینا چاہیے تو یزید (ملعون) نے کہا: اس میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔ پھر سرجون نے اس سے پوچھا: اگر آج معاویہ زندہ ہوتا اور وہ تمھیں اسے کوفہ کا گورنر نامزد کرنے کا مشورہ دیتا تو کیا تم اسے نامزد کر دیتے؟ یزید (ملعون) نے جواب دیا: ہاں۔ اس نے کہا: یہ معاویہ کا اس کی مہر کے ساتھ عبیداللہ کے نام عہدنامہ ہے۔ میں نے تمھیں اس کے بارے میں اس لیے نہیں بتایا تھا تاکہ میں یہ جان سکوں کہ تمھارے دل میں اس کے لیے کس قدر نفرت ہے۔ پھر یزید (ملعون) نے نعمان بن بشیر کو معزول کر کے عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کو کوفہ کا گورنر نامزد کر دیا۔ اس نے عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کو خط میں یہ تحریر کیا:

امابعد! بتحقیق جس شخص کی تعریف کی جاتی ہے ایک دن اسے گالیاں بھی دی جاتی ہیں اور جس شخص کو گالیاں دی جاتی ہیں ایک دن اس کی تعریف بھی کی جاتی ہے۔ تمھیں ایک خاص مقصد کے لیے نامزد کیا گیا ہے تاکہ تم اس مقصد کو پورا کرسکو جیسا کہ اس بیان کا پہلا حصّہ تم سے مخاطب ہے:

رفعت وجاوزت السحاب وفوقه
فما لك الا مرقب الشمس مقعد

"تم بلند ہوئے اور بادلوں سے بھی آگے بڑھ گئے اور اس سے بھی اُوپر ہو گئے تمھیں صرف یہ بیماری ہے

---

[1] محمد کرد علی کی "الاسلام والحضارۃ العربیۃ" ج ۲، ص ۱۵۸ پر ہے کہ سرجون بن منصور شام کے عیسائیوں میں سے تھا اور معاویہ نے حکومت کے فائدے کی خاطر اسے ملازم رکھا تھا۔ اس کا باپ منصور شام کی فتح سے پہلے ہرقل شاہِ روم کے زمانہ سے شام میں خزانہ کے اُمور کا انچارج تھا۔ اس نے رومیوں سے جنگ میں مسلمانوں کی مدد کی تھی اور اپنے باپ کی طرح سرجون کا بیٹا منصور بن سرجون بن منصور حکومت کا ملازم اور خدمت گزار رہا۔ عمر بن خطاب عیسائیوں کو ملازم اور خدمت گزار رکھنے سے منع کیا کرتے تھے مگر اس صورت میں جائز سمجھتے تھے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیتے۔

کہ معذور شخص کی طرح بیٹھ کر صرف سورج کو دیکھتے رہتے ہو“۔(انساب الاشراف: بلاذری، ج۴، ص ۸۲)

یزید (ملعون) نے عبیداللہ ابن زیاد کو جلد از جلد کوفہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا کہ وہاں جا کر امام حسینؑ کے نمائندہ مسلمؑ ابن عقیلؑ کو باندھ دو، یا قتل کردو، یا شہر بدر کردو۔ [1] پھر ابن زیاد (ملعون) جلدی سے کوفہ کی طرف چل پڑا۔ اس کے ہمراہ بصرہ کے پانچ سو منتخب کردہ لوگوں میں مسلم بن عمرو الباہلی، منذر بن جارود، شریک الحارثی اور عبداللہ بن حارث بن نوفل تھے۔ وہ اس قدر سفر کے دوران تیزی سے چل رہا تھا کہ اگر اس کے ساتھیوں میں سے کوئی راستے میں گر جاتا تو اس کے لیے بھی نہ رُکتا یہاں تک کہ شریک بن اعور اور عبداللہ بن حارث راستے میں گرے تو انھیں یہ اُمید تھی کہ ابن زیاد ان کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے رُک جائے گا لیکن ابن زیاد (ملعون) ان کی طرف متوجہ نہ ہوا اور تیزی سے چلتا رہا کیونکہ اسے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں امام حسینؑ اس سے پہلے کوفہ نہ پہنچ جائیں۔

جب وہ قادسیہ پہنچا تو اس کا غلام مہران گر گیا۔ ابن زیاد (ملعون) نے اس سے کہا: اگر تم اس حالت میں ہی خود پر قابو رکھتے ہوئے سفر کو جاری رکھو اور کوفہ کا قصر دیکھ لو تو میں تمھیں ایک ہزار دینار انعام دوں گا۔ اس نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں اتنی طاقت نہیں رکھتا تو ابن زیاد اسے وہیں پر چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ کوفہ کے قریب پہنچ کر ابن زیاد (ملعون) نے یمنی لباس اور سیاہ عمامہ پہنا اور تنہا شہر کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ جب کوفہ شہر کے محافظوں کے پاس سے گزرا تو انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ حضرت امام حسینؑ ہیں، تو اُنھوں نے کہا: اے فرزند رسولؐ! مرحبا۔ لیکن ابن زیاد (ملعون) چپ چاپ نجف اشرف کے راستہ سے ہوتا ہوا کوفہ پہنچ گیا۔ (مثیر الاحزان)

کوفہ کے تمام لوگ یہ صدا دیتے ہوئے اس کا استقبال کر رہے تھے: اے فرزند رسولؐ! مرحبا! خوش آمدید۔ ابن زیاد (ملعون) کو یہ سخت ناگوار گزرا یہاں تک کہ وہ ”قصر الامارہ“ تک پہنچ گیا لیکن نعمان بن بشیر نے محل کا دروازہ نہ کھولا۔ اس نے محل کے اُوپر سے اسے دیکھا اور (اسے امام حسینؑ سمجھتے ہوئے) کہا: اے رسولِ خدا کے فرزند! میں آپؑ کو یہ امانت سپرد نہیں کرسکتا۔

یہ سن کر ابن زیاد (ملعون) [2] نے اس سے کہا: دروازہ کھولو تمھاری رات بہت لمبی ہوگئی ہے۔

---

[1] تاریخ طبری: ج۶، ص ۱۹۹

[2] مؤرخین نے عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کی تعیین اور تحقیق کے ساتھ تاریخ پیدائش کا ذکر نہیں کیا۔ جن مؤرخین نے اس کی تاریخ پیدائش بیان کی ہے یا تو وہ درست نہیں ہے اور اگر درست ہے تو شک اور ظن کی بنا پر ہے۔ سب سے پہلے جو ابن کثیر نے ”البدایہ“ ج۸، ص ۲۸۳ پر ابن عساکر اور احمد بن یونس الضبی سے نقل کیا ہے کہ عبیداللہ ۳۹ ہجری میں پیدا ہوا تھا تو اس حساب سے واقعۂ کربلا کے وقت ۶۰ھ کے آخر میں وہ اکیس سال کا تھا اور جس دن اس کے باپ زیاد کی موت ۵۳ ہجری میں واقع ہوئی، اس وقت اس کی عمر چودہ سال تھی۔ ابن کثیر کا یہ قول ابن جریر کے اس قول کے موافق نہیں ہے جو اس نے اپنی کتاب ”تاریخ طبری“ ج۶، ص ۱۶۶ پر تحریر کیا ہے کہ معاویہ نے ۵۳ ہجری میں عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کو ←

جب نعمان نے اس کی آواز سنی تو پہچان گیا کہ یہ شخص کون ہے۔ اس نے لوگوں سے کہا: ربِ کعبہ کی قسم! یہ ابن زیاد (ملعون) ہے۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۰۱) ①

← خراسان کا گورنر نامزد کیا تھا کیونکہ یہ عقل تسلیم نہیں کرتی کہ خراسان جیسے بڑے صوبے کا گورنر ایک چودہ سال کا لڑکا نامزد کیا جائے۔ ابن جریر نے یہ سب ظن اور گمان کی بنا پر ذکر کیا ہے جب کہ ابن جریر طبری نے ہی اپنی "تاریخ" ج۶، ص ۱۶۶ پر یہ بھی تحریر کیا ہے کہ معاویہ نے جب ۵۳ ہجری میں عبیداللہ بن زیاد (ملعون) کو خراسان کا گورنر بنایا تو اس وقت وہ پچیس سال کا تھا۔ اس طرح اس کی پیدائش ۲۸ ہجری میں بنتی ہے اور واقعۂ کربلا کے وقت اس کی عمر بتیس سال تھی۔ ابن جریر نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ابن کثیر کے اس قول کے زیادہ قریب ہے جو ابن کثیر نے "البدایہ" ج۸، ص ۲۸۳ پر فضل بن رکین سے نقل کیا ہے کہ شہادتِ حسینؑ کے وقت عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کی عمر ۲۸ سال تھی اور اس بنا پر اس کا سال پیدائش ۳۲ ھ بنتا ہے اور زیاد (ملعون) کی ۵۳ھ میں واقع ہونے والی موت کے وقت وہ اکیس سال کا تھا۔

ابن حجر نے "تعجیل المنفعت" ص ۲۷۱، مطبوعہ حیدرآباد میں تحریر کیا ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد ۳۲ یا ۳۳ ھ میں پیدا ہوا تھا اور واقعۂ کربلا جو ۶۱ھ کے شروع میں پیش آیا اس وقت اس کی عمر ۲۷ یا ۲۸ سال تھی۔ بہرحال اس کی ماں ایک مجوسیہ تھی۔ ابن کثیر "البدایہ" ج۸، ص ۲۸۳ اور عینی "عمدۃ القاری فی شرح البخاری" ج۷، ص ۶۵۶، باب الفضائل فی مناقب الحسنین پر رقم طراز ہیں کہ اسے اصفہان سے قیدی بنایا گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مجوسیہ تھی۔

"تاریخ طبری" ج۷، ص ۶ پر ہے کہ جب عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) نے امام حسینؑ کو شہید کر دیا تو مرجانہ نے اسے کہا: تجھ پر افسوس اور ہلاکت ہے۔ تُو یہ کیا کر رہا ہے؟ اور تُو نے یہ کیسی سواری کی ہے؟! "تاریخ کامل ابن اثیر" ج۴، ص ۱۰۷، ابن زیاد (ملعون) کے قتل کے ضمن میں مذکور ہے کہ مرجانہ نے عبیداللہ سے کہا: اے خبیث! تُو نے فرزندِ رسولؐ کو قتل کیا ہے۔ خدا کی قسم! اب تُو کبھی جنت کو نہیں دیکھے گا۔ ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" ج۳، ص ۵۴۹ پر ہے کہ اسے اس کی ماں مرجانہ نے کہا: تُو نے رسولِ خدا کے بیٹے کو شہید کر دیا اور اب تُو کبھی جنت کو نہیں دیکھے گا۔

"تاریخ طبری" ج۶، ص ۲۶۸، تاریخ کامل ابن اثیر: ج۴، ص ۳۴ اور مروج الذھب میں ہے کہ ابن زیاد (ملعون) کے بھائی عثمان نے اس سے کہا: اے کاش کہ اس نے حضرت امام حسینؑ کو شہید نہ کیا ہوتا اس کے اس فعل نے قیامت تک کے لیے زیاد کی اولاد کے ہر فرد کو ذلیل و رسوا اور عاجز بنا دیا ہے۔ عبیداللہ نے اس کے اس جملہ کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسے کیسے جواب دیتا جب کہ اس نے خود یہ مشاہدہ کیا تھا کہ جب حضرت امام حسینؑ کا سرِ مقدس اس کے دربار میں لایا گیا تو قصرِ امارہ کی دیواروں سے بھی خون ٹپک رہا تھا! جیسا کہ الصواعق المحرقۃ ص ۱۱۶ اور تاریخ ابن عساکر: ج۴، ص ۳۳۹ پر مذکور ہے۔

بلاذری نے "انساب الاشراف" ج۴، ص ۷۷ پر تحریر کیا ہے کہ عبیداللہ بن زیاد (ملعون) خوب صورت تھا اور اس کے جسم پر سفید و سیاہ داغ تھے۔ اسی کتاب کے ص ۸۱ پر ہے کہ اس کے اندر شر بھرا ہوا تھا اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے اندر وہ تمام عیب اور بری صفات پیدا کیں جو لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے تاکہ وہ اس کے ذریعے لوگوں کا مقابلہ کرے۔ انساب الاشراف کے ہی ص ۸۶ پر ہے کہ یہ بہت پیٹو تھا۔ دن میں پچاس سے زیادہ مرتبہ کھاتا تھا پھر بھی سیر نہیں ہوتا تھا۔ ابن قتیبہ نے "المعارف" ص ۲۵۶ پر تحریر کیا ہے کہ اس کا قد بہت لمبا تھا اگر یہ پیدل بھی چل رہا ہوتا تو لوگ یہ سمجھتے کہ کسی سواری پر سوار ہے۔ جاحظ کی "البیان والتبیین" ج۱، ص ۷۵ (دوسرا ایڈیشن) پر مذکور ہے کہ ابن زیاد (ملعون) ہکلاتا تھا۔ ←

پھر تمام لوگ اپنے گھروں کو منتشر ہو گئے۔ اگلے دن صبح کے وقت ابن زیاد (ملعون) نے تمام لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد میں اکٹھا کیا اور ان کے سامنے خطبہ دیا اور انھیں ڈرایا اور اپنی عطا کے ذریعے انھیں آزمایا اور کہا: اگر تم میں سے کسی شخص کے پاس امیرالمومنین (یزید لعین) کے باغیوں میں سے کوئی باغی ٹھہرا ہوا ہو اور وہ اسے ہمارے حوالے نہ کرے تو اُسے اس کے گھر کے دروازے پر سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔ (الارشاد)

حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کا موقف

جب حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کو یہ معلوم ہوا کہ ابن زیاد (ملعون) نے خطبہ دیا ہے اور اس نے لوگوں کو ڈرایا دھمکایا ہے تو لوگوں کی حقیقت ان پر ظاہر ہو گئی تو آپؑ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں مجھے دھوکا سے گرفتار نہ کر لیا جائے لہٰذا آپؑ رات کی تاریکی میں حضرت مختار کے گھر سے حضرت ہانی بن عروہ المذحجی کے گھر منتقل ہو گئے۔ جناب ہانی ایک مخلص شیعہ [2] کوفہ کے سرداروں [3] اور قاریانِ قرآن [4] میں سے تھے۔ یہ قبیلہ مراد کے بزرگ اور سردار تھے۔ ان کے اتحادی اگر لشکر اکٹھا کرنا چاہتے تو چار ہزار زرہ پوش اور آٹھ ہزار پیادہ افراد آسانی سے جمع کر سکتے تھے۔ جب کہ ان کے اتحادی کندہ قبیلہ کے

← جاحظ نے اپنی اسی کتاب کی ج ۲، ص ۱۶۷ پر تحریر کیا ہے کہ اس کی زبان میں لکنت قوم اساورہ (عربوں میں بسنے والی ایک پرانی عجمی قوم اور یہ زیادہ تر بصرہ میں آباد تھے۔ مترجم) کی وجہ سے تھی کیونکہ زیاد نے مرجانہ کے بعد اساورہ کی ایک لڑکی "شیرویہ الاسواری" سے شادی رچائی اور عبیداللہ اسی کے پاس رہا اور اس کی پرورش قوم اساورہ کے درمیان ہوئی۔ اس وجہ سے ان کی زبان اس پر اثر انداز ہوئی۔ "انساب الاشراف" ج ۵، ص ۸۳ پر مذکور ہے کہ جب ابن زیاد کسی پر غضب ناک ہوتا تو اسے قصر الامارہ کی چھت سے نیچے گرا دیتا اور اسے کسی بھی بلندی سے دھکا دے کر نیچے گرا دیتا تھا۔ اسی کتاب کے ص ۸۲ پر مذکور ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد نے اسماء بن خارجہ کی بیٹی سے شادی کی تو اسے محمد بن عمیر بن عطارد، محمد بن اشعث اور عمرو بن حریث نے ملامت کی تھی۔ اس وجہ سے پھر ابن زیاد (ملعون) نے محمد بن اشعث کی بیٹی اُم نعمان سے شادی کر لی اور ابن زیاد (ملعون) کے بھائی عثمان نے عمیر بن عطارد کی بیٹی اور اس کے بھائی عبداللہ نے عمرو بن حریث کی بیٹی سے شادی کی۔ تبریزی نے "النقود الاسلامیۃ القدیمۃ" ص ۵۰ پر انستاس الکرملی کی کتاب "مجموعۃ النقود العربیۃ" سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے درہموں کی نقل کرتے ہوئے ان کے جعلی کھوٹے سکے بنائے وہ عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) تھا اور اس نے ۶۴ھ میں بصرہ سے فرار ہوتے وقت یہ حرکت کی تھی۔ پھر یہ دوسرے ممالک میں عام ہو گیا۔ مقریزی کی "اغاثۃ الامۃ بکشف الغمۃ" ص ۶۱ پر بھی درج بالا قول مذکور ہے۔ قلقشندی نے "مآثر الانافۃ" ج ۱، ص ۱۸۵ پر مہدی کی خلافت کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ زیاد بن ابیہ کا نسب عبیداللہ رومی کی طرف لوٹتا ہے۔

[2] تاریخ کامل: ابن اثیر ج ۴، ص ۱۰

[3] الاخبار الطوال: ص ۲۳۵

[4] الاغانی: ج ۱۴، ص ۹۵

افراد بھی ان کے پیچھے چلتے تو یہ تیس ہزار سوار ہوتے۔ ① یہ امیر المومنین حضرت علیؑ کے خاص صحابی تھے۔ ② انھوں نے جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں امیر المومنینؑ کے ساتھ شرکت کی۔ ③ جناب ہانی نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت اور صحبت کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر نوے سال سے کچھ زیادہ تھی۔ (الاصابۃ: ج ۳، ص ۶۱۶، قسم ۳)

حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کے ساتھ شریک بن عبداللہ الاعور الحارثی الھمدانی البصری ④ نے بھی حضرت ہانی بن عروہ کے گھر قیام کیا۔ شریک بن عبداللہ بصرہ میں امیر المومنینؑ کے نامی گرامی شیعوں میں سے تھے اور ہمارے علماء کے نزدیک انتہائی قدر و منزلت کے مالک ہیں۔ ⑤ انھوں نے جنگ صفین میں شرکت کی اور حضرت عمار بن یاسرؓ کے ہمرکاب ہو کر جنگ کی ⑥ آپ (شریک بن عبداللہ) کی عزت و شرف اور جاہ و حشم کی بنا پر عبیداللہ بن زیاد (ملعون) نے معاویہ کی طرف سے آپ کو کرمان کا گورنر نامزد کیا۔ ⑦ ان کا ہانی بن عروہ کے ساتھ خاص تعلق اور دوستی تھی۔ جب آپ سخت بیمار ہو گئے تو ابن زیاد ملعون نے اس بیماری کے دوران آپ کی تیمارداری کے لیے آنے کی اجازت طلب کی اور آپ نے اسے اپنی تیمارداری اور احوال پرسی کے لیے آنے کی اجازت دے دی۔

شریک بن عبداللہ نے حضرت مسلمؑ سے کہا: بتحقیق آپؑ اور آپؑ کے شیعوں کا مقصد ابن زیاد (ملعون) کو موت کے گھاٹ اُتارنا ہے۔ اس ہدف کی تکمیل کی خاطر آپؑ اس پردے کے پیچھے چلے جائیں اور جب وہ میرے پاس اطمینان سے بیٹھ جائے گا تو آپؑ وہاں سے نکل کر اس پر حملہ کرتے ہوئے اسے قتل کر دیں، میں کوفہ والوں کے سامنے بخیر و خوبی اس کے قتل سے آپ کو بری الذمہ قرار دلوا دوں گا۔

جب جناب مسلمؑ اور ان کے درمیان اس بات پر اتفاق ہو گیا تو اتنے میں شریک کو بتایا گیا کہ گورنر دروازے پر آیا ہے۔ پس! حضرت مسلمؑ پردے کے پیچھے چلے گئے اور عبیداللہ ابن زیاد شریک کے کمرے میں داخل ہوا۔ جب شریک نے

---

① مروج الذھب: ج ۲، ص ۸۹

② الاصابۃ: ج ۳، ص ۶۱۶، قسم ۳

③ ذخیرۃ الدارین: ص ۲۷۸، اور کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۱۰ پر مذکور ہے کہ آپ حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے۔

④ الاصابۃ: ج ۳، ص ۶۱۶، قسم ۳

⑤ ابن نما کی مثیر الاحزان: ص ۱۴

⑥ تاریخ طبری: ج ۶ ص ۲۰۳

⑦ النجوم الزاھرۃ: ج ۱، ص ۱۵۳، کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۲۰۶، الاغانی: ج ۱۷، ص ۶۰، ۶۳، ۷۰، مطبوعہ ساسی۔

یہ محسوس کیا کہ حضرت مسلمؑ باہر آنے میں دیر کر رہے ہیں تو اس نے اپنے سر سے عمامہ اُتار کر زمین پر رکھا اور پھر اسے اپنے سر پر پہن لیا۔ انھوں نے کئی مرتبہ اس عمل کو دہرایا اور پھر اُونچی آواز میں ندا دیتے ہوئے یہ اشعار پڑھنے لگے تا کہ حضرت مسلمؑ سن لیں:

ما تنظرون بسلمی لا تحیوها — حیوا سلیمی وحیوا من یحییها

هل شهبة عذبة أُسقی علی ظمأ — ولو تلفت وکانت منیتی فیها

و اِن تخشیت من سلمی مراقبه — فلست تامن یوماً من دواهیها

''تم سلمٰی کو مبارک بادی کیوں نہیں دیتے، تم اسے اور اس کے علاوہ جسے مبارک باد دینی چاہیے مبارک باد دو۔ کیا شیریں پانی کے ذریعے مجھے پیاس کی شدت میں سیراب کیا جائے گا اور اگر مجھے یہ پانی پلا دیا گیا تو میں راہیِ ملکِ عدن ہو جاؤں گا۔ اگر تمھیں اس بات کا ڈر ہے کہ سلمٰی کی نظریں تمھیں دیکھ رہی ہیں تو پھر تم کبھی اس کے مکروفریب اور چالاکی سے نہیں بچ سکتے''۔

اس نے کئی مرتبہ اس کا تکرار کیا اور اس کی آنکھیں اس پردے کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر شریک اس قدر آواز کو بلند کرتے ہوئے چلائے کہ حضرت مسلمؑ سن لیں:

اسقونیها ولو کان فیها حتفی۔

''اس کے ذریعے مجھے سیراب کرو اگرچہ اس سے میری موت بھی واقع ہوتی ہو''۔ [1]

یہ منظر دیکھ کر عبیداللہ ہانی کی طرف مڑا اور کہا: تمھارا چچازاد اپنی بیماری کی وجہ سے مخبوط الحواس ہو گیا ہے۔ تو ہانی نے جواب دیا: جب سے شریک بیمار ہوا ہے۔ عجیب عجیب باتیں کرتا رہتا ہے اور یہ وہ باتیں کرتا ہے جو اسے خود بھی معلوم نہیں ہوتی ہیں۔ (ابن نما کی مثیر الاحزان: ص ۱۴)

جب ابن زیاد (ملعون) چلا گیا تو شریک نے حضرت مسلمؑ سے پوچھا کہ آپؑ نے اسے قتل کیوں نہیں کیا؟

حضرت مسلمؑ نے کہا: اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ سے رسولؐ خدا کی حدیث منقول ہے:

---

[1] ریاض المصائب: ص ۶۰ اور تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۰۴ پر ہے کہ شریک نے کہا: ما تنظر بسلمی لاتحیوها اسقونیها ولو کان فیها حتفی یعنی ''تم سلمٰی کے متعلق کیا سوچ رہے ہو اور اسے مبارک باد کیوں نہیں دیتے؟ اس کے ذریعے مجھے سیراب کرو اگرچہ اس سے میری موت بھی واقع ہوتی ہو''۔

ان الایمان قید الفتك فلا یفتك مومن ①

"اسلام مخفیانہ قتل سے منع کرتا ہے اور مومن کسی کا مخفیانہ قتل نہیں کرتا"۔

دوسری وجہ: ہانی کی بیوی ہیں۔ انھوں نے مجھے خدا کا واسطہ دیتے ہوئے یہ التجا کی تھی کہ میں ان کے گھر میں ابن زیاد کو قتل نہ کروں اور وہ میرے سامنے رو رہی تھیں۔ یہ سن کر ہانی نے اپنی بیوی سے کہا: وائے ہو تجھ پر! تم نے مجھے اور خود کو قتل کردیا ہے، تم جس موت سے فرار اختیار کررہی ہو اسی موت کے گڑھے میں گر گئی ہو۔ ②

اس کے بعد شریک صرف تین دن زندہ رہا۔ پھر اس کی موت واقع ہوگئی اور اس کی نماز جنازہ ابن زیاد نے پڑھائی۔ ③

---

① کامل ابن اثیر ج ۴، ص ۱۱، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۰۴۔ اس حدیث کا حدیث کی مختلف کتابوں میں تکرار ملتا ہے۔ مسند احمد: ج ۱، ص ۱۶۶، منتخب کنز العمال کے حاشیہ پر ج ۱، ص ۵۷، سیوطی کی "الجامع الصغیر" ج ۴، ص ۱۲۳، کنوز الحقائق کے حاشیہ پر ج ۱، ص ۹۵، مستدرک الحاکم: ج ۴، ص ۵۲ سے مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۲۰۲ فصل ۱۰، مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۳۱۸، بحار الانوار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے معجزات کے بیان میں ج ۱۱، "وقائع الایام" میں الشہاب فی الحکم والاداب سے منقول ہے۔

② ابن نما کی مثیر الاحزان، ص ۱۴۔ یہ اس ہستی کا کلام ہے جو عالم اہل البیتؑ اور دینی و دنیاوی امور میں سید الشہداؑ کے خصوصی نمائندہ تھے اور اس کے ذریعے آئمہ معصومینؑ کی سیرت و فرامین کی پیروی کرنے والے لوگ قطعی طور پر رسولؐ اقدس کی شریعت سے مستفید ہوتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں دھوکا و فریب کی ممانعت ہے۔ بے شک پاک و پاکیزہ نفوس اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ مہمان کوئی ایسا کام کرے جس سے میزبان کو سختی کا سامنا کرنا پڑے اور یہ مقدس تعلیمات اُمت مسلمہ کے لیے ہیں اگر وہ ان میں غور و فکر کریں۔

اور ہاں! اس میں ایک اور دقیق راز اور حکمت پوشیدہ ہے جس میں "شہید المقصر" نے غور کیا ہے۔ ہم نے اس حوالے سے حضرت مسلمؑ کے چچا امیر المومنین حضرت علیؑ کے قول سے ایک منفرد جوہر کو کشف کیا ہے وہ یہ ہے: جب امیر المومنینؑ سے پوچھا گیا کہ اگر ابن ملجم آپ کا قاتل ہے تو آپؑ ابن ملجم کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ تو آپؑ نے جواب دیا: پھر مجھے کون قتل کرے گا؟ اور حضرت امام حسینؑ کا اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ سے فرمانا کہ اگر میں کربلا نہ جاؤں تو پھر مجھے کون شہید کرے گا! اور میری قبر میں کون آرام کرے گا! اور کس کے ذریعے ان کی آزمائش اور امتحان ہوگا؟! آئمہ کے ان اقوال کا مقصد یہ بتانا مقصود تھا کہ خدا کی حتمی تقدیر کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ ابن ملجم کے ہاتھوں امیر المومنینؑ کی شہادت اور یزید (ملعون) کے ہاتھوں امام حسینؑ کی شہادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی قضا کا اجرا و نفاذ کیا تھا۔ اگر امیر المومنینؑ اپنے خاص اصحاب جیسے میثم، حبیب، رشید اور کمیل کو ان کی شہادت کے طریقۂ کار اور قاتل سے آگاہ فرما سکتے ہیں تو پھر یہ زیادہ قریب ہے کہ سید الشہداؑ حضرت مسلمؑ ابن عقیل کو ان تمام حادثات و واقعات سے بھی حرف بہ حرف آگاہ فرما سکتے ہیں جو انھیں درپیش ہونے والے تھے کیونکہ ابن عقیل یقین اور بصیرت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے لیکن امامؑ کو حالات نے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ ان اسرار کا اظہار کرسکتے۔ بے شک! آل محمدؐ کے اسرار کو سمجھنا دشوار ہے اور انھوں نے اجمالی طور پر اس کا تذکرہ کیا۔ اس مفہوم کو سمجھنے کے لیے مولف کی کتاب "الشہید مسلم" ص ۱۳۴ کی طرف رجوع کریں۔ انھوں نے "مسلم لایغدر" (حضرت مسلمؑ دھوکہ و فریب نہیں دیتے) کے عنوان کے تحت اسے مفصل بیان کیا ہے۔

③ مقتل الحسینؑ: خوارزمی، ج ۱، ص ۲۰۲، فصل ۱۰، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۰۲

پھر اسے "ثالثویہ" ① میں دفن کردیا گیا۔ جب ابن زیاد کو یہ معلوم ہوا کہ شریک اس کے قتل کا خواہش مند تھا تو اس نے کہا: خدا کی قسم! میں آئندہ کسی عراقی کی نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا۔ اگر عراق میں زیاد کی قبر نہ ہوتی تو میں شریک کی قبر مسمار کروا دیتا۔ (تاریخ طبری: ج ۶ ص ۲۰۲)

شیعہ ابن زیاد (ملعون) سے چھپ چھپا کر حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کی خدمت میں ہانی کے گھر حاضر ہوتے اور مخفی طور پر ایک دوسرے کو وعظ و نصیحت اور تلقین کرتے۔ ابن زیاد (ملعون) کو یہ علم نہیں تھا کہ حضرت مسلم کہاں پر مقیم ہیں۔ یہ جاننے کے لیے اس نے اپنے غلام "معقل" کو بلایا اور اسے تین ہزار درہم دیتے ہوئے یہ حکم دیا کہ تم کوفہ کے شیعوں سے ملاقات کرو اور انھیں اپنا یہ تعارف کراؤ کہ میں شام کا رہنے والا ذوالکلاع کا غلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے رسولؐ کے اہل بیتؑ کی محبت کی نعمت سے نوازا ہے اور مجھے یہ علم ہوا ہے کہ اس شہر میں خاندانِ اہل بیتؑ کا ایک فرد تشریف لایا ہوا ہے جو لوگوں کو حضرت امام حسینؑ کی طرف بلا رہے ہیں۔ میرے پاس کچھ مال ہے جو میں ان سے ملاقات کرکے ان تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

معقل کوفہ کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو اس نے مسلمؒ ابن عوسجہ اسدیؒ کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ ان کے قریب ہوا اور انھیں اپنا (من گھڑت) قصہ سنایا۔ حضرت مسلم ابن عوسجہؒ نے اس کے لیے خدا سے بھلائی اور توفیقات خیر کی دعا کی۔ پھر وہ اسے حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کی خدمت میں لے گئے۔ اس نے جناب مسلم ابن عقیل علیہ السلام کو وہ تین ہزار درہم دیے اور آپؑ کی بیعت کی۔ (الاخبار الطوال: ص ۲۳۷)

حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ نے یہ مال ابوثمامہ الصائدی کے حوالے کردیا، یہ دُور اندیش، شجاع اور کوفہ کے نامی گرامی شیعوں میں سے تھے۔ حضرت مسلم ابن عقیلؑ نے انھیں اس کام پر مامور کیا تھا کہ میری خدمت میں جو مال پیش کیا جائے آپ اسے اپنے قبضہ میں لے کر اس سے اسلحہ خریدیں۔

حضرت ہانی کا موقف

جب ابن زیاد (ملعون) پر یہ امر واضح ہوگیا اور اسے معلوم ہوگیا کہ حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ ہانی بن عروہ کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں تو اس نے اسماء بن خارجہ، محمد بن اشعث اور عمرو بن حجاج کو بلایا اور ان سے ہانی کے متعلق دریافت کیا کہ وہ میرے پاس کیوں نہیں آتے؟ انھوں نے جواب دیا: وہ بیماری کی وجہ سے آپ کے پاس حاضر نہیں ہوتے۔ لیکن ابن زیاد (ملعون) اس جواب سے مطمئن نہ ہوا کیونکہ اس کو جاسوس یہ خبر دے چکے تھے کہ جناب مسلمؑ جناب ہانی کے گھر میں موجود ہیں اور جناب ہانی ہر شام کو اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوتے ہیں۔

① نجف اشرف کے قریب ایک ٹیلہ۔ (مترجم)

پھر یہ تینوں سوار ہو کر ہانی کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ سلطان سے ملو کیونکہ تم اس سے دوری اختیار کر کے نہیں رہ سکتے۔ جناب ہانی نے ان کے سامنے بہت زیادہ اصرار کیا لیکن مجبوراً انھیں ابن زیاد (ملعون) کے پاس جانا پڑا اور وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر ابن زیاد (ملعون) کے دربار کی طرف چل پڑے۔ جب ابن زیاد (ملعون) نے جناب ہانی کو دیکھا تو کہا: أتتك بخائن رجلاه "خائن کو خود اس کے قدم تمھارے پاس لے آئے"۔ ① پھر اس نے قاضی شریح کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

اريد حباءه و يريد قتلی
عذيرك من خليلك من مراد ②

"میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور یہ میرے قتل کا خواہش مند ہے۔ اب تمھارا دوست کیا عذر اور بہانہ تلاش کرے گا"۔

پھر وہ جناب ہانی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا: تم نے ابن عقیلؑ کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے اور اس کے لیے اسلحہ جمع کرتے رہے ہو، تو جناب ہانی نے اس کے سامنے یہ ماننے سے انکار کر دیا۔ جب بحث و تکرار حد سے بڑھ گئی تو ابن زیاد (ملعون) نے اپنے جاسوس معقل کو بلایا تو پھر ہانی سارا معاملہ سمجھ گئے کہ معقل نے اس تک یہ خبر پہنچائی ہے۔

---

① میدانی کی "مجمع الامثال" ج۱، ص ۱۹ پر مذکور ہے کہ یہ حارث بن حلیلہ الغسانی نے حرث بن عفیف العبدی پر قبضہ حاصل کرتے وقت کہا تھا جب کہ حرث نے اس کی ہجو بیان کی تھی۔

② "الاصابہ" ج۳، ص ۲۷۳ پر قیس بن المکشوح کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ یہ عمرو بن معدیکرب کے ابیات میں سے ایک بیت الشعر ہے۔ اس نے یہ بیت الشعر اپنے بھانجے کے متعلق کہا تھا جب کہ ان دونوں میں دوریاں تھیں۔ "الاغانی" ج۱۴، ص ۳۲ پر مذکور ہے کہ جب ابن ملجم امیرالمومنین حضرت علیؑ کی بیعت کے لیے آیا تو آپؑ نے اس شعر کے ذریعے اس کی مثال دی تھی۔ "تاریخ الیعقوبی" ج۳، ص ۹۷، مطبوعہ حیدریہ مطبوعہ نجف اشرف میں مذکور ہے کہ جب ابوالعباس السفاح کو معلوم ہوا کہ محمد بن عبداللہ مدینہ میں لشکر جمع کر کے اس سے لڑنے کے لیے اس کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے اپنے باپ عبداللہ کو ایک خط میں اس کے متعلق تحریر کیا اور اس نے یہ شعر لکھا:

اريد حباءه و يريد قتلی عذيرك من خليلك من مراد

عبداللہ نے خط کے جواب میں یہ اشعار تحریر کیے:

وكيف يريد ذاك وانت منه بمنزلة النياط من الفؤاد
وكيف يريد ذاك وانت منه وزندك حين يقدح من زنادی
وكيف يريد ذاك وانت منه وانت لهاشم رأس وهاد

"وہ یوں کیسے کر سکتا ہے جب کہ تمھاری اس سے وہی نسبت ہے جو دل کی رگوں کو دل سے ہوتی ہے۔ وہ یوں کیسے کر سکتا ہے جب کہ اس نے یہ طاقت بھی تمھارے بل بوتے پر حاصل کی ہے۔ وہ یوں کیسے کر سکتا ہے جب کہ تم ہاشمیوں کے سردار اور پیشوا ہو"۔

اس کے بعد ہانی نے ابن زیاد (ملعون) سے کہا: تمھارے باپ نے میرے ساتھ کافی اچھائیاں اور احسان کیے ہیں اور میں اسے اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں اور تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ میری نصیحت پر عمل کرو اور اپنے اہل وعیال اور مال کو لے کر بحفاظت شام کی طرف کوچ کر جاؤ؟ کیونکہ ہمارے پاس کوفہ کی حکمرانی کے لیے وہ شخص آیا ہے جو تجھ سے اور تیرے حاکم سے زیادہ اس کا حق دار ہے۔ (مروج الذھب: ج۲،ص ۸۸)

ابن زیاد (ملعون) نے یہ سن کر ہانی سے کہا: وتحت الرغوة اللبن الصریح "جھاگ کے نیچے خالص دودھ ہے"۔ (زمخشری "المستقصی": ج۱،ص ۱۵، حیدرآباد)

پھر اس نے مزید یہ کہا کہ میں تمھیں اس وقت تک یہاں سے نہیں جانے دوں گا جب تک تم مسلمؑ کو میرے حوالے نہ کردو گے۔

ہانی نے کہا: خدا کی قسم! اگر وہ میرے قدموں کے نیچے بھی چھپا ہوا ہوتا تو بھی میں کبھی اس سے اپنے قدم نہ ہٹاتا۔ یہ سن کر ابن زیاد (ملعون) کو ان پر غصہ آگیا اور انھیں قتل کی دھمکی دی۔ تو ہانی نے جواب دیا: اگر تم نے مجھے قتل کیا تو تمھارے اردگرد تلواریں ہی تلواریں ہوں گی۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ قبیلہ مراد کے جوان اسے ہرگز میرا قتل نہیں کرنے دیں گے۔ پھر ابن زیاد نے انھیں چوٹی سے پکڑ کر ان کا چہرہ اپنی تلوار پر مارا یہاں تک کہ ان کے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ان کے چہرے اور پیشانی کا گوشت ان کی داڑھی پر بکھر گیا اور اس (ملعون) نے انھیں اپنے پاس زبردستی قید کرلیا۔ (ابن نما کی "مثیر الاحزان")

جب عمرو بن حجاج تک یہ خبر پہنچی کہ ہانی کو قتل کردیا گیا ہے، (یاد رہے کہ) عمرو کی بہن ہانی کی بیوی تھی اور یحییٰ بن ہانی کی ماں تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد عمرو بن حجاج قبیلہ مذحج کے کئی افراد کو ہمراہ لے کر ابن زیاد (ملعون) کے محل کی طرف بڑھا اور اس کے محل کو گھیرے میں لے لیا۔ جب ابن زیاد (ملعون) کو پتا چلا تو اس نے قاضی شریح کو حکم دیا کہ وہ ہانی کے پاس جا کر اسے دیکھے اور پھر ان لوگوں کو بتائے کہ وہ زندہ ہے۔

قاضی شریح[1] کہتا ہے کہ جب ہانی نے مجھے دیکھا تو بلند آواز میں چیختے ہوئے کہا: اے مسلمانو! اگر دس افراد یہاں اندر آسکتے ہیں تو وہ آکر مجھے بچائیں۔ وہ کہتا ہے کہ اگر میرے ساتھ ابن زیاد (ملعون) کا سپاہی حمید بن ابی بکر الاحمری نہ ہوتا تو میں ہانی کے ساتھیوں تک اس کا پیغام پہنچاتا لیکن میں نے اس کا پیغام پہنچانے کے بجائے صرف اتنا کہا کہ ہانی زندہ

---

[1] خلیفہ بن عمرو اپنی کتاب "الطبقات" ج۱،ص ۳۳۰ پر رقم طراز ہے کہ قاضی شریح کے آباء و اجداد کا تعلق یمن سے تھا اور اس کا خاندان قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتا تھا اور وہ ۷۶ھ میں فوت ہوا۔ سہیل زکار نے "الطبقات" کے حاشیہ پر ج۱،ص ۱۹ پر بیان کیا ہے کہ یمن کی یہ اولاد اصل میں فرس (ایرانیوں) کے اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے کہ جو ایرانی یمن سے حبشیوں کو مار بھگانے کی خاطر سیف بن ذی یزن کی مدد کے لیے یمن آئے تھے اور ان لوگوں کا یمن میں ایک خاص گروہ تھا۔ ان کے باپ ایرانی، فارسی اور ان کی مائیں عربی تھیں۔

ہیں۔ یہ سن کر عمرو بن حجاج نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنی قوم کے دیگر افراد کے ساتھ واپس چلا گیا۔ ①

حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کا قیام

جب حضرت مسلم ابن عقیلؑ کو جناب ہانی کی قید اور ظلم و تشدد کی خبر موصول ہوئی تو آپؑ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں انھیں دھوکے سے قتل نہ کر دیا جائے اس لیے آپؑ نے قیام کرنے میں جلدی کی تا کہ ان لوگوں کے ساتھ جو بیعت کا تعلق قائم ہوا تھا اس کو آزمایا جائے۔ آپؑ نے عبداللہ بن حازم کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو صدا دے۔ جب لوگوں نے آپؑ کے حکم پر لبیک کہا تو آپؑ کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگ گئی اور چار ہزار افراد آپؑ کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ یہ نعرہ بلند کر رہے تھے جو جنگ بدر کے دن مسلمانوں کا نعرہ تھا: "یا منصور امت"۔

پھر حضرت مسلم ابن عقیلؑ نے قبیلہ کندہ اور ربیعہ کے چوتھائی افراد پر عبیداللہ بن عمرو بن عزیز الکندی کو کمانڈر بنا کر یہ حکم دیا کہ "تم لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر میرے آگے چلو"۔ حضرت مسلم ابن عوسجہ اسدی کو قبیلہ مذحج اور اسد کے چوتھائی افراد پر کمانڈر بنا کر یہ حکم دیا کہ آپ پیادہ افراد کے ساتھ چلیں۔ ابوثمامہ صائدی کو قبیلہ تمیم اور ہمدان کے چوتھائی اور عباس بن جعدہ کو شہر کے چوتھائی پر کمانڈر بنایا۔ یہ تمام لوگ ابن زیاد کے محل کی جانب بڑھے۔ ابن زیاد (ملعون) محل کے اندر گھس گیا اور محل کے دروازے بند کر دیے کیوں کہ وہ ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اس کے باوجود کہ اس وقت اس کے ہمراہ تیس سپاہی اور کوفہ کے سرداروں اور اس کے غلاموں میں سے بیس افراد تھے۔ لیکن کوفہ کے لوگوں نے جب دو رخی کا مظاہرہ کیا اور جن لوگوں کی فطرت میں دغا و فریب تھا انھوں نے جناب مسلمؑ کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا تو چار ہزار افراد میں سے صرف تین سو باقی بچے۔ (تاریخ طبری: ج ٦، ص ٢٠٧)

احنف بن قیس نے کوفیوں کی مثال اس بدکردار عورت سے دی ہے جو ہر دن اپنا شوہر بدلنا چاہتی ہے۔ ②

جب ابن زیاد (ملعون) نے اپنے محل سے چلاتے ہوئے یہ کہا: "اے کوفہ والو! خدا سے ڈرو اور اپنی جانوں کو شامیوں کے گھوڑوں کے سموں تلے روندنے کے لیے پیش نہ کرو حالانکہ تم پہلے شامیوں کی بہادری کا مزہ چکھ چکے ہو اور تم انھیں آزما چکے ہو"۔

یہ سن کر وہ تین سو افراد بھی منتشر ہو گئے یہاں تک کہ ایک شخص آتا اور وہ اپنے رشتہ داروں میں سے بیٹے، بھائی یا

---

① تاریخ طبری، ج ٦، ص ٢٠٦۔ ابن نما اور ابن طاؤس کے نزدیک ہانی کی زوجہ کا نام رویحہ بنت عمرو بن حجاج تھا۔

② "انساب الاشراف" ج ٥، ص ٣٣٨، اور "الاغانی" ج ١٧، ص ١٩٢ پر مذکور ہے کہ ابراہیم بن مالک اشتر نے کوفیوں کی مصعب کے سامنے یہی صفت بیان کی تھی جب مصعب نے ابراہیم سے کہا کہ وہ وہاں سے اس کے لیے فوج جمع کرے۔

چچازاد کا ہاتھ پکڑتا اور اسے کہتا کہ واپس گھر چلو اور ایک عورت اپنے شوہر کے پاس آتی اور اس وقت تک اس کی جان نہ چھوڑتی جب تک وہ اس کے ساتھ واپس اپنے گھر نہ پلٹ جاتا۔ (تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۰۸)

حضرت مسلم ابن عقیلؑ نے جب عشاء کی نماز مسجد میں ادا کی تو ان کے ساتھ تیس افراد تھے اور جب نماز پڑھ کر باب کندہ کی طرف چل پڑے [1] تو ان کے ہمراہ صرف تین افراد تھے اور ابھی تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ حضرت مسلمؑ تنہا رہ گئے اور انھیں کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جو ان کی راستے کے متعلق رہنمائی کرسکتا۔ [2] پھر حضرت مسلمؑ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور محتاط انداز میں کوفہ کی گلیوں میں چلنے لگے اور انھیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرف کو جائیں۔ (الملہوف: ص ۲۹)

جب سب لوگ حضرت مسلمؑ کا ساتھ چھوڑ گئے اور شور ختم ہوگیا اور ابن زیاد (ملعون) نے مردوں کی آواز نہ سُنی تو اس نے محل میں اپنے ہمراہ موجود سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے سائبانوں کی تلاشی لیں اور دیکھیں کہ وہاں پر کوئی شخص گھات لگائے تو نہیں بیٹھا ہے؟

سپاہیوں نے چراغوں کو رہنمائی کے لیے اُٹھایا اور لکڑیوں میں آگ روشن کردی، پھر رسیوں کے ذریعے جامع مسجد کے صحن میں اُتر آئے لیکن انھوں نے وہاں پر کسی شخص کو نہیں دیکھا، اس کے بعد ابن زیاد (ملعون) کو اطلاع دی۔ اس نے اپنے اعلان کرنے والے افراد کو یہ حکم دیا کہ شہر میں اعلان کردو کہ تمام لوگ مسجد میں جمع ہوجائیں۔ جب مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی تو ابن زیاد (ملعون) منبر پر بیٹھ گیا اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> ''تم سب لوگ جانتے ہو کہ اس اختلاف اور انتشار کا سبب ابن عقیلؑ ہے، اس لیے ہمیں جس شخص کے گھر سے وہ مل گیا تو اس پناہ دینے والے کی جان کا مَیں ذمہ دار نہیں ہوں۔ اور جو شخص اسے پکڑ کر میرے پاس لے آئے گا اسے اس کا خون بہا دیا جائے گا۔ اے بندگانِ خدا! خدا سے ڈرو اور اپنی اطاعت اور بیعت کے عہد و پیمان پر کاربند رہو اور خود اپنے لیے مشکلات پیدا نہ کرو''۔

پھر ابن زیاد (ملعون) نے کوفہ شہر کے داروغہ حصین بن تمیم کو یہ حکم دیا کہ وہ تمام گھروں اور راستوں کی تلاشی لے اور اسے یہ تنبیہ بھی کی کہ اگر مسلمؑ فرار ہورہا ہو اور کوفہ سے باہر جانے کی کوشش کررہا ہو تو تم اسے قتل کردینا۔ (تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۰۹-۲۱۰)

حصین نے گلیوں کے چوراہوں پر اپنے سپاہی متعین کردیے، اور اس کے بعد کوفہ کے جن معززین نے حضرت مسلمؑ کا قیام میں ساتھ دیا تھا ان کی تلاش شروع کردی اور عبدالاعلیٰ بن یزید الکلبی اور عمارہ بن صلخب الازدی کو گرفتار کرکے جیل

---

[1] الاخبار الطوال: ص ۲۴۰

[2] شریشی کی ''شرح مقامات الحریری'' ج ۱،ص ۱۹۲ میں دسویں مقام کے آخر میں۔

بھیج دیا، پھر انھیں قتل کر دیا۔ کوفہ کے معززین کے ایک گروہ کو جیل میں بند کر دیا تا کہ وہ حکومت کے خلاف کوئی اقدام نہ اُٹھائیں۔ ان میں اصبغ بن نباتہ اور حارث الاعور الہمدانی بھی شامل تھے۔ ①

جب حضرت مسلم ابن عقیلؑ نے ابن زیاد (ملعون) کی ظالم حکومت کے خلاف قیام کیا تو اس وقت حضرت مختارؓ کوفہ میں موجود نہیں تھے بلکہ وہ ایک گاؤں "خطوانیہ" ② میں مقیم تھے۔ حضرت مختارؓ اپنے دوستوں اور مددگاروں کے ساتھ سبز پرچم اُٹھائے ہوئے اور عبداللہ بن حارث سرخ پرچم اُٹھائے ہوئے کوفہ میں آئے۔ حضرت مختارؓ نے اپنا پرچم عمرو بن حریث کے دروازے پر نصب کر دیا اور کہا: میں عمرو کو اس کام سے روکنا چاہتا ہوں۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۱۵)

اس کے بعد ان دونوں کو یہ بتایا گیا کہ مسلمؑ اور ہانیؓ کو قتل کر دیا گیا ہے اور اب تم عمرو بن حریث کی امان کے پرچم تلے آجاؤ لہٰذا ان دونوں نے ایسے ہی کیا۔ ابن حریث نے ان دونوں سے یہ گواہی لی کہ وہ آئندہ ابن عقیلؑ سے اجتناب کریں گے۔ پھر ابن زیاد (ملعون) نے ان دونوں کو جیل میں بند کرنے کا حکم دے دیا لیکن اس نے حضرت مختارؓ کو جیل میں بند کرنے سے پہلے گالی گلوچ کرتے ہوئے ان کی توہین کی اور اپنی چھڑی ان کے چہرہ پر اس قدر زور سے ماری کہ ان کی آنکھ پھوڑ دی۔ ③ یہ دونوں جیل میں ہی قید رہے یہاں تک کہ اسی دوران حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہوگئی۔ (انساب الاشراف: ج ۵، ص ۲۱۵)

ابن زیاد (ملعون) نے محمد ابن اشعث ④، شبیث ابن ربعی، قعقاع بن شور الذہلی ⑤، حجار بن ابجر ⑥، شمر بن ذی الجوشن (لعین) اور عمرو بن حریث کو حکم دیا کہ وہ امان کے پرچم بلند کریں اور اس طرح کوفہ والوں کو ابن عقیلؑ کی مدد سے روک کر دھوکا دیں۔ (تاریخ کامل: ابن اثیر، ج ۴، ص ۱۲)

---

① طبقات ابن سعد: ج ۶، ص ۱۶۹، مطبوعہ صادر میں مذکور ہے کہ حارث الاعور کی وفات عبداللہ ابن زبیر کے دورِ خلافت میں کوفہ میں ہوئی۔ اس وقت کوفہ کا گورنر عبداللہ بن یزید الانصاری الخطمی تھا، اس نے حارث کی وصیت کے مطابق اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

② بلاذری "انساب الاشراف" ج ۵، ص ۲۱۴، اور "معجم البلدان" ج ۳، ص ۴۴۹ پر ہے کہ یہ عراق کے شہر بابل کے پاس واقع ہے۔

③ ابن قتیبہ "المعارف": ج ۲، ص ۵۵۳، باب ذوی العاھات اور ابن حبیب "المحبر" ص ۳۰۳ پر رقم طراز ہیں کہ عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) نے حضرت مختارؓ کے چہرہ پر تازیانہ مارا تھا جس کی وجہ سے ان کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔

④ خلیفہ کی "الطبقات" ج ۱، ص ۳۳۱ پر مذکور ہے کہ محمد ابن اشعث کی ماں ابوقحافہ کی بیٹی اُم فروہ تھی۔ یہ حضرت مختارؓ کے دورِ حکومت میں مصعب کے ساتھ ۶۷ھ میں قتل ہوا۔ "الجرح والتعدیل" ج ۳، ص ۲۰۶، ج ۳ پر بھی یہی مذکور ہے۔

⑤ خلیفہ کی "الطبقات" ج ۱، ص ۳۲۸ پر اس کا پورا نام و نسب یوں مذکور ہے: قعقاع بن شور بن نعمان بن اخطل بن حارثہ بن عباد بن امرء القیس بن عمرو بن شیبان بن ذہل۔ یہ کوفہ کا رہائشی تھا۔ (الجرح والتعدیل: ج ۳، ص ۱۳۷، جز ۲)

⑥ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۸۴ پر تحریر ہے کہ ابجر عیسائی تھا۔ اس کی ۴۰ھ میں وفات ہوئی تھی۔

جن لوگوں پر وحشت اور خوف کا غلبہ تھا اور جو اپنی دنیاوی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے نکلے تھے لیکن وہ پوری نہ ہوسکیں، ایسے لوگوں نے ان امان کے پرچموں تلے پناہ لے لی۔ مگر جن لوگوں کے ضمیر پاک و طاہر تھے وہ روپوش ہوگئے اور اس مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے کہ جب تک باطل کے قلعوں پر حملہ کر کے انھیں نیست و نابود کرسکیں۔

حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ قبیلہ کندہ کے بنوجبلہ کے گھروں تک چلتے ہوئے پہنچے تو وہاں پر ایک عورت کے گھر کے دروازے کے باہر رُک گئے۔ اس عورت کا نام طوعہ تھا۔ یہ اشعث ابن قیس کی کنیز تھی۔ پھر اس نے اسے آزاد کردیا اور اس نے اسید الحضرمی سے شادی کرلی۔ اس سے اس کا ایک بیٹا ہوا جس کا نام بلال تھا۔ اس وقت یہ لڑکا گھر سے باہر لوگوں کے ساتھ تھا اور اس کی ماں دروازے پر کھڑی اس کا انتظار کررہی تھی۔

حضرت مسلمؑ نے اس عورت سے پینے کے لیے پانی مانگا تو طوعہ نے انھیں سیراب کیا۔ جناب مسلمؑ نے اس سے پوچھا: کیا آپ مجھے اپنے گھر میں ٹھہرا سکتی ہیں؟ آپؑ نے طوعہ کو اپنا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ میرا اس شہر میں کوئی رشتہ دار اور عزیز و اقارب نہیں رہتا۔ میں رسولِ خدا کے خاندان میں سے ہوں جو قیامت کے دن شفاعت کریں گے اور میرا نام مسلمؑ ابن عقیلؑ ہے۔

یہ سننے کے بعد طوعہ انھیں اپنے گھر میں لے گئی اور اس کمرے میں ٹھہرایا جہاں پر اس کا بیٹا آتا جاتا نہیں تھا۔ اس نے حضرت مسلمؑ کو کھانا پیش کیا لیکن انھوں نے قبول نہ کیا۔ جب اس کا بیٹا گھر واپس آیا تو اس نے یہ محسوس کیا کہ اس کی ماں اس مخصوص کمرے میں بہت زیادہ آجارہی ہے تو اس نے اس کے متعلق پوچھا لیکن اس کی ماں نے اس وقت اسے کوئی بات نہ بتائی جب تک اس نے قسم اُٹھا کر یہ نہ کہا کہ میں اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اس کے باوجود صبح کے وقت طوعہ کے بیٹے نے ابن زیاد (ملعون) کو خبر دے دی کہ (حضرت) مسلمؑ میرے گھر میں چھپے ہوئے ہیں تو اس نے اشعث ابن قیس کو قبیلہ بنوقیس کے ستّر افراد کے ساتھ روانہ کیا تا کہ وہ حضرت مسلمؑ کو گرفتار کرسکیں۔ جب حضرت مسلمؑ نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنیں تو انھیں معلوم ہوگیا کہ ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں کو میری خبر کردی گئی ہے اور وہ میری جانب آرہے ہیں۔ (ابوالفرج "المقاتل"، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۱۰، مقتل الخوارزمی: ج ۶ ص ۲۰۸، فصل ۱۰)

آپؑ اس وقت نمازِ فجر کے بعد تعقیبات اور دعاؤں میں مشغول تھے۔ آپؑ نے جلدی سے دعا ختم کی اور اپنی زرہ زیبِ تن کی اور طوعہ سے کہا: "تم نے نیکی اور بھلائی کا حق ادا کردیا ہے، رسولِ خدا تمھاری بروزِ قیامت شفاعت فرمائیں گے۔ میں نے گذشتہ رات اپنے چچا امیرالمومنین حضرت علیؑ کو خواب میں دیکھا ہے اور وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ تم کل میرے پاس آرہے ہو۔ (نفس المہموم: ص ۵۶)

حضرت مسلم ابن عقیلؑ اپنی تلوار لہراتے ہوئے ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں کی طرف بڑھے تو ان سپاہیوں نے

ان پر گھر کے اندر حملہ کرتے ہوئے دھاوا بول دیا لیکن حضرت مسلمؑ نے ان سب کو مار بھگایا۔ ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں نے دوبارہ حملہ کیا تو آپؑ نے پھر انھیں پسپا کر دیا۔ اس وقت حضرت مسلمؑ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

هو الموت فاصنع ويك ما انت صانع فأنت بكأس الموت لاشك جارع

فصبراً لأمر الله جلَّ جلاله فحكم قضاء الله في الخلق ذايع

"یہ صرف موت ہی ہے اور تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو بے شک! تم کو ہر صورت میں موت کے پیالہ سے پینا ہوگا۔ میں اللہ جل جلالہ کے فیصلہ پر صبر کروں گا اور خدا کا فیصلہ ہمیشہ اس کی مخلوق میں نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اس بات سے ہر کوئی واقف ہے"۔

حضرت مسلمؑ نے ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں میں سے اکتالیس کو واصلِ جہنم کر دیا (مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۱۲)۔ حضرت مسلمؑ اس قدر طاقت ور تھے کہ آپؑ ایک مرد کو پکڑ کر اٹھاتے اور اُسے اُچھال کر گھر کی چھت پر پھینک دیتے۔ (نفس المہموم: ص ۵۷)

ابن اشعث (ملعون) نے ابن زیاد (ملعون) کے پاس ایک قاصد بھیجا جس نے اس سے مزید فوج کے ذریعے مدد طلب کی تو ابن زیاد (ملعون) نے اس کو خط میں ملامت اور لعن طعن کی۔ اس کے جواب میں ابن اشعث نے اسے یہ پیغام بھجوایا: "کیا تُو یہ گمان کرتا ہے کہ تُو نے مجھے کوفہ کے کسی سبزی فروش یا حیرہ کے جرامقہ میں سے کسی جرمقانی ① کی گرفتاری کے لیے بھیجا ہے؟! تُو نے مجھے محمد بن عبداللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا ہے"۔ پھر اس نے مزید سپاہی بھیجے۔

جب لڑائی شدت اختیار کر گئی تو حضرت مسلمؑ اور بکیر بن حمران الاحمری نے ایک دوسرے پر تلوار سے وار کیے۔ بکیر نے حضرت مسلمؑ پر وار کیا جس سے آپؑ کا اُوپر والا ہونٹ کٹ گیا اور نیچے والا زخمی ہو گیا اور آپؑ کے دو دانت بھی شہید ہو گئے۔ پھر حضرت مسلمؑ نے ایک وار بکیر کے سر پر کیا اور دوسرا اس کے کندھے پر کیا جس نے تقریباً اس کے پیٹ کو چیر کر رکھ دیا اور وہ واصلِ جہنم ہو گیا۔

پھر ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں نے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر حضرت مسلمؑ پر پتھر پھینکنا شروع کر دیے اور وہ

---

① "الصحاح" میں ہے کہ جرامقہ ایک عجمی قوم ہے جو موصل میں آ کر آباد ہوئی اور "القاموس" میں مزید یہ لکھا ہے کہ یہ قوم اسلام کے ابتدائی ایام میں یہاں آباد ہوئی اور اس کا واحد "جرمقانی" ہے۔ "تاج العروس" میں ہے کہ یہ خاص اسم کے مانند ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ شام کے جرامقہ وہاں کے سنطی ہیں اور اس کا واحد جرمقانی ہے۔ ابن درید کی "جمہرۃ" ج ۳، ص ۳۲۴ پر ہے کہ جرمق عجمی لفظ ہے اور یہ لوگوں میں سے صاحبانِ علم کو کہا جاتا ہے۔

بانسریوں کے گٹھوں میں آگ روشن کر کے ان کی طرف پھینک رہے تھے کیونکہ ابن زیاد کے سپاہیوں کے لیے گلی میں ان سے لڑائی کرنا سخت دشوار تھا۔۔۔ حضرت مسلمؑ اس وقت حمران بن مالک کے یہ اشعار [1] رجز کے طور پر پڑھ رہے تھے:

اقسمت لا اقتل الا حراً	وان رأیت الموت شیئًا نکرا
کل امرئ یوماً ملاق شراً	ویخلط البارد سخناً مرا
رد شعاع النفس فاستقرا	اخاف ان اکذب او اغرا

"میں نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ میں ایک آزاد مرد کی طرح شہید ہوں گا اور میں نے یہ دیکھا ہے کہ موت کے آنے کو کوئی نہیں روک سکتا۔ ہر شخص کو ایک دن شر کا سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر گرم اور ٹھنڈا سب مخلوط ہو جاتا ہے۔ نفس و روح کی کرن واپس لوٹ آئی اور یہ اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہے۔ مجھے صرف اس بات کا خدشہ ہے کہ مجھ سے جھوٹ بولا جائے گا یا مجھے دھوکا اور فریب دیا جائے گا"۔

---

[1] ابن طاؤس نے "اللھوف" ص ۳۰، اور ابن نما نے "مثیر الاحزان" میں ان اشعار کو ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے اس کی پانچویں سطر کو ذکر نہیں کیا اور اسے "یوم القرم" (جنگ قرم) کا نام دیا۔ خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ" ج ۱، ص ۲۰۹، فصل ۱۰ میں اس کی دو مزید سطروں کو بیان کیا ہے لیکن اس کے شاعر کا ذکر نہیں کیا۔ ابن شہر آشوب نے "المناقب" ج ۲، ص ۲۱۲، مطبوعہ ایران میں اس کی چھے سطریں بیان کی ہیں۔

جن مورخین نے زمانہ جاہلیت کی جنگوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی اس جنگ کا ذکر نہیں کیا۔ ہاں! "معجم البلدان" ج ۷، ص ۶۴ اور بکری کی "المعجم وما استعجم" ج ۳، ص ۱۰۶۲، "تاج العروس" ج ۱، ص ۴۱۰ میں مرقوم ہے کہ "قرن" ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں ایک جنگ ہوئی تھی جس میں بنو عامر کو شکست ہوئی۔ قلقشندی کی "نہایۃ الادب" ص ۳۲۱ پر ہے کہ بنو قرن قبیلہ مراد کی ایک شاخ کے، اسی قبیلہ میں سے حضرت اویس قرنی تھے لیکن یہ تمام اقوال مکمل طور پر صحیح حقیقت کی طرف رہنمائی نہیں کرتے ہیں۔ ہاں! علم الانساب کے ماہر محمد بن حبیب نے "رسالۃ المغتالین" ص ۲۴۵، جو عبدالسلام ہارون کی تحقیق نوادر المخطوطات کے ساتویں مجموعہ میں مندرج ہے، اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ قبیلۂ خثعم نے ذوالجوشن الکلابی کے بھائی صمیل کو قتل کر دیا جس کے جواب میں ذوالجوشن الکلابی نے قبیلۂ خثعم پر مسلح ہو کر حملہ کر دیا اور عیینہ بن حصن نے مال غنیمت کے حصول کے لالچ میں قبیلۂ خثعم خلاف ذوالجوشن الکلابی کا ساتھ دیا۔ انھوں نے جبل فزر کے پاس قبیلہ خثعم کو جالیا اور ان کے کئی افراد قتل کرنے کے بعد مال غنیمت حاصل کیا۔ حمران بن مالک بن عبدالملک الخثعمی سے اس پہاڑ کے پاس لڑائی ہوئی اور اسے ہتھیار پھینک کر گرفتاری دینے کا حکم دیا گیا۔ اس وقت وہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

اقسمت لا اقتل الا حراً	انی رایت الموت شیئًا نکرا
اکرہ ان اخدع او اُغزا	

پھر اسے قتل کر دیا گیا اور اس کی بہن نے اس کی موت پر یہ مرثیہ کہا:

ویل حمران اخا مظنہ	اوفی علی الخیر ولم یمنہ
والطاعن النجلاء مرثعنہ	عاندھا مثل وکیف الشنہ

آپؑ کے جسم پر بہت زیادہ زخم لگ چکے تھے اور مسلسل خون بہہ رہا تھا اس لیے آپؑ نے ایک گھر کی دیوار کا سہارا لیا اور انھوں نے آپؑ پر تیروں اور پتھروں سے حملہ کردیا۔ حضرت مسلمؑ نے پوچھا: تم مجھے کیوں پتھر مار رہے ہو؟ تم تو مجھے یوں پتھر مار رہے ہو جیسے کافروں کو مارتے ہیں حالانکہ میں نیک وکار انبیاءؑ کے خاندان کا ایک فرد ہوں۔ کیا تم لوگ رسولؐ خدا کی عترت اور اولاد کے حق کا خیال بھی نہیں رکھتے ہو؟!

ابن اشعث (ملعون) نے کہا: تم خود کو قتل نہ کرو، تم میری امان اور حفاظت میں ہو۔

حضرت مسلمؑ نے کہا: کیا پھر میں اس وقت تک قیدی بن کر رہوں گا جب تک میرے جسم میں طاقت و جان ہے؟ نہیں، خدا کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ پھر آپؑ نے ابن اشعث (ملعون) پر حملہ کر دیا تو آپؑ سے دُور بھاگ گیا۔ پھر ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں نے آپؑ پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا جب کہ حضرت مسلمؑ پر پیاس کا شدید غلبہ تھا۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے آپؑ کو پیچھے سے نیزہ مارا اور آپؑ زمین پر گر پڑے۔ پھر آپؑ کو گرفتار کرلیا گیا۔ (مناقب ابن شہرآشوب: ج۲، ص ۲۱۲، مقتل الخوارزمی: ج۱ ص ۲۰۹--۲۱۰)

دوسری روایت کے مطابق انھوں نے آپؑ کے لیے ایک گڑھا کھودا اور پھر اسے چھپا دیا اور آپؑ کو لڑائی کے دوران اس گڑھے کی طرف دھکیلا یہاں تک کہ جب آپ اس گڑھے میں گر گئے تو انھوں نے آپؑ کو گرفتار کرلیا۔ [1]

جب حضرت مسلمؑ سے ان کی تلوار چھین لی گئی تو ان کی آنکھوں سے اشک برس رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر عمرو بن عبیداللہ السلمی کو بہت تعجب ہوا۔

حضرت مسلم ابنِ عقیل علیہ السلام ابن زیاد (ملعون) کے دربار میں

حضرت مسلمؑ کو گرفتار کر کے ابن زیاد (ملعون) کے دربار میں لایا گیا۔ آپؑ نے محل کے دروازے پر ٹھنڈے پانی کا مٹکا دیکھا تو کہا: مجھے پانی پلا دو؟ مسلم بن عمرو الباھلی [2] نے آپؑ سے کہا کہ تم اس پانی سے ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتے، یہاں تک کہ تم جہنم کی آگ سے کھولتا ہوا پانی پیو گے۔ (العیاذ باللہ)

حضرت مسلمؑ نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟

اس نے جواب دیا: میں وہ شخص ہوں جس نے حق کو پہچانا جب کہ تم نے اس کا انکار کیا۔ میں نے امام (یزید لعین)

---

[1] "المنتخب"، طریحی، ص ۲۹۹ (المطبعۃ الحیدریۃ، نجف اشرف) شب عاشور کے بیان میں۔

[2] "تاریخ کامل" ابن اثیر، ج ۴، ص ۱۲۶، حوادث ۷۱ھ کے تحت مذکور ہے کہ مسلم ابن عمرو الباھلی قتیبہ کا باپ تھا۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۱۸۵ (پہلا ایڈیشن) ۷۱ھ کے واقعات میں مذکور ہے کہ مسلم ابن عمرو باھلی (کیتھولک کی خانقاہ) میں قتل ہوا۔ جب مصعب ابن زبیر کی عبدالملک کی فوج سے مڈبھیڑ ہوئی تو اس وقت یہ مصعب کا ساتھ دے رہا تھا۔

کی نصیحت پر عمل کیا جب کہ تم نے اسے دھوکا دیا۔

یہ سن کر حضرت مسلمؑ نے کہا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، تم کس قدر سنگ دل اور تند خو (بدمزاج) آدمی ہو۔ اے باہلہ کے بچے! تم جہنم کے کھولتے ہوئے پانی کے زیادہ حق دار ہو۔

پھر حضرت مسلمؑ محل کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ (''الارشاد''، شیخ مفیدؒ)

عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط نے اپنے غلام کو پانی لانے کے لیے بھیجا جس کا نام قیس [1] تھا، وہ حضرت مسلمؑ کے لیے پانی لے آیا۔ جب حضرت مسلمؑ نے پانی پینا چاہا تو کوزہ خون سے بھر گیا۔ جب آپؑ نے تیسری دفعہ پانی پینے کا ارادہ کیا تو وہ برتن بھی خون سے بھر گیا اور آپؑ کے سامنے والے دو دانت ٹوٹ کر اس میں گر گئے تو آپؑ نے یہ کہتے ہوئے کوزہ رکھ دیا کہ اگر میری قسمت میں یہ پانی ہوتا تو میں اسے ضرور پی لیتا۔

ابن زیاد (ملعون) کا غلام باہر آیا اور وہ حضرت مسلمؑ کو ابن زیاد (ملعون) کے پاس دربار میں لے گیا۔ ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں نے جناب مسلمؑ سے کہا: کیا تم امیر کو سلام نہیں کرو گے؟

حضرت مسلمؑ نے جواب دیا: زبان بند کرو یہ میرا امیر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ (اللھوف: ص ۳۰، تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۱۲)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت مسلمؑ نے کہا:

السلام علی من اتبع الھدیٰ وخشی عواقب الردی واطاع الملك الاعلیٰ

یعنی ''میرا سلام ہو جس نے راہِ ہدایت کی پیروی کی اور بُرے انجام سے ڈرایا اور سب سے بلند و برتر بادشاہ (اللہ عزوجل) کی اطاعت کی''۔

یہ سن کر ابن زیاد (ملعون) ہنسا اور کہا: تم مجھے سلام کرو یا نہ کرو تمھیں قتل تو ہونا ہی ہے۔ (المنتخب: ص ۳۰۰)

حضرت مسلمؑ نے کہا: اگر تُو نے مجھے شہید کر دیا تو کیا ہوگا جب کہ اس سے پہلے وہ لوگ جو تم سے زیادہ شریر اور بُرے تھے، انھوں نے ان لوگوں کو شہید کیا جو مجھ سے زیادہ نیکوکار اور بہتر تھے لیکن تم بدبختی، بُری آفت، دل کی ناپاکی ومنافقت اور کامیابی کے وہم کے نشے میں سب سے بڑے جنایت کار ہو۔

ابن زیاد (ملعون) نے کہا: تم نے اپنے امام و پیشوا (یزید لعین) کے خلاف خروج کیا ہے اور مسلمانوں کے اتحاد کو انتشار میں بدلا اور فتنہ و فساد کھڑا کیا ہے۔

یہ سن کر حضرت مسلمؑ نے فرمایا: تُو نے جھوٹ بولا ہے۔ مسلمانوں میں انتشار یزید (لعین) کے باپ اور یزید (لعین)

---

[1] تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۱۲، شیخ مفید کے مطابق عمرو ابن حریث نے اپنے غلام سلیمان کو بھیجا۔ وہ حضرت مسلمؑ کے لیے پانی لایا۔

نے پیدا کیا اور ان میں فتنہ تیرے باپ نے کھڑا کیا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مخلوق میں سے بدترین شخص کے ہاتھوں شہادت عطا کرے گا۔ (مثیر الاحزان: ص ۱۷، مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۲۱۱، فصل ۱۰)

پھر حضرت مسلمؑ نے یہ اجازت طلب کی کہ وہ اپنی قوم کے کسی فرد کو وصیت کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپؑ کو وصیت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ آپؑ نے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں پر نظر کی تو آپؑ کو عمر بن سعد نظر آیا۔

آپؑ نے اس سے کہا: میرے اور تمھارے درمیان رشتہ داری ہے اس لیے مجھے تم سے ایک حاجت ہے لہٰذا میری اس حاجت کو ضرور پورا کرنا جو کہ ایک راز ہے۔

عمر بن سعد (لعین) نے تنہائی میں آپؑ کی وصیت کو سننے سے انکار کردیا تو ابن زیاد (ملعون) نے اس سے کہا: تم اپنے چچازاد کی وصیت کو سنو اور اسے اس کام سے ہرگز منع نہ کرو۔

پھر عمر بن سعد (لعین) حضرت مسلمؑ کے ساتھ دربار کے اندر ایک طرف ہوکر کھڑا ہوگیا جہاں پر ابن زیاد (لعین) انھیں دیکھ سکتا تھا۔ حضرت مسلمؑ نے اسے وصیت کی کہ تم میری تلوار اور زرہ کو بیچ کر میرا وہ قرض ادا کردینا جو میں نے کوفہ میں ایک شخص سے لیا تھا اور یہ قرض ۶۰۰ درہم بنتا ہے [1] میری شہادت کے بعد میرا جسد ابن زیاد (لعین) سے لے کر دفن کردینا، اور حضرت امام حسینؑ کو میرا تمام حال لکھ کر آگاہ کردینا کہ اب وہ کوفہ تشریف نہ لائیں۔

پھر عمر ابن سعد (لعین) وہاں سے ابن زیاد (لعین) کے پاس آیا تو اس نے وہ تمام راز فاش کردیا جو حضرت مسلمؑ نے اسے وصیت کے طور پر بتایا تھا۔

یہ سن کر ابن زیاد (لعین) نے کہا: لا یخونک الامین ولکن قد یؤتمن الخائن ''امین شخص تم سے کبھی خیانت نہیں کرتا اور کبھی خائن شخص کو امین سمجھ لیا جاتا ہے۔ [2]

پھر ابن زیاد حضرت مسلمؑ کی طرف متوجہ ہوکر کہتا ہے: اے عقیلؑ کے بیٹے! تم جب ان لوگوں کے پاس آئے تھے تو اس وقت یہ متحد تھے، اب تم نے ان میں انتشار پیدا کردیا ہے۔

حضرت مسلمؑ نے جواب دیا: ہرگز میں اس کام کی خاطر کوفہ میں نہیں آیا تھا بلکہ اس شہر کے لوگ یہ شکایت کرتے ہیں

---

[1] الاخبار الطوال: ص ۲۴۱ پر مذکور ہے کہ یہ قرض ایک ہزار درہم بنتا ہے۔

[2] الارشاد، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۱۲ اور یہ جملہ جو ضرب المثل کے مانند ہے اہل بیتؑ کی زبان سے منقول ہے۔ حر عاملی کی کتاب "وسائل الشیعہ" ج ۲، ص ۷۴۳، باب ۹، عدم جواز ائتمان الخائن میں ہے کہ کلینی نے اسناد کے ساتھ معمر بن خلاد سے روایت نقل کی ہے کہ معمر کہتا ہے: میں نے ابوالحسنؑ سے یہ سنا کہ ابوجعفرؑ یہ کہا کرتے تھے: لم یخنک الامین ولکن ائتمنت الخائن ''تم سے امین شخص نے خیانت نہیں کی بلکہ تم نے ایک خائن شخص کو امین بنا دیا تھا''۔

کہ تمھارے باپ نے ان کے نیک و صالح افراد کو قتل کیا، ان کا ناحق خون بہایا اور ان کے درمیان قیصر و کسریٰ کی طرح حکومت کرتا رہا۔ ہم اس لیے ان لوگوں کے پاس آئے تھے تاکہ یہاں پر عدل و انصاف کا نفاذ کرسکیں اور تمام لوگوں کو قرآنِ مجید کے فیصلے کی طرف بلائیں۔

ابن زیاد (لعین) نے کہا: تمھارے پاس عدل و انصاف کے نفاذ کے لیے کیا ہے؟ یا کیا ہم ان کے درمیان عدل و نصاف نہیں کرتے؟

حضرت مسلمؑ نے کہا: بے شک۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے اور تم درحقیقت غصہ، کینہ و دشمنی اور بدگمانی کی بنا پر قتل کرتے ہو۔ پھر ابن زیاد (لعین) نے آپ کو، حضرت علیؑ، حضرت عقیلؑ اور حضرت امام حسینؑ کو گالیاں دیں۔ [1]

حضرت مسلمؑ نے کہا: تُو اور تیرا باپ گالیاں کھانے کے زیادہ حق دار ہیں۔ اے دشمن خدا! تُو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کرلے۔ (اللہوف)

ابن زیاد (ملعون) نے ایک شامی [2] کو حکم دیا کہ (حضرت) مسلمؑ کو قصرالامارہ کی چھت پر لے جاکر اس کی گردن اُڑا دو اور پھر اس کا سر اور جسم زمین پر پھینک دو۔ جب وہ شامی حضرت مسلمؑ کو چھت پر لے گیا تو اس وقت حضرت مسلمؑ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر (سبحان اللہ، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر) پڑھ رہے تھے، [3] اور آپؑ کہہ رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ احْكُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ غَرُّوْنَا وَخَذَلُوْنَا وَكَذَّبُوْنَا۔

"اے خدایا! تُو ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما جنھوں نے ہمیں دھوکا دیا، ہمیں رُسوا کیا اور ہمیں جھٹلایا"۔

پھر آپؑ مدینہ کی طرف مڑے اور حضرت امام حسینؑ کو سلام کیا۔ [4] اس کے بعد اس شامی نے اپنی تلوار سے آپؑ کی گردن پر وار کیے، پھر آپؑ کے سر اور جسم مبارک کو زمین پر پھینک دیا۔ [5] پھر وہ شامی دہشت زدہ اور خوف کی حالت میں دارالامارہ کی چھت سے نیچے اُترا تو ابن زیاد (ملعون) نے اس سے پوچھا: تمھیں کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا: جس گھڑی میں اس مرد کو قتل کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ بدصورت شخص میرے ساتھ کھڑا ہے اور وہ دانتوں سے اپنی انگلیاں کاٹ رہا ہے۔

---

[1] کامل ابن اثیر: ج۴، ص ۱۴، تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۱۳

[2] مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۲۱۳

[3] تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۱۳

[4] اسرار الشہادۃ، ص ۲۵۹

[5] مثیر الاحزان: ص ۱۸

یہ سن کر ابن زیاد (ملعون) کہنے لگا: شاید تیری یہ کیفیت اس خوف کی وجہ سے ہے جو تجھ پر طاری ہے۔ (مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۲۱۲، اللہوف)

پھر حضرت ہانی کو اس بازار میں لے آئے جہاں پر بھیڑ بکریوں کی خرید و فروخت کی جاتی تھی۔ ان کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے اور وہ اُونچی آواز میں چیخ رہے تھے: اے قبیلہ مذحج والو! کوئی شخص اس قبیلے کا یہاں پر موجود ہے جو آج میری مدد کرے؟! اے قبیلہ مذحج والو! یہ قبیلے والے مجھ سے دُور کہاں چلے گئے ہیں؟!

جب جناب ہانی نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص ان کی مدد کو نہیں آرہا۔ تو انھوں نے ایک ہاتھ کھینچتے ہوئے رسی سے باہر نکال لیا اور کہا: کیا کوئی چھری، چاقو، پتھر یا ہڈی وغیرہ نہیں ہے جس سے آدمی اپنا دفاع تو کر سکے؟

ابن زیاد (ملعون) کے سپاہی ان پر جھپٹے اور ان کے ہاتھ دوبارہ باندھ دیے۔ پھر انھوں نے جناب ہانی سے کہا کہ اپنی گردن کھینچ کر رکھو تو انھوں نے جواب دیا: میں اتنا سخی بھی نہیں ہوں اور نہ ہی میں اپنے قتل کے لیے تمھاری کوئی مدد کر سکتا ہوں۔

پھر عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کے ترکی غلام جس کا نام رشید تھا، نے اپنی تلوار سے آپ کی گردن پر وار کیا لیکن وہ خطا ہو گیا تو حضرت ہانیؓ نے کہا:

اِلَى اللهِ الْمَعَادُ، اَللّٰهُمَّ اِلٰى رَحْمَتِكَ وَرِضْوَانِكَ

یعنی "خدا کی طرف مجھے لوٹنا ہے، اے خدایا! میں تیری رحمت اور رضا و خوشنودی کی طرف آرہا ہوں"۔

پھر اس (ملعون) نے دوسرا وار کیا اور آپ شہید ہو گئے۔ پھر اس غلام کو عبدالرحمٰن بن حصین المرادی نے قتل کیا کہ جب اس نے اسے "خازر (بحر کسپین) میں ابن زیاد (ملعون) کے ساتھ دیکھا تھا۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۱۴)

ابن زیاد (ملعون) نے حضرت مسلم ابن عقیلؑ اور حضرت ہانی کی شہادت کے بعد یہ حکم دیا کہ ان دونوں کے پیروں میں رسیاں باندھ کر انھیں بازاروں میں گھسیٹا جائے۔ [1] اور ان کے جسموں کو کوفہ میں کوڑا کرکٹ جمع کرنے کی جگہ پر

---

[1] "منتخب" ص ۳۰۱، اور تاریخ الخمیس: ج۲، ص ۲۶۶ پر ابوبکر کی اولاد کے تذکرہ کے ضمن میں مذکور ہے کہ معاویہ بن خدیج نے یہ حکم دیا تھا کہ محمد بن ابی بکر کی لاش کو سڑک پر گھسیٹا جائے اور یہ لوگ اسے گھسیٹتے ہوئے عمرو بن عاص کے گھر کے سامنے سے گزریں تاکہ یہ معلوم ہو کہ عمرو بن عاص کو اس کا قتل کس قدر ناگوار گزرتا ہے۔ پھر اس نے اس کی لاش کو جلانے کا حکم دیا تو اس کی لاش کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا گیا۔

کامل ابن اثیر: ج۱۱، ص ۱۵۳، حوادث ۵۵۵ھ اور مروج الذھب میں مذکور ہے کہ جب ظہیرالدین ابن العطار قتل ہوا تو یہ حکم دیا گیا کہ اس کے آلہ تناسل کے ساتھ رسی باندھ کر اسے سڑکوں پر گھسیٹا جائے۔ انھوں نے اس کے ایک ہاتھ پر سیاہی کی دوات اور دوسرے پر قلم رکھ دی اور وہ اسے گھسیٹتے ہوئے بلند آواز سے کہتے: مولانا ہمیں دستخط کر دو۔ (سوریا کے) حماہ شہر کے گورنر محمد بن تقی الدین الایوبی "مضمار الحقائق" ص ۱۲ پر رقم طراز ہیں کہ بعض افراد نے اس کے کان کاٹ دیے تھے۔ یہ واقعہ ۱۵ ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں پیش آیا۔

اُلٹا لٹکا دیا جائے۔[1] اس کے بعد ان کے سروں کو یزید (ملعون) کے پاس بھیج دیا گیا اور اس (ملعون) نے یہ دونوں سر دمشق کی ایک شاہراہ پر لٹکا دیے۔ (تاریخ ابی الفداء: ج۱، ص ۱۹۰، البدایہ: ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۵۷)

عبیداللہ ابن زیاد نے یزید (ملعون) کو خط لکھا:

"امابعد! تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے امیرالمومنین (یزید لعین) کے ذریعے حق کو قائم کیا اور انھیں ان کے دشمنوں کے شر سے بچایا۔ میں امیرالمومنین (یزید لعین) کو بتانا چاہتا ہوں کہ مسلمؑ ابن عقیلؑ نے ہانی بن عروہؓ کے گھر میں پناہ لے رکھی تھی۔ میں نے ان دونوں پر جاسوس چھوڑ رکھے تھے اور ان کے درمیان اپنے بندے داخل کر دیے تھے اور ان کے خلاف اتنی محنت کی کہ بالآخر ان دونوں کو باہر نکال لایا۔ اللہ نے مجھے ان پر تسلط عطا کیا اور میں نے دونوں کی گردنیں اُڑا دیں اور ان کے سر ہانی بن ابی حیہ الوادعی الہمدانی اور زبیر بن الاروح التمیمی کے ہاتھ تمھارے پاس بھیج دیے ہیں کیونکہ یہ دونوں ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے مالک کی بات سنتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگر امیرالمومنین (یزید ملعون) کوئی بات پوچھنا چاہیں تو وہ ان دونوں سے پوچھ سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں قاصد علم، سچائی، فہم اور تقویٰ کے مالک ہیں"۔ والسلام

اس خط کے جواب میں یزید (ملعون) نے ابن زیاد (ملعون) کو یہ جواب تحریر کیا:

"امابعد! بے شک تم حکومتی اُمور اور انتظام و انصرام میں ویسے ہی ہو جیسے میں چاہتا تھا۔ تمھارا یہ عمل پختہ، دلیرانہ اور شجاعانہ ہے اور اس سے تم نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا اور تم سے جو میری اُمیدیں وابستہ تھیں اُن کو عملی جامہ پہنا کر دکھایا۔ اور تمھارے متعلق میرا جو گمان اور رائے تھی تم نے اسے سچ کر دکھایا۔ میں نے تمھارے ان دونوں قاصدوں کو بلوا کر وہاں کے حالات کے بارے میں دریافت کیا تو ان کی رائے اور فہم و فراست کو ویسا ہی پایا جیسا کہ تم نے تحریر کیا تھا۔ میں تم سے ان دونوں کے متعلق

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۱، مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۲۱۵ پر مذکور ہے کہ ایسا گھناؤنا جرم صرف وہی کر سکتا ہے جو دائرۂ اسلام سے خارج ہو اور اس میں تھوڑی سی بھی رحم دلی اور شفقت نہ ہو۔ حجاج ابن یوسف نے بھی عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ ایسے ہی کیا تھا جیسا کہ بلاذری کی "انساب الاشراف" ج ۵، ص ۲۶۸ اور ابن حبیب کی "المحبر" ص ۴۸۱ پر مذکور ہے۔ ابن العبری "مختصر تاریخ الدول" ص ۱۱۶ پر رقم طراز ہیں کہ (قدیم رومی) بادشاہ ناروں نے پطرس اور پولس کو قتل کرنے کے بعد اُلٹا سولی پر لٹکا دیا تھا۔ "حیاۃ الحیوان" مادۃ الکلب میں مذکورہ ہے کہ ابراہیم الفزاری کے خلاف یہ جرائم ثابت ہوئے کہ وہ اللہ اور انبیاءؑ کا استہزا اور مذاق اُڑاتا ہے تو قیروان کے فقہاء نے فتویٰ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، پھر اسے اُلٹا سولی پر لٹکا دیا گیا اور وہاں سے اُتارنے کے بعد آگ میں جلا دیا گیا۔ محمد بن حبیب کی "المحبر" ص ۴۸۱، مطبوعہ حیدر آباد میں مذکور ہے کہ حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر کو مکہ میں اُلٹا کر کے سولی پر چڑھایا۔

یہ سفارش کرتا ہوں کہ ان سے بھلائی کے ساتھ پیش آنا۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ عراق کی طرف سفر پر نکل چکے ہیں۔ پس! تم وہاں کے آنے جانے والے تمام راستوں پر اپنے فوجی دستے اور حفاظتی پہرے بیٹھا دو اور مسلح افراد کو ان کے مقابلہ کے لیے تیار رکھو۔ اگر تم کو کوئی بھی مشکوک شخص نظر آئے تو اسے اپنی نگرانی میں لے لو اور کسی پر بھی ذرا برابر شک اور الزام ہو تو اسے گرفتار کر لو (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۱۴)۔ حسینؑ کے ذریعے تمھارے دور اور تمھارے شہر کا امتحان اور آزمائش ہے۔ اس آزمائش میں یا تو تم آزاد ہو جاؤ گے یا پھر سے غلام بن جاؤ گے اور ایک غلام کی طرح غلامی کرو گے (مقتل العوالم: ص ۶۶، تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۲)۔ پس! تم یا تو حسینؑ سے جنگ کرو یا اسے گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ"۔ (مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۲۱۵)

سقتك دماً یاابن عم الحسین مدامع شیعتك السافحه
ولا برحت هاطلات العیون تحییك غادیة رائحه
لأنك لم ترو من شربة ثنایاك فیها غدت طائحه
رموك من القصر إذا وثقوك فهل سلمت فیك من جارحه
وسحباً تجر بأسواقهم ألست أمیرهم البارحه
أتقضی ولم تبكك الباكیات أمالك فی المصر من نائحه
لئن تقض نحباً فكم فی زرود علیك العشیة من صائحه (۱)

"اے مولا حسینؑ کے چچازاد بھائی! آپؑ کے شیعوں کی خون کے آنسو روتی ہوئی آنکھیں، آپؑ کو

(۱) یہ اشعار سید باقر ہندیؒ کے ہیں۔ یہ بات مخفی نہیں کہ حضرت مسلمؑ کی شہادت کی تاریخ کے متعلق تین اقوال موجود ہیں۔ پہلا قول: آپ کی شہادت تین ذی الحجہ کو ہوئی۔ یہ الاخبار الطوال میں مذکور ہے اور بظاہر ابن طاؤس اپنی کتاب الملہوف میں اسی قول کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جب کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام حسینؑ تین ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوئے۔ پھر اس کے بعد کہتے ہیں: امام حسینؑ اس دن مکہ سے نکلے جس دن حضرت مسلمؑ کی شہادت ہوئی تھی۔
دوسرا قول: آپؑ کی شہادت ۸ ذی الحجہ کو ہوئی۔ یہ قول وطواط کی "غرر الخصائص" میں مذکور ہے۔ تاریخ ابوالفداء، ج ۲، ص ۱۹ اور تذکرۃ الخواص، ص ۱۳۹ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ جب کہ یہ دونوں کہتے ہیں کہ حضرت مسلمؑ کی شہادت اس دن ہوئی جب ذی الحج کی آٹھ راتیں گزر چکی تھیں۔
تیسرا قول: عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے دن، یہ شیخ مفید نے "الارشاد" اور کفعمی نے "المصباح" میں بیان کیا ہے۔ بظاہر ابن نما نے مثیر الاحزان، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۱۵ اور مروج الذھب، ج ۲، ص ۹۰ میں بھی یہی قول اپنایا گیا ہے جب کہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آٹھ ذی الحجہ کو حضرت مسلمؑ کو کوفہ میں لوگوں کے درمیان دیکھا گیا اور جس دن آپؑ نے قیام کیا اس سے اگلے دن آپؑ کو شہید کیا گیا۔ مسعودی نے مروج الذھب میں یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ حضرت مسلمؑ نے ۹ ذی الحج کو قیام کیا تھا۔ اگر انھیں قیام کے اگلے دن شہید کیا گیا تو پھر اس قول کے مطابق آپؑ کی شہادت عید الاضحیٰ کے دن ہوئی تھی۔

سیراب ہونے کے لیے خون مہیا کررہی ہیں۔ اشک بھری آنکھیں آپ کو خراجِ تحسین پیش کرنے سے کبھی نہیں رُکیں گی۔ یہ آنسو آتے جاتے رہیں گے کیونکہ آپؑ کو پانی سے سیراب نہیں کیا گیا اور جب آپؑ پانی پینے لگے تو آپؑ کے سامنے کے دو دانت اس میں گر گئے۔

آپؑ کو رسیوں سے باندھ کر قصرالامارہ کی چھت سے نیچے پھینکا گیا اور کیا جس نے یہ ظلم کیا وہ آپؑ سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا؟!

آپؑ کے پیروں میں رسیاں باندھ کر بازاروں میں پھرایا گیا۔ کیا آپؑ ایک دن پہلے ان لوگوں کے امیر نہیں تھے؟! کیا آپؑ اس طرح دنیا سے کوچ کر گئے کہ گریہ کرنے والی خواتین نے آپؑ پر گریہ وزاری نہ کی اور کیا اس شہر میں آپؑ پر نوحہ کناں ہونے کے لیے کوئی نہیں تھا؟

اگر آپ یوں موت سے ہمکنار ہوئے ہیں تو وہاں زرود میں کتنے ہی ایسے غم زدہ لوگ ہیں جو آپؑ پر دن رات آہ وزاری کر رہے ہیں"۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام کی عراق کی طرف روانگی

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ خبر ملی کہ یزید (ملعون) نے عمرو بن سعید بن عاص کو ایک لشکر کے ساتھ مکہ بھیجا ہے اور اسے حجاج کا سالار بنا کر یہ حکم دیا ہے کہ ایام حج کے دوران جہاں بھی تمھیں حسین ابن علیؑ ملیں انھیں خفیہ طور پر قتل کر دینا (المنتخب: ص ۳۰۴، شب عاشور کے بیان میں)۔ اس خبر کے بعد امام علیہ السلام نے حج کے مکمل ہونے سے پہلے ہی مکہ سے روانگی کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس ارادے کے ساتھ ہی آپؑ نے اپنے واجب حج کو عمرہ میں تبدیل کر دیا، کیوں کہ آپؑ اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ آپؑ کی وجہ سے خدا کے گھر کی حرمت پامال ہو۔ (ابن نما: ص ۸۹، تاریخ طبری: ج ۶ ص ۱۷۷)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مکہ معظمہ میں خطبہ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے روانگی سے پہلے وہاں پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمد لله وما شاء الله ولا قوة الا بالله وصلى الله على رسوله، خط الموت على ولد آدم مخط القلادة على جيد الفتاة وما أولهني الى أسلافي اشتياق يعقوب إلى يوسف وَخُيِّرَ لي مصرع أنا لاقيه، كأني بأوصالي تقطعها عسلان الفلاة بين النواويس وكربلا فيملأن مني اكراشاً جوفاً واجربة سغباً، لا محيص عن يوم خط بالقلم، رضا الله رضانا أهل البيت، نصبر على بلائه ويوفينا أجور الصابرين، لن تشذ عن رسول الله لحمته بل هي مجموعة له في حظيرة القدس تقربهم عينه وينجزبهم وعده ألامن كان فينا باذلاً مهجته موطناً على لقاء الله نفسه فليرحل معنا فإني راحل مصبحًا إن شاءَ الله تعالى (اللهوف: ص ۳۳، مثیر الاحزان: ص ۲۰)

"تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور صرف اسی کی دی ہوئی طاقت ہے۔ موت کی لکیر اولاد آدمؑ کے لیے اسی طرح ہے جس طرح نوجوان لڑکی کی گردن میں گلوبند ہوتا ہے اور مجھے اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ ملاقات کا شوق، یعقوبؑ کی یوسفؑ سے ملاقات کے اشتیاق سے بھی کئی درجے زیادہ ہے اور میرے لیے شہادت گاہ کا انتخاب کیا جا چکا ہے اور میں اسی جگہ کی طرف

بڑھ رہا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ کربلا اور نواویس کے درمیان جنگل کے خون خوار بھیڑیے میرے جسم کو نوچتے ہوئے کاٹ رہے ہیں اور وہ ضرور بہ ضرور اپنے بھوکے شکموں کو بھریں گے اور جو دن قدرت کے قلم سے لکھ دیا گیا ہے اس دن سے کوئی فرار اختیار نہیں کرسکتا، جس امر میں اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے اسی امر میں ہم اہل بیتؑ کی بھی رضا اور خوشنودی ہے۔ ہم اللہ کے اس امتحان پر صبر کریں گے اور ہم اس سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اس پر صبر کا اجر عطا فرمائے۔ رسولؐ خدا سے ان کے گوشت کا حصّہ ہرگز جدا نہیں ہوگا بلکہ یہ خدا کی بارگاہ میں اس کے لیے ذخیرہ ہے۔ اس سے نبیؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے گی اور اس کے ذریعے ان سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کیا جائے گا۔ اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ! جو شخص ہماری خاطر اپنی جان کی قربانی دے سکتا ہے اور وہ خدا سے ملاقات کا اشتیاق رکھتا ہے تو وہ ہمارے ساتھ روانہ ہو اور میں کل صبح روانہ ہوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے ۸ ذی الحجہ کو روانہ ہوئے۔ آپؑ کے ہمراہ آپؑ کے خاندان والے، آپؑ کے غلام اور وہ شیعہ تھے جو حجاز، بصرہ اور کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپؑ کے یہ شیعہ مکہ میں آپؑ کے قیام کے دوران آپؑ کے ساتھ شامل ہوئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان میں سے ہر ایک کو دس درہم اور ایک اُونٹ عطا کیا کہ جس پر وہ اپنا سامان لاد سکیں۔ (نفس المہموم: ص ۹۱)

امام علیہ السلام کو سفر سے روکنے کی کوششیں

حضرت امام حسین علیہ السلام کے خاندان کے کچھ افراد اور بعض دیگر اشخاص کے ایک گروہ نے امامؑ کو اپنا یہ سفر اس وقت تک ملتوی کر دینے کا مشورہ دیا جب تک انھیں عراق کے لوگوں کے حالات سے مکمل طور پر آگاہی حاصل نہ ہو۔ انھیں یہ ڈر تھا کہ کوفی امامؑ کے ساتھ غداری نہ کریں اور وہاں جا کر کوفی یزید (ملعون) کے ساتھ اور امامؑ کے خلاف نہ ہو جائیں لیکن امام حسین علیہ السلام نے ہر اس شخص کو اپنے اس سفر کی حقیقت کے بارے میں نہیں بتایا کہ اس سفر میں کن مصائب اور مشکلات سے آپؑ کا سامنا ہوگا کیونکہ ہر شخص کا ظرف اس حقیقت سے آگاہی کا متحمل نہیں تھا کیونکہ لوگوں کے مراتب اور ان کے ظروف میں وسعت اور تنگی کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے، اس کی بنا پر وہ حقائق کو مختلف انداز میں سمجھتے ہیں۔ اس لیے حضرت امام حسین علیہ السلام نے ہر شخص کو اس کے ظرف اور معرفت کے مطابق جواب دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن زبیر کو جواب دیا:

إنَّ أبي حدثني أن بمكة كبشًا به تستحل حرمتها فما أحب أن أكون ذلك الكبش ولأن أقتل

خارجاً منها بشبر أحب إليّ من أن أقتل فيها[1] وأيم الله لو كنت في ثقب هامة من هذه الهوام لاستخرجوني حتى يقضوا في حاجتهم والله ليعتدن عليّ كما اعتدت اليهود في السبت.

''بے شک! میرے بابا حضرت علیؑ نے مجھے یہ بتایا ہے کہ مکہ میں ایک دُنبہ کے ذریعے مکہ اور خانۂ خدا کی حُرمت پامال ہوگی اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ دُنبہ مَیں بنوں لہٰذا مَیں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں خانۂ خدا میں قتل کیے جانے کے بجائے اس سے ایک بالشت کی دُوری پر قتل کیا جاؤں۔ خدا کی قسم! میں اگر حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کے بلوں میں گھس جاؤں تو یہ لوگ مجھے وہاں سے بھی نکال کر باہر لے آئیں گے اور مجھے شہید کر کے اپنا مقصد حاصل کریں گے۔ خدا کی قسم! یہ میری حُرمت کو اسی طرح پامال کریں گے جس طرح یہودیوں نے ہفتے کے دن کی حُرمت کو پامال کیا تھا''۔

جب عبداللہ ابن زبیر حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس سے اُٹھ کر چلا گیا تو جو لوگ امامؑ کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپؑ نے ان سے فرمایا: یہ شخص سب سے زیادہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ مَیں جلد از جلد حجاز سے روانہ ہو جاؤں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ لوگ اسے میرے برابر اہمیت نہیں دیتے۔ اس لیے وہ یہ چاہتا ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور میدان اس کے لیے خالی ہو جائے۔ (کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۶)

جس دن صبح کے وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے عراق کے لیے روانہ ہونا تھا اس رات حضرت محمد بن حنفیہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ سے کہا کہ آپؑ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ کوفہ والوں نے آپؑ کے بابا اور آپؑ کے بھائی سے غداری کی تھی اور مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ آپؑ کے ساتھ بھی غداری کریں گے، لہٰذا آپؑ یہیں پر سکونت اختیار کیے رکھیں کیونکہ آپؑ حرم میں تمام لوگوں سے زیادہ معزز اور محفوظ ہیں۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان سے فرمایا: مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ یزید ابن معاویہ مجھے حرم میں قتل کروا دے گا اور میری وجہ سے اس گھر کی حرمت پامال ہوگی۔

پھر حضرت محمد حنفیہ نے انھیں یہ تجویز پیش کی کہ آپؑ یمن یا اس کے گردونواح کے کسی علاقے میں چلے جائیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان سے فرمایا: میں آپ کی اس تجویز کے متعلق غور کروں گا۔ پھر رات ڈھلنے کے بعد صبح کے قریب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے سفر کی تیاریاں مکمل کر لیں تو ابن حنفیہ آپؑ کے پاس آئے اور آپؑ کی اس ناقہ کی مہار کو تھاما جس پر امامؑ سوار تھے اور کہا: کیا آپؑ نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں تمھاری تجویز پر غور کروں گا؟

امامؑ نے جواب دیا: ہاں! مَیں نے ایسے ہی کہا تھا لیکن تمھارے جانے کے بعد رسولؐ خدا سے میری خواب میں

---

[1] ازرقی کی ''تاریخ مکہ'' ج ۲، ص ۱۵۰ پر ہے کہ امام علیہ السلام نے یہ جملہ ابن عباس سے فرمایا تھا۔

ملاقات ہوئی جس میں آپؐ نے مجھ سے فرمایا:

یاحسین أخرج فإن الله تعالیٰ شاء أن یراك قتیلا

"یعنی اے حسینؑ! اپنے سفر کے لیے نکلو بے شک خدا کی مشیت یہ ہے کہ وہ تمھیں قتل ہوتا ہوا دیکھے"۔

یہ سن کر حضرت محمد حنفیہ نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا: پھر آپؑ اس پیچیدہ اور گھمبیر صورت حال میں اپنے اہل وعیال کو ساتھ کیوں لے کر جارہے ہیں؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے انھیں جواب دیا: قد شآء الله تعالیٰ أن یراهن سبایا "بے شک خدا کی یہ مشیت ہے کہ وہ انھیں اسیر دیکھے"۔ (بحارالانوار: ج ۱۰، ص ۱۸۴)

حضرت عبداللہ ابن جعفر طیارؓ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام ایک خط تحریر کیا اور یہ خط اپنے دو بیٹوں عونؓ اور محمدؓ کے ہاتھ امامؑ کی خدمت میں ارسال کیا۔ انھوں نے اس خط میں یہ تحریر کیا:

"میں آپؑ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپؑ جیسے ہی میرا یہ خط پڑھیں تو واپس گھر پلٹ آئیں کیوں کہ مجھے یہ ڈر لگ رہا ہے کہ اس سفر میں آپؑ کو اور آپؑ کے اہل وعیال کو قتل کردیا جائے گا اس لیے آپؑ کا خیر خواہ ہونے کے ناتے میں آپؑ کو یہ تحریر کررہا ہوں اگر آپؑ شہید کردیے گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا جب کہ آپؑ ہدایت کے پرچم اور مومنوں کی اُمید ہیں۔ لہٰذا آپؑ سفر میں جلدی نہ کریں اور میں اس خط کے بعد جلد ہی آپؑ کی زیارت کے لیے حاضر ہوں گا۔ والسلام"۔

پھر حضرت عبداللہ ابن جعفر طیارؓ نے مکہ میں یزید (ملعون) کے گورنر عمرو بن سعید بن عاص سے ایک خط لیا جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے امان کا پیغام تھا۔ عبداللہ بن جعفر طیارؓ یہ امان نامہ لے کر یحییٰ بن سعید بن عاص کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کوشش کی کہ امام حسینؑ کو ان کے ارادہ سے باز رکھ سکیں۔ لیکن امام علیہ السلام نے ان کی رائے کو قبول نہ کیا اور انھیں آگاہ کیا کہ میں نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا ہے، انھوں نے مجھے ایک ایسے کام کا حکم دیا ہے جس کو میں ضرور بجالاؤں گا۔ انھوں نے امام علیہ السلام سے اس خواب کے متعلق دریافت کیا تو امام علیہ السلام نے جواب دیا: میں نے کسی کو یہ خواب نہیں بتایا اور نہ ہی اس کے متعلق کسی کو بتاؤں گا یہاں تک کہ اپنے پروردگار سے ملاقات کروں۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۱۹، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۷، البدایہ ابن کثیر: ج ۶، ص ۱۶۳)

حضرت امام حسین علیہ السلام سے ابن عباس نے کہا: اے میرے چچازاد! میں نے صبر کرنے کی کوشش کی لیکن اس حوالے سے صبر نہ کرسکا۔ مجھے اس بات سے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں آپؑ کو اس طرح بلوا کر شہید نہ کردیا جائے۔ عراق کے لوگ غدار اور دھوکا باز ہیں اس لیے آپؑ ہرگز ان کے قریب نہ جائیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپؑ اسی شہر میں قیام پذیر رہیں کیونکہ آپؑ

اہلِ حجاز کے سید و سردار ہیں۔ اگر عراق کے لوگ آپؑ کو وہاں پر بلانا چاہتے ہیں جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں تو پھر وہ پہلے وہاں سے اپنے اُوپر حکمران یزید (ملعون) کے گورنر اور عراقیوں کے دشمن کو نکال دیں، اس کے بعد آپؑ ان کے پاس جائیں۔ اگر آپؑ مکہ سے باہر ضرور ہی جانا چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ یمن کی طرف چلے جائیے کیونکہ وہاں پر مضبوط قلعے اور گھاٹیاں ہیں اور وہ ایک وسیع و عریض اور طویل سرزمین پر مشتمل علاقہ ہے۔ وہاں پر آپؑ کے باباؑ کے شیعوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے اور یوں آپؑ لوگوں سے الگ ہو کر بھی رہیں گے۔ پھر آپؑ وہاں سے لوگوں کی طرف خط لکھ کر ارسال کیجیے اور انھیں اپنے ہدف کی طرف دعوت دیں تو مجھے اُمید ہے کہ آپؑ اس طرح سے کسی مشکل اور پریشانی کے بغیر اپنے ہدف کی تکمیل کر سکتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے عبداللہ ابن عباس کو جواب دیا: اے میرے چچا کے بیٹے! خدا کی قسم! مَیں یہ جانتا ہوں کہ آپؑ نے میرے سامنے یہ تجویز اس لیے پیش کی ہے کیونکہ آپؑ میرے خیر خواہ اور مجھ سے ہمدردی رکھتے ہیں لیکن میں اپنے اس سفر (عراق کی طرف) جانے کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں۔

پھر ابن عباس نے امام علیہ السلام سے یہ درخواست کی: اگر آپؑ یہ ارادہ کر ہی چکے ہیں تو اپنے ساتھ اپنی مستورات اور بچوں کو نہ لے جائیں کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نظروں کے سامنے آپؑ کو شہید کر دیا جائے۔

ابن عباس کی یہ تجویز سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک مجھے شہید نہ کرلیں اور اگر انھوں نے اس عظیم گناہ کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر کسی ایسے شخص کو مسلط کر دے گا جو انھیں عورت کے اس چیتھڑے سے بھی زیادہ ذلت و رسوائی میں غرق کر دے گا جو وہ ناپاکی کی حالت میں استعمال کرتی ہے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر: ج۶، ص ۲۱۹)

حضرت امام حسین علیہ السلام کے سفر کے اسباب کی توجیہ

جو لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کو عراق کی جانب سفر کرنے سے روکنا چاہتے تھے اور ان لوگوں کے اس عمل کے پیچھے کیا وجوہات تھیں، وہ ہمارے سابقہ بیان سے واضح ہو چکا ہے۔ حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ سے کوفیوں کی یہ ذہنیت اور سوچ مخفی نہیں تھی کہ وہ لوگ دھوکا باز اور منافق ہیں لیکن جب وہ لوگ امامؑ کے لیے اپنی محبت کا اظہار اور ان کے حکم کی اطاعت اور ان کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا وعدہ کر رہے تھے تو اس کے بعد امامؑ کا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟ اور کوفہ کے لوگ امامؑ سے جو یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ آپؑ ہماری ہدایت و رہنمائی کریں اور ہمیں ضلالت و گمراہی کے پنجوں سے آزاد کروائیں اور صراطِ مستقیم کی طرف گامزن کریں کہ جس میں عالمین کے پروردگار کی خوشنودی ہو تو کیا حضرت امام حسین علیہ السلام جو پوری اُمت کے امام ہیں ان کے ان مطالبات کو کوئی بہانہ بنا کر ماننے سے انکار کر دیتے جب کہ ان لوگوں نے ابھی تک حضرت امام حسینؑ کے

ساتھ اختلاف اور انتشار کا رویہ نہیں اپنایا تھا؟! اگر حضرت امام حسینؑ ان کے سامنے یہ عذر پیش کرتے کہ تم لوگوں کی فطرت میں خیانت اور دغابازی ہے جیسا کہ تم نے میرے بابا اور میرے بھائی کے ساتھ خیانت کی تھی لہٰذا اب میں تمھارے پاس ہرگز نہیں آؤں گا تو امامؑ کے اس فعل پر ہر وہ شخص ملامت اور طعن و تشنیع کرتا جو اُمور کو صرف ظاہری طور پر دیکھنے کا عادی ہو۔ اور امام جو بشریت کو ہدایت سے سرفراز کرتا ہے یہ ہرگز ان کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کریں جو اُمت کے لیے امامؑ کے خلاف دلیل بن جائے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس [1] اور دیگر افراد نے امامؑ کو جن ممالک کی طرف جانے کی تجویز پیش کی تھی، امامؑ وہاں بھی محفوظ نہیں تھے۔ اس لیے کہ بسر بن ارطاۃ نے یمن والوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ اس بات پر شاہد ہے کہ وہ لوگ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ظلم و تعدی کرنے والے کو جواب دینے میں وہ لوگ کمزور ہیں۔

---

[1] مؤلف کہتے ہیں: یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات کے متعلق تنبیہ کر دیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس کی اس قدر بلند قدر منزلت نہ تھی کہ وہ اہلِ بیتؑ کے غیبی علوم کے متحمل ہو سکتے تھے، جس طرح حبیب ابن مظاہر، رشید الہجری، عمرو بن الحمق، حجر بن عدی، کمیل بن زیاد اور میثم تمار نے امیرالمومنین حضرت علیؑ سے غیبی علوم کا استفادہ کیا۔ امیرالمومنین حضرت علیؑ کے ان خاص اصحاب نے ان اُمور میں اس قدر بصیرت کا مظاہرہ کیا کہ یہ حق الیقین کے درجہ پر فائز ہوئے اور ان پر جس قدر بھی مصائب اور مشکلات آئیں انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور امیرالمومنین حضرت علیؑ سے ہرگز یہ فرمائش نہ کی کہ انھیں اس اذیت اور تکالیف سے چھٹکارا دلایا جائے اور یہ کہ وہ امیرالمومنین حضرت علیؑ کی غیبی خبروں سے ہرگز نہیں چوکتے تھے۔ ہم اس بات کو اس مکالمہ میں دیکھ سکتے ہیں کہ جب حبیب بن مظاہر اور میثم تمار میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی اس شہادت سے آگاہ کیا جو اہلِ بیتؑ کی نصرت کی خاطر انھیں نصیب ہوگی لیکن قبیلہ بنو اسد کے جن افراد کو ان الٰہی اسرار کی معرفت نہ تھی انھوں نے دونوں کو جھٹلایا۔ جب رشید الہجری نے لوگوں سے ان دونوں کے متعلق پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ وہ دونوں تھوڑی دیر پہلے یہاں پر تھے اور اب کہیں چلے گئے ہیں اور ہم نے ان دونوں کو یہ یہ کہتے ہوئے (ایک دوسرے کو اپنی شہادت کی خبر دیتے ہوئے) سنا ہے۔ یہ سن کر رشید نے کہا: اللہ تعالیٰ میثم پر رحم فرمائے جو کچھ اس نے کہا ہے وہ درست ہے لیکن وہ یہ بتانا بھول گئے کہ جو حبیب کا سر کاٹ کر لائے گا اسے دوسروں سے سو درہم زیادہ انعام دیا جائے گا۔ پھر رشید واپس پلٹ گئے۔ یہ سن کر ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم! یہ ان سے بھی بڑا جھوٹا ہے، لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ یہ سب وقوع پذیر ہو گیا۔ حضرت میثم کو عمرو بن حریث کے گھر کے سامنے سولی پر لٹکا دیا گیا اور حضرت حبیبؓ کو حضرت امام حسینؑ کے سامنے شہید کر دیا گیا اور ابن زیاد نے رشید الہجری کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دی جیسا کہ امیرالمومنینؑ نے اسے خبر دی تھی (رجال الکشی، ص ۵۱ اور اس کے بعد والے صفحات کی طرف رجوع کریں، مطبوعہ ہندوستان)
اس بنا پر ابن عباس کا ان بزرگان اور شہدائے کربلا سے کم مرتبہ ہے خواہ ہم ان کی امیرالمومنین حضرت علیؑ اور ان کی اولاد اطہارؑ کے لیے کتنی ہی سچی محبت کے معترف ہوں۔ ابن عباس کی حضرت میثم سے ہونے والی گفتگو سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ ابن عباس ان بلند و بالا مراتب پر فائز نہیں تھے جن پر حضرت میثم اور ان کے دیگر ساتھی فائز تھے۔ رجال الکشی، ص ۵۴ پر ہے کہ ابن عباس کی مدینہ میں حضرت میثم سے ملاقات ہوئی تو میثم نے ابن عباس سے کہا: اے ابن عباس! تم قرآن کی تفسیر کے متعلق جو پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے پوچھو۔ تم نے امیرالمومنین حضرت علیؑ سے قرآن کی تنزیل کے متعلق پڑھا مگر آپؑ نے مجھے اس کی تاویل کا علم بھی عطا فرمایا ہے۔ یہ سن کر ابن عباس نے کاغذ اور قلم کو سنبھالا تا کہ لکھ سکیں تو میثم نے ابن عباس سے کہا: تمھاری اس وقت کیا حالت ہوگی جب تم مجھے لکڑی پر مصلوب ہوتے ہوئے دیکھو گے کہ جو ان پاک باز ہستیوں کے نو قریبی ساتھیوں میں سے نواں فرد ہے؟! ابن عباس نے اس سیاہ غلام کو غیب کی خبر دیتے ہوئے سنا تو اس پر حیرت کا اظہار کیا اور کہا: تم مجھے غیب کی خبریں سنا رہے ہو؟ تو میثم نے کہا: اے ابن عباس! تم جو باتیں مجھ سے سنو انھیں سنبھال کر رکھو اور اگر یہ سچ ثابت ہو جائیں تو انھیں محفوظ کر لینا اور اگر غلط ثابت ہوں ←

شیخ شوستریؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس حوالے سے اپنی دو طرح سے ذمہ داریاں ادا کی ہیں: ① تکلیف واقعی ② تکلیف ظاہری۔

① تکلیف واقعی

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی ذات کو شہادت، اپنی مستورات کو اسیری اور اپنے اطفال کو ذبح ہونے کے لیے پیش کر دیا حالانکہ آپؑ اِن اُمور کے متعلق پہلے سے علم رکھتے تھے۔ امام علیہ السلام نے یہ اِقدام اس لیے کیا کہ اُس وقت بنواُمیہ کے ظالم و سرکش یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ حق پر ہیں اور حضرت علیؑ، آپؑ کی اولاد اور آپؑ کے شیعہ باطل پر ہیں۔ وہ اس امر میں اس حد تک تجاوز کر چکے تھے کہ ایک دفعہ اُنھوں نے امیرالمومنین حضرت علیؑ پر سب و شتم کو نمازِ جمعہ کا جُز قرار دے دیا تھا۔ اُس وقت نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اُن میں سے ایک شخص نمازِ جمعہ کے خطبہ میں امیرالمومنین حضرت علیؑ پر لعنت (نعوذ باللہ) کرنا بھول گیا اور اُسے سفر کے دوران یاد آیا تو اُس نے اُس کی قضا کی۔ اِسی سلسلہ میں اُس دَور کے ستم گاروں نے ایک مسجد تعمیر کی جس کا نام مسجد الذکر رکھا (بنواُمیہ کے نمک خوار اس مسجد میں امیرالمومنین پر سب و شتم کے لیے جمع ہوتے تھے)۔

اگر حضرت امام حسینؑ یزید (ملعون) کی بیعت کر لیتے اور حکومت و خلافت کو اُس کے حوالے کر دیتے تو حق کا نام و نشان تک مٹ جاتا اور زیادہ تر لوگ یہی سمجھتے کہ امامؑ کا بنواُمیہ کے ساتھ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ بنواُمیہ کی رائے درست اور اُن کی سیرت اچھی ہے لیکن جب امام حسینؑ نے اُن کے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیا اور اپنی مقدس ذات کو،

← تو اس کاغذ کو پھاڑ دینا۔ پھر ابن عباس نے وہ تمام باتیں تحریر کر لیں جو میثم تمار نے امیرالمومنین حضرت علیؑ سے نقل کرتے ہوئے تفسیر قرآن کے حوالے سے بیان کیں۔ اس بنا پر جو کچھ ابن الابار نے تکملۃ الصلۃ: ج ۲، ص ۶۰۰، دوسرے ایڈیشن میں ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابن عباس کہا کرتے تھے: اگر میں "الحمدللہ رب العالمین" کی تفسیر بیان کرنا شروع کر دوں تو روئے زمین کے اُونٹ صرف اس ایک آیت کی تفسیر کا بار نہیں اُٹھا سکتے۔ یہ روایت بالکل درست نہیں ہے بلکہ یہ بنوعباس کے جعلی راویوں کی من گھڑت روایات میں سے ہے۔ انھوں نے اس روایت کے ذریعے سیدالاوصیاء حضرت علی علیہ السلام کے اس فرمان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی ہے جسے امام غزالی نے احیاء العلوم: ج ۱، ص ۲۶۰ (فصل القرآن، الباب الرابع) تفسیر بالرای کے ضمن میں، اور ابوطالب کی نے علم القلوب: ص ۲۷ پر اور سیوطی نے الاتقان: ج ۲، ص ۱۸۶، النوع ۲۸ اور فیض کاشانی نے المحجۃ البیضاء: ج ۱، ص ۲۵۱ پر تفسیر بالرای کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر اس قدر بیان کروں کہ اس کا بار ستر اُونٹوں پر لادا جائے"۔ ابن طاووس نے سعد السعود، ص ۲۸۴ پر امام غزالی کی "العلم اللدنی" سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر مجھے خدا اور اس کے رسولؐ کا اذن عطا ہو تو میں سورۂ فاتحہ کی الف کی تفسیر کرنا شروع کروں تو صرف اس تفسیر کا بار چالیس اُونٹوں پر لادا جائے۔ بحارالانوار: ج ۹۲، ص ۲۲۷ اور ص ۱۰۳، طبع کمپنی میں بھی یہی مذکور ہے اور یہ بات ہرگز اس شخص کی طرف سے حیرت انگیز نہیں ہے جو باء بسملہ کا نقطہ ہو۔ شیخ محمد حسین اصفہانی کی "مقدمہ تفسیر القرآن" میں امیرالمومنین حضرت علیؑ سے مروی ہے: "پورے قرآن کا علم سورۂ حمد میں، سورۂ حمد کا علم بسملہ میں، بسملہ کا علم باء میں، باء کا علم باء کے نقطہ میں اور میں وہ باء کا نقطہ ہوں"۔ شرح الکنایات الرضویہ، ص ۱۱۹ پر بھی یہی مذکور ہے۔

اپنے اہل وعیال اور بچوں کو ظلم وستم کے لیے پیش کردیا تو ان پر بنواُمیہ کے ظالم وسرکش افراد کی طرف سے جو مظالم ڈھائے گئے اُن مظالم سے اُس زمانے کے لوگوں اور آنے والی نسلوں پر یہ واضح ہوگیا کہ حضرت امام حسینؑ حق پر اور آپؑ پر ظلم وستم ڈھانے والے گمراہ اور باطل پر ہیں۔

② تکلیف ظاہری

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان کے تحفظ کے لیے بہت کوشش کی لیکن اُنھیں کہیں تحفظ میسر نہ آیا اور اُن پر زمین تنگ کردی گئی۔ یہاں تک کہ یزید (ملعون) نے اپنے مدینہ کے گورنر کو یہ تحریر کیا کہ حسینؑ کو مدینہ میں ہی قتل کردو۔ حضرت امام حسینؑ یوں خوف کے عالم میں مدینہ سے روانہ ہوئے کہ حکومت کے کارندے آپؑ کا پیچھا کر رہے تھے۔ امام علیہ السلام نے خدا کے حرم میں پناہ لی جو خوف زدہ لوگوں کے لیے امن کی جگہ اور فریادرسوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ ہے لیکن اس کے باوجود یزید (ملعون) نے اپنے کارندوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ حسینؑ کو یا تو گرفتار کرلو یا دھوکا سے مارڈالو اگرچہ کہ وہ خانہ کعبہ کے پردے کے ساتھ ہی کیوں نہ چمٹے ہوئے ہوں۔ اسی لیے امامؑ نے اپنے حج تمتع کے احرام کو عمرہ مفردہ کے احرام میں تبدیل کردیا اور کوفہ کی طرف عازمِ سفر ہوئے کیونکہ کوفہ والوں نے امامؑ کو خطوط تحریر کیے اور آپؑ کی بیعت کا وعدہ کیا تھا۔

امام علیہ السلام نے اپنے سفر کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ان لوگوں کو بنواُمیہ کے شریر لوگوں کے شر سے بچانا چاہتے ہیں اس لیے امامؑ نے ظاہری طور پر کوفہ والوں کی خواہش کے مطابق ان کی طرف روانگی کا فیصلہ کیا تاکہ ان لوگوں پر حجت تمام ہوجائے اور وہ قیامت کے دن خدا کی بارگاہ میں یہ عذر پیش نہ کرسکیں کہ ان لوگوں نے ظالم وجابر لوگوں کے ظلم سے نجات کے لیے امامؑ کو مدد کی خاطر پکارا اور وہ امامؑ کی طرف متوجہ ہوئے لیکن امامؑ نے یہ کہہ کر ہماری مدد سے انکار کردیا کہ تم میں اتفاق واتحاد نہیں ہے۔ اگر حضرت امام حسینؑ کوفہ والوں کی طرف نہ جاتے تو آپؑ اور کس طرف جاتے جب کہ زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود آپؑ پر تنگ کردی گئی تھی۔ محمد حنفیہ سے امامؑ کے بیان کیے گئے فرمان کا بھی مطلب تھا کہ جب امام علیہ السلام نے محمد حنفیہ سے یہ فرمایا کہ اگر میں کیڑے مکوڑوں کے بلوں میں گھس جاؤں تو بھی یہ لوگ مجھے وہاں سے نکال کر قتل کرکے ہی دم لیں گے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابوہرہ اسدی سے فرمایا: بے شک بنواُمیہ نے میرے مال کو غصب کیا تو میں نے صبر کیا۔ انھوں نے مجھے برا بھلا کہہ کر میری عزت کو پامال کیا تو میں نے صبر کیا لیکن جب وہ میرے خون کے پیاسے ہوگئے تو میں وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ (الخصائص الحسینیہ: ص ۳۲، مطبوعہ تبریز)

جب حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے روانہ ہو رہے تھے تو اس وقت مکہ کا ہر شخص امام علیہ السلام کی روانگی پر غم زدہ تھا۔ جب لوگوں نے امامؑ کو اپنے خیالات کے مطابق بہت زیادہ سمجھانے اور روکنے کی کوشش کی تو آپؑ نے قبیلہ اوس کے شاعر کے وہ اشعار پڑھے جو اس شاعر نے اُس وقت کہے تھے، جب اس کے چچازاد بھائی نے اسے رسولؐ خدا کے ہمراہ جہاد کے لیے روانہ ہونے سے روکا اور خبردار کیا تھا۔

سأمضي فما بالموت عار على الفتى إذا ما نوى حقًا وجاهد مسلما

وواسى الرجال الصالحين بنفسه وفارق مثبوراً وخالف مجرما

''میں عنقریب جہاد کے لیے روانہ ہوں گا کیونکہ مرد کے لیے موت ننگ و عار اور رُسوائی کا باعث نہیں ہے بشرطیکہ اس نے حق کی خاطر موت کی نیت کی ہو اور ایک مسلمان کی حیثیت سے جہاد کیا ہو''۔

اِن اشعار کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی جان قربان کر کے نیک و صالح لوگوں کو تسلی دیتا ہے کہ اُس نے سیاہ کار لوگوں سے جدائی اختیار کی اور مجرموں کی مخالفت کی۔

پھر امامؑ نے اس آیت کی تلاوت کی:

وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (سورۂ احزاب: آیہ ۳۸) [1]

''اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے''۔

مکہ سے کربلا تک کی منازل

منزلِ تنعیم

حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے روانہ ہوئے اور تنعیم [2] کے پاس سے گزرے تو وہاں پر آپؑ کی ملاقات ایک قافلہ والوں سے ہوئی۔ انھوں نے اُونٹوں پر سامان اور قیمتی لباس لادے ہوئے تھے۔ یہ سامان یمن میں یزید (ملعون) کا گورنر بحیر بن یسار الحمیری یزید بن معاویہ کو شام بھیج رہا تھا۔ حضرت امام حسینؑ نے اس سامان کو اپنے قبضہ میں لیا اور اُونٹ والوں سے کہا:

---

[1] تذکرۃ الخواص: ص ۱۳۴، جب حر نے امامؑ کو بنواُمیہ کی مخالفت سے ڈرایا تو اس وقت بھی امامؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تھی۔

[2] معجم البلدان: ج ۲، ص ۴۱۶ پر ہے کہ یہ مکہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے۔ اس جگہ کا نام تنعیم اس لیے ہے کیونکہ اس کے دائیں طرف ایک پہاڑ ہے جس کا نام نعیم اور اس کے بائیں طرف بھی ایک پہاڑ ہے جس کا نام ناعم ہے، ان دونوں پہاڑوں کے درمیان وادی کو نعمان کہتے ہیں۔ اس وادی میں مساجد ہیں۔ احمد بن محمد الحضراوی نے ''العقد الثمین فی فضائل البلد الامین'' ص ۶۰ تیسری فصل، دوسرے ایڈیشن میں بیان کیا ہے کہ تنعیم مکہ سے تین یا چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

من أحب منكم أن ينصرف معنا إلى العراق أوفينا كراءه وأحسنا صحبته ، ومن أحب المفارقة أعطيناه من الكراء على ما قطع من الارض ، ففارقه بعضهم ومضى من أحب صحبته [1]

"تم میں سے جو شخص ہمارے ساتھ چلنا چاہے ہم اس کو کرایہ دیں گے اور اس کے ساتھ حُسنِ سلوک سے رہیں گے، اور تم میں سے جو ہمارے ساتھ نہیں چلنا چاہتا تو ہم اِس کو اتنا ہی کرایہ ادا کریں گے وہ جتنی مسافت طے کر کے آیا ہے۔ پھر اس پیش کش کے بعد کچھ آپؑ سے جدا ہو گئے اور جو آپؑ کے ساتھ رہنا چاہتے تھے وہ آپؑ کے ہم سفر بن کر چل پڑے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ مال عطا کیا ہے اور وہ جیسے چاہیں اس میں تصرف کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے اس اُمت کے امامؑ مقرر کیے گئے ہیں۔ یزید (ملعون) اور اس کے باپ نے امامؑ اور مسلمانوں کا حق غصب کیا تھا لہٰذا اب امام علیہ السلام پر یہ واجب تھا کہ وہ مسلمانوں کے اس مال فے کو اپنے قبضہ میں لے کر ان لوگوں میں تقسیم کرتے جو ضرورت مند تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان دیہاتی عربوں میں بھی یہ مال تقسیم کیا جو راستے میں آپؑ کے ساتھ ملتے رہے اور امامؑ سے اپنی تنگ دستی اور غربت کا شکوہ کرتے رہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ جوانانِ جنت کے سردار کے لیے ان ظالم و جابر حکمرانوں سے وہ مال واپس لے کر اپنے اصلی مالک تک لوٹانا ممکن نہ تھا، جس اُمت و نبیؐ کے اموال کو غصب کرنے کے بعد انھوں نے زبردستی قبضہ کر رکھا تھا۔ اگرچہ آپؑ نے اپنی مقدس قربانی کے ذریعے بابصیرت لوگوں کے سامنے باطل کے

---

[1] تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۱۸، مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۲۲۰، البدایہ: جلد ۸، ص ۱۶۶، الارشاد شیخ مفید، ابن نما کی مثیر الاحزان: ص ۲۱ اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ، ج ۴، ص ۳۲۷، پہلا ایڈیشن مطبوعہ مصر میں تحریر کیا ہے کہ جس مال کو امام حسینؑ نے لیا تھا یہ معاویہ بن ابوسفیان کی طرف جارہا تھا اور امامؑ نے اس مال کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد معاویہ کو یہ خط تحریر کیا: یمن سے ایک قافلہ ہمارے پاس سے گزرا جس کے اُونٹوں پر مال، قیمتی لباس اور عنبر لادے ہوئے تھے تاکہ تُو اس مال و اسباب کو دمشق کے خزانوں میں ذخیرہ کر سکے اور پھر اس مال سے اپنے بھائیوں اور خاندان کے افراد پر نوازشات کر سکے، مجھے اس مال کی ضرورت تھی تو میں نے لے لیا۔

معاویہ نے اس خط کے جواب میں حضرت امام حسینؑ کو تحریر کیا: تم نے یہ مال تو لے لیا لیکن تم ہرگز اس کے اہل نہ تھے کیونکہ وہ مال مجھ سے منسوب تھا اور مال کا والی دوسروں سے زیادہ مال کا حق دار ہوتا ہے اور اس نے اس پر اخراجات کیے ہوتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر وہ مال میرے پاس پہنچ جاتا تو میں اس مال سے تمھیں تمھارے حصے سے محروم نہ کرتا لیکن تمھارے دماغ میں بہت زیادہ خواہشات ہیں اور میری یہ شدید خواہش ہے کہ تمھاری یہ تمام خواہشات میری عمر میں ظاہر ہو جائیں اور مجھے تمھاری قدر و قیمت کا پتا چلے اور میں تم سے چشم پوشی کرتا ہوں لیکن خدا کی قسم! مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم کسی ایسے شخص کا امتحان اور آزمائش نہ لو جو تمھیں تھوڑی سی بھی مہلت نہ دے۔

چہرے سے نقاب ہٹا دیا اور خلافتِ الٰہیہ پر شب خون مارنے والے گمراہ لوگوں کا تعارف کروا دیا۔

منزلِ صفاح

جب حضرت امام حسین علیہ السلام صفاح کے مقام پر پہنچے تو آپؑ کی ملاقات فرزدق بن غالب شاعر سے ہوئی۔ امامؑ نے اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جنہیں وہ اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا تو فرزدق نے جواب دیا: ان لوگوں کے دل آپؑ کے ساتھ اور تلواریں بنواُمیہ کے ساتھ ہیں اور قضاء آسمان سے ہی اُترتی ہے۔ (یعنی حتمی فیصلہ خدا کا ہی ہوتا ہے) یہ سن کر ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

صدقت لله الأمر ، والله يفعل ما يشاء وكل يوم ربنا في شأن إن نزل القضاء بما نحب فنحمد الله على نعمائه وهو المستعان على أداء الشكر وان حال القضاء دون الرجاء فلم يعتد من كان الحق نيته والتقوى سريرته

"تم نے سچ کہا حکم صرف خدا کے لیے ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہر دن ہمارا رب ایک نئی شان میں ہے۔ اگر اس کی قضا ہماری مرضی کے مطابق ہو تو ہم اللہ کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور وہی شکر ادا کرنے والوں کا مددگار ہے اور اگر ہماری اُمید کے خلاف اس کی قضا ہو تو وہ شخص حد سے تجاوز نہیں کرتا، جس کی نیت سچی ہو اور جس کا اُوڑھنا بچھونا تقویٰ ہو"۔

پھر فرزدق نے امامؑ سے مناسکِ حج کے متعلق کچھ سوالات کیے اور پھر وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ [1]

فرزدق بیان کرتا ہے کہ میں بصرہ سے عمرہ کے لیے نکلا تو دورانِ سفر میں نے صحرا میں ایک لشکر کو دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ حسینؑ ابن علیؑ کا لشکر ہے۔ پھر میں نے کہا کہ چلو میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کو ادا کرتا ہوں۔ یہ سوچ کر میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپؑ پر سلام کیا، تو آپؑ نے پوچھا: اے شخص تو کون ہے؟

میں نے جواب دیا: فرزدق بن غالب۔ آپؑ نے فرمایا: یہ مختصر نام و نسب ہے۔ پھر میں نے کہا: آپؑ کا تو مجھ سے بھی مختصر ترین نسب ہے کہ آپؑ اللہ کے رسولؐ کی بیٹی کے بیٹے ہیں۔ (انوار الربیع: سید علی خان، باب الشکر ار: ص ۷۳)

---

[1] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۱۸، کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۱۶، الارشاد شیخ مفید۔ ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ" ج ۱، ص ۳۳۸ پر ہے کہ فرزدق کی حضرت امام حسینؑ سے ملاقات "ذاتِ عرق" کے مقام پر ہوئی تھی۔ "معجم البلدان" میں ہے کہ "صفاح" حنین اور انصاب الحرم کے درمیان واقع ہے جہاں سے مکہ میں داخل ہوتے ہیں، یہ مقام وہاں حنین وسط میں واقع ہے۔

منزلِ ذاتِ عرق

حضرت ابو عبداللہ الحسینؑ ہر ایک سے بے پرواہ ہو کر عراق کی طرف سفر کر رہے تھے کہ ذاتِ عرق[1] کے مقام پر آپؑ کی ملاقات بشر بن غالب سے ہوئی۔ آپؑ نے اس سے کوفہ کے لوگوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا: ان کی تلواریں بنواُمیہ کے ساتھ ہیں اور ان کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ (ابن نما کی مثیر الاحزان: ص ۲۱)

ریاشی نے ان تمام لوگوں کے بارے میں بیان کیا ہے جنھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سفرِ کوفہ کے دوران راستے میں آپؑ سے ملاقات کی۔ راوی (بشر بن غالب) کہتا ہے: حج کرنے کے بعد میں تنہا اپنے راستے پر چل پڑا۔ میں نے چلتے ہوئے ایک طرف دیکھا تو مجھے وہاں پر کچھ خیمے نظر آئے اور میں ان خیموں کی جانب چل پڑا۔ میں نے پوچھا: یہ کس کے خیمے ہیں؟ لوگوں نے کہا: حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے بیٹے حضرت امام حسینؑ کے خیمے ہیں۔ یہ سن کر میں حضرت امام حسینؑ کی جانب چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ آپؑ خیمہ کے دروازے پر ٹیک لگائے خط پڑھ رہے ہیں۔ میں نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہو جائیں، آپؑ نے اس سنسان اور ویران جگہ پر قیام کیوں کر رکھا ہے جہاں پر کوئی گاؤں یا قصبہ نہیں ہے اور نہ ہی دشمن سے بچاؤ کا کوئی اہتمام ہے؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا:

---

[1] ابن نجیم الحنفی کی "البحر الرائق" ج ۲، ص ۳۱۷ پر مذکور ہے کہ مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ذاتِ عرق واقع ہے۔ ابن مفلح کی "الفروع" ج ۲، ص ۲۱۶ پر ہے کہ ذاتِ عرق اور مکہ کے درمیان دو دن کا فاصلہ ہے اور یہاں پر موجود ایک چھوٹی پہاڑی کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے جیسا کہ تاج العروس: ج ۷، ص ۸ پر مذکور ہے۔ اہلِ سنت کے نزدیک "ذاتِ عرق" شرق والوں کے لیے میقات ہے اور عراق و خراسان اسی میں سے ہیں۔ شیعہ امامیہ کی روایات کے مطابق رسولِ خدا نے عراقیوں کے لیے "عقیق" کو میقات قرار دیا تھا۔ امام شافعی نے "الام" ج ۲، ص ۱۱۸ پر اسی قول کو حسن (بہترین) قرار دیا ہے کیونکہ شافعی کے اعتقاد کے مطابق ذاتِ عرق کے متعلق اس حوالے سے کوئی نص موجود نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں عبداللہ ابن عمر سے مروی روایت کے مطابق خلیفہ ثانی عمر نے اسے میقات قرار دیا تھا۔ ابن قدامہ کی "المغنی" ج ۳، ص ۲۵۷ پر ابن عبدالبر سے منقول ہے کہ مقامِ عقیق سے احرام باندھنا زیادہ بہتر ہے اگرچہ اجماع اس پر ہے کہ اہلِ شرق والوں کے لیے ذاتِ عرق میقات ہے۔ فتح الباری، ج ۳، ص ۲۵۰ پر ہے کہ غزالی، رافعی، نووی اور مدونہ نے یہ قطعی طور پر کہا ہے کہ امام مالک کے نزدیک ذاتِ عرق کے میقات ہونے پر کوئی نص موجود نہیں ہے لیکن حنفی اور حنبلی علماء کے نزدیک اس کا میقات ہونا درست ہے اور شافعی مذہب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اس پر نص موجود ہے۔ معجم البلدان: ج ۶، ص ۱۹۹ پر ہے کہ مقامِ عقیق وادی ذوالحلیفہ کے عین وسط میں واقع ہے اور یہ مکہ سے زیادہ قریب ہے۔ مذہب امامیہ کے فقہاء نے کہا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ ذاتِ عرق سے احرام نہ باندھا جائے جو عقیق کے آخر میں واقع ہے۔

اِنَّ هؤلاء اخافوني وهذه كتب اهل الكوفة وهم قاتلىّ، فاذا فعلوا ذٰلك ولم يدعوا لله محرماً الا انتهكوه بعث الله اليهم من يقتلهم حتّٰى يكونوا اذل من فرام الامة [1]

"ان لوگوں (بنواُمیہ) نے مجھے خوف زدہ کررکھا ہے اور یہ کوفہ والوں کے خطوط ہیں جب کہ وہ مجھے قتل کردیں گے اور اگر انھوں نے اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا تو پھر وہ خدا کے ہر محترم امر کی حرمت کو پامال کریں گے اور ان کے اس جرم کی سزا کے طور پر خدا ان پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انھیں قتل کرکے موت کے گھاٹ اُتارے گا اور انھیں اس قدر ذلیل و رُسوا کرے گا کہ ان کی حیثیت اس کپڑے سے بھی کم ہوگی جسے ایک کنیز اپنی ناپاکی کی حالت میں استعمال کرکے پھینک دیتی ہے"۔

منزلِ حاجر

جب حضرت امام حسین علیہ السلام الرُّمّہ سے حاجر [2] پہنچے تو آپؑ نے حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کے خط کے جواب میں کوفہ والوں کے نام ایک خط لکھا اور قیس ابن مسہر صیداوی [3] کے ہاتھ یہ خط کوفہ روانہ کیا۔

امام علیہ السلام نے اس خط میں یہ تحریر کیا:

---

[1] "البدایۃ" ج ۸، ص ۱۶۹ پر ہے کہ حتّٰی یکونوا اذل من قرم الامۃ اس نے قرم کے معنی مقعد واسکارف کے کیے ہیں لیکن مؤلف نے لغت میں یہ معنی کہیں نہیں پایا اور صحیح جملہ درج بالا "فرام الامۃ" ہی ہے۔ اس سے مراد وہ چیتھڑا ہے جسے عورت اپنے مخصوص ایام میں مخصوص مقام پر رکھتی ہے۔

[2] معجم البلدان میں ہے کہ وادی کے کنارے پر پانی کے بہاؤ کو روکنے کے لیے جو بند باندھا جاتا ہے اسے "حاجز" کہتے ہیں اور اسی کتاب کی ج ۳، ص ۲۹۰ پر ہے کہ بطن الرمہ بصرہ سے مدینہ آنے والے مسافروں کے آرام کرنے کی جگہ ہے اور اسی جگہ پر کوفہ اور بصرہ کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ تاج العروس: ج ۳، ص ۱۳۶ پر ہے کہ حاجر مکہ کے راستے پر ایک جگہ ہے۔ عمر فروخ کی "تاریخ الادب العربی": ج ۱، ص ۱۹۵ پر جہاں زہیر بن ابی سلمی کے متعلق بیان کیا گیا ہے وہاں پر یہ بھی مذکور ہے کہ حاجر سرزمین نجد میں آج کے شہر ریاض کے جنوب میں واقع ہے۔ معجم البلدان: ج ۲، ص ۲۱۹ پر مذکور ہے کہ بطن الرمہ جو کہ میم اور راء پر تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے یہ نجد میں سطح مرتفع پر واقع ایک مشہور وادی ہے۔ رضا کحالہ نے "جغرافیۃ شبہ جزیرۃ العرب" ص ۲۷۴ کے حاشیہ پر تحریر کیا ہے کہ رمہ نجد میں ایک کشادہ پشت زمین ہے جس میں مختلف وادیوں سے بارش کا پانی بہتا ہوا یہاں پر آکر جمع ہوجاتا ہے۔ ابن عربی سے منقول ہے کہ رمہ ایک وسیع و عریض وادی ہے مکہ سے ایک دن کی مسافت پر ہے۔ اس کے اُوپر سے نیچے آتے وقت بنوکلاب آباد ہیں، تھوڑا اور نیچے اُتریں تو قبیلہ عبس اور بنو غطفان وغیرہ آباد ہیں، پھر تھوڑا اور نیچے اُتریں تو بنو اسد کا قبیلہ آباد ہے۔

[3] علی بن محمد الفتال نیشاپوری نے "روضۃ الواعظین" ص ۱۵۳ پر تحریر کیا ہے: یہ کہا جاتا ہے کہ امامؑ نے یہ خط عبداللہ بن یقطر کے ہاتھ کوفہ روانہ کیا تھا اور ممکن ہے کہ امامؑ نے کوفیوں کو دو خط بھیجے ہوں۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن یقطر اور دوسرا قیس بن مسہر کے ہاتھ بھیجا ہو۔ "الاصابۃ" ج ۳، ص ۴۹۲ پر قیس بن مسہر کا نسب بیان کرنے کے بعد یہ مذکور ہے کہ قیس کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ یہ انھیں اشتباہ ہوا ہے حالانکہ قیس کو ابن زیاد (ملعون) نے کوفہ میں شہید کروایا تھا۔

امابعد فقد ورد علیّ کتاب مسلم بن عقیل یخبرنی باجتماعکم علی نصرنا والطلب بحقنا فسألت الله أن یحسن لنا الصنع ویثیبکم علی ذٰلک اعظم الاجر وقد شخصت الیکم من مکة یوم الثلاثاء لثمان مضین من ذی الحجة فإنه قدم علیکم رسولی فانکمشوا فی امرکم فانی قادم فی ایامی هذه

''امابعد! میرے پاس مسلمؑ ابنِ عقیلؑ کا خط آیا اس نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ آپ لوگ ہماری نصرت و مدد اور ہمارے حقوق حاصل کرنے کے لیے اکٹھے ہیں اور میں خدا سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمارے لیے اس کام کو بہتر قرار دے اور آپ لوگوں کو اس پر اجرِ عظیم سے نوازے اور میں مکہ سے منگل کے دن آٹھ ذی الحجہ کو آپ کی طرف روانہ ہوا ہوں اور جب میرا پیغام رساں آپؑ کے پاس پہنچ جائے تو آپ لوگ اپنے معاملات کو جلدی سے سمیٹ لو کیونکہ میں انھی دنوں میں تمھارے پاس پہنچنے والا ہوں''۔

مخبروں سے ملاقات

حضرت امام حسین علیہ السلام حاجر سے روانہ ہوئے، آپؑ جیسے جیسے سرزمین عرب کے ان مقامات کو عبور کر رہے تھے جہاں پانی کا انتظام ہوتا تھا ویسے ویسے امامؑ کا ساتھ دینے والوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا (البدایہ، ابن کثیر: ج۸، ص ۱۶۸)۔ بالآخر آپؑ میاۃ العرب کے ایک مقام پر پہنچے تو وہاں پر آپؑ کی ملاقات عبداللہ بن مطیع العدوی سے ہوئی۔ جب عبداللہ بن مطیع العدوی کو یہ پتا چلا کہ حضرت امام حسینؑ عراق جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس نے امامؑ سے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میں آپؑ کو خدا کے نام پر یہ کہتا ہوں کہ اسلام کی حرمت پامال نہ ہونے دیں اور میں آپؑ کو خدا کی قسم دے کر کہہ رہا ہوں کہ عربوں کی عزت کا خیال رکھیں۔ خدا کی قسم! اگر آپؑ نے اس چیز (حکومت) کو طلب کیا جو اس وقت بنواُمیہ کے قبضے میں ہے تو وہ آپؑ کو ضرور قتل کر دیں گے، اگر انھوں نے آپؑ کو قتل کرنے کی جسارت کی تو پھر انھیں آپؑ کے بعد کسی کا ڈر اور خوف نہ رہے گا۔

لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کی بات کو قبول نہ کیا اور وہاں سے چل دیئے۔ (ارشاد شیخ مفیدؒ)

خزیمیہ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے خزیمیہ ① کے مقام پر ایک دن اور ایک رات قیام کیا۔ جب صبح ہوئی تو آپؑ کی ہمشیرہ

① خزیمیہ میں خاء پر پیش اور زاء پر زبر ہے۔ یہ مقام خزیمیہ بن حازم کی طرف منسوب ہے جو کوفہ سے مکہ جاتے ہوئے زرود کے بعد آتا ہے۔ ہم اس کتاب میں منازل کی جو ترتیب بیان کر رہے ہیں وہ ترتیب ہم نے ''معجم البلدان'' سے لی ہے۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور فرمایا کہ میں نے کسی ندا دینے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

الا یا عین فاحتفلی بجهد فمن یبکی علی الشهداء بعدی

علی قوم تسوقهم المنایا بمقدار الی انجاز وعد

''اے آنکھ تو کوشش کر کے اپنے آنسوؤں کو جمع کر لے کیونکہ میرے بعد ان شہیدوں پر کون روئے گا؟

ان لوگوں کو موت کھینچے آگے کی طرف لے جا رہی ہے تا کہ یہ اپنے وعدے کی مقدار کو پورا کریں''۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: یا اختاہ کل الذی قضی فهو کائن ''اے بہن! جس امر کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا''۔ [1]

منزلِ زَرود

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے زَرود [2] کے مقام پر آرام کرنے کے لیے قیام کیا تو امامؑ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر زہیر بن قین بجلی [3] بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ امامؑ کے ساتھ سفر نہیں کر رہے تھے اور وہ کسی ایسی جگہ پر آرام کی غرض سے نہیں رُکنا چاہتے تھے جہاں پر امامؑ نے قیام کر رکھا ہو لیکن اس جگہ پر پانی کی موجودگی کی وجہ سے وہ اکٹھے ہو گئے۔ زہیر اور ان کی جماعت کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت امام حسینؑ کا قاصد ان کے پاس آیا۔ اس نے زہیر سے کہا کہ آپ کو ہمارے سید و سردار حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ بلا رہے ہیں۔ یہ سن کر زہیر نے کوئی جواب نہ دیا لیکن ان کی بیوی دلھم بنت عمرو نے انھیں اس بات پر تشویق دلائی کہ ان کے پاس جا کر ان کی بات تو سنو۔ (اللهوف ابن طاؤس، ص ۴۰)

پھر زہیر بن قینؒ حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف چل پڑے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ خوشی اور سرور کی حالت میں اپنے ساتھیوں کے پاس واپس لوٹے۔ اس وقت آپ کا چہرہ چمک رہا تھا اور آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرا خیمہ یہاں سے اُکھیڑ کر اور میرا سامان یہاں سے اُٹھا کر وہاں پر منتقل کر دو جہاں پر جوانانِ جنت کے سردار ڈیرہ ڈالے

---

[1] مثیر الاحزان: ص ۲۳

[2] المعجم مما استعجم: ج ۲، ص ۶۹۶ پر ہے کہ ''زرود'' کے زاء پر زبر اور دال پر کوئی نقطہ نہیں ہے۔ ''معجم البلدان'' ج ۴، ص ۳۲۷ پر مذکور ہے کہ جب حاجی کوفہ سے مکہ کی طرف آتے ہیں تو یہ مکہ کے راستے پر ثعلبیہ اور خزیمیہ کے درمیان ریت کا ایک ٹیلہ ہے اور یہ خزیمیہ سے ایک میل کی دوری پر واقع ہے۔ یہاں پر پانی کا ایک حوض بھی ہے اور اسی جگہ پر ایک جنگ ہوئی تھی جسے ''جنگِ زرود'' کہتے ہیں۔

[3] ابن حزم نے ''جمهرة انساب العرب'' ص ۳۶۵ پر بجلی قبائل کے تذکرے کے دوران بیان کیا ہے (کہ ان کا پورا نام و نسب یہ ہے): زہیر بن قین بن حارث بن عامر بن سعد بن مالک بن زہیر بن عمرو بن یشکر بن علی بن مالک بن سعد بن نذیر بن قسر بن عبقر بن انمار بن اراش بن عمرو بن غوث بن نبت مالک بن زید بن کہلان بن سبا۔ اور اس نے ص ۳۱۰ پر بیان کیا ہے کہ سبا کا نسب یوں ہے: سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے خاندان والوں کے پاس چلی جاؤ کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے تمھیں کوئی نقصان پہنچے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا: تم میں سے جو شخص رسولؐ خدا کے بیٹے کی نصرت کرنا چاہتا ہو وہ میرے ساتھ آسکتا ہے ورنہ تمھاری اور میری یہ آخری ملاقات ہوگی۔

پھر زہیر ابن قین نے اپنے ساتھیوں کو یہ کہتے ہوئے اس خبر کے متعلق بتایا جو حضرت سلمان فارسیؓ نے انھیں واقعۂ کربلا کے حوالے سے بتائی تھی کہ ہم نے بلنجر [1] میں جنگ کی اور ہمیں فتح نصیب ہوئی اور ہمیں بہت زیادہ مالِ غنیمت ہاتھ لگا، جس پر ہم بہت زیادہ خوش ہوئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ [2] نے خوشی کی اس کیفیت میں ہمیں دیکھ کر کہا: جب تم آلِ محمدؐ کے خاندان میں سے جوانوں کے سید و سردار (حضرت امام حسینؑ) کا زمانہ دیکھو گے تو اس وقت تمھیں ان کی ہمراہی میں جنگ کر کے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوگی جو اس وقت تمھیں جنگی مالِ غنیمت کے حصول پر ہو رہی ہے اور میں تم لوگوں کو خدا کے حوالے کر رہا ہوں۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۲۴، مقتل الخوارزمی، پہلا جزء، ص ۲۲۲)

زہیر کی بیوی نے ان سے کہا: خدا تمھاری عزت و عظمت میں اضافہ کرے، میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ تم قیامت کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام کے نانا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مجھے بھی یاد کر لینا۔ [3]

---

[1] "معجم البلدان" اور "المعجم مما استعجم" میں ہے کہ "بلنجر" کی باء اور لام پر زبر، نون ساکن اور جیم پر زبر اور راء پر کوئی نقطہ نہیں ہے۔ مؤلف کہتے ہیں کہ مجھے نہ تو ان دو کتابوں میں اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور کتاب میں کوئی دوسرا شہر ایسا ملا ہے کہ جس کا نام بلنجر ہو۔ ہاں ابن حجر نے "الاصابۃ" ج ۳، ص ۲۷۴، تیسری قسم میں قیس بن فروہ بن زرارہ بن ارقم کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ قیس نے عراق کی فتوحات میں شرکت کی تھی اور وہ عراق کی سرزمین پر بلنجر میں شہید ہوئے۔ پھر اس نے اس شہر کے نام کا تلفظ بتایا اور کہا: اس جنگ میں فوج کا سالار سلمان بن ربیعہ تھا۔

[2] شیخ مفید نے "الارشاد"، فتال نے "روضۃ الواعظین"، ص ۱۵۳، ابن نما نے "مثیر الاحزان" ص ۲۳، خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ" ج ۱، ص ۲۲۵، فصل ۱۱، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۷، بکری نے "المعجم مما استعجم" ج ۱، ص ۲۷۶ پر اسے بیان کیا ہے۔ تاریخ طبری: ج ۵، ص ۷۷، کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۵۰ پر موجود عبارت درج بالا بیان کی تائید کرتی ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ اس جنگ میں موجود تھے۔

[3] ابن نما کی "مثیر الاحزان" ص ۲۳، الملہوف: ص ۴۰، جب کہ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۲۴، پہلے ایڈیشن پر یہ مذکور ہے کہ زہیر نے اپنی زوجہ سے کہا: "میں نے تمھیں طلاق دی لہٰذا تم اپنے خاندان والوں کے پاس چلی جاؤ"۔ مؤلف کہتے ہیں اور مترجم ان کی تائید کرتا ہے کہ حضرت زہیر کا اپنی بیوی کو اس وقت طلاق دینے کا کیا مقصد اور ہدف تھا؟ کیا وہ انھیں طلاق دے کر تبرکہ سے محروم رکھنا چاہتے تھے یا وہ یہ چاہتے تھے کہ یہ عورت تین مہینے کے بعد شرعی طور پر دوسری شادی کی حق دار ہو جائے یا وہ اس بات کو پسند نہیں کر رہے تھے کہ یہ آخرت میں ان کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل کر سکے؟! جیسا کہ امیر المومنین حضرت علیؑ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ ازواج کو طلاق دی اور امام علی رضاؑ نے امام موسیٰ کاظمؑ کی زوجہ اُم فروہ کو طلاق دی تھی؟ حالانکہ اس باعظمت خاتون کا تو زہیر پر یہ احسان بھی تھا کہ اس نے ہی زہیر کی شہادت کے ذریعے سعادت و خوش بختی کے راستے کی طرف رہنمائی کی تھی لیکن اس تمام امر کو سمجھنے میں یہ بات آسان کر دیتی ہے کہ اس بات کو صرف سدی (جو کہ ایک ضعیف راوی ہے) سے نقل کیا گیا ہے، اس کے علاوہ کسی اور راوی نے یہ بات بیان نہیں کی ہے۔

زرود کے مقام پر ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت مسلم ابن عقیلؑ اور جناب ہانی بن عروہؒ کی شہادت کی خبر ملی تو آپؑ نے کئی دفعہ انا للہ وانا الیہ راجعون کے کلمات اپنی زبانِ مبارک پر جاری فرمائے اور فرمایا: خدا ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے اور گریہ کرنے لگے۔ آپؑ کے ساتھ دیگر ہاشمی مرد و خواتین نے بھی گریہ کیا۔ عورتوں کی چیخ و پکار اس قدر بلند ہو رہی تھی کہ وہ جگہ ان کے گریہ و بکا کے شور سے لرز رہی تھی جو وہ حضرت مسلم ابن عقیلؑ کی شہادت کی وجہ سے کر رہی تھیں اور ہر ایک کی آنکھوں سے اشکوں کی برسات جاری تھی۔ [1]

اسی مقام پر حضرت امام حسین علیہ السلام سے عبداللہ بن سلیم الاسدی اور منذر بن مشمعل اسدی نے ملاقات کی اور انھوں نے امامؑ سے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! ہم آپؑ کو خدا کی قسم اور واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ اسی جگہ سے واپس چلے جائیں کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی ناصر و مددگار نہیں ہے۔

یہ سن کر حضرت عقیلؑ کی اولاد نے کھڑے ہو کر کہا: اب ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک اپنے پیاروں کے خون کا بدلہ نہ لے لیں یا ہم بھی اپنے بھائی (مسلمؑ) کی طرح درجۂ شہادت پر فائز ہو جائیں۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے اولادِ عقیل کی طرف دیکھ کر فرمایا: لاخیر فی العیش بعد ھؤلاء "ان کے بعد زندگی میں کوئی عافیت و بھلائی نہیں"۔ [2]

منزلِ ثعلبیہ

ثعلبیہ کے مقام پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ اس نے آپؑ سے خدا کے اس فرمان: يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ (قیامت کے دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ سورۂ اسراء، آیت ۷۱) کے متعلق پوچھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: امام دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ امام جو لوگوں کو ہدایت اور راہِ راست کی طرف بلاتا ہے اور لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور دوسرا وہ امام ہے جو لوگوں کو ضلالت و گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور لوگ اس کی جانب بھی بڑھتے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ جنتی ہے اور دوسرا جہنمی ہے۔

جیسا کہ ارشادِ پروردگار ہے:

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (سورۂ شوریٰ: آیت ۷)

---

[1] تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۹۵ اور ابن اثیر نے "البدایہ" ج ۸، ص ۱۶۸ پر تحریر کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کئی مرتبہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

[2] اللہوف: ص ۱۴۱۔ مؤلف کے مطابق انھیں کسی معتبر کتاب میں یہ نہیں ملا کہ جب امام علیہ السلام کو حضرت مسلم ابن عقیلؑ کی شہادت کی خبر ملی تو انھوں نے حضرت مسلمؑ کی بیٹی حمیدہ کو اپنے پاس بلا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور اس نے فرمایا کہ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ کچھ برا ہوا ہے.....الخ۔

"ان میں سے ایک گروہ جنت میں جائے گا اور دوسرا جہنم میں جائے گا"۔ ①

اسی مقام پر امام علیہ السلام سے کوفہ کے رہنے والے ایک شخص نے ملاقات کی تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

اما واللہ لو لقیتک بالمدینة لأریتك اثر جبرئیل فی دارنا ونزوله بالوحی علی جدّی یا اخا اهل الکوفة من عندنا مستقی العلم افعلموا وجهلنا؟ هذا مما لا یکون

"خدا کی قسم! اگر تمھاری مجھ سے مدینہ میں ملاقات ہوئی ہوتی تو میں تمھیں اپنے گھر میں جبرائیلؑ کے آثار و نشانات دکھاتا جہاں وہ میرے نانا پر وحی لے کر آتا تھا۔ اے کوفہ سے تعلق رکھنے والے بھائی! ہم سے علم کے چشمے پھوٹتے ہیں، کیا اب وہ لوگ (اُموی) عالم اور ہم جاہل ہو گئے؟! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے"۔ (بصائر الدرجات، صفار، ص ۳، اصول کافی: باب مستقی العلم من بیت آل محمدؐ)

ثعلبیہ کے رہنے والے بجیر نامی شخص کی گفتگو کے مطابق (وہ کہتا ہے:) حضرت امام حسین علیہ السلام ہمارے پاس سے گزرے۔ اس وقت میں ابھی لڑکا تھا اور میرے بھائی نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: اے رسولؐ خدا کی بیٹی کے بیٹے! میں آپؑ کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں کہ آپؑ کے ساتھ بہت کم لوگ ہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنے چابک سے سواری کے ساتھ موجود تھیلے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: یہ تھیلا خطوط سے بھرا ہوا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ج ۳، ص ۲۰۵)

منزلِ شقوق

شقوق ② کے مقام پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا ③ جو کوفہ سے آرہا تھا۔ امامؑ نے اس سے عراق کے لوگوں کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ تمام لوگ آپؑ کے خلاف اکٹھے ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: بے شک! حکم صرف خدا کا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہمارا پروردگار ہر دن میں ایک نئے انداز میں لوگوں کے اُمور کو منظم کرتا ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے ان اشعار کو پڑھا:

---

① امالی شیخ صدوقؒ میں ہے کہ ثعلبیہ کی ثاء پر زبر ہے اور اس کا نام بنو اسد کے ایک شخص ثعلبہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ وہ ثعلبہ اس جگہ پر قیام کرنے کے لیے اُترا تو اس نے یہاں پر ایک کنواں کھودا۔ "معجم البلدان" کے مطابق کوفہ سے مکہ جاتے کے لیے یہ "شقوق" کے بعد واقع ہوتا ہے۔ سمہودی کی "وفاء الوفاء" ج ۲، ص ۳۵ پر ہے کہ یہ مقام پانی کے قریب واقع ہے اور اسے "ثعلبیہ" کہا جاتا ہے۔ یعقوبی کی "البلدان" ص ۳۱۱، جو ابن رستہ کی "الاعلاق النفیسۃ" سے ملحق ہے اس پر مذکور ہے کہ ثعلبیہ شہر کے اردگرد وقامی حصار ہے۔

② مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۱۳ پر ہے کہ "شقوق" پیش کے ساتھ ہے۔ کوفہ سے مکہ جاتے ہوئے زبالہ کے بعد یہ منزل آتی ہے، اس کا تعلق بنو اسد سے ہے۔ "معجم البلدان" میں ہے کہ اسی جگہ پر علی عبادی کی قبر ہے۔

③ خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ"، ج ۱، ص ۲۲۳ پر اس شخص کا نام فرزدق تحریر کیا ہے لیکن یہ اسے اشتباہ ہوا ہے۔

ابو عبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

لَیْسَ یخفی علیَّ الرأی وإنَّ اللہَ لا یغلب علی امرہ (تاریخ طبری: ج۶، ص۲۲۶)

"مجھ سے کوفہ والوں کی رائے مخفی نہیں ہے اور بے شک خدا کے حکم پر کوئی غالب نہیں آسکتا ہے"۔

پھر مزید امام علیہ السلام نے فرمایا:

انہم لن یدعونی حتّٰی یستخرجوا ھذہ العلقۃ من جوفی فإذا فعلوا ذٰلک سلط اللہ علیہم من یذلہم حتّٰی یکونوا اذل فرق الامم

"بتحقیق یہ لوگ مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک مجھے موت سے ہمکنار نہ کرلیں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انھیں اس قدر ذلیل ورُسوا کرے گا کہ یہ لوگ تمام اُمتوں کے گروہوں سے زیادہ ذلیل اور پست گروہ ہوگا"۔ (ارشاد شیخ مفیدؒ، نفس المہموم، محدث قمی، ص ۹۸، پہلا ایڈیشن ایران)

منزلِ شراف

حضرت امام حسین علیہ السلام منزل بطن العقبہ سے روانہ ہوئے تو منزلِ "شراف"① پر پہنچ کر قیام کیا۔ جب سحری کا وقت ہوا تو امامؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ پانی جمع کرلو اور زوال کے وقت امامؑ کے اصحاب میں سے ایک صحابی نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو امامؑ نے اس سے پوچھا: تم نے نعرۂ تکبیر کیوں بلند کیا؟ تو اس نے عرض کیا: میں نے کھجور کے درخت دیکھے ہیں۔ یہ سن کر امامؑ کے دوسرے ساتھیوں نے یہ ماننے سے انکار کردیا کہ اس مقام پر کھجور کے درخت نہیں ہوسکتے بلکہ یہ نیزوں کی نوکیں اور گھوڑوں کے کان ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میں بھی یہ نیزے اور گھوڑے ہی دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپؑ نے اپنے اصحاب سے کسی محفوظ پناہ گاہ کے متعلق پوچھا تاکہ سب لوگ اس طرف چلے جائیں۔ تو آپؑ کے اصحاب نے عرض کیا: آپؑ کے بائیں طرف "ذوحُسم پہاڑ"② ہے یہ اسی طرح ہمارے لیے محفوظ جگہ ہے جیسے آپؑ چاہتے ہیں۔ پھر امام حسین علیہ السلام اس پہاڑ کی جانب

---

① "معجم البلدان" میں ہے کہ "شراف" کی شین اور فاء پر زبر ہے۔ اس جگہ کا نام ایک شخص کے نام پر شراف رکھا گیا۔ اس نے یہاں پر ایک چشمہ نکالا پھر یہاں پر کئی بڑے بڑے کنویں کھودے گئے جن کا پانی شیریں اور میٹھا تھا۔ شراف سے واقصہ تک کی مسافت دو میل ہے۔ تاریخ طبری: ج۴، ص ۸۷ پر ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص شراف میں تھا تو اشعث ابن قیس یمن کے سترہ سو افراد کو لے کر سعد کے پاس آیا اور ان سب افراد کو شراف میں چھوڑ کر خود عراق کی طرف روانہ ہوگیا۔

② "حسم" میں میم پر پیش اور سین پر زبر ہے۔ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں نعمان بن منذر شکار کرتا تھا، اس کے متعلق نابغہ نے چار اشعار بھی کہے تھے۔

"ان میں سے ایک گروہ جنت میں جائے گا اور دوسرا جہنم میں جائے گا"۔ [1]

اسی مقام پر امام علیہ السلام سے کوفہ کے رہنے والے ایک شخص نے ملاقات کی تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

اما واللہ لو لقیتك بالمدینة لأریتك اثر جبرئیل فی دارنا ونزوله بالوحی علی جدّی یا اخا اهل الکوفة من عندنا مستقی العلم افعلموا وجهلنا؟ هذا مما لا یکون

"خدا کی قسم! اگر تمھاری مجھ سے مدینہ میں ملاقات ہوئی ہوتی تو میں تمھیں اپنے گھر میں جبرائیلؑ کے آثار ونشانات دکھاتا جہاں وہ میرے نانا پر وحی لے کر آتا تھا۔ اے کوفہ سے تعلق رکھنے والے بھائی! ہم سے علم کے چشمے پھوٹتے ہیں، کیا اب وہ لوگ (اُموی) عالم اور ہم جاہل ہو گئے؟! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے"۔ (بصائر الدرجات، صفار، ص ۳، اصول کافی: باب مستقی العلم من بیت آلِ محمدؐ)

ثعلبیہ کے رہنے والے بحیر نامی شخص کی گفتگو کے مطابق (وہ کہتا ہے:) حضرت امام حسین علیہ السلام ہمارے پاس سے گزرے۔ اس وقت میں ابھی لڑکا تھا اور میرے بھائی نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: اے رسولؐ خدا کی بیٹی کے بیٹے! میں آپؑ کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں کہ آپؑ کے ساتھ بہت کم لوگ ہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنے چابک سے سواری کے ساتھ موجود تھیلے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: یہ تھیلا خطوط سے بھرا ہوا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ج ۳، ص ۲۰۵)

منزلِ شقوق

شقوق [2] کے مقام پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا [3] جو کوفہ سے آرہا تھا۔ امامؑ نے اس سے عراق کے لوگوں کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ تمام لوگ آپؑ کے خلاف اکٹھے ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: بے شک! حکم صرف خدا کا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہمارا پروردگار ہر دن میں ایک نئے انداز میں لوگوں کے اُمور کو منظم کرتا ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے ان اشعار کو پڑھا:

---

[1] امالی شیخ صدوق میں ہے کہ ثعلبیہ کی ثاء پر زبر ہے اور اس کا نام بنو اسد کے ایک شخص ثعلبہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ وہ ثعلبہ اس جگہ پر قیام کرنے کے لیے اُترا تو اس نے یہاں پر ایک کنواں کھودا۔ "معجم البلدان" کے مطابق کوفہ سے مکہ جانے کے لیے یہ "شقوق" کے بعد واقع ہوتا ہے۔ سمہودی کی "وفاء الوفاء" ج ۲، ص ۳۵ پر ہے کہ یہ مقام پانی کے قریب واقع ہے اور اسے "ثعلبیہ" کہا جاتا ہے۔ یعقوبی کی "البلدان" ص ۳۱۱، جو ابن رستہ کی "الاعلاق النفیسۃ" سے ملحق ہے اس پر مذکور ہے کہ ثعلبیہ شہر کے اردگرد دفاعی حصار ہے۔

[2] مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۱۳ پر ہے کہ "شقوق" پیش کے ساتھ ہے۔ کوفہ سے مکہ جاتے ہوئے زبالہ کے بعد یہ منزل آتی ہے، اس کا تعلق بنو اسد سے ہے۔ "معجم البلدان" میں ہے کہ اسی جگہ پر علی عبادی کی قبر ہے۔

[3] خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ"، ج ۱، ص ۲۲۳ پر اس شخص کا نام فرزدق تحریر کیا ہے لیکن یہ اسے اشتباہ ہوا ہے۔

فإن تكن الدنيا تعد نفيسة	فدار ثواب الله أعلى وانبل
وإن تكن الاموال للترك جمعها	فما بال متروك به المرء يبخل
وإن تكن الأرزاق قسماً مقدراً	فقلة حرص المرء في الكسب أجمل
وإن تكن الأبدان للموت أنشئت	فقتل امرىء بالسيف في الله أفضل
عليكم سلام الله يا آلِ احمد	فإني أراني عنكم سوف أرحل [1]

"اگر دنیا کوئی بیش قیمت اور نایاب شے ہے تو اللہ کے پاس (نیک و صالح لوگوں کے لیے) ثواب اور گھر زیادہ نایاب اور اس سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ اور اگر مال کو اس لیے جمع کیا جاتا ہے کہ اسے اپنے بعد پیچھے چھوڑ کر جانا ہے تو پھر انسان اس شے میں کنجوسی کیوں کرتا ہے جسے اپنے بعد پیچھے چھوڑ کر جانا ہے۔ اور اگر رزق ایک مقررہ مقدار کے تحت تقسیم شدہ ہے تو پھر انسان کا رزق کمانے کے دوران کم حرص و لالچ کرنا زیادہ بہتر ہے! اور اگر جسموں کو موت کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے تو پھر انسان کے لیے راہِ خدا میں تلوار کے ذریعے شہادت کی موت قبول کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اے آلِ احمدؑ! آپؑ پر خدا کا سلام ہو اور تم دیکھو گے کہ میں بہت جلد تم سے جدا ہو جاؤں گا"۔

منزلِ زبالہ

جب حضرت امام حسین علیہ السلام منزلِ زبالہ پہنچے تو آپؑ نے اپنے سفیر عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر موصول ہوئی جن کو امامؑ نے دورانِ سفر اپنا پیغام دے کر حضرت مسلم ابن عقیلؑ کی طرف روانہ کیا۔ حصین ابن نمیر (ملعون) نے انھیں کوفہ جاتے ہوئے قادسیہ کے مقام پر گرفتار کرلیا اور وہ انھیں عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ ابن زیاد (ملعون) نے انھیں عبداللہ بن یقطر کو یہ حکم دیا کہ تم منبر پر جا کر کذاب ابن کذاب (العیاذ باللہ) پر لعنت کرو لیکن جب وہ لوگوں کے سامنے منبر پر تشریف لے گئے تو فرمایا:

ايها الناس انا رسول الحسين ابن فاطمة لتنصروه وتوازروه على ابن مرجانة

"اے لوگو! میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا سفیر ہوں جو حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے بیٹے ہیں اور میں اس لیے ان کی طرف سے تمھارے پاس آیا ہوں تا کہ تم ان کی نصرت و مدد کرو اور اس مرجانہ کے بیٹے کے خلاف اپنی مدد کے ذریعے امامؑ کو مضبوط کرنا"۔

---

[1] خوارزمی نے مقتل الحسینؑ: ج ۱، ص ۲۲۳ پر پانچواں بیت الشعر ذکر نہیں کیا اور اس نے یہ امام حسین علیہ السلام کے اشعار قرار دیے ہیں۔

پھر عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کے حکم کے تحت انھیں محل (دارالامارہ) کی چھت سے نیچے گرا دیا گیا جب کہ ان کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔ ابھی ان میں کچھ سانسیں باقی تھیں کہ ان کے قریب ایک شخص گیا جس کا نام عبدالملک بن عمیر لخمی بتایا جاتا ہے، اس نے انھیں ذبح کر ڈالا۔ جب لوگوں نے اس (ملعون) کے اس کام پر لعن طعن اور ملامت کی تو اس نے کہا: میں نے انھیں راحت اور سکون پہنچانے کے لیے یہ کام کیا تھا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے انھیں ذبح کیا وہ دراز قد تھا اور وہ عبدالملک بن عمیر سے مشابہ تھا۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے ہمراہ لوگوں کو اس خبر سے آگاہ کیا اور انھیں اجازت دے دی کہ جو واپس جانا چاہتا ہے وہ جا سکتا ہے۔ پھر آپؑ کے ہمراہ لوگوں میں سے کئی افراد دائیں بائیں منتشر ہو گئے اور جو آپؑ کے ہمراہ مکہ سے تشریف لائے تھے وہ آپؑ کے ساتھ باقی رہے جب کہ امام علیہ السلام کے اس سفر کے دوران بہت زیادہ عرب کے دیہاتی افراد یہ سوچ کر امامؑ کے ساتھ چل پڑے تھے کہ امامؑ ایک شہر میں پہنچیں گے اور وہاں کے رہنے والے امامؑ کی اطاعت و فرماں برداری میں ہر وقت مشغول رہیں گے۔ امام علیہ السلام کو یہ پسند نہیں تھا کہ ایسے دنیادار لوگ ان کے اس سفر میں ہمراہی ہوں۔ آپؑ یہ جانتے تھے کہ اگر میں نے ان لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے بعد واپس جانے کی اجازت دے دی تو صرف وہ شخص ہی ان کے ہمراہ جانے کے لیے تیار ہوگا جو موت کے لیے تیار اور آخری وقت تک ان کا ساتھ دینا چاہے گا۔[1]

منزلِ بطن العقبہ

حضرت امام حسین علیہ السلام منزلِ زبالہ سے روانہ ہوئے تو منزلِ بطن العقبہ پر پہنچ کر قیام کیا۔ جب امام علیہ السلام وہاں پہنچے تو آپؑ نے اپنے اصحابؑ سے فرمایا:

> ما اراني الّا مقتولاً فانِي رايت في المنام كلاباً ينهشني واشدها عليّ كلب ابقع
>
> "میں خود کو شہید ہوتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ میں نے خواب میں کچھ کتوں کو دیکھا ہے جو مجھے نوچ رہے ہیں اور ان کتوں میں سے سب سے وحشی سیاہ و سفید داغوں والا کتا ہے جو میرے اُوپر سوار ہے"۔ (کامل الزیارات: ص ۷۵)

بنو عکرمہ کے عمرو بن لوزان نے امام علیہ السلام کو یہ تجویز دی کہ آپؑ یہاں سے واپس مدینہ لوٹ جائیں کیونکہ کوفہ کے لوگ دھوکا باز، غدار اور خائن ہیں۔

---

[1] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۲۶، زبالہ کی راہ پر پیش ہے اور یہ کوفہ سے مکہ جاتے ہوئے راستے میں شقوق سے پہلے واقع ہے۔ وہاں پر ایک قلعہ اور بنو اسد کی مسجد ہے۔ اس جگہ کا نام زبالہ قوم عمالقہ کی ایک عورت زبالہ بنت مسعر کے نام پر رکھا گیا ہے اور عربوں کی جنگوں میں جنگ زبالہ مشہور ہے۔

ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

لَیْسَ یخفی علیّ الرأی وانّ اللہ لا یغلب علی امرہ (تاریخ طبری: ج۶، ص۲۲۶)

"مجھ سے کوفہ والوں کی رائے مخفی نہیں ہے اور بے شک خدا کے حکم پر کوئی غالب نہیں آسکتا ہے"۔

پھر مزید امام علیہ السلام نے فرمایا:

انھم لن یدعونی حتّٰی یستخرجوا ھذہ العلقۃ من جوفی فاذا فعلوا ذٰلک سلط اللہ علیھم من یذلھم حتّٰی یکونوا اذل فرق الامم

"تحقیق یہ لوگ مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک مجھے موت سے ہمکنار نہ کرلیں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انھیں اس قدر ذلیل و رُسوا کرے گا کہ یہ لوگ تمام اُمتوں کے گروہوں سے زیادہ ذلیل اور پست گروہ ہوگا"۔ (ارشاد شیخ مفیدؒ، نفس المہموم، محدث قمی، ص ۹۸، پہلا ایڈیشن ایران)

منزلِ شراف

حضرت امام حسین علیہ السلام منزلِ بطن العقبہ سے روانہ ہوئے تو منزلِ "شراف"① پر پہنچ کر قیام کیا۔ جب سحری کا وقت ہوا تو امامؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ پانی جمع کرلو اور زوال کے وقت امامؑ کے اصحاب میں سے ایک صحابی نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو امامؑ نے اس سے پوچھا: تم نے نعرۂ تکبیر کیوں بلند کیا؟ تو اس نے عرض کیا: میں نے کھجور کے درخت دیکھے ہیں۔ یہ سن کر امامؑ کے دوسرے ساتھیوں نے یہ ماننے سے انکار کردیا کہ اس مقام پر کھجور کے درخت نہیں ہوسکتے بلکہ یہ نیزوں کی نوکیں اور گھوڑوں کے کان ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میں بھی یہ نیزے اور گھوڑے ہی دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپؑ نے اپنے اصحاب سے کسی محفوظ پناہ گاہ کے متعلق پوچھا تاکہ سب لوگ اس طرف چلے جائیں۔ تو آپؑ کے اصحاب نے عرض کیا: آپؑ کے بائیں طرف "ذوحُسَم پہاڑ"② ہے یہ اسی طرح ہمارے لیے محفوظ جگہ ہے جیسے آپؑ چاہتے ہیں۔ پھر امام حسین علیہ السلام اس پہاڑ کی جانب

① "معجم البلدان" میں ہے کہ "شراف" کی شین اور فاء پر زبر ہے۔ اس جگہ کا نام ایک شخص کے نام پر شراف رکھا گیا۔ اس نے یہاں پر ایک چشمہ نکالا پھر یہاں پر کئی بڑے بڑے کنویں کھودے گئے جن کا پانی شیریں اور میٹھا تھا۔ شراف سے واقصہ تک کی مسافت دو میل ہے۔ تاریخ طبری: ج ۴، ص ۸۷ پر ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص شراف میں تھا تو اشعث ابن قیس یمن کے سترہ سو افراد کو لے کر سعد کے پاس آیا اور ان سب افراد کو شراف میں چھوڑ کر خود عراق کی طرف روانہ ہوگیا۔

② "حسم" میں میم پر پیش اور سین پر زبر ہے۔ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں نعمان بن منذر شکار کرتا تھا، اس کے متعلق نابغہ نے چار اشعار بھی کہے تھے۔

بڑھ گئے اور وہاں پر اپنے خیمے نصب کیے۔ اتنے میں حُرالریاحی [1] ایک ہزار گھڑسواروں کے ساتھ امامؑ کے ساتھیوں کے سامنے ظاہر ہوئے۔ انھیں ابن زیاد (ملعون) نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف بھیجا تھا تاکہ وہ امامؑ کا راستہ روک سکے اور اسے حکم دیا کہ انھیں جہاں بھی پائے وہاں سے زبردستی واپس مدینہ بھیج دے یا انھیں اپنے ساتھ کوفہ لے آئے۔ اس تپتی ہوئی دوپہر میں حضرت حُر اور اب کے ساتھی حضرت امام حسینؑ کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ (مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۲۳۰، فصل ۱۱)

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ حُر اور اس کے سپاہی سخت پیاسے ہیں تو آپؑ نے اپنے اصحاب کو یہ حکم دیا کہ حُر، اس کے سپاہیوں اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلایا جائے۔ پھر امامؑ کے اصحاب نے حُر کے پہلے شخص سے لے کر آخری شخص تک ان کے گھوڑوں سمیت سب کو پانی سے سیراب کیا۔ امامؑ کے اصحاب نے مختلف برتنوں اور پیالوں میں پانی ڈالا اور ان کے ذریعے ان کے گھوڑوں کو تھوڑا تھوڑا کر کے پانی پلاتے۔ جب ایک گھوڑا تین، چار یا پانچ مرتبہ سر نیچے کر کے پانی پی لیتا تو پھر اپنا سر اُوپر اُٹھاتا اور پھر وہ خود بخود اپنا منہ پیچھے کر لیتا تو تب امامؑ کے ساتھی پانی کے برتن ان کے آگے سے ہٹاتے تھے۔ اسی طرح امامؑ کے اصحاب نے تمام جانوروں کو پانی پلایا۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۲۶)

حُر کے لشکر کا آخری سپاہی علی بن طعان محاربی تھا اور پیاس کے غلبے کی وجہ سے اس کی جان جا رہی تھی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسے کہا: أَنِخِ الراوية۔ حجاز والوں کی زبان میں جمل (اُونٹ) کو روایہ کہتے ہیں۔ یہ حجاز کی لغت سے واقف نہیں تھا اس لیے امامؑ کے اس جملہ سے یہ نہ سمجھ سکا کہ آپؑ کی اس جملہ سے کیا مراد ہے۔ پھر امامؑ نے اُسے کہا: أَنِخِ الجمل "اُونٹ کو بٹھا دو"۔ جب اس نے پانی پینا چاہا تو مشک کے اُوپر زمین پر گرنے لگا۔ ریحانۃ الرسول حضرت امام حسینؑ نے اس سے فرمایا: مشک کے منہ کو پھاڑ کر اس کو باہر کی جانب موڑ لو اور پھر مشک سے آرام کے ساتھ پانی پیو لیکن پیاس کی شدت کی وجہ سے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

پھر امام علیہ السلام خود اُٹھے اور اس پر یوں شفقت فرمائی کہ مشک کا منہ اس کے منہ میں ڈال کر اسے سیراب کیا یہاں تک کہ جب اس نے پیٹ بھر کر پانی پی لیا اور اس کی سواری کا جانور بھی سیراب ہوگیا تو امامؑ پیچھے ہٹے۔

یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے اس چٹیل، بیابان میں حُر اور اس کے لشکر پر لُطف و کرم اور شفقت و مہربانی تھی کہ جہاں پر ایک گھونٹ پانی میسر آنا بھی مشکل تھا جب کہ امام علیہ السلام اس نازک وقت سے بھی واقف تھے کہ جب پانی ختم ہوجائے گا اور کل یہی لوگ پیاسے شہید کیے جائیں گے لیکن آپؑ کی رگوں میں دوڑنے والا نبیؐ کا خون اور حضرت علیؑ کی

---

[1] ابن حزم نے "جمھرۃ انساب العرب" ص ۲۱۵ پر حُر کا نام و نسب یوں بیان کیا ہے: حُر بن یزید بن ناجیہ بن قعنب بن عتاب الردف بن هرمی بن ریاح بن یربوع۔ عتاب کو ردف اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ بادشاہ اسے اپنا ہم نشین بناتے تھے اور اس نے ص ۲۱۳ پر حضرت حُر کے اجداد کا مزید نسب یوں بیان کیا: یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم۔

سعادت نے ان لوگوں کو امامؑ کے اس فضل سے محروم نہ رکھا۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے حر اور اس کے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

إنها معذرة إلى الله واليكم و إني لم آتكم حتّى أتتني كتبكم وقدمت بها عليّ رسلكم أن اقدم علينا فإنه ليس لنا امام ولعل الله يجمعنا بك على الهدىٰ فإن كنتم على ذٰلك فقد جئتكم فأعطوني ما أطمئن به من عهودكم ومواثيقكم وإن كنتم لمقدمي كارهين انصرفت عنكم إلى المكان الذي جئت منه إليكم

"میرا عذر خدا کی بارگاہ میں ہے اور میں اس سے معذرت کرتے ہوئے آپؑ سے مخاطب ہوں کہ میں خود تمھارے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ جب تمھارے مسلسل خطوط آنے لگے اور تمھارے وفود نے میرے پاس آکر مجھے یہ کہہ کر اپنے پاس آنے کی دعوت دی کہ ہمارا کوئی امام و پیشوا نہیں ہے اور شاید کہ خدا ہمیں آپؑ کے وجود کے صدقہ میں ہدایت پر جمع کرے، اگر تم اپنی سابقہ باتوں پر قائم ہو تو میں تمھارے پاس آچکا ہوں اور تم مجھے ایسا رویہ اور قربانی کا جذبہ دکھاؤ جس کی وجہ سے میں تمھارے عہد و پیمان سے مطمئن ہو جاؤں، اور اگر تم اپنے وعدوں سے پھر گئے ہو اور تمھیں میرا آنا ناگوار لگا ہے تو میں وہاں پر واپس چلا جاتا ہوں جہاں سے تمھارے پاس آیا تھا"۔

یہ سن کر حر کے پورے لشکر پر خاموشی طاری ہوگئی۔

حجاج بن مسروق الجعفی نے نماز ظہر کے لیے اذان کہی تو حضرت امام حسینؑ نے حر سے پوچھا: کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھو گے؟ حر نے کہا: نہیں! بلکہ ہم سب آپؑ کی اقتداء میں ہی نماز پڑھیں گے۔ پھر ان لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کے پیچھے نماز ادا کی۔

نماز ختم کرنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف رُخ کرکے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجا اور فرمایا:

ايها الناس إنكم إن تتقوا الله وتعرفوا الحق لأهله يكن أرضى لله ونحن أهل بيت محمد اولى بولاية هذا الأمر من هؤلاء المدعين ما ليس لهم والسائرين بالجور والعدوان وإن أبيتم الا الكراهية لنا والجهل بحقنا وكان رأيكم الآن على غير ما اتتني به كتبكم انصرفت عنكم

''اے لوگو! اگر تم خدا سے ڈرو اور حق کے اہل افراد کے لیے اس حق کو پہچانو تو یہ بات خدا کو زیادہ پسند ہوگی اور ہم حضرت محمدؐ کے اہل بیتؑ اس امر پر ولایت اور حکومت کے ان لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں جو اس کے دعویدار ہیں حالانکہ ان کے لیے یہ ولایت ثابت نہیں ہے اور وہ لوگ ظلم و عدوان کے راستے پر چلنے والے ہیں اور اگر تم نے ہمارے اس حق کا انکار کیا اور اس امر کو ہمارے لیے ناپسند کیا اور ہمارے اس حق سے لاعلمی کا اظہار کیا تو تمھاری یہ رائے اس رائے سے مختلف ہے جو تم نے مجھے بھیجے گئے خطوط میں تحریر کیا تھا اور اگر تم یوں بدل چکے ہو تو میں واپس لوٹ جاتا ہوں''۔

یہ سن کر حُر نے کہا: میں ان خطوط کے متعلق کچھ نہیں جانتا جن کا آپؑ ذکر کر رہے ہیں۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے لے آؤ جو لوگوں کے خطوط سے بھرے ہوئے ہیں۔

حُر نے کہا: میں ان خط لکھنے والوں میں سے نہیں ہوں اور مجھے یہ حکم نامہ ملا ہے کہ جب میری آپؑ سے ملاقات ہو تو اس وقت تک آپؑ سے جدا نہ ہوں جب تک کوفہ لے جا کر ابن زیاد (ملعون) کے سامنے پیش نہ کردوں۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تمھاری موت تمھاری اس سوچ سے زیادہ قریب ہے۔ پھر امامؑ نے اپنے اصحاب کو اپنی سواریوں پر سوار ہونے کا حکم دیا اور مستورات کو سوار کیا گیا تو امامؑ واپس مدینہ جانے کے لیے مڑے تو حُر اور اس کے لشکر نے امامؑ اور ان کے اصحاب کو واپس مدینہ جانے سے روک دیا اور ان کے راستے میں حائل ہو گئے۔

یہ منظر دیکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے حُر سے کہا:

ثكلتك امك ما تريد منا؟ ''تیری ماں تیرے غم میں روئے تو اب ہم سے کیا چاہتا ہے؟''

حُر نے جواب دیا: اگر عرب کا آپؑ کے علاوہ کوئی اور شخص میری ماں کا یوں نام لیتا تو میں بھی اس کی ماں کے متعلق یہی جملہ کہتا خواہ وہ کوئی بھی ہوتا۔ لیکن خدا کی قسم! میں آپؑ کی ماں کے بارے سوائے تعظیم و تکریم کے کوئی لفظ زبان پر نہیں لاسکتا، لیکن آپؑ کوئی ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ آپؑ کو کوفہ لے جائے اور نہ ہی مدینہ لے جائے تاکہ میں ابن زیاد کو خط لکھ کر صورت حال سے آگاہ کروں، شاید کہ خدا مجھے عافیت عطا فرمائے اور مجھے آپؑ کے امر کے حوالے سے کسی امتحان میں مبتلا نہ کرے۔

پھر حُر نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا: میں آپؑ کو خدا کی یاد دلاتا ہوں کہ آپؑ اپنی جان کا خیال کریں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپؑ نے جنگ کی تو ضرور مارے جائیں گے۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

أفبالموت تخوّفني وهل يعدو بكم الخطب أن تقتلوني،

"کیا تم مجھے موت سے ڈرا دھمکا رہے ہو اور تم لوگوں میں اس قدر جرأت پیدا ہو جائے گی کہ تم لوگ مجھے قتل کر ڈالو گے؟"

مَیں تمھارے جواب میں وہی کہوں گا جو قبیلہ اوس کے ایک شخص نے اپنے چچا کے بیٹے کو جواب دیا تھا کہ جب اس کا چچازاد اسے رسولؐ خدا کی نصرت سے روک رہا تھا اور وہ ان کی مدد کا خواہاں تھا۔ (1)

سأمضی وما بالموت عار علی الفتی　　إذا ما نوی حقًا وجاهد مسلما

وواسی الرجال الصالحین بنفسه　　وفارق ثبوراً وخالف مجرما

فإن عشت لم اندم وان مت لم ألم　　کفی بك ذلًا أن تعیش وترغما

"میں (اپنے ہدف کی تکمیل کی خاطر) آگے بڑھوں گا اور موت مرد کے لیے ننگ و عار نہیں ہے بشرطیکہ اس کی نیت سچی اور وہ جہاد کرنے والا مسلمان ہو۔ اور وہ اپنی جان کے ذریعے نیک و صالح مردوں سے ہمدردی کا اظہار کرے اور دھتکارے ہوئے لوگوں سے جدائی اختیار کرے اور جرم کرنے والوں کی مخالفت کرے۔ اگر میں زندہ رہا تو اپنی زندگی پر پشیمان نہیں ہوں گا اور اگر میں شہید ہو گیا تو بھی مجھے ملامت نہیں کی جائے گی اور تمھاری ذلت و رُسوائی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ تم کسی دوسرے کے تابع ہو کر زندگی گزارو گے"۔

جب جنابِ حُر نے امام علیہ السلام سے یہ سنا تو وہ آپؑ سے الگ ہو گئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ ایک طرف ہو کر چلتے رہے اور جنابِ حُر اور ان کے ساتھی دوسری طرف چلتے رہے۔

منزلِ بیضہ

بیضہ (2) کے مقام پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے جنابِ حُر کے ساتھیوں کے سامنے خطبہ دیا۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

ایها الناس انَّ رسول الله قال: مَن رأی سلطاناً جائراً مستحلًّا لحرام الله ناکثًا عهده

---

(1) ارشاد شیخ مفیدؒ، اور ابن شہر آشوب نے "المناقب" ج ۲، ص ۱۹۳ پر دوسرے بیت الشعر کے بعد اس کا اضافہ کیا ہے۔

اقدم نفسی لا ارید بقاءها　　لتلقی خمیساً فی الهیاج عرمرما

اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے پہلے اور دوسرے شعر سے تمثیل بیان کی تھی کہ جنابِ حُر اور امام حسین علیہ السلام کے درمیان راستے میں جو گفتگو ہوئی۔ امامؑ نے اس کو ان اشعار کے ذریعے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ (مقتل الحسینؑ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۳۰)

(2) بیضہ کا علاقہ واقصہ سے عذیب الھجانات تک پھیلا ہوا ہے اور یہ بنی یربوع بن حنظلہ کی وسیع و عریض زمین ہے۔

مخالفاً لسنة رسول الله یعمل فی عباد الله بالاثم والعدوان فلم یغیر علیه بفعل ولا قول کان حقًا علی الله ان یدخله مدخله ، الا وان هؤلاء قدلزموا الشیطان وترکوا طاعة الرحمٰن واظهروا الفساد وعطلوا الحدود واستاثروا بالفیٔ واحلّوا حرام الله وحرّموا حلاله وانا احق ممن غیر، وقد اتتنی کتبکم وقدمت علیّ رسلکم ببیعتکم انکم لا تسلمونی ولا تخذلونی فإن اتممتم علیّ بیعتکم تصیبوا رشدکم، فانا الحسین بن علی وابن فاطمة بنت رسول الله نفسی مع انفسکم واهلی مع اهلیکم ولکم فیّ اسوة ، وان لم تفعلوا ونقضتم عهدکم وخلعتم بیعتی من اعناقکم فلعمری ما هی لکم بنکر لقد فعلتموها بابی واخی وابن عمی مسلم، فالمغرور من اغترّ بکم فحظکم اخطاتم ونصیبکم ضیعتم ومن نکث فانما ینکث علی نفسه وسیغنی الله عنکم والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته (تاریخ طبری: ج۶، ص۲۲۹، کامل ابن اثیر: ج۴ ص۲۱)

"اے لوگو! بے شک رسولؐ خدا نے فرمایا: جو شخص کسی ایسے حکمران کو دیکھے جو ظلم وستم کرنے والا ہو، خدا کے حرام کو حلال سمجھتا ہو، اس کے عہد کو توڑتا ہو اور رسولؐ خدا کی سنت کی مخالفت کرتا ہو۔ بندگانِ خدا کے درمیان گناہ اور ظلم کو رواج دیتا ہو لیکن وہ شخص اپنے قول وفعل سے اس حکمران کے خلاف ایسا اقدام نہ کرے کہ جس سے اسے تبدیل کیا جاسکے تو خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے وہاں داخل کرے جہاں اس ظالم حاکم کا ٹھکانا ہے۔

آگاہ ہوجاؤ! ان لوگوں (بنواُمیہ) نے شیطان کی اطاعت کو ضروری قرار دے رکھا ہے اور رحمٰن کی اطاعت کو چھوڑ رکھا ہے اور انھوں نے فتنہ وفساد کو پھیلایا اور شرعی حدود کو معطل کیا اور مسلمانوں کے بیت المال سے لوٹ مار کرتے ہوئے خود کو دوسروں پر ترجیح دی۔ انھوں نے خدا کے حرام کو حلال اور اس کے حلال کو حرام قرار دیا اور میں دوسروں سے زیادہ اس بات کا حق دار ہوں کہ ان خلافِ شرع اُمور کو سرانجام دینے والوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوں اور عملی اقدام کروں۔ میرے پاس تمھارے خط آئے تھے اور تمھارے نمایندوں نے میرے پیچھے آکر مجھے اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ تم لوگوں نے میری بیعت کی ہے اور تم مجھے دشمن کے حوالے نہیں کروگے اور میری مدد سے ہاتھ کھینچ کر مجھ رُسوا نہیں کرو گے۔ پس! اگر تم لوگوں نے اپنی اس بیعت کو آخر تک پہنچایا تو اپنی ہدایت کو پالو گے۔

میں حسینؑ ابن علیؑ ہوں، رسولِ خدا کی بیٹی حضرت فاطمہؑ کا بیٹا۔ میری جان تمھاری جانوں کے ساتھ ہے

اور میرے اہل و عیال تمھارے اہل و عیال کے ساتھ ہیں اور میری سیرت تمھارے لیے نمونہ ہے۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے اور اپنے وعدوں کو توڑ دیا اور اپنی گردنوں سے میری بیعت کو اُتار دیا تو مجھے میری جان کی قسم! تمھارے لیے یہ پست حرکت کوئی نئی بات نہیں ہے اور تم نے میرے بابا، میرے بھائی اور چچازاد مسلمؑ کے ساتھ بھی یوں ہی دغابازی کی تھی اور جس شخص نے تم پر اعتماد کرلیا وہ دھوکا کھا گیا۔ پس! تم لوگوں نے اپنی قسمت سے غلطی کی اور تم نے اپنے نصیب کو ضائع کر دیا اور جس شخص نے اپنے عہد و پیمان کو توڑا اس نے اپنی ذات کے خلاف اس پیمان کو توڑا اور اللہ تعالیٰ مجھے تم لوگوں سے عنقریب بے نیاز کردے گا، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ"۔

منزلِ رُھیمہ

رُھیمہ [1] کے مقام پر حضرت امام حسین علیہ السلام سے کوفہ کے رہنے والے ایک شخص نے ملاقات کی جس کا نام ابوہرم بتایا جاتا ہے۔ اس نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کس شے نے آپؑ کو اپنے نانا کے حرم سے نکلنے پر مجبور کیا؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

یا اباھرم ان بنی أمیه شتموا عرضی فصبرت، واخذوا مالی فصبرت وطلبوا دمی فھربت وأیم اللہ لیقتلونی فیلبسھم اللہ ذلًا شاملًا وسیفاً قاطعاً ویسلط علیھم من یذلھم [2] حتّٰی یکونوا اذل من قوم سبا إذ ملکتھم أمرأۃ فحکمت فی اموالھم ودمائھم [3]

"اے ابوہرم! بنواُمیہ نے میری عزت کو اُچھالتے ہوئے مجھے برا بھلا کہا لیکن میں نے صبر کیا، انھوں نے میرے مال پر قبضہ کیا تو میں نے صبر کیا لیکن جب وہ میرے خون کے پیاسے ہوگئے تو میں اپنے نانا کے حرم سے نکل کھڑا ہوا۔ خدا کی قسم، اگر یہ لوگ اپنے ہاتھ میرے خون سے رنگین کریں گے تو خدا انھیں ذلت و رُسوائی اور تیز کاٹنے والی شمشیر کا لباس پہنا دے گا اور ان پر ایسے افراد مسلط کرے گا جو انھیں ذلیل و رُسوا کرکے رکھ دیں گے یہاں تک کہ یہ قومِ سبا کے ان لوگوں سے بھی زیادہ ذلیل ترین ہوں گے جن پر ایک عورت حکمرانی کرتی تھی اور وہ ان کے مال اور جانوں پر

---

[1] معجم البلدان میں ہے کہ رُھیمہ تصغیر کے ساتھ ہے۔ یہ ایک چشمہ ہے جو خفیہ سے تین میل کی دُوری پر واقع ہے اور خفیہ رحبہ سے مغرب کی طرف زیادہ سے زیادہ دس میل کے فاصلے پر ہے۔

[2] امالی الصدوق: ص ۹۳، مجلس ۳۰

[3] مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۲۲۶، اور ابن نما کی مثیر الاحزان میں یہ پوری روایت موجود ہے۔

حکومت کرتی تھی"۔

منزل قادسیہ

قادسیہ کے مقام پر حصین بن نمیر تمیمی نے کوفہ کی طرف جانے والے سفیر حسینؑ حضرت قیس ابن مسہر صیداوی کو گرفتار کرلیا۔ ابن زیاد (ملعون) نے اسے حکم دیا تھا کہ قادسیہ میں خفان سے قطقطانہ ① تک اپنے سپاہیوں کو مامور کردو۔ جب حصین نے قیس ابن مسہر کی تلاشی لینا چاہی تو انھوں نے امامؑ کے خط کو پرزہ پرزہ کردیا۔ حصین بن نمیر انھیں گرفتار کر کے ابن زیاد (ملعون) کے پاس لے آیا تو ابن زیاد (ملعون) نے ان سے سوال کیا کہ تم نے یہ خط کیوں پرزہ پرزہ کرڈالا؟ قیس نے جواب دیا تاکہ تم اس خط کی عبارت سے واقف نہ ہوسکو۔ ابن زیاد (ملعون) نے ان پر بہت سختیاں کیں تاکہ یہ بتادیں کہ اس خط میں کیا لکھا ہوا تھا لیکن انھوں نے بتانے سے انکار کردیا۔ پھر ابن زیاد (ملعون) نے کہا: اگر تم ہمیں یہ نہیں بتاتے تو منبر پر جاکر حسینؑ، اس کے باپ اور اس کے بھائی پر سب وشتم کرو ورنہ میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔

قیس منبر پر تشریف لے گئے اور خدا کی حمدوثنا اور نبی اکرمؐ اور آپؐ کی آلؑ پر درود وسلام بھیجنے کے بعد امیرالمومنین حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ پر بہت زیادہ رحمت کی دعا کی اور عبیداللہ ابن زیاد، اس کے باپ اور بنواُمیہ پر لعنت کی۔ پھر یہ کہا:

ایھا الناس انا رسول الحسین الیکم وقد خلفته فی موضع کذا فاجیبوه

"اے لوگو! میں حضرت امام حسینؑ کی طرف سے تم لوگوں کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جب میں آپؑ کے پاس سے روانہ ہوا تھا تو انھیں پیچھے فلاں جگہ پر چھوڑ آیا تھا اور وہ آپ کی جانب بڑھ رہے ہیں لہٰذا تم لوگ ان کی آواز پر لبیک کہنا"۔

جب ابن زیاد (ملعون) نے یہ دیکھا کہ اس نے میری منشاء کے مطابق تقریر نہیں کی تو اس نے حکم دیا کہ انھیں قصر دارالامارہ کی چھت سے نیچے گرا دیا جائے۔ پھر ابن زیاد (ملعون) کے حکم کے مطابق انھیں اس بلند مقام سے نیچے پھینک دیا گیا جس سے آپ کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور آپؑ شہید ہوگئے۔ ②

---

① "معجم البلدان" ج ۳، ص ۳۵۱ پر ہے کہ خفان کوفہ کے قریب ایک جگہ ہے جہاں پر ایک چشمہ ہے اور وہاں پر موجود گاؤں میں عیسیٰ بن موسیٰ الہاشمی کی اولاد آباد ہے۔ اسی کتاب کی ج ۷، ص ۱۲۵ پر ہے کہ قطقطانہ رہیمہ سے کوفہ کی جانب بیس میل سے تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔

② الارشاد، روضۃ الواعظین، البدایہ، ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۱۸، اعلام الوریٰ: ص ۱۳۶، پہلا ایڈیشن، طبع ایران۔ ذہبی کی "میزان الاعتدال": ج ۱، ص ۱۵۱ پر ہے کہ عبدالملک بن عمیر لخمی کو شعبی کے بعد کوفہ کا گورنر بنایا گیا لیکن اس کا حافظہ کمزور تھا اور اکثر غلطیوں کا ارتکاب کرتا تھا۔ نووی نے "تہذیب الاسماء": ج ۱، ص ۳۰۹ پر تحریر کیا ہے کہ اس کی وفات ۱۳۶ھ میں ایک سو تین سال کی عمر میں ہوئی۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ ابھی ان میں کچھ سانسیں باقی تھیں کہ عبدالملک ابن عمیر اللخمی نے انھیں ذبح کرڈالا۔ جب اسے اس کام پر لعن طعن کی گئی تو اس نے کہا: میں نے تو یہ کام اس لیے کیا ہے تاکہ انھیں آرام پہنچا سکوں۔ (الارشاد شیخ مفید، روضۃ الواعظین، فتال)

منزلِ عذیب

عذیب الہجانات[1] کے مقام پر حضرت امام حسین علیہ السلام کا چار لوگوں سے آمنا سامنا ہوا جو کوفہ سے اپنی سواریوں پر سوار ہوکر امام علیہ السلام کی خدمت میں آرہے تھے، ان کے ساتھ نافع بن ہلال کا گھوڑا "الکامل" بھی تھا۔ وہ چار افراد درج ذیل تھے: عمرو بن خالد صیداوی، ان کا غلام سعد، مجمع بن عبداللہ مذحجی اور نافع بن ہلال۔ جب کہ راستے کی رہنمائی کرنے کے لیے طرماح بن عدی الطائی ان کے ہمراہ تھے اور طرماح یہ اشعار گنگناتے ہوئے آرہے تھے:

یاناقتی لا تذعری من زجری	وشمری قبل طلوع الفجر
بخیر رکبان وخیر سفر	حتی تحلی بکریم النجر
الماجد الحر رحیب الصدر	اتی بہ اللہ لخیر امر

ثمت ابقاہ بقاء الدھر[2]

"اے میری اونٹنی! میری بے صبری کا شکوہ نہ کرنا اور بس تم مجھے جلدی سے فجر کے طلوع ہونے سے پہلے لے چلو تاکہ ہم اس ہستی تک پہنچ جائیں جو تمام سواروں اور سفر کرنے والوں سے بہتر ہے اور تم بھی خود کو اس سے آراستہ کرلو جس کا حسب ونسب کریم ہے۔ وہ بزرگی والا، آزاد اور شریف مرد، فراخ دل اور

---

[1] عذیب بنوتمیم کی ایک وادی ہے جو اردگرد کی بستیوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ یہاں پر ایرانیوں کی فوجی نگرانی اور پہرے کی جگہ ہے۔ عذیب اور قادسیہ کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے۔ اسے عذیب الہجانات اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس جگہ پر حیرہ کے بادشاہ کے گھوڑوں کی چراگاہ تھی۔

[2] مقتل الخوارزمی، ج ۱، ص ۲۳ پر مذکور ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ جانتا ہے؟ تو طرماح بن عدی طائی نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میں جانتا ہوں۔ پھر امامؑ نے اس سے فرمایا: تم ہمارے آگے چلو تو وہ یہ اشعار گنگناتا ہوا ان کی رہنمائی کے لیے قافلہ کے آگے چلنے لگا۔ ابن نما کے مطابق "مثیر الاحزان" ص ۲۴ پر یہ مذکور ہے کہ جناب حُر حضرت امام حسین علیہ السلام کے آگے یہ اشعار گنگناتے ہوئے چل رہے تھے۔ ابن قولویہ کی کتاب کامل الزیارات، ص ۹۵ پر حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام رات کی تاریکی میں سفر کررہے تھے تو انھوں نے اس وقت کسی مرد کو یہ اشعار گنگناتے ہوئے سنا۔ نفس المہموم، ص ۱۵۳ پر مقتل کی بعض کتب سے منقول ہے کہ جب طرماح کی حضرت امام حسین علیہ السلام پر نظر پڑی تو اس نے یہ اشعار بیان کیے۔

بڑے حوصلے کا آدمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک نیک امر کی خاطر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس وقت تک باقی اور سلامت رکھے جب تک یہ دنیا باقی ہے"۔

جب وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو آپؑ کے سامنے یہ اشعار پڑھے تو امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں پُرامید ہوں کہ خدا ہمارے متعلق جو بھی چاہے گا وہ بہتر ہی ہوگا خواہ ہم قتل ہوں یا اپنے مقصد میں کامیاب اور سرخرو ہوں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان لوگوں سے کوفہ کے لوگوں کی رائے کے متعلق پوچھا تو انھوں نے امامؑ کو یہ خبر دی کہ کوفہ کے سردار ابن زیاد کی رشوت کے آگے بک چکے ہیں، اُن تمام لوگوں کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں اور تلواریں آپؑ کے خلاف اور بنواُمیہ کے ساتھ ہیں۔ پھر انھوں نے یہ بھی امامؑ کو بتایا کہ قیس ابن مسہر صیداوی کو شہید کردیا گیا ہے تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

فمنهم من قضٰی نحبه ومنهم من ینتظر وما بدلوا تبدیلًا، اللهم اجعل لنا ولهم الجنة واجمع بیننا وبینهم فی مستقرٍ من رحمتك ورغائب مذخور ثوابك

"پس! ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور کچھ اس کا انتظار کررہے ہیں اور انھوں نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا، اے اللہ! ہمیں اور ان لوگوں کو جنت میں ایک جگہ پر اپنی رحمت کے سائے میں اکٹھا فرما اور ان کی نیکیاں تیرے اجروثواب کے لیے ذخیرہ کی گئی ہیں"۔

طرماح نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: کوفہ سے باہر نکلنے سے پہلے میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ کوفہ کے باہر جمع ہورہے تھے۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم سب کیوں اکٹھے ہورہے ہو؟ تو ایک شخص نے مجھے بتایا کہ یہ لوگ سفر کی تیاری کررہے ہیں، اس کے بعد وہ حضرت امام حسینؑ کی طرف مقابلے کے لیے روانہ ہوں گے۔

طرماح عرض کرتا ہے: میں آپؑ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپؑ کوفہ والوں کی طرف پیش قدمی نہ فرمائیں کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ کوئی کوئی آپؑ کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر صرف وہی لوگ جو میں دیکھ کر آرہا ہوں آپؑ اور آپؑ کے ساتھیوں سے جنگ کریں تو ان کی تعداد ہی آپؑ سے اتنی زیادہ ہے کہ آپؑ سے جنگ کے لیے صرف وہی لوگ ہی کافی ہوں گے۔

طرماح نے عرض کیا: لیکن میں آپؑ کو یہ پیش کش کرتا ہوں کہ آپؑ ہمارے ساتھ چلیے اور ہمارے پہاڑ کے دامن میں قیام فرمائیں جس کا نام "جبلِ اجا" ہے۔ اس پہاڑ کے ذریعے ہم نے کئی بادشاہوں اور ستم گروں کی یلغار کو روکا ہے جن میں غسان، حمیر، نعمان بن منذر، اسود اور احمر شامل ہیں۔ خدا کی قسم! اگر آپؑ وہاں پر تشریف لائیں تو دس دن کے اندر میں آپؑ کو قبیلہ بنوطے کے بیس ہزار جوانوں پر مشتمل پیادہ اور سواروں کا لشکر تیار کردوں گا جو اپنی تلواروں کے ساتھ آپؑ کے ہمرکاب ہو کر اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک آپؑ کو اپنے ہدف اور مقصد تک رسائی حاصل نہیں ہوتی۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے طرماح اور اس کی قوم کے لیے جزائے خیر کی دعا کی اور فرمایا:

انَّ بیننا وبین القوم عهداً ومیثاقًا ولسنا نقدر علی الانصراف حتی تتصرف بنا وبهم الامور فی عاقبة

"بے شک! ہمارے اور ان کوفہ والوں کے درمیان ایک عہد و پیمان ہے جس کی وجہ سے ہم اس وقت تک اس راستے سے نہیں ہٹ سکتے، جب تک وہ ہمارے خلاف کوئی عملی اقدام نہ کرلیں لہٰذا ان کے اس اقدام کی بنا پر دیگر اُمور کے انجام کا فیصلہ ہوگا"۔

پھر طرماح نے صرف اپنے لیے یہ اجازت طلب کی کہ وہ اپنے اہل وعیال کو اشیائے خورد ونوش پہنچانے کے بعد جلدی ہی آپؑ کی نصرت کے لیے دوبارہ حاضر ہوگا تو امامؑ نے اسے اجازت دے دی اور باقی افراد آپؑ کے ساتھ رہے۔

طرماح یہ اشیائے خورد ونوش اپنے اہل وعیال کو پہنچا کر جلدی سے واپس لوٹا۔ جب وہ مقام عذیب الھجانات پہنچا تو اسے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر موصول ہوئی، پھر وہ واپس اپنے خاندان کے پاس چلا گیا۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۳۰)

منزلِ قصر بنی مقاتل

حضرت امام حسین علیہ السلام عذیب الھجانات سے روانہ ہوئے تو قصر بنی مقاتل [1] میں پہنچ کر آرام کیا۔ آپؑ نے وہاں پر ایک خیمہ نصب دیکھا، جس کے باہر نیزہ گاڑا ہوا تھا اور ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ امام علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کس شخص کا خیمہ ہے؟ تو آپؑ کو بتایا گیا: یہ عبیداللہ بن حر جعفی [2] کا خیمہ ہے۔ پھر حضرت امام حسینؑ نے حجاج بن مسروق جعفی کو اس کے پاس روانہ کیا۔ حجاج نے اس سے پوچھا: اے ابن حر! کوفہ والے جن کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کی کیا خبر ہے؟ پھر مزید یہ کہا کہ تمھارے لیے یہ ایک تحفہ اور عزت وشرف کا باعث ہے اگر تم اسے قبول کرلو۔ یہ حسینؑ ہیں جو تمھیں اپنی مدد کے لیے بلا رہے ہیں۔

---

[1] یہ قصر مقاتل ابن حسان ابن ثعلبہ کی طرف منسوب ہے۔ حموی نے "المعجم" میں اس کا نسب امرئ القیس بن زید بن مناۃ بن تمیم تک ذکر کیا ہے۔ یہ قصر عین التمر اور قطقطانہ اور کچھ دیگر گاؤں کے درمیان واقع ہے۔ عیسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس نے اس قصر کو ویران اور برباد کردیا تھا اور پھر نئے سرے سے تعمیر کیا گیا تھا۔

[2] تاریخ طبری: ج۷، ص ۱۶۸، اور "جمھرۃ انساب العرب" ابن حزم ص ۳۸۵ پر مذکور ہے کہ یہ عثمانی عقیدہ رکھتا تھا، اسی وجہ سے یہ معاویہ کی طرف نکل گیا تھا اور جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے خلاف جنگ کی۔ تاریخ طبری: ج۷، ص ۱۶۹، پہلے ایڈیشن میں اس کے متعلق ایسی روایات مذکور ہیں کہ اس نے لوگوں کے مال کو ناحق غصب کر کے اور راستے میں ڈاکے ڈال کر شریعت کے قوانین کو پامال کیا۔ ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل: ج۴، ص ۱۱۴ پر تحریر کیا ہے کہ جب عبیداللہ جعفی نے شام میں سکونت کے دوران اپنی بیوی کے حقوق میں کوتاہی کی تو اس کی بیوی کے بھائی نے اس کی شادی عکرمہ بن خبیص سے کردی۔ جب اسے اس واقعہ کی خبر ملی تو فوراً واپس آیا اور عکرمہ نے اس معاملہ کو حضرت علیؑ کی خدمت میں پیش کیا تو عبیداللہ جعفی نے اس سے کہا: تم نے اس معاملہ میں ہمارے دشمن کی مدد لی ہے۔ پھر عبیداللہ ابن حر جعفی نے حضرت علیؑ سے کہا: کیا اس معاملہ میں تمھارا عدل مجھے اس سے محروم رکھے گا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: نہیں۔ پھر امیر المومنین حضرت علیؑ نے اس عورت کو اپنی تحویل میں لے لیا جب کہ وہ حاملہ تھی۔ ←

اگر تم نے آپؑ کے ہمرکاب ہوکر جنگ کی تو اجر وثواب کے حق دار ٹھہرو گے اور اگر مارے گئے تو شہادت کے رُتبہ پر فائز ہو گے۔

ابن حُر نے جواب دیا: خدا کی قسم! مَیں اسی لیے کوفہ سے باہر نکل آیا ہوں کیونکہ میں نے بہت زیادہ افراد کوفہ میں حضرت امام حسینؑ سے جنگ کے لیے خروج پر آمادہ پائے ہیں اور ان لوگوں کو امام علیہ السلام کے شیعوں کو ذلیل و رُسوا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ پس! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ انھیں قتل کردیا جائے گا لہٰذا مَیں ان کی نصرت و مدد کرنے پر ہرگز قادر نہیں ہوں اور مَیں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ وہ مجھے (امامؑ) دیکھیں اور مَیں ان کو دیکھوں۔ (الاخبار الطوال: ص ۲۴۶)

← آپؑ نے ایک بااعتماد شخص کے پاس اس وقت تک اس عورت کو ٹھہرا دیا یہاں تک کہ اس نے بچہ جن لیا تو آپؑ نے وہ بچہ عکرمہ کے سپرد کردیا اور یہ عورت عبیداللہ کے حوالے کردی۔ پھر وہ اس عورت کو ساتھ لے کر شام واپس لوٹ گیا اور حضرت علیؑ کی شہادت تک شام میں ہی مقیم رہا۔ محمد بن حسن نے اپنی کتاب "المبسوط" ج۱۰، ص ۱۳۶، باب الخوارج پر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن انھوں نے عبیداللہ بن حُر کا نام ذکر نہیں کیا۔ عبدالملک کے دورِ خلافت میں انبار کے قریب ۶۸ھ میں عبیداللہ قتل ہوا۔ "انساب الاشراف" ج۵، ص ۲۹۷ پر مذکور ہے کہ اسے قبائح کی طرف سے عبیداللہ بن عباس السلمی نے قتل کیا تھا۔ جب وہ زخموں سے چُور چُور تھا تو ایک کشتی پر سوار ہوا تا کہ دریائے فرات عبور کرسکے تو اس کے ساتھیوں نے اس کشتی کو اپنے قبضہ میں لینے کی کوشش کی۔ اس نے ان کے ڈر سے خود کو پانی میں پھینک دیا اور غرق ہوگیا جب کہ اس وقت بھی اس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ ابن حبیب کی "رسالۃ المغتالین" ص ۲۶۸ پر ہارون عبدالسلام کی تحقیق "نوادر المخطوطات" کے ساتویں مجموعہ سے منقول ہے کہ عبدالملک نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ عبیداللہ بن حُر جعفی کو مصعب سے جنگ کے لیے روانہ کیا۔ اس کا لشکر اس سے پیچھے رہ گیا اور اس کے ہمراہی مارے گئے۔ پھر عبیداللہ بن عباس السلمی نے اسے مقابلے کے لیے للکارا اور اس پر حملہ کیا لیکن وہ اس کے مقابلے سے فرار ہوگیا اور دریائے فرات کی ایک کشتی پر سوار ہوا تا کہ دریا عبور کرسکے۔ اتنے میں عبیداللہ السلمی ملاح کو پکارتے ہوئے چلایا کہ اگر تُو نے اسے دریا پار کروایا تو میں تجھے بھی ضرور قتل کردوں گا۔ پھر اس نے یہ سوچا کہ مجھے واپس پلٹ جانا چاہیے تو عبیداللہ بن حُر جعفی نے اس ملاح کو گلے لگایا اور دریا میں کود گیا لیکن وہ ابن حُر کو دریا سے باہر نکال کر لے گئے اور اسے نشانہ بازی کے لیے ہدف کے طور پر رکھا وہ اسے نشانہ لگاتے اور کہتے: أصغازُ لا تجدها، عورتوں سے عشقیہ باتیں کرنے والے! کیا تجھے وہ مل گئی ہے، یہاں تک کہ انھوں نے اسے قتل کردیا۔ ابن حبیب نے "المحبر" ص ۴۹۲ پر تحریر کیا ہے کہ مصعب ابن زبیر نے عبیداللہ بن حُر جعفی کو کوفہ کا رئیس بنایا تھا۔ ابن حزم کی "جمہرۃ انساب العرب" ص ۵۸۳ پر مذکور ہے کہ عبیداللہ بن حُر کی اولاد صدقہ، بُرہ اور اشعر نے اشعث کے بیٹے کے ساتھ جنگِ جماجم میں شرکت کی۔ "الاخبار الطوال" ص ۲۸۹ پر ہے کہ جب جناب مختارؓ نے قاتلانِ حسینؑ سے انتقام کا فیصلہ کیا تو اس وقت عبیداللہ حُر جعفی نے ایک پہاڑ کے دامن میں پناہ لے رکھی تھی جہاں سے وہ لوگوں کے مال و اسباب کو لوٹتا تھا۔ امیر مختارؓ نے اسے پیغام بھجوایا کہ تم میرے ساتھ خونِ حسینؑ کے مطالبہ میں شریک بنو تو اس نے انکار کردیا۔ پھر حضرت مختارؓ نے اس کے گھر کو منہدم کردیا، اس کے گھر میں موجود تمام مال کو لوٹ لیا اور اس کی بیوی کو پکڑ کر کوفہ کی جیل میں بند کردیا۔ اگر وہ واقعاً مظلوم امامؑ کی نصرت نہ کرنے پر نادم ہوتا تو حضرت مختارؓ کے ساتھ امام علیہ السلام کے قاتلوں سے انتقام ضرور لیتا جب کہ ایسا نہیں ہے تو پھر وہ کیسے توبہ کرسکتا ہے؟! جب کہ اس نے سید الشہداءؑ کے سامنے آپؑ کی مدد سے انکار کردیا تھا۔ جب کہ امام علیہ السلام بنفس نفیس اس کے پاس چل کر گئے تھے اس حالت میں کہ نورِ الٰہی کا تاج سر پر سجائے اور چودھویں کے چاند جیسے آپؑ کے معصوم بچے آپؑ کے اردگرد تھے۔

پھر حجاج بن مسروق واپس آ گیا اور اس نے عبیداللہ بن حر جعفی کی ساری گفتگو امامؑ کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ خود اُٹھے اور اپنے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کے ایک گروہ کے ساتھ اس کی جانب روانہ ہوئے۔ امام علیہ السلام اس کے خیمہ میں داخل ہوئے تو اس نے امام علیہ السلام کو عزت دیتے ہوئے آپؑ کے لیے جگہ خالی کر دی۔

ابن حر کہتا ہے: میں نے کبھی کسی شخص کو حضرت امام حسینؑ سے زیادہ احسان کرنے والا نہیں دیکھا، اور نہ ہی آپؑ سے زیادہ کسی کی آنکھوں میں کسی کے لیے اشک دیکھے، اور نہ ہی مجھے کبھی کسی پر اس قدر رحم آیا جس قدر حضرت امام حسینؑ کو دیکھ کر رحم آیا جب کہ میں نے آپؑ کو اس حالت میں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا کہ ان کے اردگرد بچے تھے۔ جب میں نے آپؑ کی ریش مبارک پر نظر کی تو وہ ایسے سیاہ تھی جیسے کوے کے پر سیاہ ہوتے ہیں۔ میں نے آپؑ سے پوچھا: کیا آپؑ کی ریش مبارک واقعی سیاہ ہے یا اسے خضاب کر رکھا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن حر! مجھ پر بہت جلد ہی ضعیفی چھا گئی ہے۔

ابن حر کہتا ہے: میں سمجھ گیا کہ آپؑ نے داڑھی خضاب کر رکھی ہے۔ (خزانۃ الادب بغدادی: ج ۱، ص ۲۹۸، مطبوعہ بولاق، انساب الاشراف: ج ۵، ص ۲۹۱)

جب ابوعبداللہ الحسینؑ اطمینان اور سکون سے بیٹھ گئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

یا ابن الحر ان اهل مصرکم کتبوا اليّ انهم مجتمعون علی نصرتی وسألونی القدوم علیهم ولیس الأمر علی ما زعموا وان علیك ذنوباً كثيرة، فهل لك من توبة تمحو بها ذنوبك؟

"اے ابن حر! تمھارے شہر والوں نے مجھے خطوط لکھ کر پیغام بھجوائے کہ وہ لوگ میری مدد کرنے کے لیے جمع ہو چکے ہیں اور مجھ سے استفسار کیا کہ ہمارے پاس تشریف لائیں اور یہ بات ایسی نہ تھی جیسے وہ گمان کر رہے تھے (نفس المہموم: ۱۰۴)۔ بے شک! تم بہت گناہ گار ہو، کیا اب تم توبہ کر سکتے ہو تا کہ تمھارے سابقہ گناہ دُھل جائیں؟"

ابن حر نے پوچھا: اے فرزندِ رسولؐ! یہ توبہ کیسے ہوگی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے نبی کی بیٹی کے بیٹے کی نصرت کرو اور ان کے ہمرکاب ہو کر لڑو۔ (اسرار الشہادۃ: ص ۲۳۳)

یہ سن کر ابن حر نے کہا: خدا کی قسم! میں یہ جانتا ہوں کہ جس نے آپؑ کا ساتھ دیا تو وہ آخرت میں خوش بخت ہوگا لیکن میں آپؑ کی مدد کرنے سے قاصر ہوں کیونکہ میں اپنے پیچھے کوفہ والوں کو اس حالت میں دیکھ کر آیا ہوں کہ ان میں کوئی بھی آپؑ کا ناصر ومددگار نہیں ہے۔ میں آپؑ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپؑ مجھے اپنی نصرت پر اُبھار رہے ہیں لیکن میرا نفس مجھے موت کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اگر آپؑ چاہیں تو میرا یہ قیمتی گھوڑا حاضر ہے۔ خدا کی قسم! میں اس گھوڑے پر سوار

ہو کر جب بھی کسی کے پیچھے دوڑا ہوں تو میں نے اسے پکڑ لیا اور جو شخص بھی میرے پیچھے بھاگا ہے تو وہ میرے اس گھوڑے کی تیز رفتاری کی وجہ سے کبھی مجھ تک نہیں پہنچ سکا لہٰذا آپؑ میرے اس گھوڑے کو رکھ لیجیے۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم ہماری نصرت اور مدد کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے ہو تو ہمیں تمھارے گھوڑے کی بھی ضرورت نہیں ہے [1] اور نہ ہی اب تمھاری کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی میں گمراہ لوگوں کو اپنا قوت بازو بنانا چاہتا ہوں [2] لیکن میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں جیسا کہ تم مجھے نصیحت کر رہے ہو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ہماری چیخ و پکار نہ سنو اور ہمارے اس المناک سانحہ کے گواہ نہ بنو تو فوراً یہاں سے دُور چلے جاؤ۔ خدا کی قسم! جس نے بھی ہماری چیخ و پکار اور استغاثہ کو سنا لیکن وہ ہماری مدد کے لیے آگے نہ بڑھا تو خدا ایسے شخص کو اوندھے منہ جہنم کی آگ میں پھینک دے گا۔ [3]

عبیداللہ بن حر جعفی امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کی نصرت اور مدد نہ کرنے پر نادم و پشیمان ہوا اور اس نے یہ اشعار کہے:

ایاً لك حسرة ما دمت حیاً	تردد بین صدری والتراق
غداة یقول لی بالقصر قولاً	أتترکنا وتعزم بالفراق
حسین حین یطلب بذل نصری	علی أهل العداوة والشقاق
فلو فلق التلهف قلب حر	لهمّ الیوم قلبی بانفلاق
ولو واسیته یوماً بنفسی	لنلت کرامة یوم التلاق
مع ابن محمد تفدیه نفسی	فودع ثم أسرع بانطلاق
لقد فاز الألی نصروا حسیناً	وخاب الآخرون ذوو النفاق [4]

---

[1] الاخبار الطوال: ص ۲۴۹

[2] امالی الصدوق: ص ۹۴، ص مجلس ۳۰

[3] خزانۃ الادب: ج ۱، ص ۲۹۸۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا ابن حر کے پاس خود چل کر جانا واضح کرتا ہے کہ امام علیہ السلام لوگوں کو ان کے فریضہ سے آگاہ کر رہے تھے کہ وہ برائیوں کا دروازہ بند کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور ان پر حجت تمام کر رہے تھے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ امامؑ نے ہمیں تو نصرت کے لیے بلایا ہی نہیں تھا۔

[4] مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۲۲۸، دینوری نے "الاخبار الطوال" ص ۲۵۸ پر ان میں سے چار اشعار ذکر کیے ہیں۔ اس کی روایت کے مطابق تیسرا شعر یہ ہے:

فیا انسی غداة یقول حزناً	اتترکنا و تزمع لانطلاق

"جب تک میں زندہ رہوں گا اپنے سینہ اور ہنسلی کی ہڈی کے درمیان تردد پر حسرت و پشیمانی کا اظہار کرتا رہوں گا کہ جب امام حسینؑ صبح کے وقت میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے کہنے لگے: کیا تم نے واقعی ہمیں چھوڑنے اور جدائی کا فیصلہ کرلیا ہے؟! جب کہ امام علیہ السلام ان لوگوں کے خلاف مجھ سے نصرت طلب کر رہے تھے، جن کے دلوں میں ان کے خلاف عداوت و کینہ تھا اور جنھوں نے اُمت مسلمہ کو پراگندہ کیا۔ اگر ایک آزاد مرد کا دل غم و حسرت سے پھٹ سکتا تو آج میرا دل پھٹ چکا ہوتا۔
اگر میں اس دن اپنی جان کے ذریعے حضرت امام حسینؑ کی مدد کرتا تو مجھے قیامت کے دن عزت و اکرام نصیب ہوتا۔ مجھے حضرت محمدؐ کے بیٹے پر اپنی جان قربان کردینی چاہیے تھی لیکن میں نے انھیں الوداع کیا اور جلد ہی وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ بتحقیق وہی لوگ کامیاب ہوئے جنھوں نے امام علیہ السلام کی نصرت کی اور دوسرے منافق لوگ ناکام ہوئے"۔

اسی مقام پر حضرت امام حسین علیہ السلام سے عمرو بن قیس المشرقی اور اس کے چچازاد بھائی نے ملاقات کی تو امام علیہ السلام نے ان دونوں سے پوچھا: کیا تم میری مدد کرنے کے لیے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہمارا بہت بڑا کنبہ ہے اور اس وقت ہمارے پاس ان لوگوں کا سامان بھی ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہاں پر کیا ہوگا اور ہم یہ بات بھی پسند نہیں کرتے کہ ہمارے ہاتھوں میں لوگوں کی امانتیں ضائع ہوجائیں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے ان دونوں سے فرمایا: پھر تم دونوں یہاں سے جلد روانہ ہوجاؤ تا کہ تم ہماری فریاد کو نہ سن سکو اور ہم پر ظلم کی کالی گھٹا کو نہ دیکھ سکو۔ بے شک! جس نے بھی ہماری چیخ و پکار اور استغاثہ کو سنا لیکن اس نے ہماری مدد نہ کی تو پھر خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے اوندھے منہ جہنم کی آگ میں جھونک دے۔ (عقاب الاعمال: شیخ صدوق، ص ۳۵، رجال الکشی: ص ۴۷)

کربلا کے نواحی گاؤں

جب رات کا آخری پہر ہوا تو امام علیہ السلام نے جوانوں کو پانی بھرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے قصر بنی مقاتل سے کوچ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ جب یہ قافلہ چل رہا تھا تو انھوں نے اچانک حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا:

انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین

جب امام علیہ السلام نے کئی دفعہ ان کلمات کو دہرایا تو حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا: بابا جانؑ! آپؑ یہ کلمہ استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) کیوں پڑھ رہے ہیں؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تھوڑی دیر کے لیے نیند آ گئی تھی۔ میں نے ایک گھڑسوار کو دیکھا جو یہ کہہ رہا ہے: "آپ لوگ سفر کر رہے ہیں اور موت آپ کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے"۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ہمیں موت کی اطلاع دی جا رہی تھی۔

یہ سن کر حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپؑ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیوں نہیں، بے شک اس ذات کی قسم! جس کی طرف بندگانِ خدا نے لوٹ کر جانا ہے، ہم حق پر ہیں۔

حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا: جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں موت کا کیا خوف۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین جزا عطا فرمائے جو ایک باپ کی طرف سے اپنے بیٹے کے لیے ہوتی ہے۔ ①

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے سفر کو جاری رکھا یہاں تک کہ جب نینویٰ ② پہنچے تو آپؑ نے ایک گھوڑے سوار کو دیکھا جو مسلح تھا۔ جب وہ قریب آیا تو پتا چلا کہ یہ ابن زیاد (ملعون) کی طرف سے حُر کے پاس قاصد بن کر آیا ہے اور اس کے پاس ابن زیاد (ملعون) کا ایک خط تھا جس کا متن یہ تھا:

جعجع بالحسين حين تقرأ كتابي ولا تنزله الا بالعراء على غير ماء وغير حصن ③

"جیسے ہی تم میرا یہ خط پڑھو حسینؑ کو روک لو اور انھیں ایسی جگہ پر اُتارو جہاں پر نہ تو پانی ہو اور نہ ہی کوئی سبزہ ہو"۔

---

① تاریخ طبری: ج۶، ص۲۳۱۔ اور مقتل العوالم، ص۴۸ پر مذکور ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام عذیب کے مقام پر قیلولہ کے لیے لیٹے تو خواب میں کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا: "تم لوگ سفر میں آگے بڑھ رہے ہو اور موت تیزی سے تم لوگوں کو جنت کی طرف لے جا رہی ہے"۔ مقتل الخوارزمی: ج۱، ص۲۲۶ پر ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ مقامِ ثعلبیہ پر آرام کے لیے اُترے اور دوپہر کے وقت سوئے تو گریہ کرتے ہوئے بیدار ہوئے۔ آپؑ کے بیٹے حضرت علی اکبرؑ نے آپؑ سے گریہ کرنے کی وجہ پوچھی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹا! یہ وہ گھڑی ہے جس میں خواب جھوٹے نہیں ہوتے اور میں نے تھوڑی دیر کے لیے اپنا سر سونے کے لیے رکھا......الخ۔

② "مجلۃ المقتبس" مجلد ۷، ج۱۰، ۱۳۳۰ھ میں مذکور ہے کہ نینویٰ کربلا کے اطراف میں واقع ایک گاؤں ہے جس میں علم اور علماء کی فراوانی تھی۔ اس گاؤں کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں آباد کیا گیا جب کہ تیسری صدی ہجری کے ابتدائی ایام تک اس کا ذکر نہیں ملتا۔

③ ابن فارس کی "مقاییس اللغۃ" ج۱، ص۴۱۶ پر مذکور ہے کہ ابن زیاد نے ابن سعد کو خط میں لکھا: "جعجع بالحسین"۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ حسینؑ کو بے آب و گیاہ زمین میں روک لو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں جعجعۃ از عاج کے معنی میں ہے یعنی جہاں پر انھیں بے قراری اور بے چینی رہے۔ ازہری "تہذیب اللغۃ" ج۱، ص۶۸ پر رقم طراز ہیں کہ اس کا مادہ "جع" ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ پر سختی کرو۔ اصمعی نے کہا ہے کہ جعجعہ کے مطلب سے ابن زیاد کا مقصود یہ تھا کہ انھیں زبردستی روک لو۔ اسی معنی میں اوس بن حجر کا یہ قول مذکور ہے: "اذا جعجعوا بين الاناخة والحبس" اور اس کے دیوان کے حاشیہ پر اس بیت الشعر کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے: كان جلود النمر جيبت عليهم۔

حُر نے یہ خط امام علیہ السلام کو پڑھ کر سنایا تو امام علیہ السلام نے اسے فرمایا: تم ہمیں نینویٰ یا غاضریہ یا شفیہ میں پڑاؤ ڈالنے دو۔
حُر نے کہا: میں اس پر قادر نہیں ہوں کیونکہ یہ شخص میری جاسوسی کر رہا ہے۔ (الارشاد، شیخ مفیدؒ)
زہیر بن قین نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! ہمیں اِن لوگوں سے لڑائی کرنا اُن لوگوں سے زیادہ آسان ہے جو ان کے بعد آئیں گے۔ مجھے میری جان کی قسم! ان کے بعد ایسا لشکر آئے گا جس کا مقابلہ کرنا ہمارے بس میں نہیں ہوگا۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ میں پہل نہیں کروں گا۔
پھر زہیر نے مزید یہ عرض کیا: یہاں فرات کے کنارے ہمارے قریب ہی ایک قریہ حصینہ ہے جو دریائے فرات کے کنارے پر واقع ہے جہاں سے دفاع کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کے تین طرف دریائے فرات ہے اور صرف ایک طرف خشکی کا راستہ ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے دریافت کیا: اس قریہ کا کیا نام ہے؟
زہیر نے عرض کیا: "عقر"[1] (بانجھ پن)۔
حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْعَقر "ہم عقر سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں"۔
پھر حضرت امام حسین علیہ السلام حُر کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے ہیں: ہمارے ساتھ تھوڑا اور چلو۔ پھر وہ سب چلتے رہے

---

[1] غاضریہ گاؤں بنواسد کے ایک شخص غاضرہ کی طرف منسوب ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے شمال میں حضرت عونؑ کی قبر ہے۔ حجۃ الاسلام آغا بزرگ طہرانی کی لائبریری میں سیّد جعفر اعرجی کاظمی کی کتاب "مناھل الضرب" کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔ اس کتاب میں مذکور ہے کہ یہ عون بن عبداللہ بن جعفر بن مرعی بن علی بن حسن بن حسن بن منجح بن ادریس بن داؤد بن احمد المسود بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ بن محض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن امیرالمومنینؑ کی قبر مبارک ہے۔ کیونکہ کربلا سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ان کی جائیداد اور زمینیں تھیں، اسی جگہ پر ان کی موت واقع ہوئی اور انھیں اسی جگہ پر دفن کیا گیا۔ ان کی قبر مبارک پر گنبد تعمیر کیا گیا۔ لوگ یہاں پر زیارت کے لیے آتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں جب کہ لوگوں کو یہ اشتباہ ہوا کہ یہ حضرت علیؑ کے بیٹے عونؑ کی قبر ہے یا یہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کے بیٹے حضرت عونؑ کی قبر ہے حالانکہ حضرت عونؑ بن عبداللہ بن جعفر طیار حرم امام حسینؑ کے اندر گنج شہیداں میں مدفون ہیں۔
وہاں پر ایک قلعہ کے آثار ہیں جسے قلعہ بنواسد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ "شفیہ" بنواسد کا ایک کنواں ہے اور "عقر" وہ جگہ ہے جہاں بخت نصر کے لوگ بستے تھے۔ اسی مقام پر جنگ عقر میں یزید بن مہلب ۱۰۲ھ میں قتل ہوا تھا اور یہ سارے گاؤں ایک دوسرے کے قریب قریب واقع ہیں۔ بکری نے "المعجم ما استعجم" ج ۳، ص ۹۵ پر تحریر کیا ہے: لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ بنوحرب نے جنگ کربلا میں اپنا دین قربان کردیا اور بے دین ہوگئے جب کہ بنومروان نے جنگ عقر میں اپنی مردانگی کو قربان کردیا۔ لوگوں کی کربلا سے مراد شہادت حسین تھی کہ جنھیں کربلا میں شہید کردیا گیا تھا جب کہ عقر میں یزید بن مہلب کا قتل ہوا تھا۔ ابن یاس (متوفی ۳۳۴ھ) نے "تاریخ الموصل" ص ۱۶ پر کثیر بن عبدالرحمٰن الخزاعی کا قول ←

یہاں تک کہ جب سرزمین کربلا پر پہنچے تو حر اور اس کا لشکر امام علیہ السلام کے آگے آ کر کھڑے ہو گئے اور انھیں مزید آگے بڑھنے سے روک دیا اور انھوں نے کہا: یہاں پر ہی پڑاؤ ڈالیں کیونکہ یہ جگہ دریائے فرات کے قریب ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے قافلہ والے چل رہے تھے کہ اچانک چلتے چلتے امام علیہ السلام کا رہوار رُک گیا اور اس نے کوئی حرکت نہ کی جیسا کہ خدا نے حدیبیہ کے مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُونٹنی کو روک دیا تھا۔ ②

جب امامؑ کا رہوار یوں چلتے چلتے رُک گیا تو آپؑ نے اس سرزمین کے متعلق پوچھا تو حضرت زہیر بن قینؓ نے عرض کیا کہ آپؑ سیدھے چلتے رہیں اور کچھ نہ پوچھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپؑ کے لیے آسانی پیدا کر دے، اس سرزمین کو "طف" کہتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا اس کا کوئی اور نام بھی ہے؟

اس نے عرض کیا: اسے کربلا بھی کہا جاتا ہے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ③ اور آپؑ نے فرمایا:

اللھم اعوذبك من الکرب والبلاء ④ ھھنا محط رکابنا وسفك دمائنا ومحل قبورنا بھذا احدثنی جدی رسول اللہ ⑤

"اے خدایا! میں تجھ سے تکلیف اور مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں پر ہمارے خیمے نصب ہوں گے اور ہمارا خون بہایا جائے گا اور یہاں پر ہی ہماری قبریں بنائی جائیں گی۔ مجھے میرے نانا رسولؐ خدا نے اس چیز کی خبر دی تھی"۔

□□□

← ذکر کیا ہے کہ خدا کا یہ احسان ہے کہ اس نے اس دن لوگوں پر کرم کیا جس دن مھلب کی اولاد قتل ہوئی۔ اسی کتاب کے ص ۱۹ پر فرزدق کا وہ مرثیہ ذکر کیا گیا ہے جو اس یزید بن مھلب کے قتل پر کہا تھا۔ اس مرثیہ کا ایک شعر یہ ہے:

ولا حملت انثی ولا وضعت بعد الاغر اصیب بالعقر

"جب سے عقر میں اس کا قتل ہوا اس کے بعد نہ تو کوئی عورت حاملہ ہوئی اور نہ ہی کسی عورت نے کوئی بچہ پیدا کیا"۔

② منتخب الطریحی: ص ۳۰۸، مطبعہ حیدریہ ۱۳۶۹ھ

③ "تحفۃ الازھار" ابن شدقم (قلمی نسخہ) اور ذھبی کی "سیر اعلام النبلاء" ج ۳ ص ۲۰۹ پر مذکور ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اس سرزمین کے متعلق پوچھا تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ کربلا ہے تو امامؑ نے فرمایا: تکلیفوں اور مصیبتوں کی زمین۔

④ بحار الانوار: ج ۱۰، ص ۱۸۸

⑤ الملہوف

سرزمینِ کربلا پر نواسۂ رسولؐ کا ورود

حضرت امام حسین علیہ السلام دو محرم ۶۱ ہجری کو کربلا پہنچے۔ [1] آپؑ نے اپنی اولاد، بھائیوں اور خاندان والوں کو جمع کیا اور انھیں دیکھ کر گریہ کرنے لگے۔ پھر فرمایا:

اللهم انا عترة نبيك محمد قد اخرجنا وطردنا وازعجنا عن حرم جدنا وتعدت بنو امية علينا اللهم فخذ لنا بحقنا وانصرنا على القوم الظالمين

"اے خدایا! ہم تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت واولاد ہیں۔ ہمیں اپنے وطن سے نکال دیا گیا اور وہاں سے زبردستی دور کیا گیا اور ہمیں اپنے نانا کے حرم سے دور کرکے ستایا گیا اور بنواُمیہ نے ہم پر حد سے زیادہ ظلم وستم کیا۔ اے خدایا! تو ہمارے حق کا بدلہ لے اور ان ظالموں کے خلاف ہماری نصرت فرما"۔

پھر آپؑ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

الناس عبيد الناس والدين لعق على السنتهم يحوطونه مادرت معايشهم فاذا محصوا بالبلاء قلّ الديانون۔ [2]

---

[1] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۳۳، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۰، الارشاد شیخ مفیدؒ۔

[2] بحارالانوار: ج ۱۰، ص ۱۹۸، مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۲۳۷۔ کتاب ہذا کا مطالعہ کرنے والے پر یہ اہم نکتہ مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ حضرت امام حسینؑ نے یہ کیوں پوچھا تھا کہ اس سرزمین کا کیا نام ہے؟! سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے تمام معاملات میں گہرے اسرار اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ہم شیعہ امامیہ کے نزدیک امامؑ اس کائنات میں ہونے والے تمام واقعات اور حادثات سے آگاہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو خواص اور صفات ودیعت کر رکھے ہیں، امامؑ ان کو پہچانتا ہے۔ یہ آسمانوں اور زمینوں کے خالق و مالک اللہ جل شانہ کی طرف سے امامؑ کی بلند قدر و منزلت کی بنا پر اسے صلاحیت عطا ہوتی ہے۔ ہم نے اس کتاب کی ابتدا میں اس حوالے سے جو کچھ بیان کیا تھا وہ اس پر شاہد ہے، اور یہ کہ حضرت امام حسینؑ کا اس سرزمین کے متعلق سوال کرنا جس سرزمین کو عبور کرنے سے جناب حُر اور ان کے لشکر نے امامؑ کو روکا تھا یا اللہ تعالیٰ نے امامؑ کے رہوار کو اسی طرح اس سرزمین پر روک دیا تھا جیسے حدیبیہ کے مقام پر نبی اکرمؐ کی اونٹنی کو روک دیا تھا۔ ←

''لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں کا چسکا بن چکا ہے اور یہ دین سے صرف اس قدر لیتے جو ان کی روزی کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے اور جب لوگوں کو مصائب و مشکلات کے ذریعے امتحان میں ڈال کر آزمایا جائے تو دین دار کم ہی رہ جاتے ہیں''۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، حضرت محمدؐ اور آپؐ کی آلؑ پر درود وسلام کے بعد فرمایا:

امّا بعد فقد نزل بنا من الامر ما قد ترون وان الدنیا قد تغیّرت وتنکرت وادبر

← امام علیہ السلام کا اس سرزمین کے متعلق سوال کرنے میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ امامؑ یہ چاہتے تھے کہ اس طریقہ سے وہ اپنے اصحاب کو اس سرزمین کے متعلق آگاہ فرمائیں، جہاں پر انھیں قربانیاں پیش کرنی تھیں جن قربانیوں کا نبی اکرمؐ یا ان کے وصی حضرت علیؑ سے منقول روایات واحادیث میں تذکرہ کیا گیا تھا۔ اس طریقہ سے اپنے اصحاب کے دلوں کو مطمئن کرنا چاہتے تھے اور ان اصحاب کی فضیلت و برتری کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے عزائم اور ارادوں کو بھی ثابت قدم رکھنا چاہتے تھے۔ ان روایات کی تصدیق کر کے اپنے اصحاب کی واقعۂ کربلا کے متعلق بصیرت میں مزید اضافہ کر کے ان کو اپنے ہدف کے حصول کے لیے آمادہ کرنا چاہتے تھے یہاں تک کہ کسی کو کربلا کی سرزمین کے متعلق کوئی شک باقی نہ رہے جو کہ امامؑ کی شہادت کی جگہ ہے۔ اس حوالے سے یہ سوال کرنا فضول ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اس سرزمین کے متعلق کیوں پوچھا تھا جب کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے بھی ایسا طریقہ کار اپنایا تھا وہ ایسے کہ جب دو مردوں نے اونٹنی کا دودھ دوہا تو آپؐ نے ان دونوں مردوں کے نام پوچھے تھے اور بدر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں دو پہاڑ آئے تو نبی اکرمؐ نے ان دونوں پہاڑوں کے نام پوچھے تھے۔ کیا نبیؐ کو اس کا علم نہیں تھا؟ بالکل آپؐ کو ان سب باتوں کا علم تھا لیکن وہاں پر ہمارے لیے کچھ ایسی حکمتیں پوشیدہ تھیں جن کو ظاہر کرنے کے لیے نبی اکرمؐ نے اور امام حسینؑ نے سوال کیا تھا۔

مؤلف کہتے ہیں: ان مخفی حکمتوں سے پردہ اُٹھانے کے لیے ہم نے اپنی کتاب الشھید مسلم، ص ۹۰ پر مسلم لا یتطیر کے عنوان کے تحت ان حکمتوں اور مصلحتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علمائے بلاغت کے نزدیک اس طرح کے سوالات کرنے کو ''تجاہلِ عارفانہ'' (یعنی جاننے کے باوجود لاعلمی کا اظہار کرنا) سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ تمام اشیاء کو وجود عطا کرنے والی ذات جو ہر چھوٹی بڑی شے کا علم رکھتا ہے جب وہ حضرت موسیٰؑ سے پوچھتا ہے: وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۷) ''اے موسیٰ! تمھارے دائیں طرف کیا ہے؟'' حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا: ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ (سورۂ مائدہ: آیہ ۱۱۶) ''کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ (مریمؑ) کو دو معبود بنالو؟''

اس سوال کے ذریعے خداوندِ عالم اس میں موجود مصلحت کو بیان کر رہا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے فرمایا: أولم تؤمن؟ کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے (کہ میں مُردوں کو کیسے زندہ کروں گا) حالانکہ خدا جانتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ اس پر ایمان رکھتے ہیں جب کہ امامؑ جس کو خدا کی طرف سے متعین کیا جاتا ہے اور وہ خدا کی شریعت کا امین اور محافظ ہوتا ہے، اس سے کسی بھی شے کی مصلحت اور حکمت مخفی نہیں ہوتی ہے۔

اسی طرح سیدالشہداءؑ نے کربلا کا نام سن کر اس سے برا شگون لیتے ہوئے خدا سے کرب و بلا سے امان کی پناہ نہیں مانگی تھی کیونکہ برا شگون لینے والا اس پر مستقبل میں وارد ہونے والی تکالیف اور مصیبتوں سے لاعلم ہوتا ہے۔ عرب معروف اشیاء کے ذریعے یہ کشف کرتے ہیں کہ یہ شے شر کا سبب ہے لیکن حضرت امام حسینؑ کو سرزمین کربلا پر خدا کی قضا کے تحت اپنے اوپر وارد ہونے والی مصیبتوں کا یقین تھا اور آپؑ ان تکالیف و مصائب کو جانتے تھے جو آپؑ پر، آپؑ کے اصحاب اور آپؑ کے خاندان پر نازل ہونے والی تھیں جیسا کہ حضرت امام حسینؑ نے کئی دفعہ ان مصائب کا تذکرہ بھی فرمایا۔

معروفها ولم یبق منها الاصبابۃ کصبابۃ الاناء وخسیس عیش کالمرعی الوبیل الا ترون الی الحق لا یعمل بہ والی الباطل لایتناھیٰ عنہ ، لیرغب المؤمن فی لقاء اللہ! فانی لا اریٰ الموت الاسعادۃ والحیاۃ مع الظالمین الابرمًا [1]

"اما بعد! تم دیکھ رہے ہو کہ اب ہمارے حوالے سے معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے اور یہ دنیا بدل چکی ہے اور یہ بدحال ہو چکی ہے۔ دنیا نے نیکی سے اپنا رخ پھیر لیا ہے اور اب اس دنیا میں اچھائی صرف اتنی ہی رہ گئی ہے جتنا کسی برتن میں بچا کھچا پانی ہوتا ہے اور اب اس دنیا میں زندگی گزارنا اس قدر حقیر اور گھٹیا ہے جیسے مضر صحت چراگاہ ہو، کیا تم لوگ حق کو نہیں دیکھ رہے ہو کہ اس پر عمل نہیں کیا جا رہا اور باطل کی طرف نہیں دیکھ رہے ہو کہ اس سے روکا نہیں جا رہا۔ پس! جب دنیا کی یہ حالت ہو چکی ہے تو اب مومن کو اپنے رب سے ملاقات کے لیے آمادہ ہونا چاہیے۔ بے شک! میں اپنے لیے موت کو سعادت اور ظالم لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنا اپنے لیے ننگ و عار اور جرم سمجھتا ہوں"۔

پھر زہیر بن قینؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! ہم نے آپؑ کا بیان سنا، اگر یہ دنیا ہمیشہ باقی رہنے والی ہو اور ہم بھی اس میں ہمیشہ کے لیے رہیں تو جب تک ہم اس میں رہیں گے، آپؑ کے ہمراہ قیام کرنے کو ترجیح دیں گے۔

بریر نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! یہ خدا نے ہم پر آپؑ کے وجود کی برکت سے احسان فرمایا ہے کہ ہم آپؑ کے ہمراہ جنگ کریں اور آپؑ کی محبت میں ہمارے جسم کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں پھر آپؑ کے نانا روز قیامت ہماری شفاعت فرمائیں۔ (لہوف: ص ۶۶)

نافع بن ہلال نے عرض کیا: آپؑ جانتے ہیں کہ آپؑ کے نانا رسولؐ خدا سب لوگوں کو اپنی محبت کا جام نہ پلا سکے اور اُن تمام لوگوں نے آپؐ کے اس حکم پر لبیک نہیں کہا جس حکم کو وہ پسند فرماتے تھے، آپؐ کے اطراف میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو منافق تھے وہ نبیؐ سے نصرت کا وعدہ تو کرتے لیکن اپنے دلوں میں آپؐ کے لیے دھوکا اور فریب کو چھپایا ہوا ہوتا تھا۔ وہ لوگ حضورؐ کے سامنے شہد جیسی میٹھی باتیں کرتے اور آپؐ کی پیٹھ پیچھے ان کے متعلق تلخ باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ خدا نے نبی اکرمؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔ آپؑ کے بابا جان حضرت علیؑ بھی ایسی ہی قوم میں زندگی گزارتے رہے۔ وہ لوگ حضرت علیؑ

---

[1] یہ روایت "لہوف" میں ہے جب کہ "تاریخ طبری" ج ۶، ص ۲۲۹ پر ہے کہ امامؑ نے ذی حسم کے مقام پر یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ عقد الفرید، ج ۲، ص ۳۱۲، حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۳۹ اور ابن عساکر، ج ۴، ص ۳۳۳ میں لہوف کی طرح مذکور ہے۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۹۲، ذخائر العقبیٰ، ص ۱۴۹ اور العقد الفرید، ج ۲، ص ۳۱۲ پر مذکورہ قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے یہ خطبہ عاشورا کے دن ارشاد فرمایا تھا جب کہ ذہبی "سیر اعلام النبلاء" ج ۳، ص ۲۰۹ پر رقم طراز ہیں کہ جب عمر بن سعد حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچا تو اس وقت امامؑ نے اپنے اصحاب کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

کی نصرت پر جمع ہوئے اور ان کے ہمراہ ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جنگیں کرتے رہے یہاں تک کہ آپؑ کے بابا جان حضرت علیؑ داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے خدا کی رحمت اور رضوان کی طرف کوچ کر گئے۔

آج آپؑ بھی ہمارے درمیان ان حالات سے دوچار ہیں، جس شخص نے بھی آپؑ سے اپنے کیے ہوئے وعدہ اور بیعت کو توڑا تو اس کا یہ عمل خود اسی شخص کو نقصان پہنچائے گا اور خدا اس سے بے نیاز ہے۔ آپؑ ہمارے ساتھ مشرق یا مغرب کی طرف جہاں پر آپؑ کا دل چاہے، چلیں۔ خدا کی قسم! ہم خدا کی قضاوقدر سے ہرگز نہیں ڈریں گے اور ہم اپنے رب سے ملاقات کو ناپسند نہیں کرتے۔ بلکہ ہم اپنی نیتوں اور سوچ پر ثابت قدم رہیں گے۔ جو آپؑ سے محبت وعقیدت رکھتا ہے، ہم اس سے محبت رکھتے ہیں اور جو آپؑ سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے، ہم اس سے عداوت و دشمنی رکھتے ہیں۔ (مقتل العوالم: ص ۷۶)

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی قبر مبارک کے اطراف کی زمین غاضریہ اور نینویٰ کے لوگوں سے ساٹھ ہزار درہم میں خرید کی اور پھر یہ زمین ان پر خیرات کردی لیکن آپؑ نے ان پر یہ شرائط عائد کی تھیں کہ جب بھی کوئی زائر میری قبر کی زیارت کے لیے آئے تو تم اسے میری قبر کی نشان دہی کرنا اور میرے زائر کو تین دن تک اپنا مہمان رکھنا۔ حضرت امام حسینؑ نے جو زمین خریدی تھی اس کا حدود اربعہ چار میل لمبائی اور چار میل چوڑائی (چار مربع میل) تھی۔ یہ زمین حضرت امام حسینؑ کی اولاد، آپؑ کے شیعوں اور موالیوں کے لیے حلال ہے، ان کے علاوہ دیگر افراد اور جو آپؑ کے مخالف ہیں اُن اس پر حرام ہے اور یہ بابرکت زمین ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث میں منقول ہے کہ ان لوگوں نے اُن شرائط کو پورا نہیں کیا۔ [1]

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا میں پہنچے تو آپؑ نے محمد حنفیہ اور بنوہاشم کے ایک گروہ کو خط میں تحریر کیا:

---

[1] یہ شیخ بہائی کی "کشکول" ج ۲، ص ۹۱، مطبوعہ مصر میں بحوالہ محمد بن احمد بن داؤد القمی کی کتاب الزیارات سے منقول ہے اور اس کتاب الزیارات میں سیّد ابن طاؤوسؒ کی "مصباح الزائر" سے نقل کیا گیا ہے۔ مؤلف کہتے ہیں: مجھے "متاجر المکاسبہ" کے اس قول پر تعجب ہوتا ہے جو انھوں نے متاجر المکاسبہ کی کتاب المتاجر، ص ۲۴۵ پر اس بات کا انکار کیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنی قبر مبارک کے چاروں اطراف چار چار میل زمین نہیں خریدی تھی۔ تو میں کہتا ہوں کہ انھیں آئمہؑ کی روایات اور علماء کے اقوال میں یہ بات کیوں نظر نہیں آئی کہ حضرت امام حسینؑ نے یہ زمین اسی طرح خریدی تھی جیسا کہ امیرالمومنین حضرت علیؑ کے متعلق روایات میں ملتا ہے کہ آپؑ نے زمینداروں سے ایک طرف خورنق سے حیرہ اور دوسری طرف سے خورنق سے کوفہ تک کی زمین چالیس ہزار درہم میں خریدی تو کسی نے آپ سے کہا کہ یہ تو بنجر زمین ہے آپؑ کیوں خرید رہے ہیں؟ امیرالمومنین حضرت علیؑ نے اسے جواب دیا: دو کوفہ ہیں ان میں سے پہلا دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ قیامت کے دن یہاں سے ستر ہزار لوگ محشور ہوں گے اور بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ لوگ میری زیرِ ملکیت زمین سے محشور ہوں۔ (فرحۃ الغری، ابن طاؤوس، ص ۲۹، دوسرا باب، مطبوعہ حیدریہ، نجف اشرف)

اما بعد فکانّ الدنیا لم تکن وکان الآخرۃ لم تزل والسلام [1]

"اما بعد! گویا دنیا کبھی تھی ہی نہیں اور آخرت ہمیشہ باقی رہے گی، والسلام"۔

ابن زیاد اور حضرت امام حسین علیہ السلام

حر نے ابن زیاد (ملعون) کے پاس قاصد بھیج کر اسے اطلاع دی کہ حضرت امام حسینؑ کو کربلا میں روک دیا ہے۔ پھر ابن زیاد نے حضرت امام حسینؑ کو خط تحریر کیا:

اما بعد! اے حسینؑ! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپؑ کربلا میں پڑاؤ ڈال چکے ہیں۔ مجھے امیرالمومنین یزید (لعین) نے خط میں لکھا ہے کہ میں اس وقت تک آرام دہ تکیہ پر سر نہ رکھوں اور نہ ہی پیٹ بھر کر شراب نوشی کروں یہاں تک کہ یا تو آپؑ کو خدا جو لطیف وخبیر ہے اس کے پاس بھیج دوں یا آپؑ میری اور یزید کی حکومت کو مانتے ہوئے بیعت کرو۔ والسلام!"

جب حضرت امام حسینؑ نے اس کا یہ خط پڑھا تو یہ کہتے ہوئے اس خط کو دور پھینک دیا:

لا افلح قوم اشترو امرضاۃ المخلوق بسخط الخالق

"وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاتی جس نے خالق کی ناراضگی کے بدلہ میں مخلوق کی خوشنودی کو خرید لیا ہو"۔

قاصد نے امام علیہ السلام سے خط کا جواب مانگا تو آپؑ نے فرمایا:

ما لہ عندی جواب لانہ حقت علیہ کلمۃ العذاب

"اس کا یہ خط جواب دینے کے قابل نہیں ہے کیونکہ اب وہ خدا کے عذاب کا حق دار ٹھہر چکا ہے"۔

قاصد سے ابوعبداللہ الحسینؑ نے جو کچھ کہا تھا اُس نے واپس جا کر ابن زیاد (ملعون) کو بتایا تو وہ امام علیہ السلام پر اور زیادہ غضب ناک ہو گیا۔ (بحارالانوار: ج۱۰، ص۱۸۹، مقتل العوالم: ص۷۶)

ابن زیاد (ملعون) نے فوراً عمر ابن سعد (ملعون) کو حکم دیا کہ وہ کربلا کی طرف روانہ ہو جائے۔ اس وقت ابن سعد چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ "حمام اعین" میں لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے بیٹھا تھا تاکہ وہ اس لشکر کے ساتھ "دیلمی" کی

---

[1] کامل الزیارات: ص۷۵، باب ۲۳، جب کہ ابوالفرج "الاغانی" ج۸، ۱۵۱، مطبوعہ ساسی میں رقم طراز ہے کہ یہ حسن بصری نے عمر بن عبدالعزیز کو خط میں تحریر کیا تھا جب اس نے مسند خلافت سنبھالی تھی۔ "مروج الذھب" اخبار عمر بن عبدالعزیز میں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوحازم مدنی کو لکھا تھا کہ مجھے مختصر ترین نصیحت کرو تو اس نے اسے یہ جملہ لکھ بھیجا۔

طرف پیش قدمی کر سکے کیونکہ دیلم کے لوگوں نے بغاوت کرتے ہوئے "دستبی" کے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ [1] ابن زیاد (ملعون) نے ابن سعد (ملعون) کو "رَے" کی حکومت کا حکم نامہ لکھ کر دیا اور دستبی اور دیلم سے واپس ہٹنے کو کہا۔

ابن سعد (ملعون) نے ابن زیاد (ملعون) سے اس کام سے معافی کی درخواست کی لیکن جب ابن زیاد (ملعون) نے کہا کہ تجھے اس شرط پر معاف کرتا ہوں کہ شہر رَے کی ملکیت کا حکم نامہ واپس دے دے تو اس نے ابن زیاد (ملعون) سے ایک رات کی مہلت طلب کی۔ عمر ابن سعد (ملعون) نے اپنے مشیروں کو جمع کر کے اس حوالے سے رائے لی تو انھوں نے اسے حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے جانے سے روکا اور اس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے اس سے کہا: "میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ حسینؑ سے جنگ کے لیے نہ جانا ورنہ تم قطع رحمی کرو گے اور اپنے پروردگار کی نافرمانی و معصیت کے مرتکب قرار پاؤ گے، خدا کی قسم! اگر تم دنیا سے مال و دولت اور ریاست کے بغیر جاؤ تو یہ زیادہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ جب تم خدا کی بارگاہ میں پیش ہو تو تمھارے ہاتھ خونِ حسینؑ سے رنگین ہوں۔ [2]

ابن سعد (ملعون) نے کہا: اگر خدا کی خوشنودی اس میں ہے تو میں ایسا ہی کروں گا۔ اس رات عمر ابن سعد (ملعون) ساری رات اس معاملہ کے بارے میں سوچتا رہا کہ وہ کیا کرے اور وہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

أأترك ملك الري والري رغبتي   أم ارجع مذموماً بقتل حسين

وفي قتله النار التي ليس دونها   حجاب وملك الري قرة عيني [3]

"کیا میں رَے کی بادشاہت کو چھوڑ دوں حالانکہ رَے کی حکومت میری دیرینہ خواہش ہے یا میں قتلِ حسینؑ میں شریک ہو کر ذلیل و رُسوا واپس لوٹوں اور قتلِ حسینؑ کی سزا کے طور پر میں جہنم میں جھونکا جاؤں گا لیکن رَے کی حکومت میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"۔

---

[1] ابن واصل حموی (متوفی ۶۹۷ھ) نے "تجرید الاغانی" ج ۱، پہلی قسم، ص ۲۷۷ پر جہاں جنگِ حُنین کے واقعات کے ابتدا میں بیان کیا ہے کہ یہ حمام بشیر بن مروان بن حکم کے دربان اعین کے نام سے جانا جاتا ہے۔ "معجم البلدان" ج ۳، ص ۳۳۲، مادۂ حمام کے تحت مذکور ہے کہ کوفہ میں موجود "حمام اعین" سعد بن ابی وقاص کے غلام اعین کی طرف منسوب ہے۔

[2] الاخبار الطوال: ص ۲۵۱، اور معجم البلدان: ج ۳، ص ۵۸ پر مذکور ہے: "دستبی" کے تلفظ میں دال پر زیر، سین ساکن، تاء پر زبر اور باء پر کھڑی زیر ہے۔ یہ ہمدان اور رَے کے درمیان وسیع علاقہ ہے۔ اس علاقے کے ایک حصہ کو دستبی رازی اور دوسرے حصے کو دستبی ہمدان کہتے ہیں۔ ابو مالک حنظلہ بن خالد تمیمی کی کوششوں سے یہ علاقہ قزوین میں شامل کر دیا گیا۔

[3] مقدسی نے "احسن التقاسیم" ص ۳۸۵ پر بیان کیا ہے کہ شہر رَے نے عمر بن سعد بدبخت کو ہلاک کر دیا یہاں تک کہ اس نے حضرت امام حسینؑ ابن علیؑ کو شہید کر کے شہر رَے کی حکومت کے ساتھ اپنے لیے جہنم کی آگ کا انتخاب کیا جیسا کہ اس نے خود بھی اس کا اعتراف کیا، خدا اسے ذلیل و رُسوا کرے اور اس نے دو اشعار میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا جیسا کہ وہ اشعار یہاں پر مذکور ہیں۔

اگلے دن صبح کے وقت عمر ابن سعد عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کے پاس آیا اور اس سے کہا: تم نے مجھے جس کام پر مامور کیا ہے اس کے متعلق لوگوں کے کانوں تک بات پہنچ چکی ہے لہٰذا تم مجھے قتلِ حسینؑ سے معاف کر دو اور کوفہ کے کسی اور سردار کو حسینؑ سے جنگ کے لیے روانہ کرو۔ پھر اس نے ابن زیاد ملعون کے سامنے کوفہ کے اشراف اور سرداروں کے نام بیان کرنا شروع کر دیے۔

یہ سن کر ابن زیاد ملعون نے کہا: میں نے اس حوالے سے تم سے مشورہ طلب نہیں کیا۔ اگر تُو نے اس مہم پر نہیں جانا ہے تو میرا جسے جی چاہے گا اُسے بھیج دوں گا۔ مجھے تمھارے مشورے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس! اگر تم ہماری فوج کے ساتھ کربلا جانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ رَے کی حکومت کا عہدنامہ ہمیں واپس کر دو۔

جب عمر بن سعد (ملعون) نے یہ دیکھا کہ ابن زیاد (ملعون) مجھے کربلا بھیجنے پر مُصر ہے تو اس نے کہا: ٹھیک ہے، مَیں جاتا ہوں۔ ① پھر وہ چار ہزار کے لشکر کے ساتھ کربلا روانہ ہو گیا اور وہاں پر موجود جناب حُر اور ان کا لشکر بھی اس کی فوج میں شامل ہو گئے۔ عمر بن سعد نے عزرہ بن قیس احمسی کو بلا کر حکم دیا کہ (امام) حسینؑ سے ملاقات کر کے دریافت کرو کہ وہ کس غرض سے یہاں پر آئے ہیں؟ یہ سن کر عزرہ خجالت و شرم میں ڈوب گیا کیونکہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے امامؑ کو خطوط لکھے تھے۔ پھر اس نے اپنے ساتھ دیگر سرداروں کو امام حسینؑ سے ملاقات کے لیے کہا لیکن سب نے انکار کر دیا کیونکہ انھوں نے امامؑ کو خطوط لکھ کر بلوایا تھا۔

پھر کثیر بن عبداللہ شعبی کھڑا ہوا جو ایک جری، بہادر اور جھگڑالو شخص تھا۔ اس نے کہا: مَیں (امام) حسینؑ کے پاس جاتا ہوں اگر تُو چاہے تو مَیں دھوکے سے انھیں قتل بھی کر دوں گا۔

عمر بن سعد (ملعون) نے کہا: نہیں، صرف ان سے یہی پوچھنا کہ وہ اس دیار میں کیوں آئے ہیں؟

کثیر حضرت امام حسینؑ کی جانب گیا تو ابوثمامہ صائدی اس مکار کو پہچان گئے اور اس کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے اور اس سے کہا کہ اپنی تلوار کو یہاں پر رکھ کر امام حسینؑ کے پاس جا سکتے ہو؟ اس نے تلوار رکھنے سے انکار کر دیا تو ابوثمامہ نے اسے امامؑ کے پاس جانے سے روک دیا اور وہ واپس لوٹ گیا۔

---

① کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۲۔ مؤلف کہتے ہیں کہ ضرب المثل ہے جس نے تجھے چھوڑ دیا اس نے تجھے بے نیاز کر دیا۔ ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ، ج ۳، ص ۱۶۱ پر ذکر کیا ہے کہ بصرہ میں ابن زیاد (ملعون) کی فوج کا ایک جرنیل چھت سے گرا اور اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں تو ابوقلابہ اس کی تیمارداری کے لیے آیا اور اس سے کہا: میں اُمید کرتا ہوں کہ اسی میں تمھاری بہتری ہوگی۔ اس کا یہ قول اس وقت سچ ثابت ہوا جب ابن زیاد کا قاصد یہ پیغام لے کر اس کے پاس آیا کہ ابن زیاد کہہ رہا ہے حسینؑ سے جنگ کے لیے نکلو تو اس نے جواب دیا: تم میری حالت تو دیکھو میں جنگ کرنے کے قابل نہیں۔ اس کے سات دن بعد یہ خبر آ گئی کہ حضرت امام حسینؑ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے عافیت نصیب ہوئی۔

پھر عمر بن سعد نے قرہ بن قیس حنظلی کو بلا کر کہا کہ (امام) حسینؑ سے جا کر پوچھو وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟

جب امام علیہ السلام کو ابن سعد کا پیغام ملا تو آپؑ نے فرمایا: تمھارے شہر والوں نے مجھے خطوط لکھے تھے کہ ہمارے پاس تشریف لائیے اور اب اگر تم لوگ میرے آنے کو پسند نہیں کرتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔

قرہ یہ پیغام لے کر ابن سعد (ملعون) کے پاس گیا تو اس نے وہ سب ابن زیاد (ملعون) کو خط میں لکھ کر بھیجا جو امام حسینؑ نے فرمایا تھا۔ ابن زیاد نے اس کے جواب میں لکھا: اما بعد! حسینؑ اور اس کے اصحاب کو کہو کہ یزید کی بیعت کر لیں۔ اور اگر وہ بیعت کر لیں تو پھر ہم دیکھیں گے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۳۳-۲۳۴)

ابن زیاد (ملعون) کا کوفہ میں خطاب

ابن زیاد (ملعون) نے لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد میں اکٹھا کر کے ان سے خطاب کیا: "اے لوگو! تم ابوسفیان کی اولاد کو آزما چکے ہو، تم نے انھیں ویسے ہی پایا ہے جیسے تم چاہتے تھے۔ یہ امیر المومنین یزید (لعین) جسے تم اس حیثیت سے جانتے ہو کہ اس کی سیرت اچھی اور اس کا طور طریقہ قابلِ تعریف ہے۔ وہ اپنی رعایا کے ساتھ احسان اور بھلائی کرتا ہے اور حق دار کو نوازشات سے نوازتا ہے۔ اس کے دورِ حکومت میں تمام راستے پُرامن ہیں اور اس کے باپ معاویہ کے دورِ حکومت میں بھی اسی طرح تھا۔ اب اس کا بیٹا (یزید ملعون) بندگانِ خدا پر انعام و اکرام کرتا ہے اور اپنے مال سے انھیں مال دار بنا دیتا ہے۔ اب اس نے تمھارا وظیفہ دوگنا کر دیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں یہ مال تم میں تقسیم کر دوں اور تمھیں اس کے دشمن حسینؑ کے خلاف جنگ کے لیے میدانِ جنگ کی طرف نکالوں پس تم لوگ اس کے حکم کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

پھر وہ منبر سے نیچے اُترا اور لوگوں میں خوب مال لٹایا۔ پھر نخیلہ [1] کی طرف نکل گیا اور وہاں پر لشکر اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گیا۔ اس نے حصین بن نمیر تمیمی، حجار بن ابجر، شمر بن ذی الجوشن اور شبث ابن ربعی کی طرف اپنا قاصد روانہ کیا اور انھیں حکم دیا کہ عمر ابن سعد (ملعون) کی حمایت میں (امام) حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے کربلا جاؤ اور اس کی مدد کرنا لیکن شبث ابن ربعی نے بیماری کا بہانہ کرتے ہوئے انکار کر دیا [2] تو اس کے پاس ابن زیاد نے دوبارہ اپنا پیغام رساں بھیجا۔ اس نے اسے ابن زیاد کا یہ پیغام دیا کہ وہ کہہ رہا ہے: میرے قاصد نے مجھے تمھاری بیماری کے متعلق بتایا ہے اور مجھے یہ ڈر ہے کہ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جو مومنوں سے ملتے ہیں تو انھیں کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملاقات کرتے ہیں تو انھیں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں، ہم تو ان سے صرف مذاق کر رہے تھے۔

---

[1] ابن نما کے مطابق یہ جگہ "عباسیہ" ہے اور آج کل عباسیات کے نام سے معروف ہے جو کہ "ذوالکفل" کے قریب واقع ہے۔ رضی الدین ابن طاؤس کی کتاب "الیقین" ص ۱۴۷، باب ۱۲۶ پر مذکور ہے کہ نخیلہ کوفہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔

[2] الاخبار الطوال: ص ۲۵۳

پس! اگر تو تم ہماری اطاعت میں ہو تو جلدی سے جلدی ہماری طرف پیش قدمی کرو۔ پھر شبث رات کو عشاء کے بعد اس سے ملاقات کے لیے گیا تا کہ وہ اس کے چہرے کی طرف واضح طور پر نہ دیکھ سکے اور وہ یہ نہ کہہ دے کہ اس کے چہرے پر بیماری کا کوئی نام ونشان تک نہیں۔ ابن زیاد ملعون کے پاس پہنچنے کے بعد شبث نے اس سے کہا: تم مجھ سے جو چاہتے ہوئیں اس کے لیے حاضر ہوں۔ (بحارالانوار میں مقتل محمد بن ابی طالب سے منقول ہے)۔

عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) نے زجر بن قیس جعفی کو پانچ سو مسلح گھوڑے سواروں سمیت کوفہ میں ایک پل "جسر الصراۃ" پر یہ حکم دیتے ہوئے تعینات کیا کہ کوئی بھی ایسا شخص جو حسینؑ کے پاس جانا چاہتا ہو، وہ کوفہ سے باہر نہ نکلنے پائے۔ عامر بن ابی سلامہ بن عبداللہ بن عرار الدالانی اس پل سے گزرے تو زجر نے ان سے کہا: مجھے معلوم ہے کہ تم کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو، لہٰذا واپس لوٹ جاؤ۔ انھوں نے زجر اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر کے انھیں پسپا کر دیا اور خود وہاں سے کربلا کی طرف روانہ ہو گئے مگر ان میں سے کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان کے قریب جا سکتے یہاں تک کہ وہ کربلا میں پہنچ کر حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امامؑ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے جب کہ انھوں نے امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ بھی تمام جنگوں میں شرکت کی تھی۔ [1]

کوفیوں کے نزدیک امام حسین علیہ السلام کا مقام

لوگ ہمیشہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے اس فیصلے کو ناپسندیدگی اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ آپؑ رسولِ اقدسؐ کے فرزند اور جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ لوگوں کے ذہنوں سے نبی اکرمؐ اور آپؑ کے بابا وصیِ رسولؐ حضرت علیؑ، آپؑ اور آپؑ کے بھائی حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی شان میں بیان کیے گئے فرامین فراموش نہیں ہوئے تھے۔ کوفہ والوں نے اس دن حضرت امام حسینؑ کے فضل کو پہچانا جب کوفہ میں قحط اور خشک سالی ہو چکی تھی اور وہ اس بات کا شکوہ لے کر ابوالحسن حضرت امام علیؑ کے پاس آئے تو آپؑ نے نواسۂ رسولؐ، شہیدِ کربلا حضرت امام حسینؑ کو بارانِ رحمت طلب کرنے کے لیے دعا کرنے کو فرمایا۔ حقیقتِ محمدیہ سے بنے ہوئے نُور کے اس پیکر اور آپؑ کے نفسِ قدسیہ کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی دعا کو قبول فرما کر بارانِ رحمت کا نزول فرمایا یہاں تک کہ زمین خشک سالی کے بعد ہر طرف سے جل تھل ہو گئی۔ حضرت امام حسینؑ کی ذات ہی وہ ہستی ہے جن کا جنگِ صفین کے دن پانی کے گھاٹ پر قبضہ تھا اور آپؑ نے اس وقت تمام مسلمانوں کو اس پانی سے سیراب کیا جب کہ پیاس نے انھیں نڈھال کر دیا تھا۔ [2] آپؑ نے ہی (کوفہ کے راستے میں)

---

[1] "الاکلیل" ہمدانی، ج ۱۰، ص ۸۷، ۱۰۱ پر مذکور ہے کہ دالان ہمدان کی ایک شاخ ہے اور ان میں سے ہی بنو عرار بھی ہیں۔ اس کا نام ونسب یوں ہے: عرار بن رواس بن دالان بن جشیش بن ماشح بن وادعہ۔ ابن حزم کی "جمہرۃ انساب العرب"، ص ۳۲۱ پر وادعہ کا پورا نسب مذکور ہے۔

[2] مقتل العوالم: ص ۱۵، ۴۵۔

اس بیابان جنگل میں جناب حُر اور ان کے ایک ہزار گھڑ سوار سپاہیوں کو، ان کے جانوروں سمیت پانی سے سیراب کیا تھا۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کا کوفہ میں ہر مقام پر چرچا تھا۔

تو پس! اس صورتِ حال میں صرف وہی حضرت امام حسینؑ سے دوبدو مقابلہ اور جنگ کرسکتا تھا جس پر خواہشات کا غلبہ ہو، جو سرکشی و طغیانیت میں غرق ہو اور جسے اشتعال دلایا گیا ہو اور وہ اپنے نفس پر کمزور گرفت رکھتا ہو۔ اسی لیے بہت سے افراد معرکۂ کربلا میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے کہیں کھسک گئے اور صرف چند افراد ہی کربلا پہنچے۔ جب ابن زیاد (ملعون) کو اس بات کا پتا چلا تو اس نے سوید بن عبدالرحمٰن المنقری کو گھوڑے سواروں کے ایک دستے کے ساتھ روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ تم کوفہ کی گلیوں اور عربوں کے محلوں میں جا کر یہ اعلان کردو کہ تمام لوگ (امام) حسینؑ سے جنگ کے لیے باہر نکلیں۔ جو یہ حکم سن کر اس پر عمل نہ کرے اور وہ جنگ میں شریک ہونے سے انکار کرے تو اُسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔

جو لوگ ابن زیاد (ملعون) کے پاس پکڑ کر لائے گئے، ان میں ایک شام کا رہنے والا مرد بھی شامل تھا جو اپنا ترکہ حاصل کرنے کی غرض سے شام سے کوفہ آیا تھا، اُسے بھی گرفتار کرلیا گیا۔ جب اُسے گرفتاری کے بعد ابن زیاد (ملعون) کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اس کی گردن اُڑا دینے کا حکم جاری کیا۔ جب لوگوں نے ابن زیاد (ملعون) کی اس قدر سنگدلی اور شرانگیزی دیکھی تو سب لوگ جنگ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ (الاخبار الطوال: ص ۲۵۳)

یزیدی لشکر

شمر [۱] چار ہزار، یزید بن رکاب دو ہزار، حصین بن نمیر تمیمی چار ہزار، شبث بن ربعی ایک ہزار، کعب بن طلحہ تین ہزار، حجار بن ابجر ایک ہزار، مضائر بن رھینہ مازنی تین ہزار اور نصر بن حرشہ دو ہزار سپاہی لے کر کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔ [۲] ابن سعد (ملعون) کے پاس چھٹے محرم تک بیس ہزار فوج جمع ہوچکی تھی [۳] اور ابھی تک ابن زیاد (ملعون) مزید لشکر ابن سعد کی طرف بھیج رہا تھا یہاں تک کہ عمر ابن سعد (ملعون) کے پاس تیس ہزار فوج مکمل ہوگئی۔

ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسنؑ کو آخری دفعہ زہر دیا گیا جو آپؑ کی شہادت کا سبب بنا۔ اس دوران حضرت امام حسینؑ اپنے بھائی کے پاس تشریف لے آئے اور ان کی حالت دیکھ کر رونے لگے۔

---

[۱] "البدء والتاریخ" ج ۶، ص ۱۰ پر اس کا نام بشر بن ذی الجوشن مذکور ہے۔ حافظ ابوبکر محمد بن ابی عثمان الحازمی الہمدانی (متوفی ۵۸۴ھ) نے اپنی کتاب "عجالۃ المبتدی فی النسب" میں تحریر کیا ہے کہ اس کا نام شور بن ذی الجوشن ہے اور اُس کا باپ نبی اکرمؐ کی صحبت میں رہا اور ان سے روایات نقل کی ہیں جبکہ اس کے بیٹے شور نے اپنے باپ سے یہ روایات نقل کی ہیں۔

[۲] ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۱۵

[۳] "مثیر الاحزان" ابن نما، الملہوف

تو حضرت امام حسنؑ نے ان سے فرمایا:

مَا يُبْكِيكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ؟ ''اے ابوعبداللہ! آپؑ کو کس بات نے رُلایا ہے؟''

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا: جو کچھ آپؑ کے ساتھ ہوا ہے میں اس پر گریہ کر رہا ہوں۔

یہ سن کر حضرت امام حسنؑ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْ اُوْتِیَ اِلَیَّ سُمٌّ اُقْتَلُ بِهٖ وَلٰكِنْ لَا یَوْمَ كَیَوْمِكَ یَا اَبَا عَبْدِ اللهِ

''بے شک! مجھے جو زہر دیا گیا ہے یہ میری شہادت کا سبب بنے گا لیکن اے ابوعبداللہ! آپؑ پر جو (کٹھن اور دشوار) وقت آئے گا ویسا وقت کسی پر نہیں آئے گا''۔

اس کے بعد حضرت امام حسنؑ نے فرمایا: تیس ہزار کا لشکر آپؑ کو شہید کرنے کے لیے جمع ہوگا اور وہ یہ دعویٰ کر رہے ہوں گے کہ وہ ہمارے نانا رسولِ خدا کی اُمت میں سے ہیں اور وہ دینِ اسلام کے پیروکار ہیں۔ پس! وہ لوگ آپؑ کو شہید کرنے، آپؑ کا خون بہانے اور آپؑ کی حرمت کو پامال کرنے کے لیے اکٹھے ہوں گے۔ وہ لوگ آپؑ کی اولاد اور مستورات کو قیدی بنائیں گے اور آپؑ کے مال واسباب کو لوٹ لیں گے۔ پس! جب وہ ایسا کریں گے تو بنواُمیہ پر ہر طرف سے لعنت برسے گی، آسمان سے راکھ اور خون کی بارش ہوگی اور ہر شے آپؑ پر گریہ کرے گی یہاں تک کہ جنگلوں میں وحشی درندے اور سمندروں میں مچھلیاں بھی آپؑ پر گریہ وزاری کریں گی۔ [1]

ابن زیاد (ملعون) نے سعد بن ابی وقاص کو خط میں لکھا: میں نے تمھارے لیے گھوڑوں اور مردوں کی کثرت کی وجہ سے کوئی عذر اور بہانہ نہیں چھوڑا اور دیکھو! تمھاری کوئی شام اور کوئی صبح نہیں گزرتی مگر یہ کہ اس کی خبر میرے پاس پہنچ جاتی ہے۔ ابن زیاد (ملعون) نے ابن سعد کو اس خط میں اس بات پر بھی بھڑکایا کہ وہ چھٹے محرم کو جنگ شروع کر دے۔

(تظلم الزہرا: ص ۱۰۱، مقتل محمد بن ابی طالب)

حشدت کتائبها علی ابن محمد	بالطف حیث تذکرت آباءها
الله اکبر یا رواسی هذه الأ	رض البسیطة زایلی ارجاءها

---

[1] امالی الصدوق: ص ۱۷، مجلس ۳۰، جب کہ مطالب السئول میں ہے کہ یزیدی لشکر کی تعداد بیس ہزار تھی۔ تذکرۃ الخواص کے حاشیے کے مطابق ان کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ ابن شہر آشوب کی تحفۃ الازھار میں ان کی تعداد اسی ہزار مذکور ہے۔ اسرار الشہادۃ، ص ۳۳۲ پر تحریر ہے کہ یزیدی لشکر میں چھ ہزار گھڑسوار اور دس لاکھ پیادہ تھے۔ ابوالفداء نے اپنی تاریخ ج ۲، ص ۱۹۰ پر صرف یہ ذکر کیا ہے کہ ابن سعد چار ہزار اور کچھ دو ہزار افراد کے لشکر کے ساتھ کربلا آئے۔ عینی کی ''عمدۃ القاری'' کتاب المناقب: ج ۲، ص ۱۹۰ پر مذکور ہے کہ ابن زیاد کی فوج کی تعداد ایک ہزار گھڑسوار تھی جن کا سردار حر اور ان میں ہراول دستے پر حصین بن نمیر مامور تھا۔

یلقی ابن منتجع الصلاح کتائبا — حقد ابن منتجع السفاح لواءھا

ما کان اوقحھا صبیحة قابلت — بالبیض جبھة تریق دماءھا

"ان لوگوں نے حضرت محمدؐ کے بیٹے کے خلاف فوجی دستے کربلا کی زمین پر اکٹھے کرنے شروع کر دیے جب انھیں اپنے آباؤاجداد کی یاد آئی۔ اللہ اکبر! اے اس زمین کے ستونو! اس زمین کو نیست و نابود کر دو کہ ایک نیکوکار کا بیٹا ان فوجی دستوں کا سامنا کر رہا ہے اور بے دردی سے بے تحاشا خون بہانے والے کے بیٹے نے اپنا جھنڈا گاڑ رکھا ہے۔ وہ لوگ کس قدر بے حیا اور بدتمیز تھے جنھوں نے اس حالت میں حضرت امام حسینؑ کا سامنا کیا کہ ان کی تلواروں کی وجہ سے ان کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا"۔

پانی کا گھاٹ

عمر ابن سعد (ملعون) نے کچھ گھڑسواروں کو دریائے فرات پر مامور کیا کہ وہ اس پانی کی حفاظت کریں اور اسے سید الشہدا حضرت امام حسینؑ تک نہ پہنچنے دیں۔ وہ لوگ سید الشہداؑ اور پانی کے درمیان حائل ہوگئے اور حضرت امام حسینؑ کے اصحاب کو پانی تک پہنچنے کے لیے کوئی راستہ نظر نہ آیا یہاں تک کہ وہ پیاس کی شدت سے نڈھال ہوگئے۔ پھر حضرت امام حسینؑ نے ایک کلہاڑا لیا اور عورتوں کے خیام کے پیچھے انیس قدم قبلہ کی طرف چلے اور وہاں پر زمین کھودنا شروع کر دی تو اس زمین سے آپؑ کے لیے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔ پھر ان سب نے اس چشمے کا پانی پیا لیکن بہت جلد ہی یہ چشمہ ختم ہوگیا اور اس کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ اس کے بعد ابن زیاد نے ابن سعد کو یہ خط تحریر کیا کہ مجھے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ حسینؑ کربلا میں کنویں کھود رہا ہے اور پانی تک رسائی حاصل کر رہا ہے کہ جہاں سے وہ اور اس کے ساتھی پانی پیتے ہیں۔ دیکھو جیسے ہی تمھارے پاس میرا یہ خط پہنچے تم جس قدر حسینؑ کو کنویں کھودنے سے روک سکتے ہو انھیں روکو اور ان پر زیادہ سے زیادہ سختی کرو۔ اور پھر ابن سعد نے عمرو بن حجاج کو پانچ سو گھڑسواروں کے ساتھ پانی کے گھاٹ کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ وہاں پر قیام کریں۔ [1] یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے تین دن پہلے (۷ محرم الحرام) کی بات ہے۔ [2]

سات محرم کا دن

سات محرم الحرام کو سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں کے گرد گھیرا مزید تنگ کر دیا گیا اور ان پر

---

[1] "نفس المہموم" محدث قمی: ص ۱۱۶، مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۲۴۴، مقتل العوالم: ص ۷۸

[2] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۳۴، ارشاد المفید، مقتل الخوارزمی: ج ۱، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۲

پانی لانے کے تمام راستے بند کر دیے گئے۔امامؑ جو پانی ساتھ رکھتے تھے وہ سارا پانی بھی ختم ہوگیا۔ہر ایک اپنی پیاس کی شدت کا خود ہی سدِ باب کر رہا تھا اور فطرتی طور پر پیاس کی شدت کی وجہ سے کراہ رہے تھے۔ان میں سے کچھ بچے پانی کی التجا کر رہے تھے جب کہ کچھ بچے ایسے اُمور سرانجام دینے کی کوشش کر رہے تھے جس سے وہ سمجھتے تھے کہ ان کی پیاس بجھ سکتی ہے۔ یہ سب کچھ سیّدالشہدا حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے غیرت مند خاندان کے افراد اور آپؑ کے جلیل القدر اصحاب کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا لیکن وہ کیا کر سکتے تھے جب کہ ان کے اور پانی کے گھاٹ کے درمیان تلواریں اور نیزے حائل تھے لیکن پیاسوں کو سیراب کرنے والا (حضرت ابوالفضل العباسؑ) زیادہ دیر تک اس حالت کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

اب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام کے کاندھوں پر پانی لانے کی ذمہ داری عائد کی، جب کہ حضرت عباسؑ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے پہلے سے ہی بے تاب تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو یہ حکم دیا کہ وہ ان مستورات اور بچوں کے لیے پانی لائیں۔آپؑ نے حضرت عباسؑ کے ساتھ بیس جانثاروں کو روانہ کیا، جن میں سے ہر ایک کے پاس ایک مشک تھی۔ یہ تمام افراد اس حالت میں رات کے وقت نہرفرات کی جانب بڑھے کہ نہرفرات کے پہرہ داروں کو یہ اندازہ نہ ہوسکے کہ یہ افراد کون ہیں کیونکہ یہ تمام افراد اسدِ آلِ محمدؐ (آلِ محمدؐ کے شیر) کے ساتھی تھے۔ان افراد میں حضرت نافع بن ہلال پرچم تھامے ہوئے سب سے آگے چل رہے تھے۔اتنے میں عمرو ابن حجاج چلایا: تم کون شخص ہو؟

نافع بن ہلال نے جواب دیا: ہم اس پانی کو لینے کے لیے آئے ہیں جس سے تم نے ہمیں محروم کر رکھا ہے۔

عمرو بن حجاج نے کہا: تو پھر تم اس نہر سے پانی پی کر خود کو ٹھنڈک پہنچاؤ لیکن یہاں سے حسینؑ کے لیے پانی نہیں لے جاسکتے۔

نافع بن ہلال نے کہا: نہیں خدا کی قسم! جب تک حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے ہمراہ آپؑ کی آلؑ اور آپؑ کے اصحابؓ پیاسے ہیں، مَیں اس پانی سے ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتا۔

پھر نافع بن ہلال نے اپنے ساتھیوں سے بلند آواز میں کہا کہ اپنی مشکوں کو پانی سے بھر لو۔ یہ سن کر ابن حجاج کے ساتھی ان پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت امام حسینؑ کے اصحاب میں سے بعض افراد اپنی مشکوں کو بھرتے رہے اور بعض افراد اس ہستی کی قیادت میں جنگ کرتے ہوئے اپنے دفاع کرتے رہے جس نے حیدری شجاعت کی آغوش میں پرورش پائی تھی، اس مقدس ہستی کو ابوالفضل العباسؑ کہا جاتا ہے۔ وہ سب پانی لے کر واپس خیموں کی جانب اس حالت میں بڑھے کہ ان کے دشمنوں میں سے کسی میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ان کے قریب آسکتے کیونکہ ان کے دل میں کربلا کے اس بہادر ہیرو کا خوف

تھا۔ جو شیر یزدان کا وفادار بیٹا تھا۔ پھر کربلا کی مستورات اور بچوں نے اس پانی سے اپنی پیاس کو بجھایا۔ ①

لیکن ہم اس بات کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتے کہ اس پانی کی مقدار بہت ہی کم تھی، جس سے وہ تمام افراد اپنی پیاس نہیں بجھا سکتے تھے جن کی تعداد ڈیڑھ سو سے بھی زیادہ تھی جن میں مرد، خواتین اور بچے شامل تھے یا شاید ان کی تعداد دو سو تک ہو۔ یہ بات حتمی ہے کہ یقیناً انھوں نے اس پانی سے صرف ایک دفعہ ہی خود کو سیراب کیا ہوگا اور پھر دوبارہ بہت جلد پیاس کی شدت لوٹ آئی ہوگی اور انھوں نے خدا اور اس کے رسولؐ سے اس امر کی شکایت کی ہوگی۔

ابن سعد (ملعون) کا غرور

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عمرو بن قرظہ انصاری کو ابن سعد (ملعون) کی طرف روانہ کیا تا کہ اُس سے اِس بات کا مطالبہ کرے کہ امامؑ اس سے رات کے وقت دونوں لشکروں کے درمیان ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک بیس گھڑسواروں کے ساتھ اپنے اپنے لشکر سے باہر نکلا۔ حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ اور اپنے بیٹے حضرت علی اکبرؑ کے سوا باقی سب ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ پیچھے ہی کھڑے رہیں۔ ابن سعد (ملعون) نے بھی ایسا ہی کیا اور اس کے ساتھ صرف اس کا بیٹا حفص اور اس کا غلام موجود رہا۔

حضرت امام حسینؑ نے اس سے کہا: اے سعد کے بیٹے! کیا تُو واقعی مجھ سے جنگ کرے گا؟ کیا تُو خدا سے نہیں ڈرتا کہ جس کی بارگاہ میں تجھے ایک دن پیش ہونا ہے؟! اور تُو اچھی طرح جانتا ہے کہ مَیں کس کا بیٹا ہوں؟ تم اس لشکر کو چھوڑ کر میری طرف کیوں نہیں آجاتے اس لیے کہ یقیناً یہ کام تمھارے لیے خدا کے قرب اور خوشنودی کا باعث بنے گا؟

عمر ابن سعد (ملعون) نے جواب دیا: اگر میں ایسا کرتا ہوں تو مجھے ڈر ہے کہ میرے گھر کو گرا دیا جائے گا۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: میں تمھیں تمھارا گھر دوبارہ تعمیر کروا دوں گا۔

عمر بن سعد (ملعون) نے کہا: مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ میرے مال و اسباب کو لوٹ لیا جائے گا۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: میں تمھیں اس کے بدلے میں اس سے بہتر حجاز میں اپنے مال سے عطا کروں گا۔ (مقتل العوالم: ص ۷۸)

اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے عمر بن سعد سے فرمایا تھا کہ اگر انھوں نے تیرے مال و اسباب کو لوٹ لیا تو میں تمھیں اپنی جاگیر البغیبغہ عطا کروں گا۔ یہ ایک وسیع و عریض زمین کا خطہ تھا جس میں کھجور کے درخت اور دیگر بہت

---

① مقتل محمد بن ابی طالب۔ اس روایت کے مطابق حضرت امام حسینؑ کے اصحاب حضرت عباسؑ کی قیادت میں سات محرم کو پانی لانے کے لیے گئے تھے اور شاید اسی وجہ سے سات محرم کا دن حضرت عباسؑ کے ذکر سے مخصوص ہے۔ امالی صدوق: ص ۹۵، مجلس ۳ پر مذکور ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے تیس گھڑسواروں اور بیس پیادہ افراد کے ساتھ اپنے بیٹے حضرت علی اکبرؑ کو پانی لانے کے لیے بھیجا تھا۔

سی زراعت اور پھل دار درخت موجود تھے۔ معاویہ نے امامؑ کو دس لاکھ روپے میں اس جاگیر کو خریدنے کے لیے پیشکش کی تھی لیکن امامؑ نے یہ جاگیر اسے فروخت نہیں کی تھی۔ (تظلم الزہرا: ص ۱۰۳)

پھر ابن سعد (ملعون) نے کہا: کوفہ میں میرے اہل وعیال ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ پھر ابن زیاد انھیں قتل کردے گا۔

جب حضرت امام حسینؑ اس کی طرف سے مایوس ہوگئے تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

مالك ذبحكُ الله على فراشك عاجلًا ولا غفرلك يوم حشرك فوالله انّي لأرجو ان لا تاكل من بر العراق الّا يسيراً۔

''تیرے لیے اب زیادہ دن زندگی کے نہیں رہے، بہت جلد خدا تجھے تیرے بستر پر ذبح کر کے موت کے گھاٹ اُتارے گا اور جس دن تو محشور ہوگا تیری بخشش نہیں ہوگی۔ خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اب تو زیادہ دن عراق کی گندم نہیں کھائے گا''۔

یہ سن کر ابن سعد (ملعون) نے مذاق کرتے ہوئے کہا: کوئی بات نہیں گندم نہ سہی تو میں عراق کے جَو پر گزارا کرلوں گا۔[1] ابن سعد (ملعون) نے اپنے اُوپر جو سب سے پہلے خدا کے غضب کا مشاہدہ کیا وہ اس کے ہاتھ سے رَے کی حکومت کا چلے جانا تھا۔ جب ابن سعد (ملعون) کربلا سے واپس کوفہ پہنچا تو ابن زیاد (ملعون) نے اس سے وہ عہدنامہ مانگا جو اسے ابن زیاد (ملعون) نے تحریر کر کے دیا تھا تو ابن سعد (ملعون) نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ تو ضائع ہوگیا ہے۔ پھر جب ابن زیاد (ملعون) نے اس پر سختی کی کہ اس عہدنامے کو ضرور پیش کرنا پڑے گا تو ابن سعد نے اس سے کہا: میں وہ اپنے پیچھے چھوڑ کر گیا تھا تاکہ رَے کا یہ عہدنامہ قریش کی بوڑھی عورتوں سے معذرت کے طور پر انھیں پڑھ کر سنایا جائے۔

پھر عمر ابن سعد (ملعون) نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے ابن زیاد! خدا کی قسم! میں نے تجھے (امام) حسینؑ کے بارے میں نصیحت کی تھی کہ ان سے ایسا سلوک نہ کرنا، اگر میں اپنے باپ سعد کو یہ نصیحت کرتا تو گویا میں نے اپنے باپ کا حق ادا کردیا تھا۔ یہ سن کر عبیداللہ ابن زیاد کے بھائی عثمان بن زیاد نے کہا: اس نے سچ کہا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ قتل حسینؑ کی وجہ سے قیامت تک زیاد کی اولاد کی ناک میں نکیل رہے گی اور میری یہ خواہش تھی کہ کاش! حسینؑ کو قتل نہ کیا جاتا۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۶۸)

حضرت مختارؓ نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا، ان میں سے ایک کام یہ تھا کہ انھوں نے اسے امان نامہ دینے کے بعد کچھ عورتوں کو اس بات پر امیر بنایا کہ وہ عمر بن سعد کے گھر کے دروازے کے سامنے بیٹھ کر حضرت امام حسینؑ پر گریہ وزاری کریں تاکہ ان عورتوں کے اس فعل سے وہاں سے گزرنے والا ہر شخص اس بات کی طرف متوجہ ہو کہ اس گھر کا مالک

---

[1] تظلم الزہرا: ص ۱۰۳، مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۲۴۵

جوانانِ جنت کے سردار کا قاتل ہے۔ اس عمل سے عمر ابن سعد کو سخت کوفت ہونے لگی۔ اس نے حضرت مختارؓ سے یہ درخواست کی کہ ان عورتوں کو میرے گھر کے دروازے کے سامنے سے ہٹا دیں تو حضرت مختارؓ نے کہا: کیا حضرت امام حسینؑ اس بات کے حق دار نہیں ہیں کہ ان پر گریہ وزاری کی جائے۔(العقد الفرید، باب نہضۃ المختار)

جب کوفہ والوں نے عمر ابن سعد کو یزید بن معاویہ کی ہلاکت کے بعد اپنا نیا گورنر بنانا چاہا کہ وہ کوفیوں کے اُمور کی باگ ڈور سنبھال لے تو قبیلہ ہمدان اور ربیعہ کی خواتین روتی پیٹتیں اور چیختی چلاتی ہوئی کوفہ کی جامع مسجد اعظم میں آگئیں اور کہا: کیا ابن سعد قتلِ حسینؑ پر راضی اور خوش نہ تھا (اور کیا اس نے امامؑ کو شہید نہیں کیا) کہ اب وہ گورنر بننا چاہتا ہے۔ یہ سن کر تمام لوگ گریہ کرنے لگے اور انھوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔(مروج الذھب: ج ۲، ص ۱۰۵، یزید کے احوال کے بیان میں)۔

ابن سعد (ملعون) کا بہتان

ابن سعد (ملعون) نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق وہ بہتان باندھا جس کا آپؑ نے ہرگز اقرار نہیں کیا تھا۔ اس نے ابن زیاد ملعون کی طرف یہ لکھتے ہوئے ایک خط تحریر کیا کہ اس میں امت اسلامیہ کی بہتری اور حکومتی نظام کی خرابی ہے۔ اس نے تحریر کیا:

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے آگ کے اس شعلے کو بجھا دیا ہے اور ہم سب ایک بات پر متفق ہو گئے ہیں اور اُمت کے امر کی اصلاح ہو گئی ہے۔ اور یہ حسینؑ ہیں جنھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اُسی جگہ پر واپس لوٹ جاتے ہیں جہاں سے آئے تھے، یا یہ کسی اسلامی حدود کی طرف چلے جاتے ہیں اور ان پر بھی عام مسلمانوں کی طرح ذمہ داریاں عائد ہوں گی۔ جو ان لوگوں کے نقصان کا باعث ہوگا وہی ان کے بھی نقصان کا باعث ہوگا، یا یہ کہ امیر المومنین یزید (لعین) کے پاس جا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے کو تیار ہیں۔ اَب ان کے اور اپنے درمیان جو مناسب فیصلہ کرنا چاہتے ہو وہ کر لو کیوں کہ اسی کام میں تمھاری رضامندی اور اُمت کی بھلائی ہے۔(الاتحاف بحب الاشراف: ص ۱۵، تہذیب التہذیب: ج ۲، ص ۲۵۳)

یہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ حضرت امام حسینؑ جیسا ایک غیرت مند انسان جس نے دوسروں کو تکالیف اور مصیبتوں پر صبر کرنا سکھایا ہو وہ خود کٹھن حالات میں ابن مرجانہ کی اطاعت اور جگر خورہ کے بیٹے کے آگے فرمانبرداری کا اظہار کرنے لگیں۔ کیا یہ وہی ہستی نہیں ہیں جنھوں نے اپنے بھائی الاطرف سے کہا: خدا کی قسم! میں اس قدر پست حرکت نہیں کر سکتا اور ابن حنفیہ سے فرمایا: "اگر اس کائنات میں میرے لیے کوئی جائے پناہ نہ بھی ہو تو بھی میں یزید (ملعون) کی بیعت نہیں کروں گا"۔

آپؑ نے زرارہ بن صالح سے فرمایا: "مجھے اس بات کا یقینی علم ہے کہ وہاں پر میری اور میرے اصحاب کی جائے شہادت اور جائے قبور ہیں کیونکہ ان میں سے سوائے میرے بیٹے علی زین العابدینؑ کے کوئی زندہ نہیں بچے گا"۔ آپؑ نے جعفر بن سلیمان ضبعی سے فرمایا: "یہ (بنو اُمیہ کے) لوگ اس وقت تک میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک میرے بدن سے

خون کا یہ لوتھڑا (دل) نکال نہ لیں"۔

آپؑ نے آخرکار سرزمینِ کربلا پر یوم عاشور فرمایا:

الادان الدعی ابن الدعی قد رکنہ بین اثنتین بین السلة والذلة وھیھات منا الذلة یأبی اللہ لنا ذٰلک ورسولہ والمؤمنون وحجور طابت وطھرت وانوف حمیة ونفوس ابیة من ان نؤثر طاعة اللئام علی مصارع الکرام

"آگاہ ہوجاؤ! اس دعویدار باپ کے دعویدار بیٹے نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا ہے کہ یا تو میں موت کو قبول کروں یا ذلت سے زندہ رہوں اور ذلت ہم سے بہت دُور ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کا رسولؐ اور مومن افراد ہمارے لیے ذلت کو پسند نہیں کرتے، جن پاک و پاکیزہ ماؤں کی پاکیزہ آغوشوں میں ہم نے پرورش پائی اور غیرت مند اور باعزت باپوں کی افکار ونظریات ہمیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم موت پر ان پست ترین اور کمینے لوگوں کے آگے جھکنے پر ترجیح دیں"۔

بے شک! عقبہ بن سمعان کی گفتگو ابوعبداللہ الحسینؑ کی حالت کو تفصیل سے بیان کرتی ہے کہ جب عقبہ بن سمعان نے یہ بتایا: "میں مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے عراق تک حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا اور آپؑ سے ہرگز جدا نہیں ہوا یہاں تک کہ آپؑ شہید ہوگئے۔ میں نے آپؑ کی تمام گفتگو کو سنا لیکن یہ بات آپؑ سے ہرگز نہیں سنی کہ امام علیہ السلام نے لوگوں سے یہ کہا ہو کہ وہ اپنا ہاتھ یزید (لعین) کے ہاتھ میں دینے کے لیے تیار ہیں اور نہ ہی یہ سنا کہ مجھے اسلامی حدود میں سے کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو۔ امام حسین علیہ السلام نے مدینہ یا مکہ یا دورانِ سفر راستے میں یا عراق میں اپنے لشکر میں کہیں بھی اپنی شہادت تک ایسی کوئی بات نہیں کی۔ ہاں! میں نے آپؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ مجھے اس وسیع وعریض زمین کی طرف جانے دو۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۳۵)

شمر (ملعون) کی سرکشی اور طغیانیت

جب ابن زیاد (ملعون) نے ابن سعد کا خط پڑھا تو کہا: یہ ایسے شخص کا خط ہے جو اپنی قوم کا خیرخواہ اور ہمدرد ہے۔ ابھی ابن زیاد نے اس خط کا جواب دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ شمر [1] کھڑا ہوکر کہنے لگا: کیا تم حسینؑ کا یہ عذر مان لوگے جب

---

[1] ابن کثیر کی "البدایہ" ج۸، ص ۱۸۸ پر ہے کہ حضرت امام حسینؑ کربلا میں اپنے اصحاب کو وہ بتایا کرتے جو آپؑ سے آپؑ کے نانا نے فرمایا: گویا میں سفید وسیاہ دھبے والے کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میرے اہلِ بیتؑ کے خون کو چاٹ رہا ہے۔ جب آپؑ نے شمر کو دیکھا تو فرمایا: یہ میرا قاتل ہے۔ ابن رستہ کی "الاعلاق النفیسہ" ص ۲۲۲ پر ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا قاتل شمر بن ذی الجوشن مبروص تھا۔ اور ذہبی کی میزان الاعتدال: ج۲، ص ۴۴۹ پر ہے کہ شمر بن ذی الجوشن حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں میں سے ایک ہے۔ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے کہ جب شمر سے ←

کہ وہ خود تمھاری زمین پر اُتر چکا ہے۔ خدا کی قسم! اگر وہ تمھارے شہروں سے نکل گئے تو پھر اپنا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں نہیں دیں گے کیونکہ وہ تم سے قوت و طاقت میں زیادہ ہو جائیں گے اور تم کمزور پڑ جاؤ گے۔ ابن زیاد (ملعون) نے اس کی رائے کو صحیح قرار دیا اور ابن سعد کی طرف خط تحریر کیا:

"اما بعد! میں نے تمھیں اس لیے کربلا نہیں بھیجا کہ تم (امام) حسینؑ سے دست بردار ہو جاؤ اور نہ اس لیے بھیجا ہے کہ تم اسے ڈھیل دے کر اس مسئلے کو لمبا کر دو اور نہ تم کو اس لیے بھیجا ہے کہ تم ان کی سلامتی کے متمنی رہو اور نہ اس لیے بھیجا ہے کہ تم مجھ سے حسینؑ کی سفارش کرو۔ دیکھو! اگر حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے میرے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا ہے تو ان سب کو میرے پاس روانہ کر دو اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو ان پر حملہ کر کے انھیں قتل کر دو اور ان کے اعضاء کاٹ کر اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے مثلہ کر دو کیونکہ یہ لوگ اسی چیز کے حق دار ہیں۔ اور تم جب حسینؑ کو قتل کر لو تو اس کے سینہ اور پشت کو گھوڑوں سے پامال کر دو کیونکہ میرے خیال کے مطابق (امام) حسینؑ کو قتل کرنے کے بعد اس سے ایسا کرنے میں کوئی نقصان نہیں لیکن میں نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ اسے قتل کرنے کے بعد اس کے لاشہ پر

← پوچھا گیا کہ تم نے حضرت فاطمہؑ کے بیٹے کے خلاف جنگ کیوں کی تھی؟ تو اس نے جواب دیا: ہمارے حکمرانوں نے ہمیں اس کا حکم دیا تھا اور اگر ہم ان کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تو ہم سرخ اُونٹ سے زیادہ بدبخت ہوتے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ اس کا یہ عذر نا قابلِ قبول ہے کیونکہ اطاعت صرف نیک اُمور میں کی جاتی ہے۔ نصر بن مزاحم کی کتاب صفین: ص ۲۶۳ مطبوعہ مصر میں مذکور ہے کہ شمر بن ذی الجوشن جنگ صفین میں امیر المومنین حضرت علیؑ کے ساتھ تھا۔ اس جنگ میں معاویہ کے ساتھیوں میں سے ادہم بن محرز نے میدان میں نکل کر اپنے مقابلے کے لیے للکارا تو اس کے مقابلے پر شمر بن ذی الجوشن نکلا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیے جب کہ ادہم نے شمر کی پیشانی پر ضرب لگائی تو تلوار اس کی ہڈی تک پہنچ گئی۔ اس کے بعد شمر (لعین) نے اس پر وار کیا لیکن اسے کچھ نہ ہوا۔ پھر شمر (لعین) اپنے لشکر میں واپس لوٹ آیا اور پانی پینے کے بعد نیزہ اُٹھا کر یہ اشعار پڑھے:

انی زعیم لاخی باهلة — بطعنة ان لم امت عاجلة

وضربة تحت الوغی فاصلة — شبیهة القتل أو قاتلة

پھر اس نے ادہم پر یوں نیزے سے حملہ کیا کہ وہ گھوڑے سے نیچے گر گیا اور اس کے ساتھی اسے اُٹھا کر لے گئے اور شمر واپس پلٹ آیا۔
مقریزی کی "نفح الطیب" ج۱، ص ۱۴۳، عیسیٰ البابی پریس، مطبوعات دار المامون پر مذکور ہے کہ صمیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن مضریہ کا سردار تھا اور یہ یمنیوں کے خلاف سخت دشمنی و عداوت رکھتا تھا (یہ عبارت مطبوعہ بیروت، ج۱، ص ۲۲۲ کے تحت مذکور ہے جسے محمد محی الدین نے مرتب کیا ہے) اور اسی کتاب کے حاشیہ پر مذکور ہے کہ حاتم بن شمر اپنے باپ کے ساتھ کوفہ میں مقیم تھا، جب حضرت مختارؓ کے ہاتھوں شمر بن ذی الجوشن واصلِ جہنم ہوا تو اس کا بیٹا قنسرین فرار ہو گیا اور اس کے ص ۱۳۵ پر ہے کہ صمیل سرقسطہ کا گورنر تھا پھر یہ سرقسطہ کی گورنری چھوڑ کر طلیطلہ کا گورنر بن گیا۔ ابن الابار کی کتاب "الحلة السیراء" ج۱، ص ۶۷ پر ہے کہ جب کوفہ میں حضرت مختارؓ نے قیام کیا تو حسینؑ ابن علیؑ کا قاتل شمر بن ذی الجوشن ←

گھوڑے دوڑاؤں گا۔ پس! اگر تم نے ہمارے حکم کی تعمیل کی تو تمہیں اس شخص کی طرح اجر و جزا ملے گی جیسے ایک مطیع اور فرماں بردار کی جزا ہوتی ہے اور اگر تم نے اس کا انکار کیا تو ہمارے عمل اور فوج سے کنارہ کش ہو جاؤ اور فوج کو شمر کے حوالے کر دو کیونکہ ہم نے شمر کو اس بات کا حکم دے دیا ہے"۔ (تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۳)

جب شمر بن ذی الجوشن (ملعون) ابن زیاد (ملعون) کا یہ خط لے کر عمر بن سعد (ملعون) کے پاس پہنچا تو اس نے خط پڑھنے کے بعد شمر (ملعون) سے کہا: "تجھ پر خدا کی لعنت ہو! خدا تجھے غارت و برباد کرے! اور جو کچھ تو میرے پاس لے کر آیا ہے اس پر اللہ تیرا برا کرے۔ مجھے یقین ہے کہ تُو نے ابن زیاد کو میری تجویز پر عمل کرنے سے باز رکھا ہے اور ہمارے اس امر کو فتنہ و فساد کی طرف لے گئے ہو جس کے متعلق ہم صلح کی اُمید رکھتے تھے۔ خدا کی قسم! حسینؑ کبھی ہتھیار ڈال کر ان لوگوں کے آگے سر تسلیم خم نہیں کریں گے کیونکہ وہ ایک غیرت مند انسان ہیں۔

شمر (ملعون) نے کہا: تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنے امیر کے حکم کے مطابق یہ سب کچھ کرو گے یا نہیں؟ ورنہ اس لشکر کے اُمور کی ذمہ داریاں میرے حوالے کر دو۔

عمر ابن سعد (ملعون) نے کہا: میں یہ سب کچھ کروں گا مگر تیرے لیے کوئی عزت و اکرام نہیں ہے البتہ! تم پیادہ فوج کی کمان سنبھال لو۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۳۶)

← اپنی بیوی اور اولاد کے ساتھ شام فرار ہو گیا اور وہاں پر شان و شوکت سے محفوظ زندگی گزارتا رہا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت مختار نے فی النار کیا تھا اور اس کا بیٹا فرار ہو گیا یہاں تک کہ جب کلثوم بن عیاض القشیری نے مغرب (مراکش) پر چڑھائی کی تو یہ ظاہر ہوا۔ صمیل ان لوگوں میں سے تھا جنہیں فوج نے شام کے معززین میں سے چنا تھا اور یہ بلج بن بشر کی سرداری میں اندلس میں داخل ہوا۔ ابوالخطار حسام بن ضرار کلبی نے یمنیوں کے لیے اپنی جنونیت اور تعصب کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت اس نے ہی اندلس میں مغربیہ کے اُمور کی دیکھ بھال کی تھی اور صمیل ۱۴۲ ہجری میں عبدالرحمن بن معاویہ کے قید خانے میں مر گیا، یہ شاعر بھی تھا۔

ابن فوطی کی "تاریخ علماء الاندلس" ج ۱، ص ۲۳۴ پر باب الشین کے تحت مذکور ہے کہ شمر بن ذی الجوشن الکلابی کوفہ کا رہنے والا تھا۔ یہ حضرت امام حسینؑ کا سر لے کر یزید بن معاویہ کے پاس گیا اور کوفہ میں حضرت مختارؓ نے قیام کیا تو یہ اپنے بیوی بچوں سمیت وہاں سے بھاگ گیا۔ پھر کلثوم بن عیاض نے مراکش پر چڑھائی کی تو یہ بلج کی سرداری کے تحت اندلس میں داخل ہوا۔ یہ شمر اس صمیل بن حاتم بن شمر القیسی کا دادا تھا جو طبری کا ساتھی تھا لیکن ان تمام اقوال میں سے صحیح ترین قول وہ ہے جو دینوری نے "الاخبار الطوال" ص ۲۹۶ پر ذکر کیا ہے کہ شمر بن ذی الجوشن کو حضرت مختارؓ کے ساتھیوں نے مذار کے مقام پر واصل جہنم کیا، پھر حضرت مختارؓ نے اس کے سر کو محمد بن حنفیہ کے پاس روانہ کر دیا۔ ابن رستہ "الاعلاق النفیسہ" ص ۲۲۲ پر رقم طراز ہیں کہ شمر بن ذی الجوشن مبروص (کوڑھی) تھا۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۱۲۲ اور کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۹۲ پر ۶۵ھ کے واقعات کے تحت مذکور ہے کہ شمر برص کا مریض تھا اور اس کی بیماری برص (کوڑھ) کے سفید داغ اس کے پہلو پر دیکھے جا سکتے تھے۔

شمر (ملعون) کا حضرت عباسؑ اور آپؑ کے بھائیوں کے لیے امان نامہ

شمر (ملعون) حضرت امام حسین علیہ السلام کے خیموں کے باہر آکر چلّانے لگا کہ میرے بھانجے کہاں ہیں؟[1] عباس اور اس کے بھائی کہاں ہیں؟ یہ سن کر حضرت عباسؑ اور آپؑ کے بھائیوں نے اس بدبخت سے اپنا رُخ پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: تم اسے جواب دو اگرچہ یہ فاسق ہے۔ پھر انھوں نے پوچھا: تم ہم سے کیا چاہتے ہو اور یہاں پر کیوں آئے ہو؟ شمر (لعین) نے جواب دیا: اے میرے بھانجو! تمھارے لیے امان ہے اور تم خود کو حسینؑ کے ساتھ ہلاکت میں نہ ڈالو اور امیرالمومنین یزید (لعین) کی اطاعت قبول کرلو۔

یہ سن کر حضرت عباسؑ نے کہا: تجھ پر اور تیرے امان نامے پر خدا کی لعنت ہو۔ تُو ہمیں امان دے رہا ہے اور رسولؐ خدا کے بیٹے کے لیے کوئی امان نہیں ہے۔[2] تُو ہمیں یہ کہہ رہا ہے کہ ہم ان ملعون افراد اور ان ملعونوں کی اولاد کی اطاعت میں داخل ہوجائیں۔ (مثیرالاحزان: ابن نما، ص ۲۸)

کیا یہ اکھڑ مزاج اور بیوقوف شخص یہ گمان کر رہا تھا کہ ایک غیرت مند اور باضمیر شخص ذلت و رُسوائی کی پستی کو قبول کرے گا؟! اور حضرت ابوالفضل العباسؑ نُور کو چھوڑ کر ظلمت و تاریکی کو قبول کرلیں گے؟ اور وہ میسون کے بیٹے کے پرچم تلے آجائیں گے؟...... وہ ایسا ہرگز نہیں کرسکتے تھے۔

جب حضرت عباسؑ شمر (لعین) سے گفتگو کرنے کے بعد واپس حضرت امام حسینؑ کے اصحاب کے پاس آئے تو حضرت زہیر بن قینؓ نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: کیا میں آپؑ کو ایک ایسی بات بتاؤں جو مجھے آج یاد آئی ہے۔ آپؑ

---

[1] ابن حزم اپنی کتاب "جمھرۃ انساب العرب" ص ۲۶۱ اور ص ۲۶۵ پر رقم طراز ہیں: کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن عیلان بن مضر کے گیارہ بیٹے تھے، ان میں سے دو بیٹوں کے نام کعب اور ضِباب تھے۔ کعب کی اولاد میں سے بنو وحید ہیں، بنو وحید کی ایک خاتون اُم البنین بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن وحید کی شادی حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے ہوئی۔ حضرت علیؑ کے اس بیوی سے چار بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام محمد الاصغر، عثمان، جعفر اور عباس ہیں۔ اسی کے ص ۲۷۰ پر بنو ضِباب کے تذکرے کے تحت مذکور ہے کہ حضرت حسینؑ کے قاتل شمر بن ذی الجوشن کا تعلق بنو ضِباب سے تھا جب کہ ذی الجوشن کا نام جمیل بن اعور تھا اور عمرو بن معاویہ کو ضِباب کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ذی الجوشن کی اولاد میں سے صمیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن کو اندلس میں سرداری ملی تھی اور اس کی اولاد وہاں پر مقیم رہی۔ وہاں پر جیان کے کاریگروں میں موزر کے لوگوں میں سے خشیل نے ان کی میزبانی کی۔ "العقد الفرید" ج ۲، ص ۸۳ پر مذحج کے تذکرہ کے تحت مذکور ہے کہ بنو حارث بن کعب کی اولاد میں سے ضَباب کے نام میں ضاد پر زبر جب کہ بنو عامر بن صعصعہ کی اولاد میں سے ضِباب کے نام میں ضاد کے نیچے زیر ہے۔ چونکہ شمر کا تعلق بنو عامر بن صعصعہ سے تھا لہٰذا یہاں ضِباب کے نیچے زیر ہے۔

[2] تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۲۔ اس نے اپنے دادا ابوالفرج سے "المنتظم" میں نقل کیا ہے۔ "اعلام الوریٰ" ص ۲۸۔

نے کہا: جی! ضرور بتائیں۔

تو زہیر بن قینؓ نے کہا: جب آپؑ کے بابا حضرت علیؑ نے شادی کرنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے اپنے بھائی حضرت عقیلؑ سے کسی اچھے گھرانے سے رشتہ طلب کرنے کو فرمایا کیونکہ وہ عربوں کے انساب کو بخوبی جانتے تھے۔ حضرت علیؑ نے ان سے فرمایا کہ میرے لیے کسی ایسی خاتون کا انتخاب کریں جس سے خدا مجھے ایسا فرزند عطا کرے جو عربوں میں سے بہادر ترین اور شجاع ہو اور وہ کربلا میں میرے بیٹے حسینؑ کی نصرت کرے۔ بے شک! آپؑ کے بابا نے آپؑ کو اسی دن کے لیے مانگا تھا لہٰذا آپؑ اپنے بھائی کی نصرت اور اپنی بہنوں کی حفاظت میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ کیجیے گا۔

یہ سن کر حضرت عباسؑ نے فرمایا: اے زہیرؓ! کیا تم مجھے آج کے دن کے متعلق بتا کر جوش دلا رہے ہو۔ خدا کی قسم! میں آپ کو وہ کچھ کر کے دکھاؤں گا جو آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ (اسرار الشہادۃ: ص ۳۸۷)

حضرت عباسؑ نے اس وقت بڑے بڑے بہادروں کو پچھاڑا اور ان کے جھنڈوں کو اوندھا کر دیا جب کہ آپؑ کا عزم قومِ اشقیاء کے بہادروں سے لڑائی اور جنگ کرنا نہ تھا بلکہ آپؑ کا مقصد صرف اور صرف اپنے بھائی کے اہل و عیال کے لیے خیموں تک پانی پہنچانا تھا۔

یمثل الکرار فی کراته	بل فی المعانی الغر من صفاته
لیس یدالله سوی ابیه	وقدرة الله تجلّت فیه
فهو ید الله وهذا ساعده	تغنیك عن اثباته مشاهده
صولته عند النزال صولته	لولا الغلو قلت جلت قدرته

"حضرت ابوالفضل العباسؑ لڑائی کے دوران بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے میں حیدر کرارؑ جیسے ہیں بلکہ حیدر کرارؑ کی صفات میں جتنے بھی جرأت مندانہ اور بہادری کے مطالب ہیں ان میں حضرت عباسؑ حضرت علیؑ کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپؑ کے بابا کے سوا کوئی یداللہ نہیں ہے اور ان میں خدا کی قدرت کی تجلی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ یداللہ ہیں اور حضرت عباسؑ آپؑ کے قوت بازو ہیں اور ان کی ثابت قدمی تمھیں حضرت علیؑ کی دلیری کے مشاہدہ سے بے نیاز کر دے گی۔ جنگ کے دوران آپؑ کا حملہ حضرت علیؑ کا حملہ ہوتا ہے۔ اگر اس میں غلو نہ ہوتا تو میں کہتا کہ ان کی قدرت سب سے عظیم و برتر ہے"۔ (آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی قدس سرہ)

قبیلہ بنو اسد

حضرت حبیب ابن مظاہرؓ نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت طلب کی کہ وہ قبیلہ بنو اسد کے پاس جاتے ہیں جو کہ ان کے قریب ہی بستی میں قیام پذیر ہیں۔ تو حضرت امام حسینؑ نے انھیں اس بات کی اجازت دے دی۔ جب حضرت حبیبؓ نے ان کے پاس جا کر اپنا تعارف کروایا تو وہ پہچان گئے۔ پھر حضرت حبیب ابن مظاہرؓ نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ تم لوگ رسولِ خدا کی بیٹی کے بیٹے کی نصرت کرو کیونکہ نواسۂ رسولؐ کی ہمراہی میں ہی دنیا و آخرت میں عزت و عظمت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ جناب حبیبؓ کی دعوت پر قبیلہ بنو اسد کے نوے مردوں نے امامؑ کی نصرت کرنے کی حامی بھر لی۔ اتنے میں قبیلے کا ایک فرد بستی سے نکل کر ابن سعد (ملعون) کے پاس پہنچا اور اسے یہ خبر دی کہ وہ سب یہاں کا رُخ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر ابن سعد (ملعون) نے ازرق کو چار سو سپاہی دے کر قبیلہ بنو اسد والوں کی طرف روانہ کیا۔ ازرق (ملعون) کا راستے میں ہی ان لوگوں سے آمنا سامنا ہو گیا اور آپس میں لڑائی ہونے لگی جس کے باعث بنو اسد کے کئی افراد قتل ہوئے اور جو بچ گئے وہ اپنے قبیلہ کی طرف فرار ہو گئے۔ پھر وہ سب لوگ رات کی تاریکی میں وہاں سے اس خوف کے باعث روانہ ہو گئے کہ کہیں ابن سعد (ملعون) ان کے قبیلہ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ حضرت حبیب ابن مظاہرؓ نے واپس آ کر حضرت امام حسین علیہ السلام سے سارا واقعہ بیان کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ [1]

نو محرم کا دن

عمر ابن سعد (ملعون) نے جمعرات کی رات نو محرم الحرام کو اپنے لشکر کو یہ حکم دیا کہ وہ حسینؑ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ کے باہر اپنی تلوار پر ٹیک لگائے اور سر جھکائے ہوئے تشریف فرما تھے کہ آپؑ نے اسی اثنا میں رسولِ خدا کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ فرما رہے ہیں: بے شک! تم بہت جلد ہمارے پاس آنے والے ہو۔ اتنے میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے مردوں کی آوازیں سنیں تو اپنے بھائی سے کہا: دشمن ہمارے نزدیک آ چکا ہے۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ سے فرمایا:

ارکب بنفسی انت [2] حتّٰی تلقاھم واسألھم عما جاءھم وما الذی یریدون

---

[1] یہ بحار الانوار میں مقتل محمد بن ابی طالب الحائری سے منقول ہے۔ مقتل الخوارزمی: ج۱، ص ۲۴۳

[2] تاریخ طبری: ج۶، ص ۳۳۷، روضۃ الواعظین: ص ۱۵۷، ارشاد مفید، "البدایۃ ابن کثیر"، ج۸، ص ۱۷۶۔ حضرت امام حسینؑ کے اس سنہری جملہ میں موجود اہم راز کو صاحبانِ فہم و دانش درک کر سکتے ہیں کہ ایک پاک و پاکیزہ ہستی سے حقیقت و سچائی کس قدر بلند پرواز کرتی ہے؟! وہ امامؑ اپنی ذات کو فدا کر رہے ہیں جو کائنات کی علت اور تمام ممکن الوجود مخلوقات کے لیے خدا کے فیض کا سبب ہیں۔ ہاں! جب کوئی بابصیرت شخص تمام ذاتی میلانات و رجحانات سے غیر جانب دار ہو کر ان اُمور کا ادراک کرتا ہے تو پھر وہ ان حقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور پھر ایسے شخص کے ←

"میری جان آپؑ پر قربان ہو، آپؑ خود اپنے رہوار پر سوار ہو کر ان لوگوں کے پاس جائیں اور ان سے پوچھیں کہ یہ لوگ کس غرض سے آئے ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟"

پھر حضرت عباسؑ بیس گھڑسواروں کو ساتھ لے کر جن میں حضرت زہیرؓ اور حبیب ابن مظاہرؓ وغیرہ تھے ان کی جانب بڑھے اور ان سے پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو اور کیا چاہتے ہو؟

ابن سعد (ملعون) کے لشکر نے جواب دیا: ہمارے امیر نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اس بات کو پیش کیا جائے کہ تم لوگ حاکم کے حکم پر سرِ تسلیم خم کر دو یا ہم سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یہ سن کر حضرت عباسؑ واپس خیموں کی طرف لوٹ آئے تا کہ امام حسین علیہ السلام کو ان کے ناپاک ارادوں سے آگاہ کریں۔ حضرت امام حسینؑ کے اصحاب وہیں پر کھڑے ہو گئے اور ان لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ حضرت حبیب ابن مظاہرؓ نے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "آگاہ ہو جاؤ، خدا کی قسم! کل خدا کی بارگاہ میں تمام قوموں میں سب سے بری اور بدبخت وہ قوم پیش ہو گی جس نے اپنے نبیؐ کی ذریت، اہلِ بیتؑ اور اس شہر کے اُن بندگانِ خدا کو شہید کیا ہو گا جو تہجد گزار اور خدا کا کثرت سے ذکر کرنے والے ہوں گے"۔

یہ سن کر ابن سعد (لعین) کے لشکر میں سے عزرہ بن قیس نے کہا: جس قدر ہو سکتا ہے تم اپنا تزکیۂ نفس کر لو۔

پھر حضرت زہیرؓ نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا: اے عزرہ! بے شک خدا نے اسے پاک و طاہر کیا اور ہدایت نصیب فرمائی ہے۔ پس اے عزرہ! تم خدا سے ڈرو اور یقیناً میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ اے عزرہ! میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہہ رہا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو پاک و طاہر لوگوں کو شہید کرنے کے لیے گمراہ اور باطل لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

پھر عزرہ نے کہا: اے زہیر! جب تم ہمارے پاس تھے تو تم اہلِ بیتؑ کے شیعوں میں سے نہیں تھے بلکہ اس وقت تمہاری ان کے شیعوں والی رائے اور سوچ بھی نہیں تھی۔

حضرت زہیرؓ نے اسے جواب دیا: کیا تم میرے اس موقف سے یہ استدلال نہیں کر سکتے کہ میں اس گھرانے کا ماننے والا اور شیعہ ہوں۔ آگاہ رہو! خدا کی قسم! میں نے انھیں کوئی خط تحریر نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کی طرف کوئی نمائندہ بھیجا تھا اور نہ ہی میں نے ان سے کوئی مدد کا وعدہ کیا تھا لیکن راستے نے انھیں اور مجھے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا۔ جب میں نے ان کو دیکھا تو مجھے رسولِ خدا یاد آ گئے اور میں رسولِ خدا کے نزدیک حضرت امام حسینؑ کی قدر و منزلت کو یاد کرنے لگا۔ آپؑ دشمن سے جو سلوک کر رہے تھے اس سے آگاہی حاصل ہو گئی تو پھر میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ امام علیہ السلام کی مدد کروں گا اور ان کے گروہ میں شامل رہوں گا یہاں تک کہ رسولِ خدا کے حق میں جو کمی و کوتاہی مجھ سے سرزد ہوئی اس کا ازالہ اپنی جان کو حضرت امام حسینؑ

کی خاطر قربان کر کے ادا کروں گا۔

جب حضرت عباسؑ نے اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ کو یزیدی لشکر کے ارادوں سے آگاہ کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

ارجع الیھم واستمھلھم ھذہ العشیة الی غدٍ لعلنا نصلی لربنا اللیلة وندعوہ ونستغفرہ فھو یعلم انی احب الصلاة له وتلاوة کتابه وکثرة الدعاء والاستغفار

"آپؑ ان کے پاس واپس جائیں اور ان سے کل تک کے لیے ایک رات کی مہلت مانگیں تاکہ ہم آج کی رات اپنے رب کی عبادت، اس سے دعا ومناجات اور استغفار میں مشغول ہو کر گزار سکیں کیونکہ میرا پروردگار جانتا ہے کہ میں اس کی عبادت، اس کی کتاب (قرآن مجید) کی تلاوت اور دعا ومناجات اور استغفار کی کثرت کو پسند کرتا ہوں"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ پیغام لے کر حضرت عباسؑ ابن سعد (ملعون) کے لشکر کی طرف واپس گئے اور ان سے ایک رات کی مہلت مانگی۔ عمر ابن سعد (ملعون) نے اس بارے میں کچھ نہ کہا بلکہ اس نے لوگوں سے رائے لی تو عمرو بن حجاج نے کہا: سبحان اللہ! اگر یہ دیلم کے رہنے والے ہوتے اور تم سے یہ مطالبہ کرتے تو تم انھیں ضرور ایک رات کی مہلت دے دیتے۔ قیس بن اشعث نے کہا: انھوں نے تم سے جو مطالبہ کیا ہے اسے پورا کردو، مجھے میری جان کی قسم! یہ لوگ کل جنگ

← متعلق کہا جاتا ہے: لایعرف الفضل الا اھله "صرف صاحبان فضیلت ہی فضیلت وشرف کو پہچان سکتے ہیں"۔

اس جملہ کا مطالعہ کرنے والے کی ہرگز غلط رہنمائی نہ ہوگی اور نہ ہی وہ اس قول کو کم اہمیت دینے کے متعلق سوچے گا۔ اگر وہ زیارت وارثہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شہدائے کربلا کی زیارت کے متعلق یہ جملے پڑھے گا: بابی انتم وامی طبتم وطابت الارض التی فیھا دفنتم "میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہوں بے شک! آپؑ اور وہ زمین جس میں آپؑ مدفون ہیں سب طیب وطاہر ہیں"۔ کیونکہ اس زیارت میں امامؑ انھیں مخاطب نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ تو صفوان جمال کو یہ سکھا رہے تھے کہ جب تم ان کی زیارت کے لیے جاؤ تو انھیں ایسے مخاطب کرو۔ جیسا کہ شیخ طوسیؒ کی کتاب "مصباح المتہجد" میں اس روایت کی عبارت کچھ یوں ہے کہ صفوان جمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ سے زیارت امام حسینؑ کی اجازت طلب کرنے کے بعد عرض کیا: مجھے اس بات سے بھی آگاہ فرمائیں کہ میں کربلا جا کر زیارت کے وقت کیا کہوں اور زیارت کا عمل کیسے بجا لاؤں؟ تو امام علیہ السلام نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے صفوان! تم کربلا زیارت امام حسینؑ پر جانے سے پہلے تین دن تک روزہ رکھنا، اور دیگر باتیں بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ جب تم امام حسینؑ کے حرم مبارک میں داخل ہو تو اللہ اکبر کہو، پھر زیارت بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ پھر اس دروازہ سے باہر نکلو جو حضرت علی اکبرؑ کی پائنتی کی طرف ہے اور شہدائے کربلا کو مخاطب کرتے ہوئے کہو: السلام علیکم یا اولیاء اللہ.... الخ۔

پس! حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام صفوان کو زیارت کرنے کا طریقہ سکھاتے ہوئے بتا رہے تھے کہ وہ شہداء پر سلام کرتے ہوئے یہ کہے۔ روایت میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ امامؑ شہدا پر سلام کیسے کرتے تھے۔

کے ساتھ تمھارا سامنا کریں گے۔

پھر عمر ابن سعد (ملعون) نے کہا: ٹھیک ہے۔ پھر اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ ہم نے تمھیں کل تک مہلت دے دی ہے۔ پس اگر تم نے سر تسلیم خم کر لیا تو ہم تمھیں اپنے امیر ابن زیاد کے پاس لے جائیں گے اور اگر تم نے اس سے انکار کیا تو ہم تمھیں ہرگز نہیں چھوڑیں گے"۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۳۳۷)

وہ لوگ جن کے ضمیر آزاد تھے

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی شہادت سے ایک رات پہلے شام کے قریب اپنے تمام اصحاب کو جمع کیا[1] اور ان سے فرمایا:

أثنى على الله أحسن الثناء وأحمده على السراء والضراء ، اللهم إني احمدك على أن اكرمتنا بالنبوة وعلمتنا بالقرآن وفقهتنا في الدين وجعلت لنا اسماعاً وابصاراً وافئدة ولم تجعلنا من المشركين، اما بعد! فإني لا أعلم أصحاباً أولى ولاخيرًا من أصحابي ولا أهل بيت أبر ولا اوصل من أهل بيتي فجزاكم الله عني جميعًا[2]

وقد أخبرني جدي رسول الله بأني سأساق إلى العراق فأنزل أرضاً يقال لها عمورا و كربلا وفيها أستشهد وقد قرب الموعد[3]

ألا وإني أظن يومنا من هولاء الأعداء غداً وإني قد اذنت لكم فانطلقوا جميعًا في حل ليس عليكم مني ذمام وهذا الليل قد غشيكم فاتخذوه جملًا، وليأخذ كل رجل منكم بيد رجل من أهل بيتي، فجزاكم الله جميعًا خيراً! وتفرقوا في سوادكم ومدائنكم فإن القوم انما يطلبونني ولو أصابوني لذهلوا عن طلب غيري۔

"میں خدا کی بہترین ثنا و توصیف بیان کرتا ہوں اور ہر خوشی، غمی میں اسی کی حمد و ستائش کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیرا اس بات پر شکر اور حمد بجا لاتا ہوں کہ تُو نے ہمیں نبوت کے ذریعے عزت و اکرام سے نوازا اور ہمیں قرآن مجید کے علم سے نوازا اور ہمیں دین کی سوجھ بوجھ عطا کی اور ہمیں سننے والے کان، دیکھنے

---

[1] "اثبات الرجعۃ" فضل ابن شاذان۔ اس کتاب کا تعارف اثبات الرجعۃ کے نام سے کرایا ہے جب کہ اس کا نام اثبات الغیبۃ زیادہ مناسب تھا کیونکہ اس کتاب میں رجعت کے متعلق صرف ایک حدیث موجود ہے۔

[2] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۳۸-۲۳۹، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۴

[3] اثبات الرجعۃ۔

والی بابصیرت آنکھیں اور سمجھنے والے دل عطا کیے اور تُو نے ہمیں شرک کرنے والے لوگوں میں سے قرار نہیں دیا۔ امابعد! بے شک میں کسی کے اصحاب (ساتھیوں) کو اپنے اصحاب سے زیادہ بہتر اور وفادار نہیں جانتا اور نہ ہی میں اپنے اہلِ بیتؑ سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والے کسی کے اصحاب کے متعلق جانتا ہوں۔ پس میری طرف سے خدا تم سب کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

بے شک! میرے نانا رسولؐ خدا نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ مجھے کھینچ کر عراق کی طرف لے جایا جائے گا اور مجھے وہاں ایسی زمین پر اُتارا جائے گا جسے عموراء اور کربلا کہا جائے گا اور اسی سرزمین پر میری شہادت واقع ہوگی اور اب اُس وعدہ کو پورا کرنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔

آگاہ ہو جاؤ! بتحقیق مجھے یقین ہے کہ ہماری ان دشمنوں کے ساتھ کل جنگ ہوگی اور میں نے تمھیں اجازت دی۔ پس! تم سب کسی پُرامن جگہ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور میری طرف سے تم پر کوئی بار اور رکاوٹ نہیں ہے۔ اس وقت رات کی تاریکی نے تمھیں گھیر لیا ہے۔ پس! تم اسے اپنے لیے سواری قرار دیتے ہوئے یہاں سے چلے جاؤ اور تم میں سے ہر شخص میرے اہلِ بیتؑ اور خاندان کے افراد میں سے ایک ایک فرد کا ہاتھ پکڑے اور انھیں بھی اپنے ساتھ لے جائے، اللہ تعالیٰ تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور تم لوگ اس رات کی تاریکی میں اپنے اپنے شہروں کی طرف منتشر ہو جاؤ کیونکہ ان لوگوں کو صرف مجھ سے غرض ہے اگر میں ان کے ہاتھ لگ گیا تو یہ میرے علاوہ دوسرے تمام لوگوں سے لاپرواہ ہو جائیں گے"۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کے بیٹوں نے عرض کیا: ہم آپؑ کو چھوڑ کر کیوں جائیں؟ اس لیے کہ آپؑ کے بعد زندہ رہ سکیں۔ خدا ہمیں وہ دن کبھی نہ دکھائے کہ اس دنیا میں ہم ہوں اور آپؑ نہ ہوں۔ ان میں سے سب سے پہلے حضرت عباسؑ بن علیؑ نے گفتگو کی اور آپؑ کے بعد دیگر ہاشمی جوانوں نے اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کیا۔ اِن کے بعد پھر حضرت امام حسینؑ نے حضرت عقیلؑ کے بیٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

حَسْبُکُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ اِذْهَبُوْا قَدْ اَذِنْتُ لَكُمْ

"تم لوگوں کے لیے مسلمؑ کی شہادت ہی کافی ہے۔ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ، مَیں نے تم کو اجازت دی"۔

یہ سن کر بنوعقیلؑ نے عرض کیا: اگر ہم آپؑ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو لوگ کیا کہیں گے اور پھر ہم خدا کے علاوہ لوگوں کو کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگ، سید و سردار اور اپنے چچا اور اس چچا کے بیٹوں کو تنہا چھوڑ دیا جو بہترین چچا تھے اور ہم نے ان کے ساتھ مل کر کوئی کوشش نہ کی، ہم نے کوئی نیزہ نہ مارا اور نہ ہی تلوار سے کوئی وار کیا اور ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ

بتادیجئے تو ان سب نے جنت کی ان نعمتوں کا نظارہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے انھیں وہاں پر عطا کی ہیں اور انھیں جنت میں اُن کے مقامات و مراتب سے آگاہ فرمایا۔ ①

یہ سب خدا کی قدرت سے دُور نہیں ہے اور نہ ہی امامؑ کے اس طرح کے تصرفات پر کوئی حیرانگی اور تعجب کی بات ہے کیونکہ جس وقت فرعون کے درباری جادوگر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے اور فرعون نے ان جادوگروں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو خدا کے نبی حضرت موسیٰؑ نے جنت میں انھیں ان کے مقامات و مراتب کا دیدار کروایا تھا۔ ②

ابوجعفر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حدیث منقول ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تمھیں جنت کی بشارت ہو، خدا کی قسم! ہم پر ظلم و ستم ہونے کے بعد جب تک خدا کی مرضی ہوگی ہم اپنی قبور میں ٹھہریں گے۔ اس کے بعد خدا ہمیں اور تمھیں اپنی قبور سے باہر نکالے گا یہاں تک کہ ہمارا قائمؑ (امام زمانہؑ) ظہور فرمائے گا اور وہ ظالموں سے ہمارا انتقام لے گا جب کہ میں اور تم لوگ ان ظالموں کو اس حالت میں دیکھ رہے ہوں گے کہ انھیں طوق و زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا اور انھیں مختلف قسم کے عذاب کا مزہ چکھایا جا رہا ہوگا۔

حضرت امام حسینؑ سے پوچھا گیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کا قائمؑ کون ہے؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا: وہ میرے بیٹے محمد باقرؑ بن علیؑ کی اولاد میں سے ساتواں ہوگا اور وہ حجتؑ ابن الحسنؑ ابن علیؑ ابن محمدؑ ابن علیؑ ابن موسیٰؑ ابن جعفرؑ ابن محمدؑ ابن علیؑ ہے۔ وہ ایک لمبی مدت تک پردۂ غیب میں رہنے کے بعد ظہور کریں گے اور زمین کو اس طرح عدل انصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ (اثبات الرجعت)

شبِ عاشورا

عاشورا کی شب رسولِ خدا کے اہلِ بیتؑ پر گزرنے والی سخت ترین رات تھی۔ اس رات میں انھیں مصائب و تکالیف نے گھیر لیا تھا۔ اس رات کے ڈھل جانے کے بعد شر انگیز اور فتنہ پرور لوگوں نے اپنی شیطانیت کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ یہ رات اُن خطرات سے آگاہ کر رہی تھی (جو صبح عاشور آلِ محمدؐ پر واقع ہونے والے تھے)۔ بنواُمیہ نے نبیؐ کے اہلِ بیتؑ اور ان کے پیروکاروں سے زندگی کے تمام وسائل اور ضروریات کو قطع کر دیا اور زندگی گزارنے کے لیے سخت ترین حالات پیدا کر دیئے۔ اس رات میں عورتیں واویلا اور بچے شدتِ پیاس سے نڈھال ہو کر چیخ و پکار کر رہے تھے اور رات کی تاریکی انھیں مزید بے تاب کر رہی تھی۔

---

① الخرائج راوندی

② اخبار الزمان مسعودی: ص ۲۴۷

والی بابصیرت آنکھیں اور سمجھنے والے دل عطا کیے اور تُو نے ہمیں شرک کرنے والے لوگوں میں سے قرار نہیں دیا۔ امابعد! بے شک میں کسی کے اصحاب (ساتھیوں) کو اپنے اصحاب سے زیادہ بہتر اور وفادار نہیں جانتا اور نہ ہی میں اپنے اہلِ بیتؑ سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والے کسی کے اصحاب کے متعلق جانتا ہوں۔ پس میری طرف سے خدا تم سب کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

بے شک! میرے نانا رسولؐ خدا نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ مجھے کھینچ کر عراق کی طرف لے جایا جائے گا اور مجھے وہاں ایسی زمین پر اُتارا جائے گا جسے عمورا اور کربلا کہا جائے گا اور اسی سرزمین پر میری شہادت واقع ہوگی اور اَب اُس وعدہ کو پورا کرنے کا وقت قریب آگیا ہے۔

آگاہ ہوجاؤ! بتحقیق مجھے یقین ہے کہ ہماری ان دشمنوں کے ساتھ کل جنگ ہوگی اور میں نے تمھیں اجازت دی۔ پس! تم سب کسی پُرامن جگہ کی طرف روانہ ہوجاؤ اور میری طرف سے تم پر کوئی بار اور رکاوٹ نہیں ہے۔ اس وقت رات کی تاریکی نے تمھیں گھیر لیا ہے۔ پس! تم اسے اپنے لیے سواری قرار دیتے ہوئے یہاں سے چلے جاؤ اور تم میں سے ہر شخص میرے اہلِ بیتؑ اور خاندان کے افراد میں سے ایک ایک فرد کا ہاتھ پکڑے اور انھیں بھی اپنے ساتھ لے جائے، اللہ تعالیٰ تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، اور تم لوگ اس رات کی تاریکی میں اپنے اپنے شہروں کی طرف منتشر ہوجاؤ کیونکہ ان لوگوں کو صرف مجھ سے غرض ہے اگر میں ان کے ہاتھ لگ گیا تو یہ میرے علاوہ دوسرے تمام لوگوں سے لاپرواہ ہوجائیں گے"۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کے بیٹوں نے عرض کیا: ہم آپؑ کو چھوڑ کر کیوں جائیں؟ اس لیے کہ آپؑ کے بعد زندہ رہ سکیں۔ خدا ہمیں وہ دن کبھی نہ دکھائے کہ اس دنیا میں ہم ہوں اور آپؑ نہ ہوں۔ ان میں سے سب سے پہلے حضرت عباسؑ بن علیؑ نے گفتگو کی اور آپؑ کے بعد دیگر ہاشمی جوانوں نے اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کیا۔ ان کے بعد پھر حضرت امام حسینؑ نے حضرت عقیلؑ کے بیٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

حَسْبُكُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ اِذْهَبُوْا قَدْ اَذِنْتُ لَكُمْ

"تم لوگوں کے لیے مسلمؑ کی شہادت ہی کافی ہے۔ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ، میں نے تم کو اجازت دی"۔

یہ سن کر بنوعقیلؑ نے عرض کیا: اگر ہم آپؑ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو لوگ کیا کہیں گے اور پھر ہم خدا کے علاوہ لوگوں کو کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگ، سیّد و سردار اور اپنے چچا اور اس چچا کے بیٹوں کو تنہا چھوڑ دیا جو بہترین چچا تھے اور ہم نے ان کے ساتھ مل کر کوئی کوشش نہ کی، ہم نے کوئی نیزہ نہ مارا اور نہ ہی تلوار سے کوئی وار کیا اور ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ

ہمارے آقا و سردار پر کیا گزری۔ خدا کی قسم! ہم ہرگز آپؑ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے بلکہ ہم اپنی جان، مال اور اولاد کو آپؑ پر قربان کردیں گے۔ ہم اس وقت تک آپؑ کے ہمراہ جنگ کرتے رہیں گے جب تک آپؑ کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز نہ ہوجائیں۔ خدا آپؑ کے بعد زندگی کا برا کرے۔ ①

نفوس ابت الاتراث ابیهم فهم بین موتور لذاك وواتر

لقد الفت ارواحهم حومة الوغی کما انست اقدامهم بالمنابر

"ان ہستیوں نے اپنے باپ کی میراث سے وابستگی پر اصرار کیا کہ وہ اپنے وارثوں کے خون کا بدلہ لے چکے ہیں یا ان کے خون کا بدلہ لے رہے ہیں۔ ان کی اَرواح لڑائی کے میدان سے اسی طرح مانوس ہیں جس طرح ان کے قدم منبر سے مانوس ہیں"۔ (مثیر الاحزان: ابن نما، ص ۱۷)

مسلم ابن عوسجہؓ نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کیا ہم آپؑ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں تو خدا کی بارگاہ میں آپؑ کے حق کی ادائیگی کے متعلق کیا عذر پیش کریں گے؟! خدا کی قسم! میں اس وقت تک آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا جب تک اپنا نیزہ آپؑ کے دشمنوں کے سینوں میں نہ اُتار لوں اور میں اس وقت تک ان پر اپنی تلوار کے وار کرتا رہوں گا جب تک یہ میرے ہاتھ میں رہے گی۔ اگر میرے پاس کوئی اسلحہ نہ رہا تو میں اس وقت تک انھیں پتھر مار مار کر ان سے جنگ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ آپؑ کے ہمراہ موت سے ہمکنار ہوجاؤں۔

سعید بن عبداللہ حنفی نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! خدا کی قسم! ہم آپؑ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ خدا کو معلوم ہوجائے کہ ہم نے اس کے رسولؐ کی غیر موجودگی میں آپؑ کی حفاظت کی ہے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے یقین ہو کہ میں قتل کیا جاؤں گا، پھر زندہ ہوں گا اور پھر مجھے زندہ جلا کر میری راکھ کو ہوا میں اُڑا دیا جائے گا اور میرے ساتھ ستر دفعہ ایسا کیا جائے تو میں اس وقت تک آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا جب تک اپنی جان آپؑ پر قربان نہ کردوں اور میں ایسا کیوں نہ کروں کیونکہ مجھے صرف ایک دفعہ قتل ہونا ہے۔ پھر اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عزت و کرامت کی زندگی ہے۔

زہیرؓ بن قین نے عرض کیا: خدا کی قسم! میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے قتل کیا جائے اور پھر زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جائے یہاں تک کہ مجھے اسی طرح ہزار دفعہ قتل کیا جائے تو میں قتل ہوتا رہوں گا۔ خدا میرے یوں قتل ہونے کے ذریعے آپؑ اور آپؑ کے اہلِ بیتؑ کے جوانوں سے اس تکلیف اور مصیبت کو دُور کردے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے باقی اصحاب نے بھی اسی طرح کی ایک دوسرے سے مشابہ گفتگو کی اور امام علیہ السلام نے ان

① تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۳۸، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۴، الارشاد شیخ مفید۔

کے لیے جزائے خیر کی دعا کی۔(اللھوف: ص ۵۳)

اسی اثناء میں محمد بن بشیر حضرمی کو بتایا گیا کہ رَے کی سرحد پر تمھارے بیٹے کو گرفتار کرلیا گیا ہے تو اس نے کہا: میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ قید ہو اور میں اس کے بعد زندہ رہوں۔ حضرت امام حسینؑ نے اس سے فرمایا: میں نے تم سے اپنی بیعت اُٹھالی ہے اور تم جاسکتے ہو تاکہ اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے کچھ کرسکو۔

اس نے عرض کیا: خدا کی قسم! میں ہرگز آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اگر میں آپؑ کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو مجھے صحرائی درندے زندہ حالت میں چیر پھاڑ کر کھاجائیں۔ پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اچھا! پھر تم ایسا کرو کہ اپنے بیٹے کو یہ پانچ کپڑے دے دو تاکہ وہ اپنے بھائی کی رہائی کے لیے کچھ کرسکے جب کہ امام علیہ السلام کے عطا کردہ ان پانچ کپڑوں کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کی نیت کی سچائی اور اخلاص کو جان لیا کہ وہ ان پر اپنی جان قربان کرنے کو بے قرار ہیں تو آپؑ نے انھیں خداوند تعالیٰ کی قضا سے یہ کہتے ہوئے آگاہ فرمایا:

"بے شک! کل مجھے شہید کردیا جائے گا اور آپ سب بھی میرے ساتھ شہید کردیئے جاؤ گے۔ آپ میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا[1] یہاں تک کہ قاسمؑ اور عبداللہ الرضیع کو بھی شہید کردیا جائے گا۔ صرف میرا بیٹا علی زین العابدینؑ بچ جائے گا کیونکہ خدا اس کے ذریعے میری نسل کو برقرار رکھے گا اور یہ (حضرت علی زین العابدینؑ) آٹھ اماموںؑ کے والد گرامی ہیں"۔[2]

حضرتِ امام حسین علیہ السلام کے یہ جملے سن کر آپؑ کے تمام اصحاب نے عرض کیا:

الحمد لله الذی اکرمنا بنصرك وشرفنا بالقتل معك اولا نرضی ان نکون معك فی درجتك یابن رسول الله

"تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں آپؑ کی نصرتؑ کے ذریعے عزت و اکرام سے نوازا اور آپؑ کے ہمراہ شہادت کے ذریعے بزرگی اور شرف عطا کیا۔ کیا ہم اس بات کو پسند نہ کریں اے فرزندِ رسولؐ! کہ ہم آپؑ کے ہمراہ آپؑ کے درجہ پر فائز ہوں"۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے سب کے لیے دعائے خیر کی۔[3] پھر امامؑ نے ان سب کی آنکھوں سے پردے

---

[1] نفس المہموم: ص ۱۲۲

[2] اسرارالشہادۃ۔

[3] نفس المہموم: ص ۱۲۲

بتادیئے تو ان سب نے جنت کی ان نعمتوں کا نظارہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے انھیں وہاں پر عطا کی ہیں اور انھیں جنت میں اُن کے مقامات و مراتب سے آگاہ فرمایا۔ ①

یہ سب خدا کی قدرت سے دُور نہیں ہے اور نہ ہی امامؑ کے اس طرح کے تصرفات پر کوئی حیرانگی اور تعجب کی بات ہے کیونکہ جس وقت فرعون کے درباری جادوگر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے اور فرعون نے ان جادوگروں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو خدا کے نبی حضرت موسیٰؑ نے جنت میں انھیں ان کے مقامات و مراتب کا دیدار کروایا تھا۔ ②

ابوجعفر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حدیث منقول ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تمھیں جنت کی بشارت ہو، خدا کی قسم! ہم پر ظلم وستم ہونے کے بعد جب تک خدا کی مرضی ہوگی ہم اپنی قبور میں ٹھہریں گے۔ اس کے بعد خدا ہمیں اور تمھیں اپنی قبور سے باہر نکالے گا یہاں تک کہ ہمارا قائمؑ (امام زمانہؑ) ظہور فرمائے گا اور وہ ظالموں سے ہمارا انتقام لے گا جب کہ میں اور تم لوگ ان ظالموں کو اس حالت میں دیکھ رہے ہوں گے کہ انھیں طوق و زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا اور انھیں مختلف قسم کے عذاب کا مزہ چکھایا جارہا ہوگا۔

حضرت امام حسینؑ سے پوچھا گیا: اے فرزند رسولؐ! آپؑ کا قائمؑ کون ہے؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا: وہ میرے بیٹے محمد باقرؑ بن علیؑ کی اولاد میں سے ساتواں ہوگا اور وہ حجتؑ ابن الحسنؑ ابن علیؑ ابن محمدؑ ابن علیؑ ابن موسیٰؑ ابن جعفرؑ ابن محمدؑ ابن علیؑ ہے۔ وہ ایک لمبی مدت تک پردۂ غیب میں رہنے کے بعد ظہور کریں گے اور زمین کو اس طرح عدل انصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ (اثبات الرجعت)

شب عاشورا

عاشورا کی شب رسولؐ خدا کے اہلِ بیتؑ پر گزرنے والی سخت ترین رات تھی۔ اس رات میں انھیں مصائب و تکالیف نے گھیر لیا تھا۔ اس رات کے ڈھل جانے کے بعد شرانگیز اور فتنہ پرور لوگوں نے اپنی شیطانیت کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ یہ رات اُن خطرات سے آگاہ کررہی تھی (جو صبح عاشور آلِ محمدؐ پر واقع ہونے والے تھے)۔ بنواُمیہ نے نبیؐ کے اہلِ بیتؑ اور ان کے پیروکاروں سے زندگی کے تمام وسائل اور ضروریات کو قطع کردیا اور زندگی گزارنے کے لیے سخت ترین حالات پیدا کردیے۔ اس رات میں عورتیں واویلا اور بچے شدتِ پیاس سے نڈھال ہوکر چیخ و پکار کررہے تھے اور رات کی تاریکی انھیں مزید بے تاب کررہی تھی۔

---

① الخراج راوندی

② اخبار الزمان مسعودی: ص ۲۴۷

تو ان سخت حالات میں حضرت امام حسینؑ کے سخت جان اصحاب اور بنوہاشم کے معزز افراد کی کیا حالت ہوگی؟ کیا ان کے پاس ایسی طاقت وتوانائی موجود تھی کہ جس کی بنا پر وہ قیام کرتے؟ یا وہ اپنی زندگی کو بچانے اور محفوظ کرنے کے راستے تلاش کر رہے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کل ہر حال میں جنگ ہوگی؟!

ہاں! عبدالمطلبؑ کی بہادر اولاد اور حضرت امام حسینؑ کے ان برگزیدہ اور چنے ہوئے اصحاب کا جذبہ دیدنی تھا اور وہ انتہائی پرجوش اور مسرور تھے۔ ان پرخطر حالات میں بھی ان کے ارادے مضبوط اور وہ بے انتہا خوش تھے کیوں کہ انھوں نے شہادت کے بعد جن نعمتوں اور درجات سے سرفراز ہونا تھا۔ انھیں اپنی آنکھوں سے وہ دیکھ چکے تھے۔ اس رات میں جس قدر بھی حالات سنگین اور خوفناک ہوتے جا رہے تھے لیکن پھر بھی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق کر رہے تھے اور ان کے لبوں پر مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔

بریر نے عبدالرحمٰن انصاری سے مذاق کیا تو عبدالرحمٰن نے کہا: آپ اس گھڑی میں یہ کیا غیر اخلاقی کام کر رہے ہیں؟ بریر نے جواب دیا: میری قوم جانتی ہے کہ میں نے اپنی جوانی اور اپنے بڑھاپے میں کبھی کوئی غیر اخلاقی کام نہیں کیا لیکن آج میں اس لیے آپ سے ہنسی مذاق کر رہا ہوں کیونکہ ہم جس کا سامنا کرنے جا رہے ہیں میں اس پر حد سے زیادہ مسرور ہوں۔ خدا کی قسم! ہمارے اور حورالعین کے درمیان صرف ان اشقیاء کی تلواریں حائل ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ اسی گھڑی ہمیں شہادت سے سرفراز کردیں۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص۲۴۱)

حبیب ابن مظاہرؓ مسکراتے ہوئے اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے تو یزید بن حصین ہمدانی نے ان سے پوچھا: کیا یہ ہنسنے کا وقت ہے؟

حبیب نے کہا: اگر یہ ہنسنے کا وقت نہیں تو اس سے زیادہ اہم ہنسی کا وقت کون سا ہوسکتا ہے؟! اس وقت صرف ان اشقیاء کی تلواریں اس راہ میں رکاوٹ ہیں کہ ہم حوروں سے بغل گیر ہوسکیں۔ (رجال الکشی: ص ۵۳، مطبوعہ ہندوستان)

امام علیہ السلام کے اصحاب اس رات میں جیسے عبادت میں مشغول رہے، اُسی طرح جنگ کی تیاریوں میں بھی یوں مشغول رہے، جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتہ میں بیٹھی ہوئی شہد کی مکھیاں ہنگامی صورت حال میں کسی دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوتی ہیں۔ امامؑ کے کچھ اصحاب قیام کر رہے تھے تو کچھ قعود، کچھ رکوع میں تھے تو کچھ نے اپنی پیشانی خدا کے حضور سجدہ میں جھکا رکھی تھی۔

ضحاک بن عبداللہ مشرقی کہتے ہیں کہ ابن سعد (ملعون) کے گھڑسوار ہمارے پاس سے گزرے تو ان میں سے ایک شخص نے حضرت امام حسینؑ کو ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے سنا:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ○ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط

"اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے ان کو جو مہلت دے رکھی ہے وہ ان کے حق میں بہتر ہے (حالانکہ) ہم نے انھیں صرف اس وجہ سے مہلت دے رکھی ہے تاکہ وہ مزید گناہ کرلیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (منافقو) خدا ایسا نہیں کہ برے بھلے کی تمیز کیے بغیر جس حالت میں تم ہو اسی حالت پر مومنوں کو بھی چھوڑ دے"۔ (سورۂ آل عمران: آیات ۱۷۸-۱۷۹)

یہ سن کر اس شخص نے کہا: رب کعبہ کی قسم! ہم وہ طیب لوگ ہیں جن کو خدا نے تم سے الگ کردیا ہے۔

حضرت بریرؓ نے اسے کہا: اے فاسق انسان! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تمھیں طیب لوگوں میں سے قرار دے تو ہمارے پاس آجاؤ اور اپنے عظیم گناہوں سے توبہ کرو، خدا کی قسم! ہم طیب و طاہر لوگ ہیں اور تم خبیث لوگ ہو۔

یہ سن کر اس شخص نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا: اور میں اس پر گواہوں میں سے ایک گواہ ہوں۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۰، پہلا ایڈیشن)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شبِ عاشور عمر ابن سعد (ملعون) کے لشکر سے بتیس افراد نکل کر حضرت امام حسینؑ کے اصحاب میں شامل ہوئے۔[1] جب عمر بن سعد کے ان لشکریوں نے حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ عبادت و مناجات، تلاوت اور تہجد میں مشغول ہیں اور ان کے چہرے سے خضوع و خشوع اور خدا کی فرماں برداری کی علامات و نشانیاں واضح ہیں تو انھوں نے وہ لشکر چھوڑ کر پرچم حسینی تلے آنے کا فیصلہ کیا۔

علیؑ ابن حسینؑ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بابا کو شبِ عاشور تلوار صاف کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھتے سنا:

یادھر اف من خلیل	کم لک بالاشراق والاصیل
من صاحب و طالب قتیل	و الدھر لا یقنع بالبدیل
وانما الامر الی الجلیل	و کل حی سالک سبیل

"اے زمانے! تجھ پر افسوس ہے کیونکہ تُو ایک ایسا دوست ہے جو صبح کچھ ہوتا ہے اور شام کے وقت کچھ ہوتا ہے۔ تُو کبھی دوست کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی مقتول کے خون کا طلب گار اور تُو کسی کے عوض پر

[1] الملہوف، تاریخ یعقوبی: ج۲، ص ۲۱۷، مطبوعہ نجف اشرف، "سیر اعلام النبلاء" ذہبی، ج۳، ص ۲۱۰

راضی نہیں ہوتا۔ اور بے شک! ہم سب کو خداوند جلیل کی بارگاہ کی طرف لوٹنا ہے اور ہر زندہ شخص اسی راستے پر چل رہا ہے"۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے بابا نے دو، تین دفعہ ان اشعار کا تکرار کیا تو میں ان اشعار کا مقصد سمجھ گیا اور مجھے پتا چل گیا کہ آپؑ کا کیا ارادہ ہے۔ میں نے اپنا گریہ روک لیا اور خاموش ہو گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ مصیبت کے آنے کا وقت آ گیا ہے۔ جب میری پھوپھی حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے آپؑ سے یہ اشعار سنے تو تیز قدم اٹھاتی ہوئی امامؑ کی جانب چل پڑیں اور اس وقت ان کی چادر زمین پر خط کھینچ رہی تھی اور انھوں نے فرمایا:

واثکلاہ لیت الموت اعدمنی الحیاۃ ! الیوم ماتت امی فاطمۃ وابی علی واخی الحسن [1]

یاخلیفۃ الماضی وثمال الباقی

"ہائے میں برباد ہو گئی! اے کاش کہ مجھے موت آ چکی ہوتی اور میں یہ دن نہ دیکھتی۔ گویا آج میری والدہ حضرت فاطمہ زہراؑ، میرے بابا علیؑ اور میرے بھائی حسنؑ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، آپ گزرے ہوئے لوگوں کی یاد اور باقی بچ جانے والوں کا سہارا ہیں"۔

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو تسلی دی اور انھیں صبر کی تلقین کی۔ آپؑ نے انھیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

یا اختاہ تعزّی بعزاء اللہ واعلمی أن اھل الارض یموتون واھل السماء لا یبقون وکل شیء ھالک الا وجھہ، ولی ولکل مسلم برسول اللہ اسوۃ حسنۃ

"اے میری بہن! خدا کی خاطر صبر اور بردباری اختیار کرو اور جان لو کہ تمام زمین والوں کو موت آئے گی اور تمام آسمان والے بھی باقی نہیں رہیں گے اور خدا کی ذات کے سوا ہر شے کو فنا ہونا ہے۔ میرے لیے اور ہر مسلمان (مرد و عورت) کے لیے رسولؐ خدا کی زندگی بہترین نمونۂ عمل ہے"۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے کہا: آپؑ دنیا سے رخصت ہونے کے لیے اور اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہیں، اسی بات نے میرے دل کو مجروح کر دیا ہے اور آپؑ کی شہادت میرے لیے انتہائی سخت ہے"۔ (اللھوف)

پھر تمام مستورات گریہ و فغاں کرنے لگیں اور اپنے رخساروں پر ماتم کرنے لگیں اور حضرت اُم کلثوم علیہا السلام نے یہ بین کرنا شروع کر دیے: وامحمداہ، واعلیاہ، واماماہ، واحسینا، آپؑ کے بعد ہم برباد ہو گئیں؟!

یہ منظر دیکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے میری بہنو! اے اُم کلثومؑ! اے فاطمہؑ! اے ربابؑ! دیکھو یاد

---

[1] تاریخ طبری: ج ۴، ص ۲۴۰، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۴، مقتل الخوارزمی: ج ۱، ص ۲۳۸، فصل ۱۱، مقاتل الطالبین، ابوالفرج: ص ۴۵، مطبوعہ ایران

رکھنا کہ جب میں شہید کردیا جاؤں گا تو تم اپنے گریبان چاک نہ کرنا اور اپنے چہروں کو مت نوچنا اور نہ ہی کوئی ایسی بات کہنا جو خدا کو ناگوار گزرے۔(الارشاد)

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب زینب سلام اللہ علیہا کو یہ وصیت فرمائی کہ آپؑ میرے بعد دین کے احکامات علیؑ بن حسینؑ (حضرت) امام زین العابدینؑ سے اخذ کرنا اور پھر ان احکامات کو ہمارے شیعوں تک پہنچانا تاکہ یوں حضرت امام سجادؑ کی حفاظت ہوتی رہے۔

اسی کے متعلق احمد بن ابراہیم حدیث بیان کرتے ہیں:

"میں حضرت امام محمد تقی بن علی رضا علیہ السلام کی بیٹی حضرت حکیمہ (صلوات اللہ وسلامہ علیہا) جو کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کی پھوپھی ہیں، کی خدمت میں ۲۸۲ھ میں مدینہ میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے پردے کے پیچھے سے بات کی۔ میں نے بی بیؑ سے ان کے دین کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے مجھے جواب دیتے ہوئے ان آئمہؑ کے نام بیان کیے جن اماموںؑ کی وہ اتباع کرتی تھیں۔ انھوں نے فرمایا: میرے امامؑ وہ ہیں جو حضرت امام حسن عسکریؑ کے بیٹے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے خود ان کا مشاہدہ کرنے کے بعد ان (امامِ زمانہؑ) کی امامت پر یقین کیا یا کسی خبر اور روایت کی وجہ سے اس کی معتقد ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: حضرت ابومحمد امام حسن عسکریؑ نے اس بات کی خبر دی ہے اور انھوں نے اپنی والدہ کے نام وصیت میں بھی یہ تحریر کیا ہے۔

یہ سن کر راوی کہتا ہے: کیا میں اس امامؑ کی امامت کی اقتداء کروں جس کی امامت کی وصیت ایک عورت کو کی گئی تھی۔

حضرت حکیمہ نے جواب دیا: ابومحمد حضرت امام حسن عسکریؑ نے اپنے اس عمل میں (اپنے جد بزرگوار) حضرت امام حسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام کی اقتداء کی تھی کیونکہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے بعد امامت کے متعلق ظاہری طور پر حضرت زینبؑ کو وصیت فرمائی تھی اور حضرت امام علی زین العابدینؑ سے جو علم اور احکامات ظاہری طور پر بیان ہوتے تھے وہ ظاہری طور پر حضرت زینبؑ کی طرف منسوب ہوتے تھے کہ جنابِ سیدہؑ نے یہ فرمایا ہے۔ ان کے اس طرزِ عمل کا مقصد حضرت امام علی ابن الحسینؑ کی حفاظت کرنا تھا کہ انھیں کوئی گزند نہ پہنچے۔

پھر حضرت حکیمہ فرماتی ہیں: تم لوگ تو اپنے آئمہ کی روایات و احادیث پر عمل کرنے والے لوگ ہو، کیا تم نے اپنے آئمہؑ سے یہ روایت نقل نہیں کی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے نویں فرزند کی وراثت ان کی زندگی میں ہی تقسیم کردی جائے گی تو پھر تم بارہویں امامؑ کا کیوں کر انکار کرسکتے ہو"۔(اکمال الدین شیخ صدوق: ص ۲۷۵، باب ۴۹، پہلا ایڈیشن)

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ سب اپنے خیمے ایک دوسرے کے ساتھ متصل کردیں تاکہ وہ دشمن کا صرف ایک طرف سے سامنا کرسکیں اور انھیں یہ بھی حکم دیا کہ خیموں کی پچھلی طرف سے خندق کھود کر اس میں

لکڑیاں ڈال کر آگ لگا دی جائے تا کہ جب دشمن سے جنگ ہو تو ان کے گھڑسوار خیموں کی پچھلی طرف سے حملہ آور نہ ہو سکیں اور ہمیں صرف ایک طرف سے ہی دشمن سے جنگ کرنی پڑے۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۴۰)

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام رات کی تاریکی میں خیموں سے باہر سطح زمین کی پستی اور بلندی کو گہری نظر سے دیکھتے رہے کہ کوئی گھات لگائے چھپا ہوا تو نہیں بیٹھا۔ امامؑ کو خیموں سے دُور جاتے ہوئے دیکھ کر آپؑ کے صحابی حضرت نافع بن ہلال الجملی ان کے پیچھے روانہ ہو گئے تو امام حسینؑ نے انہیں اپنا تعاقب کرتے ہوئے دیکھ کر پوچھا: تم میرے پیچھے پیچھے کیوں آرہے ہو؟

حضرت نافع بن ہلال الجملی نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میں آپؑ کو اس سرکش لشکر کی طرف جاتے دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا اور آپؑ کی حفاظت کی خاطر آپؑ کا تعاقب کرنے لگا۔ تو امام حسینؑ نے فرمایا: میں ان گھاٹیوں کی طرف اس لیے نکلا ہوں کہ کہیں ادھر کوئی چھپا ہوا نہ ہو اور کل جب تم لوگ اپنے دشمنوں پر حملہ کرو تو گھڑسوار یہاں سے چھپ کر تم پر حملہ آور نہ ہوں۔ پھر امامؑ نافع کا ہاتھ پکڑ کر واپسی کے لیے چل پڑے اور فرمایا: یہی وہ زمین ہے، یہی وہ زمین ہے۔ خدا کی قسم! اس وعدے کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے حضرت نافع سے فرمایا: تم ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سے رات کی تاریکی میں چلے کیوں نہیں جاتے اور یوں اپنی جان بچا لو؟!

امام علیہ السلام کا یہ جملہ سن کر حضرت نافع امام علیہ السلام کے قدموں میں گر پڑے اور آپؑ کے قدموں کو چومنے کے بعد عرض کیا: میری ماں میرے غم میں بیٹھے! تحقیق مَیں نے اپنی یہ تلوار ایک ہزار دینار میں خریدی ہے اور اتنی ہی رقم سے اپنا گھوڑا بھی خریدا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس نے آپؑ کے وجود کی برکت سے مجھ پر احسان فرمایا، مَیں اس وقت تک آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا جب تک میری تلوار اور میرا گھوڑا جواب نہ دے دیں۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے خیمہ میں داخل ہوئے اور حضرت نافع خیمہ کے باہر امامؑ کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں حضرت نافع نے حضرت زینبؑ کو حضرت امام حسینؑ سے یہ فرماتے ہوئے سنا: کیا آپؑ نے اپنے اصحاب کی نیتوں اور ارادوں کو دریافت کر لیا ہے، مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں جنگ کے دوران وہ آپؑ کو تیروں اور تلواروں کے درمیان تنہا نہ چھوڑ دیں۔

حضرت امام حسینؑ نے شہزادی سے فرمایا: قسم بخدا! مَیں نے ان سب کو آزما لیا ہے، ان میں سے کوئی بھی مجھے چھوڑ کر جانے والا نہیں، یہ سب ثابت قدم رہیں گے اور جنگ کے دوران بہادری کا مظاہرہ کریں گے۔ یہ میری خاطر اپنی موت سے اس قدر مانوس ہیں جیسے شیرخوار بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے مانوس ہوتا ہے۔

جناب نافع کہتے ہیں: جب میں نے حضرت امام حسینؑ کے یہ کلمات سنے تو رونے لگا اور حضرت حبیب ابن مظاہر کے پاس آکر انھیں وہ سب کچھ بتا دیا جو حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کی ہمشیرہ حضرت زینبؑ نے فرمایا تھا۔

یہ سن کر جناب حبیب ابن مظاہرؓ نے کہا: خدا کی قسم! اگر مجھے حضرت امام حسینؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو میں آج کی رات ہی اپنی تلوار سے آپؑ کے دشمنوں پر کاری ضرب لگاتا۔

جناب نافع نے کہا: میں حضرت امام حسینؑ کو آپؑ کی ہمشیرہ (حضرت زینبؑ) کے خیمہ میں چھوڑ آیا ہوں، اور میرے خیال کے مطابق تمام مستورات مضطرب اور بے تابی کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ حضرت امام حسینؑ کی ہمشیرہ کی طرح انھیں بھی ہماری وفاداریوں اور اخلاص کے اظہار کی حسرت ہے۔ لہٰذا کیا آپ کے لیے یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کریں اور انھیں اہلِ بیتؑ کے خیموں کی طرف لے جائیں تاکہ وہ اپنی وفاداری و اخلاص کو ثابت کرنے کے لیے ایسی گفتگو کریں جس سے ان کے دلوں کو اطمینان اور سکون ہو جائے؟

پھر حضرت حبیبؓ وہاں سے اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور انھیں یہ کہتے ہوئے صدا دی: "اے میرے غیرت مند ساتھیو اور میدانِ جنگ کے شیرو! تم اپنے کچھاروں سے شکاری شیر کی طرح باہر نکلو"۔ اتنے میں تمام لوگ خیموں سے باہر نکل آئے تو حبیب ابن مظاہرؓ نے بنوہاشم سے کہا: آپ لوگ اپنے خیموں میں واپس چلے جائیں، خدا آپ کی آنکھوں کو سکون کی نیند میسر کرے۔ پھر وہ اپنے دیگر ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر وہ تمام قصہ بیان کرتے ہیں جو جناب نافع نے دیکھا اور سنا تھا۔

یہ سن کر امام علیہ السلام کے تمام اصحاب بول اُٹھے: اس ذاتِ خداوندی کی قسم! جس نے ہمیں اس مقام اور موقف کی توفیق عطا کر کے ہم پر احسان فرمایا، اگر ہمیں اپنے امامؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو ہم جلد از جلد اسی گھڑی ان اشقیاء کو اپنی تلواروں کا مزہ چکھاتے! اے حبیبؓ! خدا آپ کی ذات کو مبارک قرار دے اور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے۔

پھر حضرت حبیبؓ نے انھیں جزائے خیر کی دعا دی اور مزید یہ کہا کہ تم سب میرے ساتھ ان مستورات کے خیموں کی طرف چلو تاکہ ہم ان کے دلوں کو مطمئن کر سکیں۔ پھر حضرت حبیبؓ اور ان کے ساتھی اس جانب چل پڑے جہاں پر مخدراتِ عصمت و طہارت اور دیگر مستورات کے خیام تھے۔ حضرت حبیبؓ نے بلند آواز سے کہا:

یا معشر حرائر رسول الله هذه صوارم فتیانکم آلوا ألا یغمدوها إلا فی رقاب من یرید السوء فیکم، وهذه أسنّة غلمانکم أقسموا ألا یرکزوها إلا فی صدور من یفرق نادیکم

"اے رسولؐ خدا کی شریف زادیو! یہ آپؑ کے غلاموں اور جانثاروں کی تلواریں ہیں۔ انھوں نے یہ قسم اُٹھائی ہے کہ وہ ان تلواروں سے ان گردنوں پر وار کریں گے جو آپؑ اور آپؑ کے خیموں کی طرف

بری نظر سے دیکھے گا اور یہ آپؑ کے غلاموں کے نیزے ہیں جنھوں نے یہ قسم اُٹھائی ہے کہ وہ ان نیزوں کو صرف ان سینوں میں اُتاریں گے جو آپؑ کی جمعیت کو متفرق کرے گا"۔

یہ سن کر مستورات گریہ و بکا اور واویلا کرتی ہوئی باہر آئیں اور امامؑ کے باوفا ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

ایها الطیبون حاموا عن بنات رسول الله وحرائر امیر المومنین

"اے پاک وطیب لوگو! تم رسولِ خدا کی بیٹیوں اور امیر المومنینؑ کی شریف زادیوں کا دفاع کرو"۔

یہ جملہ سن کر وہاں پر موجود تمام لوگوں نے اس قدر گریہ کیا گویا ان کی آہ و فغاں سے زمین کانپنے لگی ہو۔ [1]

شبِ عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام سحری کے وقت تھوڑی دیر کے لیے سوئے اور پھر بیدار ہوئے تو آپؑ نے اپنے اصحاب کو بتایا کہ میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ کئی کتوں نے مجھ پر حملہ کر دیا ہے اور وہ مجھے نوچ رہے ہیں۔ ان کتوں میں سب سے زیادہ وحشی کتا داغوں والا ہے جو میرے سینے پر سوار تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بتایا کہ ان اشقیاء میں سے جو میرا قاتل ہے وہ مبروص ہوگا اور امام علیہ السلام فرماتے ہیں: اس کے بعد میں نے خواب میں رسولِ خدا کو دیکھا کہ وہ اپنے اصحاب کے ایک گروہ کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور وہ فرما رہے تھے:

انت شهید هذه الامة وقد استبشر بك اهل السماوات واهل الصفیح الاعلی ولیکن افطارك عندی اللیلة عجّل ولا تؤخر فهذا ملك قد نزل من السماء لیأخذ دمك فی قارورة خضراء

"آپؑ اس اُمت کے شہید ہیں اور آپؑ کے ذریعے آسمانوں پر رہنے والے اور جنت اعلیٰ کے لوگ خوش ہوں گے اور آج کی رات تمھارا کھانا میرے پاس ہوگا لہٰذا تم جلدی کرو اور اس میں تاخیر نہ کرو اور یہ فرشتہ آسمان سے اس لیے زمین پر آیا ہے تاکہ آپؑ کے خون کو سبز شیشی میں محفوظ کر سکے"۔
(نفس المہموم: ص ۱۲۵)

□□□

[1] "الدمعۃ الساکبہ" ص ۳۲۵، لیکن اس کے مصنف نے اس روایت کے دوران راوی کا نام بار بار "ہلال بن نافع" کہہ کر ذکر کیا ہے اور یہ انھیں اشتباہ ہوا ہے جب کہ معتبر اور درست یہ ہے کہ ان کا نام "نافع بن ہلال" ہے جیسا کہ زیارت ناحیہ میں بھی ان کا نام نافع بن ہلال مذکور ہے اور تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر میں بھی ان کا نام نافع بن ہلال بیان کیا گیا ہے۔

یومِ عاشور اور جان نثارانِ توحید

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

إِنِّي لَا أَرَى الْمَوْتَ إِلَّا سَعَادَةً وَالْحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِينَ إِلَّا بَرَماً

"میں موت کو اپنے لیے سعادت و خوش بختی اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو ننگ و عار سمجھتا ہوں"۔

لو كان يدري يوم عاشوراء	ما كان يجري فيه من بلاء
مالاح فجره ولا استنارا	ولا اضاءت شمسه نهارا
سوّد حزنًا أوجه الأيام	وأوجه الشهور والأعوام
الله ما أعظمه من يوم	أزال صبري واطار نومي
اليوم أهل آية التطهير	بين صريع فيه أو عفير
اليوم قدمات الحفاظ والوفا	اليوم كاد الدين يقضي اسفا
اليوم نامت أعين الأعداء	وسهدت عيون ذي الولاء
ويلي وهل يجدي حزينًا ويل	لأضلع تدوسهن الخيل
وأرؤس على الرماح ترفع	وجثث على الصعيد توضع
وثاكل تبدو من الخدور	تعج بالويل وبالثبور
ومرضع ترنو إلى رضيع	على التراب فاحص صريع
ونسوة تسبى على النياق	حسرى تعاني ألم الفراق
أهم شيء لذوي الولاء	أن يجلسوا للنوح والعزاء
فيه تقام سنن المصاب	والترك للطعام والشراب ①

"اگر دس محرم کے دن کو معلوم ہوتا کہ اس دن کون سی بڑی مصیبت آنے والی ہے تو اس کی فجر کبھی طلوع نہ ہوتی اور نہ ہی ۱۰ محرم کے دن کا سورج چمکتا اور دن نکلتا۔ عاشوراء کے دن نے ہمارے دنوں، مہینوں

اور سالوں کو حزن و ملال سے تاریک کردیا ہے۔ خدایا! یہ کس قدر عظیم مصیبت کا دن ہے کہ جس نے
میرے صبر کا پیمانہ لبریز اور میری نیند کو اُڑا دیا ہے۔
اس دن آیت تطہیر کے مصداق گھرانے پر کبھی مظالم ڈھائے گئے تو کبھی کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر
سورج کی گرمی نے ان کے حلق اور گوشت کو خشک کردیا۔ اس دن قرآن مجید کی حفاظت کرنے والوں
اور اہلِ وفا کو شہید کیا گیا اور اس دن قریب تھا کہ دین کا افسردہ انجام ہوتا۔ اس دن اہلِ بیتؑ کے
دشمنوں کی آنکھیں سوئیں اور ان کے حُب داروں کی آنکھیں جاگتی ہیں۔
کیا میرا واویلا کرنا اور غم فائدہ دے سکتا ہے؟ مجھے ان پسلیوں کا افسوس ہے جنھیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے
روند دیا گیا اور وہ سر جنھیں نیزوں پر چڑھایا گیا اور وہ لاشے جنھیں کربلا کی تپتی ہوئی ریتی پر رکھا گیا تھا۔
غم زدہ عورتیں واویلا کرتی اور چیختی ہوئی باہر نکلیں اور وہ خطرات کی وجہ سے خوفزدہ تھیں۔
ایک دودھ پلانے والی عورت اپنے شیر خوار بچے کے اُوپر جھکی ہوئی زمین کھود کر اسے وہاں پر دفن کر رہی
تھی۔ مستورات کو قیدی بنا کر بے پالان اُونٹوں پر سوار کیا گیا، ان کی چادروں کو لوٹ لیا گیا اور وہ اس
وقت اپنے شہیدوں کی جدائی کے غم میں غم زدہ تھیں۔
اہلِ ولاء (محمدؐ و آلِ محمدؐ سے محبت کا دم بھرنے والوں) کے لیے اہم پیغام یہ ہے کہ وہ شہدائے کربلا پر
نوحہ پڑھنے اور غم منانے کے لیے مجالسِ عزا کا اہتمام کریں۔ اس دن ان مظلوموں کے مصائب کا
تذکرہ کرنا چاہیے اور کھانا پینا ترک کر دینا چاہیے"۔①

اس دن آلِ محمدؐ پر ہر طرف سے مصائب اور مظالم کے پہاڑ ڈھائے جارہے تھے کہ جن مصائب سے دل پگھلے جارہے تھے اور ہر آنکھ سے اشک برس رہے تھے۔ اس دن صرف جدا ہونے والوں کے لیے چیخ و پکار اور غم زدہ عورتوں کا گریہ و بکا سننا چاہیے اور آپ کو ہر شخص ایسا نظر آنا چاہیے کہ اسے کربلا والوں کے غم نے نڈھال کر دیا ہے۔ بعض لوگ شدتِ غم میں اپنے سروں میں خاک ڈالتے ہیں اور اپنی پیشانیوں کو کسی چیز پر مارتے ہیں لیکن دلوں کو قابو میں رکھتے ہیں اور ہاتھ سے ماتم کرتے ہیں۔ جب لوگ ان عزاداروں کو دیکھتے ہیں تو انھیں نشہ کی حالت میں سمجھتے ہیں لیکن وہ حالتِ نشہ میں نہیں ہوتے بلکہ دردناک مصائب کی وجہ سے وہ ایسے نظر آتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیے جائیں تو آپ کو عاشورا کے دن عالمِ ملکوت اور جنت کے حجروں سے چیخ و پکار اور گریہ وزاری کی صدائیں اور آئمہ ہدیٰؑ کی آہ و فغاں سنائی دے گی۔

① "المقبولة الحسينية" ص ۲۶، آیت اللہ شیخ ہادی آل کاشف الغطاء (قدس اللہ سرہ)

یہاں پر ہم اس میں ہرگز مبالغہ نہیں کر رہے کیونکہ اس دن شہید ہونے والی ہستی رسالت کی خوشبو، خلافت کی چمک دمک اور امامت کی تاجدار ہے۔ یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دل کا ٹکڑا، رسولؐ خدا کے وصی حضرت علیؑ کا جگر گوشہ، نواسۂ رسولؐ امام حسن مجتبیٰؑ کا بھائی اور مخلوق پر خدا کی حجت ہے۔ ہاں! وہ ذخیرہ کی ہوئی نشانی، بخشی ہوئی رحمت، محفوظ امانت اور ایسا دروازہ ہیں جس کے ذریعے خدا نے لوگوں کو آزمایا اور ان کا امتحان لیا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی مصیبت اس گریہ و بکا اور اس تعزیت سے کچھ کم نہیں ہے۔ اگر اس عظیم سانحہ اور مصیبت پر دل چور چور ہو کر بکھر جائیں اور لوگوں کی جانیں چلی جائیں تو بھی اس غم کا حق ادا نہیں ہوتا۔ کیا آپ زندگی کو اس عنصر سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں جسے حضرت امام حسین علیہ السلام نے مقتل میں حیاتِ جاودانی بخشی ہے؟ آپؑ کے غم میں برسنے والے اشک اس غم اور مصیبت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ یہ وہ شہید ہیں جس کے خون کا وارث خود خدا ہے۔ کیا اس آنکھ کو اشک نہیں برسانے چاہییں جس نے زمین پر آلِ محمدؐ کے لاشوں کو بکھرے ہوئے اس حالت میں دیکھا کہ تلواروں سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے، ان میں نیزے چبھوئے ہوئے تھے اور ان پر تیر برسائے گئے تھے۔ یہ اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ یہ کائنات کو سیراب کرنے والے اس بہتے ہوئے دریائے فرات کے کنارے پیاسے شہید کیے گئے، جس دریا کا پانی کتے اور وحشی درندے تک پی سکتے تھے لیکن آلِ محمدؐ کو اس کے پانی سے محروم رکھا گیا۔

اہلِ بیت علیہم السلام کے موالیوں اور چاہنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اپنے اس بیٹے حسینؑ کی صرف مصیبت کے تذکرے پر ہی رونے لگتے تھے، کی اس سیرت پر عمل کرتے ہوئے [1] سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی مجلس و ماتم کا اہتمام کریں اور اپنے گھر والوں کو ان پر گریہ کرنے کا حکم دیں اور حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر ایک دوسرے سے تعزیت پیش کریں اور آپس میں تعزیت پیش کرتے وقت وہ کلمات کہیں جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث میں منقول ہیں:

أَعْظَمَ اللهُ أُجُورَنَا وَأُجُورَكُمْ بِمُصَابِنَا بِالْحُسَيْنِ علیہ السلام وَجَعَلَنَا وَإِيَّاكُمْ مِنَ الطَّالِبِينَ بِثَارِهِ مَعَ وَلِيِّهِ الْإِمَامِ الْمَهْدِيِّ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ علیہم السلام

"اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپؑ کے اس اجر و ثواب کو زیادہ کرے جو کچھ ہم امام حسینؑ کی سوگواری میں کرتے ہیں اور ہمیں اور تمہیں آلِ محمدؐ میں سے اپنے ولی امام مہدیؑ کے ہم رکاب ہو کر امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے والوں میں سے قرار دے"۔ (کامل الزیارات: ص ۱۷۵، مصباح المتہجد، شیخ طوسیؒ: ص ۳۹)

---

[1] "الخصائص" سیوطی: ج ۲، ص ۱۲۵، "اعلام النبوۃ" ماوردی: ص ۸۳

ایک دفعہ عبداللہ ابن سنان روزِ عاشور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے امامؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپؑ کا رنگ اُڑا ہوا، حزن و ملال کی علامتیں چہرے سے ظاہر اور موتی کی طرح آنسو آپؑ کے رخساروں پر جاری تھے۔ یہ منظر دیکھ کر عبداللہ ابن سنان نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کو کس شے نے رُلایا ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم آج کے دن کے متعلق غافل ہو؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آج کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تھے؟!

پھر امام علیہ السلام نے اسے یہ حکم دیا کہ اپنی ظاہری شکل و صورت ان لوگوں جیسی بناؤ جو مصیبت زدہ اور پریشان حال ہوتے ہیں۔ اپنا گریبان کھول دو، بازو اُوپر چڑھا لو، سر اور پاؤں سے برہنہ رہو۔ آج کے دن پورا دن روزہ نہ رکھو بلکہ صرف فاقہ کرو اور عصر کے بعد پانی سے فاقہ شکنی کرو۔ کیونکہ اس وقت آلِ محمدؐ کو جنگ سے چھٹکارا ملا تھا۔

پھر امام علیہ السلام نے مزید یہ فرمایا: "اگر رسولِ خداؐ زندہ ہوتے تو وہ اس دن خود شہادتِ حسینؑ پر تعزیت پیش کرتے"۔ ①

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو کبھی کسی نے محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں ہنستے اور مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب کہ آپؑ پر افسردگی غالب رہتی اور فرماتے کہ دس محرم الحرام کا دن مصیبت اور حزن و ملال کا دن ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَعَلٰی مِثْلِ الْحُسَیْنِ فلیبک الباکون، اِنَّ یَوْمَ الحسین أقرح جفوننا واذل عزیزنا بارض کرب وبلاء

"بے شک! (حضرت امام) حسینؑ جیسی شخصیت پر گریہ کرنے والے گریہ کرتے ہیں اور جس دن حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا گیا اس دن ہمیں آپؑ کے مصائب پر اس قدر گریہ کرنا چاہیے کہ ہمارے پپوٹے ختم ہو جائیں کیونکہ اس دن کرب و بلا کی سرزمین پر ہمارے عزت دار کو رُسوا کیا گیا"۔

زیارتِ ناحیہ میں حجتِ آلِ محمدؐ عجل اللہ فرجہٗ فرماتے ہیں:

فَلَاَنْدُبَنَّكَ صَبَاحًا وَّمَسَاءً وَّلَاَبْكِيَنَّ عَلَيْكَ بَدَلَ الدُّموعِ دِمَآءً

"میں آپؑ پر ضرور بہ ضرور صبح و شام غم زدہ ہوتا ہوں اور میں آپؑ پر آنسوؤں کے بجائے خون برسا کر گریہ کرتا ہوں"۔

---

① "مزار" ابن المشہدی، یہ چھٹی صدی ہجری کے علما میں سے ہیں۔

ان تمام احادیث وروایات کے بعد کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ ہم عیش وعشرت سے لاپرواہ ہوکر عزاداری سیدالشہداؑ کی خاطر غم اور گریہ وزاری کا لباس زیب تن کریں؟ اور ہمیں اس چیز کی معرفت ہونی چاہیے کہ ہم ۱۰ محرم الحرام کو پیاسے شہیدوں کی مجلس وماتم برپا کرکے شعائر اللہ کی تعظیم کریں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اور یوم عاشورا

ابن قولویہ اور مسعودی بیان کرتے ہیں: [1] جب دس محرم الحرام کی صبح نمودار ہوئی اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو نماز فجر باجماعت پڑھائی تو آپؑ ان کے سامنے خطاب کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

إنَّ اللهَ تعالى اذن في قتلكم وقتلي في هذا اليوم فعليكم بالصبر والقتال

"بے شک! اللہ تعالیٰ آج کے دن کے بارے میں میری اور تمھاری شہادت کا فیصلہ دے چکا ہے لہٰذا تم صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ کے لیے آمادہ ہوجاؤ"۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے جنگ کے لیے اپنے اصحاب کی صف آرائی کی۔ ان کی کل تعداد بیاسی سوار اور پیادے تھی۔ آپؑ نے زہیر بن قین کو میمنہ پر مامور کیا۔ حبیب ابن مظاہرؓ کو میسرہ اور خود اپنے خاندان (بنوہاشم) کے ساتھ قلب لشکر میں رہے [2] آپؑ نے اپنے لشکر کا علم اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو دیا [3] کیونکہ ہاشمیوں کے چاند وہی تھے۔ آپؑ کے ہمراہ افراد میں اس علم کا علم دار بننے کی سب سے زیادہ صلاحیت حضرت عباسؑ ہی میں تھی اور آپؑ ہی اس ذمہ داری کی حفاظت سب سے بہتر کرسکتے تھے۔ حضرت عباسؑ ان تمام لوگوں سے زیادہ امام حسین علیہ السلام پر مہربان اور آپؑ کے اصولوں کے پاس دار، آپؑ سے صلہ رحمی کرنے والے اور آپؑ کے قریب ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ آپؑ کی حمایت وحفاظت کرنے والے تھے۔ حضرت عباسؑ ان میں سب سے بڑے نیزہ باز، بہادر ودلیر اور عظیم قوت وطاقت کے مالک تھے۔ [4]

---

[1] کامل الزیارات: ص ۷۳، اثبات الوصیۃ، ص ۱۳۹، مطبعہ حیدریہ

[2] مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۴

[3] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۴۱، تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۳

[4] مورخین میں حضرت امام حسینؑ کے اصحاب کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس میں کئی اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ بتیس سوار اور چالیس پیادہ تھے۔ یہ تعداد شیخ مفید نے "الارشاد" شیخ طبرسی نے "اعلام الوریٰ ص ۲۴۲، فتال نے "روضۃ الواعظین"، ص ۱۵۸، ابن جریر طبری نے اپنی "تاریخ طبری" ج ۶، ص ۲۴۱، ابن اثیر نے "الکامل" ج ۴، ص ۲۴، قرمانی نے "اخبار الدول" ص ۱۰۸ اور دینوری نے "الاخبار الطوال" ص ۲۵۴ پر ذکر کی ہے۔ ←

عمر ابن سعد (ملعون) تیس ہزار افراد کے لشکر کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف بڑھا۔ اس وقت کوفہ کے چار سردار جن میں زہیر بن سلیم ازدی شہروالوں، عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ حنفی قبیلہ مذحج، اسد اور قیس بن اشعث قبیلہ ربیعہ اور کندہ جبکہ حر بن یزید الریاحی قبیلہ تمیم اور ہمدان کے سردار تھے۔ ① کوفہ کے ان تمام سرداروں نے سوائے حر بن یزید الریاحی کے حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ میں شرکت کی۔

ابن سعد (ملعون) نے میمنہ کا سردار عمرو بن حجاج زبیدی، میسرہ کا سردار شمر بن ذی الجوشن، گھوڑسواروں کا سردار عروہ بن قیس الاحمسی اور پیادہ فوج کا سردار شبث بن ربعی کو بنایا اور لشکر کا علم اپنے غلام ذوید کو تھما دیا۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۱)

عمر ابن سعد (لعین) کا لشکر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خیموں کی جانب بڑھا اور وہ خیموں کے گرد چکر لگانے لگے تو انھوں نے خندق میں آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے دیکھے تو شمر (لعین) نے بلند آواز میں کہا: اے حسینؑ! تم نے قیامت کے دن سے پہلے ہی آگ میں جلنے کی جلدی کی؟ (العیاذ باللہ)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: یہ گستاخ کون ہے؟ یہ تو شمر بن ذی الجوشن (ملعون) معلوم ہوتا ہے۔

آپ کو بتایا گیا کہ جی یہ وہی ملعون ہے تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے بکریاں چرانے والی کے بیٹے! تم مجھ سے زیادہ جہنم کی آگ میں جلنے کے حق دار ہو۔ اتنے میں مسلم ابن عوسجہ نے اپنی تیر کمان کو سیدھا کیا تاکہ اس بدبخت پر تیر چلائیں تو امامؑ نے انھیں روک دیا اور فرمایا: "میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں ان سے جنگ کرنے میں پہل کروں۔" (ارشاد شیخ مفید، تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۲)

← دوسرا قول: یہ کل اسّی سوار اور پیادہ تھے اور یہ قول "الدمعۃ الساکبۃ" ص ۳۲۷ پر ایک روایت سے اخذ کیا گیا ہے اور مؤلف کتاب ہٰذا نے اسی قول کو یہاں پر اختیار کیا ہے۔

تیسرا قول: یہ ساٹھ پیادہ تھے۔ یہ قول دمیری نے "حیاۃ الحیوان" میں خلافت یزید کے ضمن میں ج۱، ص ۴۳ پر بیان کیا ہے۔

چوتھا قول: یہ بہتر افراد تھے۔ یہ شریشی کی "شرح مقامات الحریری" ج۱، ص ۱۹۳ پر مذکور ہے۔

پانچواں قول: یہ پینتالیس سوار اور سو پیادہ تھے۔ یہ قول ابن عساکر نے "تہذیب تاریخ الشام" ج۴، ص ۳۳۷ پر ذکر کیا ہے۔

چھٹا قول: یہ بتیس سوار اور چالیس پیادہ تھے۔ یہ خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ" ج۲، ص ۴ پر ذکر کیا ہے۔

ساتواں قول: یہ اکہتر افراد تھے، جو کہ مسعودی کی "اثبات الوصیۃ" ص ۱۳۵ پر مذکور ہے۔ مطبعہ حیدریہ

آٹھواں قول: یہ پینتالیس سوار اور سو پیادہ تھے۔ ابن نما "مثیر الاحزان" ص ۲۸ اور ابن طاؤس کی "الملہوف" ص ۵۶ پر مذکور ہے کہ یہ قول امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔

نواں قول: یہ بہتر افراد تھے اور یہ قول شبراوی نے "الاتحاف بحب الاشراف" ص ۱۷ پر بیان کیا ہے۔

دسواں قول: ذہبی نے "مختصر تاریخ دول الاسلام" ج۱، ص ۳۱ پر ذکر کیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ مدینہ سے ستر سواروں کے ہمراہ روانہ ہوئے تھے۔

① ابن ابی الحدید کی "شرح نہج البلاغہ" ج۱، ص ۸۱، مطبوعہ مصر میں ہے کہ کوفہ والے وحشی درندے تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعا

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے قوم اشقیاء کے لشکر کو دیکھا تو وہ ایک سیلاب کے ریلے کے مانند نظر آرہا تھا۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے دعا کی:

اللهم أنت ثقتي في كل كرب ورجائي في كل شدة وأنت لي في كل أمر نزل بي ثقة وعدة، كم من همّ يضعف فيه الفؤاد وتقل فيه الحيلة ويخذل فيه الصديق ويشمت فيه العدو، أنزلته بك وشكوته إليك، رغبة مني إليك عمن سواك فكشفته وفرجته فأنت ولي كل نعمة ومنتهى كل رغبة [1]

"اے اللہ! ہر مصیبت و پریشانی میں تُو ہی میری پناہ گاہ ہے اور ہر سختی میں تُو ہی میری اُمید ہے اور ہر مشکل میں تُو ہی مجھے سہارا دیتا ہے اور تُو ہی میرا اسلحہ ہے۔ کتنے ہی ایسے ہم وغم ہوتے ہیں جن کے سامنے دل کمزور ہوجاتے ہیں اور ان میں چارہ وتدبیر کم ہوجاتی ہے اور ان مصائب کے وقت دوست مدد کرنے سے دُور بھاگتے ہیں اور دشمن طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ اے خدایا! میں اس مشکل اور مصیبت کی گھڑی میں خود کو تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں اور تجھ سے ہی اپنی شکایت بیان کرتا ہوں۔ مَیں نے ہر ایک سے اُمید توڑ کر صرف تجھ ہی سے لولگائی ہے کیونکہ تُو نے ہی میری ہر مصیبت و پریشانی کو ٹالا ہے اور ہر سختی سے نجات عطا کی ہے۔ اے خدایا! تُو ہی میری ہر نعمت کا مالک ہے اور میری ہر رغبت اور مقصد کی انتہا ہے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا روزِ عاشور پہلا خطبہ

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی سواری کے جانور کو لانے کے لیے حکم دیا۔ جب سواری آگئی تو آپؑ اس پر سوار ہوئے اور قومِ اشقیاء کی جانب متوجہ ہوکر بلند آواز میں صدا لگائی جسے وہ سب لوگ سن رہے تھے۔ آپؑ نے فرمایا:

أيها الناس اسمعوا قولي ولا تعجلوا حتى أعظكم بما هو حق لكم عليَّ، وحتى أعتذر إليكم من مقدمي عليكم فإن قبلتم عذري وصدقتم قولي وأعطيتموني النصف من أنفسكم كنتم بذلك أسعد ولم يكن لكم عليَّ سبيل وإن لم تقبلوا مني العذر ولم تعطوا النصف من

---

[1] کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۲۵، تاریخ ابن عساکر، ج ۴، ص ۳۳۳۔ کفعمی نے "المصباح" ص ۱۵۸، مطبوعہ ہندوستان میں ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگِ بدر کے موقع پر یہ دعا کی تھی۔ ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" ج ۳، ص ۲۰۲ پر اس دعا کو مختصراً بیان کیا ہے۔

أنفسكم فأجمعوا أمركم وشركاءكم ثم لا يكن أمركم عليكم غمة ثم اقضوا الیّ ولا تنظرون
وَلِيِّيَ اللهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۹۶)

"اے لوگو! میری بات سنو اور جنگ کرنے میں اس قدر جلدی نہ کرو تاکہ میں تمھیں وعظ و نصیحت کرلوں کہ جو میرے اُوپر تمھارا حق بنتا ہے اور میں تمھیں یہاں تمھارے پاس آنے کی وجہ سے آگاہ کردوں اور اگر تم نے میری بات کو مان لیا اور میری بات کو سچ قرار دیا تو پھر تم لوگ مجھ سے اچھے طور پر انصاف کرو گے اور یہ تمھاری سعادت و خوش بختی کا باعث ہوگا اور تمھارے لیے میرے ساتھ جنگ کرنے کا کوئی عذر بھی باقی نہیں رہے گا۔ اگر تم میری بات کو قبول نہیں کرو گے اور اپنے طور پر مجھ سے انصاف نہ کیا تو پھر تم سب اکٹھے ہوجاؤ اور اپنے مقصد کو عملی جامہ پہناؤ اور تمھاری یہ حرکت تمھارے لیے حیرت کا باعث نہ بنے۔ پس پھر تم سب لوگ میری طرف بڑھو اور کسی چیز کا انتظار مت کرو۔ "بے شک! اللہ تعالیٰ میرا پشت پناہ اور مددگار ہے جس نے اپنی کتاب مقدس اُتاری اور وہ نیک و صالح افراد کا مددگار ہے"۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی یہ باتیں مستورات نے سنیں تو وہ آہ و زاری کرنے لگیں اور ان کے رونے کی آوازیں اس قدر بلند ہوگئیں کہ امامؑ کے کانوں تک پہنچ گئیں۔ پھر امامؑ نے اپنے خطبہ کو روک کر اپنے بھائی حضرت عباسؑ اور اپنے بیٹے حضرت علی اکبرؑ کو ان مستورات کی طرف یہ کہہ کر روانہ کیا کہ آپ دونوں ان مستورات کو خاموش رہنے کی تلقین کریں۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے میری جان کی قسم! ابھی ان مستورات نے بہت زیادہ گریہ و بکا کرنا ہے۔

جب مستورات خاموش ہوگئیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے دوبارہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ حضرت محمدؐ، فرشتوں اور انبیاؑ پر درود و سلام بھیجا اور آپؑ نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا جو کسی سامع نے نہ اس سے پہلے کبھی سنا ہوگا اور نہ ہی کبھی اس کے بعد سنے گا۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۲)

پھر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

عباد الله اتقوا الله وكونوا من الدنيا على حذر فإن الدنيا لو بقيت على أحد أو بقي عليها أحد لكانت الأنبياء أحق بالبقاء وأولى بالرضاء وأرضى بالقضاء، غير أن الله خلق الدنيا للفناء، فجديدها بال ونعيمها مضمحل وسرورها مكفهر والمنزل تلعة والدار قلعة فتزودوا فإن خير الزاد التقوىٰ واتقوا الله لعلكم تفلحون [1]

---

[1] زہر الآداب "حصری" ج۱، ص ۶۲، مطبوعہ دار الکتب العربیہ ۲۔ ۱۳ھ

أيها الناس إن الله تعالى خلق الدنيا فجعلها دار فناء وزوال متصرفة بأهلها حالاً بعد حال، فالمغرور من غرته والشقي من فتنته فلا تغرنكم هذه الدنيا فإنها تقطع رجاء من ركن إليها وتخيب طمع من طمع فيها وأراكم قد اجتمعتم على أمر قد أسخطتم الله فيه عليكم وأعرض بوجهه الكريم عنكم وأحلّ بكم نقمته فنعم الرب ربنا وبئس العبيد أنتم أقررتم بالطاعة وآمنتم بالرسول محمد ﷺ، ثم إنكم زحفتم الى ذريته وعترته تريدون قتلهم لقد استحوذ عليكم الشيطان فأنساكم ذكر الله العظيم فتبًا لكم ولما تريدون إنا لله وإنا اليه راجعون هؤلاء قوم كفروا بعد ايمانهم فبعداً للقوم الظالمين [1]

أيها الناس انسبوني من أنا ثم ارجعوا إلى أنفسكم وعاتبوها وانظروا اهل يحلّ لكم قتلي وانتهاك حرمتي ألست ابن بنت نبيكم وابن وصيه وابن عمه وأول المؤمنين بالله والمصدق لرسوله بما جاء من عند ربه؟ أوليس حمزة سيّد الشهداء عم أبي؟ أوليس جعفر الطيار عمي، أولم يبلغكم قول رسول الله لي ولأخي: هذان سيّدا شباب أهل الجنة؟ فإن صدقتموني بما أقول وهو الحق والله ما تعمدت الكذب منذ علمت أن الله يمقت عليه أهله ويضر به من اختلقه وإن كذبتموني فإن فيكم من إن سألتموه عن ذلك أخبركم، سلوا جابر بن عبد الله الأنصاري وأبا سعيد الخدري وسهل بن سعد الساعدي وزيد بن أرقم وأنس بن مالك يخبروكم أنهم سمعوا هذه المقالة من رسول الله لي ولأخي، أما في هذا حاجز لكم عن سفك دمي؟!

"اے بندگان خدا! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دنیا سے ہوشیار اور چوکنا ہو کر رہو۔ اگر اس دنیا کو کسی ایک شخص کو دے دیا جانا ہوتا یا کسی شخص کو اس دنیا میں ہمیشہ کے لیے باقی رہنا ہوتا تو خدا کے انبیاءؑ اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے زیادہ حق دار تھے اور انھیں خوش اور راضی کرنا زیادہ بہتر تھا اور ان کے لیے ایسا فیصلہ کرنا زیادہ پسندیدہ تھا لیکن ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا کو فنا ہونے کے لیے پیدا کیا ہے اور اس کی ہر نئی چیز کو بوسیدہ ہونا ہے۔ اس کی نعمتیں ختم ہو جانے والی اور اس [illegible] تبدیل اور پھیکا پڑ جانے والا ہے۔ یہ دنیا ایک مورچہ نما منزل اور عارضی گھر ہے۔ لہٰذا

[1] مقتل محمد بن ابی طالب الحائری۔

اپنے دائمی گھر کے لیے زادِ راہ تیار کر لو اور تقویٰ ہی بہترین زادِ راہ ہے اور تقویٰ الٰہی اختیار کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو خلق کرنے کے بعد دارِ فانی قرار دیا اور یہ دنیا اپنے اندر رہنے والوں سمیت حالتیں بدلتی رہتی ہے اور درحقیقت وہ شخص دھوکے میں ہے جسے دنیا کی اس جھوٹی چمک دمک نے دھوکا دیا اور بدبخت ہے وہ شخص جسے دنیا نے اپنے چنگل میں پھنسا لیا۔ پس آگاہ ہو جاؤ! یہ دنیا تم کو دھوکا نہ دینے پائے کیونکہ جو شخص دنیا کی طرف جھک جاتا ہے یہ اسے نااُمید کر دیتی ہے اور جو اس دنیا کے حوالے سے حریص ہوا اسے دنیا نے مایوس کیا۔ میں تمھیں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک ایسے فیصلے پر اکٹھے ہو چکے ہو کہ جس فیصلے کے ذریعے تم نے خدا کے غضب کو دعوت دی ہے اور خدا نے تم سے اپنی رحمت و کرم کا رُخ پھیر لیا ہے اور تم پر اس کا عذاب نازل ہو چکا ہے۔ ہمارا رب بہترین رب ہے اور تم اس رب کے انتہائی بُرے بندے ہو کیونکہ تم نے رب کی اطاعت کا اقرار کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے اور پھر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت اور عترت کو قتل کرنے کے لیے ان کی طرف بڑھے۔ تحقیق! تم پر شیطان حاوی ہو چکا ہے اور اس نے تمھیں خدائے عظیم و برتر کی یاد بھلا دی ہے لہٰذا تم لوگوں پر خدا کی ہلاکت ہو اور جو کچھ تم چاہتے ہو اس پر لعنت و پھٹکار ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ایسی قوم ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی اور خدا کی رحمت ظالموں سے دُور ہے۔

اے لوگو! میرے نسب کے بارے میں غور و فکر کرو اور سوچو کہ میں کون ہوں؟ اس کے بعد اپنے نفسوں کی طرف رجوع کر کے خود کو ملامت کرو۔ کیا مجھے قتل کرنا اور میری حرمت پامال کرنا تمھارے لیے جائز ہے؟ کیا میں تمھارے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں تمھارے نبیؐ کے وصی، ان کے چچازاد کا بیٹا نہیں ہوں جو سب سے پہلے خدا پر ایمان لائے اور اس کے رسولؐ کے ان تمام احکامات سمیت تصدیق کی جو وہ اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے تھے۔ کیا حضرت حمزہؓ سید الشہدا میرے والد گرامی کے چچا نہیں ہیں؟ کیا حضرت جعفر طیارؓ میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم لوگوں تک میرے اور میرے بھائی کے متعلق رسولِؐ خدا کا یہ فرمان نہیں پہنچا کہ حسنؑ و حسینؑ یہ دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں؟ اگر تم میری باتوں کی تصدیق کرتے ہو کہ یہ سب سچ ہے تو حق یہی ہے۔ خدا کی قسم! میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹوں پر غضب ناک ہوتا ہے اور جھوٹے انسان کو ہی اس جھوٹ

کا نقصان پہنچا ہے۔ اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو تم میری باتوں کی تصدیق کے لیے ان لوگوں سے سوال کرو جو تمھارے درمیان زندہ موجود ہیں۔ وہ تم کو بتا دیں گے کہ یہ سب سچ ہے۔ جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید الخدری، سہل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم اور انس بن مالک سے سوال کرو۔ وہ تم لوگوں کو یہ بتائیں گے کہ انھوں نے اپنے کانوں سے میرے اور میرے بھائی کے متعلق رسولؐ خدا کا یہ فرمان سنا تھا (کہ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں) کیا رسولؐ خدا کا یہ ارشاد تمھیں میرے خون کو ناحق بہانے سے باز رکھنے کے لیے کافی نہیں ہے؟!"

جب امام علیہ السلام کا کلام یہاں تک پہنچا تو شمر ملعون نے گستاخی کرتے ہوئے آپؑ کے کلام کو قطع کیا اور کہا: (لوگو) یہ خدا کی عبادت کسی مقصد کے تحت کرتا ہے اور یہ گمراہ ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ یہ کیا کہہ رہا ہے!

یہ سن کر حضرت حبیب ابن مظاہرؓ نے اس ملعون کو جواب دیا: خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تو ایمان سے بے بہرہ ہے اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ تو واقعی امامؑ کے کلام کو نہیں سمجھ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل پر مہر لگا دی ہے۔

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے مزید فرمایا:

فإن كنتم في شك من هذا القول أفتشكون أني ابن بنت نبيكم، فوالله ما بين المشرق والمغرب ابن بنت نبي غيري فيكم ولا في غيركم، ويحكم أتطلبوني بقتيل منكم قتلته! أو مال لكم استهلكته أو بقصاص جراحة، فأخذوا لا يكلمونه!

فنادى: يا شبث بن ربعي ويا حجار بن ابجر ويا قيس بن الاشعث ويا زيد بن الحارث ألم تكتبوا الي أن أقدم قد اينعت الثمار واخضر الجناب وإنما تقدم على جند لك مجندة؟!

"اگر تمھیں میری اس بات پر شک ہے تو کیا اس میں بھی کوئی شک ہے کہ میں تمھارے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں؟ خدا کی قسم! مشرق و مغرب کے درمیان میرے علاوہ تم لوگوں اور تمھارے اغیار کے درمیان کوئی نبیؐ کا نواسہ موجود نہیں۔ تم لوگوں پر وائے اور افسوس ہو کیا تم لوگ مجھ سے کسی ایسے شخص کے قتل کا قصاص مانگ رہے ہو جو میں نے قتل کیا ہو؟! یا کیا میں نے تمھارا کوئی مال لوٹا اور ضائع کیا ہے؟! یا کیا میں نے تم میں سے کسی کو مجروح کیا ہے جس کا مجھ سے بدلہ لے رہے ہو؟! انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر حضرت امام حسینؑ نے بلند آواز میں صدا لگاتے ہوئے فرمایا: اے شبث بن ربعی، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے زید بن حارث! کیا تم لوگوں نے مجھے خط میں یہ تحریر نہیں کیا تھا کہ ہمارے پاس تشریف لے آئیں کیونکہ پھل پک چکے ہیں اور درخت ہرے بھرے ہیں۔ آپ جلد از

جلد آجائیے کیونکہ آپ کے لیے یہاں لشکر آمادہ ہے؟"

ان اشقیاء نے جواب میں کہا: نہیں، ہم نے ایسا کوئی اقدام نہیں کیا۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ! ہاں خدا کی قسم! تم نے یہ اقدام کیا تھا۔ آپؑ نے مزید یہ فرمایا:

ایها الناس اذا کرھتمونی فدعونی انصرف عنکم الی مامن من الارض

"اے لوگو! اگر تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو مجھے یہاں سے جانے دو۔ میں زمین کے کسی پُرامن خطہ کی طرف چلا جاتا ہوں"۔

یہ سن کر قیس بن اشعث (ملعون) نے امامؑ سے کہا: آپؑ اپنے چچا کی اولاد کی حکومت اور فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کیوں نہیں کر لیتے؟ اگر آپ ایسا کرلیں تو یہ آپ کی منشاء اور پسند کے مطابق آپؑ سے رویہ اپنائیں گے اور ان کی طرف سے آپؑ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

انت اخو اخیك؟ أترید ان یطلبك بنو هاشم اكثر من دم مسلم بن عقیل؟ لا والله لا اعطیهم بیدی اعطاء الذلیل ولا افر فرار[1] العبید عباد الله انی عذت بربی وربكم ان ترجمون،

---

[1] ابن نما کی "مثیر الاحزان" ص ۲۶ کے مطابق یہاں "فاء" ہے اور یہی درست ہے اگرچہ مقتل کی بعض کتابوں میں یہاں قاف کے ساتھ "اقرار" ہے کیونکہ اگر اسے "اقرار" مانا جائے تو پھر دوسرے جملہ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ یہ پہلے والے جملے کا ہی مفہوم ظاہر کرے گا لیکن اگر اسے "فرار" پڑھا جائے تو دوسرے جملے کا مفہوم اس معنی کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ سختی اور قتل سے فرار اختیار نہیں کرسکتے جیسا کہ ایک غلام اپنے آقا سے فرار نہیں ہوسکتا اور یوں اس دوسرے جملہ کا پہلے جملہ سے معنی الگ ہوگا۔ اور امیر المومنین حضرت علیؑ کے کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۷۶، پہلا ایڈیشن کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۱۴۸، نہج البلاغہ: ج ۱، ص ۱۰۴، مطبعہ حیدریہ میں مذکور ہے کہ جب مصقلہ بن ھبیرہ فرار ہو کر معاویہ کے پاس چلا گیا تو امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا: ماله فعل فعل السید وفر فرار العبد وخان خیانة الفاجر۔ "یعنی اس نے کام تو سرداروں والا کیا (غلاموں کو آزاد کروایا) لیکن ایک غلام کی طرح بھاگ نکلا اور فاجر شخص کی طرح خیانت کا مرتکب ہوا"۔ ابن حزم نے "جمھرۃ انساب العرب" ص ۱۱۶ پر اس کا جو قصہ ذکر کیا اس کے مطابق حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت کے دور میں بنو عبدالبیت بن حارث سے حریث بن راشد کے ساتھی مرتد ہوگئے تو حضرت علیؑ کی طرف سے ان کے ساتھ جنگ کرکے ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں، بچوں کو قیدی بنایا تو مصقلہ شیبانی نے انھیں خرید کر آزاد کردیا لیکن پھر بددیانتی کرتے ہوئے ان کی رقم ادا کیے بغیر وہ معاویہ کے پاس فرار ہوگیا۔ حضرت علیؑ نے اس کے قیدیوں کے آزاد کروانے کے عمل کی تائید فرمائی۔ (حضرت امام حسینؑ درحقیقت اسے یہ باور کروا رہے تھے کہ تو بھی اپنے بھائی محمد بن اشعث جیسا ہے کہ جس ملعون نے ابن زیاد کی طرف سے حضرت مسلم ابن عقیلؑ پر کوفہ میں لشکرکشی کی اور انھیں امان دے کر گرفتار کیا لیکن امان کے قول پر عمل نہ کیا بلکہ ابن زیاد کے حوالے کرکے ان کے قتل کا سبب بنا اور یہ دونوں ملعون جعدہ بنت اشعث ملعونہ کے بھائی ہیں جس نے امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔ مترجم)

اعوذ بربی و ربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب۔

”تو اپنے بھائی (محمد بن اشعث) کا بھائی ہے۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ بنو ہاشم، مسلم ابن عقیلؑ کے علاوہ مزید خون کے تجھ سے طلب گار ہوں؟ خدا کی قسم! میں ہرگز ان ذلیل اور پست لوگوں کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دوں گا اور نہ ہی میں غلاموں کی طرح یہاں سے فرار ہوں گا اور میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم پر کوئی بہتان باندھوں اور خدا کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس جابر و سرکش سے جو حساب و کتاب کے دن (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتا ہے“۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی سواری کو بٹھا دیا اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اس کی ٹانگ ران ملا کر اسے باندھ دے۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۳)

حضرت امام حسین علیہ السلام کی کرامت اور ابن سعد کے ایک لشکری کی ہدایت

دشمن کی فوج حضرت امام حسین علیہ السلام کی جانب بڑھنے لگی، ان اشقیا میں عبداللہ بن حوزہ تمیمی بھی شامل تھا۔[1] جب یہ شخص ان کے قریب آیا تو بلند آواز میں پکار کر کہا: کیا تم میں کوئی حسینؑ ہے؟ اسے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن جب اس نے تیسری دفعہ یہی جملہ کہا تو اصحابِ حسینؑ بولے: یہ حضرت امام حسینؑ ہیں اور تو ان سے کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: اے حسینؑ! تمھیں جہنم کی بشارت ہو۔ (العیاذ باللہ)

حضرت امام حسین علیہ السلام فرمایا:

کذبت بل اقدم علی رب غفور کریم مطاع شفیع فمن انت؟

”تو نے جھوٹ بولا ہے ایسا ہرگز نہیں، میں اپنے بخشنے والے کریم رب کی طرف گامزن ہوں جو شفاعت کو قبول کرنے والا اور قابلِ اطاعت ہے“۔

پھر امام علیہ السلام نے پوچھا: تو کون ہے؟

اس نے جواب دیا: میں ابن حوزہ ہوں۔

امام علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں کو یوں آسمان کی طرف بلند کیا کہ آپؑ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور آپؑ نے فرمایا:

اللھم حزہ الی النار، ”اے اللہ! اسے جہنم کی آگ میں ڈال دے“۔

---

[1] ہیثمی کی ”مجمع الزوائد“ ج۹، ص ۱۹۳ پر مذکور ہے کہ اس کا نام ابن جویرہ یا جویزہ ہے۔ خوارزمی نے ”مقتل الحسینؑ“ ج۱، ص ۲۴۸ پر اس کا نام مالک بن جریرہ تحریر کیا ہے جب کہ فتال نے ”روضۃ الواعظین“ ص ۱۵۹، پہلے ایڈیشن میں بیان کیا ہے کہ اس کا نام ابی ابن جویرہ مزنی بتایا جاتا ہے اور اس کا گھوڑا اس سے فرار ہوا اور اسے خندق میں آگ کے شعلوں میں لا کر ڈال دیا۔

یہ سن کر وہ غضب ناک ہو گیا اور امامؑ کی طرف اپنا گھوڑا بڑھانے لگا جب کہ ان کے درمیان دریا تھا۔ اس کا گھوڑا بدکا اور وہ گھوڑے سے گرا لیکن اس کا پیر رکاب میں پھنس گیا اور اس کا سر زمین کی طرف لٹک گیا۔ اسی حالت میں گھوڑے نے دوڑنا شروع کر دیا اور وہ جدھر سے گزرتا تھا زمین کے ہر پتھر اور درخت سے اس کا سر ٹکراتا تھا[1] آخرکار اس کے گھوڑے نے اسے خیموں کے گرد خندق میں لگی ہوئی آگ کے شعلوں میں جھونک دیا اور وہ جل کر مر گیا۔

یہ منظر دیکھ کر حضرت امام حسینؑ نے اپنا سر سجدے میں جھکا دیا اور اپنی دعا کی قبولیت پر خدا کی حمد اور شکر بجا لائے۔

پھر امام علیہ السلام نے بلند آواز میں فرمایا:

اللهم انا اهل بيت نبيك وذريته وقرابته فاقصم من ظلمنا وغصبنا حقنا انك سميع قريب

"اے اللہ! ہم تیرے نبیؐ کے اہلِ بیتؑ، اُن کی ذرّیت اور قریبی رشتہ دار ہیں۔ پس اٹھو ان لوگوں کی ہلاکت فرما جنھوں نے ہم پر ظلم کیا اور ہمارے حق کو غصب کیا۔ بے شک تُو خوب سننے والا اور ہمارے دلوں کے قریب ہے"۔

امام علیہ السلام کے یہ جملے سن کر محمد بن اشعث (ملعون) نے آپؑ سے کہا: تمھاری محمدؐ کے ساتھ کیا رشتہ داری ہے؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

اللهم ان محمد بن الاشعث يقول ليس بيني وبين محمد قرابة اللهم ارني فيه هذا اليوم ذلاً عاجلاً

"اے اللہ! محمد بن اشعث کہتا ہے کہ میری حضرت محمدؐ کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ اے اللہ! تو اسے آج کے دن جلد از جلد ذلیل و رُسوا کر کے مجھے دکھا"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعا بہت جلد مستجاب ہوئی۔ محمد بن اشعث (ملعون) اپنے لشکر سے باہر نکل کر رفع حاجت کے لیے گھوڑے سے اُترا، جب وہ رفع حاجت کے لیے بیٹھا تو ایک سیاہ بچھو نے اُسے بری طرح ڈس لیا اور اس نے کپڑوں میں ہی پیشاب پاخانہ کر دیا۔[2] اور یہ اس حالت میں فی النار ہوا کہ اس کی شرم گاہ کھلی ہوئی تھی۔[3]

مسروق بن وائل الحضرمی کہتا ہے: جو گھڑسوار حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کر رہے تھے، میں ان میں سب سے

---

[1] کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۷

[2] "مقتل الحسینؑ" خوارزمی، ج ۱، ص ۲۴۹، فصل ۱۱، جب کہ شیخ صدوقؒ نے "امالی" میں صرف حضرت امام حسینؑ کی محمد ابن اشعث (ملعون) کے متعلق بددعا پر اکتفا کیا ہے۔

[3] روضۃ الواعظین نیشاپوری، ص ۱۵۹، پہلا ایڈیشن۔

آگے تھا تا کہ جب آپؑ قتل ہو جائیں تو ان کا سر حاصل کر کے سب سے پہلے ابن زیاد (ملعون) کے پاس لے جاؤں، لیکن جب میں نے حضرت امام حسینؑ کی بددعا کے بعد ابن حوزہ کا حشر دیکھا تو مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ اس گھرانے کے افراد کی خدا کے نزدیک حرمت اور خاص مقام و منزلت ہے تو میں نے لوگوں سے کہا: میں ان کے خلاف جنگ میں حصّہ نہیں لوں گا کیونکہ اگر میں نے ان سے جنگ کی تو میں بھی جہنم کی آگ میں جھونک دیا جاؤں گا۔ (کامل ابن اثیر: ج۶، ص ۲۷)

زہیر بن قینؓ کا خطبہ

حضرت زہیر بن قین گھوڑے پر سوار اور اسلحہ سے لیس ہو کر یزیدی لشکر کی جانب بڑھے اور ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اے کوفہ والو! میں تمھیں عذاب خدا سے ڈراتا ہوں، بے شک! ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو وعظ و نصیحت کرے۔ جب تک ہمارے اور تمھارے درمیان تلوار سے جنگ نہیں ہوتی ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ہماری طرف سے تم وعظ و نصیحت کے حق دار ہو۔ جب آپس میں تلوار چلنے لگے گی تو یہ بھائی چارہ منقطع ہو جائے گا اور پھر ہم الگ اُمت اور تم الگ اُمت ہو جاؤ گے۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اور تمھیں اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت کے ذریعے آزمایا تا کہ وہ دیکھے کہ ہم اور تم اس کے نبیؐ کی ذریت اور اولاد سے کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ ہم تم لوگوں کو اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ آؤ اور خدا کے نبیؐ کی ذریت کی نصرت کرو اور طاغی و سرکش یزید (لعین) اور ابن زیاد (لعین) کا ساتھ چھوڑ دو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگ ہمیشہ ان دونوں سے برائی ہی دیکھو گے۔ یہ تمھاری آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں گے، تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمھارا مثلہ کریں گے اور تم کو کھجور کی شاخوں پر لٹکائیں گے۔ حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ وغیرہ کی طرح تمھارے ممتاز لوگوں اور قاریان قرآن کو قتل کریں گے۔

زہیر بن قینؓ کی یہ تقریر سن کر قوم اشقیاء نے انھیں گالیاں دیں اور ابن زیاد (ملعون) کی تعریف کی اور زہیر کو اپنی طرف آنے کی دعوت دینے کے بعد کہا: خدا کی قسم! ہم حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو قتل یا انھیں گرفتار کر کے ابن زیاد (ملعون) کے پاس پہنچائے بغیر نہیں ٹل سکتے۔

زہیر بن قینؓ نے انھیں دوبارہ سمجھاتے ہوئے کہا: خدا کے بندو! (حضرت) فاطمہؑ کا فرزند ابن سمیہ کے مقابلے میں پیار و محبت اور امداد و نصرت کا زیادہ مستحق ہے۔ اگر تم ان کی نصرت نہیں کرتے تو خدارا انھیں قتل بھی نہ کرو اور یہ معاملہ امام حسینؑ اور یزید (ملعون) پر چھوڑ دو۔ مجھے میری جان کی قسم! وہ حسینؑ کو قتل نہ کرنے کی صورت میں تم سے زیادہ رضامند ہوگا۔

اس پر شمر ابن ذی الجوشن (ملعون) نے زہیر بن قینؓ کو ایک تیر مارا اور کہا: خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ، خدا تمھارا منہ بند کرے تُو نے ہمیں اپنی طولانی گفتگو سے پریشان کر ڈالا ہے۔

زہیر بن قینؓ نے کہا: اے بدچلن ماں کے بیٹے! جو اپنے پیروں کے پیچھے پیشاب کرتی رہتی تھی، میں تجھ سے مخاطب نہیں ہوں۔ تُو تو جانور ہے میں نہیں سمجھتا کہ تُو کتابِ خدا کی دو آیتوں سے بھی واقف ہوگا۔ قیامت کے دن تجھے ذلت و رسوائی اور دردناک عذاب کی بشارت ہو۔

یہ سن کر شمر (لعین) نے کہا: خدا تجھے اور تیرے آقا کو ابھی موت دے دے۔

زہیر بن قینؓ نے کہا: کیا تُو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم! مجھ کو حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جان دینا تم لوگوں کے ساتھ دائمی زندگی گزارنے سے زیادہ عزیز ہے۔ پھر آپ اس قومِ اشقیاء کو بلند آواز میں مخاطب کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے: اے خدا کے بندو! تم اس سنگدل اور اس جیسوں کے فریب میں نہ آؤ۔ یہ لوگ تمھیں تمھارے دین کے متعلق دھوکا نہ دینے پائیں اور خدا کی قسم! جو قوم حضرت محمدؐ کی اولادؑ اور آپؐ کے اہلِ بیتؑ کا ناحق خون بہائے گی اور ان کی مدد کرنے والوں اور ان کے حرم کا دفاع کرنے والوں کو قتل کرے گی، وہ قیامت کے دن حضرت محمدؐ کی شفاعت سے محروم رہے گی۔

اتنے میں حضرت زہیر ابن قینؓ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے انھیں صدا دی کہ ابوعبداللہ حضرت امام حسینؑ آپ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ واپس آجاؤ اور مجھے میری جان کی قسم! جس طرح مومن آلِ فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور اپنی آخری کوشش تک ان کو حق کی طرف بلانے میں صرف کردی تھی تو آپؓ نے بھی اس قوم کو نصیحت کردی ہے اور پیغام پہنچا دیا ہے اگر نصیحت اور تبلیغ ان کے لیے نفع بخش ہوتی تو یہ نصیحت و تبلیغ ان کے لیے کافی ہے۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۳)

بُریر بن خُضیر کا خطبہ

بُریر بن خُضیر نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے قومِ اشقیاء کے سامنے خطاب کرنے کی اجازت طلب کی تو امامؑ نے انھیں بھی خطاب کی اجازت دے دی۔ آپ ایک بزرگ سردار، تابعی، عابد و زاہد اور قاریِ قرآن تھے۔ آپ کوفہ کی جامع مسجد میں قاریانِ قرآن کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ کو قبیلۂ ہمدان میں ایک خاص شرف اور مقام و مرتبہ حاصل تھا۔

حضرت بُریر لشکرِ یزید کے قریب جاکر کھڑے ہوئے اور ان سے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت کی بشارت دینے والا، جہنم سے ڈرانے والا، خدا کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث کیا۔ یہ دریائے فرات کا پانی جس سے خنزیر اور کتے سیراب ہو رہے ہیں، اس پانی اور رسولؐ خدا کے نواسےؑ کے درمیان تم لوگ حائل ہوگئے ہو۔ کیا تم نے یہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صلہ دیا ہے؟![1]

---

[1] امالی صدوق: ص ۹۶، مجلس ۳۰، پہلے ایڈیشن میں ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب پر پیاس کا غلبہ ہوا تو بُریر نے لشکرِ اشقیاء کے سامنے تقریر کی اجازت مانگی تو امامؑ نے انھیں اجازت دے دی۔

وہ ہمارے ساتھ ہیں، تم نے وہی تلواریں ہمارے خلاف اُٹھالیں، جس آگ کو ہمارے اور تمہارے مشترکہ دشمن نے روشن کیا تھا تم نے اسی آگ کو ہمارے خلاف ہی بھڑکاتے ہوئے اور تیز کر دیا۔ تم ناانصافی کرتے ہوئے اپنے اولیاء اور پیشواؤں کے خلاف دشمنوں کا ساتھ دیتے ہوئے ان کے مددگار بن گئے اور تمہارے دشمنوں نے تمہیں اس ناانصافی پر اکسایا تھا۔ اب تمہاری ان لوگوں سے وابستہ کوئی توقع اور اُمید پوری نہیں ہوگی۔ تم پر افسوس در افسوس ہے۔

تم نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہماری مدد سے انکار کر بیٹھے لیکن جس وقت تلواریں ابھی نیام میں ہی تھیں اور دل اطمینان کی کیفیت میں ہی تھے اور رائے اپنی جگہ پر مضبوط اور ایک تھی تو تم ٹکڑی کی طرح ہماری طرف تیزی سے بڑھتے تھے اور پروانوں کی طرح ہمارے گرد چکر لگاتے تھے۔ تمہارے چہرے سیاہ ہوجائیں تم کتنے بدبخت اور سرکش افراد ہو اور تم ان بگڑی ہوئی جماعتوں کے بچے کھچے افراد ہو جنھوں نے قرآن کو پسِ پشت ڈال دیا اور قرآن کی تحریف کی۔ تم لوگ بہت بڑے مجرم اور خیانت کار ہو۔ تم لوگوں نے شیطان کو اپنے دماغوں میں بسا لیا ہے اور سنتِ خدا کو فراموش اور ختم کرنے والے ہو! تم لوگوں پر افسوس ہے کہ ان سرکش لوگوں کے قوت بازو بنتے ہو اور ہماری مدد سے ہاتھ کھینچتے ہو۔ ہاں خدا کی قسم! تم میں دغابازی اور دھوکا دہی قدیم سے ہے۔ عہد شکنی اور بے وفائی تمہاری جڑوں اور رگوں میں سرایت کر چکی ہے اور تمہاری شاخیں اس غداری اور دھوکا دہی میں پروان چڑھی ہیں لہٰذا تم انتہائی نامبارک پھل ہو کہ جس کا باغبان رنجیدہ ہو اور یہ پھل اس رنجیدہ خاطر باغبان کے گلے میں تو اٹکتا ہے لیکن غاصب اور ظالم چور کے گلے میں اس کا ذائقہ لذت بخش ہوتا ہے!

آگاہ ہوجاؤ! اس دعویدار باپ کے دعویدار بیٹے نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار دیا ہے کہ یا تو میں تلوار کے ذریعے موت کا انتخاب کروں یا ذلت کے ساتھ زندہ رہنے کو قبول کروں اور یہ بات ہم سے بہت دُور ہے کہ ہم ذلت و رُسوائی کو قبول کریں کیونکہ خدا، اس کا رسولؐ اور مومن ہماری اس ذلت کو قبول کرنے پر ہرگز خوش اور رضامند نہیں۔ پاکیزہ ماؤں کی پاکیزہ آغوشیں اور غیرت مند آباؤ اجداد کے غیرت مند اور عزت و شرافت والے افکار و نظریات ہمیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم ذلت کو قبول کرتے ہوئے پست ترین اور کمینے لوگوں کے آگے ان کی اطاعت کرتے ہوئے جھک جائیں اور ہم اس ذلت کی زندگی کو عزت کی موت پر ترجیح نہیں دیتے۔ آگاہ رہو! میں اس چھوٹے سے گروہ اور مددگاروں کی قلت اور مدد کا وعدہ کر کے چھوڑ جانے والوں کے باوجود

زہیر بن قین ؓ نے کہا: اے بدچلن ماں کے بیٹے! جو اپنے پیروں کے پیچھے پیشاب کرتی رہتی تھی، میں تجھ سے مخاطب نہیں ہوں۔ تُو تو جانور ہے میں نہیں سمجھتا کہ تُو کتاب خدا کی دو آیتوں سے بھی واقف ہوگا۔ قیامت کے دن تجھے ذلت و رسوائی اور دردناک عذاب کی بشارت ہو۔

یہ سن کر شمر (لعین) نے کہا: خدا تجھے اور تیرے آقا کو ابھی موت دے دے۔

زہیر بن قین ؓ نے کہا: کیا تُو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم! مجھ کو حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جان دینا تم لوگوں کے ساتھ دائمی زندگی گزارنے سے زیادہ عزیز ہے۔ پھر آپ اس قومِ اشقیاء کو بلند آواز میں مخاطب کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے: اے خدا کے بندو! تم اس سنگدل اور اس جیسوں کے فریب میں نہ آؤ۔ یہ لوگ تمھیں تمھارے دین کے متعلق دھوکا نہ دینے پائیں اور خدا کی قسم! جو قوم حضرت محمدؐ کی اولادؑ اور آپؐ کے اہل بیتؑ کا ناحق خون بہائے گی اور ان کی مدد کرنے والوں اور ان کے حرم کا دفاع کرنے والوں کو قتل کرے گی، وہ قیامت کے دن حضرت محمدؐ کی شفاعت سے محروم رہے گی۔

اتنے میں حضرت زہیر ابن قین ؓ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے انھیں صدا دی کہ ابوعبداللہ حضرت امام حسینؑ آپ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ واپس آجاؤ اور مجھے میری جان کی قسم! جس طرح مومن آلِ فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور اپنی آخری کوشش تک ان کو حق کی طرف بلانے میں صرف کردی تھی تو آپؓ نے بھی اس قوم کو نصیحت کردی ہے اور پیغام پہنچا دیا ہے اگر نصیحت اور تبلیغ ان کے لیے نفع بخش ہوتی تو یہ نصیحت و تبلیغ ان کے لیے کافی ہے۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۳)

بُریر بن خُضَیر کا خطبہ

بُریر بن خُضَیر نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے قومِ اشقیاء کے سامنے خطاب کرنے کی اجازت طلب کی تو امامؑ نے انھیں بھی خطاب کی اجازت دے دی۔ آپ ایک بزرگ سردار، تابعی، عابد و زاہد اور قاریٔ قرآن تھے۔ آپ کوفہ کی جامع مسجد میں قاریانِ قرآن کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ کو قبیلۂ ہمدان میں ایک خاص شرف اور مقام و مرتبہ حاصل تھا۔

حضرت بُریر لشکرِ یزید کے قریب جا کر کھڑے ہوئے اور ان سے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت کی بشارت دینے والا، جہنم سے ڈرانے والا، خدا کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث کیا۔ یہ دریائے فرات کا پانی جس سے خنزیر اور کتے سیراب ہو رہے ہیں، اس پانی اور رسولؐ خدا کے نواسےؑ کے درمیان تم لوگ حائل ہو گئے ہو۔ کیا تم نے یہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صلہ دیا ہے؟![1]

---

[1] امالی صدوق: ص ۹۶، مجلس ۳۰۔ پہلے ایڈیشن میں ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب پر پیاس کا غلبہ ہوا تو بُریر نے لشکرِ اشقیاء کے سامنے تقریر کی اجازت مانگی تو امامؑ نے انھیں اجازت دے دی۔

یہ سن کر لشکرِ اشقیاء میں سے کچھ لوگ بول اُٹھے: اے بریرا تم نے بہت گفتگو کرلی ہے۔ اب ہمیں مزید کچھ نہیں سننا۔ خدا کی قسم! حسینؑ اب بھی اسی طرح پیاسے رہیں گے جس طرح پہلے پیاسے تھے۔

اس پر حضرت بریر نے کہا: اے لوگو! حضرت محمدؐ کی اولاد اس وقت اسی میدان میں تمھارے درمیان موجود ہے۔ یہ نبیؐ کی ذریت، عترت، آپؐ کی بیٹیاں اور آپؐ کے حرم ہیں، لہٰذا تم ہمیں یہ بتاؤ کہ تمھارے ذہنوں میں کیا ہے اور تم ان کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟

یزیدی لشکر نے جواب دیا: ہم انھیں امیر عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں اور پھر وہ ان کے متعلق جو بہتر سمجھے گا فیصلہ کرے گا۔

اس پر بریر نے کہا: کیا تم ان کی اس پیش کش کو قبول نہیں کرتے کہ یہ جس جگہ سے آئے تھے وہیں پر واپس لوٹ جائیں، اے کوفیو! تم پر پھٹکار ہو کیا تم اپنے وہ خطوط اور عہد و پیمان بھول گئے ہو جو ان سے کیے تھے اور تم نے ان خطوط کو اپنے عہد و پیمان کو اور خدا کو خود پر گواہ قرار دیا تھا؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ تم نے اپنے نبیؐ کے اہلِ بیتؑ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی اور تم اُس وقت یہ دعوے کر رہے تھے کہ تم اپنی جانوں کو ان کی خاطر قربان کردو گے لیکن جب یہ تمھارے پاس آگئے تو تم نے انھیں ابن زیاد (ملعون) کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا اور دریائے فرات کا پانی تک ان پر بند کردیا؟ تم نے اپنے نبیؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی اولاد سے انتہائی برا سلوک کیا۔ خدا تمھیں قیامت کے دن سیراب نہ کرے اور تم بہت بری قوم ہو۔

اس پر ابن سعد (ملعون) کے لشکر میں سے ایک شخص نے کہا: اے شخص! ہمیں کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ تُو کیا کہہ رہا ہے؟

پھر حضرت بریر نے کہا: شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے تم سے زیادہ بصیرت عطا کی۔ اے اللہ! میں ان لوگوں کے کرتوتوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔ اے خدایا! ان لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرما اور یہ اس حالت میں تیری بارگاہ میں پیش ہوں کہ تُو ان پر غضب ناک ہو۔

یہ سن کر لشکرِ اشقیاء ان کی طرف تیر پھینکنے لگا تو وہ سپاہِ حسینیؑ میں واپس چلے گئے۔ [1]

روزِ عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام کا دوسرا خطبہ

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور قرآن مجید کو کھول کر اپنے سر پر رکھا۔ امام علیہ السلام اس حالت میں لشکرِ یزید کے سامنے جاکر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

---

[1] بحارالانوار: ج ۱۰ میں مقتل محمد بن ابی طالب سے منقول ہے۔

یاقوم انّ بینی وبینکم کتاب الله وسنة جدّی رسول الله (تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۳)

"اے لوگو! میرے اور تمھارے درمیان کتابِ خدا اور میرے نانا رسولِ خدا کی سنت فیصلہ کرتی ہے"۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی ذاتِ مبارک کے ذریعے ان لوگوں سے یہ گواہی طلب کی اور فرمایا: کیا میرے پاس موجود تلوار، جنگی لباس اور عمامہ یہ سب رسولِ خدا کی چیزیں نہیں ہیں؟ سب نے تصدیق کی تو پھر امامؑ نے ان سے پوچھا: اس کے باوجود تم مجھے قتل کیوں کرنا چاہتے ہو؟

انھوں نے جواب دیا: اپنے امیر عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کی اطاعت کی خاطر۔

پھر امام علیہ السلام نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

تبًا لکم أیتها الجماعة وترحًا أحین استصرختمونا والهین فأصرخناکم موجفین سللتم علینا سیفاً لنا فی أیمانکم وحششتم علینا ناراً اقتدحناها علی عدونا وعدوکم فأصبحتم البًا لاعدائکم علی أولیائکم بغیر عدل أفشوه فیکم ولاأمل أصبح لکم فیهم، فهلا لکم الویلات! ترکتمونا والسیف مشیم والجأش طامن والرأی لما یستحصف، ولکن اسرعتم إلیها کطیرة[1] الدبا وتداعیتم علیها کتهافت الفراش ثم نقضتموها فسحقًا لکم یاعبید الأمة وشذاذ الأحزاب ونبذة الکتاب ومحرفی الکلم وعصبة الاثم ونفثة الشیطان ومطفئ السنن! ویحکم أهؤلاء تعضدون وعنا تتخاذلون! أجل والله غدر فیکم قدیم وشجت علیه أصولکم وتأزرت فروعکم فکنتم أخبث ثمرة، شجی للناظر وأکلة للغاصب! ألا وإنّ الدعی ابن الدعی قد رکزنی بین اثنتین بین السلة والذلة وهیهات منا الذلة یأبی الله لنا ذلک ورسوله والمؤمنون وحجور طابت وطهرت وانوف حمیة ونفوس أبیة من أن نؤثر طاعة اللئام علی مصارع الکرام، ألا وإنی زاحف بهذه الأسرة علی قلة العدد وخذلان الناصر

"اے لوگو! تم پر ہمیشہ خدا کی پھٹکار ہو اور ذلت و رسوائی تمھارا مقدر بنے گی۔ اب تم ہمیشہ مایوسیوں میں جیتے رہو گے، تم نے بڑے پرتپاک انداز میں ہمیں فریاد کرتے ہوئے بلایا اور جب ہم تمھاری فریادرسی کی خاطر تیزی سے تمھارے پاس آگئے تو جن تلواروں کی تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ

---

[1] تاج العروس میں ہے کہ طاء کے نیچے زیر اور یاء پر زبر ہے۔

وہ ہمارے ساتھ ہیں، تم نے وہی تلواریں ہمارے خلاف اٹھالیں، جس آگ کو ہمارے اور تمہارے مشترکہ دشمن نے روشن کیا تھا تم نے اسی آگ کو ہمارے خلاف ہی بھڑکاتے ہوئے اور تیز کردیا۔ تم ناانصافی کرتے ہوئے اپنے اولیاء اور پیشواؤں کے خلاف دشمنوں کا ساتھ دیتے ہوئے ان کے مددگار بن گئے اور تمہارے دشمنوں نے تمہیں اس ناانصافی پر اکسایا تھا۔ اب تمہاری ان لوگوں سے وابستہ کوئی توقع اور اُمید پوری نہیں ہوگی۔ تم پر افسوس در افسوس ہے۔

تم نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہماری مدد سے انکار کر بیٹھے لیکن جس وقت تلواریں ابھی نیام میں ہی تھیں اور دل اطمینان کی کیفیت میں ہی تھے اور رائے اپنی جگہ پر مضبوط اور ایک تھی تو تم مکڑی کی طرح ہماری طرف تیزی سے بڑھتے تھے اور پروانوں کی طرح ہمارے گرد چکر لگاتے تھے۔ تمہارے چہرے سیاہ ہوجائیں تم کتنے بدبخت اور سرکش افراد ہو اور تم ان بگڑی ہوئی جماعتوں کے بچے کھچے افراد ہو جنھوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا اور قرآن کی تحریف کی۔ تم لوگ بہت بڑے مجرم اور خیانت کار ہو۔ تم لوگوں نے شیطان کو اپنے دماغوں میں بسالیا ہے اور سنت خدا کو فراموش اور ختم کرنے والے ہو! تم لوگوں پر افسوس ہے کہ ان سرکش لوگوں کے قوت بازو بنتے ہو اور ہماری مدد سے ہاتھ کھینچتے ہو۔ ہاں خدا کی قسم! تم میں دغابازی اور دھوکا دہی قدیم سے ہے۔ عہد شکنی اور بے وفائی تمہاری جڑوں اور رگوں میں سرایت کرچکی ہے اور تمہاری شاخیں اس غداری اور دھوکا دہی میں پروان چڑھی ہیں لہٰذا تم انتہائی نامبارک پھل ہو کہ جس کا باغبان رنجیدہ ہو اور یہ پھل اس رنجیدہ خاطر باغبان کے گلے میں تو اٹکتا ہے لیکن غاصب اور ظالم چور کے گلے میں اس کا ذائقہ لذت بخش ہوتا ہے!

آگاہ ہوجاؤ! اس دعویدار باپ کے دعویدار بیٹے نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار دیا ہے کہ یا تو میں تلوار کے ذریعے موت کا انتخاب کروں یا ذلت کے ساتھ زندہ رہنے کو قبول کروں اور یہ بات ہم سے بہت دُور ہے کہ ہم ذلت و رسوائی کو قبول کریں کیونکہ خدا، اس کا رسولؐ اور مومن ہماری اس ذلت کو قبول کرنے پر ہرگز خوش اور رضامند نہیں۔ پاکیزہ ماؤں کی پاکیزہ آغوشیں اور غیرت مند آباؤاجداد کے غیرت مند اور عزت و شرافت والے افکار و نظریات ہمیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم ذلت کو قبول کرتے ہوئے پست ترین اور کمینے لوگوں کے آگے ان کی اطاعت کرتے ہوئے جھک جائیں اور ہم اس ذلت کی زندگی کو عزت کی موت پر ترجیح نہیں دیتے۔ آگاہ رہو! میں اس چھوٹے سے گروہ اور مددگاروں کی قلت اور مدد کا وعدہ کرکے چھوڑ جانے والوں کے باوجود

اپنے ہدف اور مقصد کی جانب گامزن اور اس کی تکمیل کے لیے آمادہ ہوں۔

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے فروہ بن مسیک المرادی[1] کے یہ اشعار پڑھے:

فإن نهزم فهزامون قدماً — وإن نهزم فغير مهزمينا

وما إن طبنا جبن ولكن — منايانا و دولة آخرينا

فقل للشامتين بنا افيقوا — سيلقى الشامتون كما لقينا

إذا ما الموت رفع عن أناس — بكلكله أناخ بآخرينا

"اگر ہم اپنے دشمن پر فتح یاب ہو جائیں تو ہم اس سے پہلے بھی فتح یاب ہوتے آئے ہیں اور اگر ہم ظاہری طور پر شکست بھی کھا جائیں تو پھر بھی یہ شکست ہمارا مقدر نہیں ہے۔ لیکن ڈر، خوف اور بزدلی ہمارا شیوہ نہیں ہے اگرچہ اس وقت حالات اس قدر پیچیدہ ہو چکے ہیں کہ اس کا ظاہری طور پر فائدہ ہمارا دشمن اٹھا سکتا ہے۔ ہمیں ملامت کرنے والوں سے کہہ دو کہ کل تمہیں بھی ہماری طرح ملامت کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا۔ کیونکہ موت جب بھی اونٹ کو ایک دروازے سے اٹھاتی ہے تو اسے دوسرے دروازے پر ضرور بٹھاتی ہے"۔

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے خطبہ کو مزید جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

---

[1] مولف نے یہ اشعار "اللہوف" ص ۵۴ سے نقل کیے ہیں جب کہ ابن عساکر نے "تاریخ الشام" ج ۴، ص ۳۳۳، اور خوارزمی نے "مقتل الحسین" ج ۲، ص ۶ پر بھی ان اشعار کو ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے یہ اشعار ذرا مختلف انداز میں نقل کیے ہیں۔ ابن حجر نے "الاصابۃ" ج ۳، ص ۲۰۵ میں تحریر کیا ہے کہ "فروہ بن مسیک ۹ ہجری میں قبیلہ مذحج کے افراد کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قبیلہ مراد، مذحج اور زبید کا سردار متعین کیا۔ "الاستیعاب" میں ہے کہ یہ عمر کے دور خلافت میں کوفہ میں سکونت پذیر ہوا۔ "الروض الانف" ج ۲، ص ۳۴۴ کے حاشیہ پر ہے کہ سیرت ابن ہشام میں یہ مذکور ہے کہ جب قبیلہ مراد اور ہمدان میں آپس میں لڑائی ہوئی تھی۔ اس وقت اس نے نو ابیات اشعر کہے لیکن اس نے تیسرا اور چوتھا بیت اشعر ذکر نہیں کیا جب کہ "اللہوف" میں ان دونوں ابیات کے ساتھ سات ابیات مذکور ہیں اور "الاغانی" ج ۱۹، ص ۷۹ پر ہے کہ فرزدق نے ان اشعار کو اپنے ماموں علاء بن قرظہ کی طرف یہ کہتے ہوئے منسوب کیا:

اذا ما الدهر جر على الناس — بكلكله اناخ بآخرينا

فقل للشامتين۔۔۔۔ الخ۔ ابن عساکر نے "تاریخ الشام" ج ۴، ص ۳۳۴، اور خوارزمی نے "مقتل الحسین" ج ۲، ص ۷ پر پہلے اور دوسرے شعر کو ذکر کیا ہے لیکن ان اشعار کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ سید مرتضیٰ نے "الامالی" ج ۱، ص ۱۸۱ پر ان اشعار کو ذوالاصبع العدوانی کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ ابن قتیبہ کی "عیون الاخبار" ج ۳، ص ۱۴، اور تبریزی کی "شرح الحماسہ" ج ۳، ص ۱۹۱ پر ہے کہ یہ فرزدق کے اشعار ہیں۔ "حماسہ بصریہ" ص ۳۰ پر ہے کہ یہ دونوں اشعار فروہ بن مسیک کے ایک قصیدہ کے ہیں اور یہ دونوں شعر عمر بن قعاس کے لیے بیان کیے گئے۔

أما واللہ لا تلبثون بعدھا الا کریثما یورکب الفرس، حتی تدور بکم دور الرحی وتقلق بکم قلق المحور، عھد عھدہ اِلیّ أبی من جدی رسول اللہ: فاجمعوا أمرکم وشرکائکم ثم لا یکن أمرکم علیکم غمۃ ثم اقضوا الیّ ولا تنظرون اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورۂ ہود: آیت ۵۶) [1]

"آگاہ رہو خدا کی قسم! اس کے بعد تمھیں ہرگز یہ مہلت نہیں دی جائے گی کہ تم اپنے مقاصد کی تکمیل کرسکو مگر صرف اس قدر مہلت ملے گی جس قدر ایک سوار اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے یہاں تک کہ تمھیں زمانہ حوادث کی چکی میں گھما دے گا اور تم چکی کے پاٹ کی طرح اس کے ساتھ پریشان حال رہو گے اور یہ وہ وعدہ ہے جو میرے پدر بزرگوار حضرت علیؑ نے میرے نانا بزرگوار رسولؐ خدا سے میرے متعلق سنا تھا۔ "پس! تم تمام لوگ اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر جو کام میرے بارے میں کرنا چاہتے ہو مقرر کرلو اور وہ تمھاری جماعت کو معلوم ہوجائے اور کسی سے پوشیدہ نہ رہے اور پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو اور" بے شک! میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر توکل کرتا ہوں کہ جو میرا اور تمھارا پروردگار ہے اور ہر حرکت کرنے والے کا اختیار اس کے دست قدرت میں ہے اور بے شک میرا پروردگار صراط مستقیم پر ملتا ہے"۔

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے یوں بددعا کی:

اللھم احبس عنھم قطر السماء وابعث علیھم سنین کسنی یوسف وسلط علیھم غلام ثقیف یسقیھم کاساً مصبرۃ فانھم کذبونا وخذلونا وأنت رَبُّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ [2]

واللہ لا یدع أحداً منھم إلا انتقم لی منہ قتلۃ بقتلۃ وضربۃ بضربۃ وإنہ لینتصر لی ولأھل بیتی واشیاعی۔ [3]

"اے خدا! ان لوگوں پر آسمان سے بارش کے قطروں کو روک لے اور ان پر یوں قحط اور خشک سالی مسلط فرما جیسے حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں سخت ماہ وسال تھے اور ان پر قبیلہ ثقیف کے نوجوان کو غلبہ عطا فرما جو انھیں ذلت ورسوائی کی تلخی کا مزہ چکھائے کیونکہ ان اشقیاء نے ہمیں جھٹلایا اور دشمن کے

---

[1] تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۴، مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۷، لہوف: ص ۵۴

[2] ایضاً

[3] مقتل العوالم: ص ۸۴

مقابلے میں ہماری مدد کرنے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور "بے شک اتُو ہی ہمارا رب ہے اور ہم نے تیری ذات پر ہی بھروسا کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔
اے اللہ! تو ان میں کسی کو سزا دیے بغیر نہ چھوڑنا اور ان سب کو اپنے انتقام کی گرفت میں جکڑ لے اور قتل کے بدلے انھیں قتل کر اور مار پیٹ کے بدلے تُو بھی ان کو مار پیٹ کر اور تُو ہی میرا، میرے اہلِ بیتؑ اور میرے اصحاب و پیروکاروں کا انتقام لے اور ہماری مدد فرما"۔

عمر ابن سعد (ملعون) کی گمراہی

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد (ملعون) کو طلب کیا کہ لیکن عمر بن سعد (لعین) یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ امامؑ کی خدمت میں جائے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے امامؑ کے پاس آیا تو امامؑ نے اس سے کہا: اے عمر! کیا تُو یہ گمان کرتا ہے کہ تُو مجھے قتل کرے گا اور یہ حرام زادہ (ابن زیاد) تجھے "رَے" اور "جرجان" کے علاقے کی حکومت دے دے گا۔ خدا کی قسم! تم ہرگز اس بات پر خوش نہ ہونا یہ ایک ایسا عہد و پیمان ہے جو پہلے سے طے شدہ ہے اور تُو جو کرنا چاہتا ہے کر لے۔ بے شک! تُو میری شہادت کے بعد دنیا اور آخرت میں ہرگز خوشی نہ دیکھے گا گویا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے قتل کے بعد کوفہ کے بچے تمھارے سر کو ایک بانس پر چڑھا کر ایک دوسرے کی طرف کھلونا بناتے ہوئے اچھال رہے ہیں۔ یہ سن کر عمر بن سعد غصے کی حالت میں اپنا رُخ امامؑ سے پھیرتا ہوا واپس چلا گیا۔ (تظلم الزہرا: ص ۱۱۰، مقتل العوالم: ص ۸۴، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۸)

حضرت حُر کی توبہ

جب حضرت حُر بن یزید ریاحی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی گفتگو اور استغاثہ سنا تو عمر بن سعد کے پاس جا کر اس سے پوچھتے ہیں: کیا تم واقعی اس شخص (حضرت امام حسینؑ) سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟
عمر بن سعد (لعین) نے جواب دیا: ہاں خدا کی قسم! اس کے ساتھ جنگ کرنا اس وقت زیادہ آسان ہے بجائے یہ کہ سر کٹ کر گریں اور ہاتھ قطع ہونے لگیں۔
حضرت حُرؓ نے کہا: حضرت امام حسینؑ نے تمھارے سامنے جو تجاویز پیش کی تھیں ان پر تمھیں کیا اعتراض ہے؟
عمر بن سعد (لعین) نے جواب دیا: اگر ان کا یہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ان کی یہ تجویز قبول کر لیتا لیکن تمھارے امیر نے اسے رد کر دیا ہے۔
عمر بن سعد (لعین) کا یہ جواب سن کر حضرت حُرؓ اس کے پاس سے اٹھ کر دوسرے لوگوں کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور آپ کے پہلو میں قرہ بن قیس تھا۔ جنابِ حُرؓ نے اس سے پوچھا: کیا تُو نے آج اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے؟

اس نے جواب دیا: نہیں۔ پھر حضرت حُرؓ نے پوچھا: کیا تم اسے پانی پلانا چاہتے ہو؟ ان کے اس سوال سے قرہ کو یہ گمان ہوا کہ حُرؓ یہاں سے جانا چاہتے ہیں اور وہ یہ پسند نہیں کر رہے کہ انھیں یہاں سے جاتے ہوئے کوئی دیکھے اس لیے قرہ وہاں سے دُور ہٹ گیا اور حضرت حُرؓ آہستہ آہستہ حضرت امام حسینؑ کے قریب ہونے لگے۔

یہ منظر دیکھ کر مہاجر بن اوس نے حضرت حُرؓ سے پوچھا: کیا آپ حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

یہ سن کر حضرت حُرؓ خاموش ہو گئے اور وہ تھر تھر کانپنے لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر مہاجر کو کچھ شک ہونے لگا تو اس نے حضرت حُرؓ سے کہا: اگر مجھ سے کوئی یہ پوچھے کہ کوفہ والوں میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو میں تمھارا نام لوں گا، میں اس وقت تمھاری یہ کیا کیفیت دیکھ رہا ہوں؟

اس پر حضرت حُرؓ نے جواب دیا:

إنّي أخيّر نفسي بين الجنة والنار والله لا أختار على الجنة شيئًا ولو احرقت

"بے شک! میں خود کو جنت اور جہنم کے درمیان پا رہا ہوں۔ خدا کی قسم! میں کسی شے کو بھی جنت پر ترجیح نہیں دوں گا اگرچہ مجھے اس کی خاطر جلا ہی کیوں نہ دیا جائے"۔

اس کے بعد حضرت حُرؓ نے اپنے گھوڑے کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے خیموں کی طرف بھگا دیا۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۴۴)۔ اس وقت حضرت حُرؓ کی حالت یہ تھی کہ آپ نے اپنا نیزہ نیچے جھکا رکھا تھا اور اپنی ڈھال کو الٹا کر کے تھام رکھا تھا[1] اور آپؓ نے اپنا سر آلِ رسولؐ سے شرمسار ہونے کی وجہ سے جھکا رکھا تھا کیونکہ آپؓ یہ سمجھ رہے تھے کہ رسولِ خدا کی آلؑ پر آنے والی مصیبتوں کا میں ذمہ دار ہوں کیونکہ میں نے ہی ان کو ایسی جگہ پر ٹھہرایا ہے کہ جہاں پانی اور سبزے کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

حضرت حُرؓ نے حضرت امام حسینؑ کے خیمہ کے قریب پہنچ کر بلند آواز میں یہ صدا لگائی:

اللهم إليك انيب فتب عليّ، فقد أرعبت قلوب أوليائك وأولاد نبيك يا أبا عبد الله إني تائب فهل لي من توبة

"اے اللہ! میں تیری طرف رجوع کر رہا ہوں اور تیری بارگاہ میں معافی کا طلب گار ہوں۔ پس! تو میری توبہ کو قبول فرما۔ میں نے تیرے خاص بندوں اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے دلوں کو دُکھایا ہے! اے ابا عبداللہ! میں توبہ کا طلب گار ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے"۔

---

[1] یہ عربوں میں صلح کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ (مؤلف)

یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ کو قبول کر لیا ہے۔ [1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ سن کر حضرت حُرؓ کا دل باغ باغ ہو گیا اور انھیں اپنی ابدی زندگی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے سرفراز ہونے کا یقین ہو گیا۔ حضرت حُرؓ نے حضرت امام حسینؑ کو بتایا کہ جب میں کوفہ سے نکل رہا تھا تو میں نے ہاتف غیبی کی یہ صدا سنی: أبشر یا حُر بالجنة "اے حُر! تجھے جنت کی بشارت ہو!" تو میں نے جواب میں کہا: ویل للحر یبشر بالجنة وهو یسیر الی حرب ابن بنت رسول الله "حُر کے لیے افسوس کا مقام ہے کہ اسے جنت کی بشارت دی جارہی ہے حالانکہ یہ تو رسولؐ خدا کی بیٹی کے بیٹے سے جنگ کے لیے جا رہا ہے"۔ (امالی صدوق: ص ۹۳، مجلس ۳۰)

یہ سن کر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا:

لقد أصبت خیراً وأجراً۔

"حُر! بے شک تم نے خدا کی بشارت کو پہچان لیا اور یزیدیوں کو چھوڑ کر رسولؐ خدا کی آلؑ سے ملحق ہو گئے ہو اور خود کو اس بشارت تک پہنچا دیا"۔

حضرت حُرؓ کے ساتھ ان کا ترکی غلام بھی تھا۔ [2]

حضرت حُرؓ کی کوفیوں کو نصیحت

اس کے بعد حضرت حُرؓ نے حضرت امام حسینؑ سے ان اشقیاء سے خطاب کرنے کی اجازت طلب کی تاکہ انھیں وعظ و نصیحت کرسکیں تو امام علیہ السلام نے انھیں اس بات کی اجازت دے دی۔ پھر حضرت حُرؓ یزیدیوں کو بلند آواز میں مخاطب کرتے ہوئے فرمانے لگے:

یا أهل الکوفة لأمکم الهبل والعبر إذ دعوتموه وأخذتم بکظمه وأحطتم به من کل جانب فمنعتموه التوجه الی بلاد الله العریضة حتی یأمن وأهل بیته، واصبح کالاسیر فی أیدیکم لا یملك لنفسه نفعاً ولا ضراً وحلأتموه ونساءه وصبیته وصحبه عن ماء الفرات الجاری الذی یشربه الیهود والنصاریٰ والمجوس وتمرغ فیه خنازیر السواد وکلابه! وهاهم قد صرعهم العطش بئسما خلفتم محمداً فی ذریته لاسقاکم الله یوم الظمأ۔

---

[1] لہوف: ص ۵۸، امالی صدوق: ص ۹۷، مجلس ۳۰، روضۃ الواعظین: ص ۱۵۹

[2] "مثیر الاحزان" ابن نما، ص ۳۱۔ "مقتل الحسینؑ" ج ۲، ص ۹ میں ہے کہ ان کے ساتھ ترکی غلام تھا۔

"اے کوفہ والو! تمھاری مائیں تمھارے غم میں روئیں کیونکہ تم نے حضرت امام حسینؑ کو اپنے پاس کوفہ میں آنے کی دعوت دی اور جب وہ تشریف لے آئے تو ان کی بردباری کا ناجائز فائدہ اُٹھایا اور انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور تم نے انھیں خدا کی وسیع وعریض زمین میں کہیں نہ جانے دیا کہ وہ اور ان کے خاندان والے امن وامان کی زندگی گزار سکیں اور یہ تمھارے ہاتھوں میں اس قیدی کے مانند ہو گئے ہیں جو نہ تو خود کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان ہٹا سکتے ہیں اور تم نے اس بہتے ہوئے دریائے فرات کے پانی کو ان پر، ان کی مستورات پر، ان کی اولاد اور ان کے اصحاب پر بند کر دیا ہے کہ جس دریا کے پانی سے یہودی، عیسائی اور مجوسی سیراب ہو رہے ہیں اور اس میں کالے خنزیر اور کتے لوٹ پھوٹ رہے ہیں لیکن یہ لوگ اسی بہتے ہوئے دریا کے کنارے پیاس کی شدت سے نڈھال ہیں۔ تم نے رسولِ خدا حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد ان کی اولاد سے بہت برا سلوک کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں روزِ آخرت میں کہ جس دن پیاس کی شدت ہوگی سیراب نہ کرے"۔

ان کی یہ باتیں سن کر ابن سعد کی پیادہ فوج نے ان پر تیروں سے حملہ کر دیا تو یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں واپس آکر آپؑ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۷)

پہلا حملہ

عمر ابن سعد حضرت امام حسینؑ کے لشکر کی جانب بڑھا اور اس نے ایک تیر حسینی لشکر کی جانب پھینکتے ہوئے کہا: تم سب لوگ امیر کے دربار میں میرے بارے میں یہ گواہی دینا کہ پہلا تیر میں نے پھینکا تھا۔ اس کے بعد یزیدی لشکر کے دوسرے افراد نے بھی حسینی لشکر کی طرف تیر پھینکے [1] حضرت امام حسینؑ کے اصحاب میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے تیروں سے مجروح نہ ہُوا ہو۔ [2]

یہ منظر دیکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

قوموا رحمکم اللہ إلی الموت الذی لابد منہ، فإنّ ہذہ السہام رسل القوم إلیکم

"خدا تم پر رحم فرمائے۔ اُٹھو اور موت کی جانب بڑھو بے شک! کسی کے لیے موت سے فرار ممکن نہیں ہے اور یہ تیر قومِ اشقیاء کی طرف سے تم لوگوں کی طرف موت کا پیغام ہیں"۔

---

[1] الخطط المقریزیہ: ج ۲، ص ۲۸۷

[2] مقتل العوالم: ص ۸۴

پھر حضرت امام حسینؑ کے اصحاب نے مل کر یزیدی لشکر پر حملہ کیا۔ [1] وہ ایک گھنٹہ تک دشمنوں سے نبرد آزما رہے اور جنگ کے دوران اُڑنے والے غبار کے بیٹھنے تک حضرت امام حسینؑ کے پچاس ساتھی شہید ہو چکے تھے۔ [2]

زیاد کے غلام یسار اور عبیداللہ بن زیاد (ملعون) کے غلام سالم نے میدانِ جنگ میں آکر اپنے مقابلے کے لیے للکارا تو حسینی لشکر سے حضرت حبیب اور حضرت بریر ان کی جانب بڑھنے لگے تو حضرت امام حسینؑ نے انھیں اجازت نہ دی۔ پھر بنوعلیم سے عبداللہ بن عمیر کلبی جن کی کنیت "ابووہب" تھی، یہ دراز قد، قوی بازو اور کشادہ سینہ رکھنے والے ایک آزمائے ہوئے بہادر انسان تھے اور اپنی قوم میں شرافت و بزرگی اور شجاعت کے لحاظ سے پہچانے جاتے تھے۔ یہ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان غلاموں کے مقابلہ کے لیے اجازت طلب کی تو امام علیہ السلام نے انھیں ان دو غلاموں کے مقابلہ پر جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا: تم ان دونوں کو موت کا مزہ چکھاؤ۔

جب حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی ان دو غلاموں کے مقابلہ پر میدان میں اُترے تو انھوں نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ حضرت عبداللہ بن عمیر نے انھیں حسب و نسب بتایا تو انھوں نے کہا: ہم تم کو نہیں جانتے۔ ہمارے مقابلہ کے لیے زہیر، حبیب یا بریر کو میدان میں بھیجو۔

زیاد کا غلام یسار ان کے قریب تھا، حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی نے اسے للکارا: اے زانیہ کے بیٹے! کیا میرا مقابلہ کرنے سے بھاگ رہے ہو، پھر آپ نے اس پر اپنی تلوار سے کاری ضرب لگائی۔ حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی یسار سے لڑائی میں مشغول تھے کہ عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کا غلام سالم پیچھے سے ان کی جانب لپکا تو اصحابِ حسینؑ نے حضرت عبداللہ کو دُور سے آواز دے کر بتایا کہ وہ غلام آپ کی جانب لپک رہا ہے لیکن جنابِ عبداللہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سالم نے تلوار سے ان پر وار کیا۔ جنابِ عبداللہ کو اتنی فرصت میسر نہ آئی کہ ڈھال سے اپنا دفاع کر سکتے اس لیے انھوں نے بچاؤ کے لیے اپنا بایاں ہاتھ آگے کیا تو ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی نے اس شقی پر وار کر کے اسے واصلِ جہنم کر دیا اور رجز پڑھتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے ان دونوں بدبختوں کو واصلِ جہنم کر دیا ہے۔

جنابِ عبداللہ بن عمیر کلبی کی زوجہ اُمِ وہب بنت عبداللہ جن کا تعلق قبیلہ نمر بن قاسط سے تھا، یہ خیمہ کی ایک چوب لے کر عبداللہ بن عمیر کی جانب یہ کہتے ہوئے بڑھیں کہ "حضرت محمد ﷺ کی پاک و طیب اولاد کی خاطر جنگ کرنے والے پر میرے ماں باپ قربان ہوں"۔

---

[1] الملہوف: ص ۵۶

[2] بحارالانوار میں جناب محمد بن ابی طالب سے منقول ہے۔

یہ دیکھ کر جناب عبداللہ بن عمیر نے انھیں واپس خیمہ میں بھیجنا چاہا لیکن وہ نہ مانیں اور جناب عبداللہ کے لباس کو مضبوطی سے تھام کر کہا: "میں اس وقت تک آپ کا دامن اور ساتھ نہیں چھوڑوں گی جب تک کہ میں بھی آپ کے ساتھ شہید نہ ہو جاؤں"۔

اس پر حضرت امام حسینؑ نے اُم وھب کو آواز دی:

جزیتم من اھل بیت نبیکم خیراً ارجعی الی الخیمة فانه لیس علی النساء قتال

"آپ نے نبیؐ کے اہل بیتؑ کی محبت میں تم لوگوں نے جو تکالیف اٹھائی ہیں خدا اس پر آپ کو جزائے خیر دے تم واپس خیمہ کی طرف پلٹ جاؤ کیونکہ عورتوں پر جہاد کرنا واجب نہیں ہے"۔

امام علیہ السلام کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اُم وھب واپس خیمہ میں چلی گئیں۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۴۵، تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۷)

دو دو اور چار چار سپاہیوں کا آپس میں جنگ کرنا

جب اصحابِ حسینؑ میں سے باقی بچ جانے والوں نے دیکھا کہ ان کے زیادہ تر ساتھی شہید ہو چکے ہیں تو اب دو، تین اور چار چار افراد مل کر مقابلے پر نکلنے لگے۔ وہ حضرت امام حسینؑ سے اجازت طلب کرتے کہ انھیں میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دی جائے تا کہ آپؑ کی حمایت اور آپؑ کے حرم کا دفاع کرسکیں۔ ان میں سے ہر ایک امامؑ کو دشمنوں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ قبیلہ جابری کے دو جوان جن کے نام سیف بن حارث بن سریع اور مالک بن عبد بن سریع تھے، یہ دونوں آپس میں چچازاد اور مادری بھائی تھے۔ یہ دونوں روتے ہوئے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امامؑ نے ان سے پوچھا: تم دونوں کیوں رو رہے ہو؟ مجھے یقین ہے کہ تم دونوں کی آنکھوں کو تھوڑی ہی دیر میں ٹھنڈک پہنچ گی۔

ان دونوں نے جواب دیا: ہم اپنی جانیں آپؑ پر فدا کرنا چاہتے ہیں، ہم خود پر نہیں بلکہ آپؑ پر رو رہے ہیں اس لیے کہ دشمن نے آپؑ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپؑ کو کوئی فائدہ پہنچانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ ان کے اس قول پر امامؑ نے انھیں جزائے خیر کی دعا دی۔ پھر وہ دونوں امامؑ کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۹)

پھر عروہ غفاری کے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: دشمن نے آپؑ کو گھیر لیا ہے لہٰذا ہمیں جنگ کی اجازت دیں۔ امامؑ نے انھیں اجازت دی تو وہ امامؑ کے سامنے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ان کے بعد عمرو بن خالد صیداوی، عمرو کا غلام سعد، جابر بن حارث سلمانی اور مجمع بن عبداللہ عائذی ① حضرت امام حسینؑ کی اجازت سے میدانِ جنگ کی طرف بڑھے۔ ان چاروں نے اپنی تلواروں سے کوفیوں پر سخت حملہ کیا اور یہ حملہ کرتے ہوئے اور دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے یزیدی لشکر کے اندر چلے گئے۔ یزیدی لشکر نے انھیں گھیرے میں لے لیا اور ان کا اصحابِ حسینؑ سے رابطہ کٹ گیا تو حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو ان کی خبرگیری کے لیے روانہ کیا۔ حضرت عباسؑ نے یزیدی لشکر پر بپھرے ہوئے شیر کے مانند حملہ کر کے انھیں یزیدیوں کے محاصرے سے نکال لیا لیکن اس سے قبل یہ چاروں زخمی ہو چکے تھے۔ جب یہ خیامِ حسینؑ کی طرف واپس آ رہے تھے تو راستے میں دشمن نے ان پر قریب ہو کر حملہ کیا۔ ان جوانوں نے اپنے زخموں کے باوجود خوب جنگ کی یہاں تک کہ یہ چاروں ساتھی ایک ہی جگہ پر شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۵۵)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا استغاثہ اور دو انصاریوں کی ہدایت

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کی اکثریت کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی ریش مبارک کو پکڑ کر فرمایا:

اشتد غضب الله على اليهود إذ جعلوا له ولداً، واشتد غضبه على النصارى إذ جعلوه ثالث ثلاثة واشتد غضبه على المجوس إذ عبدوا الشمس والقمر دُونه، واشتد غضبه على قوم اتفقت كلمتهم على قتل ابن بنت نبيهم، أما والله لا أجيبهم إلى شيء مما يريدون حتى ألقى الله وأنا مخضب بدمي، ثم صاح: أما من مغيث يغيثنا! أما من يذب عن حرم رسول الله

(لہوف: ص ۵۷)

"اللہ تعالیٰ اس وقت یہودیوں پر سخت غضب ناک ہوا جب انھوں نے خدا کا بیٹا قرار دیا اور وہ اس وقت عیسائیوں پر سخت غضب ناک ہوا جب انھوں نے اسے تین خداؤں کے مجموعہ میں تیسرا قرار دیا تھا، اور وہ اس قوم (اُمت مسلمہ) پر اس وقت سخت غضب ناک ہوا جب یہ سب اپنے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کے قتل پر متفق ہوئے۔ آگاہ رہو خدا کی قسم، یہ اشقیاء جو کچھ چاہتے ہیں میں ہرگز وہ قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ یہ مجھے خون میں نہلا کر موت سے ہمکنار کر دیں۔ پھر امامؑ نے بلند آواز میں فرمایا: کیا کوئی ایسا مددگار ہے جو ہماری مدد اور فریاد رسی کرے! کیا کوئی ایسا شخص ہے جو رسولِ خدا کے حرم کا دفاع کرے"۔

① الاصابۃ: ج ۳، ص ۹۴، قسم ۳ میں ہے کہ مجمع بن عبداللہ بن مجمع بن مالک بن ایاس بن عبدمنات بن سعد نے کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی ہمراہی میں جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے یہ کلمات اور استغاثہ سن کر مستورات گریہ کرنے لگیں اور بہت زیادہ آہ و فغاں ہونے لگی۔
انصار کے دو جوانوں سعد بن حارث اور اس کے بھائی ابوالحتوف نے حضرت امام حسینؑ کو نصرت طلب کرتے، فریادرسی کے لیے استغاثہ بلند کرتے ہوئے اور آپؑ کی مستورات کے رونے پیٹنے کی آوازیں سنیں تو ان کے دل پر گہرا اثر ہوا حالانکہ یہ ابن سعد (ملعون) کے لشکر میں تھے۔ ان دونوں نے تلواریں نیام سے نکالیں اور دشمنانِ حسینؑ پر ٹوٹ پڑے اور ان دشمنانِ خدا سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (الحدائق الوردیہ، قلمی و خطی نسخہ)

میمنہ والوں کی ثابت قدمی

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد کم ہو گئی اور وہ یکے بعد دیگرے دشمن سے دوبدو مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوتے گئے اور انھوں نے بہت سارے (شامی اور) کوفیوں کو فی النار کیا تھا۔ (شامی اور) کوفیوں کو یوں فی النار ہوتے ہوئے دیکھ کر عمرو بن حجاج نے اپنے ساتھیوں کو چیختے ہوئے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ تم کن لوگوں سے جنگ کر رہے ہو؟ تم لوگ زمین کے شہسواروں اور بابصیرت لوگوں سے برسرِ پیکار ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود اپنی موت کے طلب گار ہیں اور تم میں سے جو بھی ان کے مقابلہ پر جنگ کے لیے میدان میں نکلتا ہے تو اپنی تعداد کی قلت کے باوجود اُسے موت سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر تم ان پر صرف پتھر ہی برساتے رہو تو تم انھیں قتل کر دو گے!! یہ سن کر عمر ابن سعد نے کہا: تم نے سچ کہا اور تمھاری رائے درست ہے۔ یہ بات تمام لشکر والوں تک پہنچا دو اور انھیں یہ بھی بتا دو کہ کوئی ان کے مقابلہ کے لیے دوبدو میدان میں نہ نکلے اس لیے کہ اگر یہ ایک ایک کر کے سپاہِ حسینیؑ کے مقابلہ پر نکلتے رہے تو وہ تم سب لوگوں کو ختم کر دیں گے۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۹)

اس کے بعد عمرو بن حجاج نے حسینی لشکر کے میمنہ (دائیں طرف پر مامور دستہ) پر حملہ کیا۔ حسینی جوان استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور انھوں نے اپنے نیزے سیدھے کر لیے۔ یہ منظر دیکھ کر عمرو بن حجاج کے گھڑسوار آگے نہ بڑھ سکے اور ذلت و رُسوائی کے ساتھ واپس لوٹ گئے جب کہ حضرت امام حسینؑ کے اصحاب نے ان پر تیروں سے حملہ کیا جس سے کئی یزیدی واصلِ جہنم اور کئی زخمی ہوئے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۷)

عمرو بن حجاج اپنے ساتھیوں کو بلند آواز میں کہہ رہا تھا: ان لوگوں سے جنگ کرو جو دین سے خارج ہو گئے ہیں اور جنھوں نے اُمت میں اختلاف و انتشار پیدا کیا۔

اس پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسے جواب دیتے ہوئے باآواز بلند فرمایا:

ویحك یا عمرو أعلیّ تحرّض الناس؟ أنحن مرقنا من الدین وانت تقیم علیه؟ ستعلمون

اذا فارقت ارواحنا اجسادنا من اولی بصلی النار ("البدایہ" ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۸۲)

"وائے ہو تجھ پر اے عمرو! کیا تُو لوگوں کو میرے خلاف اُکسا رہا ہے؟ کیا ہم دین سے خارج ہو گئے اور تُو دین پر قائم ہے؟ عنقریب جب ہماری روحیں ہمارے جسموں سے جدا ہو جائیں گی تو تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون جہنم کا زیادہ حق دار ہے"۔

حضرت مسلم ابن عوسجہ کی شہادت

اس کے بعد عمرو بن حجاج نے دریائے فرات کی طرف سے اصحاب حسینؑ پر حملہ کیا اور ایک گھنٹہ تک جنگ ہوتی رہی۔ اس دوران حضرت مسلم ابن عوسجہ ان یزیدیوں سے برسر پیکار رہے۔ آپ پر مسلم ابن عبداللہ الضبابی اور عبداللہ بن خشکارہ البجلی حملہ آور ہوئے۔ اس گھمسان کی جنگ کے دوران ہر طرف فضا میں بہت زیادہ گرد و غبار اُڑ رہا تھا۔ جب گرد و غبار ختم ہوا تو حضرت مسلم ابن عوسجہ کو شہداء کے درمیان دیکھا گیا لیکن ابھی تک ان میں کچھ جان باقی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت امام حسینؑ اور حضرت حبیب ابن مظاہرؓ ان کے پاس تشریف لائے۔ حضرت امام حسینؑ نے مسلم ابن عوسجہ سے فرمایا:

رَحِمَكَ اللهُ يَا مُسْلِمُ! فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔ (سورہ احزاب: آیت ۲۳)

"اے مسلم! خدا آپ پر رحم فرمائے، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو (اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے) موت سے ہمکنار ہو چکے اور کچھ انتظار کر رہے ہیں اور انھوں نے اپنے فیصلہ میں کوئی رد و بدل نہیں کیا"۔

پھر حضرت حبیب ابن مظاہر نے حضرت مسلم ابن عوسجہ سے کہا: اے مسلم! تمھاری موت کا صدمہ میرے لیے بہت گراں ہے لیکن میں تم کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔

حضرت مسلم ابن عوسجہ نے آہستہ سے کہا: خدا تمھیں نیکی کی بشارت دے۔

اس پر حضرت حبیب ابن مظاہر نے کہا: اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ میں بھی تمھارے پیچھے شہادت سے سرفراز ہو کر آ رہا ہوں تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ تم اپنے اہم اُمور اور معاملات کے متعلق مجھے وصیت کرو۔

حضرت مسلم ابن عوسجہ نے حضرت امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب حبیب سے کہا: میں آپ کو حضرت امام حسینؑ کے متعلق وصیت کرتا ہوں کہ آپؑ کی خاطر اپنی جان قربان کر دینا۔

حضرت حبیب ابن مظاہر نے جواب میں کہا: ربِ کعبہ کی قسم! میں ایسا ہی کروں گا۔

پھر حضرت امام حسینؑ اور حضرت حبیب کے سامنے مسلم ابن عوسجہ کی روح پرواز کر گئی۔ اس کے بعد حضرت مسلم ابن عوسجہ

کی کنیزان پر آہ وزاری کرنے لگی:

وا مسلماہ، یا سیداہ، یا ابن عوسجتاہ۔

جب کہ عمرو ابن حجاج کے ساتھی یہ صدا لگا رہے تھے کہ ہم نے مسلم کو قتل کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر شبث ابن ربعی نے اپنے اطراف میں موجود لوگوں سے کہا: تمھاری مائیں تمھارے غم میں بیٹھ کر روئیں! کیا مسلم جیسی شخصیت کے قتل ہونے پر تم لوگ خوشیاں منا رہے ہو! مجھے میرے رب کی قسم! میں نے آذر بائیجان کی جنگ میں مسلمانوں کے درمیان مسلم کا انتہائی دلیرانہ اور کریمانہ اقدام دیکھا کہ انھوں نے مسلمانوں کے گھوڑے جنگ پر آمادہ ہونے سے پہلے ہی چھے مشرکوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ (تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۴۹)

میسرہ والوں پر حملہ

شمر (ملعون) اور اس کے ساتھیوں کا ایک گروہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بائیں طرف موجود اصحاب حسینؑ پر حملہ آور ہوا لیکن حسینی لشکر کے ان بہادروں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اِن یزیدی سپاہیوں کو ذلت و رسوائی والی پسپائی سے دوچار کیا۔ اس معرکہ میں بھی عبداللہ بن عمیر کلبی جنگ کرتے رہے اور انھوں نے یزیدی فوج میں سے انیس سواروں اور بارہ پیادوں کو فی النار کیا۔ پھر ہانی بن ثبیت الحضرمی نے آپ پر حملہ کرتے ہوئے آپ کا دایاں بازو قطع کر دیا اور بکر بن حی نے آپ کی پنڈلی کو قطع کیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲،ص ۲۱۷)

پھر آپ کو قیدی کرتے ہوئے آرام سے قتل کر دیا۔ [1] آپ کی شہادت کے بعد آپ کی زوجہ اُم وھب آپ کے جسدِ اطہر پر آئیں اور آپ کے سر کے قریب بیٹھ کر اس سے خون صاف کیا اور کہا: آپ کو جنت کی مبارک باد دیتی ہوں اور خدا سے التجا کرتی ہوں کہ جس نے آپ کو جنت عطا کی ہے وہ مجھے بھی آپ کے ساتھ اس جنت میں رکھے۔

پھر شمر (ملعون) نے اپنے غلام رستم سے کہا: اس عورت کے سر پر لوہے کا راڈ مارو تو اس (لعین) نے اس مومنہ کا سر پھوڑ دیا اور وہ اسی جگہ پر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ یہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھیوں میں سے پہلی شہیدہ تھیں۔ [2]

یزیدیوں نے عبداللہ بن عمیر کلبی کا سر کاٹنے کے بعد اسے حضرت امام حسینؑ کی طرف پھینکا تو ان کی ماں نے یہ سر اُٹھا کر اس سے خون صاف کیا۔ پھر خیمہ کی چوب لے کر دشمنوں کی طرف بڑھیں لیکن حضرت امام حسینؑ نے انھیں واپس خیمہ میں بھیج دیا اور فرمایا:

---

[1] یہ ابن اثیر نے بیان کیا ہے جب کہ مقتل الخوارزمی: ج ۲،ص ۱۳ پر مرقوم ہے کہ ان کا دایاں بازو کاٹنے کے بعد بایاں بازو قطع کیا گیا۔

[2] تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۵۱، جب کہ مسند احمد بن حنبل، ج ۲،ص ۱۰۰، پہلے ایڈیشن میں ابن عمر سے مروی ہے کہ رسولِ خدا ایک جنگ کے دوران مقتولین کے پاس سے گزرے تو وہاں ایک عورت کو مقتولہ دیکھا تو آپؐ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا۔

ارجعی رحمک اللہ فقد وضع عنک الجهاد

"خدا آپ پر رحم فرمائے، آپ واپس چلی جائیں کیونکہ خدا نے آپ پر جہاد کو فرض قرار نہیں دیا"۔

پھر وہ واپس خیمہ میں چلی گئیں اور کہا:

اللهم لا تقطع رجائی "اے اللہ! میری اُمید کو منقطع نہ فرما"۔

اس پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

لا یقطع اللہ رجاءک "خدا تمھاری اُمید کو منقطع نہیں کرے گا"۔ (تظلم الزہرا: ص ۱۱۳)

شمر (ملعون) نے خیام حسینی پر حملہ کرتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کے خیمہ میں اپنا نیزہ مار کر کہا: مجھے آگ دو تا کہ میں اس خیمہ اور اس میں رہنے والوں کو جلا دوں۔

اس کا یہ گستاخانہ جملہ سن کر مستورات چیخ و پکار کرتی ہوئیں خیمہ سے باہر نکل آئیں اور حضرت امام حسینؑ نے شمر (ملعون) کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

یا ابن ذی الجوشن انت تدعوا بالنار لتحرق بیتی علی اهلی احرقک اللہ بالنار

"اے ذی الجوشن کے تخم! تو اس لیے آگ منگوا رہا ہے تا کہ میرے خیمہ کو میرے خاندان سمیت جلا سکے خدا تمھیں جہنم کی آگ میں جلائے"۔

شبث بن ربعی نے شمر (ملعون) سے کہا: کیا تو صرف عورتوں کو ڈرا دھمکا سکتا ہے؟ میں نے تیری بکواس سے بری بکواس کبھی نہیں سنی اور نہ ہی کبھی تیرے اس برے اقدام سے برا اقدام کسی کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

شبث کی یہ سرزنش کرنے والے جملے سن کر وہ بے حیا شرمندہ ہو کر واپس لوٹ گیا جب کہ زہیر بن قین نے اپنے دس ساتھیوں سمیت شمر (لعین) کے ساتھیوں پر حملہ کر کے انھیں خیام حسینی سے دُور بھگا دیا۔ ①

عزرہ مزید فوج طلب کرتا ہے

عزرہ بن قیس جو کہ عمر ابن سعد (ملعون) کے لشکر کے گھڑسواروں کا سردار تھا، جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کے ساتھیوں کو پسپائی ہو رہی ہے اور جب بھی انھوں نے حسینی لشکر پر اپنے سواروں کے ساتھ حملہ کیا ہے تو انھیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے عمر ابن سعد (ملعون) کے پاس پیغام بھیجا کہ ہماری مدد کے لیے مزید سپاہی روانہ کرو۔ تو عمر ابن سعد نے شبث ابن ربعی سے کہا: کیا تم ان کی مدد کے لیے پیش قدمی نہیں کرو گے؟ شبث نے جواب دیا: سبحان اللہ! اس شہر کے

① تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۱، جب کہ خوارزمی نے مقتل الحسینؑ ج ۲، ص ۱۶ پر اسے مختصراً بیان کیا ہے۔

بزرگ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے اس لیے تم ہی اس کے لیے کچھ کرو اور تمھارے پاس اتنی فوج ہے کہ اگر میں نہ بھی جاؤں تو وہ عزرہ بن قیس کی مدد کے لیے کافی ہے۔ شبث ابن ربعی ابھی تک حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کو ناپسند کر رہا تھا اور وہ اس پر راضی نہیں تھا۔ عمر ابن سعد نے شبث کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے علیؑ ابن ابی طالبؑ اور آپؑ کے بعد ان کے بیٹے (حضرت امام حسنؑ) کے ہمرکاب ہو کر پانچ سال تک ابوسفیان کی اولاد سے جنگ کی۔ پھر ہم علیؑ ابن ابی طالبؑ کے بیٹے (حضرت امام حسینؑ) کے دشمن بن گئے حالانکہ وہ روئے زمین پر تمام رہنے والوں میں سب سے بہتر اور نیک فرد ہیں جب کہ آج ہم لوگ معاویہ کی اولاد اور زانیہ سمیہ کے گمراہ بیٹے کے ہمراہ اس شخص سے جنگ کر رہے ہیں۔ اے گمراہ شخص! خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اس شہر کے لوگوں کو اب کبھی بھلائی عطا نہیں کرے گا اور انھیں رُشد و ہدایت سے سرفراز نہیں فرمائے گا۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۱)

پھر عمر ابن سعد (لعین) نے حصین بن نمیر کو پانچ سو تیر اندازوں کے ساتھ اس کی مدد کے لیے روانہ کیا اور گھمسان کی جنگ ہوئی۔ امام حسینؑ کے اکثر اصحاب اس دوران زخمی ہوئے یہاں تک کہ ان کے گھوڑوں کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں اور وہ پیادہ جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ [1] یزیدی لشکر ایک طرف سے سپاہِ حسینی کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا کیونکہ اصحابِ امام حسینؑ کے خیمے ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے، اس لیے ابن سعد نے پیادوں کو خیامِ حسینی کی جانب روانہ کیا تا کہ وہ ان پر دائیں اور بائیں طرف سے حملہ کر کے ان کے گرد گھیرا تنگ کرتے ہوئے ان کا محاصرہ کر لیں تو اس حالت میں حضرت امام حسینؑ کے اصحاب میں سے تین چار ساتھی خیموں سے باہر نکلتے اور وہ ان لوگوں پر حملہ کرتے۔

ابن سعد (لعین) نے کہا: ان کے خیموں کو آگ لگا دو اور پھر ان اشقیاء نے خیامِ حسینی کو آگ لگا دی۔ یہ منظر دیکھ کر خواتین چیخنے چلانے لگیں اور بچے سہم گئے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں کو خیمے جلانے دو اگر انھوں نے خیموں کو آگ لگا بھی دی تو یہ تم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور پھر ایسا ہی ہوا جیسے امامؑ نے فرمایا تھا۔ [2]

حضرت ابوالشعثاء

ابوالشعثاء الکندی کا نام یزید بن زیاد ہے اور یہ ابن سعد (ملعون) کے ساتھ تھے۔ جب لشکرِ یزید نے حضرت امام حسینؑ کی شرائط کو قبول نہ کیا تو یہ یزیدی لشکر کو چھوڑ کر حسینی لشکر میں شامل ہو گئے۔ یہ ایک تیر انداز تھے اور حضرت امام حسینؑ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور انھوں نے سو تیر یزیدی لشکر کی طرف پھینکے۔ جب یہ تیر پھینک رہے تھے تو امام علیہ السلام

---

[1] اعلام الوریٰ: ص ۱۴۵، تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۸

[2] تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۸، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۱۶

انھیں دعا دے رہے تھے: "اے اللہ! اس کے تیروں کو نشانے پر لگا اور اس کا ثواب اسے جنت کی شکل میں عطا فرما"۔

جب ان کے تیر ختم ہو گئے تو وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ میں نے ان اشقیاء میں سے پانچ کو فی النار کر دیا ہے۔ [1] پھر آپ نے یزیدی لشکر پر حملہ کرتے ہوئے نو یزیدیوں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد شہادت کا منصب پایا۔ [2]

زوال کا وقت

ابوثمامہ صائدی [3] سورج کی طرف متوجہ ہوئے تو وقتِ زوال ہو چکا تھا اور انھوں نے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا: "میری جان آپؑ پر فدا ہو! میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپؑ کے دشمن آپؑ کے قریب آ چکے ہیں۔ لیکن نہیں، خدا کی قسم! یہ اس وقت تک آپؑ کو شہید نہیں کر سکتے یہاں تک کہ میں آپؑ پر اپنی جان نثار کر دوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا کی بارگاہ میں اس حالت میں حاضر ہوں کہ جس نماز کا وقت ہو چکا ہے، میں وہ نماز ادا کر چکا ہوں"۔

یہ سن کر حضرت امام حسینؑ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا:

ذکرت الصلاۃ جعلک اللہ من المصلین الذاکرین، نعم ھذا اوّل وقتھا سلوھم ان یکفوا عنا حتی نصلی۔

"تم نے اس وقت نماز کو یاد کیا، خدا تمھیں نمازیوں اور ذکرِ خیر کرنے والوں میں سے قرار دے۔ ہاں یہ نماز کا اوّل وقت ہے اور ان (اشقیاء) سے کہو کہ اس وقت تک جنگ سے باز رہیں یہاں تک کہ ہم نماز ادا کر لیں"۔

اس پر حصین نے کہا: تم نماز پڑھ بھی لو تو یہ قبول نہیں ہوگی۔ [4]

---

[1] تاریخ طبری: ج۶، ص۲۵۵

[2] امالی صدوق: ص۹۷، مجلس ۳۰۔ جب کہ ذخیرۃ الدارین میں ہے کہ انھوں نے انیس یزیدیوں کو واصلِ جہنم کیا۔

[3] ابن حزم کی "جمھرۃ انساب العرب" ص۳۷۳، اور ہمدانی کی "الاکلیل" ج۱۰، ص۹۷ پر ہے کہ ابوثمامہ کا نام ونسب زیاد بن عمرو بن عریب بن حنظلہ بن دارم صائدی ہے اور یہ امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔ تاریخ طبری، ص۱۵۱، اور زیارت ناحیہ میں ان کا نام ابوثمامہ عمرو بن عبداللہ صائدی مذکور ہے۔ ابن اثیر کی "اللباب" ج۲، ص۳۶ پر ہے کہ صائدی قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ صائد کی طرف منسوب ہے اور کعب بن شرحبیل کا نام صائد ہے۔ ساتج

[4] وسائل الشیعہ، ج۱، ص۲۴۷، باب ۳۱، مواقیت الصلاۃ (مطبوعہ عین الدولہ) میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جنگِ صفین کے دوران بار بار نماز کا وقت دیکھ رہے تھے کہ ابن عباسؓ نے آپؑ سے پوچھا: اے امیر المومنینؑ! آپؑ یہ کیا کر رہے ہیں؟ امامؑ نے جواب دیا: میں بار بار سورج کو دیکھ رہا ہوں۔ ابن عباسؓ نے کہا: اس وقت ہم سب جنگ میں مشغول ہیں اور آپؑ کو نماز کا خیال ہے۔ امامؑ نے فرمایا: ہم ان سے نماز قائم کرنے کے لیے ہی تو جنگ کر رہے ہیں۔ جنگِ صفین میں لیلۃ الھریر کو بھی آپؑ نے نمازِ شب ترک نہ کی۔

حبیب ابن مظاہرؓ کی شہادت

حصین بن نمیر نے جب یہ کہا کہ حسینؑ تم نماز پڑھ بھی لو تو یہ قبول نہیں ہوگی۔

اس پر حضرت حبیب ابن مظاہرؓ نے اس بدبخت کو جواب دیا: اے گدھے! کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ آلِ رسولؐ کی نماز قبول نہ ہوگی اور تیری نماز قبول ہوگی!

یہ سن کر حصین غضب ناک ہوگیا اور حضرت حبیبؓ پر حملہ کر دیا۔ حضرت حبیبؓ نے جواباً اس پر اپنی تلوار سے وار کیا جو اس کے گھوڑے کے چہرے پر لگی اور یہ اپنے گھوڑے سے چھٹ گیا مگر گھوڑے پر سنبھل نہ سکا اور زمین پر آ گرا لیکن اس کے ساتھیوں نے اسے حضرت حبیبؓ کے چنگل سے چھڑا لیا اور وہ سب ان پر یک بارگی حملہ آور ہوئے۔ (مقتل الحسینؑ، خوارزمی: ج ۲، ص ۱۷)

لیکن حضرت حبیب ابن مظاہرؓ نے یوں جواں مردی سے جنگ کی کہ اپنی کبرسنی کے باوجود باسٹھ یزیدیوں کو واصلِ جہنم کر دیا۔ اسی اثناء میں بدیل بن صریم ملعون نے ان پر تلوار سے وار کیا اور قبیلہ تمیم کے ایک ملعون نے ان کو نیزہ مارا جس سے آپ زمین پر گر گئے اور ابھی اُٹھ ہی رہے تھے کہ حصین نے اپنی تلوار سے ان کے سر پر وار کیا اور آپ منہ کے بل گر پڑے۔ پھر قبیلہ تمیم کا وہی ملعون آگے بڑھا جس نے آپ کو نیزہ مارا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر آپ کا سرتن سے جدا کر دیا۔ حضرت حبیب ابن مظاہرؓ کی شہادت سے حضرت امام حسینؑ بہت زیادہ افسردہ ہوئے اور فرمایا:

عند اللہ احتسب نفسی وحماۃ اصحابی [1]

"میں خدا کی بارگاہ میں اپنی اور اپنے اصحاب کی موت کا حساب لوں گا"۔

پھر امام علیہ السلام نے کئی دفعہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

حر بن یزید الریاحی کی شہادت

اس کے بعد حر بن یزید ریاحی جنگ کے لیے میدان کی طرف نکلے۔ ان کے ہمراہ زہیر بن قینؓ تھے جو پشت کی طرف سے ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ جب دونوں میں سے ایک شخص حملہ کرتا اور وہ لڑائی کے دوران مشکل میں پھنس جاتا تو دوسرا شخص اس کی حفاظت کرتا اور دشمن کے حملے سے بچاتا اور یہ دونوں کافی وقت تک یوں ہی لڑتے رہے۔ [2]

---

[1] کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۹، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۱۔ جب کہ مقتل الحسینؑ خوارزمی: ج ۲، ص ۱۹ پر مرقوم ہے کہ قبیلہ تمیم کے بدیل بن صریم نے حضرت حبیبؓ کا سر کاٹ کر اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکا دیا اور جب یہ کوفہ میں داخل ہوا تو حبیب بن مظاہر کا بیٹا جو ابھی بالغ بھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے اس کے گھوڑے کے ساتھ اپنے باپ کا سر لٹکا ہوا دیکھا تو اس پر جھپٹ کر اسے قتل کر دیا اور اس سے اپنے بابا کا سر لے لیا۔

[2] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۲۔ البدایہ: ج ۸، ص ۱۸۳

حضرت حُرؑ کے گھوڑے کے دونوں کانوں اور ماتھے پر زخم آئے اور ان سے خون بہہ رہا تھا۔ اس وقت وہ عرب کے مشہور شاعر عنترہ کے ان اشعار کو زبان پر جاری کیے ہوئے تھے:

ما زلت أرميهم بثغرة نحره ولبانه حتى تسربل بالدم

"میں ہمیشہ انھیں ہنسلی کی ہڈی اور سینہ کے قریب مارتا ہوں یہاں تک کہ یہ خون سے بھیگ جاتے ہیں"۔

حصین بن نمیر نے حضرت حُر کے دیرینہ دشمن یزید بن سفیان سے کہا: یہ حُر ہے جس کو قتل کرنا تمھاری دیرینہ خواہش تھی۔

یزید بن سفیان نے جواب دیا: ہاں! ایسا ہی ہے اور پھر وہ میدان میں نکل کر حضرت حُر کو مقابلے کے لیے للکارنے لگا لیکن حضرت حُر نے تھوڑی ہی دیر میں اُسے واصلِ جہنم کر دیا۔ پھر ایوب بن مشرح الخیوانی نے حضرت حُر کے گھوڑے کو تیر مار کر چلنے سے معذور کر دیا تو حضرت حُرؑ گھوڑے سے اُتر کر لڑنے لگے۔ آپ اس وقت بپھرے ہوئے شیر کے مانند یزیدیوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ [1] آپ نے پیادہ جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ یزیدی لشکر کے چالیس سے زائد اشقیاء کو فی النار کیا۔ [2] پھر ابن سعد (ملعون) کے لشکر نے حضرت حُرؑ پر یکبارگی سے حملہ کیا اور انھیں شہید کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ کے اصحاب نے انھیں اُٹھا کر ان شہیدوں کے خیمہ کے سامنے رکھ دیا جو راہِ حسینؑ میں جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ اسی طرح ہر شہید کو لا کر اس خیمہ کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا اور حضرت امام حسینؑ اس جملے کو زبان پر جاری کرتے:

قتلة مثل قتلة النبيين وآل النبيين [3]

"اس کی شہادت انبیاؑ اور انبیاؑ کی اولاد کی شہادت کے مانند ہے"۔

پھر حضرت امام حسینؑ جناب حُر کی طرف متوجہ ہوئے جو ابھی سانس لے رہے تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے ان کے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے فرمایا:

انت الحر كما سمتك أمك وأنت الحر في الدنيا والآخرة

"تم حُر (آزاد و جواں مرد) ہو جس طرح کہ تمھاری ماں نے تمھارا نام حُر رکھا تھا اور تم دنیا اور آخرت میں حُر ہو"۔

---

[1] تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۸-۲۵۰

[2] مناقب ابن شہرآشوب: ج۲، ص ۲۱۷، مطبوعہ ایران

[3] یہ "تظلم الزہراء" ص ۱۱۸ اور "بحار الانوار" ج۱۰، ص ۱۱۷ اور ج۳، ص ۳۵ پر نعمانی کی "الغیبۃ" ص ۱۴۳ باب ما یلحق الشیعہ من التمحیص سے ماخوذ ہے۔ تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۵۶ اور کامل ابن اثیر: ج۴، ص ۳۰ اور شیخ مفیدؒ کی "الارشاد" میں ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے میدان میں ہی ایک خیمہ نصب کیا تھا جہاں پر شہدا کے لاشے رکھ دیے جاتے تھے۔ انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے درج بالا جملہ کو تحریر نہیں کیا جو ان شہدا کے تقدس کو واضح کرتا ہے۔

اس کے بعد حضرت امام حسینؑ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے حضرت حُرؓ کی شہادت پر مرثیہ کہا اور کہا جاتا ہے کہ وہ علیؑ بن الحسینؑ (حضرت امام زین العابدین علیہ السلام) تھے۔ ① بعض مورخین نے کہا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے خود وہ اشعار بیان فرمائے تھے جو کہ درج ذیل ہیں:

لنعم الحر حر بنی ریاح　　　صبور عند مشتبك الرماح

ونعم الحر إذ فادی حسینًا　　　وجاد بنفسه عند الصباح

"حُر بن ریاح کیا خوب آزاد جواں مرد ہے جو تیر اور نیزے جسم پر لگتے وقت بہت صبر کرنے والا ہے۔ اور حُر بہت اچھا آزاد جواں مرد ہے کہ جب امام حسینؑ نے استغاثہ بلند کیا اور اس نے صبح کے وقت اپنی جان کو حسینؑ پر قربان کر دیا"۔ (روضۃ الواعظین: ص ۱۶۰، امالی صدوق: ص ۹۷، مجلس ۳۰)

نمازِ ظہر کی ادائیگی

حضرت امام حسین علیہ السلام ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے باقی بچ جانے والے اصحاب کے ہمراہ نمازِ خوف ادا کی۔ حضرت امام حسینؑ کے آگے آپؑ کے زندہ اصحاب میں سے آدھے صحابیوں کے ساتھ زہیر بن قینؓ اور سعید بن عبداللہ حنفیؓ کھڑے ہو گئے۔ ② بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب نے اشاروں کے ذریعے فرادیٰ نماز ادا کی۔ ("مثیر الاحزان": ابن نما، ص ۴۴)

جب سعید بن عبداللہ حنفی زخموں سے چور چور ہو گئے تو وہ زمین پر گر پڑے۔ اس وقت وہ یہ کہہ رہے تھے:

اللھم العنھم لعن عاد وثمود وأبلغ نبیك منی السلام وابلغه ما لقیت من الم الجراح فإنی أردت بذلك ثوابك فی نصرة ذریة نبیك (مقتل العوالم: ص ۸۸)

"اے اللہ! ان لوگوں پر لعنت کر کہ جیسے قومِ عاد اور ثمود پر لعنت کی تھی اور میری طرف سے اپنے نبیؐ کی خدمت میں سلام پہنچا اور اس راہ میں میں نے جو زخموں کا درد پایا ہے وہ اپنے نبیؐ کو بتا دے اور میں نے تیرے نبیؐ کی اولاد کی مدد صرف تیرے ثواب کے حصول کی خاطر کی ہے"۔

---

① مقتل العوالم: ص ۸۵، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۱۱

② مقتل العوالم: ص ۸۸ اور مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۱۷۔ مؤلف کی رائے کے مطابق میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی نماز قصر تھی کیونکہ آپؑ دو محرم کو کربلا پہنچے تھے اور آپؑ اپنے نانا رسولؐ خدا کی احادیث اور اپنے علمِ امامت کی بنا پر یہ جانتے تھے کہ انھیں ۱۰ محرم کو شہید کر دیا جائے گا۔ اس لیے جب تک دس دن کے قیام کا ارادہ نہ ہو تو نماز کی ادائیگی قصر ہی کی جائے گی، لیکن جس شخص کو ان امور کی معرفت نہیں ہے وہ قیاس کرتا ہے کہ امامؑ نے نمازِ خوف ادا کی تھی۔

اس کے بعد وہ حضرت امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرتے ہیں: اے فرزندِ رسولؐ! کیا میں نے آپؑ سے وفا کی ہے؟

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: ہاں! تم نے وفا کا حق ادا کر دیا اور تم مجھ سے پہلے جنت میں جا رہے ہو۔ (ذخیرة الدارین: ص۱۸۷)۔ اس کے بعد وہ شہید ہو گئے اور ان کے جسم پر تیر، نیزوں اور تلواروں کے زخموں کے علاوہ تیرہ تیر بھی پیوست تھے۔ (اللہوف: ص ۶۲)

جب حضرت امام حسینؑ نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے اصحاب سے فرمایا:

یا کرام هذه الجنة قد فتحت أبوابها واتصلت أنهارها واينعت ثمارها وهذا رسول الله والشهداء الذين قتلوا في سبيل الله يتوقعون قدومكم ويتباشرون بكم فحاموا عن دين الله ودين نبيه وذبوا عن حرم الرسول۔

"اے عزت دار لوگو! یہ جنت کے دروازے تم پر کھول دیے ہیں اور اس کی نہریں ایک دوسرے سے متصل ہیں اور اس کے پھل پکے ہوئے ہیں اور یہ رسولِؐ خدا اور وہ شہدا ہیں جو راہِ خدا میں منصبِ شہادت پر فائز ہوئے۔ یہ لوگ جنت میں تمھاری آمد کے منتظر ہیں اور یہ تمھاری اس جاں نثاری پر ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کر رہے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ کے دین کا دفاع کرو اور رسولؐ کے خاندان کی مستورات کی حفاظت کرو"۔

اس پر آپؑ کے اصحاب نے جواب دیا: ہماری جانیں آپؑ پر قربان ہوں اور ہمارا خون آپؑ کے خون کی حفاظت کرے۔ خدا کی قسم! جب تک ہماری رگوں میں خون دوڑ رہا ہے۔ یہ اشقیاء آپؑ کو اور آپؑ کے خاندان کی مستورات کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (اسرار الشہادة: ص ۱۷۵)

گھوڑوں کو لنگڑا کرنا

اس کے بعد عمر بن سعد (ملعون) نے عمرو بن سعید جو کہ تیر اندازوں کے ایک دستہ پر سردار مقرر تھا، کو یہ حکم دیا کہ حسینؑ کے ساتھیوں پر تیروں کی بارش کر دو۔ پھر ان اشقیاء نے اصحابِ حسینؑ پر تیروں کی بارش کر دی اور ان کے گھوڑوں کو لنگڑا کر دیا۔ (مثیر الاحزان ابن نما: ص ۳۴)

حضرت امام حسینؑ کے ساتھیوں میں صرف ایک گھڑسوار باقی بچا اور وہ ضحاک بن عبداللہ مشرقی تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں کو تیروں سے لنگڑا ہوتے ہوئے دیکھا تو میں اپنا گھوڑا لے کر اپنے ساتھیوں کے خیمہ

میں داخل ہو گیا اور ان لوگوں نے اشقیا سے سخت جنگ کی۔ (طبری: ج ۶، ص ۲۵۵)

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے جو بھی جنگ کے لیے میدان میں جانے کا ارادہ کرتا تو وہ امام علیہ السلام کو اس جملہ کے ذریعے الوداع کہتا:

السّلام علیك یا ابن رسول الله

اور امام علیہ السلام اسے جواب دیتے:

وعلیك السلام، ہم بھی تمھارے پیچھے آرہے ہیں۔

پھر امامؑ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۲۳ کی تلاوت فرماتے:

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○ (سورۂ احزاب: آیت ۲۳)

''ان میں سے کچھ لوگ موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں اور کچھ اس انتظار میں ہیں اور انھوں نے اس فیصلہ میں رد و بدل نہیں کیا''۔ (مقتل العوالم: ص ۸۵، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۲۵)

ابو ثمامہ صائدی کی شہادت

ابو ثمامہ صائدی میدان میں جنگ کے لیے نکلے اور خوب جنگ کی یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو گئے۔ آپ کا ایک چچازاد عمر ابن سعد (ملعون) کے لشکر میں تھا۔ اس کا نام قیس بن عبداللہ تھا اور ان دونوں کے درمیان عداوت اور دشمنی تھی، جس کی بنا پر اس نے ابو ثمامہ پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔

زہیر ابن قین اور سلمان ابن مضارب

سلمان بن مضارب البجلی، حضرت زہیر بن قینؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ یہ حضرت امام حسینؑ کی طرف سے جنگ کے لیے میدان میں گئے اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کی شہادت کے بعد زہیر بن قینؓ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے حضرت امام حسینؑ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر یہ اشعار پڑھتے ہوئے جنگ کی اجازت طلب کی:

اقدم هدیت هادیاً مهدیاً فالیوم القی جدك النبیا

وحسنا والمرتضی علیًا وذا الجناحین الفتا الکمیا

واسد الله الشهید الحیا

''میں اپنی جان اس ہستی پر قربان کردوں جو ہدایت دینے والی اور ہدایت یافتہ ہے۔ آج میں آپؑ کے نانا نبیؐ سے ملاقات کروں گا اور میں حضرت حسنؑ اور حضرت علی مرتضیٰؑ اور دو پَروں والے جواں مرد

شجاع حضرت جعفر طیارؑ اور خدا کے شیر حمزہ جو شہید اور زندہ ہیں سے ملاقات کروں گا"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب میں کہا: میں بھی آپ کے پیچھے ان کی ملاقات کے لیے آرہا ہوں۔

زہیر بن قینؓ یزیدی لشکر پر حملہ کرتے ہوئے یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انا زهير وانا ابن القين   اذودكم بالسيف عن الحسين

"میں زہیر ابن قین ہوں اور اپنی تلوار سے تمھارے خلاف حضرت حسینؑ کا دفاع کروں گا"۔

آپ نے ایک سو بیس یزیدیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ پھر اچانک کثیر بن عبداللہ الشعبی اور مہاجر بن اوس نے آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ جب حضرت امام حسینؑ آپ کی لاش پر پہنچے تو یہ جملے کہے:

لا يبعدنك الله يا زهير ولعن قاتليك لعن الذين مسخوا قردة وخنازير

"اے زہیر! خدا تجھے اپنی رحمت سے ہرگز دُور نہ کرے اور آپ کے قاتلوں پر خدا کی یوں لعنت ہو جیسے بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ ہونے والوں پر خدا نے لعنت کی"۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۵۳، مقتل الخوارزمی: ج۲، ص۲۰)

عمرو بن قرظہ کی شہادت

عمرو بن قرظہ انصاری[1] آئے اور حضرت امام حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو کر دشمن کے حملوں سے آپؑ کی حفاظت کرنے لگے، تاکہ حضرت امام حسینؑ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ آپؑ دشمن کی طرف سے آنے والے تیروں کو اپنے سینے اور پیشانی پر کھانے لگے۔ جب وہ زخموں سے چور چور ہو گئے تو حضرت امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کیا میں نے وفا کر دی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! تم نے خوب وفا کی، تم مجھ سے پہلے جنت جا رہے ہو۔ جنت میں رسولِ خدا کو میری طرف سے سلام کہنا اور انھیں بتانا کہ میں بھی تمھارے پیچھے آرہا ہوں۔ پھر وہ شہید ہو گئے۔ (مقتل العوالم: ص ۸۸)

عمرو بن قرظہ کی شہادت کے بعد اس کے بھائی علی جو ابن سعد کے لشکر میں تھا، نے یہ صدا دی: اے حسینؑ! اے کذاب! (نعوذ باللہ) تُو نے میرے بھائی کو دھوکا دیتے ہوئے قتل کروا دیا۔ اس پر حضرت امام حسینؑ نے اسے جواب دیا: میں نے

---

① ابن حزم کی "جمهرة انساب العرب" ص ۳۴۵ پر مذکور ہے کہ یہ عمرو بن عامر بن زید مناۃ بن مالک الاغر کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا والد قرظہ بن کعب بن عمرو ابن اطنابہ کے نام سے معروف شاعر تھا اور قرظہ کا دادا عمرو بھی شاعری کرتا تھا جب کہ قرظہ بن عمرو کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام عمرو تھا جو حضرت امام حسینؑ کے ہم رکاب ہو کر شہید ہوا اور اس کا دوسرا بیٹا عمر ابن سعد کے لشکر میں تھا لیکن مورخین نے اس کا نام تحریر نہیں کیا۔

تیرے بھائی کو کوئی دھوکا نہیں دیا بلکہ خدا نے اسے ہدایت اور تمہیں گمراہی عطا کی۔ پھر اس شقی نے کہا: اگر میں تجھے قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کرے۔ پھر اس نے حضرت امام حسینؑ پر حملہ کردیا تاکہ انھیں نیزہ مار سکے لیکن اس کے راستے میں نافع بن ہلال جملی حائل ہوگئے اور اسے نیزہ مار کر پچھاڑ دیا۔ پھر اس ملعون کے ساتھی اسے اُٹھا کر لے گئے اور اس کا علاج کیا تو وہ تندرست ہوگیا۔ (کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۷)

نافع بن ہلال جملی کی شہادت

نافع بن ہلال جملی مذحجی نے ہر تیر پر اپنا نام تحریر کیا، پھر ان زہر آلود تیروں کے ذریعے دشمن کو نشانہ بنایا[1] اور وہ تیر پھینکتے وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

أرمي بها معلمة أفواقها مسمومة تجري بها أخفاقها

ليملأن أرضها رشاقها والنفس لا ينفعها اشفاقها

''میں ایسے تیر پھینک رہا ہوں جن کے سوفار سدھائے ہوئے اور یہ زہر آلود ہیں جن سے دلوں کی دھڑکن تیز اور مضطرب ہوجاتی ہے تاکہ ان تیروں کے پھینکنے سے زمین پُر ہوجائے اور ان سے ڈرنے سے کسی کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا''۔[2]

آپ نے اپنے تیروں سے بارہ یزیدیوں کو واصلِ جہنم کیا جب کہ ان کے علاوہ دیگر کو زخمی کیا۔ جب آپ کے تیر ختم ہوگئے تو آپ نے اپنی تلوار نیام سے نکال لی اور اس سے اشقیاء پر وار کرنے لگے۔ دشمنوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور آپ پر پتھروں اور نیزوں کی بارش کردی یہاں تک کہ آپ کے دونوں بازو کٹ گئے اور دشمن نے آپ کو اسیر کرلیا۔ (مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۲۱)

پھر شمر (ملعون) اور اس کے ساتھی آپ کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے عمر ابن سعد (ملعون) کے پاس لے گئے۔ عمر ابن سعد (ملعون) نے ان سے کہا: تجھے کس بات نے اپنے ساتھ ایسا کرنے کو کہا؟ نافع نے جواب دیا: میرا رب میرے ارادے کو جانتا ہے۔ لشکرِ اشقیاء میں سے ایک شخص نے ان کے چہرۂ انور اور ریش مبارک سے بہتا ہوا خون دیکھ کر ان سے پوچھا: کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟

---

[1] تاریخ طبری: ج ۵، ص ۲۵۲، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۹، البدایہ: ج ۸، ص ۱۸۴

[2] مقتل العوالم: ص ۹۰، جب کہ ابن کثیر نے "البدایہ" ج ۸، ص ۱۸۴ پر ان اشعار کی صرف پہلی اور چوتھی سطر ذکر کی ہے اور امالی صدوق میں بھی اسی طرح مروی ہے اور وہاں ان کا نام ہلال بن حجاج مذکور ہے۔

اس پر جناب نافع نے جواب دیتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! میں نے زخمیوں کے علاوہ تمھارے بارہ افراد کو قتل کیا۔ میں اپنی اس کوشش پر اپنی ذات کو ہرگز ملامت نہیں کر رہا، اگر میرا ایک بازو بھی سلامت ہوتا تو تم مجھے اس طرح قید نہ کرتے۔(تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۳)

شمر (ملعون) نے انھیں شہید کرنے کے لیے اپنی تلوار نکالی تو جناب نافع نے شمر (ملعون) سے کہا: خدا کی قسم اے شمر! اگر تم مسلمان ہوتے تو تمھارے لیے یہ امر عظیم اور دشوار ہوتا کہ تم خدا کی بارگاہ میں اس حالت میں پیش ہو کہ تمھارے ہاتھ ہمارے خون سے رنگین ہوں۔ پس! خدا کی حمد وثنا اور شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے اپنی بدترین مخلوق کے ہاتھوں ہمیں موت نصیب کی۔ پھر شمر (ملعون) آگے بڑھا اور آپ کا سرتن سے جدا کر دیا۔(البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۸۴، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۳)

جناب واضح اور اسلم کی شہادت

جب حرث مذحجی کے ترکی غلام واضح زین سے زمین پر آئے تو انھوںؒ نے حضرت امام حسینؑ کو مدد کے لیے پکارا۔ ابوعبداللہ الحسینؑ ان کے پاس گئے اور انھیں اپنے گلے سے لگایا۔ وہ یہ دیکھ کر پکار اٹھے:

من مثلی وابن رسول الله واضع خدہ علی خدی

"مجھ جیسا کون ہے کہ فرزند رسولؐ خدا اپنا رخسار مبارک میرے رخسار پر رکھے ہوئے ہیں"۔

اس کے بعد واضح کی پاک وطاہر روح پرواز کر گئی۔ ①

پھر حضرت امام حسینؑ میدانِ جنگ میں اپنے غلام اسلم کی جانب چلے اور اسے اپنے گلے سے لگایا۔ ابھی اس میں سانس باقی تھے، جب اس نے امام علیہ السلام کو اپنے گلے لگتے ہوئے دیکھا تو مسکرایا اور اس پر فخر کیا۔ پھر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر گئے۔(ذخیرۃ الدارین: ص ۳۶۶)

بریر بن خضیر کی شہادت

یزید بن معقل ② نے صدا دی: اے بریر! خدا نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ تو بریر نے جواب دیا: خدا نے میرے ساتھ اچھا اور تیرے ساتھ برا سلوک کیا تو یزید نے کہا: تُو نے جھوٹ بولا حالانکہ تُو آج سے پہلے جھوٹا نہیں تھا۔ مجھے

---

① مقتل السلام: ص ۹۱، ابصار العین: ص ۸۵۔ جب کہ "مقتل الحسینؑ خوارزمی" ج ۲، ص ۲۴ پر ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے موالیوں میں ایک ترکی غلام تھا جو قاری قرآن اور عربی زبان جانتا تھا۔ جب وہ زین سے زمین پر آیا تو امامؑ نے اپنا رخسار اس کے رخسار پر رکھا تو وہ مسکرا دیا۔

② تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۴۷ پر ہے کہ اس کا تعلق بنو عمیر بن ربیعہ سے تھا جو بنو سلیمہ بن بنی عبدالقیس کے حلیف واتحادی تھے۔

آج بھی وہ دن یاد ہے جب میں تیرے ساتھ بنی لوذان[1] کے محلے سے گزر رہا تھا اور تم کہہ رہے تھے کہ معاویہ گمراہ اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ رُشد و ہدایت کے امام و پیشوا ہیں۔

بُریر نے جواب دیا: ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ میری یہی رائے ہے۔

یزید نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو گمراہ لوگوں میں سے ہے!

اس پر بُریر نے اسے مباہلہ کرنے کی دعوت دی کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے؟! پھر ان دونوں نے اپنے ہاتھ خدا کی بارگاہ میں بددعا کے لیے بلند کیے کہ "اے اللہ! تُو جھوٹے پر لعنت کر اور اسے ابھی موت سے ذلیل و رُسوا کر"۔

اس کے بعد دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیے۔ حضرت بُریر نے اس کے سر پر ایسی ضرب لگائی جو اس کی خود کو چیرتی ہوئی اس کے دماغ تک پہنچ گئی اور وہ یوں مدہوش ہوا جیسے کسی بلندی سے زمین پر آ گرا ہو جب کہ حضرت بُریر کی تلوار اس کے سر میں گڑی ہوئی تھی۔ ابھی حضرت بُریر وہ تلوار نکالنا چاہ رہے تھے کہ رضی بن منقذ عبادی نے ان پر حملہ کر دیا اور اس نے حضرت بُریر کو گلے سے پکڑ لیا۔ پھر دونوں باہم گتھم گتھا ہو گئے اور کشتی لڑتے رہے۔ بالآخر حضرت بُریر نے اس کو پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ رضی بن منقذ عبادی نے اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارا تو کعب بن جابر بن عمرو ازدی جنابِ بُریر پر حملہ آور ہونے کے لیے لشکرِ یزید سے نکلا۔ عفیف بن زہیر بن ابی الاخنس نے اسے بلند آواز میں کہا: اے کعب! یہ بُریر بن خضیر ہے جو کوفہ کی جامع مسجد میں ہمیں قرآن پڑھاتے تھے لیکن اس نے توجہ نہ کی اور حضرت بُریر پر نیزہ سے حملہ کرتے ہوئے نیزہ ان کی پشت میں گاڑ دیا۔ جب جنابِ بُریر نے نیزہ کی تکلیف کی شدت کو محسوس کیا تو رضی بن منقذ عبادی کو پکڑ کر اپنے نیچے خوب روند ڈالا اور اس کے چہرے اور ناک کا کنارہ کاٹ ڈالا۔ پھر کعب نے اپنا نیزہ جنابِ بُریر کی پشت سے نکال لیا اور ان پر تلوار کے متعدد وار کر کے شہید کر دیا۔

جنابِ بُریر کی شہادت کے بعد رضی بن منقذ عبادی (ملعون) اپنے قباء سے گرد و غبار کو جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا: اے قبیلہ ازد کے بھائی! (کعب بن جابر بن عمرو ازدی) تُو نے مجھ پر وہ احسان کیا ہے جو میں کبھی بھلا نہیں سکتا۔ جب کعب اپنے خاندان کے پاس واپس لوٹا تو اس کی بیوی نوار نے اس کی اس حرکت پر اسے خوب لعن طعن کی اور کہا: تُو نے حضرت فاطمہ زہراؑ کے بیٹے کے خلاف نصرت و مدد کی اور سیّد القراء (بُریر) کو شہید کیا تُو نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ خدا کی قسم! اب میں تم سے کبھی بات چیت نہیں کروں گی۔

اس پر کعب نے کہا:

---

[1] تاج العروس مادۂ "لوذ" کے تحت اس کا نام یوں مذکور ہے: لوذان بن عبدود بن حرث بن زید بن جشم بن حاشد۔

سلی تخبری عنی وانت ذمیمة	غداة حسین والرماح شوارع
ألم آت اقصی ما کرهت ولم یخل	علی غداة الروع ما أنا صانع
معی یزنی لم تخنه کعوبه	وأبیض مخشوب الغرارین قاطع
فجردته فی عصبة لیس دینهم	بدینی وإنی بابن حرب لقانع
ولم ترعینی مثلهم فی زمانهم	ولا قبلهم فی الناس إذأنا یافع
أشد قراعاً بالسیوف لدی الوغی	ألاکل من یحمی الذمار مقارع
وقد صبروا للضرب والطعن حسراً	وقد نازلوا لوأن ذٰلك نافع
فأبلغ عبیداللہ إما لقیته	بأنی مطیع للخلیفة سامع
قتلت بریراً ثم حملت نعمة	أبا منقذ لما دعا من یماصع

"تم مجھ سے حسینؑ کی صبح اور نیزوں کے سیدھا ہونے کے متعلق سوال کرو تا کہ تم اس سے آگاہ ہو جاؤ اور تم قابلِ مذمت ہو۔ کیا میں تجھے اس معرکہ کی انتہا نہ بتاؤں جو تجھے پسند نہ ہوگی! اور جو کچھ میں نے کربلا کے میدان میں سرانجام دیا، میدانِ جنگ کی صبح تک اس کے متعلق کوئی خلل اور خرابی واقع نہ تھی۔ میرے پاس قبیلۂ یزن کا نیزہ تھا جس کی نوک کبھی ٹیڑھی نہیں ہوئی اور جس کی سفید لکڑی کا غلاف دونوں طرف سے کاٹنے والا تھا۔ میں نے اس نیزے کو اس گروہ کے سامنے نکالا جن کا دین میرا دین نہ تھا اور میں ابوسفیان کی اولاد سے مطمئن ہوں۔

میری آنکھوں نے ان کے دور میں ان جیسا کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے پہلے لوگوں میں کوئی ان جیسا دیکھا گیا ہے کیونکہ میں تو جوان ہوں۔ گھمسان کی جنگ کے وقت ان کی تلوار میں بڑی کاٹ تھی۔ آگاہ ہو جاؤ جو بھی اپنے چاہنے والوں کی حفاظت کرتا ہے وہ سخت گیر مانا جاتا ہے۔ بے شک ان لوگوں نے تلواروں اور نیزوں پر بہت صبر کیا اور پھر وہ لوگ زین سے زمین پر آئے تو یہ ان کے لیے بہت نفع بخش تھا۔ اگر تمھاری عبیداللہ سے ملاقات ہو تو اس تک یہ خبر پہنچا دو کہ میں خلیفہ کا اطاعت گزار اور ان کی باتوں کو سننے والا ہوں۔ میں نے بریر کو قتل کیا۔ پھر جب ابومنقذ نے اپنی مدد کے لیے پکارا تو میں نے اس کی مدد کر کے اسے اپنا احسان مند بنا لیا"۔

پھر رضی بن منقذ عبدی نے اسے (کعب کو) جواب دیتے ہوئے کہا:

ولو شاء ربی ما شهدت قتالهم — ولا جعل النعماء عندی ابن جابر

لقد كان ذاك اليوم عاراً وسبه — تعيرة الأبناء بعد المعاشر

فياليت أنی كنت من قبل قتله — ويوم حسين كنت فی رمس قابر

"اگر میرا رب چاہتا تو میں ان کے ساتھ جنگ کرنے میں کربلا میں حاضر نہ ہوتا اور ابن جابر کو میرے لیے محسن قرار نہ دو۔ وہ دن ننگ و عار کا دن تھا جو آنے والی نسلوں تک طعن وتشنیع کا باعث رہے گا۔ اے کاش! میں بریر کی شہادت سے پہلے مرگیا ہوتا اور حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے سے قبل بھی قبر میں مٹی کے نیچے چلا گیا ہوتا"۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۴۸)

حنظلہ بن سعد شبامی کی شہادت

حنظلہ بن سعد شبامی [1] نے لشکرِ اشقیاء کو خاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ياقوم أنی أخاف عليكم مثل يوم الأحزاب مثل دأب قوم نوح وعاد وثمود والذين من بعدهم وما الله يريد ظلماً للعباد ۔ ياقوم انی أخاف عليكم يوم التناد يوم تولون مدبرين مالكم من الله من عاصم ومن يضلل الله فما له من هادٍ ياقوم لا تقتلوا حسيناً فسيحتكم الله بعذاب وقد خاب من افترى۔

"اے لوگو! میں تمہارے بارے میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں تمہارا حشر بھی ان قوموں جیسا نہ ہو جیسے قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود اور ان کے بعد آنے والی قوموں کا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اے قومِ اشقیاء! میں تمہارے بارے میں قیامت کے دن کے متعلق خوفزدہ ہوں کہ جس دن تم پیٹھ پھیر کر جہنم کی طرف جاؤ گے اور خدا کے عذاب سے تم کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اسے کوئی راہِ راست پر نہیں لاسکتا۔ اے قومِ اشقیاء! حضرت امام حسینؑ کو مت شہید کرو، ورنہ تم پر خدا اپنا عذاب نازل کرے گا اور جس نے بہتان باندھا وہ نامراد رہا"۔

حنظلہ شبامی کے یہ جملے سن کر حضرت امام حسینؑ نے اسے جزائے خیر کی دعا دی اور فرمایا:

رحمك الله انهم قد استوجبوا العذاب حين ردوا عليك ما دعوتهم إليه من الحق ونهضوا إليك ليستبيحوك وأصحابك فكيف بهم الآن وقد قتلوا، إخوانك الصالحين۔

---

[1] شبام قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔

"خدا تم پر رحم فرمائے۔ یہ لوگ اسی وقت عذابِ خدا کے موجب قرار دے دیے گئے ہیں جب انھوں نے تمھاری دعوتِ حق کو ٹھکرایا اور تمھاری طرف جنگ کے لیے بڑھے تاکہ تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو شہید کرسکیں اور سوچو کہ اب ان کا کیا حال ہوگا جب کہ ان لوگوں نے تمھارے نیک و صالح بھائیوں کو شہید کر دیا"۔

حنظلہ نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ نے سچ فرمایا۔ کیا ہم آخرت کی طرح کوچ نہ کریں؟ تو حضرت امام حسینؑ نے حنظلہ کو اذنِ جہاد عطا کیا اور وہ حضرت امام حسینؑ کو الوداع کہہ کر جنگ کے لیے روانہ ہوگئے یہاں تک کہ منصبِ شہادت پر فائز ہوئے۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۵۴)

عابس بن شبیب شاکری اور شوذب کی شہادت

عابس بن شبیب شاکری، شاکر کے غلام شوذب [1] کے پاس آئے۔ شوذب اہلِ بیتؑ کے مخلص شیعوں میں سے تھے اور ان کا گھر شیعوں کے لیے مانوس اور جائے پناہ تھا، جہاں پر وہ اہلِ بیتؑ کے فضائل کا تذکرہ کرتے تھے۔

عابس نے شوذب سے کہا: اے شوذب! تیرے دل میں کیا کرنے کا ارادہ ہے؟

شوذب نے جواب دیا: میں آپ کے ہم رکاب ہوکر جنگ کرنا چاہتا ہوں یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش کروں۔ اس پر عابس بن شبیب شاکری نے انھیں جزائے خیر کی دعا دی اور کہا: ابوعبداللہ الحسینؑ کی خدمت میں جاؤ یہاں تک کہ وہ تمھیں بھی ایسے ہی دعا دیں جیسے دوسروں کو دعا دی اور یہ وہ دن ہے جس میں ہم جتنا زیادہ اجروثواب طلب کرنا چاہیں طلب کرسکتے ہیں۔ پھر شوذب حضرت امام حسینؑ کو الوداعی سلام کہتے ہوئے میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔

شوذب کی شہادت کے بعد عابس بن شبیب شاکری حضرت امام حسینؑ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اس سطحِ زمین پر کوئی قریب اور نہ ہی کوئی دُور کا فرد ایسا ہے کہ جو مجھے آپؑ سے زیادہ عزیز ہو۔ اگر میں آپؑ سے ان دشمنوں کو دُور کرنے کی قدرت رکھتا تو مجھے یہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتا اور میں ایسا کرتا۔ آپؑ پر خدا کی سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں آپؑ اور آپؑ کے بابا جان کی رُشد و ہدایت والی راہ پر گامزن ہوں۔

پھر وہ اپنی تلوار کو لہراتے ہوئے قومِ اشقیاء کی جانب بڑھے اور تلوار سے اپنی ہی پیشانی پر ایک ضرب لگائی اور للکارتے ہوئے کہا: کیا کوئی ایسا مرد ہے جو میرا مقابلے پر آئے تو تمام یزیدی ان سے دُور ہٹ گئے کیونکہ انھوں نے انھیں پہچان لیا تھا کہ یہ تمام لوگوں سے بہادر اور دلیر شخص ہیں۔

---

[1] اعلام الوریٰ: ص ۱۴۵ پر ان کا نام شوذان ہے لیکن ارشاد مفیدؒ میں شوذب ہی ہے۔

یہ منظر دیکھ کر عمر ابن سعد (ملعون) چلایا: اس پر پتھروں کی بارش کردو۔ پھر یزیدی لشکر پتھروں سے ان پر ٹوٹ پڑا۔ جب حضرت عابس بن شبیب شاکری نے یزیدیوں کی یہ حرکت دیکھی تو اپنی زرہ اور خود اُتار کر پھینک دی۔ اس کے بعد ان اشقیاء پر حملہ آور ہوئے اور دو سو سے زیادہ اشقیاء کو واصلِ جہنم کر دیا۔ پھر ہر طرف سے یزیدی لشکر ان پر ٹوٹ پڑا اور یہ شہید ہو گئے۔ جنابِ عابس کی شہادت کے بعد لشکرِ اشقیاء کے کئی افراد میں اس بات پر جھگڑا ہونے لگا کہ ان کا سر مالِ غنیمت میں کسے ملے گا تو ابن سعد (ملعون) نے کہا: اسے ایک شخص نے قتل نہیں کیا اور یہ کہہ کر ان کے درمیان جدائی ڈال دی۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۵۴)

جنابِ جون کی شہادت

حضرت ابوذر غفاریؓ کے غلام جونؓ ① حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ سے اذنِ جہاد طلب کیا تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے جون! تم ہمارے ساتھ عافیت اور آسائش کے لیے آئے تھے اور اب میں تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

یہ سن کر جون امام علیہ السلام کے قدموں پر جھکے اور آپؑ کے قدموں پر بوسے دینے کے بعد عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! مَیں آسودگی اور آسائش کے زمانے میں آپؑ کے ساتھ رہا اور اب مصیبت و سختی کے زمانے میں آپ کا ساتھ چھوڑ جاؤں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ بے شک مَیں جانتا ہوں کہ میرے پسینے سے بُو آتی ہے۔ میرا نسب پست ہے اور میرا رنگ سیاہ ہے لیکن آپ مجھ پر جنت کے ذریعے احسان فرما کر میرے پسینے کو معطر، میرے نسب کو بلند اور میرے رنگ کو سفید کر دیں۔ نہیں خدا کی قسم! میں اس وقت تک آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا جب تک یہ سیاہ خون آپؑ کے خون میں مخلوط نہ ہو جائے۔

پھر حضرت امام حسینؑ نے جون کو اذنِ جہاد عطا کیا ② اور آپؓ نے میدانِ جنگ میں پچیس یزیدیوں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد جامِ شہادت نوش کیا۔ حضرت جونؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ ان کے لاشے پر آئے اور دعا کی:

اللهم بيّض وجهه وطيّب ريحه واحشره مع محمد وعرّف بينه وبين آلِ محمد

"اے اللہ! اس کے چہرے کو نُورانی فرما اور ان کے بدن کی خوشبو کو معطر فرما اور انہیں حضرت محمدؐ کے

---

① تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۳۹ پر ان کا نام "حوی" حاء، واو اور یاء کے ساتھ مذکور ہے۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج۲، ص ۲۱۸ پر ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے غلام جوین ابن ابی مالک اشقیاء کے مقابلے پر گئے۔ "مقتل الحسینؑ خوارزمی" ج۱، ص ۲۷۷ پر ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے غلام حضرت جون ایک سیاہ فام غلام تھے۔

② "مثیر الاحزان" ابن نما: ص ۳۳، مطبوعہ ایران، جب کہ "اللہوف" ص ۶۱، مطبوعہ صیدا میں ہے کہ حضرت جونؓ نے فرمایا کہ آپؑ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں اور کیا آپؑ چاہتے ہیں کہ مَیں جنت میں نہ جاؤں۔

ساتھ محشور فرما اور ان کے اور آلِ محمدؐ کے درمیان رابطہ مستحکم اور معرفت کا رشتہ قائم و دائم فرما"۔

حضرت جون کے لاشہ کے قریب سے میدانِ کربلا میں جو بھی گزرتا وہاں سے مشک و عنبر سے زیادہ خوشبو آتی تھی۔(مقتل العوالم: ص ۸۸)

انس بن حارث الکاھلی کی شہادت

انس بن حارث بن نبیہ الکاھلی عمر رسیدہ، بزرگ صحابیِ رسولؐ تھے جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ انھوں نے رسولِ خدا کی زبانِ پاک سے احادیث سنیں اور آپؐ کے ہمرکاب ہو کر جنگِ بدر اور جنگِ حنین میں شریک ہوئے۔ آپ نے حضرت امام حسینؑ سے جہاد کرنے کی اجازت طلب کی تو امامؑ نے آپ کو اذنِ جہاد عطا فرمایا۔ آپ خوشی میدان میں مقابلہ کے لیے اس حالت میں نکلے کہ آپ نے اپنی کمر کو اپنے عمامہ سے کس رکھا تھا۔ اپنی ابروؤں کو ایک کپڑے کے ذریعے اُوپر اُٹھا رکھا تھا۔ جب حضرت امام حسینؑ نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو رو پڑے اور فرمایا: اے بزرگ! خدا تیرا مشکور ہے۔

آپ نے عمر رسیدہ ہونے کے باوجود اٹھارہ یزیدیوں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد جامِ شہادت نوش کیا۔ [1]

عمرو بن جنادہ کی شہادت

عمرو بن جنادہ انصاری اپنے والد کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر گیارہ سال تھی۔ آپ نے حضرت امام حسینؑ سے اذنِ جہاد طلب کیا تو امام علیہ السلام نے انکار کر دیا اور فرمایا:

هذا غلام قتل ابوه فی الحملة الاولی ولعل امه تکره ذٰلك۔

"اس لڑکے کا والد پہلے حملے میں شہید ہو گیا اور شاید اس کی ماں اس کا میدانِ جہاد میں جانا ناپسند کرے"۔

یہ سن کر اس نے عرض کیا: بے شک! میری ماں نے ہی مجھے میدانِ جہاد میں جانے کا حکم دیا۔ پھر امام علیہ السلام نے اسے میدان میں جانے کی اجازت دے دی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ یہ منصبِ شہادت پر فائز ہوئے اور ان کے سرِ اقدس

---

[1] ذخیرۃ الدارین: ص ۲۰۸، جب کہ ابنِ نما کی "مثیر الاحزان" میں ان کا مبارزہ طلبی کے دوران رجز پڑھنا بھی مذکور ہے۔ "الاصابۃ" ج۱، ص ۶۸ پر ہے کہ انس کاھلی اور ان کے والد رسول اکرمؐ کے صحابی تھے۔ انھوں نے رسولِ خدا سے یہ حدیث نقل کی کہ میرا بیٹا (حضرت حسینؑ) سرزمینِ کربلا میں شہید کیا جائے گا پس! جو بھی اس وقت موجود ہو وہ اس کی نصرت کرے۔ سیوطی نے "الخصائص" ج ۲، ص ۱۲۵، جزری نے "اسد الغابہ" ج ۱، ص ۱۲۶ اور ابو حاتم رازی نے "الجرح والتعدیل" ج۱، ص ۲۸۷ پر ان کا تذکرہ کیا ہے۔

کو حضرت امام حسینؑ کی جانب پھینکا گیا۔ جناب عمرو بن جنادہ کی والدہ نے ان کے سر اقدس کو اُٹھایا، ان کے چہرہ سے اپنے دامن سے خون صاف کیا اور یہی سر ایک یزیدی کو مار کر اُسے واصلِ جہنم کر دیا۔ ① پھر آپ کی والدہ نے خیمہ میں آ کر چوب لی اور ایک دوسری روایت کے مطابق تلوار لی اور یہ اشعار پڑھے:

انی عجوز فی النساء ضعیفة　　خاویة بالیة نحیفة
اضربکم بضربة عنیفة　　دون بنی فاطمة الشریفة

"میں عورتوں میں بڑھیا، کمزور، شکستہ دل، دبلی پتلی اور نحیف ہوں۔ اس کے باوجود میں سیّدہ فاطمہ زہراؑ کی اولاد کا دفاع کروں گی جو قابلِ عزت سردار ہیں اور تم کو سخت ضرب لگاؤں گی"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے انھیں خیمہ میں واپس بھیج دیا جب کہ انھوں نے دو یزیدیوں کو خیمہ کی چوب سے فی النار کیا تھا۔ ②

حجاج بن مسروق جعفی کی شہادت

حجاج بن مسروق جعفی نے اشتیاق سے جنگ کی اور خون میں لت پت ہو گئے۔ آپ کی داڑھی آپ کے خون سے رنگین ہو گئی اور آپ اسی حالت میں حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

الیوم القی جدك النبیا　　ثم اباك ذا الندیٰ علیا
ذاك الذی نعرفه الوصیا

---

① ابن شہر آشوب: ج ۳، ص ۲۱۹، مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۲۲۔ اور یہ ہرگز بعید نہیں ہے کیونکہ شیخ مفید نے اپنی کتاب "الجمل" ص ۳۷، دوسرے ایڈیشن میں تحریر کیا ہے کہ جنگِ جمل کے دوران حکیم بن جبلہ عبدی کی ایک ٹانگ کٹ گئی تو انھوں نے یہ ٹانگ ایک مخالف کو مار کر اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ تاریخ طبری: ج ۵، ص ۱۸۰ اور کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۳۵ پر ہے کہ حکیم بن جبلہ بن عبدی نے اس شخص کو قتل کرنے کے بعد یہ اشعار بیان کیے:

یافخذ لن تراعی　　ان معی ذراعی
احمی بھا کراعی

"اے شخص! تو ہرگز میرا خیال نہ کر۔ میرے پاس بازو ہے جس کے ذریعے میں ایک نگہبان کی طرح حفاظت کروں گا"۔ ابن اثیر نے "الکامل" ج ۲، ص ۳۰ پر بیان کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب کے ایک لشکری نے ثابت بن قیس کی ٹانگ کاٹ دی تو ثابت نے وہی ٹانگ اس شخص کو مار کر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

② بحار الانوار: ج ۱۰، ص ۱۹۸، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۲۲، جب کہ "الاصابہ" میں اسماء بنت یزید بن سکن کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ اسماء نے جنگِ یرموک میں خیمہ کی چوب سے نو رومیوں کو قتل کیا تھا۔

"میں آج آپؑ کے نانا نبیؐ سے ملاقات کروں گا۔ پھر آپؑ کے سخی والد گرامی حضرت علیؑ سے ملاقات کروں گا کہ جنھیں ہم نبیؐ کے وصی و جانشین کے طور پر جانتے ہیں"۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: میں بھی تمھارے پیچھے ان سے ملاقات کے لیے آرہا ہوں۔ پھر وہ دوبارہ میدانِ جنگ میں گئے اور جنگ کرتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ①

سوار بن ابی حمیر کی شہادت

فہم بن جابر بن عبداللہ بن قادم فہمی ہمدانی کی اولاد میں سے سوار بن ابی حمیر نے سخت جنگ کی یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو گئے۔ ② لیکن ابھی زندگی کی رمق باقی تھی کہ یزیدی لشکر نے آپ کو اسیر بنالیا اور عمر ابن سعد نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ کی قوم نے اس سے سفارش کی کہ سوار کو قتل نہ کیا جائے۔ آپ اپنی قوم میں ہی زخمی حالت میں رہے یہاں تک کہ چھے ماہ کے بعد وفات پائی۔ ③

زیارت ناحیہ میں حضرت امام زمانہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

السلام علی الجریح المأسور سوار بن ابی حمیر الفهمی الهمدانی وعلی المرتهث معه عمر بن عبدالله الجندعی

"میرا سلام ہو سوار بن ابی حمیر الفہمی الہمدانی پر جسے زخمی حالت میں قیدی بنا لیا گیا اور ان کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہونے والے عمر بن عبداللہ الجندعی پر میرا سلام ہو"۔

سوید بن عمرو کی شہادت

سوید بن عمرو بن ابی المطاع اشقیاء کے ساتھ جنگ کرتے کرتے زخموں سے اس قدر نڈھال ہوئے کہ آپ کے اعضاء و جوارح سست ہو گئے اور آپ منہ کے بل بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یزیدی لشکر نے یہ سمجھا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ جب حضرت امام حسینؑ شہید ہو گئے تو آپ نے یہ سنا کہ یزیدی لشکر کہہ رہا ہے کہ حسینؑ مارے گئے۔ یہ سن کر آپ نے اپنے پاس موجود خنجر نکال کر ان اشقیاء سے جنگ کرنا شروع کردی۔ یزیدیوں نے مل کر آپ پر حملہ کیا اور آپ کو شہید کردیا۔ حضرت سوید حضرت امام حسینؑ کے اصحاب میں سے آخری شہید ہیں۔

□□□

---

① بحارالانوار: ج۱۰، ص ۱۹۸ پر مقتل الخارزمی سے منقول ہے۔

② "الاکلیل" ہمدانی: ج۱۰، ص ۱۰۳

③ ابصار العین (قلمی نسخہ) الاکلیل میں بھی یہی مذکور ہے کہ سوار اپنے زخموں کی وجہ سے فوت ہوئے لیکن وہاں پر یہ مذکور نہیں کہ انھیں اسیر کرلیا گیا تھا۔

خاندان بنی ہاشم کے شہداء

حضرت علی اکبر علیہ السلام کی شہادت

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے آپؑ کے اہل بیتؑ کے سوا کوئی باقی نہ رہا جو اس کٹھن وقت میں بھی موت کا سامنا کرنے کے لیے پرعزم، اپنی عزت و عظمت اور غیرت مند نفوس کی محافظت کر رہے تھے اور وہ ایک دوسرے کو الوداع کہتے ہوئے شہادت کے لیے بڑھ رہے تھے۔ ① حضرت امام حسینؑ کے اہل بیتؑ میں سب سے پہلے ابوالحسن ② حضرت علی اکبرؑ ③ نے شہادت کے لیے پیش قدمی کی۔ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے وقت عمر ستائیس سال تھی۔ آپؑ کی ولادت گیارہ شعبان ۳۳ ہجری میں ہوئی ("انیس الشیعہ" یہ ایک قلمی نسخہ ہے جو سید محمد عبدالحسین جعفری نے سلطان فتح علی شاہ کے نام سے تالیف کیا)۔

حضرت علی اکبرؑ جمال نبوت کا آئینہ، نبیؐ کے بلند اخلاق کی مثال اور ان کی فصیح زبان و بیان کا نمونہ تھے۔ ایک شاعر نے رسولؐ خدا کی شان میں یہ کہا ہے:

واحسن منك لم ترقط عینی ۔۔۔ واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرّءً امن کل عیب ۔۔۔ کانك قد خلقت کما تشاء

---

① مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۲۶

② مولف نے اپنے کتابچہ "علی الاکبرؑ" ص ۱۴ پر ابوالحسن حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول روایت تحریر کی ہے کہ حضرت علی اکبرؑ نے اُم ولد (صاحبہ اولاد کنیز) سے شادی کی۔ شاید اسی وجہ سے حضرت علی اکبرؑ کی کنیت ابوالحسن ہے کہ ان کا اس کے بطن سے بیٹا ہو، جس کا نام حسن ہو۔ اسی وجہ سے اس کنیز کو اُم ولد کہتے ہیں جیسا کہ "کامل الزیارات" ص ۲۳۹ پر حضرت علی اکبرؑ کی مروی زیارت اس قول کی تائید کرتی ہے۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے صحابی ابوحمزہ کو زیارت پڑھنے کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا کہ تم کہو: صلی اللہ علیك وعلی عترتك واھل بیتك وآبائك وابنائك وامھاتك الاخیار الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرًا۔ اس میں لفظ "ابناء" ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے اور یہ کم از کم دو ہوتے ہیں۔

③ مولف نے اپنے کتابچہ "علی الاکبرؑ" میں مورخین کی ایسی نصوص تحریر کی ہیں جو یہ واضح کرتی ہیں کہ یہ حضرت امام سجادؑ سے بڑے تھے۔ عنقریب اس کتاب میں بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد پیش آنے والے حادثات و واقعات کے سلسلہ میں حضرت امام زین العابدینؑ کا ابن زیاد (ملعون) سے ہونے والا مکالمہ پیش کیا جائے جس میں امامؑ نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے۔

"میری آنکھ نے کبھی کوئی شخص آپؑ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا اور نہ ہی عورتوں میں سے کسی عورت نے آپؑ سے زیادہ کوئی خوب صورت جنا ہے۔ آپؑ کو عیب ونقص سے پاک پیدا کیا گیا ہے۔ گویا جیسے آپؑ چاہتے تھے ویسے ہی آپؑ کو پیدا کیا گیا"۔

حضرت علی اکبرؑ کی مدح سرائی کرنے والے ایک شاعر نے یہ کہا: [1]

لم تر عین نظرت مثله	من محتف یمشی ومن ناعل
یغلی نهی اللحم حتّٰی اذا	انضج لم یغل علی الآکل
کان اذا شبت له نارهٔ	او قدها بالشرف القابل
کیما یراها بائس مرمل	أو فرد حی لیس بالآهل
لا یؤثر الدنیا علی دینه	ولا یبیع الحق بالباطل
اعنی ابن الیلیٰ ذا الندی والسدیٰ	اعنی ابن بنت الحسب الفاضل

"کسی آنکھ نے ان (حضرت علی اکبرؑ) جیسا نہیں دیکھا خواہ کوئی برہنہ پا چلے یا جوتے کے ساتھ چلے۔ جب کچا گوشت اُبال کر پکا لیا جائے تو یہ کھانے والے کے لیے مہنگا نہیں ہوتا۔ جب اس کے لیے آگ روشن کی جاتی ہے تو یہ شاندار عزت وشرف سے روشن ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک تنگ دست، مفلس و مسکین شخص اسے دیکھتا ہے یا وہ تنہا شخص جس کے پاس اس کے اہل وعیال نہیں ہوتے۔ وہ اپنے دین پر دنیا کو ترجیح نہیں دیتا اور وہ باطل کے عوض حق کو نہیں بیچتا۔ میری مراد جناب لیلیٰ کا فرزند ہے جو رات کے پہلے پہر اور آخری پہر میں گرنے والی شبنم کی بوندوں جیسا ہے، اور میری مراد اس ماں کا بیٹا ہے جس کا حسب ونسب بلند ہے"۔

حضرت علی اکبرؑ شجرۂ نبوت کی شاخ اور طیب وطاہر اوصاف کے وارث تھے۔ اگر منصب خلافت منصوص من اللہ نہ ہوتا تو آپؑ اس خلافت کے اہل تھے مگر خلفائے الٰہیہ کے اسماء اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی اس کتاب میں مرقوم کیے ہیں جو کتاب جبرائیلؑ کے ذریعے رسولؐ خدا پر نازل ہوئی تھی:

ورث الصفات الغروهی تراثه	من کل غطریف وشهم اصید
فی بأس حمزة فی شجاعة حیدر	بابی الحسین وفی مهابة احمد
وتراه فی خلق وطیب خلائق	وبلیغ نطق کالنبی محمد

---

[1] مقاتل الطالبین: ص ۳۲ پر ہے کہ یہ اشعار حضرت علی اکبرؑ کی شان میں کہے گئے ہیں۔

"حضرت علی اکبرؑ نے تمام اعلیٰ اوصاف ورثہ میں پائے ہیں۔ آپ نے سخاوت و سرداری، خوب صورتی اور تیز فہمی و ذکی ہونے کی تمام صفات ورثہ میں پائی ہیں۔ آپ نے حضرت حمزہ کی قوتِ بازو، حضرت علیؑ کی شجاعت، حضرت امام حسینؑ کی خودداری اور نبی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر ورثہ میں پائی ہے۔ آپ اپنے اخلاق اور مخلوق سے پیش آنے میں طیب و طاہر ہیں اور نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح فصیح و بلیغ گفتگو کرنے والے ہیں"۔ [1]

جب حضرت علی اکبرؑ نے میدانِ جنگ میں جانے کا ارادہ کیا تو آپؑ کی جدائی خانوادہ امامت کی مخدرات عصمت و طہارت پر بہت سخت تھی کیونکہ حضرت امام حسینؑ کی ذاتِ مبارک کے بعد حضرت علی اکبرؑ ان مستورات کی اُمید و ڈھارس اور ان کی تمناؤں کو پورا کرنے والے تھے۔ ان مستورات میں سے کوئی یہ دیکھ رہی تھی کہ اب ہمیں شکلِ پیمبرؐ کی آواز سننے کو نہیں ملے گی، کوئی شمسِ نبوت کو گہن لگتا ہوا دیکھ رہی تھی اور کوئی خُلقِ محمدی کو نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جب مستورات کو پتا چلا کہ آپؑ میدانِ جنگ میں جانے کے لیے پرعزم ہیں تو انھوں نے آپؑ کو گھیر لیا اور آپؑ کے دامن سے لپٹ کر التجا کرنے لگیں:

اِرْحَمْ غُرْبَتَنَا لَا طَاقَةَ لَنَا عَلٰى فِرَاقِكَ۔

"ہماری غربت و بے وطنی پر رحم کھاؤ، اب ہم میں تمھاری جدائی برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے"۔

لیکن حضرت علی اکبرؑ نے ان کی ان صداؤں پر خاص توجہ نہ دی کیونکہ آپؑ دیکھ رہے تھے کہ اشقیاء مل کر اس دور کے حجتِ خدا کو دبانے اور مغلوب کرنے کی کوشش میں تھے اور حجتِ خدا کے دشمن اُن کے مقدس خون کو ناحق بہانے کے لیے جمع تھے۔ پس! آپؑ نے اپنے والدِ گرامی سے اذنِ جہاد طلب کیا اور حضرت امام حسینؑ کے گھوڑے پر سوار ہو کر یزیدی لشکر کی طرف بڑھے۔ حضرت علی اکبرؑ حضرت امام حسینؑ کے جس رہوار پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں یزیدیوں کے مقابلے پر گئے اس رہوار کا نام "لاحق" [2] تھا۔

جب آپؑ میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے تو ایک یزیدی نے بلند آواز میں کہا: اے علیؑ! تمھاری امیر المومنین (یزید لعین) سے رشتہ داری ہے اور ہم اس رشتہ داری کا خیال کرنا چاہتے ہیں لہٰذا اگر تم چاہو تو ہم تمھیں امان دیتے ہیں۔

---

[1] یہ آیت اللہ شیخ عبدالحسین صادق العاملی (قدہ) کے اشعار ہیں۔

[2] عبدالمومن الدمیاطی (متوفی ۷۰۵ھ) کی کتاب "فضل الخیل" ص ۱۷۸ پر ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ کے دو گھوڑوں میں سے ایک کا نام "لاحق" تھا اور اسی کے ص ۱۸۳ پر ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے ایک گھوڑے کا نام "مسموم" اور دوسرے کا نام "لاحق" تھا جس پر سوار ہو کر حضرت علی اکبرؑ میدانِ کربلا میں جنگ کے لیے گئے تھے۔

حضرت علی اکبرؑ نے جواب دیا:

اِنَّ قرابة رسول الله احق ان ترعی [1]

"بے شک! رسولؐ خدا کے ساتھ قرابت و رشتہ داری اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ اس قرابت داری کا خیال رکھا جائے"۔

پھر حضرت علی اکبرؑ نے رجز پڑھتے ہوئے اپنی مقدس ذات اور اپنے بلند ہدف کا تعارف کرایا:

انا علی بن الحسین بن علی	نحن ورب البیت اولی بالنبی
تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی [2]	اضرب بالسیف احامی عن ابی ضرب

غلام هاشمی قرشی [3]

"میں علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ہوں۔ رب کعبہ کی قسم ہم نبیؐ سے قرابت داری کے زیادہ حق دار ہیں۔ خدا کی قسم! ہم پر حرام زادے کی حکومت نہیں چلے گی۔ میں تلوار سے وار کر کے اپنے بابا کی حمایت کروں گا اور یہ ضربیں ایک ہاشمی اور خاندانِ قریش کے جوان کی ہوں گی"۔

حضرت امام حسینؑ مشکل کی اس گھڑی میں اپنے آنسوؤں کو روک نہ سکے [4] آپؑ نے عمر بن سعد (ملعون) کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

مالك؟ قطع الله رحمك كما قطعت رحمی ولم تحفظ قرابتی من رسول الله وسلط علیك من ینبحك علی فراشك [5] ثم رفع شیبته المقدسة نحو السماء وقال: اللهم اشهد علی هؤلاء فقد برز الیهم أشبه الناس برسولك محمد خَلقًا وخُلقًا ومنطقًا [6] وكنا إذا اشتقنا إلی رؤیة نبیك نظرنا إلیه اللهم فامنعهم بركات الارض وفرقهم تفریقاً ومزقهم تمزیقًا واجعلهم طرائق قدداً ولا ترض الولاة عنهم أبداً فإنهم دعونا لینصرونا ثم عدوا علینا یقاتلوننا ثم

---

[1] "سر السلسلة" ابونصر، "نسب قریش": ص ۵۷، مصعب زبیری۔

[2] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۶؛ "اعلام الوریٰ"، طبری: ص ۱۴۵، مثیر الاحزان: ص ۳۵

[3] یہ تمام اشعار شیخ مفیدؒ کی کتاب "الارشاد" سے منقول ہیں۔

[4] "مثیر الاحزان" ابن نما: ص ۳۵؛ "الارشاد" شیخ مفیدؒ۔

[5] مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۰

[6] "مثیر الاحزان" ابن نما، اللہوف، مقتل الخوارزمی

تلا قوله تعالیٰ: إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (سورۂ آلِ عمران: آیہ ۳۳-۳۴)

"اے پسر سعد! تمھیں کیا مسئلہ ہے؟ خدا تمھارے رحم و قرابت کو اسی طرح ختم کرے جیسے تم نے میرے رحم اور قرابت کو منقطع کیا ہے۔ تم نے رسولِ خدا کے ساتھ میری قرابت داری کا خیال نہ رکھا، خدا تم پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو تمھیں تمھارے بستر پر قتل کرے۔ پھر حضرت امام حسینؑ نے اپنا چہرۂ مبارک آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا: اے اللہ! تو اس قوم پر گواہ رہنا، اب ان کی طرف وہ جوان جا رہا ہے جو صورت، سیرت اور گفتار میں لوگوں میں سب سے زیادہ تیرے رسول حضرت محمد ﷺ سے مشابہت رکھتا ہے۔ جب ہم تیرے نبیؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے ہیں تو اس جوان کے چہرے پر نظر کرتے ہیں۔ اے اللہ! تو ان لوگوں سے زمین کی برکتیں روک لے اور انھیں متفرق اور ان کی جمعیت کو پراگندہ کر دے، ان کو مختلف راستوں پر ڈال دے، ان کے حکمرانوں کو ان سے کبھی راضی نہ رکھنا کیونکہ ان اشقیاء نے نصرت کا وعدہ کر کے ہمیں بلایا اور پھر ہمارے دشمن بن کر ہم سے ہی جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ پھر آپؑ نے درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی: "بے شک! اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ کو عالمین سے چن لیا اور ان کی اولاد کو ایک دوسرے سے برگزیدہ کیا اور خدا سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے"۔ (مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۰)

حضرت علی اکبرؑ نے فوج کے میمنہ اور میسرہ پر حملہ کر کے یزیدی فوج کو پسپا کیا اور قلب لشکر کو چیر کر رکھ دیا۔ جو فوجی دستہ بھی آپؑ کے مدِ مقابل آیا آپؑ نے اسے منہ توڑ جواب دیا اور جو بھی بہادر آپؑ کے مقابلہ پر آیا آپؑ نے اسے فی النار کر دیا۔ آپؑ نے ایک سو بیس یزیدیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ اس دوران آپؑ پر پیاس کا سخت غلبہ تھا، لہٰذا آپؑ نے اپنے بابا جان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: بابا جان! پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے۔[1]

یہ سن کر حضرت امام حسینؑ نے روتے ہوئے فرمایا:

واغوثاه ما اسرع الملتقى بجدك فيسقيك بكاسه شربة لاتظمأ بعدها۔

"المدد! تم بہت جلد اپنے نانا (رسولِ خدا) سے ملاقات کرو گے اور وہ تمھیں ایسے سیراب کریں گے۔ جس کے بعد کبھی پیاس محسوس نہیں کرو گے"۔

---

[1] "مقاتل الطالبین" ابوالفرج: ج ۷، ۳، مقتل العوالم: ص ۹۹، روضۃ الواعظین: ص ۱۶۱ مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۲۲۲، مطبوعہ ایران۔ "مثیر الاحزان" ابن نما: ص ۳۵، لہوف: ص ۶۴، مطبوعہ صیدا، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۰۔

پھر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے نُورِ نظر! اپنی زبان میرے منہ میں دے دو اور امامؑ نے حضرت علی اکبرؑ کی زبان کو اپنے منہ میں لے کر چوسا اور اپنی انگوٹھی حضرت علی اکبرؑ کو دے کر فرمایا کہ اسے اپنے منہ میں رکھ لو۔ [1]

اس کے بعد حضرت علی اکبرؑ دوبارہ اس بشارت کے ساتھ خوشی خوشی میدانِ جنگ کی طرف لوٹے جو حجتِ خدا اور امامؑ وقت نے انھیں دی تھی کہ آپؑ اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت جلد ملاقات کرنے والے ہو۔ پھر آپؑ نے پہلے کی طرح علوی شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یزیدی لشکر کی صفوں کو روند ڈالا اور ان اشقیاء کے چہروں کو غبار آلود کر دیا۔ وہ یہ بھی محسوس نہ کر سکے کہ کیا علی اکبرؑ دشمن کی صفوں کو چیر کر انھیں پراگندہ کر رہے ہیں یا وصیِ مصطفیٰ حضرت علی مرتضیٰؑ میدانِ جنگ میں کشتوں کے پشتے لگا رہے ہیں۔ یا علی اکبرؑ کی تلوار سے آسمانی بجلیاں چمکتے ہوئے گر رہی ہیں۔ آپؑ نے زیادہ تر کوفیوں کو فی النار کیا یہاں تک کہ آپؑ کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہونے والے یزیدیوں کی تعداد ۲۰۰ ہوگئی۔ (مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۱)

جنگ کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر مرہ بن منقذ العبدی [2] نے کہا:

عَلَیَّ آثَامُ الْعَرَبِ اِنْ لَّمْ اُثْکِلْ اَبَاهُ بِهٖ [3]

"اگر میں اس کے باپ کو اس کے غم میں نہ رُلاؤں تو سارے عربوں کے گناہ میرے سر ہوں"۔

پھر اس شقی نے اپنا نیزہ حضرت علی اکبرؑ کی کمر میں مارا [4] اور آپؑ کے سر پر تلوار سے ضرب لگائی جس سے آپؑ کے سرِ اقدس میں شگاف ہوا اور آپؑ نے گھوڑے کی گردن میں اپنی بانہیں ڈال دیں اور یہ (ملعون) آپؑ کو لشکرِ اعداء میں لے گیا جہاں پر اشقیاء نے آپؑ کو گھیر کر اپنی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۱، مقتل العوالم: ص ۹۵)

جب حضرت علی اکبرؑ زین سے زمین پر آئے تو بلند آواز میں حضرت امام حسینؑ کو الوداعی سلام کرتے ہوئے کہا:

---

[1] مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۱، مقتل العوالم: ص ۹۵۔ عباس کی "معاهد التنصیص" ج ۲، ص ۵۱ پر مذکور ہے کہ یزید بن مزید الشیبانی جب ولید بن طریف کا تعاقب کر رہا تھا تو پیاس نے اسے مار ڈالا۔ تو اس نے اپنی انگوٹھی اپنے منہ میں رکھ لی۔ پھر ولید کا تعاقب کرتے ہوئے اسے جا لیا اور اپنا نیزہ اس کے جسم میں گھونپ دیا۔ کلینی نے "الکافی" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث نقل کی ہے کہ اگر روزہ دار انگوٹھی چوسے تو اس کے روزہ پر کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ اسی حدیث کی بنا پر فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور شاید اس میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ اس میں غدود کے ہیجان کا سبب واقع ہوتا ہے اور یہ صرف انگوٹھی میں خاصیت نہیں بلکہ جو بھی غدود میں ہیجان کا سبب بنے اسے منہ میں پیاس بجھانے کے لیے رکھا جا سکتا ہے جیسے کنکر وغیرہ۔

[2] کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۰، الاخبار الطوال: ص ۲۵۴، "ارشاد" شیخ مفیدؒ، مثیر الاحزان، الملہوف۔ جب کہ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۵ پر اس کا نام مرۃ بن منقذ بن نعمان العبدی اللیثی مذکور ہے اور مقتل العوالم: ص ۹۵ پر اس کا نام منقذ بن مرہ مذکور ہے۔

[3] "الارشاد" شیخ مفیدؒ، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۶

[4] مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۲

علیك منی السلام یا ابا عبد الله [1] هذا جدی قد سقانی بکأسه شربة لا اظمأ بعدها وهو یقول ان لك کاساً مذخورة۔ [2]

"اے ابا عبداللہ! میری طرف سے سلام قبول کیجیے، یہ میرے نانا رسولؐ خدا تشریف لائے ہیں۔ انھوں نے مجھے ایسے جام سے سیراب کیا ہے جس کے بعد مجھے کوئی پیاس محسوس نہیں ہوئی اور یہ فرما رہے ہیں کہ ان کے پاس آپؑ کے لیے بھی جام تیار ہے۔ آپؑ بھی تشریف لائیں اور اس سے سیراب ہوں"۔

حضرت امام حسینؑ حضرت علی اکبرؑ کے الوداعی سلام کو سن کر ان کے پاس تشریف لائے اور اپنے رخسار کو ان کے رخسار پر رکھ کر فرمایا: [3]

علی الدنیا بعدك العفا ما اجرأهم علی الرحمٰن وعلی انتهاك حرمة الرسول [4] یعز علی جدك وابیك ان تدعوهم فلا یجیبونك وتستغیث بهم فلا یغیثونك [5]

"(اے علی اکبرؑ) تمھارے بعد اس دنیا اور زندگانی دنیا پر خاک ہے۔ یہ قوم اشقیاء اس قدر جری ہوگئی ہے کہ خدائے رحمٰن کے نمایندوں کو جھٹلا رہے ہیں اور رسولؐ کی حرمت کو پامال کر رہے ہیں۔ تمھارے دادا اور تمھارے باپ پر یہ بہت شاق ہے کہ تم انھیں پکارو اور وہ تمھیں جواب نہ دیں اور تم انھیں مدد کے لیے بلاؤ لیکن وہ تمھاری مدد نہ کرسکیں"۔

پھر حضرت امام حسینؑ نے حضرت علی اکبرؑ کے لہو مبارک کو اپنی ہتھیلی میں لے کر آسمان کی طرف پھینکا، جس کا ایک قطرہ بھی زمین پر نیچے نہیں گرا۔

حضرت علی اکبرؑ کی زیارت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب زائر یہ کہتا ہے:

بابی انت وامی من مذبوح ومقتول من غیر جرم، بابی انت وامی دمك المرتقی به الی حبیب

---

[1] ریاض المصائب: ص ۳۲۱

[2] مقتل العوالم: ص ۹۵، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۱

[3] اللہوف: ص ۴۳

[4] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۵

[5] مقتل العوالم: ص ۹۵

اللہ، بابی انت وامی من مقدم بین یدی ابیک یحتسبک ویبکی علیک محترقاً علیک قلبہ یرفع دمک الی عنان السماء لا یرجع منہ قطرۃ ولا تسکن علیک من ابیک زفرۃ [1]

"میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوجائیں کہ آپؑ کو بے جرم شہید اور ذبح کیا گیا۔ میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوجائیں کہ آپؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کا خون حبیبِ خدا کی طرف اُچھالا گیا۔ میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں کہ آپؑ اپنے بابا جان کے سامنے میدان کی طرف گئے کہ جس کا اجر وہ خدا پر چھوڑے ہوئے تھے۔ اور آپؑ کے بابا مجروح دل سے آپؑ پر گریہ کر رہے تھے اور انھوں نے آپؑ کا خون آسمان کی طرف پھینکا جس کا ایک قطرہ بھی واپس زمین پر نہیں آیا اور آپؑ کے بابا جان کو آپؑ کی مصیبت پر قرار و سکون نہیں آتا تھا"۔

حضرت امام حسینؑ نے بنو ہاشم کے جوانوں کو حکم دیا کہ حضرت علی اکبرؑ کا لاشہ اُٹھا کر اس خیمہ میں لائیں جہاں پر ان سے پہلے جنگ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرنے والے شہداء کے لاشے ہیں۔ [2]

جب کہ وحی کے نزول کے گھرانے کی مستورات حضرت علی اکبرؑ کے لاشہ کو اُٹھا کر لے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، خون کے رنگ نے ان کا لباس سرخ کردیا تھا اور شہزادے کے جسم کو تلواروں اور نیزوں نے تقسیم کردیا تھا۔ ان مخدراتِ عصمت و طہارت نے اس حالت میں حضرت علی اکبرؑ کے لاشہ کا استقبال کیا کہ ان کے دل زخمی اور ان کے بال کھلے ہوئے تھے اور یہ اس قدر آہ و زاری کر رہی تھیں کہ ان کی چیخ و پکار کو آسمانی مخلوق بھی سن رہی تھی۔ ان مستورات کے آگے رسولِ خدا کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کی بیٹی حضرت زینبؑ کبریٰ، عقیلہ بنی ہاشم کھڑی تھیں [3] جو گریہ کرتے ہوئے افسردہ حالت میں آگے بڑھیں اور خود کو لاشۂ اکبرؑ پر گرا دیا اور اسے گلے سے لگا کر رونے پیٹنے لگیں کہ آج ان کی زندگی کا سرمایہ دنیا سے

---

[1] کامل الزیارات: ص ۲۳۹۔ اس زیارت کی سند صحیح ہے اور یہ زیارت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو حمزہ ثمالی کو تعلیم دی۔ عنقریب گیارہ محرم کی رات کے تحت اہلِ سنت کی کتب سے ایسی عبارتیں ذکر کی جائیں گی جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی اکرمؐ نے اپنے اصحاب اور اہلِ بیتؑ کے خون کی حفاظت کی۔

[2] "الارشاد"، شیخ مفید، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۶، مقتل الحسینؑ، خوارزمی: ج ۲، ص ۳۱

[3] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۶، اور "البدایہ" ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۸۵ پر مذکور ہے کہ حمید ابن مسلم کہتا ہے: جب حضرت علی اکبرؑ شہید ہوئے تو میں نے خیامِ حسینؑ سے ایک عورت کو بین کرتے ہوئے خیمہ سے باہر آتے ہوئے دیکھا جو یہ بین کر رہی تھی: وا ابن اخاہ "ہائے میرا بھتیجا"۔ وہ حضرت علی اکبرؑ کے لاشہ پر آکر گر پڑیں۔ حضرت امام حسینؑ ان کا ہاتھ پکڑ کر انھیں خیمہ میں واپس چھوڑ آئے۔ میں نے اس مستور کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ فاطمہؑ بنتِ رسول اللہؐ کی بیٹی حضرت زینبؑ ہیں۔

رخصت ہو رہا تھا اور آج ان کے پردوں کا محافظ اور ان کے منہدم گھر کا ستون دنیا سے پردہ کر رہا تھا۔ ①

حضرت عبداللہ ابن مسلمؑ ابن عقیلؑ کی شہادت

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد حضرت مسلمؑ ابن عقیل ابن ابی طالبؑ کے بیٹے عبداللہؑ میدان جہاد کی طرف نکلے، ان کی والدہ امیرالمومنین حضرت علیؑ کی صاحب زادی حضرت رقیہؑ کبریٰ ہیں۔ ② آپؑ میدان جنگ کی جانب بڑھتے ہوئے یہ رجز پڑھ رہے تھے:

الیوم القی مسلماً وھو ابی   وعصبة بادوا علی دین النبی

"آج میں اپنے بابا مسلمؑ کے ساتھ ملاقات کروں گا اور وہ گروہ جو نبیؐ کے دین کی خاطر شہید ہوا اس سے ملاقات کروں گا"۔

آپ نے تین حملوں سے ان اشقیاء کے ایک گروہ کو فی النار کیا۔ ③ پھر یزید بن رقاد الجھنی (ملعون) نے آپ کو تیر مارا۔ ④ آپؑ نے اپنے ہاتھ کے ذریعے اس تیر سے بچنے کی کوشش کی تو آپؑ کا ہاتھ تیر لگنے کی وجہ سے پیشانی سے متصل ہوگیا۔ آپؑ نے اسے پیشانی سے ہٹانے کی بہت کوشش کی لیکن ممکن نہ ہوا۔ پھر آپؑ نے کہا: "اے خدایا! اس قوم اشقیاء نے ہمیں حقیر جانا اور ہمیں رُسوا کیا۔ پس انھوں کو اسی طرح قتل سے دوچار فرما جیسے انھوں نے ہمیں قتل کیا"۔ ⑤

ابھی تیر آپؑ کی پیشانی میں پیوست تھا کہ ایک لعین نے آپؑ کے دل پر نیزہ مارا، جس سے آپؑ کی شہادت واقع ہوئی۔ ⑥ پھر یزید بن رقاد (ملعون) نے آگے بڑھ کر آپؑ کی پیشانی سے اپنا تیر نکال لیا لیکن اس کا پھل اندر ہی رہا جب کہ آپؑ شہید ہو چکے تھے۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۷۹)

---

① تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۶، اور مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۳۱ پر مذکور ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد حضرت زینبؑ بنت فاطمہؑ روتی پیٹتی ہوئی خیمہ سے باہر نکل آئیں اور خود کو لاشہ اکبرؑ پر گرا دیا اور پھر حضرت امام حسینؑ انھیں واپس خیمہ میں چھوڑ آئے۔ پس جب ان غم زدہ خواتین کی سردار خاتون مشکل کی اس گھڑی میں خیمہ سے باہر آگئیں تو پھر کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مستور بھی خیمہ میں باقی رہی ہوگی۔

② مصعب زبیری کی "نسب قریش" ص ۴۵ پر ہے کہ حضرت رقیہؑ کے بطن سے عبداللہؑ کے دو بھائی علی اور محمد بھی تھے۔

③ مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۲۲۰۔

④ انساب الاشراف: ج ۵، ص ۲۳۵ پر جہم کے بجائے بنو نون سے جھنی ہے۔

⑤ "المقاتل" ابوالفرج: ص ۲۷، مطبوعہ ایران۔

⑥ الارشاد، جب کہ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۶ پر ہے کہ عمرو بن صبیح الصدائی نے ایک تیر مارا اور اس کے دوسرے تیر نے آپؑ کا دل چیر کر رکھ دیا۔ انساب الاشراف: ج ۵، ص ۲۳۹ پر تیر مارنے والے کا نام یزید بن رقاد جنبی مذکور ہے۔

آلِ ابوطالبؑ کا حملہ

جب حضرت عبداللہ بن مسلمؒ کو بے دردی سے شہید کردیا گیا تو آلِ ابوطالبؑ نے مل کر ایک ایسا حملہ کیا کہ حضرت امام حسینؑ بھی ان لوگوں کو موت کے لیے اس قدر آمادہ دیکھ کر پکار اُٹھے:

صبراً علی الموت یابنی عمومتی واللہ لا رایتم ھوانا بعد ھذا الیوم [1]

"اے میرے چچازاد بھائیو! موت پر صبر کرو، خدا کی قسم! آج کے بعد کبھی مشکل اور رُسوائی نہ دیکھو گے"۔

اس یکبارگی حملہ میں حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر طیارؒ جن کی والدہ عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب علیہا السلام تھیں، ان کے بھائی حضرت محمدؒ جن کی والدہ خوصاء تھیں، حضرت عبدالرحمن بن عقیل بن ابی طالبؒ [2]، ان کے بھائی حضرت جعفر بن عقیلؒ اور حضرت محمد بن مسلم بن عقیلؒ [3] شہید ہوئے۔

حضرت حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسنؑ نواسۂ رسولؐ کو اٹھارہ زخم لگے اور ان کا دایاں بازو کٹ گیا لیکن شہید نہیں ہوئے۔

امیرالمومنین حضرت علیؑ کے بیٹے حضرت ابوبکر [4] جن کا اصلی نام محمد [5] ہے، میدانِ جہاد میں گئے اور انھیں زجر بن بدر نخعی (ملعون) نے شہید کردیا۔ [6]

حضرت عبداللہ ابن عقیل میدانِ جنگ کی طرف نکلے اور اس وقت تک بڑھ بڑھ کر وار کرتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے چُور ہوکر زمین پر گر پڑے تو عثمان بن خالد تمیمی (ملعون) نے آگے بڑھ کر انھیں شہید کردیا۔

---

1. یہ جملہ ابن جریر نے تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۵۶ پر ذکر کیا ہے جب کہ خوارزمی نے مقتل الحسینؑ ج ۲، ص ۸۷ اور سید ابن طاؤس نے اللہوف، ص ۴۴ پر حضرت امام حسینؑ کی صبر کی تلقین کی ندا کو بیان کیا ہے۔
2. علم الانساب کے ماہر ابن حبیب نے "المحبر" ص ۵۷ پر تحریر کیا ہے کہ خدیجہ بنت علیؑ کی شادی عبدالرحمن بن عقیل سے ہوئی تھی۔ ابن قتیبہ کی "معارف" ص ۸۹ پر حضرت علیؑ کے حالات کے ضمن میں مذکور ہے کہ خدیجہ بنت علیؑ کا عبدالرحمن کے صلب سے ایک بیٹا سعید پیدا ہوا۔ ابن حبیب کی "المحبر" ص ۵۷ پر ہے کہ عبدالرحمن کے دنیا سے جانے کے بعد خدیجہ نے ابوالسنابل عبداللہ بن عامر بن کریز سے عقد کیا۔
3. ذہبی کی سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۲۱۷ کے مطابق حضرت مسلم بن عقیلؑ کے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمن امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔
4. ابن حزم کی "جمہرۃ انساب العرب" ص ۱۱۸، ابن جوزی کی "صفوۃ الصفوۃ" ج ۱، ص ۱۱۹، اور مقتل الخوارزمی، ج ۲، ص ۹۸ پر ہے کہ ابوبکر کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود ہیں اور یہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔
5. یہ الارشاد اور اعلام الوریٰ میں امیرالمومنینؑ کی اولاد کے تذکرے میں مذکور ہے، جب کہ مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۲۸ پر ہے کہ ان کا نام عبداللہ ہے اور "صفوۃ الصفوۃ" میں ان کا نام محمد الاصغر مذکور ہے اور ان کی والدہ اُم ولد تھیں اور یہ حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ شہید ہوئے۔
6. مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۲۲۱، جب کہ مقتل الخوارزمی میں ان کے قاتل کا نام زحر بن قیس نخعی مذکور ہے۔ مقاتل ابی الفرج میں ہے کہ آپ کا لاشہ نہر سے ملا لیکن آپ کا قاتل معلوم نہ ہوسکا۔

حضرت قاسمؑ ابن امام حسنؑ اور ان کے بھائیوں کی شہادت

حضرت ابوبکر بن حسن بن امیر المومنینؑ جن کا نام عبداللہ الاکبر تھا۔ آپؑ کی والدہ اُم ولد (1) تھیں اور ان کا نام رملہ (2) تھا۔ آپؑ جنگ کے لیے لشکرِ یزید کی جانب بڑھے اور ان سے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ آپؑ کے بعد آپؑ کے مادری و پدری بھائی حضرت قاسمؑ (3) میدانِ جنگ کی طرف بڑھے۔ آپؑ اس وقت ایک نوخیز لڑکے کے مانند تھے اور ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ جب حضرت امام حسینؑ نے آپؑ کو دیکھا تو آپؑ کو گلے سے لگا کر گریہ کرنے لگے۔ (4) پھر اذنِ جہاد عطا کیا تو آپؑ اس حالت میں میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے تھے کہ آپؑ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن اور چمک رہا تھا۔ (5) آپؑ کے ہاتھ میں تلوار تھی، آپؑ نے ایک نفیس چوغہ اور پائجامہ زیب تن کر رکھا تھا اور پیروں میں نعلین تھی۔ آپؑ اپنی تلوار سے وار کرتے ہوئے چل رہے تھے کہ آپؑ کے بائیں جوتے کا تسمہ کھل گیا۔ (6) تو نبی اعظمؐ کے

---

(1) تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۹، مقاتل ابی الفرج: ص ۳۴

(2) الحدائق الوردیہ میں ہے کہ ابوبکر اور قاسم کی والدہ رملہ ہیں۔ تذکرۃ الخواص میں طبقات ابن سعد سے منقول ہے کہ قاسمؑ، ابوبکرؑ اور عبداللہؑ کی والدہ نفیلہ ہیں۔ مقاتل ابی الفرج میں ہے کہ اُم ولد کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ مصعب زبیری کی "نسب قریش" ص ۵۰ پر ہے کہ قاسمؑ اور ابوبکرؑ کربلا میں شہید ہوئے اور ان دونوں کی کوئی اولاد نہیں۔

(3) حضرت قاسمؑ کی شادی کے متعلق جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے وہ غیر معتبر اور درست نہیں ہے کیونکہ آپ ابھی شادی کرنے کی عمر کو نہیں پہنچے تھے اور مورخین کی طرف سے اس حوالے سے کوئی صحیح نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ شیخ فخر الدین الطریحی ایک جلیل القدر اور عظیم عالم تھے جن کے متعلق کوئی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ انھوں نے اس بات کو تحریر کیا ہو مگر ان کی کتاب "المنتخب" میں کسی نے خیانت کرتے ہوئے یہ مواد ڈال دیا ہے اور شیخ طریحی اس خائن کے خلاف قیامت کے دن مقدمہ پیش کریں گے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ سید علی محمد لکھنوی جنھیں تاج العلماء کا لقب دیا گیا ہے انھوں نے حضرت قاسمؑ کی شادی کہاں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ شیخ طہرانی کی "الذریعۃ" ج ۱۷، ص ۴، رقم ۱۹ میں مذکور ہے کہ انھوں نے ان کی شادی کے متعلق ایک رسالہ تحریر کیا اور اس کا نام "القاسمیہ" رکھا۔

(4) مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۲۷، خوارزمی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے حضرت قاسمؑ کو جنگ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تو وہ امامؑ کے اس وقت تک ہاتھوں اور پیروں پر بوسے دیتے رہے یہاں تک کہ انھیں اجازت مل گئی۔ مولف کہتے ہیں کہ یہ روایت ان روایات کے منافی ہے جو شب عاشور کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے تمام اصحاب اور اہل بیتؑ یہاں تک کہ حضرت قاسم اور عبداللہ الرضیع کی شہادت کی بھی خبر دی اور یہ روایت بھی حضرت قاسمؑ کی شادی کی روایت کی طرح ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

(5) تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۶، مقاتل ابی الفرج، الارشاد، اعلام الوریٰ: ص ۱۴۶، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۲۷

(6) تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۶، مقاتل ابی الفرج، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۲۷، جب کہ الارشاد اور اعلام الوریٰ میں ہے کہ دونوں میں سے ایک تسمہ کھل گیا۔

بیٹے کو یہ ناگوار محسوس ہوا کہ وہ برہنہ پا ہو کر میدانِ جنگ میں چلیں لہٰذا رُک کر اپنے جوتے کا تسمہ باندھنے لگے۔ ① آپؑ یہ بتا رہے تھے کہ میرے نزدیک ان دشمنوں سے زیادہ اس جوتے کا مقام ہے اور مجھے اس کثرت اور ہزاروں کے لشکر کی کوئی پرواہ نہیں۔

اسی اثناء میں عمرو بن سعد بن نفیل ازدی حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تو حمید بن مسلم نے اس سے کہا: تو اس نوخیز لڑکے سے کیا چاہتا ہے؟ جس گروہ کو تُو دیکھ رہا ہے کہ اُس نے اسے گھیر رکھا ہے یہ گروہ تیری اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے۔

تو اس نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں اس پر ضرور بضرور حملہ کروں گا۔ پھر اس نے اس نوجوان پر حملہ کر دیا۔ ابھی تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اس نے اس نوجوان کے سر پر اپنی تلوار سے ضرب لگائی اور وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔

حضرت قاسمؑ نے حضرت امام حسینؑ کو مدد کے لیے پکارا: واعماہ..... "اے چچا! میری مدد کو آیئے"۔

تو حضرت امام حسینؑ غضب ناک شیر کے مانند حضرت قاسمؑ کی جانب بڑھے اور آپؑ نے اس لعین عمرو بن سعد بن نفیل ازدی پر تلوار سے وار کیا، اس نے اپنے بازو سے خود کو بچانے کی کوشش کی تو اس کا ہاتھ کہنی سے کٹ گیا۔ پھر اس لعین نے بہت زور سے چیخ ماری جسے یزیدی لشکر نے سنا تو ابن سعد کے گھڑسوار حملہ کرنے کے لیے حرکت میں آگئے تا کہ اس لعین کو امام حسینؑ کے شکنجے سے آزاد کروا سکیں۔ جب یہ لشکر تیزی سے اِدھر اُدھر بھاگنے لگا تو عمرو بن سعد بن نفیل ازدی سامنے آگیا اور گھوڑوں کے سموں سے وہ ملعون پامال ہو کر فی النار ہو گیا۔

جب جنگ کے دوران اُٹھنے والا غبار چھٹا تو حضرت امام حسینؑ حضرت قاسمؑ کے سرہانے موجود تھے اور وہ ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا:

بعداً لقوم قتلوك خصمهم يوم القيامة جدك، عزّ والله على عمك أن تدعون فلا يجيبك او يجيبك ثم لا ينفعك صوت والله كثر واتره وقل ناصره

---

① ذخیرۃ الدارین: ص ۱۵۲، ابصار العین: ص ۷ ۳۔ مؤلف کہتے ہیں کہ یہ فرزندِ مصطفیٰؐ کا غرور نہیں تھا کہ وہ میدان میں برہنہ پا ہونے کو ناپسند کر رہے تھے۔ ابوالفرج نے "الاغانی" ج ۱۱، ص ۱۴۴ پر بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ بنو حارث بن کعب کے جعفر بن علیہ بن ربیعہ بن عبدیغوث کو گرفتار کر کے لایا گیا تا کہ اس سے بدلہ لیا جا سکے اور وہ چل رہا تھا کہ اس کے جوتے کا تسمہ کھل گیا اور وہ تسمہ باندھنے کے لیے کھڑا ہو گیا تو ایک شخص نے اس سے کہا کہ تم اس وقت جس مشکل سے دوچار ہو گیا اس نے تمہیں جوتے کا تسمہ باندھنے سے باز نہ رکھا تو جعفر نے یہ شعر پڑھا:

اشد قبال نعلی ان یرانی عدوی للحوادث مستکینا

"میرے لیے اس جوتے کا تسمہ باندھنے سے زیادہ سخت امر یہ ہے کہ میرا دشمن مجھے مشکلات کے سامنے ذلیل و عاجز دیکھے"۔

"اس قوم اشقیاء کا برا ہو کہ جس نے تجھے شہید کیا اور قیامت کے دن تمھارے دادا ان لوگوں کے خلاف مقدمہ پیش کریں گے۔ خدا کی قسم! تمھارے چچا کے لیے یہ امر بہت سخت ہے کہ تم انھیں بلاؤ اور وہ تمھاری مدد نہ کر سکے اور اگر مدد کے لیے آئیں تو تمھیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں۔ خدا کی قسم! آج تم نے اس وقت اپنے چچا کو مدد کے لیے پکارا ہے جب اس کے دشمن زیادہ اور مددگار کم ہیں"۔

پھر حضرت امام حسینؑ نے حضرت قاسمؑ کے لاشہ کو زمین سے اس طرح اُٹھایا کہ ان کا سینہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا اور ان کے پاؤں زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔ امام علیہ السلام نے حضرت قاسمؑ کو جا کر اس جگہ رکھ دیا جہاں پر حضرت علی اکبرؑ اور ان کے گرد آپؑ کے اہلِ بیتؑ کے دیگر شہدا کے لاشے رکھے ہوئے تھے۔ (تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۵۷، البدایہ، ابن کثیر: ج۸،ص ۱۹۶، الارشاد)

پھر حضرت امام حسینؑ نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا:

اللھم احصھم عددًا ولا تغادر منھم احداً ولا تغفر لھم ابداً! صبراً یا بنی عمومتی، صبراً یا اھل بیتی، لا رایتم ھواناً بعد ھذا الیوم ابداً۔

"اے اللہ! تو اس قوم کی تعداد کو شمار فرما اور ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوٹ نہ دے اور ان کو کبھی نہ معاف کرنا۔ اے میرے چچا زاد بھائیو! صبر کرو۔ اے میرے اہلِ بیتؑ صبر اختیار کرو۔ تم آج کے بعد کبھی ذلت و رُسوائی کا دن نہ دیکھو گے"۔ (مقتل الخوارزمی: ج۲،ص ۲۸)

حضرت عباس علیہ السلام کے بھائیوں کی شہادت

جب حضرت عباس علیہ السلام نے بنوہاشم کے بہت سارے افراد کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنے مادری و پدری بھائیوں عبداللہؑ، عثمانؑ اور جعفرؑ سے کہا:

اے میرے ماں جایے! آگے بڑھو یہاں تک کہ میں تمھیں اس حالت میں دیکھ لوں کہ تم نے خود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے لیے خالص کر لیا ہے۔ پھر اپنے بھائی عبداللہؑ کی طرف متوجہ ہوئے جو عثمانؑ اور جعفرؑ سے بڑے تھے اور ان سے فرمایا: اے میرے بھائی! آگے بڑھو یہاں تک کہ میں آپؑ کو شہادت کے منصب سے سرفراز ہوتا دیکھ لوں۔ (مقاتل ابی الفرج: ص ۳۲-۳۳)

پھر یہ تینوں بھائی حضرت ابوالفضل العباسؑ سے پہلے میدانِ جنگ میں جہاد کے لیے گئے اور تینوں نے جنگ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

نعما قرابین الالہ مجزرین علی الفرات

خیر الھدایۃ أن یکون الھدی من زمر الھداۃ

من بعد ما قضوا الصلاۃ قضوا فداءً للصلاۃ

''معبود کی راہ میں بہترین قربانیاں پیش کرنے والے وہ لوگ ہیں جنھیں دریائے فرات پر ذبح کیا گیا۔
بہترین ہدایت و رہنمائی یہ ہے کہ یہ تمام ہدایت یافتہ قربانیاں ہوں۔ ان ہستیوں نے نماز پڑھنے کے بعد نماز کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کر دیا''۔(حجۃ الاسلام علامہ شیخ محمد طاہر آل الفقیہ شیخ راضی [قدہ])

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت

جب حضرت عباس علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں اور اہل بیت علیہم السلام کے افراد کو اپنے سامنے شہید ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو اب آپؑ کے لیے مزید زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔ آپؑ حجت زماں کو بے یار و مددگار دیکھ رہے تھے کہ ان سے مدد کے تمام اسباب کو منقطع کر دیا گیا ہے۔ آپؑ کے کانوں میں پیاس کی شدت کی وجہ سے عورتوں کی چیخ و پکار اور بچوں کے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ آپؑ نے اپنے بھائی سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کی جب کہ نواسۂ رسولؐ شہید کربلا حضرت امام حسینؑ کے نزدیک حضرت عباسؑ کا وجود انتہائی قیمتی اور نفیس خزانے کے مانند تھا کیونکہ آپؑ کے دشمن حضرت عباسؑ کے حملہ سے خوف زدہ اور ان کی پیش قدمی سے سہمے ہوئے تھے۔ جب تک حضرت عباسؑ کا علم فضا میں بلند رہا مخدرات عصمت و طہارت مطمئن اور پرسکون تھیں اس لیے حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو خود سے جدا ہونے کی اجازت نہ دی اور ان سے فرمایا: انت صاحب لوائی ''آپؑ تو میرے علم دار ہیں''۔(بحار الانوار: ج۱۰، ص۲۵۱، مقتل العوالم: ص۹۴)

حضرت عباس علیہ السلام نے جواب دیا: ان منافقین کو دیکھنے سے مجھے سینے میں گھٹن محسوس ہوتی ہے اس لیے میں ان سے اپنے شہیدوں کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ تو حضرت امام حسینؑ نے جناب عباسؑ کو حکم دیا کہ وہ ان اشقیاء سے صرف بچوں کے لیے پانی طلب کریں۔ پھر حضرت عباس علیہ السلام قوم اشقیاء کی جانب بڑھے اور انھیں وعظ و نصیحت کی اور خدائے جبار کے غضب سے ڈرایا، لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

پھر حضرت عباسؑ نے بلند آواز میں فرمایا:

یاعمر بن سعد، ھذا الحسین ابن بنت رسول اللہ قد قتلتم اصحابہ واھل بیتہ وھؤلاء عیالہ واولادہ عطاشی، فاسقوھم من الماء قد احرق الظمأ قلوبھم وھو مع ذلک یقول: دعونی اذھب الی الروم أو الھند وأخلی لکم الحجاز والعراق۔

"اے عمر بن سعد! یہ حسینؑ نواسۂ رسولؐ خدا ہیں، تم نے ان کے اصحاب اور اہلِ بیتؑ کو شہید کر دیا ہے جب کہ آپؑ کے اہل و عیال اور اولاد پیاسے ہیں۔ پس تم انھیں پانی سے سیراب کرو کیوں کہ ان کے دل شدتِ پیاس کی وجہ سے جل چکے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم مجھے روم یا ہندوستان کی طرف جانے دو تو میں تمھارے لیے حجاز اور عراق کا علاقہ خالی چھوڑ دیتا ہوں"۔

حضرت عباسؑ کے کلام کا اس قومِ اشقیاء کے دلوں پر اتنا اثر ہوا کہ ان میں سے بعض اشقیاء رونے لگے لیکن شمر (ملعون) اونچی آواز میں چلّا کر بولا: اے ابوتراب کے بیٹے! اگر روئے زمین پر ہر طرف پانی ہی پانی ہو اور یہ تمام پانی ہمارے قبضے میں ہو تو بھی ہم تم لوگوں کو اس وقت تک اس سے ایک بوند بھی پینے کو نہ دیں گے جب تک تم یزید کی بیعت میں نہ آجاؤ۔

حضرت عباس علیہ السلام نے اپنے بھائی مولا حسینؑ کی بارگاہ میں واپس آکر انھیں اس بات کی خبر دی کہ وہ اشقیاء پانی نہیں دیتے۔ حضرت عباسؑ نے سنا کہ خیامِ حسینیؑ میں معصوم بچے پیاس کی شدت کی وجہ سے چیخ و پکار اور گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ [1] تو آپؑ اس حالت کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکے اور ان کی ہاشمی حمیت و غیرت جوش کھانے لگی۔

پھر حضرت عباسؑ اپنے رہوار پر سوار ہوئے۔ آپؑ نے پانی کی ایک مشک اپنے ہمراہ لی اور فرات کی جانب بڑھنے لگے لیکن بہت جلد ہی چار ہزار یزیدی فوج نے آپ کا محاصرہ کر کے آپؑ پر تیر برسانے شروع کر دیے لیکن ان کی یہ کثرت آپؑ کو اپنے ارادے سے باز نہ رکھ سکی اور آپؑ نے تنہا اس لشکر کو مار بھگایا۔ آپؑ کے سر پر علم لہرا رہا تھا اور قومِ اشقیاء کو یہ بھی محسوس نہ ہوا کہ حضرت عباسؑ ان کے بہادروں کو موت کے گھاٹ اُتار رہے ہیں یا وصیِ مصطفیٰؐ حیدرِ کرار شیرِ خدا میدان میں دھاڑ رہے ہیں۔ کوئی یزیدی آپؑ کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور آپؑ مطمئن اور پُرسکون حالت میں دریائے فرات پر جا کر اُتر گئے جب کہ آپؑ کو اس یزیدی لشکر کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ جب آپؑ نے فرات کے پانی سے اپنے چلو بھرا تاکہ اپنی پیاس بجھا سکیں تو آپؑ کو حضرت امام حسینؑ اور ان کے پیاسے ساتھیوں اور بچوں کی پیاس یاد آگئی اور آپؑ نے پانی دریا میں پھینک دیا [2] اور کہا:

یانفس من بعد الحسین ھونی و بعدہ لا کنت ان تکونی

ھذا الحسین وارد المنون و تشربین بارد المعین

تاللہ ما ھذا فعال دینی [3]

---

[1] تظلم الزہراء: ص ۱۱۸

[2] "المنتخب" طریحی، ص ۳۱۱، تیسرا ایڈیشن، مجلس نمبر ۹، شبِ عاشور۔ بحار الانوار: ج ۱۰، ص ۲۰۱، اور مقتل العوالم: ص ۹۵ میں بحار الانوار سے اور تظلم الزہراء: ص ۱۱۹ میں مقتل العوالم سے منقول ہے۔ ریاض المصائب: ص ۳۱۳

[3] ریاض المصائب: ص ۳۱۳، سید محمد مہدی موسوی۔

"اے نفس! حضرت امام حسینؑ کے بعد تیرے لیے ذلت ورُسوائی کا مقام ہے اور حضرت امام حسینؑ کے بعد تجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ موت کے درمیان گھرے ہوئے ہیں اور تُو ٹھنڈا پانی پی کر اپنی پیاس بجھانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! میرا دین اور ایمان مجھے ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میرے امام وآقا اور ان کے اہل وعیال پیاسے ہوں اور میں پانی پی لوں"۔

پھر حضرت عباس علیہ السلام نے مشک کو پانی سے بھرا اور اپنے رہوار پر سوار ہوکر خیامِ حسینیؑ کی طرف تیزی سے روانہ ہوئے۔ عمر سعد کے لشکر نے آپؑ کا راستہ روکنا چاہا تو آپ نے ان پر یوں بہادری سے اپنی تلوار کے وار کیے کہ اکثر یزیدیوں کو فی النار کردیا اور وہ آپؑ کے راستہ سے ہٹتے چلے گئے۔ حضرت عباسؑ اس وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

لا ارهب الموت اذا الموت زقا[1] حتّٰی اواری فی المصالیت لقی

نفسی لسبط المصطفٰی الطهر وقی انی انا العباس اغدو بالسقا

ولا اخاف الشر یوم الملتقی

"جب موت میری طرف رُخ کر کے مجھے پکارتی ہے تو مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں ہوتا یہاں تک کہ میری لاش بھی بہادر جنگجو لوگوں کے کشتوں میں چھپ جائے۔ میری جان پاک فرزندِ مصطفیٰؐ پر قربان ہوجائے۔ بے شک میں عباس ہوں اور اس مشک کو خیامِ حسینیؑ تک ضرور لے جاؤں گا اور جس دن حق و باطل کی آپس میں مڈبھیڑ ہوتو میں باطل کے فتنوں، شرانگیزیوں اور موت سے نہیں گھبراتا"۔

حضرت عباس علیہ السلام پانی کی مشک لیے خیموں کی جانب تیزی سے بڑھ رہے تھے کہ زید بن رقاد الجہنی نے کھجور کے درخت کے پیچھے چھپ کر وار کیا اور حکیم بن طفیل السنبسی نے اس لعین کی مدد کی اور اس نے آپؑ کے دائیں بازو پر وار کیا۔

---

[1] زقا کا معنی پکارنا اور چیخنا چلانا ہے۔ عرب یہ گمان کرتے تھے کہ موت کا ایک پرندہ ہوتا ہے جو چیختا چلاتا ہے جسے وہ "ھامہ" کہتے ہیں۔ عربوں کے بقول اگر کوئی شخص قتل ہوجائے اور اس کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے تو یہ ھامہ پرندہ اس وقت تک چیختا چلاتا رہتا ہے جب تک اس کے قتل کا بدلہ نہ لے لیا جائے۔ شاعر کا قول ہے:

فإن تك هامة بهراة تزقو فقد ازقیت بالمروین هاما

مؤلف کہتے ہیں: میں نے عالم فاضل شخصیت شیخ کاظم سبتی کو یہ کہتے سنا کہ میرے پاس ایک ثقہ و با اعتماد عالمِ دین تشریف لائے۔ انھوں نے کہا کہ میں حضرت عباسؑ کی طرف سے تمھارے پاس پیغام رساں بن کر آیا ہوں کہ میں نے خواب میں آپؑ کی زیارت کی اور وہ آپ کی یوں سرزنش کر رہے تھے کہ شیخ کاظم سبتی میری مصیبت کا تذکرہ نہیں کرتا۔ میں نے کہا: اے میرے آقا! میں ان کی مجالس سنتا ہوں اور وہ آپ کے مصائب بیان کرتے ہیں۔ تو حضرت عباسؑ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ میری یہ وصیت پڑھا کرے: "جب بھی کوئی گھڑسوار زین سے زمین پر گرتا ہے تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں کا سہارا زمین پر لیتا ہے اور اگر کسی کے سینے میں تیر ہوں اور اس کے دونوں بازو کاٹ دیے گئے ہوں تو وہ زمین پر کیسے گرے گا؟

واللہ ان قطعتم یمینی انی اُحامی ابداً عن دینی

وعن امام صادق الیقین نجل النبی الطاهر الامین

"خدا کی قسم! اگر تم نے میرا دایاں بازو قلم کردیا ہے تو پھر بھی میں ہمیشہ اپنے دین اور ایمان کی حفاظت وحمایت کرتا رہوں گا۔ اور میں ہمیشہ اس امامؑ کی حمایت کرتا رہوں گا جو صادق اور یقین محکم کے مالک ہیں اور وہ طاہر وامین نبیؐ کے بیٹے ہیں"۔

آپؑ کو اپنے دائیں بازو کے کٹنے کی کوئی پروانہ تھی بلکہ آپؑ کا صرف یہ مقصد تھا کہ کسی طرح حضرت امام حسینؑ کے معصوم بچوں اور آپؑ کے اہل وعیال تک پانی پہنچا دیا جائے لیکن حکیم بن طفیل کھجور کے ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ جب حضرت عباسؑ اس لعین کے پاس سے گزرے تو اس نے آپؑ کے بائیں بازو پر وار کیا اور آپ کا بایاں بازو قلم ہوگیا۔ [1] اس کے بعد آپؑ پر ہر طرف سے یزیدی فوجیں ٹوٹ پڑیں، آپؑ پر بارش کی طرح تیر برسنے لگے اور ایک تیر مشک میں لگا جس سے مشک کا سارا پانی بہہ گیا۔ پھر مزید ایک تیر آپؑ کے سینہ میں پیوست ہوگیا۔ [2] اور ایک لعین نے آپؑ کے سر پر گرز مارا جس سے آپؑ کا سر شگاف ہوگیا۔

وهوی بجنب العلقمی فلیته للشاربین به یذاف العلقم

"آپؑ (حضرت عباسؑ) نہر علقمہ کے پاس گرے اور شاید دریا کے کنارے لینے والے افراد نے آپ کی شہادت کی تلخی کا کڑوا گھونٹ نگل لیا ہو"۔

اس کے بعد حضرت عباسؑ زمین پر گر پڑے اور حضرت امام حسینؑ کو الوداعی سلام کرتے ہوئے پکارا:

علیك منی السلام یا اباعبداللہ

"اباعبداللہ! میرا آخری سلام قبول کیجئے"۔

حضرت امام حسینؑ فوراً آپؑ کے پاس تشریف لے آئے۔ [3]

اے کاش! ہم یہ جان سکتے کہ حضرت امام حسینؑ حضرت عباسؑ کے پاس کس حالت میں تشریف لے گئے۔ کیا وہ اس عظیم مصیبت پر اپنی بجھی ہوئی زندگی کے ساتھ آئے یا بھائی چارے کی کشش ایک بھائی کو اپنے محبوب بھائی کی طرف کھینچ کرلے گئی؟!

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب: ج۱، ص۲۲۱

[2] ریاض المصائب: ص ۳۱۵

[3] "المنتخب" طریحی: ص ۳۱۲، ۳۱۳، مطبعہ حیدریہ ۱۳۶۹ھ۔ ریاض المصائب: ص ۳۱۵، جب کہ مناقب ابن شہر آشوب: ج۲، ص ۲۲۲ پر ہے کہ حکیم بن طفیل نے لوہے کا گرز آپؑ کے سر پر مارا۔

ہاں! اس وقت حضرت امام حسینؑ نے اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کیا کہ ایک مقدس ہستی کس طرح مٹی پر خاک و خون میں غلطاں ہو کر قربان ہو رہی تھی اور تیروں نے انھیں کس طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ اب حضرت عباسؑ نہ تو کسی خواہش کا اظہار کر رہے تھے اور نہ ہی کوئی رجز پڑھا جا رہا تھا اور نہ ہی کوئی حملہ دشمن کو خوفزدہ کر رہا تھا۔ آپؑ کی آنکھ کچھ بھی نہیں دیکھ رہی تھی اور زمین پر آپؑ کے سر سے خون بہتا جا رہا تھا!!

کیا یہ درست ہے کہ ان تمام مشکلات و مصائب کو دیکھنے کے بعد بھی حضرت امام حسینؑ زندہ تھے اور وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکتے تھے؟۔ حضرت ابوالفضل العباسؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ لکڑی کے اس ڈھانچے کے مانند رہ گئے تھے جو زندگی کے لوازمات سے خالی ہو۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنی اس حالت کو اس فرمان کے ذریعے بیان کیا:

الآن انکسر ظهری وقلت حیلتی ①

"اب میری کمر ٹوٹ گئی اور میری طاقت کم پڑ گئی"۔

وبان الانکسار فی جبینه	فاندکت الجبال من حنینه
وکیف لا وهو جمال بهجته	وفی محیاه سرور مهجته
کافل أهله وساق صبیته	وحامل اللوا بعالی همته ②

"اس وقت آپؑ (حضرت امام حسینؑ) کی پیشانی سے انکساری ظاہر ہو رہی تھی اور آپؑ کے دکھ درد سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ حضرت عباسؑ حضرت امام حسینؑ کی شادابی اور سرور کا جمال تھے اور حضرت عباسؑ کے زندہ رہنے میں ہی آپؑ کے دل کا سرور تھا۔ اے امام حسینؑ کے کنبے کی نگہداشت کرنے والے اور ان کے بچوں کو سیراب کرنے والے اور اپنے بلند عزم و ہمت کے ساتھ اُن کے پرچم کو اُٹھانے والے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کو وہیں پر چھوڑ دیا جس زمین پر وہ گرے تھے اور انھیں وہاں سے کسی دوسری جگہ پر منتقل نہ کیا کیونکہ امامؑ کے اس فعل میں بھی ایک راز پوشیدہ تھا اور آنے والے وقت نے اس راز سے پردہ اُٹھایا کہ حضرت عباسؑ کو اس لیے کربلا کے باقی شہداء سے الگ مقام پر دفن کیا گیا تا کہ لوگ آپؑ کے روضۂ مقدس پر اپنی حاجات لے کر آئیں اور خاص طور پر آپؑ کی زیارت کو جائیں اور لوگ زمین کے اس ٹکڑے کی طرف بڑھیں جہاں پر آپؑ کے روضۂ اقدس کا گنبد ہے کہ جس کی بلندی آسمان کو چھوتی ہے تا کہ وہ لوگ اس گنبد کے نیچے کھڑے ہو کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔

---

① بحار الانوار: ج ۱۰، ص ۲۵۱، تظلم الزہراء: ص ۱۲۰

② آیت اللہ محمد حسین اصفہانی (قدہ)

(حضرت عباسؑ کے علیحدہ دفن کا ایک راز یہ بھی تھا کہ) آپؑ کے حرم مقدس میں کرامات ظاہر ہوں گی تاکہ اُمت اسلامیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک حضرت عباسؑ کی قدرومنزلت اور بلند مقام ومرتبہ کی معرفت حاصل ہو۔ پھر آپؑ کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس اُمت پر ان کی محبت اور مسلسل زیارت کرنے کا جو حق واجب ہے وہ اسے ادا کریں۔ تو یوں حضرت عباس علیہ السلام کی ذات بندوں اور اللہ کے درمیان اتصال کا وسیلہ قرار پائے گی۔ اس وقت کے حجت خدا ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ مشیت تھی کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کی ظاہری قدرومنزلت، ان کی اُخروی اور معنوی قدرومنزلت سے مشابہت رکھتی ہو لہٰذا جیسے خدا اور حجت خدا نے چاہا اور پسند کیا ویسا ہی ہوا۔

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ انتہائی افسردہ، غم زدہ اور ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ روتے ہوئے خیمہ میں واپس تشریف لے آئے۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ اپنی آستین کے ساتھ اپنے آنسو پونچھ رہے تھے۔
جب اشقیاء حضرت امام حسینؑ کے خیمے پر حملہ آور ہوئے تھے تو اس وقت آپؑ نے یہ استغاثہ بلند کیا:

أما من مغيث يغيثنا؟ أما من مجير يجيرنا؟ أما من طالب حق ينصرنا، أما من خائف من النار فيذب عنا۔

"کیا کوئی فریادرس نہیں جو ہماری فریادرسی کرے؟ کیا کوئی شخص ایسا نہیں جو ہماری مدد کرے اور ہمیں پناہ دے؟ کیا کوئی حق کا طلب گار نہیں جو ہماری مدد کرے؟ کیا کوئی جہنم کی آگ سے ڈرنے والا نہیں جو ہمارا دفاع کرے"۔

پھر حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا حضرت امام حسینؑ کے پاس تشریف لائیں اور اپنے چچا کے بارے میں پوچھا تو حضرت امام حسینؑ نے انھیں بتایا کہ وہ شہید ہوگئے ہیں۔ جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے یہ سنا تو وہ رونے اور بین کرنے لگیں:

واأخاه واعباساه واضيعتنا بعدك!

"ہائے میرے بھائی! ہائے عباسؑ! ہائے تم نے ہمیں اپنے بعد مصائب کے لیے چھوڑ دیا"۔

پھر تمام مستورات رونے لگیں اور ان کے ساتھ حضرت امام حسینؑ نے بھی گریہ کیا اور فرمایا: اے عباسؑ! ہائے تم نے ہمیں اپنے بعد مصیبتوں کے لیے چھوڑ دیا۔

سیدالشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی میدان کی طرف روانگی

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اردگرد دیکھا تو آپؑ کو کوئی بھی اپنا ناصرومددگار نظر نہ آیا۔ آپؑ نے اپنے اہل بیتؑ اور اصحاب کی لاشوں کی طرف نظر کی جو کہ قربانی کے جانوروں کی طرح گنج شہیداں میں

ذبح ہوئے پڑے تھے۔ آپؑ نے اس وقت بیواؤں کی آہ و زاری اور بچوں کی چیخ و پکار سنی تو بلند آواز میں فرمایا:

هل من ذاب عن حرم رسول الله؟ هل من موحد يخاف الله فينا؟ هل من مغيث يرجوا الله في اغاثتنا؟

”کیا کوئی رسولؐ خدا کے خاندان کی مستورات کی حفاظت کرنے والا ہے؟ کیا کوئی ایسا توحید پرست ہے جو ہمارے متعلق خوفِ خدا رکھتا ہو؟ کیا کوئی ایسا مددگار ہے جو خدا کے خوف کی وجہ سے ہماری مدد کرے؟“

حضرت امام حسین علیہ السلام کے استغاثہ کے یہ جملے سن کر مستورات کے گریہ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ① حضرت امام سجاد علیہ السلام ایک عصا کا سہارا لے کر اُٹھے جب کہ آپؑ کی تلوار زمین پر خط کھینچ رہی تھی کیونکہ آپؑ اس قدر بیمار تھے کہ حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت امام حسینؑ نے حضرت اُمِ کلثوم علیہا السلام سے بلند آواز میں فرمایا: اے اُمِ کلثومؑ! انھیں روک لو کہیں ایسا نہ ہو کہ زمین آلِ محمدؐ کی نسل سے خالی ہو جائے۔ پھر حضرت اُمِ کلثوم علیہا السلام انھیں واپس بستر پر چھوڑ آئیں۔ ②

پھر آپؑ نے اپنی مستورات کو خاموش ہونے کا حکم دیتے ہوئے انھیں الوداع کیا جب کہ آپؑ نے سیاہی مائل رنگ کا ریشمی جبہ پہن رکھا تھا۔ ③ آپؑ نے سرخ رنگ کا عمامہ سر پر رکھا جس کے دونوں اطراف سے سرے لٹک رہے تھے۔ رسولؐ خدا کی چادر اوڑھی اور سید الانبیا حضرت محمد مصطفیٰؐ کی تلوار حمائل کی۔ ④

پھر آپؑ نے ایسا لباس مانگا جس میں کوئی رغبت نہ رکھتا ہو۔ آپؑ نے یہ لباس اپنے ظاہری لباس کے نیچے پہن لیا تاکہ اسے کوئی نہ اُتارے کیونکہ امامؑ جانتے تھے کہ وہ ایسے شہید ہیں کہ جن کی شہادت کے بعد ان کے لاشے پر لوٹ مار کی جائے گی۔

---

① اللہوف: ص ۶۵

② ”الخصائص الحسینیہ“ شیخ جعفر شوشتری، ص ۱۲۹، چوتھا استغاثہ...... ان کے علاوہ درج ذیل مورخین نے معرکۂ کربلا میں حضرت امام سجاد علیہ السلام کے بیمار ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ”نسب قریش“ مصعب زبیری، ص ۵۸، تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۲۱۷، اور خوارزمی نے مقتل الحسینؑ: ج ۲، ص ۳۲ پر تحریر کیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا استغاثہ سن کر علی ابن الحسینؑ میدان کی طرف نکلے اور یہ اپنے اس بھائی (علی اکبرؑ) سے چھوٹے تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ آپؑ اس قدر بیمار تھے کہ تلوار بھی نہیں اُٹھا سکتے تھے...... الخ۔

③ مرآۃ العقول: ج ۴، ص ۱۰۵ کے حاشیہ پر ہے کہ شیخ کلینیؒ نے الکافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے۔ آلوسی نے روح المعانی: ج ۸، ص ۱۱۱ پر سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۳۲ (قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ) کے ضمن میں۔ ابن حجر نے مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۹۲، اور خوارزمی نے مقتل الحسینؑ: ج ۲، ص ۳۵ پر بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے روز عاشور سیاہی مائل رنگ کا ریشمی جبہ پہن رکھا تھا

④ المنتخب: ص ۳۱۵، مطبعہ حیدریہ ۱۳۶۹ھ۔

آپؑ کو ایک چھوٹا پائجامہ لاکر دیا گیا جس سے صرف شرم گاہیں ڈھانپی جاسکتی تھیں تو آپؑ نے اسے پہننا گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ یہ ذلت ورُسوائی کا لباس ہے۔ [1] پھر آپؑ نے ایک بوسیدہ لباس لے کر اُسے چاک چاک کیا اور اسے اپنے لباس کے نیچے پہن لیا۔ [2] آپؑ نے ایک یمنی کپڑے کا پائجامہ منگوایا اور اسے بھی چاک کر کے پہن لیا تا کہ اسے کوئی نہ لوٹے۔ [3]

شیر خوار بچہ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے شیر خوار بچے کو الوداع کرنے کے لیے بلایا تو حضرت زینب سلام اللہ علیہا آپؑ کے پاس آپؑ کے بیٹے عبداللہ [4] کو لے کر حاضر ہوئیں، اس بچے کی والدہ کا نام ربابؑ ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے اس بچے کو اپنی آغوش میں بٹھا کر بوسہ دیا [5] اور فرمایا:

بعداً لهولاء القوم اذا كان جدك المصطفٰى خصمهم [6]

"جس دن تمھارے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفیؐ اس قومِ اشقیاء کے خلاف خدا کی بارگاہ میں شکوہ کریں گے، اس دن یہ ذلیل ورُسوا ہوں گے"۔

پھر امام علیہ السلام اُسے اُٹھا کر قومِ اشقیاء کے سامنے لے گئے اور اس کے لیے پانی مانگا تو جواب میں حرملہ بن کاہل

---

[1] مناقب ابن شہرآشوب: ج۲، ص ۲۲۲۔ بحار الانوار: ج۱۰، ص ۲۰۵

[2] "مجمع الزوائد" ابن حجر الہیثمی: ج۹، ص ۱۹۳۔ بحار الانوار: ج۱۰، ص ۲۰۵

[3] الملہوف: ص ۶۹، تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۵۹

[4] ابن شہرآشوب نے "المناقب" ج۲، ص ۲۲۲ پر اس شیر خوار بچے کا نام علی اصغر تحریر کیا۔ سید ابن طاؤس نے "الاقبال" میں عاشور کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا ذکر کیا ہے۔ اس زیارت میں وارد ہے: صلى الله عليك وعليهم وعلى ولدك على الاصغر الذى فجعت به جبکہ شیخ مفیدؒ نے "الاختصاص" ص ۳، ابوالفرج نے "مقاتل الطالبین" ص ۳۵، اور مصعب زبیری نے "نسب قریش" ص ۵۹ میں اس شیر خوار بچے کا نام عبداللہ اور اس کی والدہ کا نام ربابؑ تحریر کیا ہے۔ "سر السلسلة" ص ۳۰ پر مرقوم ہے کہ اپنے باپ کی آغوش میں عبداللہ تیر سے شہید ہوا۔ اس نے ان کی والدہ کا نام ذکر نہیں کیا۔

[5] الملہوف: ص ۶۵۔ جبکہ تاریخ یعقوبی: ج۲، ص ۲۱۸، مطبوعہ نجف میں ہے کہ حضرت امام حسینؑ درِ خیمہ پر کھڑے ہوئے تھے کہ آپؑ کے پاس آپ کا نومولود بچہ لایا گیا جو اسی وقت پیدا ہوا تھا۔ آپؑ نے اس کے کان میں اذان دی اور ابھی اسے گھٹی دے رہے تھے کہ ایک تیر آکر اس نومولود کے گلے پر لگا اور یہ ذبح ہوگیا۔ امامؑ نے اس کے گلے سے تیر نکالا اور اس کے خون سے آلودہ ہوگئے۔ پھر فرمایا: خدا کی قسم! تم خدا کے نزدیک ناقہ صالح سے زیادہ محترم ومکرم ہو اور حضرت محمدؐ صالح نبی سے زیادہ خدا کے نزدیک محترم ومکرم ہیں۔ پھر آپؑ نے اس بچے کا لاشہ اس کے بھائی اور چچازاد کے لاشوں کے ساتھ رکھ دیا۔

[6] بحار الانوار: ج۱۰، ص ۲۳، مقتل الخوارزمی: ج۲، ص ۳۲۔

اسدی (ملعون) نے ایک تیر مارا جس سے یہ شیرخوار ذبح ہو گیا اور حضرت امام حسینؑ نے اس کا خون ہتھیلی میں لے کر آسمان کی طرف پھینک دیا۔

ابو جعفر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس خون کا ایک قطرہ بھی آسمان سے زمین پر نہیں گرا۔[1] اور اسی شیرخوار بچے کے متعلق حجت آلِ محمد امام زمانہ عجل اللہ فرجہ زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں:

السلام على عبدالله الرضيع المرمى الصريع المتشحط دماً والمصعد بدمه الى السماء المذبوح بالسهم في حجر ابيه، لعن الله راميه حرملة بن كاهل الاسدي وذويه

"میرا سلام ہو اس شیرخوار عبداللہ پر جسے تیر سے شہید کیا گیا اور خون میں لتھیڑ دیا گیا اور اس کے خون کو آسمان کی طرف پھینکا گیا اور اسے اپنے باپ کی آغوش میں تیر سے ذبح کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ شیرخوار عبداللہ کو تیر مارنے والے حرملہ بن کاہل اسدی اور اس کے کنبے پر لعنت کرے"۔

پھر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا:

هوّن ما نزل بي أنه بعين الله تعالى[2] اللهم لا يكون أهون عليك من فصيل ناقة صالح، الهي إن كنت حبست عنا النصر فاجعله لما هو خير منه وانتقم لنا من الظالمين[3] واجعل ما حل بنا في العاجل ذخيرة لنا في الآجل[4] اللهم أنت الشاهد على قوم قتلوا أشبه الناس برسولك محمد[5]

"جو مصائب مجھ پر نازل ہوئے ہیں یہ ہیچ ہیں کیونکہ خدا ان تکالیف و مصائب کو دیکھ رہا ہے۔ اے اللہ! یہ قومِ اشقیاء تیرے نزدیک ناقۂ صالحؑ کی کونچیں کاٹنے والی کم بخت قوم سے کم رسوا نہ ہوگی۔

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۲ پر ہے کہ اس خون میں سے کچھ بھی واپس نہ آیا، جب کہ ابن نما نے مثیر الاحزان: ص ۳۶، اور سید ابن طاوس نے اللہوف: ص ۶۶ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی درج بالا روایت ذکر کی ہے۔ ابن کثیر نے "البدایہ" ج ۸، ص ۱۸۶ اور قرمانی نے "اخبار الدول" ص ۱۰۸ اور خوارزمی نے مقتل الحسینؑ، ج ۲، ص ۳۲ پر صرف اتنا تحریر کیا ہے کہ پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس خون کو آسمان کی طرف پھینکا۔ ابن کثیر نے کہا ہے کہ جس شخص نے تیر مارا تھا وہ بنو اسد سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا نام "ابن موقد النار" ہے۔

[2] اللہوف: ص ۶۶

[3] "مثیر الاحزان" ابن نما: ص ۳۶، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۲

[4] تظلم الزہرا: ص ۱۲۲

[5] المنتخب: ص ۳۱۳

اے میرے پروردگار! اگر تُو نے ہم سے نصرت کو روک لیا ہے تو اس کے عوض ہمیں اس سے بہتر عطا فرما اور ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے اور جو کچھ ہمارے ساتھ اس دنیا میں ہوا ہے، اسے ہمارے لیے آخرت میں ذخیرہ قرار دے۔ اے خدایا! تُو اس قوم اشقیاء پر گواہ ہے جنھوں نے اس شخص کو قتل کیا جو لوگوں میں سب سے زیادہ تیرے رسول حضرت محمد ﷺ سے مشابہ تھا"۔

حضرت امام حسینؑ نے سنا کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ اے حسینؑ! اپنے اس شیر خوار بچے کو چھوڑ دو بے شک جنت میں اس کے لیے دایہ (دودھ پلانے والی) موجود ہے۔ ①

پھر حضرت امام حسینؑ اپنے رہوار سے اُترے اور اپنی تلوار کی نوک سے اس شیر خوار بچے کے لیے قبر کھودی اور اسے اس حالت میں زمین میں دفن کیا کہ وہ ریت اور خون میں غلطاں تھا جب کہ حضرت امام حسینؑ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ ②

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت امام حسینؑ نے اس شیر خوار کو اپنے اہل بیتؑ کے دیگر شہدا کے لاشوں کے ساتھ لا کر رکھ دیا۔ ③ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ اپنی تلوار کو لہراتے ہوئے اور اپنی زندگی سے مایوس ہو کر قوم اشقیاء کی طرف بڑھے اور لوگوں کو اپنے مقابلے پر بلایا اور جو بھی آپؑ کے مقابلے پر آیا آپؑ نے اسے واصل جہنم کر دیا۔ یہاں تک کہ آپؑ نے بہت زیادہ یزیدیوں کو فی النار کیا۔ ④

اس کے بعد امام علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے میمنہ پر حملہ کیا:

الموت أولى من ركوب العار　　　والعار أولى من دخول النار

"ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے اور جہنم کی آگ میں داخل ہونے سے ننگ و عار بہتر ہے"۔ ⑤

پھر امام علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے میسرہ پر حملہ کیا:

---

① تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۳، "المنتخب" مرزا فرحاد، ص ۸۵ ۳۔ جب کہ "الاصابہ" میں رسولِ خدا کے فرزند حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ کے ضمن میں "تہذیب الاسماء" نووی: ج۱، ص ۱۰۲، شرح المواھب اللدنیہ، زرقانی: ج ۳، ص ۲۱۴، باب اولاد النبیؐ میں مذکور ہے کہ جب رسولِ خدا کے بیٹے حضرت ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو نبی اکرمؐ نے فرمایا: ابراہیم کے لیے جنت میں دایہ موجود ہے جو اس کی نگہداشت کرے گی۔

② مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۲، الاحتجاج، طبرسی: ص ۱۳، مطبوعہ نجف اشرف۔

③ الارشاد، مثیر الاحزان: ص ۳۶

④ مقتل العوالم: ص ۹۷، مثیر الاحزان، ابن نما: ص ۳۷، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۳

⑤ جاحظ کی "البیان والتبیین" ج ۳، ص ۱۷۱، دوسرے ایڈیشن میں "کلام الادب" کے عنوان کے تحت ان اشعار کو رقم کرنے کے بعد یہ بیت اشعر ذکر کیا ہے:

والله من هذا　　و هذا جار

أنا الحسين بن علی آلیت أن لا انثنی
احمی عیالات أبی امضی علی دین النبی

"میں حسینؑ ابن علیؑ ہوں اور میں ہرگز تمہارے آگے نہیں جھکوں گا۔ میں اپنے باباؑ کے اہل وعیال کا دفاع کروں گا اور نبیؐ کے دین پر ثابت قدم رہوں گا"۔(مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲،ص ۲۲۳)

عبداللہ بن عمار بن یغوث کہتا ہے: میں نے کبھی نرغۂ اعداء میں گھرے ہوئے ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ جس کی اولاد، اہلِ بیتؑ اور اصحاب اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوئے ہوں اور وہ حضرت امام حسینؑ سے زیادہ بہادر، ثابت قدم، مطمئن اور جرأت مند ہو حالانکہ امام حسینؑ پر ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے اور جناب میں جب کہ امام حسینؑ اُن پر حملہ آور ہوتے تو کسی کے میدان میں قدم نہ ٹھہرتے۔ ①

یہ منظر دیکھ کر عمر ابن سعد (ملعون) اپنے لشکر کو چیختے ہوئے کہتا ہے: یہ فرزند انزع بطین اور عربوں کے سب سے بڑے جنگجو بہادر کا بیٹا ہے، اس پر ہر طرف سے حملہ کرو۔ پھر حضرت امام حسینؑ پر چار ہزار تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کردی۔ ② جب یزیدی لشکر کی پیادہ فوج حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے خیام کے درمیان حائل ہوئی تو حضرت امام حسینؑ نے بلند آواز میں فرمایا:

یاشیعة آل أبی سفیان إن لم یکن لکم دین وکنتم لا تخافون المعاد فکونوا احراراً فی دنیاکم وارجعوا إلی أحسابکم إن کنتم عرباً کما تزعمون

"اے آلِ ابوسفیان کے شیعو! اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور تم قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے ہو تو اپنی دنیا میں آزاد مرد بنو اور اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں پر نظر ڈالو اور جیسا کہ تم عرب ہونے کے دعوے دار ہو تو اپنی عربی غیرت وحمیت کا ثبوت دو"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے یہ جملے سن کر شمر (ملعون) نے کہا: اے فاطمہؑ کے فرزند! کیا کہہ رہے ہو؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

انا الذی اقاتلکم والنساء لیس علیهن حرج فامنعوا عتاتکم عن التعرض لحرمی مادمت حیًا

"تم لوگوں سے میں جنگ کر رہا ہوں اور ان مستورات کا کوئی قصور نہیں ہے لہٰذا تم اپنے گستاخ وسرکش

---

① تاریخ طبری: ج ۶،ص ۲۵۹، جب کہ مقتل الخوارزمی: ج ۲،ص ۳۸ پر اس قول کو کسی ایسے شخص کی طرف منسوب کر کے پیش کیا گیا ہے جس نے واقعۂ کربلا کا مشاہدہ کیا تھا۔

② مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲،ص ۲۲۳

لشکر کے سپاہیوں کو اس طرح سے روکو کہ جب تک میں زندہ ہوں وہ میری مستورات سے گستاخی اور ان کی اہانت کرنے سے باز رہیں"۔

قال اقصدونی بنفسی واترکوا حرمی قدحان حینی وقد لاحت لوائحه

"حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: تم لوگ میرا سامنا کرو اور میری مستورات کو کچھ نہ کہو بے شک میری موت کا وقت آ گیا ہے، تقدیر کا فیصلہ لکھا جا چکا ہے"۔

شمر (ملعون) نے کہا: ہم تمھارا یہ مطالبہ منظور کرتے ہیں۔

اس کے بعد قومِ اشقیاء نے حضرت امام حسینؑ کا رُخ کیا اور گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اسی اثناء میں حضرت امام حسینؑ پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ [1] تو آپؑ نے دریائے فرات کا رُخ کیا اور عمرو بن حجاج اور اس کے چار ہزار کے دستہ پر حملہ آور ہوئے جو دریا پر قابض تھا۔ آپؑ نے اشقیاء کو دریا سے مار بھگایا اور اپنا گھوڑا پانی میں اُتار دیا۔ جب گھوڑے نے پانی پینے کا ارادہ کیا تو تھوڑی دیر کے لیے رُک گیا تاکہ پہلے امام حسینؑ اپنے لبوں سے پانی کو لگا ئیں۔

تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

انت عطشان وانا عطشان فلا اشرب حتٰی تشرب

"(اسپِ باوفا) تُو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں لیکن جب تک تم پانی نہیں پیو گے میں بھی پانی نہیں پیوں گا"۔

پھر اسپِ باوفا نے اپنا سر پانی سے بلند کر لیا گویا وہ امامؑ کے کلام کو سمجھ گیا تھا۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے پینے کے لیے چلّو میں پانی لیا تو ایک گستاخ نے صدا دی:

أتلتذ بالماء وقد هتکت حرمك؟

"تم پانی سے لطف اندوز ہو رہے ہو اور لشکرِ اعداء نے تمھاری مستورات پر حملہ کر دیا ہے؟"

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فوراً پانی پھینک دیا اور اسے نہ پیا اور خیامِ حسینیؑ کی طرف تیزی سے روانہ ہوئے۔ [2]

---

[1] الملہوف: ص ۶۷۔

[2] بحار الانوار: ج ۱۰، ص ۲۰۳، مقتل العوالم: ص ۹۸، نفس المہموم: ص ۱۸۸، الخصائص الحسینیہ: ص ۴۶، باب خصائص الحیوانات۔

مؤلف کہتے ہیں: حضرت امام حسینؑ کے رہوار کا خود کو پانی پینے سے روکنا اور صرف دشمنوں کی ایک بات پر امامؑ کا اپنے چلّو سے پانی کو گرا دینا حالانکہ امامؑ جانتے تھے کہ یہ دشمن کی طرف سے مکروفریب اور ایک حیلہ ہے۔ میں اس روایت کے صحیح ہونے کی ضمانت نہیں دیتا لیکن اس دن کی جو خصوصیات سید الشہداؑ اور آپؑ کے ساتھیوں سے مختص ہیں وہ اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ آپؑ پیاسے دنیا سے رخصت ہوں اور یہ امور ہماری معرفت ←

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مخدرات عصمت وطہارت سے دوسری بار الوداع کہنا

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام خیام حسینی میں تشریف لائے اور مخدرات عصمت وطہارت کو دوسری بار الوداع کیا اور تمام مستورات کو صبر کی تلقین کی اور لباس سفر پہن لینے کا حکم دیا اور فرمایا:

استعدوا للبلاء واعلموا أن الله تعالى حاميكم وحافظكم وسينجيكم من شر الأعداء ويجعل عاقبة أمركم إلى خير ويعذب عدوكم بأنواع العذاب ويعوضكم عن هذه البلية بأنواع النعم والكرامة فلا تشكوا ولا تقولوا بألسنتكم ما ينقص من قدركم۔ ①

"امتحان وآزمائش کے لیے تیار ہو جاؤ اور آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے اور تم اس کی حفاظت میں ہو اور وہ عنقریب تمہیں ان دشمنوں کے شر سے نجات دلائے گا اور وہ تمہارے معاملہ کو بخیر وخوبی

← سے خارج ہیں لیکن ہمارے پاس اس بات کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ امامؑ کا کوئی قول وفعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور آپؑ نے اپنے نانا سے جو کچھ سنا اس کے مطابق عمل پیرا ہوئے جب کہ آپؑ کے نانا اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے تھے بلکہ وحی الٰہی کی ترجمانی کرتے تھے۔ اور معرکۂ کربلا کے واقعات وقضایا کا ظرف اور مکان لامحدود ہے کیونکہ اس سانحہ کے اسرار اور حکمتوں کو صرف عالمین کا پروردگار ہی جانتا ہے جس کی شان ہماری افکار سے بلند وبرتر ہے۔

ہاں! اس معرکہ کے اسرار میں ایک ایسا دقیق نکتہ ہے جسے سید الشہداءؑ نے ملاحظہ کیا تھا جس کی خاطر عرب اپنی ہر شے کو قربان کر دیتے تھے اور وہ ہے اپنے حرم اور مستورات کی عزت وعظمت کا تحفظ کرنا۔ ابو عبداللہ حضرت امام حسینؑ عربوں کے سید وسردار اور عربوں کے سید وسردار کے فرزند تھے لہٰذا آپؑ کے اندر اس خصلت کی کمی ہرگز نہیں ہو سکتی کہ جس کی خاطر عرب اپنی جان اور ہر قیمتی شے کو قربان کر دیتے تھے۔ جب اس گستاخ یزیدی نے یہ صدا لگائی کہ آپؑ کی مستورات کے خیام پر لشکر نے حملہ کر دیا ہے تو امام علیہ السلام نے پانی اس لیے فوراً پھینک دیا اور اسے نہ پیا تاکہ اس پورے یزیدی لشکر کو اس بات سے آگاہی حاصل ہو جائے کہ وہ اپنے حرم ومستورات کے لیے کس قدر غیرت وحمیت رکھتے ہیں۔ اگر حضرت امام حسینؑ اس صدا کی پرواہ نہ کرتے تو لوگوں کو یہ یقین ہو جاتا کہ آپؑ میں عربی حمیت کا فقدان ہے۔ لہٰذا حضرت امام حسینؑ کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتے تھے جس سے دشمن کو یہ گمان ہوتا کہ آپؑ میں عربی حمیت کا فقدان ہے۔ اگرچہ امامؑ کو یہ معلوم بھی تھا کہ یہ گستاخ جھوٹی صدا دے رہا ہے، اور تمام عزت داروں کے سید وسردار امامؑ کا پانی نہ پینا اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی، آپؑ کا یہ فعل ایسا کارنمایاں تھا جو کسی بھی شخص کی مدح وتوصیف کا موجب ہوتا ہے۔

① "جلاء العیون" علامہ مجلسیؒ (فارسی ایڈیشن)۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنے اس خطاب میں ایک ایسا نکتہ بیان کیا ہے جس کی طرف آج تک کوئی متوجہ نہیں ہوا۔ وہ یہ ہے کہ نہ تو ان مستورات کو قتل کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی ان سے دست درازی کرے گا۔ اس کی علت یہ ہے کہ امامؑ نے لباس سفر زیب تن کرنے کے ساتھ دو الفاظ استعمال کیے ہیں: ایک لفظ حامی اور دوسرا لفظ حافظ (یعنی اللہ تمہارا حامی اور حافظ ہے)۔ حالانکہ اگر امامؑ کو صرف یہ بتانا مقصود ہوتا کہ دشمن کے ہاتھ تم تک نہیں پہنچ سکتے تو صرف ایک لفظ ہی اس معنی کو واضح کرنے کے لیے کافی تھا لیکن فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز امامؑ نے اپنے کلام میں دونوں الفاظ استعمال کیے جو اس بات کی دلیل ہیں کہ ایک لفظ کا مطلب یہ ہے کہ دشمن ان مستورات سے دست درازی نہیں کرے گا اور دوسرے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ دشمن انہیں قتل نہیں کرے گا۔

انجام تک پہنچائے گا اور تمھارے دشمن کو مختلف قسم کے عذاب میں مبتلا کرے گا، اور خدا تمھیں اس تکلیف اور مصیبت کے عوض مختلف قسم کی نعمتوں اور عزت و بزرگی سے نوازے گا۔ پس تم اس مصیبت و بلا کا ہرگز شکوہ و شکایت نہ کرنا اور کوئی ایسی بات اپنی زبانوں پر نہ لانا جو تمھاری قدر و منزلت کو کم کر دے"۔

اگر یہ کہا جائے کہ روزِ عاشور حضرت امام حسینؑ کے لیے سب سے بڑی مصیبت مستورات کو آخری رخصت کے وقت الوداع کہنا تھا تو یہ صحیح ہوگا۔ ① کیونکہ نبوت کی گود میں پلنے والی خواتین دیکھ رہی تھیں کہ ان کی حفاظت کرنے والا ستون، ان کو دشمنوں سے بچانے والی ہستی اور ان کی عزت و شرف کی حامی و نگہبان ذات حضرت امام حسینؑ اب ان کو یوں داغِ مفارقت دے کر رخصت ہو رہے ہیں کہ اس کے بعد امامؑ نے لوٹ کر واپس نہیں آنا ہے۔ اس دردناک موقع پر ان مستورات کو یہ بھی علم نہ تھا کہ ان دشمنوں سے انھیں کون بچائے گا اور امامؑ کی جدائی کے بعد یہ کس سے تعزیت اور دُکھ کی داستان بیان کریں گی! تو پھر اس بات پر ہرگز تعجب اور حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کہ اگر یہ مستورات حضرت امام حسینؑ کے گرد جمع ہو کر انھیں گھیر لیں اور ان کے دامن سے لپٹ کر رو رہی ہوں، بچے چیخ و پکار کر رہے ہوں اور کوئی بچی امن و امان کی متلاشی ہو اور کوئی پیاس کی شدت سے نڈھال ہو!

لیکن ذرا سوچیے کہ اس اندوہناک صورتِ حال میں غیرت مندوں کے سردار اور محبت و شفقت کی اعلیٰ مثال امامؑ کی کیا حالت ہوگی جو اپنے وسیع علم کی بنیاد پر خاندانِ رسالت کی پروردہ اور عصمت و طہارت کے گھرانے کی مستورات کو وداع ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وہ باعفت مستورات جو عزت و کرامت کی زندگی اور جلالت کے پردوں کے سوا کچھ نہیں جانتی تھیں۔ جب کہ امام علیہ السلام اپنی شہادت کے بعد اُن تمام پُردرد مناظر کو بھی دیکھ رہے تھے کہ یہ مستورات اس لق و دق صحرا اور بیابان میں کیسے روتی پیٹتی ہوئیں دوڑ رہی ہوں گی اور اس چٹیل میدان میں ان کی آوازیں کیسے گونج رہی ہوں گی اور ان زخم آلود دلوں سے کیسے آہ و فریاد بلند ہو رہی ہوگی! وہ دشمنوں کی دست اندازی سے بچنے کے لیے بھاگ رہی ہوں گی کہ دشمن کے نجس ہاتھ ان تک نہ پہنچ سکیں اور اپنی جان بچانے کے لیے دُور ہٹ رہی ہوں گی جب کہ ان مستوراتِ عصمت و طہارت کا حضرت امام زین العابدینؑ کے سوا کوئی مونس و مددگار نہ ہوگا کہ جنھیں بیماری نے لاغر و نڈھال کر دیا ہوگا۔

---

① محدث نوریؒ نے "دار السلام" ج ۱ پر ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وصیت سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو سیدۂ کائنات نے (عالم خواب میں) علامہ مجلسیؒ کو کی تھی کہ "اے مجلسی! میرے فرزند کے وداع کے واقعات بیان کرو کہ مستوراتِ ہاشمیہ اور یتیم و پیاسے بچوں سے میرا مظلوم بیٹا مرنے کے لیے کس طرح رخصت ہوا"۔ پھر علامہ مجلسیؒ نے جناب سیدہ کے لختِ جگر کی خیام سے رخصتی کے مصائب پڑھے تو یقیناً امام علیہ السلام کی مخدراتِ عصمت و طہارت سے آخری رخصت جنابِ سیدہؑ کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے۔

فلو أن ایوباً رأی بعض ما رأی لقال بلی هذا العظیمة بلواه

''کربلا کی سرزمین پر جو امتحان حضرت امام حسینؑ اور ان کی مستورات نے دیا ہے اگر حضرت ایوبؑ نبیؑ ان میں سے کچھ امتحان اور مصائب کا سامنا کرتے تو وہ بول اُٹھتے کہ اے پروردگارا بے شک، ان کی مصیبت اور آزمائش عظیم ہے''۔

اس وقت عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں جب کہ آپؑ کو دین کی مضبوط رسی ٹوٹتے ہوئے، نبوت کی ڈوری کٹتے ہوئے، شریعت کا بلند مینار زمین بوس ہوتے ہوئے اور امامت کا درخت مرجھاتے ہوئے نظر آرہا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی بیٹی حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا کی طرف متوجہ ہوئے کہ جن کے متعلق حضرت امام حسن علیہ السلام کے فرزند حضرت حسن مثنیٰ کہتے ہیں کہ ''وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے متعلق ہمیشہ گہرے غور وفکر میں مبتلا رہتی تھیں''۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ تمام مستورات سے الگ تھلگ کھڑی گریہ وبکاء کررہی ہیں اور افسردہ ورنجیدہ ہیں تو آپؑ نے ان کے پاس جاکر انھیں صبر کی تلقین کی اور تسلی دی۔

ایک شاعر کے بقول حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

هذا الوداع عزیزتی والملتقی یوم القیامة عند حوض الکوثر

فدعی البکاء وللأسار تهیئی واستشعری الصبر الجمیل وبادری

واذا رأیتنی علی وجه الثریٰ دامی الورید مبضعًا فتصبری

''اے میری پیاری بیٹی! اب میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں اور ہم اب قیامت کے دن حوضِ کوثر پر ملاقات کریں گے۔ پس! اب رونا بند کردو اور قیدی بننے کے لیے تیار ہوجاؤ اور صبرِ جمیل کے پھل سے لطف اندوز ہو۔ جب تم مجھے زمین پر اس حالت میں دیکھو کہ میری کٹی ہوئی رگوں سے خون بہہ رہا ہے تو تم صبر سے کام لینا''۔ (خلیب شیخ مسلم ابن خطیب شیخ محمد علی جابری نجفی)

یہ منظر دیکھ کر عمر ابن سعد (ملعون) نے کہا: تم لوگوں پر افسوس ہے! جب تک حسینؑ اپنی مستورات کے ساتھ مشغول ہے اس پر حملہ کردو۔ خدا کی قسم! اگر تم نے اسے مہلت دی تو یہ تمھیں تمھارے میمنہ سے میسرہ کا فرق بھلا دے گا۔ پھر یزیدی لشکر نے حضرت امام حسین علیہ السلام پر تیروں سے حملہ کردیا یہاں تک کہ دشمن کے یہ تیر خیموں کی طنابوں سے جاٹکرائے۔ ان میں سے کچھ تیر مستورات کے پاس سے گزرے تو وہ خوف زدہ اور سہم گئیں اور چیخ وپکار کرتے ہوئے امام علیہ السلام کے خیمہ میں چلی گئیں۔ وہ امام علیہ السلام کو دیکھ رہی تھیں کہ آپؑ دشمن کی اس گستاخی اور حملے کا جواب کیسے دیتے ہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے

غضب ناک شیر کے مانند یزیدی لشکر پر حملہ کیا اور جو آپؑ کی تلوار کے سامنے آیا وہ فی النار ہو گیا۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ پر ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اور آپؑ اپنے سینے اور گردن کے ذریعے ان تیروں سے بچاؤ کر رہے تھے۔ (مثیر الاحزان)

پھر حضرت امام حسینؑ اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئے۔ آپؑ کی حالت یہ تھی کہ آپؑ کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا ورد کر رہے تھے۔ ① آپؑ نے اس حالت میں قوم اشقیاء سے پانی طلب کیا تو شمر (لعین) نے کہا: تم کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا یہاں تک کہ (معاذ اللہ) تم جہنم کی آگ میں جھونک دیے۔ عمر ابن سعد (ملعون) کے لشکر سے ایک ملعون گستاخ نے کہا: اے حسینؑ! کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ دریائے فرات کا پانی کس طرح لہرا رہا ہے گویا کہ سانپوں کے شکم کی طرح موجیں مار رہا ہے لیکن تم کو اس سے ایک قطرہ بھی نہ ملے گا یہاں تک کہ تم پیاس کی شدت سے مر جاؤ۔

یہ سن کر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اللھم امتہ عطشا، "اے بار الہا! اس بدبخت کو پیاس کی شدت سے ہلاک کر۔"

پھر وہ شخص یوں عبرت کا نشان بنا کہ وہ پیاس کی شدت کی وجہ سے پانی طلب کرتا تھا تو اسے پانی لا کر دیا جاتا جب کہ وہ اس پانی کو پیتا تو فوراً اس بدبخت کے منہ سے باہر نکل جاتا اور وہ اسی حالت میں گرفتار رہا۔ یہاں تک کہ شدتِ تشنگی سے واصلِ جہنم ہوا۔ ②

اسی اثناء میں اچانک ابوالحتوف جعفی (ملعون) نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی جبین اقدس پر ایک تیر مارا۔ جب آپؑ نے اس تیر کو نکالا تو آپؑ کے چہرۂ مبارک پر خون بہنے لگا۔ اس وقت آپؑ نے فرمایا:

اللھم انك ترى ما أنا فيه من عبادك هؤلاء العصاة، اللھم أحصھم عدداً واقتلھم بدداً ولا تذر على وجه الارض منھم أحداً ولا تغفل لھم أبدًا۔

وصاح بصوتٍ عالٍ: يا أمة السو بئسما خلفتم محمداً في عترته أما إنكم لا تقتلون رجلًا بعدي فتھابون قتله بل يھون عليكم ذلك عند قتلكم اياي وايم الله إني لأرجو أن يكرمني الله بالشھادة ثم ينتقم لي منكم من حيث لا تشعرون۔

"اے اللہ! یقیناً تو دیکھ رہا ہے کہ میں تیری رضا کی خاطر ان معصیت کاروں سے جو ظلم و ستم سہہ رہا

---

① اللہوف: ص ۶۷

② مقاتل ابی الفرج: ص ۷۹، مطبوعہ ایران۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۸۔ بحار الانوار: ج ۱۰، ص ۲۵۴، مطبوعہ کمپنی میں مقاتل ابی الفرج سے منقول ہے۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۲۰۳ پر شیخ مفیدؒ، سید ابن طاووسؒ اور ابن نما سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت امام حسینؑ کو پیاس کی شدت نے نڈھال کر دیا تو آپؑ نے دریائے فرات کا قصد کیا مگر لشکرِ یزید حضرت امام حسینؑ اور پانی کے درمیان حائل ہو گیا۔

ہوں۔ خدایا! ان کی جمعیت کو پراگندہ فرما اور تُو انھیں قتل کر اور ان میں سے کسی ایک کو بھی روئے زمین پر باقی نہ رکھ اور تُو انھیں کبھی نہ بخش۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے باآواز بلند فرمایا: اے بدبخت اُمت! تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کی اولاد سے کتنا برا سلوک کیا۔ آگاہ ہوجاؤ کہ اب میرے بعد تم کسی شخص کے قتل کی پرواہ نہ کرو گے بلکہ تمھارے نزدیک مجھے قتل کرنے کے بعد دوسروں کا خون بہانا آسان اور ہیچ ہوجائے گا۔ خدا کی قسم! میں باُمید ہوں کہ اللہ تبارک وتعالی مجھے شہادت کی سعادت اور عزت سے نوازے گا، پھر وہ خدا یوں میرے خون کا تم سے انتقام لے گا کہ تمھیں کچھ سمجھ نہیں آئے گا"۔

اس پر حصین نے کہا: اے فرزند فاطمہؑ! خدا کس طرح ہم سے تمھارا انتقام لے گا؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

یلقی باسکم بینکم ویسفك دماء کم ثم یصب علیکم العذاب صبا [1]

"تم ایک دوسرے پر تلواریں کھینچو گے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہاؤ گے۔ پھر خدا تم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا عذاب مسلط کرے گا"۔

امام علیہ السلام جب میدانِ جہاد میں لڑتے ہوئے تھک گئے تو آپؑ نے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے توقف کیا۔ اسی اثناء میں ایک ملعون نے امامؑ کی جبینِ اقدس پر پتھر مارا جس کی وجہ سے آپؑ کے چہرۂ مبارک پر خون جاری ہوگیا۔ آپؑ نے اپنی دونوں آنکھوں سے خون کو صاف کرنے کے لیے کپڑا اُٹھایا ہی تھا کہ اچانک ایک اور ملعون نے سہ شعبہ تیر آپؑ کی طرف پھینکا جو آپؑ کے قلبِ مطہر پر لگا اور آپؑ نے فرمایا:

بسم اللہ وباللہ وعلی ملة رسول اللہ

اور اپنا سرِ مبارک آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا:

الهی انك تعلم انهم یقتلون رجلًا لیس علی وجه الارض ابن بنت نبی غیری!

"اے میرے پروردگار! تُو یقیناً یہ جانتا ہے کہ یہ قوم اشقیاء اس شخص کو قتل کر رہی ہے کہ اس وقت روئے زمین پر میرے سوا کوئی دوسرا فرزندِ رسولؐ نہیں ہے"۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ سہ شعبہ تیر اپنی پشت کی جانب سے نکالا تو پرنالے کے مانند خون بہنے لگا۔ [2] آپؑ

---

① مقتل العوالم: ص ۹۸، نفس المهموم: ص ۱۸۹، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۴

② نفس المهموم: ص ۱۸۹، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۴، اللهوف: ص ۶۸

نے اپنا ہاتھ زخم کے نیچے رکھا اور جب یہ خون سے بھر گیا تو اسے آسمان کی جانب پھینک دیا اور فرمایا: جو ظلم مجھ پر ڈھائے جارہے ہیں ان کا سہنا مجھ پر آسان ہے کیونکہ ان ظلم وستم پر خدا گواہ ہے جب کہ اس بے گناہ خون کا ایک قطرہ بھی آسمان سے زمین کی طرف نہیں گرا۔ ① پھر حضرت امام حسینؑ نے دوسری دفعہ اپنا ہاتھ زخم کے نیچے رکھا اور جب یہ چلو بھی بھر گیا تو اسے اپنے سر، چہرۂ اقدس اور ریشِ مبارک پر مل لیا اور فرمایا:

هکذا اکون حتى القى الله وجدى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وانا مخضب بدمى واقول: يا جدى قتلنى فلان وفلان (مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۴، لہوف: ص ۷۰)

"میں اسی طرح اللہ تعالیٰ اور رسولِ خدا سے ملاقات کروں گا کہ جس طرح میں نے اپنے آپ کو اپنے خون سے خضاب کر رکھا ہے اور میں یہ کہوں گا: اے میرے نانا جان! مجھے فلاں فلاں شخص نے شہید کیا"۔

خون کے بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے امام علیہ السلام پر ضعف طاری ہوا تو آپؑ زمین پر بیٹھ گئے، اسی اثناء میں آپؑ کے پاس مالک بن نسر ملعون آیا اور اس نے آپؑ کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔ پھر اپنی تلوار سے آپؑ کے سر پر وار کیا۔ اس وقت امامؑ نے اپنے سر پر برنس ٹوپی پہن رکھی تھی جو خون سے بھر گئی۔ آپؑ نے فرمایا:

لا اکلت بيمينك ولا شربت وحشرك الله مع الظالمين

"خدا تجھے کبھی اپنے اس دائیں ہاتھ سے کھانا پینا نصیب نہ کرے اور خدا تمہیں ظالموں کے ساتھ محشور کرے"۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس برنس ٹوپی کو اُتار کر رکھ دیا اور دوسری ٹوپی پہن کر اس پر عمامہ باندھا۔ (کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۳۱، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۵)

حضرت محمد بن ابی سعید بن عقیلؑ کی شہادت

ہانی بن ثبیت الحضرمی کہتا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ کو قتل کیا جارہا تھا تو میں اپنے علاوہ نو دیگر افراد کے ساتھ کھڑا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ اچانک امام حسینؑ کے خاندان کے ایک بچے پر میری نظر پڑی جس نے پائجامہ اور قمیص پہن رکھی تھی۔ اس کے کان میں دو بندے تھے اور اس کے ہاتھ میں خیمہ کی ایک چوب تھی۔ وہ (شہزادہ) میدانِ کربلا میں ششدر اور خوف کی حالت میں کھڑا دائیں بائیں دیکھ رہا تھا کہ ایک شخص اپنا گھوڑا دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا۔ جب وہ گھڑسوار اس کے قریب پہنچا تو اپنے گھوڑے سے تھوڑا سا نیچے جھکا اور اپنی تلوار سے اسے قتل کر دیا۔ جب اسے اس پر ملامت اور لعن طعن

---

① تہذیب تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۸، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۴

کی گئی کہ تم نے ایک بے یارو مددگار بچے کو قتل کیا ہے تو اس (ملعون) نے اس بچے کی نام و کنیت ظاہر کی[1] کہ یہ بچہ محمد بن ابی سعید بن عقیل بن ابی طالبؑ تھا۔[2] جب اس معصوم بچے کو بے دردی سے شہید کیا جارہا تھا تو اس کی ماں خوف و دہشت کی تصویر بنے ہوئے اسے شہید ہوتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

حضرت عبداللہ بن حسن علیہ السلام کی شہادت

پھر یہ دشمنانِ خدا و حسینؑ تھوڑی دیر توقف کرنے کے بعد حضرت امام حسینؑ کے پاس واپس لوٹے اور آپؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس وقت امام علیہ السلام زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپؑ میں اُٹھنے کی سکت نہ تھی۔ اس حالت میں نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسنؑ کے فرزند حضرت عبداللہؑ جن کی عمر گیارہ سال تھی، نے اپنے چچا کو دیکھا کہ قومِ اشقیاء انھیں گھیرے ہوئے ہے اور ان پر مظالم ڈھا رہے ہیں تو وہ تیزی سے اپنے چچا کی جانب بڑھے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے انھیں روکنا چاہا لیکن وہ شہزادیؑ سے دامن بچاتے ہوئے میدان کی طرف اپنے چچا کے پاس جا پہنچے۔ اس وقت بحر بن کعب ملعون اپنی تلوار کے ذریعے حضرت امام حسینؑ پر وار کرنے کے لیے جھکا ہوا تھا کہ اس بچے نے چلاتے ہوئے کہا:

یا ابن الخبیثة أتضرب عمی؟

"اے خبیث ماں کی اولاد! کیا تو میرے چچا پر وار کر رہا ہے؟"

یہ سن کر اس ملعون نے حضرت عبداللہ ابن حسنؑ پر تلوار سے وار کیا۔ جناب عبداللہ نے خود کو بچانے کے لیے اپنا ہاتھ آگے کیا جو کٹ کر جلد کے ساتھ لٹکنے لگا۔ جب یہ ہاتھ کٹ کر لٹک گیا تو آپؑ نے صدا لگائی: یا عمّاه! "اے چچا جان! میری مدد کیجیے"۔ یہ کہتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کی گود میں جا گرے۔ امامؑ نے انھیں آغوش میں لے کر اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا:

یا ابن اخی اصبر علی ما نزل بك واحتسب فی ذلك الخیر فإن الله تعالی یلحقك بآبائك الصالحین

"اے میرے بھتیجے! جو مصیبت و تکلیف تم پر آئی ہے اس پر صبر کرو اور اس میں بھلائی کی اُمید رکھو۔ بے شک! اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے نیک و صالح آباء و اجداد سے ملحق کرے گا"۔

---

[1] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۸، البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۸۶

[2] مقاتل ابی الفرج: ص ۷۳، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۸، البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۸۶۔ جب کہ ابن حبیب نے "المحبر" ص ۵۶ اور مصعب زبیری نے "نسب قریش" ص ۴۶ پر بیان کیا ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی بیٹی فاطمہ کا عقد زواج محمد بن ابی سعید بن عقیل سے ہوا تھا جو کہ عجیب اور حیران کن ہے۔ "نسب قریش" میں مزید یہ بھی تحریر ہے کہ محمد بن ابی سعید کے صلب سے فاطمہ نے حُمیدہ کو جنا تھا۔ (ان مورخین کا یہ قول مذکورہ روایت کے منافی ہے)

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے فرمایا:

اللھم ان متعتھم الی حین ففرقھم تفریقًا واجعلھم طرائق قددًا ولا ترض الولاۃ عنھم ابدًا فانھم دعونا لینصرونا ثم عدوا علینا یقاتلونا

"اے اللہ! اگر تُو ان اشقیاء کو ایک مخصوص وقت تک مہلت دیتا ہے تو ان میں آپس میں جدائی ڈال دے اور ان کے راستوں کو مختلف قرار دے اور ان کے حکمرانوں کو ان سے کبھی خوش نہ رکھنا کیونکہ انھوں نے ہمیں یہ کہلا کر بلایا کہ یہ ہماری نصرت کریں گے اور پھر ہمارے ہی دشمن بن گئے اور ہم سے جنگ کرنے لگے"۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۹، مثیر الاحزان: ص ۳۸، لہوف: ص ۶۸)

پھر حرملہ بن کاہل (ملعون) نے ایک تیر پھینکا اور یہ بچہ اپنے بابا کی آغوش میں ذبح ہوگیا۔ (مثیر الاحزان: ص ۳۹، لہوف: ص ۶۸)

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کافی دیر تک اپنا سر جھکا کر بیٹھے رہے۔ اگر یزیدی لشکر والے اس وقت امام علیہ السلام کو شہید کرنا چاہتے تو وہ فوراً ایسا کر سکتے تھے لیکن ان میں سے ہر ایک قبیلہ لعنت کا یہ طوق دوسرے قبیلہ کے گلے میں ڈالنا چاہتا تھا اور ہر قبیلہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے کے لیے بذاتِ خود پیش قدمی کو ناپسند کر رہا تھا۔ (الاخبار الطوال: ص ۲۵۵، الخطط المقریزیہ: ج ۲ ص ۲۸۸)

یہ دیکھ کر شمر (ملعون) چیختے ہوئے بولا: تم لوگ کیوں ٹھہر گئے ہو اور اس شخص کے بارے میں کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ اس وقت تیروں اور نیزوں کے زخموں نے اسے چور چور کر دیا ہے لہٰذا تم سب اس پر حملہ کر دو۔ (مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۵، مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۲)

زرعہ بن شریک (لعین) نے آپؑ کے بائیں شانے پر وار کیا۔ حصین (لعین) نے آپؑ کی گردن پر تیر مارا[1] اور اپنی تلوار سے آپؑ کے کندھے پر وار کیا۔ سنان بن انس ملعون نے حضرت امام حسینؑ کی ہنسلی کی ہڈی میں نیزہ مارا، پھر اس ملعون نے آپؑ کے سینہ مبارک میں نیزہ گھونپ دیا، اس کے بعد آپؑ کی گردن پر تیر مارا[2]۔ صالح بن وہب ملعون نے آپؑ کے پہلو میں نیزہ مارا۔[3]

ہلال بن نافع کہتا ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہید ہوتے وقت میں آپؑ کے پاس کھڑا تھا جب کہ آپؑ آخری

---

[1] الاتحاف بحب الاشراف: ص ۱۶

[2] اللہوف: ص ۷۰

[3] مقتل العوالم: ص ۱۱۰، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۵

سانسیں لے رہے تھے۔ خدا کی قسم! میں نے آج تک کوئی ایسا شہید نہیں دیکھا کہ جو اپنے خون میں لتھڑا ہوا ہو اور وہ حضرت امام حسینؑ سے زیادہ خوب صورت ہو اور نہ ہی میں نے کوئی شہید آپؑ سے زیادہ نورانی چہرے والا دیکھا ہے۔ امام علیہ السلام کے چہرۂ اقدس کے نور نے مجھے ان کو قتل کرنے کی فکر اور سوچ سے بے نیاز کر دیا۔ وہ اس حالت میں بھی عمر ابن سعد (ملعون) کے لشکر سے پانی مانگ رہے تھے لیکن انھوں نے آپؑ کو پانی دینے سے انکار کر دیا۔ اس دوران ایک گستاخ نے کہا: تم کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ (نعوذ باللہ) تم جہنم میں جاؤ اور وہاں پر کھولتا ہوا پانی پیو۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

انا ارد الحامية وانما ارد على جدّي رسول الله وأسكن معه في دارة في مقعد صدق عند مليك مقتدر واشكو اليه ما ارتكبتم مني وفعلتم بي۔

"کیا میں جہنم میں جاؤں گا؟ بے شک! میں اپنے نانا رسولؐ خدا کی خدمت میں جاؤں گا اور آپؐ کے ہمراہ حق سچ کی بیٹھک اور آپؐ کے گھر میں غالب وطاقت ور بادشاہ کی بارگاہ میں سکونت پذیر ہوں گا اور تم لوگ میرے خلاف جو ظلم وستم کے مرتکب ہوئے ہو اور تم نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے، اس کا شکوہ میں اپنے نانا رسولؐ خدا سے کروں گا"۔

یہ سن کر پوری قوم اشقیاء غضب ناک ہوگئی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان ملعونوں میں سے کسی ایک کے دل میں بھی رحمت و شفقت نام کی کوئی خصلت نہ رکھی ہو۔ (مثیر الاحزان، ابن نما: ص ۳۹)

وقتِ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعا

جب حضرت امام حسین علیہ السلام پر انتہائی کٹھن وقت اور ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ گئے تو آپؑ نے آسمان کی طرف نظر کرتے ہوئے بارگاہِ توحید میں عرض کیا:

اللهم متعال المكان ، عظيم الجبروت ، شديد المحال ، غني عن الخلائق، عريض الكبرياء ، قادر على ما تشاء ، قريب الرحمة ، صادق الوعد، سابغ النعمة ، حسن البلاء، قريب إذا دعيت، محيط بما خلقت ، قابل التوبة لمن تاب إليك ، قادر على ما أردت، تدرك ما طلبت ، شكور إذا شُكرت ، ذكور إذا ذُكرت، ادعوك محتاجاً وارغب إليك فقيراً وافزع إليك خائفًا وابكى مكروبًا ، واستعين بك ضعيفًا واتوكل عليك كافيًا۔

اللهم احكم بيننا وبين قومنا فإنهم غرونا وخذلونا وغدروا بنا وقتلونا ونحن عترة

نبیك وولد حبیبك محمد الذی اصطفیته بالرسالة وائتمنته علی الوحی، فاجعل لنا من أمرنا فرجًا ومخرجًا یا أرحم الراحمین۔ ①

صبراً علی قضائك یارب لا إِلٰه سواك یاغیاث المستغیثین ② مالی رب سواك ولا معبود غیرك صبراً علی حكمك یاغیاث من لا غیاث له یادائماً لا نفاد له، یامحیی الموتیٰ، یاقائماً علی كل نفس بما كسبت احكم بینی وبینهم وأنت خیر الحاكمین ③

"اے اللہ! تیری جگہ بلند، تو عظیم الشان قدرت والا، سخت قہر و غضب والا، اپنی مخلوق سے بے نیاز، وسیع وکبریائی کا مالک اور جو چاہے اس پر قدرت رکھتا ہے۔ تیری رحمت قریب اور تیرا وعدہ سچا ہے، تُو زیادہ نعمتوں والا اور اچھی آزمائش والا ہے۔ جب تجھے پکارا جائے تو تُو بہت نزدیک ہوتا ہے، تُو نے جو کچھ پیدا کیا ہے اپنی ان مخلوقات کا احاطہ کرر کھا ہے، جو تیری بارگاہ میں توبہ کرے تُو اس کی توبہ قبول کرتا ہے، تُو اپنے ارادے پر قادر ہے، تُو جو طلب کرے اُسے پالیتا ہے، جب تیرا شکر ادا کیا جائے تو شکر قبول کرتا ہے، جب تجھے یاد کیا جائے تو یاد آتا ہے۔ میں تیری طرف نیاز مند ہو کر تجھے پکار رہا ہوں اور تیری بارگاہ میں خالی ہاتھ آرہا ہوں اور میں تیری بارگاہ میں خوف کی حالت میں آیا ہوں اور میں تیرے حضور دکھوں سے گریہ کناں ہوں اور میں کمزوری و ناتوانی کی حالت میں تجھ سے مدد کا طلب گار ہوں۔ میں تجھ پر توکل کرتا ہوں اور تُو ہی میرے لیے کافی ہے۔

اے بار الٰہا! تُو ہمارے اور اس قوم کے درمیان اپنا فیصلہ نافذ فرما۔ بے شک! انھوں نے ہمیں فریب دیا اور ہمیں دھوکا دیتے ہوئے مکر و حیلہ سے ہمیں شہید کیا اور ہم تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کی عترت اور اولاد ہیں جنھیں تُو نے رسالت کے لیے منتخب فرمایا اور تُو نے انھیں اپنی وحی پر امین بنایا۔ پس! تُو ہمارے امر میں آسانی فرما اور ہمارے لیے کوئی راہ نکال دے۔ اے بہترین رحمت نازل کرنے والے!

اے میرے پروردگار! میں تیری قضا و قدر پر صبر کرتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے فریاد کرنے

---

① "مصباح المتہجد"، "الاقبال" اور "بحار الانوار" کی کتاب المزار، باب: حضرت امام حسین علیہ السلام کے روز ولادت کی زیارت، ص ۱۰۷ پر ان دونوں کتابوں سے منقول ہے۔

② اسرار الشہادۃ: ص ۴۲۳

③ ریاض المصائب: ص ۳۳

والوں کی فریاد رسی کرنے والے! تیرے سوا میرا کوئی رب نہیں اور نہ ہی تیرے سوا کوئی معبود ہے۔ میں تیرے فیصلے پر صبر کرتا ہوں۔ اے اس کے مددگار! جس کا کوئی فریاد رس اور مددگار نہ ہو۔ اے ہمیشہ رہنے والے جسے کبھی فنا نہیں ہے۔ اے مُردوں کو زندہ کرنے والے! اے ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والے! تو میرے اور اس قومِ اشقیاء کے درمیان فیصلہ فرما اور بے شک تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"۔

اَسپ باوفا

حضرت امام حسین علیہ السلام کا وفادار گھوڑا آپؑ کے گرد چکر لگانے لگا اور اس نے اپنی پیشانی مظلومِ کربلا کے خون سے رنگین کر لی۔[1] یہ دیکھ کر ابن سعد (ملعون) چلایا: تم لوگ اس گھوڑے کو پکڑ و کیونکہ یہ رسولؐ خدا کے راہواروں میں سے ایک رہوار ہے۔ یہ سن کر گھڑسواروں نے اس اَسپ باوفا کو گھیر لیا تو یہ رہوار مظلومِ کربلا کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور اس نے یزیدیوں کو اپنی ٹاپوں تلے روندنا شروع کر دیا۔ یہ اپنی سامنے والی دونوں ٹانگوں کے ساتھ ان پر حملہ کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے یزیدی لشکر کے چالیس سپاہیوں اور دس گھوڑوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

یہ منظر دیکھ کر عمر ابن سعد (ملعون) نے کہا: اس گھوڑے کو چھوڑ دو اور کچھ نہ کہو تاکہ ہم دیکھیں کہ یہ کیا کرتا ہے۔ جب اس رہوار نے خود کو محفوظ محسوس کیا تو حضرت امام حسین علیہ السلام کی جانب واپس گیا۔ اس وفادار رہوار نے اپنی پیشانی کو مظلومِ کربلا کے خون سے رنگین کیا، اور اس مقدس لہو کو سونگھا اور پھر بلند آواز میں ہنہنانے لگا۔ (تظلم الزہرا: ص ۱۲۹، بحارالانوار: ج ۱۰، ص ۲۰۵)

ابو جعفر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس وقت وہ رہوار کہہ رہا تھا:

الظلیمۃ، الظلیمۃ من اُمۃ قتلت ابن بنت نبیھا

"اس ظلم کا بدلہ لینا چاہیے، اس ظلم کا بدلہ لینا چاہیے، اس بدبخت اُمت سے جو اپنے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو شہید کرنے کے عظیم گناہ کی مرتکب ہوئی ہے"۔

اور یہ صدا لگاتے ہوئے اور ہنہناتے ہوئے خیامِ حسینیؑ کی جانب بڑھا۔ (مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۷)

جب مخدراتِ عصمت و طہارت نے آپؑ کے رہوار کو اپنے سوار کے بغیر اور اس کی زین کو ڈھلکے ہوئے دیکھا تو وہ اس حالت میں اپنے خیام سے باہر تشریف لائیں کہ انھوں نے اپنے بالوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ اپنے رخساروں پر ماتم کرتی ہوئی، کھلے چہروں کے ساتھ چیخ و پکار اور واویلا کرتے ہوئے اور اپنی مخصوص عزت و عظمت کے بعد ذلت و رُسوائی سے

---

[1] امالی صدوق: ص ۹۸، مجلس ۳۰، مقتل الخوارزمی: ص ۳۷، تظلم الزہرا: ص ۱۲۸

دوچار ہوتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کے لاشہ کی جانب بڑھیں۔(زیارت ناحیہ مقدسہ)

فواحدۃ تحنو علیه تضمه واخریٰ علیه بالرداء تظلل

واخریٰ بفیض النحر تصبغ وجهها واخریٰ تفدّیه واخریٰ تقبّل

واخریٰ علیٰ خوف تلوذ بجنبه واخریٰ لما قدنا لها لیس تعقل

"جب رہوار حسینی خیام میں آیا تو ایک بی بی اس پر مہربانی وشفقت کرتے ہوئے اسے گلے سے لگا رہی تھی تو دوسری بی بی اس پر اپنی چادر سے سایہ کر رہی تھی۔کوئی بی بی ذوالجناح کی زخمی خون آلود گردن سے خون اپنے چہرہ پر مل رہی تھی تو کوئی اس پر قربان ہو رہی تھی۔کوئی اسے بوسا دے رہی تھی۔کوئی بی بی خوف ودہشت کی حالت میں اس کے پہلو میں پناہ لے رہی تھی۔کسی بی بی کو ان مصائب وتکالیف کا سامنا کرنے کی بنا پر کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے"۔(حاج ہاشم کعبی)

عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے یہ منظر دیکھ کر بین کرنے شروع کردیے:

وامحمداہ، واابتاہ، واعلیاہ، واجعفراہ، واحمزتاہ [1]

یہ حسینؑ ہے جس کا لاشہ میدان کربلا میں پڑا ہے۔

پھر حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے بلند آواز میں پکارتے ہوئے فرمایا:

لیت السماء اطبقت علی الارض [2] ولیت الجبال تدکدکت علی السهل [3]

"اے کاش! آسمان زمین پر گر کر اسے ڈھانپ دے اور اے کاش! پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر ہموار ہو جائیں"۔

حضرت زینبؑ میدانِ کربلا میں چلتی ہوئی حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچیں۔اس وقت عمر ابن سعد (ملعون) اپنے کچھ ساتھیوں سمیت مظلومِ کربلا کے قریب کھڑا ہوا تھا اور امام علیہ السلام حالتِ نزاع میں تھے۔حضرت زینبؑ نے بلند آواز میں عمر ابن سعد (ملعون) کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ای عمر أیقتل ابو عبداللہ وانت تنظر إلیه؟!

"اے عمر! ابو عبداللہ شہید ہو رہے ہیں اور تُو انھیں شہید ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے؟!"

---

[1] بحارالانوار: ۱۰،ص ۲۰۶،مقتل الخوارزمی: ج۲،ص ۳۷

[2] تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۵۹

[3] الملہوف: ص ۷۳

یہ سن کر عمر ابن سعد ملعون نے اپنا چہرہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی طرف سے پھیر لیا جب کہ اس شقی کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کی داڑھی پر بہہ رہے تھے۔ ①

پھر حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے عمر ابن سعد (ملعون) کے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ویحکم اما فیکم مسلم؟

"تم لوگوں پر افسوس ہے کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں؟!"

ان اشقیاء میں سے کسی نے انھیں کوئی جواب نہ دیا۔ (الارشاد)

اس کے بعد ابن سعد ملعون نے اپنے ساتھیوں کو چلاتے ہوئے کہا: امام حسینؑ کی طرف بڑھو اور انھیں پرسکون کردو۔ اس پر فوراً شمر ملعون مظلوم کربلا کی طرف روانہ ہوا اور اس بدبخت نے اپنی ٹانگ سے امامؑ کے سینہ اقدس پر ٹھوکر ماری اور ان کے سینہ پر بیٹھ گیا۔ شمر ملعون نے آپؑ کی ریش مبارک کو پکڑ کر اپنی تلوار سے مظلوم کربلا کے گلوئے مبارک پر بارہ ضربیں لگائیں۔ ② اور آپؑ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے لاشہ پر لوٹ مار

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد قوم اشقیاء نے مظلوم کربلا کے لاشہ پر لوٹ مار شروع کردی۔ اسحاق بن حویہ نے آپؑ کی قمیص لوٹ لی اور اخنس بن مرثد بن علقمہ حضرمی نے آپؑ کا عمامہ، اسود بن خالد نے نعلین مبارک اور جمیع بن خلق اودی نے تلوار لوٹ لی جب کہ ایک دوسری روایت کے مطابق بنوتمیم کے ایک شخص اسود بن حنظلہ نے آپؑ کی تلوار لوٹی تھی۔

بجدل ملعون آپؑ کے لاشہ کے قریب آیا۔ اس نے آپؑ کی انگلی میں انگوٹھی دیکھی اور اسے اُتارنے کی کوشش کی لیکن اس پر خون جم جانے کی وجہ سے انگوٹھی نہ اُتر سکی تو اس ملعون نے آپؑ کی انگلی کاٹ دی اور انگوٹھی لے گیا۔ قیس بن اشعث آپؑ کی ردائے مبارک (قطیفہ) لے گیا۔ ③ یہ ملعون اس ردا پر بیٹھا کرتا تھا اس لیے اسے قیس قطیفہ کہا جاتا تھا۔ ④ آپؑ کا ظاہری لباس جعونہ بن حویہ الحضرمی لے گیا۔ آپؑ کا تیر کمان اور لباس رحیل بن خیثمہ جعفی، ہانی بن شبیب حضرمی اور جریر بن مسعود حضرمی لے گئے۔ ⑤

---

① کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۲، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۹، پہلا ایڈیشن۔

② مقتل العوالم: ص ۱۰۰، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۶، اور اس کے بعد کے صفحات۔

③ الملہوف: ص ۷۵

④ مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۸، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۲

⑤ مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۴

ان اشقیاء میں سے ایک بدبخت نے امامِ مظلومؑ کے پاجامہ کا ازار بند لینا چاہا کیونکہ یہ ازار بند بہت قیمتی تھا۔ وہ ملعون خود بیان کرتا ہے کہ جب یزیدی لشکر کے مختلف افراد مظلومِ کربلا کے لاشے پر لوٹ مار کر چکے تو میں نے آپؑ کا ازار بند اُتارنے کی کوشش کی تو انھوں نے اپنا دایاں ہاتھ اس ازار بند پر رکھ لیا۔ میں نے آپؑ کے اس ہاتھ کو ہٹانے کی بہت کوشش کی لیکن نہ ہٹا سکا تو میں نے آپؑ کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا۔ پھر انھوں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے ازار بند پر رکھ لیا۔ میں اسے بھی وہاں سے ہٹانے میں ناکام رہا تو میں نے آپؑ کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ پھر میں نے آپؑ کا پاجامہ اُتارنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں نے زلزلہ کی آواز سنی اور ڈر گیا۔ میں نے اپنا یہ ارادہ ترک کر دیا اور اسی دوران مجھ پر غشی طاری ہوگئی۔ میں نے اس حالت میں دیکھا کہ نبی اکرمؐ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنؑ میدانِ کربلا میں لاشۂ حسینؑ پر تشریف لائے اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

یا بُنَیَّ قَتَلُوْکَ، قَتَلَهُمُ الله

"اے میرے لختِ جگر! ان اشقیاء نے تمھیں شہید کر دیا ہے، خدا انھیں قتل کرے"۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے عرض کیا: اے مادرِ گرامی! اس سوئے ہوئے شخص نے میرے دونوں ہاتھ کاٹے ہیں۔

وہ ملعون کہتا ہے: اس پر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے مجھے بددعا دیتے ہوئے کہا:

قطع الله یَدَیْكَ وَرِجْلَیْكَ واعمٰی بصرك وادخلك النار

"اللہ تعالیٰ تمھارے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کو قطع کرے اور تمھاری بصارت کو چھین کر تمھیں اندھا کر دے اور تمھیں جہنم کی آگ میں ڈالے"۔

وہ (ملعون) کہتا ہے: حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بددعا کا یہ اثر ہوا کہ میری بصارت جاتی رہی اور میرے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹ گئے اور سیدہؑ کی بددعا سے صرف میرے لیے جہنم کی آگ میں جانا باقی رہ گیا ہے۔ (مقتل الخوارزمی: ج۲، ص۱۰۲)

□□□

شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد عبرت ناک واقعات

یا اهل الکوفة أتدرون ای کبد لرسول الله فریتم ؟ وای دم له سفکتم ؟ وای کریمة له ابرزتم؟ وای حرمة له انتهکتم! أفعجبتم ان مطرت السماء دمًا ! ولعذاب الآخرة اخزیٰ وهم لا ینصرون (عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب سلام اللہ علیہا)

"اے کوفہ والو! کیا تم جانتے ہو کہ تم نے رسولِ خدا کے کس جگر گوشہ کو ذبح کر ڈالا ہے؟ اور وہ کس کا خون تھا جو تم نے بے دریغ بہایا؟ اور کن پردہ دارانِ عصمت وطہارت کو بے پردہ کیا؟ اور کس کی حرمت کو پامال کیا ہے؟ کیا تم اس پر تعجب کر رہے ہو کہ آسمان سے خون برس رہا ہے! یہ کیا ہے آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ دردناک اور ذلیل ورُسوا کرنے والا ہوگا اور وہاں کوئی یار ومددگار نہ ہوگا"۔

گیارہ محرم کی رات (شامِ غریباں)

یہ رات رسولِ خدا کی بیٹیوں کے لیے مشکل ترین اور انتہائی تکلیف دہ رات تھی۔ جب سے خدا نے ان مخدرات عصمت وطہارت کو وجودِ حیات بخشا اور ان کو جو بلند وبالا عزت وعظمت عطا کی، اس وقت سے اب تک ان بیبیوں پر یہ رات انتہائی کٹھن گزری۔ ابھی کل تک ان بیبیوں پر عزت وعظمت اور جلالت و بزرگی کا خیمہ سایہ فگن تھا اور یہ عزت کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ ان کا دن نبوت کے آفتاب، ان کی رات خلافت کے ستاروں اور پاک و پاکیزہ انوار کے چراغوں سے روشن وتابندہ ہوتی تھی۔ لیکن جب سے شامِ غریباں آئی تو ان رسول زادیوںؑ پر تاریکی چھا گئی کیونکہ اب انھوں نے وہ روشن وجگمگاتے ہوئے انوار کھو دیے تھے اور ان کے عزیزوں کو ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہوئے ابدی نیند سُلا دیا گیا تھا۔ ان مخدراتِ عصمت کے خیموں کو جلا دیا گیا اور اب یہ بیبیاں خوف و وحشت کے سائے میں گھری ہوئی تھیں۔ اب یہ اپنے محافظوں اور نگہبانوں کی لاشوں کے پاس افسردہ تھیں اور اب ان کا کوئی محافظ وسرپرست نہیں رہا تھا۔ ان کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اگر کوئی ستم گر ان پر حملہ آور ہو جائے تو ان کا دفاع کون کرے گا؟ اور ان کی طرف بڑھنے والے دشمن کو کون روکے گا؟! ان بیبیوں کو اطمینان اور تسلی کون دے گا جو اپنے عزیز واقارب اور پیاروں کو کھو چکی تھیں؟!

ہاں! ان مستورات کے درمیان انتہائی تکلیف دہ حالت میں بچے بلند آواز میں گریہ کر رہے تھے، بچیاں آہ وفغاں

کر رہی تھیں اور صدمہ و غم سے دوچار ہونے والی بیبیوں کی آوازیں دشت کربلا میں گونج رہی تھیں۔ پس! ان مستورات میں وہ ماں بھی تھی جس کے شیر خوار بچے کو تیروں نے ذبح کر دیا۔ وہ بہنیں بھی تھیں جن کے بھائی شہید ہو چکے تھے اور وہ مائیں بھی تھیں جن کے چراغ گل ہو چکے تھے۔ یہ بیبیاں اپنے پیاروں پر گریہ و بکا کر رہی تھیں اور ان کے قریب ہی اپنے پیاروں کے لاشے پڑے ہوئے تھے جن کے اعضاء کٹے ہوئے اور گردنیں خون آلود تھیں۔ یہ مخدرات عصمت و طہارت لق و دق صحرا اور جنگل و بیابان میں تنہا تھیں...... اور سامنے دوسرے ٹیلے پر دغاباز لشکر اپنی ظاہری فتح کے نعرے لگا رہا تھا اور وہ اپنی ظاہری کامیابی اور غلبہ اور اپنی کمینگی کے نشہ میں مست تھے۔

ان تمام حالات و واقعات کے باوجود ان مستورات کو یہ معلوم نہ تھا کہ آنے والی صبح میں کیا ہوگا اور منادی کیا ندا دے گا؟! کیا ان بیبیوں کے قتل کا حکم دیا جائے گا یا انھیں قیدی بنانے کا کہا جائے گا؟۔ اس وقت ان بیبیوں کی حفاظت اور دفاع کے لیے اس بیمار امامؑ کے سوا کوئی نہ تھا جو نہ تو خود سے اپنا دفاع کر سکتے تھے اور نہ ہی کسی ضرر کو مستورات سے دُور کر سکتے تھے کیونکہ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ خود بیمار امامؑ کو یہ خطرہ تھا کہ وہ قتل کر دیے جائیں گے!

اس رات ہر طرف عالم الملک والملکوت میں دردناک اور پریشان کن صورت حال تھی۔ جنت کے محلات میں حوریں چیخ و پکار اور واویلا کر رہی تھیں تو آسمان کے مختلف طبقات میں فرشتے آہ و زاری کر رہے تھے اور جن اپنے اپنے مقامات پر کربلا کے مظلوموں کا غم منا رہے تھے۔ ①

ابن ابی الحدید کہتا ہے: عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کی اولاد نے بصرہ میں چار مساجد علی ابن ابی طالبؑ کے بغض و کینہ کی بنا پر قائم کی تھیں۔ ②

لیس هذا لرسول الله یاأمة الطغیان والبغی جزا
لو رسول الله یحیا بعده قعد الیوم علیه للعزاء

''اے باغی و سرکش اُمت! رسولؐ خدا کے احسانات کا یہ بدلہ نہیں ہے جو تم نے دیا ہے، اگر حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد رسولؐ خدا زندہ ہوتے تو آج وہ ان کا غم اور سوگ منا رہے ہوتے''۔

---

① ''اکام المجان'' شیخ بدر الدین محمد بن عبداللہ شبلی حنفی (متوفی ۷۶۹ھ) ص ۱۴۶، تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۴۱، مجمع الزوائد، ابن حجر: ج ۹، ص ۱۹۹، تاریخ الخلفاء، سیوطی: ص ۱۳۹، الکواکب الدریہ، مناوی: ج ۱، ص ۵۶

② شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید: ج ۱، ص ۳۸۱، مطبوعہ مصر، پہلا ایڈیشن، یہ سفینۃ البحار: ج ۱، ص ۶۰۲، پرانا ایڈیشن میں بحارالانوار: ج ۸، ص ۷۲۹ سے منقول ہے۔

اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ [1] نے رسولِؐ خدا کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ آپؐ کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود تھے اور سر پر خاک تھی۔ یہ منظر دیکھ کر اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ نے آپؐ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا وجہ ہے کہ میں آپؐ کو اس حالت میں دیکھ رہی ہوں کہ آپؐ کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں؟

رسولِؐ خدا نے فرمایا: میرا بیٹا حسینؑ شہید ہو گیا ہے اور میں حسینؑ اور ان کے اصحاب کی قبریں کھودنے میں مشغول تھا، جس کی وجہ سے میرے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں۔ [2]

یہ سن کر اُم سلمہؓ دہشت کے مارے بیدار ہو گئیں اور اُس شیشی کو جا کر دیکھا جس میں خاکِ کربلا محفوظ تھی تو وہ خاک خون میں تبدیل ہو چکی تھی۔ [3] کربلا کی یہ خاک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُم سلمہؓ کو دی تھی اور انھیں حکم دیا تھا کہ اس خاک کو سنبھال کر رکھنا۔ مزید یہ کہ حضرت اُم سلمہؓ نے رات کی تاریکی میں ہاتفِ غیبی کی آواز سنی کہ وہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دیتے ہوئے کہہ رہا ہے:

---

[1] ابن اثیر نے "الکامل" ج ۳، ص ۳۸ پر بیان کیا ہے کہ یہ روایت اس بناء پر درست مانی جائے گی اگر حضرت اُم سلمہؓ کی پچاس سال کے بعد وفات ہوئی ہو۔ "الاصابہ" ج ۴، ص ۴۶۰ پر ابن حیان کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ حضرت اُم سلمہؓ کی وفات ۶۱ھ میں ہوئی۔ ابونعیم کہتا ہے کہ آپ کی وفات ۶۲ھ میں ہوئی اور آپ اُمہات المومنین میں سب سے آخر میں فوت ہوئیں۔ واقدی کے نزدیک آپ ۵۹ھ میں فوت ہوئیں۔ نووی کی "تہذیب الاسماء" ج ۲، ص ۳۶۲ پر احمد بن ابی خیثمہ سے منقول ہے کہ آپ کی وفات یزید بن معاویہ (ملعون) کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ یافعی کی "مرآۃ الجنان" ج ۱، ص ۱۴۳ پر ہے کہ اُم المومنین اُم سلمہؓ کی وفات ۶۱ھ میں ہوئی۔ ابن کثیر کا "البدایہ" میں مندرج قول اور اسی قول کو واقدی نے اپنایا ہے کہ آپ کی وفات شہادتِ حسینؑ سے پہلے ہوئی لیکن حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے متعلق جو روایات پہلے گزر چکی ہیں، وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد تک زندہ رہیں۔ عینی کی "عمدۃ القاری شرح الصحیح البخاری" ج ۱، ص ۲۲۷ پر قنوت کی بحث کے آخر میں مذکور ہے کہ حضرت اُم سلمہؓ کا شوال ۵۹ھ میں انتقال ہوا۔ "تہذیب تاریخ ابن عساکر" ج ۴، ص ۳۴۱ پر واقدی سے منقول ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے تین سال قبل حضرت اُم سلمہؓ کا انتقال ہوا۔ لیکن اصولِ کافی میں اہلِ بیتؑ سے منقول ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے امامت کے ذخائر حضرت اُم سلمہؓ کو ودیعت کیے اور ان کو تلقین کی کہ وہ یہ امانتیں حضرت زین العابدینؑ تک پہنچا دیں۔ ذہبی "سیر اعلام النبلاء" ج ۲، ص ۱۴۲ پر رقم طراز ہیں کہ رسولِؐ خدا کی زوجہ حضرت اُم سلمہؓ کا تمام اُمہات المومنین میں سب سے آخر میں انتقال ہوا اور آپ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے وقت زندہ تھیں۔ جب آپ کو ان کی شہادت کا علم ہوا تو آپ پر غشی طاری ہو گئی اور آپ نے امامؑ کی شہادت پر بہت زیادہ رنج و غم کا اظہار کیا اور آپ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد تھوڑا عرصہ ہی زندہ رہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں منتقل ہو گئیں۔

[2] امالی ابن شیخ طوسیؒ: ص ۵۶، جب کہ "تہذیب التہذیب" ج ۲، ص ۳۵۶، محب طبری کی "ذخائر العقبیٰ" ص ۱۴۸، سیوطی کی "تاریخ الخلفاء" ص ۱۳۹ اور ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" ج ۳، ص ۲۱۳ پر مذکور ہے کہ حضرت اُم سلمہؓ نے خواب میں حضرت رسولِؐ خدا کو دیکھا تو نبی اکرمؐ نے انھیں امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دی۔

[3] "مرآۃ الجنان" یافعی: ج ۱، ص ۱۳۴، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۸، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۹۵

ایها القاتلون جهلًا حسینًا ابشروا بالعذاب والتنکیل
قد لعنتم علی لسان ابن داود وموسٰی وصاحب الانجیل ①
کل اهل السماء یدعو علیکم من نبی و مرسل وقتیل ②

"اے حسینؑ کی عزت وعظمت سے ناآشنا حسینؑ کے قاتلو! تمھیں دردناک عذاب اور ذلت ورُسوائی کی بشارت ہو۔ حضرت داوٗدؑ کا بیٹا (سلیمانؑ نبی) حضرت موسیٰؑ اور صاحبِ انجیل (حضرت عیسیٰؑ) تم پر لعنت کرتے ہیں۔ تمام آسمانی مخلوقات، تمام انبیاء ورُسل اور شہداء تمھارے لیے بددعا کررہے ہیں"۔

حضرت اُمِ سلمہؓ رات کی تاریکی میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے متعلق آوازیں سنتی تھیں لیکن آپ کو یہ صدا دینے والا کہیں بھی نظر نہ آتا تھا جب کہ آپ نے یہ اشعار بھی ہاتفِ غیبی سے سنے:

ألایاعین فاحتفلی بجهد ومن یبکی علی الشهداء بعدی
علی رهط تقودهم المنایا الٰی متجبر فی ملك عبد ③

"اے چشم! تم کوشش کر کے اپنے آنسوؤں کو سنبھال لو کیونکہ میرے بعد ان شہداء پر کون روئے گا۔
اس گروہ پر کون گریہ کرے گا جسے موت وتقدیر ظالموں کے پاس غلاموں کی سلطنت میں کھینچ کر لائی ہے"۔

جب ابن عباسؓ نے حضرت اُمِ سلمہؓ کے رونے کی آواز سنی تو تیزی سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے رونے کا سبب دریافت کیا تو حضرت اُمِ سلمہؓ نے بتایا کہ ان دونوں شیشیوں میں موجود خاکِ کربلا خون میں تبدیل ہوگئی ہے۔ ④

روزِ عاشور ابن عباسؓ نے حضرت رسولِؐ خدا کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ آپؐ کے بال بکھرے ہوئے اور گردآلود تھے اور نبی اکرمؐ کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی جس میں خون تھا۔ اس پر ابن عباسؓ نے حضرت رسولِؐ خدا سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں! اس شیشی میں کیا ہے؟

---

① مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۹۶، فصل ۱۲ پر یہاں تک اشعار مذکور ہیں۔
② تاریخ ابن عساکر: ج ۷، ص ۱۰۳ پر پہلا اور تیسرا بیت اشعر مذکور ہے اور اس کی روایت کے مطابق تیسرے بیت میں یوں مذکور ہے: من نبی و مالك ورسول۔
③ تاریخ ابن عساکر: ج ۳، ص ۳۴۱، "الخصائص" سیوطی: ج ۲، ص ۱۲۷۔ "مجمع الزوائد": ج ۹، ص ۱۹۹۔ جب کہ اس کتاب میں پہلے گزر چکا ہے کہ جب قافلہ حسینی نے "خزیمیہ" کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو حضرت زینب ؑ نے ہاتف غیبی کو یہ کہتے ہوئے سنا: الایاعین ... الخ۔
④ یہ دو شیشیوں والی روایت سیّد ہاشم بحرانی کی دو کتابوں "معالم الزلفیٰ" ص ۹۱، باب ۴۹ اور "مدینۃ المعاجز" ص ۲۴۴، باب ۹ پر اور منتخب الطریحی: ص ۲۳۵، مطبعہ حیدریہ تیسرے ایڈیشن میں مذکور ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: یہ حسینؑ اوران کے اصحاب کا خون ہے اور میں آج سارا دن اس لہو کو جمع کرنے میں مشغول رہا ہوں۔[1] حضرت امام حسینؑ جو کائنات کے وجود کی علت ہیں کیونکہ آپ کو نبیؐ کے وجود سے وجود عطا ہوا ہے اور نبیؐ علت العلل ہیں جو کہ ذات الٰہی کی مقدس شعاع سے متفرع ہیں، اس لیے جب امام حسینؑ کا لاشہ تین دن تک کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر عریاں حالت میں پڑا رہا تو تین دن تک دنیا میں تاریکی چھائی رہی۔[2] رات میں کالی سیاہ تاریکیوں کا دور دورا رہا۔[3] یہاں تک کہ لوگ سمجھنے لگے کہ قیامت بپا ہوگئی ہے[4] دن میں زوال کے وقت ستارے ظاہر ہونے لگتے[5] اور پھر یہ ستارے ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگتے[6] دن کے وقت سورج کی روشنی نظر نہیں آتی تھی گویا سورج گہنا گیا ہو[7] حتیٰ کہ تین دن تک دنیا کی یہی حالت رہی۔[8]

---

① تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۴۰، سیوطی کی "الخصائص الکبریٰ": ج ۲، ص ۱۲۶، تاریخ الخلفاء: ص ۱۳۹، یافعی کی "مرآۃ الجنان": ج ۱، ص ۱۳۴، مسند احمد بن حنبل: ج ۱، ص ۲۴۲، مناوی کی "الکواکب الدریۃ": ج ۱، ص ۵۶، محب طبری کی "ذخائر العقبیٰ": ص ۱۴۸، ابن حجر کی "تہذیب التہذیب": ج ۲، ص ۳۵۵، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۸، صواعق محرقہ: ص ۱۱۶، طرح التثریب: ج ۱، ص ۴۲، تاریخ بغدادی: ج ۱، ص ۱۴۲، الخطط المقریزیہ: ج ۲، ص ۲۸۵، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۹۴، فصل ۱۲، سیر اعلام النبلاء: ج ۳، ص ۲۱۲۔

② تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹، الخصائص الکبریٰ: ج ۲، ص ۱۲۶، صواعق محرقہ: ص ۱۱۶، الخطط المقریزیہ: ج ۲، ص ۲۸۹، تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۵، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۹۰۔ غیر شیعہ حضرات کو اس روایت میں ہرگز شک کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ اپنے مذہب کی کتاب قسطلانی کی "ارشاد الساری شرح البخاری": ج ۶، ص ۱۱۴ پر یہ عبارت پڑھتے ہیں کہ جب حضرت عمر کی موت واقع ہوئی تو زمین تاریک ہوگئی۔ (لہٰذا اگر ان کے بقول حضرت عمر کی وفات پر زمین تاریک ہوسکتی ہے تو پھر نواسۂ رسولؐ مقتول کی شہادت پر ایسا کیوں نہیں ہوسکتا!؟)

③ الاتحاف بحب الاشراف: ص ۲۴، تہذیب التہذیب: ج ۲، ص ۳۵۴، تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹۔ جب کہ ابن جوزی نے "المنتظم" ج ۲، ص ۲۴۴ پر جو تحریر کیا ہے اسے پڑھنے کے بعد اس امر کے انکار کی ہرگز گنجائش نہیں رہتی۔ وہ ۳۹۹ ھ ماہ اگست کے واقعات کے تحت رقمطراز ہیں کہ جب سفر حج کے دوران حاجیوں کو ثعلبیہ کے مقام پر کالی آندھی کا سامنا کرنا پڑا تو حالت یہ تھی کہ دنیا تاریک ہوگئی اور حاجی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔

④ صواعق محرقہ: ص ۱۱۶، الاتحاف بحب الاشراف: ص ۲۴

⑤ تہذیب التہذیب: ج ۱، ص ۳۵۴، صواعق محرقہ: ص ۱۱۶، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۸۹۔

⑥ الاتحاف بحب الاشراف: ص ۲۴، صواعق محرقہ: ص ۱۱۶، تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹، تاریخ الخلفاء: ص ۱۳۸، الکواکب الدریۃ: ج ۱، ص ۵۶

⑦ مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۹۷، تاریخ الخلفاء: ص ۱۳۸، مقتل الحسینؑ خوارزمی: ج ۲، ص ۸۹، الاتحاف بحب الاشراف، ص ۲۴، الصواعق المحرقہ: ص ۱۱۶۔ الکواکب الدریۃ اس میں حیرت کی بات نہیں ہے جبکہ ہم غیر شیعہ کی کتب میں یہی عبارت پڑھتے ہیں جیسا کہ زرقانی نے "شرح المواہب اللدنیۃ" ج ۳، ص ۲۱۲، جزری نے "اسد الغابۃ" ج ۱، ص ۳۹، اور عینی نے "عمدۃ القاری فی شرح البخاری: ج ۳، ص ۴۷، باب کیفیت صلاۃ الکسوف میں تحریر کیا ہے کہ جب رسولؐ خدا کے فرزند ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو سورج کو گرہن لگ گیا۔

⑧ کامل الزیارات: ص ۷۷۔ اور اسی جملہ کا مفہوم پہلے بیان ہوچکا ہے یعنی تین دن تک دنیا میں تاریکی چھائی رہی تھی۔

اس میں ہرگز تعجب اور حیرت کی بات نہیں ہے کہ جتنا عرصہ جوانانِ جنت کے سردار کا لاشہ سرزمین کربلا پر عریاں پڑا رہا، اتنے عرصے تک سورج کی روشنی ماند پڑ گئی کیونکہ آپؑ کائنات کے اُمور کے جاری وساری ہونے کی علت ہیں جب کہ آپ جانتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کا وجودِ مقدس حقیقتِ محمدیہ سے مشتق ہے جو کہ علل العلل اور عقلِ اوّل ہیں اور یہ حدیث بھی اس پر شاہد ہے کہ آپ کی ولایت کو تمام موجودات پر پیش کیا گیا اور جس نے آپ کی ولایت کو قبول کیا اسے اس ولایت کا فائدہ ہوا اور جس نے انکار کیا وہ اس فائدہ سے محروم رہا۔

اگر یہ روایت درست ہو کہ انبیاءؑ میں سے ایک نبیؑ کی صرف ہڈی کو آسمان کے نیچے ظاہر کرنے سے کائنات کے نظام میں تغیر وتبدل واقع ہوتا ہے اور آسمان پر بادل اُمنڈ آتے ہیں اور بارش برسنے لگتی ہے جیسا کہ سامراء میں عیسائیوں کے ایک راہب نے نبیؑ کی ہڈی کے ذریعے بارش برسنے کی دعا کی تھی۔[1] حالانکہ اس عیسائی راہب نے اس نبیؑ کے جسد کو آسمان تلے آشکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس نبیؑ کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا تو پس پھر کائنات کے نظام میں تبدیلی کیوں نہ واقع ہو اور آفتاب ومہتاب کا نُور کیوں نہ ختم ہو جب کہ جوانانِ جنت کے سردار کو برہنہ سرزمین کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر بے گوروکفن ڈال دیا گیا تھا۔ ان اشقیاء نے تو آپؑ کے جسمِ اطہر کے اعضاء کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے!

ہاں، بے شک! حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے موقع پر عالمِ موجودات اور کائنات کے نظام میں تغیر وتبدل واقع ہوا۔ بے شک! آپؑ پر درندوں اور وحشی جانوروں نے بھی گریہ کیا اور ان درندوں کی آنکھوں سے امام علیہ السلام کی مظلومیت پر شفقت اور رحم کی وجہ سے آنسو بہہ رہے تھے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

> بابی وامی الحسین المقتول بظهر الكوفة والله كانى انظر الى الوحوش مادة اعناقها على قبره تبكيه ليلاً حتى الصباح۔[2]
>
> "میرے ماں باپ حسینؑ پر فدا ہوں جسے کوفہ کے باہر شہید کیا جائے گا۔ گویا کہ میں وحشی جانوروں، درندوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی گردنوں کو حسینؑ کی قبر مبارک پر مَس کرتے ہوئے ساری رات ان پر گریہ کریں گے یہاں تک کہ صبح ہو جائے گی"۔

---

① "الخرائج" راوندی: ص ۶۴، مطبوعہ ہندوستان حضرت امام حسن عسکریؑ کے معجزات کے ضمن میں۔

② کامل الزیارات، ابن قولویہ: ص ۸۰

آپؑ کی شہادت پر خون کی بارش ہوئی۔① پانی کے گھڑے، صراحیاں اور ہر شے خون سے پر ہوگئی،② یہاں تک کہ ایک عرصہ تک گھروں اور دیواروں پر خون کے نشان باقی رہے③ اور جو بھی پتھر اُٹھایا جاتا اس کے نیچے سے تازہ خون جاری ہوتا،④ یہاں تک کہ بیت المقدس (یروشلم) میں بھی پتھروں کے نیچے سے تازہ خون جاری ہوجاتا۔⑤ جب مظلوم امامؑ کا سر اقدس کوفہ کے قصر دارالامارہ میں داخل ہوا تو دیواروں سے خون ٹپکنے لگا۔⑥ اور قصر دارالامارہ کی کچھ دیواروں سے آگ نکل رہی تھی اور یہ آگ عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کی طرف بڑھی۔ اس وقت جو لوگ ابن زیاد (ملعون) کے دربار میں موجود تھے، اس نے انھیں یہ راز اپنی ذات تک محدود رکھنے اور چھپانے کا حکم دیا۔⑦ جب ابن زیاد (ملعون) اس آگ سے دُور بھاگا تو حضرت امام حسینؑ کے سر اقدس نے بلند آواز میں فرمایا:

إلى این تهرب یا ملعون؟ فان لم تنلك فی الدنیا فهی فی الآخرة مثواك

"اے ملعون! تُو کہاں بھاگ رہا ہے؟ اگر دنیا میں یہ آگ تجھے نہ جلا سکی تو آخرت میں بہرحال یہ آگ ہی تمھارا ٹھکانہ ہے"۔

اس وقت تک یہ سر اقدس کلام کرتا رہا یہاں تک کہ آگ ختم ہوگئی اور قصر دارالامارہ میں موجود تمام افراد ڈر کر سہم گئے۔⑧ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے دو یا تین مہینوں تک لوگ سورج کے طلوع اور غروب ہوتے وقت دیواروں کو

---

① الخصائص الکبریٰ: ج۲، ص۱۲۶، تاریخ ابن عساکر: ج۴، ص۳۳۹، تذکرۃ الخواص: ص۱۵۵، مقتل الحسینؑ خوارزمی: ج۲، ص۸۹، الخطط المقریزیہ: ج۲، ص۲۸۹، الاتحاف بحب الاشراف: ص۲۵۵، الصواعق المحرقہ: ص۱۱۶، "المناقب ابن شہرآشوب": ج۲، ص۲۰۶، اور ص۱۸۲۔ آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ یہ بات درج ذیل مورخین نے بھی بیان کی: "الکامل" ابن اثیر: ج۷، ص۲۹، ۲۳۶ھ کے واقعات، "النجوم الزاھرۃ": ج۲، ص۳۲۲، کنزالعمال: ج۳، ص۲۹۱، حدیث نمبر ۵۸۶۸۔

② الخصائص الکبریٰ: ج۲، ص۱۲۶

③ تاریخ ابن عساکر: ج۴، ص۳۳۹، الصواعق المحرقہ: ص۱۱۶

④ تاریخ ابن عساکر: ج۴، ص۳۳۹، الصواعق المحرقہ: ص۱۱۶

⑤ مجمع الزوائد ہیثمی: ج۹، ص۱۹۶، الخصائص الکبریٰ: ج۲، ص۱۲۵، تاریخ الخلفاء سیوطی: ص۱۳۸، العقد الفرید: ج۲، ص۳۱۵ پر حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے ضمن میں، "الکواکب الدریہ" مناوی: ج۱، ص۵۶، مقتل الحسینؑ خوارزمی: ج۲، ص۹۰

⑥ تاریخ ابن عساکر: ج۴، ص۳۳۹، الصواعق المحرقہ: ص۱۱۶

⑦ مجمع الزوائد: ج۹، ص۱۹۶، کامل ابن اثیر: ج۴، ص۱۰۳، مقتل الخوارزمی: ج۲، ص۸۷، "المنتخب طریحی" ص۳۳۸

⑧ شرح قصیدہ ابی فراس: ص۱۳۹

خون میں لت پت دیکھتے رہے۔[1] حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ایک کوا خون میں لت پت اُڑتا ہوا مدینہ منورہ گیا اور امام حسینؑ کی بیٹی حضرت فاطمہ صغریٰؑ کے گھر کی دیوار پر جا کر بیٹھ گیا اور یوں انھیں اپنے بابا کی شہادت کی اطلاع مل گئی۔ جب حضرت فاطمہ صغریٰؑ نے مدینہ والوں کو حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دی تو انھوں نے کہا: یہ بنو عبدالمطلب کا جادو لے کر آئی ہے۔ اس کے بعد بہت جلد ہی حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر مدینہ منورہ پہنچی۔ اس روایت کو موفق اخطب خوارزم احمد بن مکی (متوفی ۵۶۸ھ) نے ''مقتل الحسینؑ'' ج ۲، ص ۹۲ پر بیان کیا ہے۔ (قارئین کو) اس روایت پر تعجب نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ حضرت امام حسینؑ کی بیٹی فاطمہ کبریٰؑ اور حضرت سکینہؑ کے علاوہ بھی ایک بیٹی ثابت ہے (جس کا نام فاطمہ صغریٰ ہے)۔ بے شک! امام علیہ السلام کی شہادت کے موقع پر کافی خارق العادہ (فطری عادت کو توڑنے والے) اُمور ظاہر ہوئے۔ اللہ رب العزت نے ایسے اُمور ظاہر کر کے اس وقت کی اُمت اور آنے والی نسلوں کو گھمسان کی اس جنگ اور خونیں معرکہ کے متعلق آگاہ فرمانا چاہا کہ کبھی کسی زمانے میں کسی پر اس طرح کا ظلم و ستم نہیں کیا گیا جیسے بنو اُمیہ والوں نے امام حسینؑ کے ساتھ کیا۔ امام علیہ السلام نے الٰہی پیغام کی خاطر جامِ شہادت نوش کیا اور ان کرامات کے ذریعے لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک حضرت امام حسینؑ کس قدر و منزلت اور عزت و شرف کے مالک ہیں۔ یوں گمراہ لوگوں کو دھتکارا گیا اور اس دین کو زندہ کیا گیا جسے عالمین کا رب قیامت کے دن تک باقی رکھنا چاہتا ہے۔

دعبل الخزاعی نے اپنے دادا سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی والدہ سعدی بنت مالک خزاعیہ نے اُم معبد خزاعیہ کے گھر میں ایک درخت دیکھا جو خشک تھا۔ نبی اکرمؐ نے وضو کر کے اس درخت کے نیچے پانی پھینکا تو آپؐ کے وضو کی برکت سے اس درخت پر کافی پتے اور پھل آ گئے۔ جب نبی اکرمؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس کے پھل کم ہو گئے اور جب امیر المومنین حضرت علیؑ کو شہید کیا گیا تو اس کے تمام پھل گر گئے۔ لوگ اس درخت کے پتوں سے اپنی بیماریوں کا علاج کرتے اور ان سے شفا حاصل کرتے تھے۔ جب انھوں نے کچھ عرصہ بعد اس درخت کو دیکھا تو اس کے تنے (اور شاخوں) سے خون پھوٹ رہا تھا۔ وہ یہ واقعہ دیکھ کر ڈر گئے کیونکہ انھوں نے اس جیسا واقعہ پہلے نہیں دیکھا تھا۔ جب رات ہوئی اور ہر طرف گہری تاریکی چھا گئی تو انھوں نے آہ و زاری اور چیخ و پکار کی آوازیں سنیں لیکن انھیں کوئی آہ و زاری کرنے والا نظر نہیں آیا۔ ہاتفِ غیبی سے آواز آ رہی تھی:

یا ابن الشهید و یاشهیداً عمه   خیر العمومة جعفر الطیار

عجباً لمصقول اصابك حده   فی الوجه منك و قد علاك غبارُ

''اے شہید کے فرزند اور جس کا چچا بھی شہید ہے اور وہ بہترین چچا حضرت جعفر طیار ہیں۔ تعجب ہے کہ

[1] کامل ابن اثیر: ج ۶، ص ۷۳، الکواکب الدریہ: ج ۱، ص ۵۶، تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۵

صیقل کی ہوئی تلوار کی دھار سے آپؑ کے چہرہ پر ضرب لگانے کی کیسے جرأت کی گئی اور آپؑ گردوغبار میں اَٹے ہوئے تھے"۔

اس کے بعد اُن لوگوں تک یہ خبر پہنچی جنھوں نے اس درخت کے تنے (اور شاخوں) سے خون جاری ہوتے ہوئے دیکھا تھا کہ اس وقت حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے تھے۔ درج بالا اشعار کے ان دو ابیات کے آگے دعبل خزاعی نے اسی وزن پر مزید تین ابیات کہے:

زر خیر قبر بالعراق یزار	واعص الحمار فمن نهاك حمار
لم لا ازورك یاحسین لك الفدی	قومی ومن عطفت علیه نزار
ولك المودة فی قلوب ذوی النهی	وعلی عدوك مقتة و دمار

"عراق میں بہترین قبر کی زیارت کرو اور گدھے کی نافرمانی کرو کہ جس بیوقوف گدھے نے تمہیں ان کی قبر مبارک کی زیارت سے روکا ہے۔ اے حسینؑ! میں آپؑ کی کیوں نہ زیارت کروں۔ میری جان اور میری قوم اور میرے پیارے آپؑ پر فدا ہوں! باشعور و باضمیر لوگوں کے دلوں میں آپؑ کے لیے محبت و مودت ہے اور آپؑ کے دشمنوں کے لیے نفرین اور ہلاکت ہے"۔ ①

سابقہ دو ابیات میں سے پہلے بیت الشعر کے معنی کو ایک قدیمی شیعہ شاعر نے مستعار لیتے ہوئے اس پر تین ابیات کہے ہیں:

عجباً لمصقول علاك فرنده	یوم الهیاج وقد علاك غبار
ولأسهم نفذتك دون حرائر	یدعون جدك والدموع غزار
هلّا تكسرت السهام وعاقها	عن جسمك الاجلال والاكبار

"تعجب ہے کہ لڑائی کے دن صیقل کی ہوئی تلوار کے ساتھ آپؑ کو ضرب لگائی گئی اور آپؑ گردوغبار میں اَٹے ہوئے تھے۔ ان تیروں پر حیرت ہے جنھوں نے آپؑ کو مخدرات عصمت وطہارت سے چھین لیا اور وہ بیبیاں بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ آپؑ کے نانا رسولؐ خدا کو پکار رہی تھیں۔ ان تیروں کو کسی نے کیوں نہ توڑا؟ اور اِن تیروں کا رُخ آپؑ کے مقدس اور جلیل القدر جسدِ اَطہر سے کسی نے کیوں نہ

---

① مقتل الخوارزمی: ج۲، ص ۱۰۰، اور قسطلانی "ارشاد الساری" ج۹، ص ۱۴۳ پر یہ بیان کرتا ہے کہ حضرت عمر پر جنوں نے نوحہ پڑھا۔ ابن کثیر نے "البدایہ" ج۱۰، ص ۲۹۸ پر تحریر کیا ہے کہ بشر الحافی پر جنوں نے نوحہ پڑھا تھا تو پھر جوانانِ جنت کے سردار اور روحِ نبیؐ پر جنات کے نوحہ کرنے پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حضرت امام حسینؑ ان سے زیادہ اس کے حق دار ہیں۔

موڑا تھا"۔(مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۳۸۰)

اگر اعداء میں سے کسی نے حضرت امام حسینؑ کے خاندان سے زعفران لوٹا اور چھینا تو اس سے اس کا بدن جل کر راکھ بن گیا اور جو اُونٹ لوٹا گیا اس کا گوشت اندر اُن کی طرح کڑوا ہو گیا اور وہ دیکھتے تھے کہ اس گوشت سے آگ نکل رہی ہے۔ ①

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے آسمان پر سرخی ظاہر نہیں ہوتی تھی آپؑ کی شہادت کے دن سے یہ سرخی نمودار ہوئی۔(الصواعق المحرقۃ: ص ۱۱۶)

ابن جوزی کہتا ہے: جب کوئی شخص غصہ کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے چہرے سے غصے کی علامت ظاہر ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مجسم نہیں ہے لہٰذا اس نے آسمان پر سرخی کو نمودار کر کے اپنے غصے کو ظاہر کیا جو اس بات کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کو شہید کر کے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا گیا۔

ابن جوزی مزید یہ کہتا ہے: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو جنگِ بدر کے موقع پر اُسیر بنا کر ان کے ہاتھوں کو رسّی سے باندھا گیا تو ان کے کراہنے کی آواز سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری رات نیند نہ آئی تو بتایئے کہ اگر نبی اکرمؐ حضرت امام حسینؑ کے کراہنے کی آواز سنتے تو آپؐ کے دل پر کیا گزرتی؟۔ جب حضرت حمزہؑ کا قاتل وحشی مسلمان ہوا تو نبی اکرمؐ نے اس سے کہا: تم اپنا چہرہ میرے سامنے سے ہٹا لو کیونکہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں اپنے پیاروں کے قاتل کو دیکھوں۔ حالانکہ اسلام کفر کی زندگی کی باتوں کو محو کر دیتا ہے تو میں آپؐ سے پوچھتا ہوں کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹے کو ذبح ہوتے ہوئے اور آپؐ کی مستورات کو حالتِ اسیری میں بے کجاوہ اُونٹوں پر سوار ہوتے ہوئے دیکھتے تو آپؐ پر کیا گزرتی۔(تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۴، الصواعق المحرقۃ: ص ۱۱۶)

ہاں! رسولؐ خدا معرکۂ کربلا میں موجود تھے اور آپؐ نے ان ستم گروں کو کربلا کی سرزمین پر اپنے اہلِ بیتؑ پر ظلم ڈھاتے ہوئے دیکھا۔آپؐ نے بیواؤں کی چیخ و پکار، مستورات کو اپنے شہیدوں پر آہ وزاری کرتے ہوئے اور شدتِ پیاس کی وجہ سے بچوں کو روتے چلاتے ہوئے دیکھا۔ عمر ابن سعد (ملعون) کے لشکر نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خوفناک آواز میں کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا:

ویلکم یا اهل الکوفة! انی اری رسول الله ینظر الی جمعکم مرة و إلی السماء اخریٰ وهو قابض علی لحیته المقدسة

"اے کوفہ والو! تم پر افسوس اور عذابِ خداوندی نازل ہو۔ بے شک! میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ کے

① الخصائص الکبریٰ: ج ۲، ص ۱۲۶، تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹، تہذیب التہذیب: ج ۲، ص ۳۵۳، مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۹۶۔ الکواکب الدریہ: ج ۱، ص ۵۶، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۹۰

رسولؐ کبھی تم لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں اور کبھی آسمان کی طرف دیکھتے ہیں اور انھوں نے اپنی ریش مبارک کو پکڑ رکھا ہے"۔

لیکن ان لوگوں کے نفسوں پر خواہشات پرستی اور گمراہی کا غلبہ تھا اور ان کی خواہشوں نے ان سے کہا کہ یہ کسی پاگل اور دیوانے کی آواز ہے۔ پھر سب نے بلند آواز میں کہا کہ تمھیں یہ آواز ہرگز خوف زدہ نہ کرے۔

ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ صدا دینے والا حضرت جبرئیلؑ کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ (کامل الزیارات)

بعض فرشتوں نے پکار کر کہا:

الا ایتھا الامۃ المتحیرۃ الضالۃ بعد نبیھا لا وفقکم اللہ لاضحٰی ولا فطر!

"آگاہ رہو، اے اپنے نبیؐ کے بعد گمراہی میں سرگرداں امت! اللہ تعالیٰ تمھیں عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی خوشیاں نصیب نہ کرے!"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! اس میں کوئی شک نہیں کہ ان اشقیاء کو نہ وہ خوشیاں نصیب ہوئیں اور نہ ہوں گی یہاں تک کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون کا انتقام لینے والے اُٹھ کھڑے ہوں۔ (من لا یحضرہ الفقیہ شیخ صدوق: ص ۱۴۸)

علامہ شیخ محمد تقی جواہری نے کیا خوب فرمایا:

وھب دم یحییٰ قد خلا قبل فی الثریٰ	فإن حسینًا فی القلوب خلادمہ
وإن قرّ قدماً مذدما بخت نصر	بشارات یحییٰ واستردت مظالمہ
فلیست دماء السبط تھدأ قبل ان	یقوم باذن اللہ للثار قائمہ

"فرض کرو اگر حضرت یحییٰؑ کا خون زمین پر جوش کھاتا رہا تو حضرت امام حسینؑ کا خون دلوں میں جوش کھاتا رہے گا۔ زمانہ قدیم سے دل کو ٹھنڈک پہنچ رہی ہے کہ جب بخت نصر نے حضرت یحییٰؑ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے قیام کیا اور ان پر ہونے والے تمام مظالم کا حساب لیا۔ لیکن نواسۂ رسولؐ کا خون اس وقت تک دلوں میں جوش کھاتا رہے گا جب تک خدا کے حکم سے ان کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے قائم آلِ محمدؑ ظہور نہ فرمائیں"۔ (علامہ شیخ محمد تقی جواہری)

شیخ بہائی بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد گرامی شیخ حسین بن عبدالصمد حارثیؒ مسجد کوفہ میں داخل ہوئے تو انھوں نے

وہاں عقیق کا قیمتی پتھر دیکھا جس پر یہ اشعار مرقوم تھے:

انا در من السماء نثرونی　　　یوم تزویج والد السبطین

کنت اصفی من اللجین بیاضاً　　　صبغتنی دماء نحر الحسین ①

"میں ایک جنتی نگینہ ہوں جسے حسنینؑ کے والد گرامی (امیرالمومنین حضرت علیؑ) کی شادی کے موقع پر نچھاور کیا گیا تھا۔ میں چاندی سے زیادہ سفید اور شفاف تھا مگر اب حضرت امام حسین علیہ السلام کے گلوئے مبارک کے خون نے مجھے اس سرخ رنگ میں رنگ دیا ہے۔

شامِ غریباں قبرِ امام حسین علیہ السلام کے پاس گزارنے کی تاکید

آئمہ معصومینؑ کی اتباع کرنے والوں کے لیے اس بات کی تاکید وفضیلت بیان کی گئی ہے کہ وہ گیارہ محرم کی رات مظلوم امامؑ کی قبر کے پاس شب بیداری کرتے ہوئے گزارے اس لیے کہ وہ مظلومِ کربلا پر آنے والے مصائب پر رنج وغم کے شعائر اور حزن وملال کی نشانیوں کو ملاحظہ اور محسوس کرے گا کہ وہاں پر کوئی کراہ رہا ہے اور کوئی روتے ہوئے چیخ وپکار کررہا ہے۔ گویا وہ آلِ محمدؐ کے شہیدوں کی لاشوں کو خون میں لت پت کربلا کی تپتی ہوئی ریتی پر دیکھ رہا ہے جن پر اس بے آب وگیاہ زمین میں گرم ہوا چل رہی ہے، ان کے لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوچکے ہیں جن کا نیزوں کی نوکوں نے یہ حال کردیا اور تلواروں نے خون میں نہلا دیا اور اِن مقدس جسموں کو دشمن کے گھوڑوں کے سُموں نے پامال کردیا، جنھیں ان مستورات کے قریب ہونے کا موقع ملا جو نبوت اور وحی کے گھرانے میں پلی بڑھی ہیں، وہ ان مخدراتِ عصمت وطہارت کو ان عبرت ناک لاشوں پر آنسو بہاتے ہوئے دیکھتا ہے کہ ان میں سے کوئی بی بی غم زدہ حالت میں چیخ وپکار کررہی ہے تو کوئی شدتِ غم سے سینہ پیٹ رہی ہے اور کوئی اپنے بال پریشان کیے ہوئے ہے۔ ②

تو پس! اس منظر کو اپنی آنکھوں کے سامنے تصور کرنے والا شخص ان مخدراتِ عصمت وطہارت کے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلسل آہ وبکاہ کرے گا اور بلند آواز میں گریہ کرتے ہوئے اشکوں کی برسات کردے گا۔ اس حالت میں وہ یقیناً صدیقہ طاہرہ بی بی حضرت فاطمہ زہراؑ سے ہمدردی کرتے ہوئے ان کا حق ادا کررہا ہوتا ہے اور وہ اس دوران

---

① یہ اشعار شیخ یوسف کی کتاب "کشکول" ص ۱۷، مطبوعہ ہندوستان پر شیخ بہائی کی کتاب "کشکول" سے منقول ہیں۔

② شیخ طوسیؒ نے "التہذیب" ج ۲، ص ۲۸۲، باب النذور کے آخر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت امام حسینؑ کے غم میں فاطمہ زادیوں نے اپنے گریبان چاک کیے اور رخسار پیٹ لیے تھے اس لیے حضرت امام حسینؑ جیسی ہستی پر رخساروں کو پیٹا جانا اور گریبانوں کو چاک کیا جانا چاہیے۔

ہدایت کے علَم بردار آئمہ معصومینؑ کی ان خواہشات کی تکمیل کر رہا ہوتا ہے جو انھوں نے ان حالات اور واقعات کے متعلق اپنی روایات میں ارشاد فرمائے ہیں۔

آئمہ معصومینؑ سے منقول کئی ایسی روایات موجود ہیں جن سے غور وفکر کرنے والا شخص درج بالا نظریے سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے کہ اسے شامِ غریباں قبر حسینؑ کے پاس گریہ وزاری کرتے ہوئے بسر کرنی چاہیے۔ جیسا کہ مالک الجہنی نے ابوجعفر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

من زار الحسین یوم عاشوراء حتّٰی یظل عندہ باکیاً لقی اللہ یوم القیامۃ بثواب الفی الف حجۃ والفی الف عمرۃ والفی الف غزوۃ مع رسول اللہ والائمۃ الراشدین

"جو شخص روزِ عاشور امام حسینؑ کی زیارت کرے اور وہاں پر سارا دن گریہ کرتے ہوئے گزارے تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں خدا کے ساتھ ملاقات کرے گا کہ اس کے نامۂ اعمال میں بیس لاکھ حج، بیس لاکھ عمرہ اور بیس لاکھ جہاد کا ثواب ہوگا اور اس کا ثواب اس شخص کے حج وعمرہ اور جہاد کے برابر ہوگا جس نے رسولِ خدا اور آئمہ طاہرینؑ کے ساتھ حج وعمرہ اور جہاد کیا ہو"۔ (کامل الزیارات: ص ۱۷۴)

عربی ادب کے ماہرین بیان کرتے ہیں کہ "ظلّ" ایسا فعل ہے جو اس شخص کے بارے میں استعمال ہوتا ہے جو ایک جگہ پر ایک سارا دن اس رات تک قیام کرے۔ [1] رات تک قیام کرنا اگرچہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شخص اس دن کے بعد آنے والی رات بھی وہاں پر گزارے لیکن جابر جعفی نے ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جو حدیث نقل کی ہے شاید وہ اس مقصد کو بھی بیان کرتی ہو اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ زَارَ الْحُسَیْنَ یوم عاشوراء وبات عندہ کمن استشھد بین یدیہ

"جو شخص روزِ عاشور امام حسینؑ کی زیارت کرے اور پھر وہ رات وہاں پر گزارے تو یہ اس شخص کے مانند ہے جسے امام علیہ السلام کے قدموں میں شہادت نصیب ہوئی ہو"۔ (کامل الزیارات: ص ۱۳۷، باب ۷۱)

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کی مراد روزِ عاشور کے بعد آنے والی رات (شامِ غریباں) ہے نہ کہ

---

[1] "تاج العروس": ج۷، ص ۴۲۶ پر شہاب خفاجی سے مادہ "ظلّ" کے تحت منقول ہے کہ فعل ناقص ظَلَّ سارا دن خبر کے ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔ رضی کی کتاب "شرح الکافیۃ" ص ۲۷۸ پر افعالِ ناقصہ کی بحث میں ہے کہ ظَلَّ زَیْدٌ مُتَفَکِّراً کا معنی یہ ہے کہ زید سارا دن غور وفکر میں ڈوبا رہا، اور بَاتَ زَیْدٌ مَهْمُوْمًا کا معنی یہ ہے کہ وہ ساری رات غم زدہ رہا۔ سیدعلی خان کی کتاب "شرح الصمدیۃ" ص ۵۹، مطبوعہ ایران پر ہے کہ افعالِ ناقصہ ظَلَّ اور بَاتَ اس معنی کا فائدہ دیتے ہیں کہ ان کی خبر ان کے اسم کے لیے سارا دن کے لیے اور ساری رات کے لیے ثابت ہے۔ زمخشری نے "المفصل" ص ۲۶۷ مطبوعہ مصر میں یہی قول بیان کیا ہے اور بعض اوقات یہ دونوں فعل قرینہ کے ساتھ "صار" کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

روزِ عاشور سے پہلے والی رات (شبِ عاشور) کیونکہ اگر امام جعفر صادق علیہ السلام کی مراد شبِ عاشور ہوتی تو آپؑ یوں فرماتے:
مَنْ بَاتَ لیلۃ عاشوراء عند الحسین وزار یومہ وظلّ باکیًا کان لہ کذا کذا ”جو شخص شبِ عاشور امام حسینؑ کے پاس گزارے اور پھر عاشور کے دن ان کی اس حالت میں زیارت کرے کہ سارا دن گریہ و زاری میں گزارے تو اس کے لیے فلاں فلاں اجر و ثواب ہے“ (لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسا نہیں فرمایا)۔
جو شخص سارا دن (روزِ عاشور) پیاسا ذبح ہونے والے حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک کے پاس گزار دیتا ہے اُب اس کا یہی حق بنتا ہے کہ وہ مصیبتوں کی اس رات (شامِ غریباں) میں کربلا سے ہرگز روانہ نہ ہو بلکہ شامِ غریباں کی رات بھی کربلا ہی میں گزارے۔ کیونکہ رسولؐ خدا کی بیٹیوں اور امام زادیوں پر اس طرح کی سخت رات کبھی نہیں گزری کہ وہ بے آب و گیاہ جنگل میں اس حالت میں ہوں کہ اپنے روشن آفتاب اور برگزیدہ غیرت مند قرابت داروں کو کھو دینے کے بعد اپنے پیاروں کی لاشوں کے پاس رات بسر کر رہی ہوں جن لاشوں کے گمراہ اور سرکش لوگوں نے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہوں۔
شامِ غریباں مخدراتِ عصمت و طہارت اس قدر حیران و پریشان تھیں کہ انھیں کچھ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ دشمنانِ خدا و رسولؐ ان بیبیوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ تو پس! محمدؐ و آلِ محمدؑ کا حُب دار اور موالی یہ رات (گیارہ محرم کی رات) امام حسینؑ کی قبر کے پاس ان پر نازل ہونے والے مصائب پر افسردہ کیفیت میں گریہ و زاری کرتے ہوئے اور اس بات پر افسوس کرتے ہوئے گزارے کہ وہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شریک نہ ہو سکا اور عظیم کامیابی سے محروم رہا۔
ایک حُب دارِ آلِ محمدؑ کو چاہیے کہ وہ قبرِ امامؑ پر زیادہ سے زیادہ اس قول کا ورد کرے۔

یَا لَیْتَنَا کُنَّا مَعَکُمْ فَنَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔ [1]

”یعنی اے کاش! ہم روزِ عاشور آپؑ کے ساتھ میدانِ کربلا میں ہوتے اور آپؑ کے قدموں میں اپنی جان نچھاور کرتے ہوئے عظیم رُتبے پر فائز ہوتے“۔

ان الفاظ سے وہ خواتین کی سردار حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے ہمدردی اور مواسات کا اظہار کرے گا جو اپنے لختِ جگر کی شہادت پر گریہ و بکا کرتی ہیں جسے پیاسا شہید کیا۔ روایات میں وارد ہوا ہے کہ میت پر بین اور نوحہ پڑھنے والی ایک خاتون نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو خواب میں دیکھا کہ آپؑ حضرت امام حسینؑ کی قبر پر کھڑی رو رہی ہیں اور انھوں نے اس خاتون کو یہ اشعار پڑھنے کا حکم دیا:

---

[1] شیخ صدوقؒ کی ”عیون اخبار الرضا“ ص ۶۶ پر حضرت امام علی رضاؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے ابن شبیب سے فرمایا: اگر تم جنت میں نبیؐ کے ساتھ جنتی حجروں میں رہنا چاہتے ہو تو حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں پر لعنت کیا کرو اور جب بھی حضرت امام حسینؑ کو یاد کرو تو کہو: یا لیتنی کنت معھم فافوز فوزًا عظیمًا۔

أیها العینان فیضا واستهلا لا تغیضا
وابکیا بالطف میتا ترك الجسم رضیضا
لم أمرضه قتیلا لا ولا کان مریضا ①

"اے آنکھو! گریہ وزاری کرتے ہوئے آنسو بہاؤ اور خشک نہ ہونا۔ اور اس شخص پر گریہ کرو جسے کربلا میں شہید کر کے اس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دشتِ کربلا میں چھوڑ دیا گیا۔ لیکن میں اس کے قتل کو بیماری کا نام نہیں دے سکتی کیونکہ وہ ہرگز بیمار نہیں تھا"۔

قاضی ابوعلی محسن بن علی تنوخی کہتا ہے: مجھے میرے باپ نے اس بات کے متعلق بتایا کہ ابوالحسن کاتب اکثر اس رونے والی عورت کے بیٹے کے بارے میں پوچھا کرتے تھے جب کہ اس مجلس میں کرخ کے لوگوں میں سے میرے علاوہ کوئی بھی اسے نہیں جانتا تھا۔ لہٰذا میں نے اس سے پوچھا: کیا ماجرا ہے تم کس کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو؟

ابوالحسن کاتب نے جواب دیا: میری ایک کنیز ہے جو زیادہ تر نماز و روزہ اور نمازِ تہجد میں مشغول رہتی ہے۔ عربی زبان میں شعر بیان کرنا تو دُور کی بات ہے یہ صحیح طریقہ سے عربی کلمات بھی ادا نہیں کر سکتی اور یہ زیادہ تر نبطی زبان بولتی ہے۔ میری یہ کنیز کل رات اچانک ڈر کر بیدار ہوئی تو اس کا جسم کانپ رہا تھا اور اس کا بستر میرے قریب ہی تھا۔ یہ مجھے بلند آواز میں پکارنے لگی: اے ابوالحسن! میری مدد کو آیئے تو میں نے اس سے پوچھا: تمھیں کیا ہوا ہے؟ اس کنیز نے جواب دیا: میں رات کو نماز اور وظائف سے فراغت کے بعد سوگئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کرخ کی گلیوں میں سے ایک گلی میں موجود ہوں۔ پھر میں نے ایک صاف ستھرا حجرہ دیکھا جو سفید اور انتہائی خوبصورت تھا اور اس حجرے کو ساگوان کی لکڑی سے سجایا گیا تھا۔ اس حجرے کا دروازہ کھلا تھا جب کہ دروازے پر عورتیں کھڑی تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا: کون فوت ہوا یا یہاں کیا ہوا ہے؟

انھوں نے گھر کے اندر کی طرف اشارہ کیا۔ میں گھر کے اندر داخل ہوگئی تو میں نے دیکھا کہ یہ گھر انتہائی خوب صورت اور صاف ستھرا ہے اور اس گھر کے صحن میں ایک جوان عورت کھڑی ہے۔ میں نے اس عورت سے زیادہ حسین و جمیل اور باوقار خاتون آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اس خاتون نے خوب صورت لباس زیبِ تن کر رکھا تھا اور اس کے گرد سفید ازار بند لپٹا ہوا تھا جب کہ اس کی گود میں ایک مرد کا سر تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا۔ میں نے اس باوقار خاتون سے پوچھا: آپ کون ہیں؟

انھوں نے جواب دیا: تم فکرمند نہ ہو میں رسولؐ خدا کی بیٹی فاطمہؑ ہوں اور یہ سر میرے بیٹے حسینؑ کا ہے۔ تم میری

① یہ اشعار مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۱۸۹، مطبوعہ ایران میں امالی مفیدؒ سے منقول ہیں۔

طرف سے ابن اصدق سے کہو کہ وہ یہ نوحہ پڑھے:

لم أمرّضه فأسلو لا ولا كان مريضا

پھر وہ کنیز ڈرتے ہوئے خواب سے بیدار ہوگئی۔ اس بڑھیا (کنیز) نے لم امرّضه کو "طاءْ" سے پڑھا: لم امرّطه، کیونکہ خوف کی شدت کی وجہ سے اس سے "ضاد" بھی نہیں کہا جا رہا تھا۔ پھر اس کنیز کو اطمینان اور تسلی دیتے ہوئے پرسکون کیا گیا تو وہ دوبارہ سوگئی۔

ابوالحسن کاتب نے علی تنوخی سے کہا: اے ابوالقاسم! جب تمھاری ابن اصدق سے جان پہچان ہو تو اس تک یہ امانت پہنچا دینا۔

اس پر تنوخی نے کہا: مَیں نے تمھاری بات سن لی ہے اور سیدۃ النساء العالمین کے حکم کی اطاعت کروں گا۔

علی تنوخی کہتا ہے: یہ واقعہ شعبان المعظم کے مہینہ کا ہے۔ اس زمانے میں حنابلہ کی طرف سے اُن لوگوں کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا جو کربلا کی طرف حضرت امام حسینؑ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے نکلتے تھے۔ مَیں مسلسل حنابلہ سے نرم انداز میں کربلا جانے کی التجا کرتا رہا یہاں تک کہ انھوں نے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ مَیں ۱۵ شعبان المعظم کی رات حرمِ حضرت امام حسینؑ میں تھا۔ مَیں نے ابن اصدق کے متعلق پوچھا یہاں تک کہ مَیں نے اسے دیکھ لیا اور اس سے ملاقات کر کے کہا کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے تمھیں یہ حکم دیا ہے کہ تم فرزندِ زہراؑ کا یہ قصیدہ پڑھو:

لم أمرّضه فأسلو لا ولا كان مريضا

مَیں اس سے پہلے اس قصیدہ سے شناسا نہیں تھا اس لیے ابن اصدق میری بات سن کر پریشان ہوگیا۔ پھر مَیں نے اسے اور جو لوگ اس کے پاس موجود تھے، ان سب کو درج بالا قصہ سنایا تو وہ گریہ کرنے لگے اور ان کے اشک برسنے لگے۔ انھوں نے اس رات وہ نوحہ پڑھا جس کا پہلا مصرعہ یہ تھا:

أيها العينان فيضا واستهلا لا تغيضا

یہ نوحہ کوفہ کے ایک شاعر نے تحریر کیا تھا۔ علی تنوخی کہتا ہے: اس کے بعد میں واپس کرخ لوٹ آیا اور ابوالحسن کاتب کو سارا واقعہ سنایا۔ (نشوار المحاضرۃ: ج۸، ص ۲۱۸)

خیموں کی تاراجی اور لُوٹ مار

جب ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہوگئے تو اعداء آپؑ کے مال و اسباب کی طرف بڑھے اور خیامِ حسینیؑ میں جو کچھ تھا وہ لوٹ لیا۔[1] اشقیاء نے خیموں کو آگ لگا دی اور رسولؐ زادیوں کے مال و اسباب کو لوٹنے کے لیے ان کی طرف

[1] کامل ابن اثیر: ج۴، ص ۳۲

بڑھے تو زہرا زادیاں روتی ہوئی ان سے دُور بھاگیں۔ اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ چادریں لوٹ لینے کی وجہ سے وہ برہنہ سر تھیں۔ ① یزیدی لشکر والے مخدرات عصمت وطہارت کے سر سے چادریں، انگلی سے انگوٹھیاں، کانوں سے گوشوارے اور پاؤں سے پازیب چھین کر لے گئے۔ ② ایک ملعون نے حضرت ام کلثومؑ کے کانوں سے دو بالیاں اس طرح چھینیں کہ آپؑ کے کان زخمی ہو گئے۔ ③ ایک اور ملعون حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیٹی حضرت فاطمہ کبریٰؑ کی طرف بڑھا اور ان کی پازیب زبردستی چھین لی۔ اس کے بعد وہ بدبخت رونے لگا۔

حضرت فاطمہ کبریٰؑ نے اس سے فرمایا: اے بدبخت! لوٹنے کے بعد روتا کیوں ہے؟

اس ملعون نے جواب دیا: میں کیوں نہ روؤں جب کہ میں رسولؐ زادی کو لُوٹ رہا ہوں۔

تو حضرت فاطمہ کبریٰؑ نے فرمایا: اگر یہ بات تجھے رُلاتی ہے تو پھر تُو ہمیں لوٹتا کیوں ہے؟

اس پر وہ بدبخت کہتا ہے: مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر یہ میں نہیں لوٹوں گا تو میرے علاوہ کوئی اور لوٹ کر لے جائے گا۔ ④

حضرت فاطمہ کبریٰؑ بیان کرتی ہیں: میں نے دیکھا کہ یزیدی لشکر کا ایک شخص بیبیوں کو نیزے کی نوک سے آگے کی طرف دھکیل رہا ہے اور وہ بیبیاں ایک دوسرے کے پیچھے چھپتی تھیں۔ ان بیبیوں کے پاس جو چادریں اور زیور تھا وہ بھی اس ملعون نے لُوٹ لیا۔ پھر اچانک اس ملعون کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ میری طرف بڑھا اور میں اس سے دُور بھاگی۔ وہ ملعون میرے پیچھے آیا اور اپنے نیزے سے مجھے مارا تو میں منہ کے بل گر پڑی اور مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میری پھوپھی اُم کلثومؑ میرے سر کے قریب بیٹھی رو رہی ہیں۔ (ریاض المصائب: ص ۱۴۳، تظلم الزہراء: ص ۱۳۰)

آل بکر بن وائل کی ایک عورت جو اپنے شوہر کے ساتھ عمر ابن سعد (ملعون) کے لشکر میں موجود تھی۔ اس نے رسولؐ زادیوں کو اس بے کسی کے عالم میں دیکھا تو بلند آواز میں چیختی ہوئی بولی: اے بکر بن وائل کی اولاد! کیا تم رسولؐ زادیوں کو لوٹ رہے ہو؟! حکم اور فیصلہ صرف خدا کی ذات کا ہے، اے رسولؐ خدا کی اولاد کا خون بہانے والو! پھر اس کا شوہر اسے اپنے مال و اسباب کے پاس چھوڑ آیا۔ (لہوف: ص ۴۷، مثیر الاحزان: ص ۴۱)

---

① تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۰

② "مثیر الاحزان" ابن نما: ص ۴۰

③ الدمعۃ الساکبہ: ص ۳۴۸

④ امالی صدوق: ص ۹۹، مجلس ۳۱، "سیر اعلام النبلاء" ذہبی: ج ۳، ص ۲۰۴

پھر لشکرِ اعداء علیؑ ابن حسینؑ حضرت امام سجادؑ کی جانب بڑھا جو بستر بیماری پر تھے [1] آپؑ کھڑے ہونے سے بھی قاصر تھے۔ ان کو دیکھ کر ایک ملعون نے کہا: ان کے چھوٹے اور بڑے میں سے کسی کو نہ چھوڑو۔ ایک دوسرا ملعون بولا: اسے قتل کرنے میں جلدی نہ کرو تاکہ ہم اپنے امیر عمر بن سعد سے مشاورت کرلیں کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ [2]

پھر شمر (ملعون) نے امام علی زین العابدینؑ کو قتل کرنے کے لیے اپنی تلوار نکالی تو حمید ابن مسلم نے شمر ملعون سے کہا: سبحان اللہ! کیا اب تم بچوں کو بھی قتل کرو گے؟ یہ تو ابھی بچہ اور مریض ہے۔ [3] اس پر شمر ملعون بولا: ابن زیاد (ملعون) نے امام حسینؑ کی ساری اولاد کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس پر عمر ابن سعد (ملعون) نے اسے اس کام سے سختی سے روکا۔ [4] خصوصاً جب اس نے امیر المومنینؑ کی بیٹی عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب علیہا السلام کو یہ فرماتے سنا کہ تم اس وقت تک اسے قتل نہیں کر سکتے جب تک مجھے قتل نہ کردو۔ اس پر یہ اشقیاء حضرت امام زین العابدینؑ کو قتل کرنے سے باز رہے۔ (تاریخ قرمانی: ص ۱۰۸)

کانت عیادته منهم سیاطهم — وفی کعوب القنا قالوا البقا لکا
جروه فانتهبوا النطع المعدله — واوطا واجسمه السعدان والحسکا

"قوم اشقیاء نے اپنے کوڑوں کے ساتھ امام سجادؑ کی تیمارداری کی اور امامؑ کو نیزے کی نوک چبھو کر کہا: خدا تمھاری عمر دراز کرے۔ ان اشقیاء نے امامؑ کو گھسیٹا اور آپؑ کے نیچے سے چمڑے کا بستر کھینچ لیا تو خاردار جڑی بوٹیوں کے کانٹے آپؑ کے جسم میں پیوست ہوگئے"۔

عمر ابن سعد (ملعون) مخدرات عصمت و طہارت کے پاس آیا اور جب انھیں اپنے سامنے روتے ہوئے دیکھا تو اپنے لشکر کو حکم دیا کہ ان بیبیوں کو نہ ستاؤ اور ان سے جو مال و اسباب لوٹا ہے وہ واپس کردو لیکن کسی نے بھی کچھ واپس نہ کیا۔ [5] پھر اس (ملعون) نے ایک گروہ کو ان مستورات کی حفاظت پر مامور کیا اور اپنے خیمہ میں واپس چلا گیا۔

---

[1] درج ذیل مورخین نے حضرت امام سجادؑ کے بیمار ہونے کو ذکر کیا ہے۔ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۰، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۳، البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۸۸، مرآۃ الجنان، یافعی، ج ۱، ص ۱۳۳، الارشاد شیخ مفیدؒ، مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۲۲۵، اعلام الوریٰ، طبرسی: ص ۱۴۸، روضۃ الواعظین محمد بن احمد بن علی نیشاپوری فتال: ص ۱۶۲، "اثبات الوصیہ" مسعودی، ص ۱۴۰

[2] تظلم الزہراء: ص ۱۳۲

[3] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۰

[4] نفس المہموم۔

[5] کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۲۔ مصعب زبیری نے "نسب قریش" ص ۵۸ پر عجیب و غریب قول بیان کیا ہے کہ عمر ابن سعد (ملعون) کے لشکریوں میں سے کسی نے امام علیؑ ابن حسینؑ کو پکڑ کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل کردیا۔ وہ امام علیؑ زین العابدینؑ کی عزت و اکرام کرتا اور آپؑ سے ←

گھوڑوں سے لاشۂ حسینؑ کی پامالی

عمر ابن سعد (ملعون) نے صدا لگائی کہ تم میں سے کون حسینؑ کے سینہ اور کمر کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کرے گا؟ اس پر دس اشقیاء یہ گستاخی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔[1] ان کے نام یہ ہیں:

(۱) اسحاق بن حویہ[2] (۲) اخنس بن مرثد بن علقمہ بن سلمہ حزمی (۳) حکیم بن طفیل سنبسی (۴) عمرو بن صبیح صیداوی (۵) رجاء بن منقذ عبدی (۶) سالم بن خیثمہ جعفی (۷) صالح بن وہب جعفی (۸) واخط بن غانم (۹) ھانی بن ثبیت حضرمی (۱۰) اسید بن مالک۔

ان اشقیاء نے ریحانۃ الرسول (خوشبوئے رسولؐ) کے جسد اطہر کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کر دیا۔ یہ دس اشقیاء ابن زیاد (ملعون) کے پاس گئے تو ان میں سے اسید بن مالک یہ رجز پڑھتے ہوئے اس کی جانب بڑھا اور اپنا انعام طلب کیا:

نحن رضضنا الصدر بعد الظهر　　　بكل يعبوب شديد الأسر

"ہم نے قوی اور تیز گھوڑوں کی ٹاپوں سے ان کی کمر اور سینہ کو ریزہ ریزہ اور کچل کر رکھ دیا تھا"۔

پھر ابن زیاد (ملعون) نے حکم دیا کہ انھیں بہت بڑا انعام دیا جائے۔[3]

← حُسنِ سلوک سے پیش آتا۔ جب اس نے یہ سنا کہ ابن زیاد (ملعون) کے دربار میں اعلان ہو رہا ہے کہ جو علیؑ ابن حسینؑ کو پیش کرے گا، اسے آٹھ سو درہم انعام دیا جائے گا تو اس شخص نے علیؑ ابن حسینؑ کے ہاتھ پسِ گردن باندھ کر ابن زیاد (ملعون) کے دربار میں پیش کر کے انعام حاصل کیا۔ ابن زیاد (ملعون) نے امام علی زین العابدینؑ کو قتل کرنا چاہا لیکن ان کی پھوپھی زینبؑ ان پر گر گئیں اور فرمایا: اس کو قتل کرنے سے پہلے مجھے قتل کرو۔

(قارئین کرام) جیسا کہ آپ کو اس بات کا علم ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ بیمار ہونے کے باوجود حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد مخدرات عصمت و طہارت کے واحد کفیل اور محافظ تھے اس لیے خداوند عالم نے کسی کو اتنی طاقت نہیں دی کہ وہ انھیں اپنے اہل و عیال کی نظروں سے اوجھل کر سکے۔ پس! آپ خود سوچیں اگر ان بیبیوں کی نظروں سے ان کا محافظ اور انھیں صبر کی تلقین کرنے والا اور دلاسہ دینے والا دور ہو جائے تو ان مستورات کا کیا حال ہوگا جو پہلے ہی سے اپنے خاندان کے مردوں کو کھو چکی ہوں؟ جبکہ اس کے علاوہ کسی بھی مورخ نے یہ واقعہ بیان نہیں کیا یہاں تک کہ کسی نے بعید احتمال کے تحت بھی یہ واقعہ ذکر نہیں کیا لیکن زبیری نے اپنی من گھڑت باتوں کے ذریعے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرنا چاہا ہے۔

[1] تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۶۱، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۳، مروج الذھب: ج ۲، ص ۹۱، الخلفاء المعز یزیہ: ج ۲، ص ۲۸۸، البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۸۹، تاریخ الخمیس: ج ۳، ص ۳۳۳، الارشاد، شیخ مفیدؒ، اعلام الوریٰ: ص ۸۸۸، روضۃ الواعظین: ص ۱۶۲، مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۴

[2] تاج العروس: ج ۴، ص ۱۳۱، مادہ حوز کے تحت مذکور ہے کہ جن لوگوں نے حضرت امام حسینؑ سے جنگ کی ان میں سے ایک "حویزہ" ہے اور یہ جہینہ کے وزن پر ہے۔

[3] "الملھوف" ج ۵۷، "مثیر الاحزان" ابن نما: ص ۴۱، جب کہ "مقتل الخوارزمی" ج ۲، ص ۳۹ پر مزید یہ بیت اشعر مذکور ہے:

حتّى عصينا الله رب الامر　　　بعضها مع الحسين الطهر

"یہاں تک کہ ہم نے اس وقت اللہ تعالیٰ کے بعض احکامات کی نافرمانی کی جو امور کی تدبیر کرتا ہے کہ جب ہم نے پاک و طاہر حسینؑ سے جنگ کی"۔

البیرونی کہتا ہے: ان اشقیاء نے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ وہ کچھ کیا جو تمام اُمتوں میں سے کسی اُمت نے بھی اپنے بدترین افراد کے ساتھ نہیں کیا کہ انھوں نے انھیں تلواروں، نیزوں اور پتھروں سے قتل کیا ہو اور پھر ان کے لاشوں کو گھوڑوں سے پامال کیا ہو۔ ① جب ان گھوڑوں میں سے کچھ گھوڑے مصر پہنچے تو انھوں نے ان گھوڑوں کے نعل اُتار کر اپنے گھروں کے دروازوں پر تبرکاً لٹکا دیے۔ پھر ان کے ہاں یہ سنت اور عادت بن گئی کہ مصر کے اکثر لوگ گھوڑوں کی نعل اُتار کر اپنے گھروں کے دروازوں پر تبرکاً لٹکا دیتے تھے۔ ②

شہدائے کربلا کے سر

عمر ابن سعد (ملعون) نے شہدا کے سر کاٹنے کا حکم دیا تو ان اعداء نے شہدا کے سر تن سے جدا کر دیے اور مختلف قبائل نے ابن زیاد (ملعون) کو خوش کرنے کے لیے یہ سر آپس میں تقسیم کر لیے۔

ان سرہائے مقدس کی تقسیم اس طرح تھی:

قبیلہ کندہ نے تیرہ سر لیے، ان کا سردار قیس بن اشعث تھا۔ قبیلہ ہوازن نے بارہ سر لیے، ان کا سردار شمر بن ذی الجوشن تھا۔ قبیلۂ تمیم نے سترہ سر لیے۔ قبیلہ بنواسد نے سولہ سر لیے۔ قبیلہ مذحج نے سات سر لیے۔ جب کہ دیگر قبائل باقی شہدا کے سرہائے مبارک لے کر ابن زیاد (ملعون) کی طرف کوفہ روانہ ہوئے۔ ③ حر الریاحی کے قبیلہ نے عمر ابن سعد (ملعون) کے لشکر والوں کو حر کا سر کاٹنے اور ان کا لاشہ پامال کرنے سے باز رکھا۔ (الکبریت الاحمر)

عمر ابن سعد (ملعون) نے دس محرم الحرام کو خولی بن یزید اصبحی اور حمید بن مسلم ازدی کے ذریعے حضرت امام حسینؑ کا سر اقدس ابن زیاد (ملعون) کے پاس کوفہ روانہ کیا اور حضرت امام حسینؑ کے اہل بیتؑ اور اصحاب کے سر مبارک شمر، قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج کے ہاتھوں کوفہ روانہ کیے۔ ("الارشاد"، شیخ مفیدؒ)

خولی کا گھر کوفہ سے ایک فرسخ (ساڑھے پانچ کلومیٹر) کے فاصلے پر تھا۔ خولی نے اپنی بیوی جس کا تعلق انصار سے تھا، حضرت امام حسینؑ کا سر چھپا لیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اہل بیتؑ کی حُب دار ہے لیکن جب اس کی بیوی نے تنور سے نور کی کرنیں بلند ہوتی دیکھیں تو وہ خوف زدہ ہوگئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس سے پہلے تنور میں کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ جب وہ تنور کے قریب پہنچی تو اس نے کچھ بیبیوں کے رونے کی آواز سنی جو حضرت امام حسینؑ پر حزن وغم کی وجہ سے شدید گریہ کر رہی تھیں۔

---

① الآثار الباقیۃ: ص ۳۲۹

② "العجب" کراجکی: ص ۶۳، ملحق "کنز الفوائد"

③ "الملہوف" ص ۸۱، عمدۃ القاری فی شرح البخاری، عینی: ج ۷، ص ۶۵۶ پر ہے کہ ان افراد میں عروہ بن قیس بھی تھا۔

اس نے یہ واقعہ اپنے شوہر کو بتایا اور پھر وہ روتی ہوئی اس کے گھر سے نکل گئی۔① خولی کی زوجہ نے اس دن کے بعد حضرت امام حسینؑ پر حزن وغم مناتے ہوئے نہ کبھی اپنی آنکھوں میں سرمہ لگایا اور نہ ہی کبھی خوشبو لگائی، اس کا نام "عیوف" تھا۔②

خولی اگلے دن صبح کے وقت حضرت امام حسینؑ کا سر لے کر قصر الامارہ گیا جب کہ ابن زیاد (ملعون) اسی رات نخیلہ میں موجود اپنے لشکر سے واپس کوفہ لوٹ آیا تھا۔ خولی نے ابن زیاد (ملعون) کے سامنے حضرت امام حسینؑ کا سر رکھتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

إملأ ركابي فضة أو ذهبا   إني قتلت السيد المحجبا

قتلت خير الناس أماً وأبا   وخيرهم من يذكرون النسبا

"میرے دامن کو چاندی یا سونے سے بھر دو کیونکہ میں نے صاحب دربان سیّد وسردار کو قتل کیا ہے جو نسب کے اعتبار سے سب سے افضل تھے اور میں نے اس شخص کو قتل کیا ہے جو ماں اور باپ کے لحاظ سے سب سے بہتر و برتر تھے"۔

ابن زیاد (ملعون) نے لوگوں کے سامنے اس کے اس قول کو برا محسوس کیا اور اس سے کہا: اگر تم جانتے تھے کہ وہ اس قدر بافضیلت ہیں تو پھر تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ خدا کی قسم! اب تم مجھ سے کوئی انعام نہ پاؤ گے"۔③

---

① روضۃ الشہداء، جب کہ ابن کثیر کی البدایہ، ج۸، ص ۱۹۰ پر مذکور ہے کہ خولی کی زوجہ نے تنور سے نور کی کرنیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہوئی دیکھیں جب کہ سفید پرندے اس کے گرد پھڑ پھڑا رہے ہیں تو اس کی بیوی نوار بنت مالک نے اس سے کہا: تم فرزند رسولؐ کا سر مبارک کاٹ کر لائے ہو۔ لہٰذا اب تم اور میں کبھی ایک فرش پر اکٹھے نہ ہوں گے۔ پھر اس کی بیوی نوار نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی۔

② "انساب الاشراف" بلاذری: ج۵، ص ۲۳۸

③ یافعی نے "مرآۃ الجنان" ج۱، ص ۱۳۳ پر تحریر کیا ہے کہ ابن زیاد (ملعون) یہ سن کر اس پر غضب ناک ہوا اور اسے قتل کردیا لیکن یافعی نے حضرت امام حسینؑ کے سر اقدس کو ابن زیاد (ملعون) کے دربار میں لانے والے شخص کا نام تحریر نہیں کیا۔ "عقد الفرید" ج۲، ص ۳۱۳ پر اس کا نام خولی بن یزید اصبحی تحریر کیا ہے اور ابن زیاد (ملعون) نے اسی کو قتل کیا تھا۔ مورخین کے مابین اس بات پر اختلاف ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک کون ابن زیاد (ملعون) کے پاس دربار میں لایا تھا؟ اور یہ درج بالا ابیات اشعر کس شخص نے کہے تھے؟۔ ابن جریر طبری: ج۶، ص ۲۶۱، اور ابن اثیر: ج۴، ص ۳۳ کے نزدیک یہ ابیات سنان ابن انس نے عمر ابن سعد (ملعون) کے سامنے پڑھے تھے۔ تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۴ پر ہے کہ جب عمر ابن سعد (ملعون) نے سنان سے یہ اشعار سنے تو اس نے کہا: تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو اگر ابن زیاد (ملعون) نے تم سے یہ اشعار سن لیے تو وہ تمہیں قتل کردے گا۔ شریشی نے "شرح المقامات" ج۱، ص ۱۹۳ پر ذکر کیا ہے کہ سنان بن انس نے یہ اشعار ابن زیاد (ملعون) کے سامنے پڑھے تھے۔ جب کہ اربلی نے "کشف الغمہ" میں اور خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ" ج۲، ص ۴۰ پر تحریر کیا ہے کہ بشر بن مالک نے ابن زیاد (ملعون) کے سامنے یہ اشعار پڑھے تھے، جب کہ ابن طلحہ نے "مطالب السئول" ص ۷۶ پر ان دو ابیات کے بعد مزید ایک بیت تحریر کیا ہے۔ ومن یصلی ←

اسیرانِ آلِ محمدؐ کی کربلا سے کوفہ کی طرف روانگی

عمر ابن سعد (ملعون) شہدائے کربلا کے سر مطہر کوفہ روانہ کرنے کے بعد خود اپنے لشکر سمیت گیارہ محرم الحرام کے دن زوال تک کربلا میں رہا۔ اس نے اپنے مقتولین کی لاشوں کو جمع کیا اور ان پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد انھیں دفنا دیا جب کہ جوانانِ جنت کے سردار ریحانۃ الرسولؐ (رسولؐ خدا کی خوشبو) حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کے لاشوں کو غسل و کفن اور دفن کے بغیر کربلا کی تپتی ہوئی ریتی پر چھوڑ دیا۔① جب کہ مظلومانِ کربلا کے لاشوں پر بادِ صبا چلتی اور صحرا کے وحشی درندے زیارت کو آتے:

فإن يمس فوق الترب عريان لم تقم ... له مأتماً تبكيه فيه محارمه
فأي حشاً لم يمس قبراً لجسمه ... وفي أي قلب ما أقيت مآتمه

"کربلا کے صحرا پر حضرت امام حسینؑ کے لاشہ کو عریاں چھوڑ دیا گیا اور آپؑ پر صرف آپؑ کی مستورات نے گریہ کیا۔ پس! اس زمین پر کون سی گھاس ایسی تھی جس نے مظلوم کربلا کے جسدِ اطہر کو نہ چھوا ہو اور کس دل میں آپؑ کا غم اور ماتم بپا نہیں ہوا"۔ (علامہ محمد تقی آل صاحب الجواہر)

زوال کے بعد عمر ابن سعد (ملعون) اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ کی جانب روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کی مستورات، بچے، کنیزیں اور آپؑ کے اصحاب کی بیبیاں تھیں اور یہ کُل بیس مستورات تھیں۔② ان مستورات کو بے پالان

← القبلتین فی الصبا یعنی "جس نے بچپن میں دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی"۔ اس پر ابن زیاد (ملعون) غضب ناک ہو گیا اور اسے قتل کر دیا۔ "ریاض المصائب" ص ۳۴۷ پر ہے کہ شمر (ملعون) نے یہ اشعار پڑھے تھے۔

اگر آپ کو یہ معلوم ہے کہ شمر (ملعون) حضرت امام حسینؑ کا قاتل ہے جیسا کہ زیارتِ ناحیہ میں مذکور ہے اور مورخین کا ایک گروہ بھی شمر (ملعون) کو ہی قاتلِ حسینؑ سمجھتا ہے تو پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اشعار شمر (ملعون) نے ہی بیان کیے ہیں۔ جب کہ یہ بعید ہے کہ شمر حضرت امام حسینؑ کو قتل کرے اور پھر ان کا سر مبارک کوئی اور ابن زیاد (ملعون) کے پاس لے جائے اور یوں شمر، ابن زیاد (ملعون) کے نزدیک اپنا قرب کھو دے۔ ہم نے یہاں پر یہ قصہ اس لیے خولی کے حوالے سے بیان کیا ہے تاکہ ہم دیگر اہلِ مقاتل (مقتل کی کتب کے مؤلفین) کے طریقہ کے مطابق چل سکیں۔ "المعجم مما استعجم" ج ۳، ص ۸۶۵ اور مسعودی کی کتاب "وفاء الوفا" ج ۲، ص ۲۳۲ پر "چراگاہِ ضریہ" کے ذکر کے تحت مذکور ہے کہ "ضریہ" حسینؑ ابن علیؑ کے قاتل شمر کے باپ ذی الجوشن ضبابی کا زمانہ جاہلیت میں ضباب کے کنوؤں میں سے پانی کا ایک کنواں تھا۔

① مقتل الحسینؑ، خوارزمی: ج ۲، ص ۳۹

② نفس المہموم: ص ۲۰۴۔ محدث نوری کی کتاب "مستدرک الوسائل" ج ۲، ص ۲۳۴، پہلے ایڈیشن میں ہے کہ شیخ مفیدؒ اور سید ابن طاؤس نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے اپنی اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ آپؑ نے "القائم" کے مقام پر جو کربلا سے نجف اشرف کی طرف جانے والے راستے پر واقع ہے، وہاں دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: اس مقام پر امام حسینؑ کا سرِ اطہر رکھا گیا تھا کہ جب آپؑ کا سر مبارک کربلا سے کوفہ عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے جایا گیا تھا۔ پھر حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس دعا کو ذکر کیا جو اس نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اب اس مقام کو "حنانہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اُونٹوں پر یوں سوار کیا گیا جیسے ترک اور روم کے قیدیوں کو ہانکا جاتا ہے حالانکہ ان مستورات کا تعلق تو سیّدالانبیاءؐ سے تھا اور اِن مخدرات عصمت و طہارت کے ساتھ حضرت امام سجادعلیؑ ابن حسینؑ بھی تھے جن کی عمر تیئیس سال تھی[1] حضرت امام سجادؑ کو ایک ایسے بے پالان اُونٹ پر سوار کیا گیا جو کمزور اور جھکا ہوا تھا جب کہ آپؑ بیمار ہونے کی وجہ سے اس قدر لاغر و کمزور ہو گئے تھے کہ سب آپؑ کی زندگی سے ناامید تھے۔[2] (اس بے غیرت قوم نے اس حالت کے باوجود آپؑ کے ہاتھ پس گردن باندھ دیے۔ زیارت ناحیہ کے اس جملے وَصُفِّدُوْا فِی الْحَدِیْدِ..... سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی ڈالی گئیں اور اُونٹ پر بٹھا کر آپؑ کے دونوں پاؤں کو اُونٹ کے پیٹ کے نیچے سے آپس میں باندھ دیا گیا۔)

حضرت امام سجادؑ کے ساتھ آپؑ کے بیٹے امام محمد باقرؑ بھی تھے۔[3] اس وقت امام محمد باقرؑ کی عمر دو سال اور چند مہینے تھی۔[4] اِن اَسیروں میں آپؑ کے ہمراہ فرزندانِ امام حسن مجتبیٰؑ میں سے زید، عمرو اور حسن مثنیٰ بھی تھے جب کہ حسن مثنیٰ کو جنگ کے دوران اس وقت اسیر بنایا گیا جب آپؑ سترہ یزیدیوں کو واصلِ جہنم کر چکے تھے۔ اس وقت آپؑ کو اٹھارہ زخم آئے اور آپؑ کا دایاں بازو قلم ہو چکا تھا۔ تو پھر اسماء بن خارجہ فزاری نے اعداء کو انھیں قتل کرنے سے روکا کیونکہ حسن مثنیٰ کی والدہ بھی فزاریہ تھیں اس لیے اسماء کی درخواست پر عمر ابن سعد (ملعون) نے انھیں قتل نہ کیا۔[5] اِن اسیروں میں حضرت امام حسینؑ کی زوجہ جنابِ ربابؑ کے غلام عقبہ بن سمعان بھی تھے۔ جب ابن زیاد (ملعون) کو معلوم ہوا کہ یہ جناب ربابؑ کا غلام ہے تو اس نے عقبہ کو آزاد کر دیا۔ پھر ابن زیاد (ملعون) کو یہ خبر پہنچی کہ مرقع بن ثمامہ اسدی نے تیر مار کر اسے قتل کر دیا ہے تو اس کی قوم نے ابن زیاد (ملعون) سے مرقع کے لیے امان طلب کی۔ ابن زیاد (ملعون) نے اس شرط پر امان دی کہ اسے کوفہ سے نکال کر "زارہ" کی طرف شہر بدر کر دیا جائے۔[6]

---

[1] "نسب قریش" مصعب زبیری: ص ۵۸

[2] "الاقبال" ابن طاؤس: ص ۵۴

[3] "ریاض الاحزان" ص ۴۹، "اثبات الوصیہ" مسعودی: ص ۱۴۳

[4] "اثبات الوصیہ" ص ۱۴۳، مطبوعہ نجف اشرف۔ جب کہ تاریخ ابی الفداء: ج۱، ص ۲۰۳ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی عمر تین سال مذکور ہے۔

[5] "بحارالانوار" ج۱۰، حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد کے تذکرہ کے ضمن میں، نورالابصار کے حاشیہ پر "اسعاف الراغبین" ص ۲۸۔ جب کہ "اللہوف" ص ۸ پر مذکور ہے کہ اسماء نے کوفہ میں آپ کا علاج کروایا اور جب آپ تندرست ہو گئے تو آپؑ کو مدینہ منورہ چھوڑ آیا۔

[6] تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۶۱، کامل ابن اثیر: ج۴، ص ۳۳۔ "معجم البلدان" ج۴، ص ۳۶۷ پر مذکور ہے کہ "زارہ" بحرین میں ایک گاؤں ہے اور مغربی طرابلس میں بھی ایک گاؤں ہے جسے زارہ کہتے ہیں۔ یہ مصر دریائے نیل کے اُوپر کے دہانے پر واقع زمین کو بھی زارہ کہتے ہیں۔ بکری کی المعجم مما استعجم ج۲، ص ۶۹۲ پر ہے کہ "زارہ" بحرین میں ایک علاقہ ہے جہاں نعمان بن منذر المعروف "غرور" کی اساورہ کے ساتھ ←

جب بیبیوں کو قید کر کے کوفہ لے جانے لگے تو انھوں نے فرمایا:

باللہ علیکم اِلا ما مررتم بنا علی القتلیٰ

"تمھیں خدا کا واسطہ ہمیں اپنے شہدا کی مقتل سے لے کر جانا"۔

جب مستورات نے شہدا کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے دیکھے جن کو نیزوں، تلواروں اور گھوڑوں کی سموں نے پامال کر دیا تھا تو یہ دیکھ کر بیبیاں گریہ وزاری کرنے لگیں اور انھوں نے اپنے چہروں کو پیٹ لیا۔ (1) اس وقت حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے بین کیا:

یا محمداہ ھذا حسین بالعراء مرمل بالدماء مقطع الاعضاء وبناتک سبایا وذریتک مقتلۃ

"ہائے نانا محمدؐ یہ حسینؑ ہے جس کا لاشہ میدان کربلا میں خون میں لت پت پڑا ہوا ہے اور اس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے ہیں اور آپ کی بیٹیوں کو قیدی بنایا گیا ہے اور آپ کی اولاد کو قتل کر دیا گیا ہے"۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا یہ بین سن کر خاندان اہل بیتؑ کا ہر دشمن اور دوست رونے لگا۔ (2) یہاں تک کہ گھوڑوں کی آنکھوں سے اشک جاری ہو کر ان کے کھروں پر بہنے لگے۔ (3)

← کئی جنگیں ہوئیں۔ یہ فارس میں بھی ایک شہر ہے جہاں براء بن مالک اس شہر کے سردار کے مقابلے پر نکلا اور براء نے اسے پچھاڑ دیا اور اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا۔ اس کے علاقہ پر قبضہ کرلیا اور اس کے دو قیمتی کنگن جن کی قیمت تیس ہزار دینار تھی وہ بھی لوٹ لیے۔ اس کا پانچواں حصہ حضرت عمر نے لیا اور یہ اسلام میں پہلی بار ہوا کہ لوٹ کے مال سے خمس لیا گیا۔ "کامل ابن اثیر" ج ۴ ص ۱۰ پر ہے کہ ابن زیاد (ملعون) نے کوفیوں کو یہ دھمکی دی تھی (اگر وہ حسینؑ کے خلاف جنگ کے لیے نہ نکلے تو) انھیں عمان کے علاقہ "زارہ" کی طرف ملک بدر کر دیا جائے گا۔ اس نے ج ۸، ص ۸۹ پر ۳۲۱ھ کے واقعات کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ علی بن بلیق نے بغداد میں بر سر منبر معاویہ اور اس کے بیٹے یزید پر لعنت کرنے کا حکم دیا تو اہل سنت پریشان ہو گئے جب کہ حنبلی فرقے کا ایک شخص "بربہاری" فتنوں کو ہوا دے رہا تھا۔ یہ علی بن بلیق سے فرار ہو گیا تو علی بن بلیق نے اس فتنہ پرور شخص کی جماعت کو گرفتار کرلیا اور انھیں کشتیوں میں بٹھا کر عمان کی طرف ملک بدر کر دیا۔

ابن اثیر کے اس قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "زارہ" عمان میں ایک جگہ کا نام ہے۔ "الاخبار الطوال" ص ۲۵۶ پر مذکور ہے کہ ابن زیاد (ملعون) نے مرقع بن ثمامہ اسدی کو ربذہ کی طرف شہر بدر کیا اور یہ یزید (ملعون) کی ہلاکت تک وہاں ہی رہا۔ جب یزید (ملعون) کی ہلاکت کے بعد ابن زیاد (ملعون) شام کی طرف بھاگ گیا تو مرقع واپس کوفہ آ گیا۔ "نشوار المحاضرۃ" ج ۸، ص ۹ پر مذکور ہے کہ ابو محمد مہلبی نے محمد بن حسن بن عبدالعزیز ہاشمی کو کشتی میں زبردستی بٹھا کر عمان کی طرف بھیج دیا۔ جب اس نے ابو محمد مہلبی کے کسی حکم کی مخالفت کی تو ابو محمد مہلبی اس پر غضب ناک ہو گیا۔

(1) "مثیر الاحزان" ابن نما: ص ۱۴، "الملہوف" ابن طاوس: ص ۷۲، "مقتل الحسینؑ" خوارزمی: ج ۲، ص ۳۹، مقتل العوالم: ص ۲۳۲

(2) الخطط المقریزیۃ: ج ۲، ص ۲۸۰، جب کہ مقتل الخوارزمی اور لہوف میں مذکورہ بیان اس سے بھی زیادہ بڑا ہے۔

(3) مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۳۹، "المنتخب طریحی" ص ۳۳۲

پھر حضرت زینبؑ نے حضرت امام حسینؑ کے جسدِ اطہر کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھا کر آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا:

الٰھی تَقَبَّلْ مِنَّا ھذا القربان۔ ①

"اے میرے پروردگار ہماری اس قربانی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما"۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا یہ موقف اور اقدام اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ان کی عظیم قدر و منزلت پر دلالت کرتا ہے اور حضرت زینبؑ کے بھائی حضرت امام حسینؑ کی طرح ان سے بھی اس مقدس انقلاب کا عہد و پیمان لیا گیا تھا، اگرچہ دونوں کے درمیان منصب کا فرق رکھا گیا ہے۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی مقدس جان کا نذرانہ پیش کر کے اپنی ذمہ داری کو ادا کر دیا تو عقیلۂ بنی ہاشم حضرت زینب سلام اللہ علیہا اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ آپؑ کی ان ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری حضرت امام حسینؑ کی قربانی کو خدا کی بارگاہ میں پیش کر کے اس کا تعارف کروانا ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنی باقی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا شروع کیا اور حضرت زینبؑ اور امام حسینؑ سے ہرگز یہ بعید نہیں ہے کیونکہ آپؑ دونوں کا نور اور تخلیق کا عنصر ایک ہے۔

حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا اپنے بابا جان حضرت امام حسینؑ کے جسد اطہر سے لپٹ گئیں اور آپؑ فرماتی ہیں کہ میں نے اس وقت اپنے بابا کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

شیعتی ما إن شربتم عذب ماء فاذکرونی
أو سمعتم بغریب أو شهید فاندبونی

"اے میرے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کرنا۔ یا تم کسی غریب و مسافر یا شہید کا ذکر سنو تو مجھ پر بھی گریہ کرنا"۔ (مصباح الکفعمی: ص ۷۴۱، مطبوعہ ہندوستان)

اس وقت کوئی بھی شخص جناب سکینہؑ کو حضرت امام حسینؑ کے جسد اطہر سے دُور نہ کر سکا یہاں تک کہ ایک جماعت آپؑ کے پاس جمع ہوگئی اور انھوں نے زبردستی حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا کو اپنے باباؑ کے لاشہ سے جدا کیا ② اور جب حضرت امام زین العابدین علیؑ بن حسینؑ نے اپنے خاندان کے افراد کو ذبح شدہ حالت میں دیکھا اور ان کے درمیان دل بندِ زہراؑ کا لاشہ اس حالت میں پڑا ہوا تھا، جسے دیکھ کر آسمان پھٹ جائے، زمین شگافتہ ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پر یہ وقت انتہائی مشکل اور پریشان کن تھا۔ جب حضرت علی علیہ السلام کی شیر دل بیٹی

① الکبریت الاحمر: ج ۳، ص ۱۳، پر "الطراز المذہب" سے منقول ہے۔

② تظلم الزہرا: ص ۱۳۵

حضرت زینب کبریٰ علیہا السلام ① نے حضرت امام زین العابدینؑ کو یوں غم زدہ اور افسردہ حالت میں دیکھا تو شہزادی کے لیے امام سجادؑ کو بچانا زیادہ عزیز تھا۔ لہٰذا فوراً امام سجادؑ کے پاس جا کر انھیں تسلی دی اور صبر کی تلقین کی، اگرچہ امام سجادؑ کے صبر کے سامنے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے۔

اس وقت حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے حضرت امام سجاد علیہ السلام سے فرمایا:

ما لی أراك تجود بنفسك یا بقیة جدی وأبی وإخوتی فواللہ إن هذا لعهد من اللہ إلی جدك وأبیك ولقد أخذ اللہ میثاق أناس لاتعرفهم فراعنة هذه الأرض وهم معروفون فی أهل السماوات إنهم یجمعون هذه الأعضاء المقطعة والجسوم المضرجة فیوارونها وینصبون بهذا الطف علمًا لقبر أبیك سید الشهداء لا یدرس أثره ولا یمحی رسمه علی كرور اللیالی والایام ولیجتهدن أئمة الكفر واشیاع الضلال فی محوه وتطمیسه فلا یزداد اثره الا علوًا

”اے میرے نانا، بابا! اور بھائیوں کی نشانی! تجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تمھاری جان نکلنے والی ہے۔ خدا کی قسم! یہ ایک ایسا وعدہ ہے جو تمھارے نانا اور تمھارے بابا نے خدا سے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں سے ایک عہد و پیمان لیا ہے اور ان لوگوں کو اس زمین کے سرکش اور فرعون صفت لوگ نہیں پہچانیں گے لیکن وہ آسمان والوں کے درمیان مشہور ہوں گے اور خدا نے ان لوگوں سے یہ عہد و پیمان لیا ہوا ہے کہ ان کے کٹے ہوئے اعضاء اور خون میں لت پت جسموں کو جمع کریں گے اور پھر انھیں دفن کردیں گے اور وہ لوگ اس سرزمین پر آپؑ کے بابا جان سید الشہدا کی قبر کا ایک علَم اور نشان بنائیں گے جس کے اثر اور نشان کو رہتی دنیا تک مٹایا نہیں جائے گا۔ کفر کے پیشوا اور گمراہ لوگوں کا ٹولہ اس نشان کو مٹانے کی بہت کوشش کرے گا لیکن روز بروز اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا جائے گا“۔ (کامل الزیارات: ص ۲۶۱، باب ”کربلا اور امام حسینؑ کی زیارت کی فضیلت“)

یہ مستورات ابھی تک شہداء کے مقتل میں اپنے عزیزوں کے لاشوں پر آہ و زاری میں مشغول تھیں کہ زجر بن قیس (ملعون) ان مستورات کے پاس آ کر چیخ کر بولا کہ اب یہاں سے روانہ ہو جاؤ لیکن کوئی بی بی اپنے پیاروں کے لاشوں سے نہ اٹھی پھر اس نے ان بیبیوں کو تازیانے سے مارنا شروع کر دیا۔ پھر لشکرِ اعداء ان مخدراتِ عصمت و طہارت کے پاس جمع ہو گیا

① حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی صاحبزادی حضرت زینبؑ کا لقب ”کبریٰ“ ہے۔ آپؑ کی یہ توصیف طبری نے اپنی تاریخ: ج ۶، ص ۸۹ اور ابن اثیر نے ”الکامل“ ج ۳، ص ۱۵۸ پر بیان کی ہے۔ جب کہ ابن قتیبہ نے ”المعارف“ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی بیٹی حضرت زینب کبریٰ علیہا السلام کا عقد عبداللہ بن جعفر علیہ السلام سے ہوا اور ان کی حضرت عبداللہ کے صلب سے اولاد بھی تھی۔

اوران کو زبردستی اُونٹوں پر سوار کیا۔(تظلم الزہرا: ص ۱۷۷)

جب عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب علیہا السلام اُونٹ پر سوار ہوئیں تو انھیں اپنا گزرا ہوا وہ وقت یاد آگیا کہ جب آپؑ کی عزت وعظمت کا دَور دورہ تھا اور بنوعبدالمطلب کے شیر اور بہادر اپنی ننگی تلواروں اور نیزوں کے ساتھ آپؑ کے گرد پہرہ دے رہے ہوتے تھے۔ غلام وکنیزیں آپؑ کی خدمت پر مامور ہوتیں تھیں اور کوئی اجازت کے بغیر آپؑ کے پاس نہیں آسکتا تھا۔

اُسیرانِ اہلِ بیتؑ کا کوفہ میں داخل ہونا

جب امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی معصوم بیٹیاں کوفہ میں داخل ہوئیں تو کوفہ کے لوگ ان مخدراتِ عصمت وطہارت کا تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہوگئے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت اُم کلثوم علیہا السلام نے بلند آواز میں فرمایا:

یا اھل الکوفة! أما تستحون من الله ورسوله أن تنظروا الی حرم النبی؟

''اے کوفہ والو! کیا تمھیں خدا اور رسولِ خدا سے شرم نہیں آرہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کا تماشا دیکھتے ہو؟'' (الدمعۃ الساکبۃ: ص ۳۶۴)

کوفہ کی عورتیں اپنی چھتوں سے ان بیبیوں کو دیکھ رہی تھیں، انھوں نے ان مستورات کو اس حال میں دیکھا کہ اگر اس حال میں کوئی اپنے سخت دشمن کو بھی دیکھتا تو وہ بھی غمگین ہوجاتا۔

پھر کوفہ کی عورتوں نے پوچھا: مِنْ أَيِّ الْأُسَارىٰ أَنْتُمْ؟ ''اے قیدیو! تمھارا کس قوم وملت سے تعلق ہے؟''

مخدراتِ عصمت وطہارت نے جواب دیا: نَحْنُ اُسَارىٰ آلِ مُحَمَّدٍ ''ہم قیدیوں کا تعلق حضرت محمدؐ کے خاندان سے ہے اور ہم حضرت محمدؐ کی اولاد ہیں''۔(ابن نما: ص ۸۴، لہوف: ص ۸۱)

کوفہ کے لوگوں نے بچوں کی طرف کھجور، اخروٹ اور روٹیاں پھینکیں تو حضرت زینب کبریٰ علیہا السلام نے بلند آواز میں فرمایا: اِنَّ الصَّدَقَةَ عَلَيْنَا حَرَامٌ ''ہم پر صدقہ حرام ہے'' اور یہ کہہ کر ان چیزوں کو زمین پر پھینک دیا۔(اسرار الشہادۃ: ص ۴۷۷، تظلم الزہرا: ص ۱۵۰)

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا کوفہ میں خطبہ

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی نے اپنے خطبہ میں لوگوں پر ابن زیاد (ملعون) کی خباثت اور کمینگی کو واضح کیا اور اس ملعون پر خوب لعن طعن کی۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے خطبہ ارشاد کرنے سے پہلے اس جمِ غفیر کی طرف اشارہ کیا اور مجمع پر یوں خاموشی طاری ہوگئی گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ اگر جنابِ زینبؑ میں الٰہی ہیبت ودبدبہ اور محمدی عظمت وجلالت نہ ہوتی جس سے عقیلہ آلِ محمدؐ کو نوازا گیا تھا تو لوگوں کی کافی تعداد بھی اس شوروغل کو ختم کرنے پر قادر نہ ہوتی۔

راوی بیان کرتا ہے: جب عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب کبریٰ علیہا السلام نے لوگوں کو خاموش ہونے کا حکم دیا تو یوں سکوت طاری ہوگیا کہ لوگوں کی سانسیں سینوں میں رُک گئیں اور اُونٹوں کے گلوں میں گھنٹیوں کی آوازیں بند ہوگئیں۔ پھر آپؑ نے یوں دیدہ دلیری سے خطبہ ارشاد فرمایا کہ آپؑ کا نفس مطمئن و پرسکون، قلبی طور پر ثابت قدمی کا مظاہرہ اور آپؑ کے لہجے میں حیدری شجاعت کا انداز نمایاں تھا۔ آپؑ نے فرمایا:

الحمد لله والصلاة على أبي محمد وآله الطيبين الأخيار، أما بعد يا أهل الكوفة، يا أهل الختل والغدر، أتبكون فلا رقأت الدمعة، ولا هدأت الرنة، إنما مثلكم كمثل التي نقضت غزلها من بعد قوة أنكاثًا، تتخذون أيمانكم دخلًا بينكم، ألا وهل فيكم إلا الصلف النطف والعجب والكذب والشنف وملق الإماء، وغمز الأعداء، أو كمرعى على دمنة أو كفضة على ملحودة ألا بئس ما قدمت لكم أنفسكم أن سخط الله عليكم، وفي العذاب أنتم خالدون۔
اتبكون وتنتحبون، أي والله فابكوا كثيرًا، واضحكوا قليلًا فلقد ذهبتم بعارها وشنارها، ولن ترحضوها بغسل بعدها أبدا، وأنّى ترحضون، قتل سليل خاتم النبوة، ومعدن الرسالة ومدرة حجتكم ومنار محجتكم، وملاذ خيرتكم، ومفزع نازلتكم، وسيّد شباب أهل الجنة ألا ساء ما تزرون۔ فتعسًا ونكسًا وبعدًا لكم وسحقًا، فلقد خاب السعي، وتبت الأيدي، وخسرت الصفقة، وبؤتم بغضب من الله ورسوله، وضربت عليكم الذلة والمسكنة۔
ويلكم يا أهل الكوفة، أتدرون أي كبد لرسول الله فريتم؟ وأي كريمة له ابرزتم؟ وأي دم له سفكتم؟ وأي حرمة له انتهكتم؟ لقد جئتم شيئًا إدًّا، تكاد السموات يتفطرن منه، وتنشق الأرض، وتخر الجبال هدًّا!
ولقد أتيتم بها خرقاء شوهاء كطلاع الأرض وملء السماء أفعجبتم أن مطرت السماء دمًا، ولعذاب الآخرة أخزى وهم لا ينصرون فلا يستخفنكم المهل، فإنه لا يحفزه البدار، ولا يخاف فوت الثار، وإن ربكم لبالمرصاد[1]

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور درود و سلام ہو، میرے نانا محمد مصطفیٰؐ اور آپؐ کی طیب و طاہر اور

---

[1] مؤلف نے یہ خطبہ امالی شیخ طوسیؒ، امالی ابن شیخ طوسیؒ، الملہوف، ابن نما کی کتاب مثیر الاحزان، مناقب ابن شہر آشوب اور احتجاج طبرسی سے نقل کیا ہے۔

نیکوکار آلِ اطہارؑ پر۔ اما بعد! اے کوفہ والو! اے مکار اور غدار لوگو! کیا تم لوگ رو رہے ہو؟ خدا کبھی تمھارے آنسوؤں کو خشک نہ کرے اور تمھاری آہ و فغاں کبھی بند نہ ہو۔ تمھاری مثال اس عورت جیسی ہے جس نے بڑی محنت سے اپنا سوت کاتا ہو اور پھر خود ہی اسے کھول کر اپنی محنت پر پانی پھیر دیا ہو۔ تمھاری جھوٹی قسموں میں کوئی صداقت نہیں، تم سب کے سب بے ہودہ گو، خود پسندی، جھوٹ اور برائیوں میں غلطاں ہو۔ تم لوگ کنیزوں کی طرح چاپلوس، فسادی، کینہ پرور اور دشمنوں کی طرح اذیت پہنچاتے ہو۔ تم لوگ کوڑے پر اُگے ہوئے سبزے کی طرح بے قیمت ہو اور تمھاری مثال اس چاندی جیسی ہے جو دفن شدہ عورت کی قبر پر رکھی ہو۔ آگاہ رہو! تم نے اپنے لیے بہت برے اعمال کا ذخیرہ مہیا کیا ہے اور تمھارے ان اعمال کی وجہ سے خدا تم پر غضب ناک ہے اور تم نے خود کو ہمیشہ کے لیے اس کے عذاب کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

اب تم لوگ کیوں گریہ و بکا کر رہے ہو؟ کیا تم لوگ قتل کرنے کے بعد اب دھاڑیں مار رہے ہو۔ ہاں، خدا کی قسم! اب تم اسی لائق ہو کہ بہت زیادہ روؤ اور بہت کم ہنسو کیونکہ تم نے دنیا بھر کی برائیاں اپنے دامن میں سمیٹ لی ہیں اور تم اس دھبے کو اپنے دامن سے کبھی صاف نہ کر پاؤ گے اور فرزندِ رسولؐ کے خون کے دھبے کیسے صاف ہو سکتے ہیں۔ تم نے خاتم الانبیاءؐ کے نورِ نظر کو قتل کر ڈالا۔ تم نے معدنِ رسالت کے بیٹے کو شہید کر دیا۔ تم نے اس شخص کو قتل کر دیا جو تمھاری مصیبتوں میں تمھارے لیے جائے پناہ اور راہِ ہدایت دکھانے کے لیے ایک روشن مینار تھا جس سے تم سنتِ رسولؐ اور دین و شریعت کی باتیں سیکھتے تھے۔ تم نے جوانانِ جنت کے سردار کو مار ڈالا، تم نے بہت ہی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ تمھارے لیے ہلاکت اور بربادی ہو! تم ہمیشہ اپنی کوشش میں ناکام رہو اور تمھارے ہاتھ قلم ہوں اور تمھارے عہد و پیمان قسمیں کھانے کے سوا کچھ نہ دیں، تم پر خدا اور اس کے رسولؐ کا غضب ہو اور تم کو ذلت و رُسوائی اور تنگدستی گھیر لے۔

اے کوفہ والو! تم پر افسوس ہے کیا جانتے ہو کہ تم نے رسولؐ کے کس جگر کو پارہ پارہ کر دیا اور تم نے کن باعظمت مستورات کو بے پردہ کیا ہے؟ اور کتنے اچھے اور سچے لوگوں کا ناحق خون بہایا ہے؟ اور ان کی کون سی حرمت کو پامال کیا ہے؟ تم نے ایسے برے فعل کا ارتکاب کیا ہے کہ آسمان گر پڑیں، زمین شگافتہ ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

تم نے قتلِ امامؑ کے ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کی تاریکی نے آسمان و زمین کو گھیر لیا ہے۔

کیا تم اس پر تعجب کر رہے ہو کہ آسمان سے خون کیوں برس رہا ہے؟ یقیناً! آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت اور رُسوا کن ہے، جہاں تمھارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور خدا نے تمھیں جو یہ مہلت دی ہے، اس پر مت اِترانا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ بدلہ لینے میں جلدی نہیں کرتا کیونکہ اس کو یہ ڈر نہیں ہوتا کہ انتقام کا وقت گزر جائے گا۔ بے شک! تمھارا پروردگار اپنے گناہ گار بندوں کی تاک میں رہتا ہے"۔

جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا خطبہ یہاں تک پہنچا تو حضرت امام سجاد علیہ السلام نے آپؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اسکتی یا عمة فأنت بحمد الله عالمة غیر معلمة فهمة غیر مفهمة ①

"اے پھوپھی جان! آپؑ خاموش ہو جائیے، بحمداللہ! آپؑ ایسی عالمہ ہیں جس نے کسی سے اکتساب علم نہیں کیا اور آپؑ ایسی دانا و عقل مند ہیں جن کو کسی آدمی نے سوجھ بوجھ عطا نہیں کی"۔

پھر عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اپنی گفتگو کو ختم کر دیا تو وہ سارا مجمع ششدر اور مرعوب ہو کر رہ گیا کہ جن پر خواہشات کا غلبہ تھا اور جو حقائق کا غلط انداز میں مشاہدہ کر رہے تھے۔ آپؑ کے کلام سے لوگوں کے دلوں میں بیداری پیدا ہوئی اور ان کے دل و دماغ حقیقت سے آگاہی کے لیے متوجہ ہوئے۔ آپؑ کے خطبہ نے لوگوں کے دلوں پر بہت بڑا اثر چھوڑا اور انھیں پتا چل گیا کہ وہ کس قدر عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اب انھیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کی تلافی کے لیے کیا کریں۔

حضرت فاطمہؑ بنت حضرت امام حسینؑ کا خطبہ

حضرت فاطمہ ② بنت امام حسین علیہ السلام نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله عدد الرمل والحصی، وزنة العرش إلی الثری، أحمده وأؤمن به وأتوکل علیه،

---

① احتجاج طبرسیؒ: ص ۱۶۶، مطبوعہ نجف اشرف

② حضرت امام حسینؑ کی بیٹی فاطمہؑ عظیم قدر و منزلت کی مالک تھیں اور آپؑ کو دین میں بلند مقام حاصل تھا۔ اور آپؑ کی اس فضیلت کو آپؑ کے والد بزرگوار سید الشہدا حضرت امام حسینؑ کے اس قول سے بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ جب حضرت حسن مثنیٰ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے کہ امامؑ اپنی دو بیٹیوں میں سے کسی ایک کا عقد ان سے کردیں۔ جیسا کہ نور الابصار، ص ۲۰۲ کے حاشیہ پر اسعاف الراغبین کے حوالہ سے منقول ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے جواب دیا: میں آپ کا عقد اپنی بیٹی فاطمہؑ (کبریٰ) سے کردیتا ہوں کیونکہ یہ میری والدہ گرامی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا سے زیادہ مشابہت رکھتی ہیں اور اس قدر دین دار ہیں کہ ساری رات عبادت میں گزارتی ہیں اور سارا دن روزہ رکھتی ہیں اور وہ حُسن و جمال میں حور العین جیسی ہیں۔

ابن حجر کی کتاب تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص ۴۴۲ پر ہے کہ آپؑ نے اپنے بابا جان حضرت امام حسینؑ اور اپنے بھائی حضرت زین العابدینؑ، ←

وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له وأن محمداً عبده ورسوله ، وأن أولاده ذبحوا بشط الفرات، من غير ذحل ولا ترات۔

اللهم إني أعوذبك أن أفتري عليك ، وأن أقول عليك خلاف ما أنزلت من أخذ العهود والوصية لعلي بن أبي طالب المغلوب حقه المقتول من غير ذنب ﴿كما قتل ولده بالأمس﴾ في بيت من بيوت الله تعالى ، فيه معشر مسلمة بألسنتهم ، تعسًا لرؤوسهم ما دفعت عنه ضيمًا في حياته ولا عند مماته ، حتى قبضه الله تعالى إليه محمود النقيبة ، طيب

← اپنی پھوپھی حضرت زینبؑ، ابن عباس اور اسماء بنت عمیس سے احادیث نقل کی ہیں۔ آپؑ کی اولاد عبداللہ، ابراہیم، حسین اور اُم جعفر نے آپؑ سے احادیث نقل کی ہیں اور یہ حسن مثنیٰ کی اولاد ہیں۔ آپؑ سے ابوالمقدام نے اپنی ماں کے ذریعے اور زہیر بن معاویہ نے اپنی ماں کے ذریعے روایات نقل کی ہیں۔ اور خلاصہ تذہیب الکمال، ص ۴۲۵ پر ہے کہ احادیث سنن کی کتب کے مؤلفین نے بھی آپؑ سے روایات نقل کی ہیں۔ ان مؤلفین میں سے ترمذی، ابوداؤد، امام نسائی نے مسند علی اور ابن ماجہ قزوینی نے ان احادیث کو اپنی کتب میں آپؑ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

ابن حجر عسقلانی نے بیان کیا ہے کہ صحیح بخاری کی کتاب الجنائز میں ان کا ذکر موجود ہے۔ ابن حبان نے ان کو معتبر راوی اور موثق قرار دیا ہے۔ آپؑ کی وفات کے متعلق یہ عبارت ملتی ہے کہ آپؑ کا ۱۱۰ ہجری میں انتقال ہوا تھا۔ یافعی نے مرآۃ الجنان: ج۱، ص ۲۳۴ اور ابن العماد نے شذرات الذھب، ج۱، ص ۱۳۹ پر آپؑ کی وفات کا یہی سال تحریر کیا ہے۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں جو یہ قول بیان کیا ہے کہ آپؑ کی عمر تقریباً ۹۰ سال تھی تو اس بنا پر آپؑ کی ولادت تقریباً ۳۰ ہجری میں بنتی ہے اس لحاظ سے آپؑ کی عمر واقعۂ کربلا کے وقت ۳۰ سال کے لگ بھگ تھی اور آپؑ کی وفات اپنی بہن سکینہ سے سات سال قبل ہوئی۔ کامل ابن اثیر: ج۴، ص ۳۵ اور تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۶۷ پر ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ (کبریٰ) اپنی بہن سکینہ سے بڑی تھیں۔ (بعض مؤرخین کے نزدیک حضرت امام حسینؑ کی بیٹی حضرت سکینہ کا انتقال کمسنی میں ہوا اور زندانِ شام میں جس بیٹی کا انتقال ہوا اس کا نام حضرت رقیہؑ تھا اور مؤلف نے یہاں اسی قول کو اپنایا ہے۔ مترجم)

ابوبکر بن حسین بن عمر المراغی (متوفی ۸۱۶ھ) نے "تحقیق النصرۃ الی معالم دار الہجرۃ" میں حضرت فاطمہؑ بنت حسینؑ کی کرامات میں تحریر کیا ہے کہ جب ولید بن عبدالملک نے مسجد نبویؐ کے اطراف میں موجود حجروں کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم دیا تو حضرت فاطمہ (کبریٰ) وہاں سے مقام حرہ کی طرف منتقل ہوگئیں اور وہاں پر اپنا گھر تعمیر کروایا تو ایک کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ جب کنواں کھودنے کی کوشش کی گئی تو وہاں پر کھدائی کے دوران ایک پہاڑ ظاہر ہوا۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہاں پر تو پہاڑ ہے، کنواں کیسے کھودا جائے؟ آپؑ نے وضو کر کے اپنے وضو کا پانی وہاں پر پھینکا تو ان لوگوں کے لیے وہاں پر کنواں کھودنا دشوار نہ رہا اور (آسانی کے ساتھ کنواں مکمل ہوگیا)۔ پھر لوگ اس پانی کو تبرکاً لے جاتے اور وہ اسے "زم زم" کہتے۔ "طبقات ابن سعد" ج۸، ص ۴۷۴ (صادر ایڈیشن) میں ہے کہ حضرت فاطمہ بنت حسینؑ ایسی تسبیح کے ذریعے شمار کرتیں جو گرہ لگے ہوئے دھاگے پر مشتمل ہوتی۔ مؤلف کہتے ہیں: ہم نے اپنی کتاب "نقد التاریخ المخلوط" میں مورخین کے اس قول کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں کہ ان کی شادی ایک عثمانی (حضرت عثمان کا پیروکار) سے ہوئی تھی جب کہ محمد دیباج (ان کا من گھڑت شوہر) زبیری قلم نگاروں کی کاوشوں کی تخلیق ہے۔ (اور ان روایات کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے)۔

العريكة، معروف المناقب، مشهور المذاهب، لم تأخذه في الله سبحانه لومة لائم، ولاعذل عاذل، هديته اللهم للإسلام صغيراً، وحمدت مناقبه كبيراً، ولم يزل ناصحاً لك ولرسولك، زاهداً في الدنيا غير حريص عليها، راغبًا في الآخرة، مجاهداً لك في سبيلك، رضيته فاخترته وهديته الى صراط مستقيم۔

أما بعد يا أهل الكوفة، يا أهل المكر والغدر والخيلاء، فإنا أهل بيت ابتلانا الله بكم وابتلاكم بنا ۔ فجعل بلاءنا حسنًا، وجعل علمه عندنا وفهمه لدينا، فنحن عيبة علمه، ووعاء فهمه وحكمته، وحجته على الأرض في بلاده لعباده، أكرمنا الله بكرامته، وفضلنا بنبيّه محمد صلى الله عليه وآله على كثير ممن خلق الله تفضيلًا۔

فكذبتمونا وكفرتمونا، ورأيتم قتالنا حلالًا، وأموالنا نهبًا، كاننا أولاد ترك أو كابل كما قتلتم جدنا بالأمس، وسيوفكم تقطر من دمائنا أهل البيت لحقد متقدم، قرت لذلك عيونكم، وفرحت قلوبكم افتراء على الله ومكراً مكرتم، والله خير الماكرين، فلا تدعونكم أنفسكم إلى الجذل بما أصبتم من دمائنا، ونالت أيديكم من أموالنا، فإن ما أصابنا من المصائب الجليلة، والرزايا العظيمة في كتاب من قبل أن نبرأها، إن ذلك على الله يسير، لكيلا تاسوا على ما فاتكم ولا تفرحوا بما آتاكم، والله لايحب كل مختال فخور۔

تباً لكم فانتظروا اللعنة والعذاب، فكان قد حل بكم وتواترت من السماء نقمات، فيسحتكم بعذاب ويذيق بعضكم بأس بعض ثم تخلدون في العذاب الاليم، يوم القيامة بما ظلمتمونا، ألا لعنة الله على الظالمين۔

ويلكم، أتدرون أية يد طاعنتنا منكم، وأية نفس نزعت إلى قتالنا، أم بأية رجل مشيتم إلينا، تبغون محاربتنا، قست قلوبكم وغلظت أكبادكم، وطبع الله على أفئدتكم، وختم على سمعكم وبصركم وسوّل لكم الشيطان وأملى لكم، وجعل على بصركم غشاوة فأنتم لا تهتدون۔

تباً لكم يا أهل الكوفة، أي ترات لرسول الله قبلكم، وذحول له لديكم ۔ بما عندتم بأخيه على بن أبي طالب جدي وبنيه وعترته الطيبين الاخيار وافتخر بذلك مفتخركم۔

نحن قتلنا علياً وبنى على   بسيوف هندية ورماح

وسبينا نساءهم سبى ترك   ونطحناهم فأى نطاح

بغيك أيها القائل الكشكث والاثلب افتخرت بقتل قوم زكاهم الله وطهرهم وأذهب عنهم الرجس فاكظم وأقع كما أقعى أبوك فإنما لكل امرىء ما اكتسب، وما قدمت يداه۔ حسدتمونا ويلًا لكم على ما فضلنا الله تعالى، ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم، ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور۔

"تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ میں اس کی اس قدر حمد وستائش بیان کرتی ہوں جس قدر ریت کے ذرّات اور سنگریزے ہیں اور وزن میں جتنی عرش سے فرش تک تمام اشیاء ہیں۔ میں اس کی حمد بیان کرتی ہوں اور اس کی ذات پر ایمان رکھتی ہوں اور اسی پر توکّل رکھتی ہوں۔ اور میں یہ گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور ان کی اولاد کو دریائے فرات پر بے جرم وخطا ذبح کردیا گیا۔

اے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتی ہوں اس امر سے کہ تجھ پر جھوٹ اور بہتان باندھوں اور میں اس کے خلاف کوئی بات کہوں جو تُو نے اپنے نبیؐ پر وحی کی کہ لوگوں سے حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے لیے بیعت لیں اور انھیں اپنا وصی وجانشین قرار دیں۔ وہ علیؑ جن کا حق غصب کیا گیا اور ان کو اسی طرح خدا کے گھر (مسجد) میں بے گناہ شہید کیا گیا جس طرح کل ان کی اولادِ اطہار کو بے گناہ شہید کیا گیا ہے اور ان کا قاتل ایسا گروہ ہے جو زبانوں سے تو اسلام اور مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن ان کے دلوں میں کفر چھپا بیٹھا ہے، اور بے شک اے تُو نے ظالموں کو ان کے خلاف اپنی من مانی کرنے کا موقع دیتے ہوئے ان ہستیوں کی زندگی میں اور نہ ہی موت کے وقت انھیں اس ظلم سے نجات دی یہاں تک کہ وہ اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوکر خدا کی بارگاہ میں چلے گئے کہ ان کی ذات میں تمام محاسن موجود تھے اور ان کا مزاج پاک و پاکیزہ تھا۔ دنیا میں ہر طرف ان کے فضائل ومناقب کا طوطی بول رہا تھا اور ان کے افکار ونظریات کو شہرت حاصل ہوچکی تھی۔ انھیں خدا کی اطاعت وعبودیت میں ہرگز کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ تھی اور نہ ہی کوئی انھیں ان کے مصمم ارادوں سے روک سکا۔

اے اللہ! تُو نے بچپن میں انھیں اسلام کی دولت سے مالا مال کیا اور جب وہ بڑے ہوئے تو ان کے فضائل ومناقب کے ذریعے ان کی توصیف وستائش کی، وہ ہمیشہ تیری اور تیرے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر انسانوں کو مخلصانہ وعظ ونصیحت کرتے رہے۔ وہ دنیا سے بالکل کنارہ کش تھے، اس کے حریص نہ تھے۔ وہ آخرت کے مشتاق تھے۔ وہ تیری راہ میں جہاد کرنے والے اور دشمنوں سے برسرِ پیکار رہنے

والے تھے۔ بے شک! انکو ان سے راضی ہو گیا اور ان کو منتخب کیا اور صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھا۔

امابعد! اے کوفہ والو! اے مکروفریب اور تکبر کرنے والو! بے شک! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم اہلِ بیتؑ کو تمھارے ذریعے اور تمھیں ہم اہلِ بیتؑ کے ذریعے آزمایا، اور خدا نے ہمیں اس آزمائش میں کامیاب فرمایا اور اس نے ہمیں اپنے علم وفیض سے نوازا۔ پس! ہم اس کے علم کے امین، اس کی فہم وحکمت کے خزانے اور زمین میں اس کے بندوں پر حجت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم اہلِ بیتؑ کو اپنی عزت وکرامت سے نوازا اور ہمیں حضرت محمد ﷺ کے ذریعے اپنی مخلوق پر فضیلت وشرف عطا کیا۔

لیکن تم لوگوں نے ہمیں جھٹلایا اور ہماری تکفیر کی اور ہم سے جنگ کرنے اور ہمارے اموال کو مالِ غنیمت میں لوٹنے کو حلال اور جائز سمجھا گویا ہم رسولِ خدا کی اولاد نہیں بلکہ ترک یا کابل کے کفار کی اولاد ہیں۔

تم نے کل ہمارے جدِ بزرگوار (حضرت علیؑ) کو بھی اسی طرح شہید کیا تھا، اور ابھی تک پرانے کینہ و بُغض کی وجہ سے ہم اہلِ بیتؑ کا خون تمھاری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ تم نے ہمارا خون بہا کر اور مال واسباب لوٹ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دلوں کو سرور پہنچایا۔ بے شک! تم نے خدا پر بہتان باندھا اور ہم سے نہیں بلکہ خدا سے مکروفریب کیا ہے اور بے شک خدا بہترین خفیہ تدبیر کرنے والا ہے، لہٰذا ہمارا ناحق خون بہا کر اور مال واسباب لوٹ کر خوش نہ ہونا کیونکہ ہم پر ظلم وستم کے جو پہاڑ ٹوٹے ہیں وہ خدا کی کتاب (لوحِ محفوظ) میں پہلے سے تحریر تھے۔ خدا کے لیے یہ امر آسان ہے تاکہ تم سے جو چیز چھن جائے اس پر کفِ افسوس نہ ملو اور جو تمھارے ہاتھ لگ جائے اس پر خوش نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ متکبر اور فخرومباہات کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اے کوفہ والو! تمھارے لیے ہلاکت وافسوس کا مقام ہے لہٰذا اب خدا کی لعنت اور عذاب کا انتظار کرو کیونکہ بہت جلد تم پر عذابِ خداوندی نازل ہوگا جو تمھیں تمھاری بداعمالیوں پر عذاب سے دوچار کرے گا اور تم آپس میں ایک دوسرے کو مارو گے، اس کے بعد تمھیں قیامت کے دن اس ظلم وجور کی پاداش میں ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا کرے گا جو ظلم کے پہاڑ تم نے ہم پر توڑے ہیں، آگاہ رہو! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

تم پر وائے ہو! کیا تم جانتے ہو کہ تم نے کن ہاتھوں سے ہم پر ظلم وستم کیا؟ اور تم کس حوصلہ کے ساتھ ہم سے جنگ کرنے کے لیے آئے؟ یا تم کن قدموں سے چل کر ہمارے مقابلہ پر آئے؟ تمھارے دل سخت ہو چکے ہیں اور تمھارے جگر پتھر بن چکے ہیں۔ خدا نے تمھارے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر

مہریں لگا کر تمھیں سوجھ بوجھ سے بے بہرہ اور آنکھوں سے نابینا اور کانوں سے بہرہ کر دیا ہے۔ شیطان تم پر ہر طرف سے مسلط ہو کر تمھیں جھوٹی اُمیدوں کا فریب دے چکا ہے اور اس نے تمھاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے تم راہِ راست پر نہیں آسکتے ہو۔

اے کوفہ والو! تم برباد ہو جاؤ! رسولؐ خدا نے تمھارا کیا قصور کیا تھا جس کی پاداش میں تم نے میرے دادا اور رسولؐ خدا کے بھائی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ اور ان کی اولاد اور رسولؐ خدا کی طیب و طاہر اور نیکوکار اولاد سے دشمنی کرتے ہوئے انتقام لیا اور تم میں سے بعض نے ان بداعمالیوں اور مظالم پر فخر کرتے ہوئے کہا:

''ہم نے علیؑ اور اولادِ علیؑ کو ہندی تلواروں اور نیزوں سے قتل کیا ہے اور ہم نے ان کی عورتوں کو ترک کے قیدیوں کی طرح اُسیر بنایا اور ہم نے ان سے خوب مقابلہ کیا''۔

ان اشعار کو کہنے والے کے منہ میں خاک ہو! تم نے ان لوگوں کے قتل پر فخر و مباہات کیا جن کو خدا نے پاک رکھا اور ان سے ہر قسم کی نجاست کو دُور رکھا ہے، تُو خاموش ہو جا اور اپنے باپ کی طرح ذلت و رُسوائی سے بیٹھے رہو اور ہر شخص کو اس کا بدلہ ملے گا جو عمل وہ سرانجام دے کر اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجتا ہے۔

تم پر وائے ہو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو فضیلتیں عطا فرمائی ہیں تم نے ان کی وجہ سے ہم سے حسد کیا حالانکہ یہ تو فضلِ خداوندی ہے اور وہ جسے چاہتا ہے فضیلت سے مالامال کرتا ہے اور وہ بڑے فضل و کرم کا مالک ہے، اور جسے خدا اپنے نُور سے محروم کر دے اس کو کہیں سے کوئی روشنی نہیں مل سکتی''۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا کلام یہاں تک پہنچا تو چاروں طرف سے گریہ اور آہ و فغاں کی آوازیں بلند ہوگئیں اور لوگوں نے کہا: اے پاک و طاہر افراد کی بیٹی! بس کیجیے۔ آپؑ کی گفتگو نے ہمارے دلوں کو جلا کر رکھ دیا ہے اور ان باتوں نے ہمارے اندر آگ کے شعلے بھڑکا دیے ہیں۔ پھر آپؑ خاموش ہوگئیں۔

حضرت اُمِ کلثوم سلام اللہ علیہا کا کوفہ میں خطبہ

حضرت اُمِ کلثوم سلام اللہ علیہا نے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:

یا أهل الكوفة تقتلنا رجالكم وتبكينا نساؤكم فالحاكم بيننا وبينكم الله يوم فصل الخطاب۔

يا أهل الكوفة سوأةً لكم، ما لكم خذلتم حسينًا وقتلتموه وانتهبتم أمواله، وسبيتم نساءه ونكبتموه، فتبًّا لكم وسحقًا، ويلكم أتدرون أي دواهٍ دهتكم وأي وزر على ظهوركم

حملتم ، وأي دماء سفكتم وأي كريمة أصبتموها وأي صبية أسلبتموها وأي أموال انتهبتموها قتلتم خير الرجالات بعد النبي ونزعت الرحمة من قلوبكم ألا إن حزب الله هم المفلحون ، وحزب الشيطان هم الخاسرون۔

"اے کوفہ والو! تمھارے مردوں نے ہمیں قتل کیا اور تمھاری عورتیں ہم پر رو رہی ہیں۔ فیصلہ اور جزا کے دن (بروز قیامت) خدا ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا۔

اے کوفہ والو! تمھارا برا ہو، تم نے کیوں (حضرت امام) حسینؑ کو دھوکا دیتے ہوئے ان کی نصرت نہ کی اور انھیں قتل کر ڈالا اور ان کا مال لوٹ لیا اور اسے اپنا ورثہ سمجھ لیا اور ان کی مستورات کو قید کر لیا۔ تم لوگ ہلاکت میں رہو اور خدا کی رحمت سے دُور رہو، تم لوگوں پر وائے ہو۔ کیا تم جانتے ہو کہ تم کس مصیبت و بلا میں گرفتار ہوئے ہو؟ اور تم نے کون سا بوجھ اپنی پشتوں پر لادا ہے؟ اور کس خون کو ناحق تم نے بہایا ہے؟ اور کن اہلِ حرم کو تم نے بے پردہ کیا ہے؟ اور کس کی بیٹیوں کو لوٹا اور کیسے اموال پر ناجائز قبضہ کیا ہے؟ تم نے اس شخص کو شہید کیا ہے جو نبیؐ کے بعد سب سے افضل تھا اور خدا نے تمھارے دلوں سے رحمت کو نکال لیا ہے۔ آگاہ رہو، بے شک! خدا کا گروہ ہی کامیاب و کامران ہوتا ہے اور شیطان کا گروہ گھاٹے اور خسارے میں رہتا ہے"۔

آپؑ کے خطبے کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں کے گریہ کرنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ عورتوں نے اپنے بالوں کو کھول لیا اور اپنے چہروں کو نوچ لیا اور رخسار پیٹنے لگیں۔ عورتیں واویلا کرتی ہوئیں شدتِ غم سے نڈھال ہو گئیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے اس دن سے زیادہ کبھی کسی کو روتے اور آہ و فغاں کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام کا کوفہ میں خطبہ

حضرت امام سجاد علی ابن حسین علیہ السلام کو ایک نحیف اور کمزور سے اُونٹ پر بٹھا کر کوفہ لایا گیا۔ آپؑ کی گردن میں زنجیریں اور دونوں ہاتھ پسِ گردن بندھے ہوئے تھے اور آپؑ کی گردن سے خون جاری تھا۔ آپؑ اس وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

يا أمة السوء لاسقيًا لربعكم	يا أمة ترام جدّنا فينا
لو اننا ورسول الله يجمعنا	يوم القيامة ما كنتم تقولونا؟
تسترونا على الاقتاب عارية	كاننا لم نشيّد فيكم دينا

"اے بری اُمت! خدا تمھیں کبھی سیراب نہ کرے۔ اے وہ اُمت! جس نے ہمارے حق کے بارے میں ہمارے جد بزرگوار رسولؐ خدا کی عزت و عظمت کا بھی خیال نہ کیا جب قیامت کے دن ہم اور رسولؐ خدا ایک ساتھ ہوں گے تو تم لوگ اپنے کرتوتوں کا کیا عذر پیش کرو گے؟ تم لوگوں نے ہمیں بے پالان اُونٹوں پر دربدر پھرایا گویا کہ ہم تمھارے دین کے پیروکار نہ تھے"۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے لوگوں کو انگلی کے اشارے سے خاموش ہونے کا حکم دیا تو وہ سب خاموش ہو گئے۔ پھر آپؑ نے خدا کی حمد وثناء بیان کی اور نبیؐ پر درود وسلام پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا:

أيها الناس من عرفني فقد عرفني، ومن لم يعرفني فأنا علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب، أنا ابن من انتهكت حرمته، وسلبت نعمته وانتهب ماله، وسبي عياله، أنا ابن المذبوح بشط الفرات من غير ذحل ولا ترات، أنا ابن من قتل صبراً وكفى بذلك فخراً۔

أيها الناس ناشدتكم الله هل تعلمون أنكم كتبتم إلى أبي وخدعتموه وأعطيتموه من أنفسكم العهود والميثاق والبيعة، وقاتلتموه، فتبًّا لكم لما قدّمتم لأنفسكم، وسوأة لرأيكم، بأية عين تنظرون إلى رسول الله، إذ يقول لكم: قتلتم عترتي، وانتهكتم حرمتي، فلستم من أمتي۔

"اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا ہے اسے میں اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔ سنو! مَیں علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔ مَیں اس کا بیٹا ہوں جس کی حرمت کو پامال کیا گیا، جس کے مال و متاع کو چھینا اور لوٹا گیا، جس کے اہل وعیال کو قیدی بنایا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے دریائے فرات کے کنارے بے جرم و بے خطا ذبح کیا گیا۔ مَیں اس کا بیٹا ہوں جس نے اپنی شہادت پر صبر کیا اور میرے فخر کے لیے یہی کافی ہے۔

اے لوگو! میں تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم یہ نہیں جانتے کہ تم نے میرے والد گرامی کو خط لکھ کر بلایا تھا اور تم نے ان سے دھوکا کیا اور تم نے ان سے عہد وپیمان کیے اور ان کی بیعت کی اور جب وہ آپ لوگوں کی طرف آئے تو تم لوگوں نے ان سے جنگ کی اور انھیں قتل کرڈالا۔ پس تم لوگوں نے جن گناؤنے جرائم کا ارتکاب کیا ہے اس وجہ سے تمھارے لیے ہلاکت و بربادی ہو اور تمھاری رائے کس قدر بری ہے۔ تم لوگ رسولؐ خدا کی طرف (قیامت کے دن) کن آنکھوں سے دیکھو گے کہ جب رسولؐ خدا تم لوگوں سے کہیں گے: تم نے میری عترت و اولاد کو قتل اور میری حرمت کو پامال کیا تھا

لہٰذا تم میری اُمت میں سے نہیں ہو"۔

جب حضرت امام سجاد علیہ السلام کا کلام یہاں تک پہنچا تو لوگوں کے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم ہلاک و برباد ہو گئے ہو اور تم اس بات سے بے خبر ہو۔

پھر حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

رحم الله امرأً قبل نصیحتی، وحفظ وصیّتی فی الله وفی رسوله وأهل بیته ، فإنّ لنا فی رسول الله أُسوة حسنة۔

"خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے میری نصیحت کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ، رسولؐ خدا اور ان کے اہل بیتؑ کے متعلق میری وصیت کو یاد رکھا کیونکہ ہم ہی رسولؐ خدا کی سیرت کا صحیح نمونہ ہیں"۔

اس پر کوفیوں نے پکار کر کہا: اے فرزند رسولؐ خدا! ہم سب آپؑ کی باتوں کو سننے والے اور آپؑ کے اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں۔ ہم لوگ آپؑ کے حکم کی تعمیل کرنے والے اور آپؑ کے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ آپؑ کے کسی حکم سے ہم کو انکار نہیں ہے۔ خدا آپؑ پر رحم فرمائے۔ آپؑ کے دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہیں کیونکہ آپؑ کی جنگ ہماری جنگ اور آپؑ کی صلح ہماری صلح ہے۔ جن لوگوں نے آپؑ پر اور ہم پر ظلم کیا ہے ہم ان سے انتقام لینے کے لیے تیار ہیں۔

یہ سن کر حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

هیهات هیهات أیها الغدرة المكرة ، حیل بینكم وبین شهوات أنفسكم ، أتریدون أن تاتوا إلیّ كما أتیتم إلی أبی من قبل كلّا ورب الراقصات ، فإن الجرح لمّا یندمل ، قتل أبی بالأمس وأهل بیته ولم ینس ثكل رسول الله وثكل أبی وبنی أبی ، إنّ وجده والله لبین لهاتی ومرارته بین حناجری وحلقی، وغصته تجری فی فراش صدری۔ ①

"یہ محال ہے، یہ محال ہے۔ اے غدار اور فریبی لوگو! تم لوگ اپنی شہوتوں میں گرفتار ہو کر میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہتے ہو جو میرے والد بزرگوار کے ساتھ کیا ہے۔ خدا کی قسم! اب میں ہرگز تمھارے مکر و فریب میں نہیں آؤں گا۔ ابھی تو پہلے والا زخم بھی نہیں بھرا ہے۔ ابھی تو یہ کل کی ہی بات ہے کہ تم نے میرے والد بزرگوار اور ان کے خاندان کو قتل کیا ہے اور ابھی تو میں رسولؐ خدا، اپنے بابا،

① یہ تمام خطبات سید ابن طاؤس نے "ملہوف" اور "ابن نما" نے "مثیر الاحزان" میں ذکر کیے ہیں۔

اور اپنے بھائیوں کے صدمہ کو بھی نہیں بھولا ہوں۔ اور خدا کی قسم! ان کے رنج وغم کی تلخی میرے حلق میں ابھی تک موجود ہے اور اس غم وغصہ کی حرارت میرے سینے میں ابھی تک دوڑ رہی ہے"۔

شہدائے کربلا کی تدفین

مورخین نے بیان کیا ہے کہ سیدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں ایک خیمہ الگ نصب کیا تھا۔ ① آپؑ کے اصحاب یا اہل بیتؑ میں سے جو فرد بھی شہید ہوتا آپؑ اس کا لاشہ اس خیمہ میں رکھنے کا حکم دیتے اور جب بھی کسی شہید کا لاشہ آتا تو آپؑ فرماتے:

قتلة مثل قتلة النَّبِيِّينَ وآل النَّبِيِّينَ ②

"اس شہید کے قاتل نبیوں اور نبیوں کی اولاد کے قاتلوں کے مانند ہیں"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے صرف اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ کے لاشہ اقدس کو ساحل فرات کے قریب اسی جگہ پر چھوڑ دیا تھا، جہاں آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر گرے تھے۔ ③

جب عمر ابن سعد (ملعون) اہل حرم کو قید کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہوا تو اس نے ان شہدا کے لاشوں کو جنھیں امیرالمومنین حضرت علیؑ نے دنیا وآخرت میں تمام شہیدوں کا سردار قرار دیا جب کہ اوّلین وآخرین میں سے کوئی شہید ان کی قدر ومنزلت تک نہیں پہنچ سکتا، ④ انھیں کربلا کے صحرا میں تپتی ہوئی ریتی پر یوں ہی بے گوروکفن چھوڑ دیا، تاکہ سورج کی چمچماتی ہوئی دھوپ ان کے چہروں کو جھلسا دے اور جنگل کے درندے ان کے اطراف جمع ہو جائیں۔

قد غيَّر الطعن منهم كل جارحة الا المكارم في أمن من الغير

نیزوں کے زخموں کی وجہ سے ان کا ہر عضو متغیر ہو چکا تھا سوائے ان کی بلند اخلاقی صفات کے، کیونکہ ان کے محاسن اب بھی ہر طرح سے محفوظ تھے"۔

ان شہدا کے درمیان جوانان جنت کے سردار کا لاشہ بھی اس حالت میں پڑا تھا کہ انھیں اس حالت میں دیکھ کر سخت چٹان بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔ الٰہی انوار کی کرنیں آپؑ کے جسد اطہر سے روشن ہو کر بلند ہو رہی تھیں اور معطر اَرواح آپؑ کے لاشۂ اَطہر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں۔

---

① تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۶، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۰، "ارشاد" شیخ مفیدؒ۔

② بحار الانوار: ج ۱۰، ص ۲۱۱، اور ج ۱۳، ص ۱۲۵ پر غیبت نعمانی سے منقول ہے۔

③ مورخین کے ایک گروہ نے اسے بیان کیا ہے اور تفصیل کے لیے مولف کی کتاب "قمر بنی ہاشم" ص ۱۱۵، مطبعہ حیدریہ نجف اشرف۔

④ کامل الزیارات: ص ۲۱۹

ومجرم ما غیّرت منه القنا حسناً ولا اخلقن منه جدیداً
قد کان بدراً فاغتدی شمس الضحٰی مذ البسته ید الدماء لبودا
تحمی اشعته العیون فکلما حاولن نهجاً خلنه مسدودا
وتظله شجر القنا حتی ابت ارسال هاجرة الیه بریدا

"حضرت امام حسینؑ کے حسن و جمال کو نیزوں اور تلواروں کے زخموں نے بھی ختم نہ کیا اور نہ ہی ان زخموں نے آپؑ کو کوئی نئی صورت عطا کی۔ آپؑ چودھویں کے چاند کی طرح روشن و نُورانی تھے لیکن جب سے آپؑ کے ہاتھ کے خون نے آپؑ کو پیوند لگا لباس زیب تن کروایا، آپؑ چاشت کے وقت کے آفتاب کی طرح پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔ آپؑ کے نُورانی جسدِ اطہر سے اُٹھنے والی کرنیں، آنکھوں کی حفاظت کرتی ہیں کہ جب بھی وہ کسی راستے کے لیے کوشش کرتی ہیں اور اس کے متعلق یہ گمان کرتی ہیں کہ یہ راستہ بند ہے۔ نیزوں کے جھرمٹ نے آپؑ پر درختوں کی طرح سایہ کیا اور دوپہر کی چمچماتی ہوئی دھوپ نے آپؑ کی طرف اپنی تپش بھیجنے سے انکار کر دیا"۔ (الحاج ہاشم کعبی)

قبیلہ بنو اسد کا ایک شخص بیان کرتا ہے: جب یزید (ملعون) کا لشکر کربلا سے چلا گیا تو میں نے دیکھا کہ خون میں لت پت لاشوں سے نُور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں اور ان سے طیب و پاکیزہ خوشبو اُٹھ رہی ہے۔ اتنے میں ایک خوفناک شیر ان سر بریدہ ٹکڑے ٹکڑے کی ہوئی لاشوں کے درمیان چلتا ہوا ایک مقدس وجود اور ہدایت کے علَم بردار شہید (امام حسینؑ) کے پاس پہنچا۔ وہ آپؑ کے خونِ مقدس میں لوٹنے لگا اور خود کو آپؑ کے جسدِ اطہر سے مَس کرنے لگا۔ پھر یہ شیر یوں دھاڑا کہ میں ڈر گیا کیونکہ میں نے آج تک ایسا نہ دیکھا اور نہ ہی سنا تھا کہ اس طرح کا چیر پھاڑ کرنے والا درندہ اپنے سامنے اپنی مرغوب غذا کو دیکھ کر چھوڑ دے۔ پھر میں ایک ٹیلے کی اُوٹ میں چھپ گیا تھا تا کہ یہ دیکھ سکوں کہ یہ شیر کیا کرتا ہے لیکن اس نے ان لاشوں کے ساتھ اس کے علاوہ اور کچھ نہ کیا۔

وہ شخص کہتا ہے: میری حیرت اور تعجب اس وقت مزید بڑھ گیا جب میں نے آدھی رات کے وقت اس دشتِ کربلا میں روشن شمعیں دیکھیں جب کہ کربلا کی سرزمین آہ و فغاں اور چیخ و پکار سے گونج رہی تھی۔ (مدینۃ المعاجز: ص ۲۶۳، باب ۱۲۷)

تیرہ محرم الحرام کو حضرت امام زین العابدینؑ اپنے بابا جانؑ شہیدِ کربلا کو دفن کرنے کے لیے کربلا وارد ہوئے کیونکہ (معصوم) امامؑ کی تدفین صرف اس جیسا (معصوم) امامؑ ہی کر سکتا ہے۔ ①

① "اثبات الوصیۃ" مسعودی: ص ۱۷۳۔ مؤلف کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب "زین العابدین" ص ۳۰۳ پر وہ احادیث بیان کی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امامؑ کی تدفین اس جیسا امامؑ ہی کرتا ہے۔ لیکن یہ احادیث اس حکم میں پوشیدہ حکمتوں سے پردہ نہیں اُٹھاتی ہیں۔ شاید اس میں ←

حضرت امام علی رضاؑ کا علی بن ابی حمزہ سے ہونے والا مناظرہ بھی اس پر شاہد ہے کہ ابوالحسن امام علی رضاؑ نے اس سے فرمایا: مجھے یہ بتاؤ! کیا حسینؑ ابن علیؑ امامؑ تھے؟

علی بن ابی حمزہ نے جواب دیا: جی ہاں! بالکل وہ امامؑ تھے۔

حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: تو پھر آپؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کو کس نے دفن کیا تھا؟

علی بن حمزہ نے جواب دیا: علی بن حسین امام سجادؑ نے آپؑ کی تدفین کا اہتمام کیا تھا۔

حضرت امام علی رضاؑ نے اس سے پوچھا: اس وقت علیؑ بن حسینؑ کہاں تھے؟

علی بن ابی حمزہ نے جواب دیا: وہ کوفہ میں ابن زیاد (ملعون) کی قید میں تھے لیکن وہ اس حالت میں کوفہ سے روانہ ہوئے کہ ابن زیاد (ملعون) اور اس کے سپاہیوں کو اس بات کا علم تک نہ تھا یہاں تک کہ امام سجادؑ اپنے بابا جانؑ کو دفن کرنے کے بعد واپس قید خانہ میں تشریف لے گئے۔

پھر حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: بے شک! جس ذات نے حضرت امام علی بن حسینؑ کو یہ قدرت عطا کی تھی کہ وہ کربلا جا کر اپنے والد بزرگوار کی تدفین کریں اور پھر وہ واپس لوٹ سکیں۔ اسی ذات نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کے ولی الامر کو بھی یہ قدرت عطا کی کہ وہ بغداد جا کر اپنے بابا جان کی تجہیز و تدفین کر سکیں حالانکہ حضرت امام موسیٰؑ کاظم کی تدفین کا اہتمام کرنے والا (امام علی رضاؑ) نہ تو زندان میں بند تھا اور نہ ہی اسیر تھا۔

← یہ راز پوشیدہ ہو کہ جب معصوم کا جسد اطہر مبدا اعلیٰ کی طرف جا رہا ہوتا ہے تو اس سے الٰہی فیض کی بے انتہا بارش ہوتی ہے اور اس وقت کئی آثار معصوم کی ذات سے خاص ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس وقت معصومؑ کے جسد اطہر کے قریب وہ شخص نہ جائے جو اس مقام و مرتبہ کا اہل نہ ہو جسے مقام قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ کہتے ہیں۔ یہ وہ مقام جہاں تک مقرب فرشتہ جبرائیلؑ امین بھی رسائی حاصل نہیں کر سکتا مگر وہاں پر خالق اکبر کے عالم ملکوت کا نظارہ کرنے کے لیے نبی اکرمؐ تنہا گئے اور آئمہ معصومینؑ کے لیے یہ دعویٰ کرنا اس وجہ سے حیرت انگیز نہیں ہے کیونکہ ان کی تکوین بھی حقیقت محمدیہ سے وجود میں آئی ہے اور وہ اپنے جد بزرگوار کی تمام خصوصیات میں شریک ہیں، صرف نبوت اور ازواج کے حکم میں مختلف ہیں۔ جیسا کہ حسن بن سلیمان حلی کی کتاب "المختصر" ص ۲۲، مطبوعہ نجف اشرف میں مذکور ہے، اور ان اسرار تک انسانی عقل اور سوچ کی رسائی ممکن نہیں ہے لیکن ہمارے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ ان اُمور کی حقیقت تک رسائی نہ ہونے کی بنا پر اس کا انکار کریں کہ جب تک یہ اُمور محال نہ ہوں اور معتبر و صحیح روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ آئمہ میں ایسی حیرت و تعجب میں مبتلا کر دینے والی خصوصیات بھی موجود ہوتی ہیں جن میں کوئی اور مخلوق ان حضرات کے ساتھ شریک نہیں۔ جیسے مُردوں کو ان کے اصلی جسموں کے ساتھ زندہ کرنا، ایک دوسرے کو زمان و مکان کی دُوری کے باوجود دیکھنا، ان کے اجساد کا آسمان کی طرف اُٹھائے جانا، ان حضرات کا اپنے زائرین کی طرف سے سلام کا سننا۔ ان تمام اُمور کے متعلق ہمارے مذہب کے بزرگ عالم دین شیخ مفیدؒ نے "المقالات" ص ۸۴، مطبوعہ تہران، کراجکی نے "کنز الفوائد" مجلسی نے "مرآۃ العقول" ج ۱، ص ۳۷۳، کاشف الغطاء نے "منہج الرشاد" ص ۵۱ اور محدث نوری نے "دار السلام" ج ۱، ص ۲۸۹ پر تحریر کیا ہے۔

جب حضرت امام سجادؑ باعجاز امامت کوفہ سے کربلا تشریف لائے تو آپؑ نے دیکھا کہ قبیلہ بنواسد کے لوگ شہدا کی لاشوں کے پاس حیران و پریشان جمع ہوکر کھڑے ہیں اور انھیں کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ وہ کیا کریں۔ انھیں ان شہدا کی لاشوں کی پہچان نہیں ہورہی تھی جب کہ ان لوگوں نے ان شہدا کے سروں اور جسموں کو الگ الگ کردیا تھا۔ شاید قبیلہ بنواسد کے لوگ یہ پوچھ رہے ہوں کہ ان شہدا کا کس گھرانے اور خاندان و قبیلے سے تعلق ہے؟!

حضرت امام سجادؑ نے قبیلہ بنواسد کے افراد کو ان مقدس وطاہر اجساد سے آگاہ کیا اور ان شہدا کے نام بتائے۔ آپؑ نے انھیں اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ خاندان بنوہاشم کے شہدا کون ہیں اور حضرت امام حسینؑ کے اصحاب کون ہیں۔ جب آپؑ نے ان تمام شہدا کا تعارف کروایا تو گریہ و زاری کی آوازیں بلند ہوئیں اور ہر شخص کی آنکھ سے اشک جاری ہو گئے۔ قبیلہ بنواسد کی مستورات نے اپنے بالوں کو کھول دیا اور چہرے پر ماتم کرنے لگیں۔

اس کے بعد حضرت امام علی زین العابدینؑ چلتے ہوئے اپنے والد بزرگوار کے جسد اطہر کے پاس تشریف لے گئے اور آپؑ کے جسد اطہر کو گلے سے لگا کر بلند آواز میں رونے لگے۔ پھر آپؑ چلتے ہوئے ان کی قبر مبارک کے مقام پر آئے اور وہاں سے تھوڑی سی خاک اٹھائی تو نیچے سے کھودی ہوئی قبر اور شق ہوئی ضریح برآمد ہوئی۔ پھر آپؑ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو سیدالشہدا مظلوم کربلا کی کمر کے نیچے بچھا کر فرمایا:

بسم الله وبالله وفی سبیل الله وعلی ملّة رسول الله صدق الله ورسوله ماشاء الله لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

پھر حضرت امام سجادؑ نے سیدالشہداؑ کے جسد اطہر کو تنہا اٹھا کر لحد میں اُتارا۔ بنواسد کے افراد مظلوم کربلا کے جسد اطہر کو لحد میں اُتارنے میں امام سجادؑ کے ساتھ شریک نہیں تھے کیونکہ امام سجادؑ نے ان سے فرمایا تھا:

اِنَّ مَعِیَ مَنْ یُّعِیْنُنِی.....

"یعنی سیدالشہداؑ کے جسد اطہر کو لحد میں اُتارنے کے لیے میرے ساتھ میرے مددگار موجود ہیں۔ مجھے تمھاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

جب حضرت امام سجادؑ شہید نینوا، مظلوم کربلا کو لحد میں اُتار چکے تو آپؑ نے اپنا رخسار آپؑ کی کٹی ہوئی گردن پر رکھ دیا اور فرمایا:

طوبیٰ لارض تضمنت جسدك الطاهر، فإن الدنيا بعدك مظلمة والآخرة بنورك مشرقة، امّا الليل فسهد والحزن سرمد أو يختار الله لأهل بيتك دارك التی انت بها مقيم وعليك منی السلام يا ابن رسول الله ورحمة الله وبركاته۔

"بابرکت ہے وہ سرزمین جہاں پر آپؑ کے جسدِ اطہر کو دفن کیا گیا، بے شک! آپؑ کے دنیا سے پردہ کرجانے کے بعد یہ دنیا تاریک ہوگئی اور آپؑ کے نور سے آخرت روشن و منور ہوگئی۔ اب آپؑ کے فراق میں رات بے خوابی و بیداری میں گزرے گی اور ہمیشہ حزن و ملال رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپؑ کے اہلِ بیتؑ اور خاندان کے افراد کو بھی اپنے پاس بلالے اور ہمیں بھی آپؑ کے ساتھ آپؑ کے اُخروی گھر میں ٹھہرائے۔ اے فرزندِ رسولؐ خدا! میری طرف سے آپؑ پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو"۔

اس کے بعد حضرت امام سجاد علیہ السلام چلتے ہوئے اس مقام پر آئے جہاں پر آپؑ کے چچا حضرت عباس علیہ السلام کا لاشہ بے گور و کفن پڑا ہوا تھا۔ آپؑ نے ان کے لاشہ اطہر کو اس حالت میں دیکھا جسے آسمانوں کے مختلف طبقات پر فرشتوں نے یوں دیکھا تو وہ خوفزدہ اور دہشت زدہ ہوگئے اور حوریں باغاتِ جنت میں گریہ و زاری کرنے لگیں۔ حضرت امام سجادؑ حضرت عباسؑ کے لاشہ اطہر پر گر گئے اور ان کے حلقِ مبارک کا بوسہ لیتے ہوئے فرمایا:

علی الدنیا بعدک العفا یاقمر بنی هاشم وعلیک منی السلام من شهید محتسب ورحمة وبرکاته

"اے خاندان بنی ہاشم کے چاند! آپؑ کے بعد دنیا اور اس کی زندگی پر خاک ہو، میری طرف سے آپؑ پر سلام ہو۔ اے شہادت کا جام نوش کرنے والے! آپؑ پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں"۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے آپؑ کے لیے قبر شق کی پھر تنہا انھیں لحد میں اُتارا جیسا کہ آپؑ نے تنہا اپنے شہید بابا جان کو لحد میں اُتارا تھا۔ امام سجادؑ نے اس وقت فرمایا: مجھے تمھاری مدد کی اس وقت ضرورت نہیں ہے، بے شک! میرے مددگار و معاون میرے ساتھ موجود ہیں!!

ہاں! حضرت امام سجادؑ نے دیگر شہدا کی تدفین میں تعاون کرنے پر بنواسد کا شکریہ ادا کیا اور ان کی دو مقامات کی طرف نشان دہی کرتے ہوئے انھیں وہاں پر دو گڑھے کھودنے کا حکم دیا۔ پھر آپؑ نے ایک گڑھے میں بنی ہاشم کے شہدا اور دوسرے گڑھے میں اصحابِ حسینؑ کی لاشوں کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ (الکبریت الاحمر، اسرار الشہادۃ، الایقاد)

حضرت حُر ریاحیؑ کی لاش کو ان کے خاندان والے یہاں سے دُور لے گئے اور انھیں اس مقام پر دفن کیا جہاں پر آج آپؑ کا روضۂ مبارک ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت حُر کی والدہ اس وقت وہاں پر موجود تھیں جب انھوں نے دیکھا کہ کربلا کے میدان میں شہدا کی لاشوں کی بے حرمتی کی جارہی ہے تو وہ حضرت حُرؑ کی لاش کو باقی شہدا کی لاشوں سے

اُٹھا کر لے گئیں اور اپنے قبیلہ کی مدد سے اس جگہ پر دفنایا جہاں پر آج مدفون ہیں۔ [1]

تمام شہدا میں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب آپؑ کے بیٹے حضرت علی اکبرؑ کو دفن کیا گیا۔ اس حوالے سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حماد بصری سے فرمایا:

''ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو پردیس میں غربت و مسافرت کی حالت میں شہید کیا گیا، جو بھی آپؑ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے جاتا ہے۔ اسے امام حسینؑ کی غربت ان پر رُلاتی ہے اور جو آپؑ کی زیارت کے لیے نہ جا سکے، اس کا دل بھی ان کے مصائب کی وجہ سے غم زدہ رہتا ہے جس نے آپؑ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شرکت نہیں کی، اس کا دل بھی آپؑ کے لیے جلتا اور کڑھتا رہتا ہے کہ میں آپؑ کے ساتھ شہید کیوں نہ ہوسکا اور وہ اس پر محزون رہتا ہے۔ جو شخص آپؑ کے قدموں میں اس دشت و بیابان میں آپؑ کے بیٹے (حضرت علی اکبرؑ) کی قبر مبارک دیکھتا ہے جن کا کوئی عزیز ان کے قریب نہیں ہے تو وہ ان کے لیے رحمت کی دعا کرتا ہے۔

---

[1] ''الکبریت الاحمر''۔ جبکہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی کتاب ''الانوار النعمانیۃ'' ص ۳۴۴ پر حضرت حُرؑ کے متعلق ایک واقعہ تحریر کیا ہے جو اس پر شاہد ہے کہ حضرت حُرؑ کی قبر وہی ہے جہاں پر آج آپ کا روضۂ مبارک ہے۔ وہ نقل کرتے ہیں کہ شاہ اسماعیل صفوی نے حضرت حُر کی قبر کو کھودا تو قبر کے اندر ایک ایسے لاشہ کو دیکھا جو گویا ابھی شہید کیا گیا ہو اور ان کے سر مبارک پر ایک رومال باندھا ہوا تھا۔ جب اس رومال کو کھولا گیا تو پھر سے خون کا تازہ فوارہ جاری ہوگیا اور اس وقت تک یہ خون نہ رُکا جب تک دوبارہ یہی رومال حضرت حُر کے سر اقدس پر نہ باندھا گیا۔ شاہ اسماعیل صفوی نے اس کے بعد حضرت حُر کی قبر مبارک پر ایک گنبد تعمیر کروایا اور آپؑ کے روضہ پر ایک خادم کو خدمت گزاری کے لیے معین کیا۔ لہٰذا محدث نوری کا اپنی کتاب ''اللؤلؤ والمرجان'' میں اس بات کا انکار کرنا کہ حضرت حُر اس جگہ پر مدفون نہیں ہیں ان کے اس قول کی تائید میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔
سید جعفر بحر العلوم نے ''تحفۃ العالم'' ج۱ ص ۷۳ پر تحریر کیا ہے کہ حمد اللہ المستوفی نے اپنی کتاب ''نزھۃ القلوب'' میں ذکر کیا ہے کہ کربلا کے باہر حضرت حُر کی قبر مبارک ہے جہاں پر لوگ اس قبر مبارک کی زیارت کرنے کے لیے جوق در جوق آتے ہیں اور حضرت حُرؑ حمد اللہ المستوفی کے اجداد میں پشت پر جا کر دادا بنتے ہیں۔
ایک شاعر کہا کرتا تھا:

اشر للحر من قرب وبعد ۔۔۔ فإن الحر تكفيه الاشارة

''حضرت حُرؑ کی قبر کی طرف دُور یا قریب سے اشارہ کر کے زیارت پڑھ لو تو ان کی زیارت کے لیے یہ کافی ہے''۔
حجۃ الاسلام سید محمد قزوینی نے اس شاعر کو جواب دیا:

زر الحر الشهيد ولا تؤخر ۔۔۔ زيارته على الشهداء قدم
ولا تسمع مقالة من ينادي ۔۔۔ اشر للحر من بعد وسلم

''شہید راہِ حق حضرت حُر کی زیارت کے لیے جاؤ اور اس میں ہرگز تاخیر نہ کرو کیونکہ ان کی قبر کی زیارت باقی شہدا کی زیارت پر فوقیت رکھتی ہے اور اس شخص کی بات نہ سنو جو یہ کہتا ہے کہ حضرت حُر کی دُور سے اشارہ کے ذریعے ہی زیارت پڑھ لو''۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے لوگوں کو حق کی طرف بلایا تو انھوں نے آپؑ کا ساتھ نہ دیا اور منکرانِ دین آپؑ کے خلاف جمع ہو گئے یہاں تک کہ انھوں نے آپؑ کو شہید کر دیا اور آپؑ کی حرمت کا خیال بھی نہ کیا۔ ان لوگوں نے آپؑ کے لاشہ کو وحشی درندوں کے سامنے صحرا میں بے گور و کفن چھوڑ دیا اور آپؑ پر دریائے فرات کا پانی تک بند کر دیا کہ جسے کتے بھی پی رہے تھے۔ ان لوگوں نے رسولؐ خدا کے حق کو ضائع کیا اور رسولؐ خدا کی حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اہل بیتؑ کے متعلق وصیت کو بھلا دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ان قرابت داروں اور شیعوں کے درمیان اپنی قبر مبارک میں آرام کر رہے ہیں جو آپؑ کے ہمراہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ آپؑ کی تنہائی کو حضرت علی اکبرؑ کے قرب نے دُور کر دیا اور آپؑ کو اپنے نانا اور اس گھر سے دُوری کا احساس نہ رہا، جہاں پر صرف وہی شخص جا سکتا ہے جس کے دل کا اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذریعے امتحان لے رکھا ہو اور وہ ہمارے حق کو پہچانتا ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مجھے میرے والدِ بزرگوار (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام) نے بتایا کہ جب سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا گیا اس دن سے آپؑ کی آخری آرام گاہ کبھی بھی آپؑ پر درود و سلام پڑھنے والے فرشتوں، جنوں، انسانوں یا جنگل کے درندوں سے خالی نہیں ہوئی۔ ہر شخص قبرِ حسینؑ کے زائر پر رشک کرتا ہے اور اس سے برکت حاصل کرتا ہے اور اس کی طرف اچھی نظر سے دیکھتا ہے کیونکہ اس کی نظروں نے قبرِ حسینؑ کا دیدار کیا ہوتا ہے۔

بے شک! اللہ تعالیٰ حضرت امام حسینؑ کے زائرین کے ذریعے اپنے فرشتوں پر فخر و مباہات کرتا ہے اور ہم آئمہ اہل بیتؑ ہر صبح و شام ان زائرین کے لیے خدا سے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ کوفہ والوں کی ایک جماعت اور کوفہ کے گرد و نواح کے لوگ ۱۵ شعبان کو جوق در جوق حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے لیے کربلا جاتے ہیں۔ ان زائرین میں سے کوئی قرآن کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے، کوئی ہمارے واقعات بیان کر رہا ہوتا ہے اور کوئی ہمارے مصائب پر گریہ و زاری کر رہا ہوتا ہے۔ عورتیں آہ و فغاں کر رہی ہوتی ہیں اور کچھ مرثیے اور ہمارے مصائب بیان کر رہے ہوتے ہیں۔

اس پر حماد نے کہا: آپؑ نے جو اُمور بیان کیے ہیں، ان میں سے کچھ میں نے خود اپنی آنکھوں سے کربلا میں دیکھے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حمد و شکر ہے اس خدا کا جس نے لوگوں میں ایسے افراد بھی رکھے ہیں جو دل و جان سے ہماری طرف بڑھتے ہیں اور ہمارے فضائل و مصائب بیان کرتے ہیں اور ہمارے دشمنوں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ ہمارے ان محبّ داروں کو اس کام سے روکتے اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان کو ڈراتے دھمکاتے ہیں اور یہ لوگ ہمارے محبّ داروں سے ایسا کر کے بہت بُرا کرتے ہیں۔ ①

---

① کامل الزیارات: ص ۳۲۵، اور یہ کامل الزیارات سے بحار الانوار، ص ۱۲۴ پر منقول ہے۔

قصر الامارہ ① میں اُسیرانِ آلِ محمدؐ کی آمد

جب ابن زیاد (ملعون) نخیلہ میں موجود اپنی لشکرگاہ سے واپس کوفہ آیا تو سیدھا قصر الامارہ ① گیا اور اپنے سامنے حضرت امام حسینؑ کا سرِ اقدس رکھا تو قصر کی دیواروں سے خون ٹپکنے لگا۔ ② قصر کے اطراف کی بعض دیواروں سے آگ نکلنے لگی اور یہ آگ ابن زیاد (ملعون) کے تخت کی جانب بڑھنے لگی ③ جب کہ وہ آگ سے دُور بھاگنے کے لیے واپس دوڑا اور قصر کے ایک حجرے میں گھس گیا تو اس نورانی سر نے بلند آواز میں کلام کیا جسے ابن زیاد (ملعون) اور اس کے دربار میں موجود کئی افراد نے سنا:

الی این تهرب فان لم تنلك فی الدنیا فهی فی الآخرة مثواك

"تُو کہاں فرار ہو رہا ہے اگر یہ آگ تجھے دنیا میں نہ پا سکی تو بہرحال آخرت میں یہ (جہنم کی) آگ ہی تمھارا ٹھکانہ ہے"۔

اور اس آگ کے ختم ہونے تک یہ سرِ اقدسؑ کلام کرتا رہا۔ یہ حادثہ دیکھ کر قصر میں موجود تمام افراد ڈر گئے کیونکہ انھوں نے اس طرح کا حادثہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ⑤ لیکن اس حادثہ کے باوجود ابن زیاد (ملعون) اپنے بُرے ارادوں سے باز نہ آیا بلکہ لوگوں کو قصر میں دعوتِ عام دی اور قیدیوں کو اپنے دربار میں لانے کا حکم دیا۔ رسولؐ خدا کے حرم کو اس رقت انگیز منظر

---

① نصر بن مزاحم کی کتاب صفین: ص ۸، مطبوعہ مصر میں ہے کہ جب حضرت علیؑ کوفہ میں داخل ہوئے تو آپؑ سے پوچھا گیا کہ ہم آپؑ کو کس قصر میں ٹھہرائیں؟ تو آپؑ نے جواب دیا: قصر الخبال لاتنزلونیه "تم لوگ مجھے ظالموں اور فسادیوں کے قصر میں ہرگز نہ ٹھہرانا"۔ پھر آپؑ نے جعدہ بن هبیرہ مخزومی کے پاس قیام کیا جب کہ زمخشری کی "الفائق"، ابن اثیر کی کتاب "النهایة" اور ابن فارس کی کتاب "مقاییس اللغة" میں مادہ "خبل" کے تحت مذکور ہے کہ خبل کا معنی فساد اور جہنمیوں کے لیے خون اور پیپ ہے لیکن یہاں پر امیر المومنین حضرت علیؑ کے کلام میں اس سے مراد فساد اور ظلم و ستم کی منزل و مقام ہے۔

② ثعالبی کی "لطائف المعرف" ص ۱۳۶، باب ۹ میں عبدالملک بن عمیر لخمی سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے قصر الامارہ میں حضرت امام حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کے سامنے، عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کا سر امیر مختارؒ کے سامنے امیر مختارؒ کا سر مصعب ابن زبیر کے سامنے اور مصعب ابن زبیر کا سر عبدالملک بن مروان کے سامنے ایک طشت میں دیکھا۔ جب میں نے یہ عبدالملک کو بتایا تو اس نے اس سے بدفال لیتے ہوئے اس قصر الامارہ میں قیام نہ کیا۔ جب کہ سیوطی نے "تاریخ الخلفا" ص ۱۳۹ اور سبط ابن جوزی نے "تذکرة الخواص" ص ۱۴۸ مطبوعہ ایران میں اسے نقل کیا ہے۔

③ تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۱۰۳، "الصواعق المحرقة" ص ۱۱۶، "ذخائر العقبیٰ" ص ۱۴۵، ابن طاووس "الملاحم" ص ۱۲۸، پہلا ایڈیشن۔

④ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۰۳، "مجمع الزوائد" ابن حجر: ج ۹، ص ۱۹۶۔ "مقتل الحسینؑ" خوارزمی: ج ۲، ص ۸۷، "المنتخب الطریحی" ص ۳۳۹، مطبعہ حیدریہ، "البدایة" ابن کثیر: ج ۸، ص ۲۸۶۔

⑤ شرح قصیدہ ابی فراس: ص ۱۴۹

کے ساتھ دربار میں لایا گیا کہ جس کے تصور سے جلد اُتر جائے اور دل کانپ جائیں۔ ①

ابرزت حاسرة لکن حلی	حالة لم تبق للجلد اصطبارا
لاخمار یستر الوجه وهل	لکریمات الهدیٰ ابقوا خمارا
لا ومن البسها من نوره	اُزراً منسلبوا منها الا زارا
لم تدع یاشلت الایدی لها	من حجاب فیه منهم تتواری ②

رسولؐ زادیوں کو کھلے سریوں بازاروں اور درباروں میں لایا گیا کہ ان کی جلد مزید ظلم برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ ان کے پاس چہرہ چھپانے کے لیے کوئی مقنعہ و چادر نہ تھا اور کیا خاندانِ رُشد و ہدایت کی مستورات کے لیے کوئی مقنعہ و چادر نہیں تھی؟! نہیں! کس نے انھیں اپنے نور سے چادر پہنائی تھی جب اشقیاء نے ان کی چادریں لوٹ لی تھیں۔ اے ظالمو! تمھارے ہاتھ شل ہو جائیں کہ تم نے ان بیبیوں کے سر چھپانے کے لیے کوئی چادر نہ چھوڑی"۔

ابن زیاد (ملعون) ملعون نے حضرت امام حسینؑ کا سر اقدس اپنے سامنے رکھ کر ایک چھڑی کو آپؑ کے سامنے والے دندانِ مبارک پر مار کر توہین کر رہا تھا کہ (صحابی رسولؐ) زید بن ارقم نے یہ دیکھ کر اس سے کہا: ان ہونٹوں سے چھڑی کو ہٹاؤ، اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے رسولؐ خدا کو ان لبوں پر بوسے دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر وہ رونے لگے۔ اس پر ابن زیاد (ملعون) نے ان سے کہا: خدا تمھاری آنکھوں کو رُلائے، خدا کی قسم! اگر بڑھاپے کی وجہ سے تم سٹھیا گئے نہ ہوتے اور تمھاری عقل چلی گئی نہ ہوتی تو میں تمھاری گردن اُڑا دیتا۔ پھر زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے اس کے دربار سے نکل گئے:

ملك عبد عُبُداً فاتخذهم تلداً، انتم یامعشر العرب العبید بعد الیوم قتلتم ابن فاطمة وامرتم ابن مرجانة یقتل خیارکم ویستعبد شرارکم فرضیتم بالذل فبعداً لمن رضی بالذل۔ ③

---

① "اخبار الدول" ابو العباس احمد بن یوسف بن احمد قرمانی۔

② سیّد عبدالمطلب حلی کا قصیدہ جو "شعراء الحلہ" ج ۲، ص ۲۱۸ پر مذکور ہے۔

③ "الصواعق المحرقة" ص ۱۱۸، جب کہ "تاریخ طبری" ج ۶ ص ۲۶۲، "البدایہ والنھایہ" ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۹۰۔ "مجمع الزوائد"، ج ۹، ص ۱۹۵۔ اور "تاریخ ابن عساکر" ج ۴، ص ۳۴۰ میں مذکور ہے کہ زید بن ارقم نے اس کو اس فعل سے منع کیا اور اگر یہ بات درست ہو کہ وہ نابینا تھے تو ان کا نابینا ہونا اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ انھوں نے یہ سنا ہو کہ وہ گستاخی کر رہا ہے تو انھوں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا ہو۔ ابن عساکر کی عبارت یہ ہے کہ اس وقت زید ابن زیاد (ملعون) کے پاس تھے اور یہ عبارت اس کے اس توہین آمیز سلوک پر زید بن ارقم کا اس ملعون کو روکنے اور ٹوکنے کی تائید کرتی ہے۔

"غلام نے غلاموں کو بادشاہ بنایا ہے اور اس نے رعایا کو غلامی میں لے رکھا ہے۔ اے عربو! تم آج کے بعد غلام ہو کیونکہ تم نے حضرت فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کے بیٹے کو شہید کیا اور مرجانہ کے بیٹے کو اپنا حاکم بنایا ہے جو تمھارے نیکوکاروں کو قتل کرتا اور بروں کو غلام بناتا ہے۔ پس! تم یوں ذلت و رُسوائی پر راضی ہوئے اور جو شخص ذلت و رُسوائی پر راضی ہوا وہ بہت بُرا اور خدا کی رحمت سے دُور ہے"۔

امیرالمومنین حضرت علیؑ کی بیٹی حضرت زینب سلام اللہ علیہا ابن زیاد (ملعون) کے دربار میں باقی عورتوں سے الگ تھلگ خستہ حال و پریشان کھڑی تھیں لیکن نبوت کا جلال اور امامت کی شان اور ہیبت آپؑ سے ظاہر ہو رہی تھی۔ جب ابن زیاد (ملعون) کی ان پر نظر پڑی تو اس نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟

اسے بتایا گیا کہ یہ امیرالمومنین حضرت علیؑ کی بیٹی عقیلۂ بنی ہاشم حضرت زینب سلام اللہ علیہا ہیں۔ تو اس نے آپؑ کا دل مزید جلانے کے لیے آپؑ کی مصیبت زدہ حالت پر خوش ہوتے ہوئے کہا:

الحمد للہ الذی فضحکم وقتلکم واکذب احدوثتکم

"خدا کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو رُسوا کیا اور تمھارے عزیزوں کو قتل کیا اور تمھاری باتوں کو جھوٹا ثابت کیا"۔

اس پر حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اسے جواب دیا:

الحمد للہ الذی اکرمنا بنبیہ محمد وطھرنا من الرجس تطھیراً انما یفتضح الفاسق، ویکذب الفاجر، وھو غیرنا

"تمام حمد و شکر اس خدا کے لیے ہے جس نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہمیں عزت و شرف بخشا اور ہمیں صحیح معنوں میں نجاست سے پاک رکھا ہے۔ بے شک! وہ فاسق کو رُسوا اور فاجر کو جھوٹا ثابت کرنے والا ہے اور ہمارا دشمن رُسوا اور جھوٹا ہے"۔

ابن زیاد (ملعون) نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمھارے خاندان کے ساتھ جو کچھ کیا وہ تمھیں کیسا لگا؟

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

ما رایت الا جمیلاً ھؤلاء قوم کتب اللہ علیھم القتل فبرزوا الی مضاجعھم وسیجمع اللہ بینک وبینھم فتحاج وتخاصم فانظر لمن الفلج یومئذ ثکلتک امک یا ابن مرجانۃ

"مَیں نے جو کچھ اپنے خدا سے دیکھا وہ سب اچھا ہے۔ بے شک! اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے شہادت کا انتخاب کیا اور یہ لوگ اپنے مقتل گاہ کی طرف بڑھے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں اور تمھیں ایک

جگہ پر جمع کرے گا تو تم اُس وقت خدا کی عدالت میں اپنی دلیل پیش کرنا اور ان سے جھگڑنا[1] اور تم اس دن دیکھنا کہ کون غالب اور کامیاب ہوا ہے۔ اے مرجانہ کے بیٹے! تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے"۔[2]

آپؑ کی اس گفتگو سے ابن زیاد (ملعون) غضب ناک ہو گیا اور اس جم غفیر کے سامنے اس سے یوں کلام کرنے پر وہ غصے سے بھڑک اُٹھا اور آپؑ کی جانب بڑھنے لگا تو عمرو بن حریث نے اس سے کہا: یہ ایک عورت ہے اور کیا تم ایک عورت کی گفتگو پر اس کا مواخذہ کرو گے حالانکہ عورت کی کسی بات پر اس سے بدلہ نہیں لیا جاتا اور اس کی غلطی پر اسے ملامت نہیں کیا جاتا۔

اس کے بعد ابن زیاد (ملعون) دوبارہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: یقیناً! اللہ تعالیٰ نے تمھارے باغی بھائی اور تمھارے خاندان کے نافرمان و سرکش افراد کے قتل کے ذریعے میرے دل کو ٹھنڈک پہنچائی۔

اس (ملعون) کی اس بات پر عقیلۂ بنی ہاشم آبدیدہ ہو گئیں اور فرمایا:

لعمری لقد قتلت کھلی وأبرزت أھلی وقطعت فرعی واجتثثت اصلی فإن یشفك ھذا فقد اشتفیت

"مجھے میری زندگی کی قسم! تو نے میرے خاندان کے بزرگ کو قتل کیا اور میرے خاندان کے خون کو ناحق بہایا۔ میری فرع (شاخ) کو قطع کیا اور میری اصل کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کی کوشش کی، اگر اس سے تمھارے دل کو سکون ملتا ہے تو یہ سکون لے لو"۔[3]

اس کے بعد ابن زیاد (ملعون) حضرت امام سجاد علی بن حسین علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور آپؑ سے پوچھا: تمھارا کیا نام ہے؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا: میں حسینؑ کا بیٹا علیؑ ہوں۔

تو ابن زیاد (ملعون) نے کہا: کیا خدا نے علیؑ کو (کربلا میں) قتل نہیں کر دیا تھا؟

اس پر حضرت امام سجاد علیہ السلام نے جواب دیا: کان لی أخ اکبر منی یسمّی علیًا قتله الناس "مجھ سے بڑا میرا

---

① تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۶۲

② الملہوف: ص ۹۰

③ کامل ابن اثیر: ج۴، ص ۳۳، مقتل الخوارزمی: ج۲، ص ۴۲، تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۳، "ارشاد" شیخ مفیدؒ، "اعلام الوریٰ" طبرسی، ص ۱۴۱۔ جب کہ کامل المبرد: ج۳، ص ۱۳۵، مطبوعہ ۱۳۴۷ھ میں مذکور ہے کہ حضرت زینبؑ حضرت علیؑ کی بڑی صاحبزادی ہیں۔ جب آپؑ کو قید کر کے ابن زیاد (ملعون) کے دربار میں لایا گیا تو آپؑ نے نہایت فصیح و بلیغ گفتگو کی اور دلائل سے اس کی گفتگو کا جواب دیا۔ اس پر ابن زیاد (ملعون) نے کہا: اگر تم یوں فصیح و بلیغ کلام سے دلائل دے رہی ہو تو تمھارا باپ بھی خطیب اور شاعر تھا۔ تو حضرت زینبؑ نے فرمایا: عورتوں کا شعر و شاعری سے کیا کام ہے۔ ابن زیاد (ملعون) کی زبان میں لکنت تھی اور وہ فارسی لہجے میں عربی بولتا تھا۔

ایک بھائی تھا[1] جس کا نام علیؑ ہے، اسے لوگوں نے قتل کیا تھا"۔ تو ابن زیاد (ملعون) نے جواباً کہا: اسے خدا نے قتل کیا تھا۔

پھر حضرت امام سجادؑ نے فرمایا:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ۔۔۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔۔۔

"اللہ تعالیٰ موت کے وقت لوگوں کی روحوں کو کھینچ لیتا ہے اور کوئی شخص خدا کے اذن کے بغیر نہیں مرسکتا"۔ (سورۂ زمر: آیت ۴۲ وسورۂ آل عمران: آیت ۱۴۵)

ابن زیاد (ملعون) کو امام سجاد علیہ السلام کا یوں جواب دینا بہت برا لگا اور اس نے امامؑ کے قتل کا حکم جاری کر دیا لیکن آپؑ کی پھوپھی جان عقیلہ بنی ہاشمؑ نے اپنا گلا امامؑ کے گلے پر رکھ دیا اور فرمایا: اے ابن زیاد! تم ہمارا جو خون بہا چکے ہو وہی تمھارے لیے کافی ہے، کیا تُو نے ان کے علاوہ کسی کو زندہ چھوڑا ہے۔[2] اگر تُو نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو مجھے بھی ان کے ساتھ قتل کردو۔

پھر حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اما علمت ان القتل لنا عادة وكرامتنا من الله الشهادة[3]

"(اے ابن زیاد) کیا تمھیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت پانا ہمارے لیے خدا کی طرف سے شرف اور بزرگی کا باعث ہے"۔

پھر ابن زیاد (ملعون) نے امام سجاد علیہ السلام اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو دیکھ کر کہا: اس قرابت داری پر مجھے حیرت ہے، مَیں تو یہ چاہتا تھا کہ اس عورت کو بھی اس کے ساتھ قتل کردو لیکن اس جوان کو اس بی بی کی خاطر چھوڑ دو۔[4]

حضرت رباب سلام اللہ علیہا زوجۂ امام حسینؑ نے امامؑ کا سرِ اقدس لے کر اپنی گود میں رکھا اور اسے بوسہ دے کر فرمایا:

---

[1] ابن جریر طبری نے "المنتخب من الذیل" ص ۸۹، ملحق تاریخ طبری: ج ۱۲، ابوالفرج نے "المقاتل" ص ۴۹، مطبوعہ ایران، دمیری نے "حیاۃ الحیوان" مادہ "بغل" طریحی نے "المنتخب" ص ۲۳۸، مطبعہ حیدریہ اور مصعب زبیری نے "نسب قریش" ص ۵۸ پر یہ بیان کیا ہے۔ مؤلف نے اپنی کتاب "علی الاکبر" ص ۱۷ پر مختلف مؤرخین کی ان عبارتوں کو ذکر کیا ہے جس میں یہ بیان کیا ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والے (علیؑ) حضرت امام سجاد علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے۔

[2] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۲۔

[3] اللہوف: ص ۹۱، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۴۳

[4] ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۴۔

واحسیناً فلا نسیت حسیناً اقصدته اسنة الاعداء

غادروه بکربلا صریعاً لاسقی الله جانبی کربلا

"ہائے حسینؑ! میں کبھی حسینؑ کو فراموش نہیں کروں گی۔ دشمنوں کے نیزے حضرت امام حسینؑ کی طرف بڑھے۔ آپؑ کی لاش کو کربلا میں رکھ کر اعداء وہاں سے چلے گئے اور خدا اس جگہ کو کبھی سیراب نہ کرے"۔ ①

جب ابن زیاد (ملعون) نے لوگوں کے جوش و جذبہ اور اپنے درباریوں کے بدلتے ہوئے تیور دیکھے، خاص طور پر عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا ابن زیاد (ملعون) سے کلام کرنے کے بعد اسے اس بات کا ڈر لگنے لگا کہ کہیں لوگ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے نہ ہوں تو اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کو مسجد اعظم کے ساتھ واقع گھر میں قید کردیا جائے۔ (الملہوف: ص ۹۱، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۴۳)

ابن زیاد (ملعون) کا دربان کہتا ہے: جب ابن زیاد (ملعون) نے ان قیدیوں کو قید خانے میں لے جانے کا حکم دیا تو میں اس وقت ان قیدیوں کے پاس موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ تمام مرد اور عورتیں جمع ہوکر گریہ وزاری اور اپنے چہروں پر ماتم کررہے ہیں"۔ (روضۃ الواعظین: ص ۱۴۳)

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے لوگوں سے فرمایا:

لا تدخل علینا الّا مملوکۃ أو ام ولد فانھنّ سبین کما سبینا ②

"ہمارے پاس (قید خانہ میں) صرف کنیزیں داخل ہوں خواہ وہ بے اولاد کنیزیں ہوں یا صاحب اولاد کیونکہ وہ ہماری طرح قیدی رہ چکی ہوتی ہیں"۔

عقیلۂ بنی ہاشم، حوراء حضرت زینب سلام اللہ علیہا اپنے اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ کررہی ہیں کہ جو عورت قیدی رہ چکی ہو، وہ اس رُسوائی کی مصیبت کو سمجھتی ہے اور وہ کوئی ایسا جملہ قیدیوں کے بارے میں نہیں کہتی جس سے ان کے دکھ اور درد میں اضافہ ہو یا ان قیدیوں کی اس حالت پر خوشی کا اظہار ہو اور یہ بات معروف ہے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔

روایات میں منقول ہے کہ جب جساس بن مرہ نے اپنے بہنوئی کلیب بن ربیعہ کو قتل کیا جب کہ جساس کی بہن

① تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۸ اور "حماسۃ البصریۃ" ج ۱، ص ۲۱۳، باب المراثی (مرثیہ کی جمع) میں ان دو اشعار کی نسبت عاتکہ بنت نفیل نے زوجہ حضرت امام حسینؑ کی طرف دی ہے جب کہ اس کے مؤلف نے اشتباہ اور غور کیے بغیر ان اشعار کو عاتکہ بنت نفیل کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ کسی معتبر مورخ نے حضرت امام حسینؑ کی عاتکہ کے ساتھ شادی کا ذکر نہیں کیا ہے۔

② الملہوف: ص ۹۲، مقتل العوالم: ص ۳۸۰

کلیب کی بیوی تھی تو کلیب کے قبیلہ کی خواتین اس کا سوگ منانے اور نوحہ و ماتم کرنے کے لیے جمع ہوئیں۔ انھوں نے کلیب کی بہن سے کہا: اے باعزت خاتون! آپ اپنے بھائی کے سوگ کی مجلس سے اُٹھ جائیں کیونکہ جب ہمارا دشمن آپ کو یہاں روتے اور پیٹتے ہوئے دیکھے گا تو وہ اس مصیبت پر خوش ہوگا۔ یہ عربوں کے نزدیک ہمارے لیے رُسوائی کا باعث ہوگا اور ہمارے دشمن کہیں گے کہ یہ اس شخص کی بہن ہے جس پر ہم نے ظلم وستم ڈھایا اور قتل کیا ہے۔ پھر کلیب کی بہن وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی اور اس وقت اس کا لباس زمین پر خط کھینچ رہا تھا۔ جب وہ وہاں سے اُٹھی تو اس نے کہا: رحلة المعتدی وفراق الشامت [1] "یعنی ظلم کرنے والا کوچ کر گیا اور جس کی وجہ سے یہ ظالم خوش ہوتے ہیں وہ اس سوگ کی مجلس سے الگ ہوگئی ہے"۔

جب ابن زیاد (ملعون) نے دوسری دفعہ ان قیدیوں کو اپنے دربار میں بلایا اور مخدرات عصمت وطہارت اس کے دربار میں گئیں تو انھوں نے دیکھا کہ اس ملعون کے سامنے حضرت امام حسینؑ کا سراقدس رکھا ہوا ہے اور اس سے انوار الٰہیہ کی کرنیں روشن ہوکر آسمان کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت امام حسینؑ کی زوجہ جناب رباب سلام اللہ علیہا خود پر قابو نہ رکھ سکیں اور انھوں نے خود کو مظلومِ کربلا کے سراقدس پر گرادیا اور آپؑ کے سراقدس کو بوسہ دے کر فرمایا:

ان الذی کان نورًا یستضاء بہ ... بکربلاء قتیل غیر مدفون

سبط النبی جزاک اللہ صالحۃ ... عنا وجنبت خسران الموازین

قد کنت لی جبلًا صعباً الوذبہ ... وکنت تصحبنا بالرحم والدین

من للیتامٰی ومن للسائلین ومن ... یغنی ویاوی الیہ کل مسکین

واللہ لا ابتغی صہراً بصہرکم ... حتّٰی اغیّب بین الماء والطین

"جس سے لوگوں کی زندگی کو روشنی ملتی تھی، اسے کربلا میں شہید کردیا گیا اور دفن بھی نہ کیا گیا۔ اے نواسۂ رسولؐ! خدا آپؑ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے اور ہر ناخوش گوار شے سے محفوظ رکھے۔ آپؑ میرے لیے ایک مضبوط پہاڑ کے مانند تھے، جس کے دامن میں میں پناہ لیتی تھی اور آپؑ ہمیشہ لطف ومحبت سے ہمارے ساتھ رہتے۔ آپؑ یتیموں، حاجت مندوں اور محتاجوں کے فریادرس تھے اور ہر مسکین وفقیر آپؑ کے پاس مدد کے لیے آتا تھا۔ خدا کی قسم! میں آپؑ کے بعد کسی سے رشتہ قائم نہ کروں گی یہاں تک کہ اسی حالت میں موت سے ہمکنار ہوکر پانی اور مٹی کے درمیان زیرزمین چلی جاؤں"۔ (الاغانی: ج ۱۴، ص ۱۵۸، مطبوعہ ساسی)

---

[1] الاغانی: ج ۴، ص ۱۵۰

جنابِ عبداللہ ابن عفیف کی شہادت

حمید بن مسلم بیان کرتا ہے: ابن زیاد (ملعون) نے حکم دیا کہ منادی لوگوں کو جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے ندا دے۔ جب کوفہ کے لوگ جامع مسجد میں اکٹھے ہو گئے تو ابن زیاد (ملعون) منبر پر چڑھ گیا اور کہا: "حمد ہے خدا کے لیے جس نے حق اور اہلِ حق کو ظاہر کیا یعنی امیر المومنین (یزید ملعون) کو ظاہر کیا۔ امیر المومنین یزید (ملعون) اور اس کے گروہ کی مدد کی اور کذاب ابن کذاب (معاذ اللہ) حسینؑ بن علیؑ اور اس کے شیعوں کو قتل کیا۔ (کامل ابن اثیر: ج۱، ص ۳۴)

ضلالت و گمراہی میں غرق ہوئے اس جمِ غفیر میں سے کسی نے اس ملعون کو اس گستاخی سے منع نہ کیا سوائے (صحابی رسولؐ) حضرت عبداللہ بن عفیف ازدی کے اور ان کے بعد بنی والبہ کے ایک شخص غامدی نے اسے اس گستاخی پر ٹوکا۔ جب ابن زیاد (ملعون) نے یہ گستاخانہ جملے کہے تو عبداللہ ابن عفیف ازدی مجمع سے کھڑے ہو کر بولے:

"اے مرجانہ کے بیٹے! تم اور تمھارا باپ اور وہ شخص جس نے تمھیں گورنر بنایا ہے وہ اور اس کا باپ کذاب ابن کذاب ہیں۔ اے مرجانہ کے بیٹے! کیا تمھیں شرم نہیں آتی کہ تم لوگوں نے انبیاءؑ کی اولاد کو شہید کیا اور پھر صدیقین کے خلاف زبان درازی کرتے ہو"۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۶۳)

اس پر ابن زیاد (ملعون) نے کہا: یہ گفتگو کون کر رہا ہے؟

ابن عفیف نے جواب دیا: "اے دشمنِ خدا! میں بات کر رہا ہوں۔ تم نے اس طیب و طاہر ذریتِ رسولؐ کو شہید کیا ہے جن سے خدا نے نجاست کو دُور رکھا ہے، اس کے باوجود تُو خود کو مسلمان سمجھتا ہے۔ المدد! مہاجرین و انصار کی اولاد کہاں ہے تاکہ وہ تجھ جیسے سرکش سے اس خونِ ناحق کا انتقام لیں کہ جو عالمین کے پروردگار کے رسولؐ کی زبانی لعین ابن لعین ہے"۔

اس پر ابن زیاد (ملعون) مزید غصے سے بھڑک اُٹھا اور کہا: اس گستاخ کو میرے پاس لے آؤ، پھر اس کے سپاہی ابن عفیف کو گرفتار کرنے کے لیے ان کی طرف بڑھے۔ (اللھوف)

یہ دیکھ کر عبداللہ ابن عفیف ازدی نے فوراً قبیلہ اَزد کو مدد کے لیے بلانے کی خاطر قبیلہ ازد کا نعرہ بلند کیا: "یا مبرور"۔ اس کے بعد قبیلہ اَزد کے بہت سارے لوگ جو اس وقت جامع مسجد میں موجود تھے ان کی مدد کے لیے آگے بڑھے اور انھیں ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں سے چھڑا کر ان کے خاندان والوں کے پاس پہنچا دیا۔ یہ حالات دیکھ کر عبدالرحمٰن بن مخنف ازدی نے عبداللہ بن عفیف سے کہا: تمھارا دشمن ہلاک و برباد ہو۔ تم نے اپنے اس فعل سے خود کو اور اپنے خاندان والوں کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۶۳)

پھر ابن زیاد (ملعون) نے قبیلہ ازد کی ایک جماعت کو قید خانے میں بند کرنے کا حکم دیا۔ ان لوگوں میں عبدالرحمٰن بن

مخنف ازدی بھی شامل تھا۔ (ریاض الاحزان: ص ۵۷ پر روضۃ الصفا سے منقول ہے)

رات کے وقت ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں کا ایک ٹولہ عبداللہ بن عفیف ازدی کے گھر گیا تاکہ انھیں گرفتار کرکے ابن زیاد (ملعون) کے سامنے پیش کرسکیں۔ جب قبیلہ ازد کے افراد کو یہ خبر پہنچی تو وہ سب اکٹھے ہوگئے، ان کے ساتھ ان کے اتحادی یمن کے لوگ بھی شامل ہوگئے۔ جب ابن زیاد (ملعون) کو ان کے اکٹھے ہونے کی خبر ملی تو اس نے محمد بن اشعث کے ساتھ قبیلہ مضر کے افراد کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔[1] دونوں جماعتوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی اور دونوں اطراف سے لوگ قتل ہوئے۔ ابن اشعث جنگ کرتا ہوا عبداللہ ابن عفیف کے گھر تک پہنچ گیا اور ان کے گھر پر حملہ کردیا۔ عبداللہ ابن عفیف کی بیٹی نے انھیں بلند آواز میں خبر دی کہ ابن زیاد (ملعون) کے سپاہی آگئے ہیں۔

عبداللہ بن عفیف نے اپنی بیٹی سے کہا: تم مت گھبراؤ۔ بس! مجھے میری تلوار دے دو اور پھر وہ اس تلوار کے ذریعے اپنا دفاع کرنے لگے جب کہ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انا ابن ذی الفضل العفیف الطاهر　　عفیف شیخی وابن ام عامر

کم دارع من جمعکم وحاسر　　وبطل جدلته مغاور

"میں صاحب فضل، پاکیزہ و پاک باز عفیف کا بیٹا ہوں اور میری ماں اُمِ عامر ہے۔ میں نے تمھارے کتنے زرہ پوش اور قبادوش بہادر قتل کیے اور زمین پر پٹخے ہیں"۔

ابن زیاد (ملعون) کے کسی سپاہی میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ ان کے قریب جاسکتا جب کہ ان کی بیٹی انھیں بتارہی تھی کہ آپ کے پاس فلاں طرف سے دشمن آرہا ہے۔ جب دشمن نے ابن عفیف کو گھیر لیا تو آپ کی بیٹی چلائی: ہائے ذلت و رُسوائی! میرے بابا جان کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے اور ان کا کوئی ناصر و مددگار بھی نہیں ہے کہ جس سے وہ نصرت طلب کرسکیں۔ اس وقت عبداللہ ابن عفیف اپنے گرد تلوار کو گھماتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

اقسم لو یفسح لی عن بصری　　ضاق علیکم موردی ومصدری

"خدا کی قسم! اگر میری بینائی لوٹ آئے تو میں تم پر یوں بڑھ چڑھ کر حملے کروں کہ تمھیں کچھ پتہ بھی نہ چلے گا کہ میں تم پر کدھر سے حملہ کررہا ہوں اور تم پر زمین تنگ پڑجائے گی"۔

کافی دیر تک مقابلے کے بعد ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں نے انھیں گرفتار کرلیا اور ابن زیاد (ملعون) کے سامنے

---

[1] ابن نما حلی کی کتاب "مثیر الاحزان" میں یہی مذکور ہے کہ ابن زیاد نے محمد ابن اشعث کو ابن عفیف کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا، جب کہ محمد بن اشعث ملعون عاشوراء کے دن حضرت امام حسینؑ کی بددعا سے واصلِ جہنم ہوگیا تھا۔ اسے ایک بچھو نے کاٹا اور وہ فی النار ہوگیا۔ لہٰذا ابن زیاد (ملعون) نے بنواشعث کے کسی اور فرد کو بھیجا ہوگا نہ کہ محمد بن اشعث کو جو فی النار ہوچکا تھا۔

پیش کر دیا۔ ابن زیاد (ملعون) نے ان سے کہا: حمد ہے اس خدا کی جس نے تمھیں ذلیل و رُسوا کیا۔

اس پر ابن عفیف نے کہا: تم نے مجھے کس کے ذریعے ذلیل و رُسوا کیا ہے؟

واللہ لو فرج لی عن بصری ضاق علیکم موردی ومصدری

"خدا کی قسم! اگر میری بینائی لوٹ آئے تو میں تم پر یوں حملہ آور ہوں گا کہ تمھیں کچھ پتہ نہ چلے گا کہ میں تم پر کدھر سے حملہ کر رہا ہوں اور تم پر زمین تنگ پڑ جائے"۔

ابن زیاد (ملعون) نے کہا: اے دشمنِ خدا! تم عثمان کے متعلق کیا رائے رکھتے ہو؟

تو ابن عفیف نے ابن زیاد (ملعون) کو بُرا بھلا کہتے ہوئے کہا: تمھارا عثمان سے کیا لینا دینا۔ وہ اچھے ہوں یا بُرے، انھوں نے درست کیا ہو یا غلط۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی مخلوق کا ولی و وارث ہے، اب وہ قیامت کے دن عدل و انصاف سے مخلوقِ خدا اور حضرت عثمان کے درمیان فیصلہ کرے گا کہ کیا حضرت عثمان نے اس کی مخلوق کے حقوق ادا کیے تھے یا نہیں۔ ہاں! تم مجھ سے اپنے اور اپنے باپ کے بارے میں اور یزید اور اس کے باپ کے متعلق پوچھو کہ ان کے متعلق میری کیا رائے ہے!

یہ سن کر ابن زیاد (ملعون) بولا: میں تم سے کسی کے متعلق سوال نہیں کروں گا بلکہ اب تمھیں تڑپا تڑپا کر موت کا مزہ چکھاؤں گا۔

ابن عفیف نے جواب دیا: تمام حمد و تعریف اس خدا کے لیے ہے جو عالمین کا رب ہے۔ میں تیری پیدائش سے بھی پہلے اپنے رب سے یہ دعا مانگتا تھا کہ وہ مجھے شہادت کے رُتبے سے سرفراز فرمائے۔ میں نے خدا سے یہ دعا مانگی تھی کہ وہ مجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ لعین اور ناپسندیدہ شخص کے ہاتھوں شہادت عطا فرمائے لیکن جب میں بصارت سے محروم ہوا تو میں اپنی شہادت سے مایوس ہو گیا۔ اب میں اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ مجھے منصبِ شہادت سے مایوسی کے بعد اس رُتبہ پر فائز فرما رہا ہے اور اس نے میری پرانی دعا کو مستجاب فرما لیا ہے۔

پھر ابن زیاد (ملعون) نے حکم دیا کہ ان کا سر قلم کر کے دلدلی زمین پر سولی پر لٹکا دیا جائے۔ [1]

اس کے بعد ابن زیاد (ملعون) نے جندب بن عبداللہ ازدی کو اپنے سامنے دربار میں بلوایا۔ یہ بزرگ اور ضعیف تھے۔

ابن زیاد (ملعون) نے ان سے کہا: کیا تم جنگِ صفین میں علیؑ کے ساتھی نہ تھے؟

جندب بن عبداللہ ازدی نے جواب دیا: ہاں! میں آپؑ کا ہی ساتھی تھا۔ میں حضرت علیؑ سے محبت کرتا ہوں اور مجھے

---

[1] "مثیر الاحزان" ابن نما حلیؒ، ص ۵۰، "الملہوف" ابن طاووس، ص ۹۲، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۵۳، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۳ پر ان کا قصہ مختصراً مذکور ہے۔ "المحبر" ابن حبیب: ص ۴۸۰، "الارشاد" شیخ مفیدؒ، اور تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ عبداللہ بن عفیف کو کوڑا کرکٹ کی جگہ پر سولی پر چڑھایا گیا اور یہ اربلی نے "کشف الغمہ" ص ۱۱۶ پر بیان کیا ہے۔

اس پر فخر ہے اور میں تجھ سے اور تیرے باپ سے نفرت کرتا ہوں خصوصاً اب جب کہ تم نے رسولؐ خدا کے نواسے، ان کے اصحاب اور اہلِ بیتؑ کو شہید کیا ہے تو میری یہ نفرت مزید بڑھ گئی ہے اور تجھے اس خدا کا کوئی خوف نہیں جو غالب، قہر و غضب والا اور انتقام لینے والا ہے۔

اس پر ابن زیاد (ملعون) نے کہا: تم تو اس اندھے بوڑھے (حضرت عبداللہ بن عفیف) سے زیادہ بے حیا ہو اور میں تیرے قتل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کروں گا۔ ابن جندب نے کہا: تو پھر خدا تمھیں ایسا تقرب عطا نہ کرے گا۔ پھر ابن زیاد (ملعون) کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں ان کا خاندان اور قبیلہ میرے خلاف اُٹھ کھڑا نہ ہو اس لیے انھیں چھوڑ دیا اور کہا: اس بڈھے کی عقل کام نہیں کر رہی اور یہ سٹھیا گیا ہے اس لیے اسے چھوڑ دو۔ (مثیر الاحزان: ص ۵۱، مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۵۵، ریاض الاحزان: ص ۵۸)

حضرت مختار ثقفی

جب اسیرانِ آلِ محمدؐ کو ابن زیاد (ملعون) کے دربار میں لایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ مختار کو بھی میرے دربار میں حاضر کیا جائے جو حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کی شہادت کے وقت سے ابن زیاد (ملعون) کی قید میں تھے۔ جب حضرت مختارؓ نے ان (شہزادیوںؑ) کو یوں بے چارگی و بدحالی میں دیکھا تو ایک لمبا سانس لیا۔ اس دوران حضرت مختارؓ اور ابن زیاد (ملعون) کے درمیان گفتگو شروع ہوئی تو حضرت مختارؓ نے اس ملعون سے سخت کلامی کی جس پر ابن زیاد (ملعون) غضب ناک ہو گیا اور اس نے حضرت مختارؓ کو واپس قید خانے میں بھیج دیا۔ [1] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن زیاد (ملعون) نے اس دوران حضرت مختارؓ کی آنکھ پر ایک تازیانہ مارا اور حضرت مختارؓ کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ [2]

جناب عبداللہ ابن عفیف کی شہادت کے بعد عبداللہ بن عمر بن خطاب نے یزید (ملعون) سے حضرت مختارؓ کے متعلق سفارش کی، جس پر حضرت مختارؓ ابن ابی عبید ثقفی کو رہا کر دیا گیا کیونکہ عبداللہ بن عمر حضرت مختار کی بہن صفیہ بنت ابی عبید ثقفی کا شوہر تھا لیکن ابن زیاد (ملعون) نے حضرت مختارؓ کو تین دن کے اندر کوفہ چھوڑ دینے کا حکم دے دیا اور جب ابن عفیف کی شہادت کے بعد ابن زیاد (ملعون) نے خطاب کیا اور اپنی تقریر کے دوران امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی عیب جوئی کی تو حضرت مختارؓ جوش میں آ گئے اور اس کے سامنے اس کو لعن طعن کی اور فرمایا:

كذبت يا عدو الله وعدو رسوله بل الحمد لله الذي أعز الحسين وجيشه بالجنة والمغفرة

وأذلك وأذل يزيد وجيشه بالنار والخزي

---

[1] ریاض الاحزان: ص ۵۲

[2] "الاعلاق النفیسة" ابن رستہ، ص ۲۲۴

"اے دشمن خدا و رسولؐ! تو نے جھوٹ بولا ہے درحقیقت حمد اس خدا کے لیے ہے جس نے حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے لشکر کو جنت اور مغفرت کے ذریعے عزت بخشی، اور جس نے تجھے اور یزید (ملعون) اور اس کے لشکر کو جہنم کی آگ اور حقارت کے ذریعے ذلیل و رُسوا کیا"۔

یہ سن کر ابن زیاد (ملعون) نے لوہے کے ڈنڈے سے حضرت مختارؓ کو مارا جس سے آپ کی پیشانی پھٹ گئی اور اس ملعون نے انھیں قید خانے لے جانے کا حکم دیا لیکن لوگوں نے ابن زیاد (ملعون) کو ان کا تعارف کروایا کہ عمر بن سعد اور عبداللہ بن عمر اس کے بہنوئی ہیں۔ انھوں نے ابن زیاد (ملعون) کے سامنے اس کے بلند نسب کا ذکر کیا، اس لیے وہ ان کے قتل سے باز رہا اور انھیں قید خانے میں ہی قید پر باقی رکھا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمر نے یزید سے دوبارہ حضرت مختارؓ کی رہائی کی سفارش کی تو یزید (لعین) نے عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کو ان کو رہا کرنے کا لکھ بھیجا۔ ①

حضرت مختارؓ نے رہائی کے بعد امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے خاص اصحاب کو یہ بتایا کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون کا انتقام لینے کے لیے قیام کریں گے اور ابن زیاد (ملعون) اور جن لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کے خلاف آپؑ کے دشمنوں کا ساتھ دیا ہے، انھیں فی النار کریں گے۔ ②

حضرت مختارؓ کے انھی واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب آپ ابن زیاد (ملعون) کی قید میں تھے تو آپ کے ساتھ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن عبدالمطلب اور حضرت میثم تمار بھی قید تھے۔ ایک دن عبداللہ بن حارث نے لوہے کا ایک ٹکڑا (بلیڈ نما) مانگا تا کہ اپنے بدن کے بال مونڈھ سکیں اور کہا: ابن زیاد (ملعون) ہمیں قتل کر کے چھوڑے گا اور ہمیں اس قتل سے کوئی نہیں بچا سکتا لہٰذا میں اپنے بدن کے بال مونڈ لوں۔ اس پر حضرت مختارؓ نے اس سے کہا: خدا کی قسم! یہ نہ تجھے قتل کرے گا اور نہ ہی مجھے قتل کرے گا بلکہ تم تھوڑے ہی دن اس کی قید میں رہنے کے بعد بصرہ کے گورنر ہو گے۔

حضرت میثم تمار جو ان دونوں کی گفتگو سن رہے تھے انھوں نے حضرت مختارؓ سے کہا: آپ حضرت امام حسینؑ کے خون کا انتقام لینے کے لیے خروج کریں گے اور اسے (ابن زیاد (ملعون) کو) قتل کریں گے جو ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے اور آپ اس کے رخساروں کو اپنے قدموں تلے روندیں گے۔ ③ اور ویسا ہی ہوا جیسے حضرت مختارؓ اور حضرت میثم تمار نے فرمایا تھا۔

عبداللہ بن حارث نے یزید (ملعون) کی ہلاکت کے بعد بصرہ میں خروج کیا اور بصرہ کے لوگوں نے انھیں بصرہ کا گورنر نامزد کیا اور وہ ایک سال تک بصرہ کے گورنر رہے۔ حضرت مختارؓ نے حضرت امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے

---

① مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۱۷۸-۱۷۹، اور ریاض الاحزان: ص ۵۸ میں اسے مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

② بحار الانوار: ج ۱۰، ص ۲۸۴ پر ابن نما کی کتاب "اخذ الثار" سے منقول ہے۔

③ "شرح نہج البلاغہ" ابن ابی الحدید: ج ۱، ص ۲۱۰، مطبوعہ مصر۔ بحار الانوار: ج ۱۰، ص ۲۸۴، ارشاد شیخ مفیدؒ۔

خروج کیا اور ابن زیاد (ملعون)، حرملہ بن کاحل، شمر بن ذی الجوشن سمیت کوفیوں کی کثیر تعداد کو فی النار کیا جنھوں نے حضرت امام حسینؑ کے خلاف یزید (ملعون) کا ساتھ دیا تھا جیسا کہ ابن نما حلی کے بیان کے مطابق حضرت مختارؓ نے اٹھارہ ہزار افراد کو واصلِ جہنم کیا اور تقریباً دس ہزار افراد مصعب بن زبیر کے پاس فرار کر گئے۔ ① ان فرار اختیار کرنے والوں میں سے ایک شبث بن ربعی ہے جو اس حالت میں مصعب بن زبیر کے پاس پہنچا کہ وہ اپنے خچر پر سوار تھا، جس کے کان اور دُم اس نے کاٹ دی تھی۔ اس نے پھٹی ہوئی قباء (کپڑوں کے اُوپر پہننے کا ایک لباس) پہن رکھی تھی اور یہ صدا بلند کر رہا تھا: المدد! ہائے ہماری مدد کرو اور اس فاسق سے جنگ کرنے کے لیے نکلو جس نے ہمارے گھروں کو منہدم اور ہمارے اشراف کو قتل کر دیا ہے۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۱۴۶)

حضرت امام حسینؑ کے سرِ اقدس کا کلام کرنا

لهفی رأسك فوق مسلوب القنا　　یکسوه من انواره جلبابیا

یتلوا الکتاب علی السنان وانما　　رفعوا به فوق السنان کتابا

"مجھے اس بات کا رنج و افسوس کہ آپؑ کا سرِ اقدس نوکِ نیزہ پر چڑھایا گیا اور آپؑ نے اسے اپنے نور کا لباس زیبِ تن کرایا۔ حضرت امام حسینؑ کا سرِ اقدس نوکِ نیزہ پر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ بلکہ ان لوگوں (اشقیاء) نے قرآن مجید کو نوکِ نیزہ پر چڑھا دیا تھا"۔ ②

نواسۂ رسولؐ، شہید کربلا بچپن سے ہی قرآن مجید کے حلیف و اتحادی تھے کیونکہ یہ دونوں رسولِؐ خدا کی اُمت میں ان کے دو ثقل اور دو خلیفوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت رسولِؐ خدا نے اپنی ایک حدیث میں بیان کیا ہے کہ قرآن اور اہلِ بیتؑ اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے جب تک رسولِؐ خدا کے پاس حوضِ کوثر پر نہ پہنچ جائیں۔ اسی لیے ساری زندگی حضرت امام حسینؑ کا اوڑھنا بچھونا قرآن مجید اور اس کی تلاوت تھی۔ آپؑ نے سفر و حضر میں لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم و تبلیغ سے روشناس کیا یہاں تک کہ معرکۂ کربلا میں روزِ عاشور قومِ اشقیاء پر حجت تمام کرنے کی خاطر انھیں قرآن مجید سے دلائل دیتے ہوئے اپنا موقف پیش کرتے رہے۔ اسی طرح فرزندِ رسولؐ اپنے مقدس ہدف کی تکمیل کی خاطر آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ آپؑ کے سرِ اطہر نے نوکِ نیزہ پر بھی قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی کہ شاید اس قوم میں کوئی ایسا ہو جو حق کی روشنی اور نور سے منور ہو سکے لیکن رُشد و ہدایت کے داعی امامؑ نے ان لوگوں کو صرف اس حالت میں پایا گویا ان کی سوچ

---

① الاخبار الطوال: ص ۲۹۵

② سید محسن امین کی کتاب "الدر النضیر" ص ۳۶ پر یہ اشعار مذکور ہیں جب کہ یہ اشعار سید رضا ہندی کے ہیں۔

محدود، دلوں پر مہریں اور وہ کانوں سے بہرے ہو چکے ہیں۔ (خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ - سورۂ بقرہ: آیت ۷) ''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے''۔

جو شخص الٰہی اسرار میں غور وفکر کا مظاہرہ کرتا ہے وہ نوکِ سناں پر حضرت امام حسینؑ کے سرِ اقدس کی تلاوتِ قرآن پر ہرگز تعجب نہیں کرتا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے سید الشہداءؑ کے لیے قیام کو ضروری قرار دیا تاکہ اس مخصوص زمان و مکان اور طریقۂ کار کے تحت ضلالت و گمراہی کے دروازے کو بند کر دیا جائے اور اس میں کئی مصلحتیں پوشیدہ ہیں جنھیں ذاتِ خداوندی خوب جانتی ہے۔ اس لیے خدا نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ وحی کی کہ خدا کی مشیت سے اپنے بیٹے حضرت امام حسینؑ کو آگاہ کر دیں اور حضرت امام حسینؑ کے سامنے عالمین کے پروردگار کی مرضی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ○ (سورۂ انبیاء: آیت ۲۳)

''خدا جو کام کرتا اس پر اس کی بازپرس نہیں کی جاتی لیکن بندوں سے ان کے اعمال کی بازپرس کی جاتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ جو غالب و قاہر ہے، اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی انقلابی تحریک کے ذریعے اس دور کی اُمت اور آنے والی نسلوں کو ان گمراہی میں غرق اور راہِ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں سے آگاہ کرنا چاہا کہ جو شریعتِ مقدسہ کا مذاق اُڑاتے اور اس کی حرمت کو پامال کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ یہ پسند کرتا تھا کہ حضرت امام حسینؑ اپنی شہادت اور مقدس خون کے ذریعے بھٹکے ہوئے لوگوں کے مقابلے میں انقلابی تحریکوں کے منشور کو نورانی صحیفوں میں تحریر کر دیں۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت حیرت انگیز اور عجیب و غریب اُمور میں گھری ہوئی ہے، جہاں تک عام انسانوں کی سوچ کی رسائی نہیں ہے۔ ان عجیب و غریب اُمور میں سے ایک حضرت امام حسینؑ کے کٹے ہوئے سرِ اطہر کا قرآنِ مجید کی آیات کی تلاوت کرنا ہے۔ آپؑ کے کٹے ہوئے سرِ اطہر کا کلام کرنا اس شخص پر اتمامِ حجت کی انتہا ہے، جسے خواہشاتِ نفسانی نے حقائق کو دیکھنے سے اندھا کر رکھا ہو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا شہادت کے بعد نوکِ سناں پر تلاوتِ قرآن کرنا آپؑ کے عقائد کو لوگوں میں راسخ کرنا اور یہ ذہن نشین کروانا مقصود تھا کہ امام علیہ السلام جس بات کی طرف بلا رہے تھے، آپؑ کی یہ دعوتِ حق تھی جس کے ذریعے آپؑ صرف عالمین کے رب کی رضا اور خوشنودی کے طلب گار تھے جب کہ آپؑ کے دشمنوں کی عاقبت اور انجام بہت بُرا ہے۔ اسی طرح حضرت امام حسینؑ کا شہادت کے بعد تلاوتِ قرآن کرنا اُمت کو ان لوگوں کی گمراہی اور ضلالت سے خبردار کرتا ہے جنھوں نے امامؑ پر طغیانیت اور ظلم وستم ڈھانے کی جرأت کی اور خدا کی قدرت میں یہ کوئی نئی اور اَنہونی بات نہیں۔ اگر ان خاص مصلحتوں کے تحت حضرت امام حسینؑ کا سرِ اطہر کلام کرے کہ جن مصلحتوں کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے

سے ہم لوگ قاصر ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے ایک درخت میں قوتِ کلام ودیعت کر چکا ہے[1] کہ جب وہ اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ باہمی راز و نیاز کی باتیں کرتے تھے۔ کیا ایک درخت کا خدائے رحمٰن کی اطاعت و فرماں برداری میں کٹے ہوئے سر اطہر سے موازنہ کیا جا سکتا ہے؟___ ہر گز نہیں۔

زید بن ارقم کہتے ہیں: میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ابن زیاد (ملعون) کے سپاہی میرے سامنے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس لے کر گزرے تو آپؑ کا سر اقدس اس آیت کی تلاوت میں مشغول تھا:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ○ (سورۂ کہف: آیت ۹)

"کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری (قدرت کی) نشانیوں میں سے ایک عجب نشانی ہے"۔

یہ سن کر میرے بال کھڑے ہو گئے اور میں نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! خدا کی قسم! آپؑ کے سر کا یوں نوک سناں پر کلام کرنا اصحاب کہف و رقیم سے زیادہ عجب نشانی اور زیادہ حیرت انگیز ہے۔[2]

حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کو صیرافوں کے بازار میں لٹکایا گیا کیونکہ وہاں پر لوگوں کی چہل پہل رہتی ہے اور آپس میں لین دین کرنے والوں کا شور تھا لہٰذا سید الشہداءؑ نے ان لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ یہ لوگ آپؑ کی وعظ و نصیحتوں کو سن سکیں۔ پس! آپؑ کا سر اقدس بلند آواز میں کھنکھارا (جیسے گلا صاف کرنے کے لیے سینے سے آواز نکالی جاتی ہے) تو تمام لوگ آپؑ کے سر اقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ دہشت زدہ اور گھبرا گئے کیونکہ انھوں نے اس سے پہلے کبھی کٹے ہوئے سر کو کھنکھارتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ اس وقت سید الشہداءؑ کے سر اقدس نے سورۂ کہف اور سورۂ نوح کی یہاں تک تلاوت کی: إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ○ (آیت ۱۳) "وہ چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان رکھتے تھے اور ہم نے انھیں مزید ہدایت سے روشناس کیا"۔

وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِينَ إِلَّا ضَلٰلًا ○ (سورۂ نوح: آیت ۲۴)

"اور تو ان ظلم کرنے والوں کی گمراہی مزید بڑھا دے"۔

---

[1] الدر المنثور: ج ۲، ص ۱۱۹، آیت (أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ - سورۂ اعراف: آیت ۱۴۳) بحار الانوار: ج ۵، ص ۲۷۸ پر کتاب "المنیع" سے منقول ہے اور ثعالبی کی کتاب "قصص الانبیاء" ص ۱۲۰، باب ۸، حضرت موسیٰؑ کا مدین سے خروج کرنے کے تحت مذکور ہے۔

[2] "ارشاد" شیخ مفیدؒ، "الخصائص الکبریٰ": ج ۲، ص ۱۲۵، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ: ج ۱، ص ۳۶۲ پر ذکر کیا ہے کہ زید بن ارقم امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منحرف تھا۔ اس نے غدیر کے دن حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے متعلق ہونے والے اعلان کی گواہی کو چھپایا تھا تو حضرت علیؑ نے اسے اندھا ہونے کی بددعا دی اور وہ مرتے دم تک اندھا رہا۔ "کامل ابن اثیر" ج ۴، ص ۲۴ پر مذکور ہے کہ ابن زیاد نے حضرت امام حسینؑ کے سر اقدس کو کوفہ میں پھرانے کا حکم دیا اور یہی قول ابن کثیر کی "البدایہ": ج ۸، ص ۱۹۱ اور "الخطط المقریزیہ": ج ۲، ص ۲۲۸ میں بھی مذکور ہے۔

سیّدالشہداءؑ کے سرِ اقدس کو ایک درخت پر لٹکایا گیا تو آپؑ کے سرِ اقدس کے گرد لوگ جمع ہو گئے اور وہ دیکھ رہے تھے کہ اس سے ایک نور روشن ہو کر آسمان کی طرف جا رہا ہے اور آپؑ کا سرِ اقدس اس آیت مجیدہ کی تلاوت کر رہا تھا:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○ (سورۂ شعراء: آیت ۲۲۷)

"جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ لوٹائے جائیں گے"۔ (ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۱۸۸)

○ ہلال بن معاویہ کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ ایک شخص نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سرِ اقدس اُٹھا رکھا ہے اور آپؑ کا سرِ اقدس اس سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے:

فرّقت بين رأسي وبدني فرّق الله بين لحمك وعظمك وجعلك آية ونكالاً للعالمين

"تُو نے میرے سر اور بدن میں جدائی ڈالی ہے خدا تمھارے گوشت اور ہڈیوں کو جدا جدا کرے اور خدا تجھے سب کے لیے نشانی اور عبرت بنا دے"۔

اس پر اس شخص نے سرِ مظلوم کو تازیانے سے مارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سرِ اقدس خاموش ہو گیا۔ (شرح قصیدہ ابی فراس: ص ۱۴۸)

○ سلمہ بن کہیل کہتا ہے: میں نے سنا کہ حضرت امام حسینؑ کا سرِ اقدس نوکِ سناں پر اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۳۷)

"ان لوگوں (کے شر) سے بچانے کے واسطے تمھارے لیے خدا کی ذات کافی ہے اور وہ (سب کی) خوب سنتا اور سب کچھ خوب جاننے والا ہے"۔ (اسرار الشہادۃ: ص ۴۸۸)

ابن وکیدہ بیان کرتا ہے: میں نے کسی سر سے سورۂ کہف پڑھنے کی آواز سنی تو مجھے یہ شک لاحق ہوا کہ یہ حضرت امام حسینؑ کے سرِ اقدس کی آواز ہے یا کسی اور طرف سے آواز آ رہی ہے۔ اتنے میں امام علیہ السلام کا سرِ اقدس تلاوت کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا:

يَا ابنَ وكيدة أمَا علمتَ انا معشر الائمة احياء عند ربهم يرزقون

"اے وکیدہ کے بیٹے! کیا تمھیں یہ معلوم نہیں کہ ہم آئمہ زندہ ہوتے ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں؟"

پھر ابن وکیدہ نے یہ سوچا کہ میں اس کو چھپا کر دفن کر دیتا ہوں تو اس نورانی سر نے فرمایا: اے وکیدہ کے بیٹے! ایسا

کرنے کا تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں۔ بے شک! ان لوگوں کا میرا ناحق خون بہانا خدا کی بارگاہ میں مجھے نوکِ سناں پر چڑھا کر گھمانے سے زیادہ عظیم گناہ ہے۔ تم ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو، انھیں اس وقت معلوم ہو جائے گا جب ان کے گلوں میں طوق اور زنجیریں ڈال کر انھیں کھینچا جائے گا۔ (شرح قصیدہ ابی فراس: ص ۱۴۸)

○ منہال بن عمرو کہتا ہے: مَیں نے دمشق میں حضرت امام حسینؑ کا سرِ اقدس نوکِ نیزہ پر بلند دیکھا جب کہ اس سر کے آگے ایک شخص سورۂ کہف پڑھتے ہوئے چل رہا تھا۔ جب وہ شخص اس آیت پر پہنچا:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ○ (سورۂ کہف: آیت ۹)

”کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اصحابِ کہف ورقیم ہماری نشانیوں میں سے ایک عجب نشانی ہے“۔

تو حضرت امام حسینؑ کے سرِ اقدس نے فصیح بلیغ زبان میں فرمایا:

اعجب من اصحاب الکھف قَتْلِیْ وَحَمْلِیْ

”اصحابِ کہف سے زیادہ عجب میرا قتل اور پھر میرے سرِ اقدس کو اُٹھانا ہے“۔ (الخصائص، سیوطی: ج ۲، ص ۱۲۷)

○ جب یزید (ملعون) کے دربار میں سفیرِ روم نے یزید کو اس کی گستاخیوں پر ٹوکا تو یزید (ملعون) نے سفیرِ روم کو قتل کرنے کا حکم دیا تو حضرت امام حسینؑ کے سرِ اقدس نے بلند آواز میں پڑھا:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (مقتل العوالم: ص ۱۵۱)

عمرو بن سعید اشدق (ملعون) کی مدینے میں سرکشی وطغیانی

ابن جریر طبری بیان کرتا ہے: ابن زیاد (ملعون) نے عبدالملک بن حارث السلمی کو مدینہ جا کر عمرو بن سعید اشدق[1] کو قتلِ حسینؑ کی خوشخبری (معاذ اللہ) سنانے کا کہا تو اس نے بیماری کا عذر پیش کیا لیکن ابن زیاد (ملعون) نے اس کا یہ عذر قبول نہ کیا۔ ابن زیاد (ملعون) سخت پکڑ رکھتا تھا اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے عبدالملک بن حارث السلمی کو جلدی سے مدینہ کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیتے ہوئے کہا: اگر تمہاری سواری راستے میں تھک جائے تو دوسری سواری خرید لو اور تمہارے علاوہ کوئی اور تم سے پہلے یہ خبر مدینے میں نہ پہنچائے۔ پھر وہ تیزی سے مدینہ کے لیے روانہ ہوا یہاں تک کہ

---

[1] ابن حجر الہیثمی کی ”مجمع الزوائد“ ج ۵، ص ۲۴۰ اور تطہیر الجنان برحاشیہ الصواعق المحرقہ، ص ۱۴۱ پر ابوہریرہ سے منقول ہے: وہ کہتا ہے کہ مَیں نے رسولِ خداؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: لیرعفن علی منبری جبار من جبابرة بنی أمية فيسيل رعافه ”یعنی بنو اُمیہ کے ظالم وجابر حکمرانوں میں سے ایک جابر وسرکش کی میرے منبر پر نکسیر پھوٹے گی اور اس کے ناک سے خون بہے گا“۔ (ابوہریرہ کہتا ہے:) عمرو بن سعید منبرِ رسولؐ پر تھا کہ اس کی نکسیر پھوٹی اور اس کے ناک سے خون بہنے لگا۔

مدینہ پہنچ گیا۔ وہاں پر اس کی ملاقات قریش کے ایک مرد سے ہوئی تو اس نے اس سے پوچھا: تم کیا خبر لائے ہو؟۔

عبدالملک بن حارث السلمی نے اسے جواب دیا: میں سب سے پہلے یہ خبر (مدینہ کے) گورنر کو بتاؤں گا۔ جب اس نے مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید اشدق کو قتلِ حسینؑ کی خبر سنائی تو وہ اس خبر پر خوشی سے اُچھل پڑا اور قتلِ حسینؑ پر مسرت کا اظہار کیا۔

مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید نے منادی کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں قتلِ حسینؑ کا اعلان کرے۔ اس دن بنوہاشم کے گھروں میں خاندانِ بنوہاشم کی مستورات کو جوانانِ جنت کے سردار پر جس قدر چیخ و پکار اور آہ و فغاں کرتے ہوئے دیکھا گیا، اتنی گریہ وزاری آج تک کسی نے مدینہ میں نہ دیکھی تھی۔ جب خاندانِ بنی ہاشم کی مستورات کے گریہ وزاری کی آوازیں عمرو بن سعید اشدق کے گھر سے ٹکرائیں تو اس نے ہنستے ہوئے عمرو بن معدیکرب کے اس شعر سے اس آہ وزاری کی مثال دی:

عجت نساء بنی زیاد عجة　　　كعجيج نسوتنا غداة الارنب

"بنی زیاد کی عورتوں نے اس طرح نالہ وفریاد کی جس طرح ہماری عورتوں نے ارنب کی صبح کو نالہ وفریاد کیا تھا"۔

پھر اس نے کہا: یہ چیخ و پکار اور آہ و زاری عثمان کے قتل پر ہونے والی آہ و زاری کا بدلہ ہے۔ (تاریخ طبری: ج۶،ص۲۶۸)

اس (ملعون) نے رسولِ خدا کی قبرِ مبارک کی طرف رُخ کر کے کہا: یوم بیوم بدر یا رسول اللہ، "اے اللہ کے رسولؐ! یہ بدر کے دن کے بدلے کا دن ہے!" اس کے اس جملے کو انصار کے ایک گروہ نے ناپسند کرتے ہوئے بُرا منایا"۔ (نفس المہموم: ص ۲۲۲، "شرح نہج البلاغہ" ابن ابی الحدید: ج۱،ص ۳۶۱)

پھر اس (ملعون) نے منبر پر چڑھ کر کہا:

ايها الناس انها لدمة بلدمة وصدمة بصدمة كم خطبة بعد خطبة حكمة بالغة فما تغنى النذر لقد كان يسبنا ونمدحه ويقطعنا ونصله كعادتنا وعادته ولكن كيف نصنع بمن سلّ سيفه علينا يريد قتلنا الا أن ندفعه عن أنفسنا۔

"اے لوگو! یہ ایک طمانچے کے بدلے طمانچہ اور صدمے کے بدلے صدمہ ہے۔ ہم نے حسینؑ کو نصیحت کے بعد نصیحت کی اور انتہائی سمجھ داری کا مظاہرہ کیا لیکن حالات بہتر نہ ہو سکے۔ وہ ہمیں مسلسل گالیاں دیتے تھے جب کہ ہم ان کی تعریف کرتے تھے۔ وہ ہم سے قطع رحمی کرتے اور ہم ان سے صلہ رحمی

کرتے تھے جیسا کہ یہ ہماری اور ان کی عادت تھی لیکن ہم اس وقت کیا کرتے جب انھوں نے ہمیں قتل کرنے کے لیے ہمارے اُوپر تلوار کھینچ لی تو اب ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اسے ہم خود سے دُور کردیں اور یوں ان کا کام تمام کردیا"۔

یہ سن کر عبداللہ بن سائب فوراً مجمع سے کھڑا ہوگیا اور کہا: اگر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا آج زندہ ہوتیں اور حضرت امام حسینؑ کا سر مطہر دیکھتیں تو ان پر گریہ کرتیں۔ اس پر عمرو بن سعید کو غصہ آگیا اور کہا: ہم تم سے زیادہ حضرت فاطمہؑ سے تعلق اور واسطہ رکھتے ہیں۔ ان کے بابا ہمارے چچا، ان کے شوہر ہمارے بھائی اور ان کا بیٹا ہمارا بیٹا ہے۔ اگر حضرت فاطمہؑ زندہ ہوتیں تو ان پر ضرور گریہ کرتیں لیکن جس شخص نے ان کے بیٹے کو قتل کیا اور خود سے دُور کیا ہے، وہ اُسے بُرا نہ کہتیں اور لعن طعن نہ کرتیں۔ (مقتل العوالم: ص ۱۳۱)

عمرو بن سعید تند مزاج، غصیلا اور سنگ دل انسان تھا۔ اس نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد مدینہ کے کوتوال (پولیس چیف) عمرو بن زبیر بن عوام ① کو حکم دیا کہ بنی ہاشم کے گھروں کو منہدم کردو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور وہ اس معاملہ میں بہت آگے چلا گیا۔ اس نے ابن مطیع کا گھر بھی منہدم کردیا اور لوگوں کو انتہائی سنگدلی سے مارا پیٹا۔ اس کے ظلم وستم سے تنگ آکر کچھ لوگ ابن زبیر کی طرف (مکہ) فرار اختیار کر گئے۔ (الاغانی: ج ۴، ص ۱۵۵)

عمرو بن سعید کو اشدق (چوڑی باچھوں والا) اس لیے کہتے ہیں کیونکہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو بے پناہ مسلسل گالیاں دینے کی وجہ سے اس کا ایک جبڑا ٹیڑھا ہوکر باہر کی طرف نکل آیا تھا۔ ② خدا نے اسے بدترین انجام سے دوچار کیا تھا اور اسے زنجیروں میں جکڑ کر عبدالملک بن مروان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اسے کافی سزائیں دینے کے بعد قتل کردیا۔ ③

حضرت عقیلؑ بن ابی طالبؑ کی بیٹی بنی ہاشم کی دیگر مستورات کے ساتھ روتی پیٹتی ہوئیں رسولؐ خدا کی قبر مطہر پر گئیں اور خود کو قبر رسولؐ پر گرا کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

پھر مہاجرین و انصار کی طرف متوجہ ہوکر یہ اشعار بیان کیے:

---

① بلاذری کی کتاب "انساب الاشراف" ج ۴، ص ۲۳ پر مذکور ہے کہ عمرو بن زبیر کی ماں آمنہ بنت خالد بن سعید بن عاص تھی اور یہ اُس فوج کا سالار تھا جسے عمرو بن سعید اشدق نے عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے کے لیے مکہ بھیجا تھا۔ عبداللہ بن زبیر کی فوج نے عمرو بن زبیر کو گرفتار کرلیا۔ عبداللہ بن زبیر نے حکم دیا کہ اس نے جس پر بھی ظلم کیا ہے وہ تازیانے مار کر اس سے اپنے مظالم کا بدلہ لے لے۔ عبداللہ کے ساتھیوں نے اسے تازیانوں سے مار مار کر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

② معجم الشعراء، مرزبانی: ص ۲۳۱

③ "جمهرة الامثال" ابوہلال عسکری، ص ۹، مطبوعہ ہندوستان مادہ: امکٍ أ رانت فی الحدید۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم　　یوم الحساب وصدق القول مسموع
خذلتموا عترتی او کنتم غیباً　　والحق عند ولی الامر مجموع
اسلمتموهم بایدی الظالمین فما　　منکم له الیوم عنداللّٰه مشفوع
ما کان عند غداۃ الطف اذ حضروا　　تلك المنایا ولا عنهن مدفوع

"اگر قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ نے تم سے پوچھ لیا تو انھیں کیا جواب دو گے اور اس دن صرف سچائی سنی جائے گی۔ تم نے میری عترت کی نصرت نہ کی اور غائب ہو گئے اور خدا کے سامنے سب حقیقت آشکار ہوگی۔ تم لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ظالموں کے حوالے کر دیا اور خدا کی بارگاہ میں کوئی تمہاری سفارش نہ کرے گا۔ موت کے وقت معرکۂ کربلا کے دوران کوئی ان کے پاس یار و مددگار نہ تھا اور کسی نے ان سے مصائب کو دُور نہ کیا"۔

یہ سن کر تمام حاضرین رونے لگے اور اس دن سے زیادہ کسی کو گریہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ ①

ان کی بہن اور حضرت عقیلؑ کی بیٹی زینبؑ نے گریہ وزاری کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم　　ماذا فعلتم وانتم آخر الامم
بعترتی وباهلی بعد مفتقدی　　منهم اساری ومنهم ضرجو ابدم
ما کان هذا جزائی اذ نصحت لکم　　ان تخلفونی بسوٓ فی ذوی رحمی ②

---

① امالی شیخ طوسیؒ: ص ۵۵، ابن شہر آشوب نے "المناقب" ج ۲، ص ۲۲۷ پر اس بی بی کا نام اسماء تحریر کیا ہے۔

② ان الفاظ کے ساتھ یہ ابیات الشعر ابن نما کی کتاب "مثیر الاحزان" ص ۵۱، ابن طاؤوسؒ کی کتاب "الملہوف" ص ۹۶، اور ابن اثیر کی کتاب "الکامل" ج ۴، ص ۳۶ پر مذکور ہیں۔ ابن اثیر کے مطابق یہ حضرت عقیلؑ بن ابی طالبؑ کی بیٹی کے اشعار ہیں اور ابو ریحان البیرونی کی کتاب "الآثار الباقیہ" ص ۳۲۹ پر بھی یہ ابیات الشعر یوں ہی مذکور ہیں۔ جب کہ ابن جریر نے "تاریخ طبری" ج ۶، ص ۲۶۸ پر صرف پہلا اور دوسرا بیت الشعر ذکر ہے۔ "عیون الاخبار" ج ۱، ص ۲۱۲ پر ابن قتیبہ کی روایت کے مطابق ان اشعار اور اس کے کہنے والے میں اختلاف ہے۔ "مقتل الخوارزمی" ج ۲، ص ۷۶ پر مذکور ہے کہ پہلے دو ابیات الشعر حضرت عقیلؑ کی بیٹی حضرت زینبؑ نے پڑھے تھے اور دوسری روایت کے مطابق حضرت عقیلؑ کی کسی بیٹی نے یہ اشعار پڑھے تھے۔ پھر چار ابیات الشعر مذکور ہیں اور چوتھا شعر یہ ہے:

ضیعتم حقنا واللّٰه اوجبه　　وقد رعی الفیل حق البیت والحرم

ابن شہر آشوب نے "المناقب" میں ان اشعار کو امیر المومنین حضرت علیؑ کی بیٹی حضرت زینبؑ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ انھوں نے کوفہ میں اپنے خطبہ کے بعد یہ تین ابیات الشعر پڑھے تھے۔

"تم لوگ اس وقت پیغمبرؐ خدا کو کیا جواب دو گے جب وہ تم سے پوچھیں گے کہ اے آخری اُمت! تم نے میرے بعد میری عترت و اہلِ بیتؑ سے کیا سلوک کیا، ان میں سے بعض کو اسیر بنایا اور بعض کو خاک و خون میں غلطاں کیا۔ میں نے تم کو اپنے اہلِ بیتؑ کے متعلق جو نصیحت کی تھی کیا اس کی یہی جزا ہے کہ تم میرے بعد میرے قرابت داروں سے بدسلوکی کرو"۔

حضرت اُم البنین علیہا السلام

مؤلف کہتے ہیں کہ مجھے ایسی معتبر نصوص نہیں ملی ہیں جو اس بات پر دلالت کریں کہ واقعۂ کربلا کے وقت حضرت اُم البنینؑ زندہ تھیں مگر تین اقوال کی بنیاد پر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ واقعہ کربلا کے وقت زندہ تھیں اور وہ تین اقوال درج ذیل ہیں:

پہلا قول: یہ قول علامہ محمد حسن قزوینی نے "ریاض الاحزان" ص ۶۰ پر ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی زوجہ اور حضرت عباس علیہ السلام اور آپؑ کے دیگر بھائیوں کی والدہ گرامی حضرت فاطمہ اُم البنینؑ کے گھر میں مجلسِ عزا برپا ہوتی تھی اور وہاں پر شہدائے کربلا کے مصائب بیان کیے جاتے تھے۔

دوسرا قول: یہ قول سماوی نے "ابصار العین" ص ۳۱، پہلے ایڈیشن میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عباسؑ کی والدہ حضرت فاطمہ اُم البنینؑ کے ان مرثیوں کو پڑھ کر میرا دل بھر آیا جو ابوالحسن اخفش نے "شرح الکامل" میں بیان کیے ہیں۔ حضرت فاطمہ اُم البنینؑ روزانہ جنت البقیع جا کر مظلومانِ کربلا کا سوگ اور غم مناتی تھیں۔ آپؑ حضرت عباسؑ کے بیٹے عبداللہ کو اُٹھا کر ساتھ لے جاتیں اور آپؑ کے مرثیوں کو سننے کے لیے مدینہ کے لوگ جنت البقیع میں اکٹھے ہو جاتے تھے۔ ان لوگوں میں مروان بن حکم بھی شامل ہوتا اور وہ لوگ ان مصائب پر گریہ وزاری کرتے۔

← سبط ابن جوزی کی کتاب "تذکرۃ الخواص" ص ۱۵۱ پر مذکور ہے کہ حضرت عقیلؑ کی بیٹی حضرت زینبؑ نے یہ اشعار پڑھے اور پھر چار ابیات ذکر کیے۔ اس کی روایت کے مطابق چوتھا بیت الشعر یہ ہے:

ذریتی وبنوعی بمضیعة منهم اساری وقتلی ضرجوا بدم

ابن حجر الہیثمی نے "مجمع الزوائد" ج ۲، ص ۲۰۰ پر تین اشعار کو حضرت عقیلؑ کی بیٹی حضرت زینبؑ کی طرف منسوب کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ ابوالاسود الدولی نے کہا:

اقول وزادنی حنقًا وغیظًا ازال الله مالك بنی زیاد

وابعدهم کما بعدوا وخانوا کما بعدت ثمود وقوم عاد

ولا رجعت رکائبهم الیهم اذا وقفت الی یوم التناد

شیخ مفیدؒ کی کتاب "الارشاد" میں ہے کہ جب حضرت عقیلؑ کی بیٹی اُم لقمان نے حضرت امام حسینؑ کے قتل کی خبر سنی تو وہ اپنی بہنوں اُم ہانی، اسماء، رملہ اور زینب کے ساتھ گھر سے حضرت امام حسینؑ کو روتی پیٹتی ہوئی نکل پڑیں اور پھر ان میں سے تین اشعار ذکر کیے۔

تیسرا قول: ابوالفرج نے "مقاتل الطالبین" میں عقل عباسؑ میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ محمد بن علی بن حمزہ سے منقول ہے کہ اس نے نوفلی سے، نوفلی نے حماد بن عیسیٰ الجہنی سے، حماد بن عیسیٰ الجہنی نے معاویہ بن عمار سے اور معاویہ بن عمار نے جعفر سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اُم البنینؑ جو کربلا میں شہید ہونے والے چار بھائیوں کی ماں ہیں۔ یہ روزانہ جنت البقیع میں جا کر گریہ وزاری اور اپنے شہدا کا غم انتہائی دردناک اور دل جلا دینے والے انداز میں مناتی تھیں۔ آپؑ کو دیکھ کر لوگ آپؑ کے گرد جمع ہو جاتے تاکہ آپؑ کے ان درد بھرے اشعار اور مراثی کو سن سکیں۔ آپؑ کے ان غم انگیز اشعار کو سننے والوں میں مروان بھی آتا تھا اور وہ ہمیشہ آپؑ کے درد بھرے مرثیوں کو سنتا تھا۔

یہ وہ تمام اقوال ہیں جو ہمیں اس حوالے سے میسر آئے ہیں کہ جن کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ واقعۂ کربلا کے وقت زندہ تھیں۔

پس! پہلا قول تو اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ آپؑ اس وقت زندہ تھیں بلکہ اس قول کا مقصد صرف یہ بتاتا ہے کہ حضرت اُم البنینؑ کے گھر میں شہدائے کربلا کی مجلسِ عزا اور سوگ کا اہتمام کیا جاتا تھا اور یہ کہ حضرت اُم البنینؑ بھی اس مجلس میں موجود ہوتی تھیں تو اس قول میں یہ بات واضح نہیں کی گئی۔ اسی طرح ابوالفرج نے جو روایت یا حکایت بیان کی ہے اس کو بھی قبول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس نے اس کو نقل کرتے ہوئے زیادہ تحقیق اور جانچ پڑتال نہیں کی۔

دوسرے قول کے حوالے سے یہ واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ اس نے یہ قول ابوالفرج سے نقل کیا ہے کیونکہ سماوی کی کتاب "ابصار العین" میں بعینہٖ وہی نص وعبارت ہے جو ابوالفرج کی کتاب "مقاتل الطالبین" میں مذکور ہے۔ تو پس! پھر اس موضوع پر کوئی دوسری رائے نہیں ہوسکتی...... اور "شرح الکامل" جسے اخفش کی طرف منسوب کیا گیا ہے، میں نے سوانح حیات / سرگزشت لکھنے والے کسی مصنف کی کتاب میں اخفش کی اس کتاب کے متعلق عبارت نہیں دیکھی یہاں تک کہ جس سیرت نگار نے بھی اخفش کے متعلق تحریر کیا ہے۔ میں نے ایسی بہت سی کتابوں میں اخفش کی "شرح الکامل" کے متعلق جستجو کی لیکن مجھے کہیں بھی اس کی اس کتاب کا نام نہیں ملا۔

مؤلف (سیّد عبدالرزاق المقرّم) کہتے ہیں کہ میں نے خود کئی دفعہ شیخ سماوی سے اس شرح الکامل کے متعلق پوچھا ہے کہ یہ کہاں سے ملے گی لیکن وہ ہمیشہ آگے سے خاموش ہو گئے اور انھوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا پھر یہاں تک کہ میں نے ان سے ایک دن اپنے دل کی بات صاف صاف کہہ دی کہ یہ اشعار آپ کے اپنے ہیں اور انھوں نے اس کے ذریعے اپنا مقصود بیان کرنا چاہا۔ بہرحال خدا ان کا اجر ضائع نہیں کرے گا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ انھیں اس کا اجر عطا فرمائے۔

اسی طرح علامہ مجلسی نے بھی "بحار الانوار" ج ۱۰، ص ۲۰۱ پر یہ روایت ابوالفرج سے نقل کی ہے۔ اور ابوالفرج نے اس حوالہ سے جو روایت بیان کی ہے اس میں درج ذیل خامیاں ہیں:

① ابوالفرج اپنی روایات کے سلسلہ میں اسناد میں موجود راویوں کی وثاقت (اطمینان بخش کیفیت) کا خیال نہیں رکھتا۔ پس ! درج بالا روایت میں نوفلی سے مراد یزید بن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ہے، جس کے متعلق ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" ج ۱۱، ص ۳۴۷ میں احمد سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بہت زیادہ خلاف شریعت افعال سرانجام دیتا تھا، اور ابوزرعہ کے نزدیک یہ ضعیف الحدیث ہے اور یہ زیادہ تر ایسی باتیں نقل کرتا تھا جسے دوسرے راویوں نے بیان نہیں کیا ہوتا۔ ابوحاتم کہتا ہے کہ اس کی زیادہ تر روایات مجہول ہوتی ہیں، اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ متروک الحدیث ہے۔

معاویہ بن عمار بن ابی معاویہ کے متعلق "تہذیب التہذیب" ج ۱۰، ص ۲۱۴ پر ہے کہ ابوحاتم نے کہا ہے: اس کی روایت کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا، اور اگر اس کے بارے میں مزید جاننا ہو تو وہ یہ ہے کہ یہ مجہول الحال ہے۔

② حضرت اُم البنینؑ نے سیدالاوصیاء حضرت علی علیہ السلام اور جوانانِ جنت کے سرداروں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ سے معارف الٰہیہ اور آدابِ محمدیہ کا کسب فیض کیا تھا اور وہ یقین کے بلند ترین درجات پر فائز تھیں۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرسکتیں جو قانونِ شریعت کے خلاف ہو اور جس سے شریعت نے روکا ہو، جیسے عورت کا بغیر ضرورت کے خود کو نامحرم کے سامنے پیش کرنا حرام ہے۔ یہ ایک بدیہی (فطری) امر ہے کہ عورت کے لیے یہ ضروری ہے کہ جب اس کا کوئی عزیز فوت ہوجائے تو وہ اس کا سوگ اور غم منانے کے لیے گھر میں بیٹھی رہے اور یوں خود کو نامحرموں کی نظر سے بچائے اور جب تک ضرورت درپیش نہ ہو اپنی آواز نامحرم کو سنانے سے گریز کرے۔ جیسا کہ ایک دفعہ ابوخالد کابلی نے حضرت امام سجادؑ کے گھر کا دروازہ کھلا ہونے پر حیرت کا اظہار کیا تو حضرت امام سجادؑ نے ابوخالد کابلی سے فرمایا: "اے ابوخالد! ہماری ایک پڑوسن ابھی ہمارے گھر سے نکلی ہے اور اسے یہ پتا نہ چلا کہ اس نے دروازہ بند نہیں کیا اور رسولِ خداؐ کی بیٹیوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ باہر نکلیں اور دروازہ بند نہ کریں"۔ (مدینۃ المعاجز: سیّد ہاشم بحرانی، ص ۳۱۸، حدیث ۸۶)

تو پھر جس نے اہلِ بیتؑ کے گھر میں پرورش پائی ہو اور ان کے آداب سے خود کو مؤدب بنایا ہو، وہ ان کے طور طریقوں سے ہرگز تجاوز نہیں کرسکتا۔ اس لیے حضرت اُم البنینؑ کی ذات پر یہ شک کرنا ممکن نہیں کہ انھوں نے ان الٰہی حدود سے تجاوز کیا ہو جو شریعت نے عورتوں کے لیے متعین کی ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو مدینہ کے سرداروں نے اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے بابا کا غم منانے کے لیے مدینہ سے باہر بقیع کی طرف چلی جائیں تو امیرالمومنین حضرت علیؑ نے آپؑ کے لیے کھجور کی شاخوں سے ایک حجرہ بنایا تا کہ وہ

اس کے ذریعے نامحرموں کی نظر سے محفوظ رہیں، اسے "بیت الاحزان"① کا نام دیا جاتا ہے۔ مؤرخین نے یہ بیان نہیں کیا کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے غم کو سننے کے لیے لوگ آتے ہوں اور وہ آفتاب نبوت کے غروب ہوجانے، آسمانی وحی کے منقطع ہوجانے اور الٰہی وعظ و نصیحت کے مٹ جانے پر گریہ وزاری کرتے ہوں۔

③ بے شک کوئی بھی عورت اپنے فوت ہوجانے والے عزیز کی قبر پر روتی ہے اور کسی نے یہ بات نقل نہیں کی کہ کوئی عورت کسی دوسرے قبرستان میں جا کر اپنے بہت ہی قریبی عزیز کو رو رہی ہو، جب کہ وہ شخص کسی اور قبرستان میں دفن ہو اور یہ عادت ہر دور میں ایک جیسی ہے۔ ابوالفرج کا حضرت اُم البنینؑ کی طرف اس بات کا منسوب کرنا کہ آپؑ جنت البقیع میں شہدائے کربلا کا سوگ منانے کے لیے جاتی تھیں، یہ اس کا واضح طور پر بہتان ہے جب کہ اس بات پر کوئی دلیل نہیں۔ ابوالفرج کا اس واقعہ کو بیان کرنے کا ہدف اور مقصد یہ بتلانا مقصود ہے کہ مروان بن حکم نرم دل تھا کیونکہ کسی کی آنکھ سے آنسو تب نکلتا ہے کہ جب وہ اپنے کسی پیارے عزیز یا ساتھی پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کا تصور کرتا ہے تو اس شخص سے ایک خاص تعلق کی بنا پر اس کا دل پس جاتا ہے اور اس کی عاطفت اور جذبات جوش کھاتے ہیں تو بہت جلد اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور وہ گریہ وزاری کرتا ہے جب کہ مروان وہ شخص تھا جس کے دل کو حضرت امام حسینؑ کے قتل سے ٹھنڈک پہنچی۔ اس نے جب حضرت امام حسینؑ کے سر مبارک کو دیکھا تو یہ اشعار پڑھتے ہوئے آپؑ کے قتل پر خوشی کا اظہار کیا۔

یاحبذا بردك فی الیدین ولونك الاحمر فی الخدین

کانه بات بعسجدین شفیت نفسی من دم الحسین

"اے حسینؑ! تمھارے کٹے ہوئے سر کی ٹھنڈک اور تمھارے رخساروں کی سرخی کتنی اچھی لگتی ہے گویا کہ تمھیں دنیا و آخرت کی عزت مل گئی ہو اور حسینؑ کے قتل سے میرے دل کو ٹھنڈک پہنچی ہے"۔

④ ابوالفرج نے "مقاتل الطالبین" میں اپنی ہی بات کو رد کیا ہے کہ جب وہ حضرت عباسؑ کی شہادت کے ضمن میں یہ کہتا ہے کہ حضرت عباسؑ اپنے مادری و پدری بھائیوں میں سے سب سے آخر میں شہید ہوئے ہیں اور حضرت عباسؑ نے

---

① ابوالحسن علی بن ابی بکر الہروی کی کتاب "الاشارات لمعرفۃ الزیارات" ص ۹۳ پر مذکور ہے کہ بقیع میں حضرت فاطمہ علیہا السلام کا بیت الاحزان ہے۔ سمہودی کی کتاب "وفاء الوفاء" ج ۲، ص ۱۰۳، مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ میں ابن جبیر سے منقول ہے کہ حضرت عباس (بن عبدالمطلب) کے گنبد کے قریب وہ بیت الحزن ہے جہاں حضرت فاطمہ علیہا السلام اپنے بابا جان کی وفات کے بعد جا کر غم مناتیں اور گریہ کرتیں۔ ابوبکر خوارزمی کی کتاب "العلوم" کے حاشیہ، ص ۱۹۱، پہلا ایڈیشن ۱۳۱۰ھ پر ابوعبداللہ محمد بن احمد المقری الانباری کی کتاب "الاخبار من نوادر الاخبار" کے حوالہ سے مذکور ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے مدینہ کے باہر کھجور کے درخت کی شاخوں سے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے لیے ایک حجرہ بنایا جہاں پر وہ اپنے بابا رسولِ خدا کو روتی تھیں۔ ابن ہمام الحنفی نے "فتح القدیر" ج ۲، ص ۳۲۸ پر تحریر کیا ہے کہ بقیع میں مسجد فاطمہ بنت رسول اللہ میں لوگ نماز پڑھتے ہیں اور یہ "بیت الاحزان" کے نام سے معروف ہے۔

اپنے بھائیوں کی میراث پائی۔

ابوالفرج کی یہ روایت مصعب زبیری کی اس نص کے موافق ہے جو اس نے اپنی کتاب نسب قریش ص ۴۳ پر ذکر کی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں کی میراث پائی کیونکہ ان کے بھائیوں کی کوئی اولاد نہ تھی اور حضرت عباسؑ کا بیٹا عبیداللہ ان کا وارث بنا۔ اس وقت محمد حنفیہ اور عمر اطرف زندہ تھے اور محمد حنفیہ نے عبیداللہ کے چچاؤں کا ترکہ عبیداللہ کے حوالے کر دیا جب کہ عمر نے اپنا ترکہ اس کے حوالے نہ کیا یہاں تک کہ اس سے صلح کی اور اپنے حق سے راضی ہوا۔

ابونصر بخاری نے "سر السلسلۃ علویہ" ص ۸۹، مطبعہ حیدریہ نجف اشرف میں بیان کیا ہے کہ معرکۂ کربلا کے دن حضرت عباسؑ کے بھائیوں جعفر، عثمان اور عبداللہ نے حضرت امام حسینؑ کی ہمراہی میں جنگ کی اور سب نے جامِ شہادت نوش کیا اور ان سب کے وارث حضرت عباسؑ قرار پائے۔ پھر حضرت عباسؑ بھی شہید ہو گئے تو ان سب کی میراث کے حق دار حضرت عباسؑ کے بیٹے عبیداللہ قرار پائے۔

یہ بات ہمیں اس بات کا اطمینان دلاتی ہے کہ واقعۂ کربلا کے وقت حضرت اُم البنینؑ کی وفات ہو چکی تھی کیونکہ اگر آپؑ زندہ ہوتیں تو حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی میراث حضرت اُم البنینؑ کو ملتی کیونکہ آپؑ ان کی والدہ تھیں اور حضرت عباسؑ ان کے وارث اور میراث کے حق دار قرار نہ پاتے، اسی طرح پھر یہ میراث ان کے بیٹے عبیداللہ تک منتقل نہ ہوتی۔ محمد حنفیہ کا عبیداللہ سے چچاؤں کی میراث کے بارے میں نزاع (جھگڑا) نہ کرنا شریعت کے عین مطابق تھا کیونکہ حضرت عباسؑ اپنے شہید ہونے والے بھائیوں سے ماں اور باپ کی طرف سے دوسببی رشتے رکھتے تھے جب کہ محمد حنفیہ ان کے ساتھ صرف باپ کی طرف سے رشتہ رکھتے تھے۔ میراث میں دوسببی رشتے رکھنے والا ایک سببی رشتہ رکھنے والے پر مقدم ہوتا ہے اور عمر الاطرف اس مسئلے کو نہیں سمجھتے تھے، اگرچہ وہ باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ کے بیٹے تھے۔ ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس مسئلے میں اُمت کے امام حضرت زین العابدینؑ کی طرف رجوع کرتے تاکہ گمراہی و ہلاکت میں نہ پڑتے بشرطیکہ یہ بات درست ہو جو عمر الاطرف کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ انھوں نے میراث کی تقسیم میں جھگڑا کیا تھا۔ شاید "عمدۃ الطالب" مطبوعہ نجف اشرف میں جو مذکور ہے وہ اس بات کی تائید کرتا ہو۔ وہاں پر یہ مذکور ہے کہ عمر بن اطرف زرد رنگ کا لباس پہنے ہوئے لوگوں کی طرف یہ کہتے ہوئے نکلے: "میں عقل مند مرد ہوں کیونکہ میں جنگ کے لیے باہر نہیں نکلا تھا ورنہ مارا جاتا"۔

ابوالفرج کے کلام میں واضح تضاد پایا جاتا ہے کیونکہ جب وہ یہ لکھتا ہے کہ حضرت اُم البنینؑ روزانہ جنت البقیع میں جاتیں اور وہاں پر اپنی اولاد کا سوگ مناتیں۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت اُم البنینؑ واقعۂ کربلا کے وقت زندہ تھیں۔ پھر وہ دوسری جگہ پر لکھتا ہے کہ حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی میراث حضرت عباسؑ کو ملی اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معرکۂ کربلا کے وقت ان کی وفات ہو چکی تھی۔ ابوالفرج کے کلام میں کس قدر تضاد پایا جاتا ہے!

حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار علیہ السلام

ابن جریر کہتا ہے: جب حضرت امام حسینؑ کے قتل کی خبر مدینہ پہنچی تو حضرت عبداللہ ابن جعفر طیارؓ نے آپؑ کے غم اور سوگ میں مجلس عزاء کا انعقاد کیا اور لوگ آپ کے پاس تعزیت کے لیے آنے لگے تو آپ کے غلام ابوالسلاس[1] نے کہا: یہ سب مصیبت ہم پر حضرت امام حسینؑ کی وجہ سے آئی ہے۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے اپنے جوتے سے اس کی خوب پٹائی کی اور فرمایا: اے بدبودار ماں کے بیٹے! کیا تو حضرت امام حسینؑ کے بارے میں یہ بات کرتا ہے؟! خدا کی قسم! اگر میں آپؑ کے ساتھ کربلا میں موجود ہوتا تو میں بھی اس بات کو پسند کرتا کہ اس وقت تک آپؑ سے جدا نہ ہوں جب تک آپؑ کے قدموں میں شہادت نصیب نہ ہو لیکن خدا کی قسم! مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میرے دو بیٹے میرے بھائی اور چچازاد حضرت امام حسینؑ کی رفاقت میں آپؑ سے ہمدردی اور صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ پھر آپ اس مجلس میں موجود افراد سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: تمام حمد وثناء اللہ کے لیے ہے۔ یقیناً! یہ بات میرے لیے سخت تکلیف دہ ہے کہ میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ میدان کربلا میں مواسات و ہمدردی کا اظہار نہ کرسکا لیکن مجھے اس بات نے تسلی دی ہے کہ میری اولاد میں سے میرے دو بیٹوں نے آپؑ کے ساتھ ہمدردی اور مواسات کا اظہار کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا ہے۔[2]

تاریخ کی اس بات پر تعجب ہوتا ہے جو بلاذری[3] اور محسن تنوخی[4] نے ذکر کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ یزید (ملعون) سے ملنے کے لیے گئے اور یزید (ملعون) نے اپنے باپ معاویہ سے زیادہ ان کی عزت و تکریم کی۔

جو شخص حضرت عبداللہ ابن جعفر طیارؓ کے مزاج اور نفسیات کے متعلق تاریخ میں پڑھتا ہے، اس پر یہ آشکار ہو جاتا ہے کہ یہ قصہ جھوٹا ہے جو مدائنی نے بیان کیا ہے اور بلاذری اور تنوخی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی شخص جو اپنے عزیزوں کو خاک و خون میں غلطاں دیکھے یا ان کے متعلق ایسا سنے اور ان کی کوئی مدد نہ کرسکے اور صرف ان پر غم زدہ رہے تو وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ جب ان ظالموں سے اپنے عزیزوں کے خون کا انتقام لے سکے۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو اس بات پر شاہد ہے کہ جب اُبی نے وہ گفتگو کی جو قرآن مجید کی زبانی درج ذیل ہے:

---

1. "الارشاد" شیخ مفیدؒ اور "کشف الغمہ" اربلی، ص ۱۹۰ پر اس کا نام ابوالسلاسل ہے۔
2. تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۱۸
3. انساب الاشراف: ج ۳، ص ۳
4. المستجار من فعلات الاجواد: ص ۲۲

لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (سورۂ منافقون: آیت ۸)

"جب ہم مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو وہاں سے عزت دار لوگ ذلیل ترین کو نکال باہر کریں گے"۔

اس آیت کے نزول کے بعد عبداللہ رسولؐ خدا کے پاس آیا اور عرض کیا: کیا آپؐ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اُبی نے یہ بات کہی ہے؟ رسولؐ خدا نے فرمایا: جی ہاں۔ تو عبداللہ نے عرض کیا: آپؐ جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ اپنے باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک اور نیکی کرنے والا کوئی نہیں ہے، لہٰذا اگر آپؐ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے قتل کا حکم مجھے دیں کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں آپؐ میرے علاوہ کسی اور کو یہ حکم نہ دے دیں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو دیکھوں، پھر اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دوں اور جہنم کی آگ میں چلا جاؤں۔ (اسد الغابہ: ج ۳، ص ۹۷)

یہ قصہ ہمیں ایک انسان کی فطرت کے بارے میں آگاہی دیتا ہے کہ مقتول کے وارث اس کے قاتل سے کس قدر نفرت کرتے ہیں کہ وہ اپنے مقتول کے خون کا بدلہ لینے کے لیے موقع کی تاڑ میں رہتے ہیں اگرچہ اس کو شرک کی بنا پر ہی قتل کیوں نہ کیا گیا ہو۔ یقیناً لوگوں پر یہ جبلت و فطرت غالب ہوتی ہے۔

ایک دفعہ عمر بن خطاب ایک رات سعید بن عاص کے ہاں حضرت عثمان، حضرت علیؑ اور ابن عباس کے ساتھ اکٹھے تھے تو عمر بن خطاب نے سعید بن عاص سے کہا: تم کو مجھ سے کیا مسئلہ ہے؟ تم مجھ سے دُور دُور کیوں رہتے ہو؟ جیسے میں نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے! حالانکہ میں نے تمہارے باپ کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ ابوالحسن (حضرت علیؑ) نے اسے قتل کیا تھا۔

یہ سن کر امیر المومنینؑ نے فرمایا: اے پروردگار! ان کو بخش دے، شرک اور اس گناہ کے اثرات اب ڈھل چکے ہیں اور اسلام قبل از اسلام کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اے عمر! تم ان باتوں سے دلوں کو انتقام پر کیوں برانگیختہ کر رہے ہو؟!

اس پر سعید نے کہا: میرے باپ کو اس کے ہم پلہ اور کریم شخص نے قتل کیا تھا اور ان کا میرے باپ کو قتل کرنا مجھے زیادہ پسند ہے بجائے یہ کہ اسے عبد مناف کی اولاد کے علاوہ کوئی اور شخص قتل کرتا۔ ①

سعید کے لیے اپنے باپ کے قتل کو یاد کرنا ایک آسان امر نہ تھا حالانکہ اس کا باپ کافر تھا اور امیر المومنین حضرت علیؑ نے اسے نبی اکرمؐ کے حکم پر قتل کیا تھا جب کہ اس کا قاتل ایک باعزت اور فضائل و مناقب کا پیکر شخص تھا۔ انھوں نے اپنے رب کے حکم اور خدا کی طرف سے جبرئیلؑ کے ذریعے رسولؐ خدا کی طرف وحی کے بعد اُسے قتل کیا تھا۔ جب کہ سعید امیر المومنین حضرت علیؑ کی عادلانہ تلوار کے خوف کی وجہ سے ظاہری طور پر آپؑ کے اس عمل پر رضامندی ظاہر کر رہا تھا، دراصل وہ اپنے باپ کے قتل کے انتقام میں جل رہا تھا اور کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا، جب وہ اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لے سکے۔

بغض و کینہ کی یہ آگ اس (سعید بن عاص) کے بیٹے عمرو بن سعید (اشدق) کی زبانی اس دن ظاہر ہوئی جب وہ

---

① "شرح نہج البلاغۃ" ابن ابی الحدید: ج ۳، ص ۳۳۵، پہلا ایڈیشن مطبوعہ مصر۔ "تہذیب تاریخ ابن عساکر" ج ۶، ص ۱۳۴، سعید ابن عاص کے تذکرہ میں

یزید (ملعون) کی طرف سے مدینہ کا گورنر مامور ہوا۔ اس (ملعون) نے رسولؐ خدا کی ضریحؑ کی طرف اپنا چہرہ کر کے اپنی لمبی زبان سے بلند آواز میں کہا: یو مربیو م بدریا رسول اللہ "اے اللہ کے رسولؐ! آج کا دن جنگ بدر کے دن کا بدلہ ہے"۔

اس نے جب جوانانِ جنت کے سردار حضرت امام حسینؑ پر بنی ہاشم کی مستورات کی آہ وفغاں اور چیخ و پکار سنی تو کہا:

واعیة بواعیة عثمان "یہ چیخ و پکار اس چیخ و پکار کا بدلہ ہے جو عثمان کے قتل پر کی گئی تھی"۔

حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے دل میں میسون کے بیٹے (یزید ملعون) کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور آپؓ چاہتے تھے کہ انھیں کوئی ایسا موقع میسر آئے کہ یزید (ملعون) سے سیدالشہداؑ کے قتل کا بدلہ لے سکیں اور یزید (ملعون)، اس کے خاندان اور اس کی اولاد کو نیست و نابود کر دیں۔

(بے شک!) حضرتِ عبداللہ بن جعفر طیارؓ ہر ایک چیز کو بھول جائیں لیکن وہ سیدالشہدا حضرت امام حسینؑ، آلِ عبدالمطلبؑ کے زمین پر جگمگاتے ستاروں اور اپنے صاحبانِ فضیلت ساتھیوں کو کیسے بھول سکتے تھے۔ آپؓ ریحانۃ الرسول حضرت امام حسین علیہ السلام کے دندانِ مبارک پر یزید (ملعون) کی چھڑی سے گستاخی کرنے کو کیسے بھول سکتے تھے۔ کیا اس صورتِ حال میں حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار یہ برداشت کر سکتے تھے کہ وہ یزید (ملعون) کو اس حالت میں دیکھیں کہ اس کی تلوار سے امامؑ کے چہروں کا خون ٹپک رہا ہو اور آپؓ یہ کیسے سن سکتے تھے کہ یزید (ملعون) رسولِؐ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے اس مصیبت پر خوشی کا اظہار کر رہا ہو جب کہ یزید (ملعون) نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے تھے:

قد قتلنا القوم من ساداتهم وعدلنا میل بدر فاعتدل

"ہم نے ان کے بڑے سرداروں کو قتل کر دیا ہے اور ہم نے جنگِ بدر کا حساب برابر کر دیا ہے"۔

پھر اس (یزید ملعون) نے رسالت کا انکار کرتے ہوئے کہا:

لعبت هاشم بالملك فلا خبر جاء ولا وحی نزل

"بنو ہاشم نے بادشاہت کے لیے یہ (نبوت و رسالت کا) ڈھونگ رچایا تھا حالانکہ نہ کوئی خدا کی طرف سے پیغام آیا تھا اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی تھی"۔

کیا حضرت عبداللہ ابن جعفر طیارؓ دن اور رات میں کسی وقت بھی یہ بھول سکتے ہیں کہ نبیؐ کی بیٹیاں اس حالت میں کھڑی تھیں کہ ہر ایک نزدیک اور دُور سے ان کے چہروں کو دیکھ رہا تھا حالانکہ لوگ جانتے تھے کہ یہ لوگ صاحبانِ شرف و فضیلت اور دین کا قلعہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کا یزید ملعون کے دربار میں جانا، اس بات کو جو چیز ضعیف اور ناقابلِ اعتبار قرار دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس روایت کو بیان کرنے والا مدائنی ہے جو کہ بنواُمیہ کا وفادار اور حُب دار تھا۔ اس کی تمام کتب ایسی

روایات سے بھری پڑی ہیں جو خاندانِ بنو اُمیہ کی شان کو بڑھاتی اور خاندانِ علیؑ کی شان کو گھٹاتی ہیں۔ ان من گھڑت روایات کی طرف صرف وہی شخص متوجہ ہوسکتا ہے جو علم الرجال اور راویوں کی شخصیت سے خوب آگاہی رکھتا ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عباس

جب یزید (ملعون) کو یہ پتا چلا کہ عبداللہ ابن عباس نے عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کرنے سے انکار کردیا ہے تو اس نے حضرت عبداللہ ابن عباس کو خط تحریر کیا:

''امابعد! مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ ملحد ومنحرف ابن زبیر نے تم کو اپنی بیعت اور اطاعت میں داخل ہونے کے لیے بلایا تھا تاکہ تم باطل کے قوت بازو بنو اور اس کے گناہ میں شریک رہو لیکن تم نے اس کی بیعت کرنے سے انکار کردیا اور تم اس سے دُور ہوگئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ہم اہلِ بیت کے حق کی معرفت عطا کی۔ پس! تمھیں خدا ان لوگوں میں سے افضل ترین جزا عطا کرے جو صلہ رحمی کرنے والوں اور وعدہ وفا کرنے والوں کو دی جاتی ہے۔ میں جس قدر بھی تمام چیزیں بھول جاؤں لیکن تمھاری اس نیکی اور بخشش کو نہیں بھولوں گا کہ جس کے تم اطاعت وشرف اور رسولؐ سے قرابت داری کی بنا پر حق دار ہو۔ پس! دیکھو تمھاری قوم کا جو فرد بھی تمھارے پاس آئے اور روئے زمین کے افراد میں سے جو بھی ابن زبیر کی سحر بیانی اور اس کی باتوں کی طمع کاریوں سے متاثر ہوکر تمھارے پاس آئے تو تم ان لوگوں کو ابن زبیر (ملعون) سے دُور اور بچا کر رکھنا کیونکہ وہ لوگ اس ملحد اور اسلام سے خارج ہونے والے شخص سے زیادہ تمھاری اطاعت کرتے ہیں اور اس سے زیادہ تمھاری بات کو توجہ سے سنتے ہیں۔ والسلام''۔

پھر ابن عباس نے اس (یزید لعین) کے خط کا جواب یوں تحریر کیا:

''میرے پاس تمھارا خط پہنچا جس میں تُو نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابن زبیر نے مجھے اپنی بیعت کے لیے بلایا تھا اور مَیں نے تمھارے حق کو پہچاننے کی وجہ سے اس کی بیعت سے انکار کردیا حالانکہ مَیں نے تجھ سے نیکی کی خاطر ایسا نہیں کیا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ میری نیت سے خوب واقف ہے۔ اور تُو نے مجھے یہ تحریر کیا ہے کہ میں لوگوں کو تمھاری طرف راغب کروں اور ابن زبیر سے منحرف اور باز رکھوں حالانکہ ایسا نہیں ہے اس میں تمھارے لیے کوئی خوشی اور بہتری کی بات نہیں ہے، تمھارے منہ میں خاک ہو۔ جب تم خود اپنی خواہشات کو سنتے ہو تو تمھاری رائے کمزور ہوتی ہے۔ تم غلطی پر ہو اور نابود ہوجاؤ گے!! اور تم نے مجھے جو یہ تحریر کیا ہے کہ میں تمھاری نیکی کو نہیں بھولوں گا تو اے انسان! تم اپنی نیکی کو اپنے ہی پاس رکھو کیونکہ میں بھی تم سے محبت اور اپنی نصرت کو روکے ہوئے ہوں۔ مجھے میری جان کی قسم!

تمھارے پاس ہمارے مال و متاع اور حقوق میں سے جو کچھ ہے، اس میں تُو بہت کم ہمیں دیتا ہے اور اس کا ایک بہت بڑا حصّہ تم روکے ہوئے ہو۔ تُو غم کی خبر سنے......

کیا تُو میرے بارے میں یہ تصور کرتا ہے کہ میں تمھارا حضرت امام حسینؑ اور بنوعبدالمطلب کے جوانوں کو شہید کرنا بھول جاؤں گا کہ جو روشن چراغ، ہدایت کے ستارے اور تقویٰ و پرہیزگاری کے نشان تھے۔ تمھارے لشکر نے تمھارے حکم سے انھیں شہید کر دیا اور ان کی لاشیں ایک میدان میں خون میں لت پت چھوڑ دیں اور ان کی لاشوں کو برہنہ بے گوروکفن یونہی چھوڑ دیا جن پر ہوائیں چلتی تھیں اور درندے ان کی حفاظت کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکفین و تدفین کے لیے ایک ایسی قوم کو بھیجا جو ان کے خون بہانے میں شریک نہ تھی اور ان لوگوں نے انھیں کفن پہنائے اور دفن کیا۔

خدا کی قسم! میرے اور اُن کے ذریعے تم پر خدا کا عذاب نازل ہوگا اور میں جس قدر بھی چیزوں کو بھول جاؤں لیکن میں یہ نہیں بھول سکتا کہ تم نے کوفہ والوں پر حرام زادے باپ کے حرام زادے بیٹے (عبیداللہ ابن زیاد لعنہما اللہ) کو مسلط کیا جس کی ماں بدکار اور فاجرہ تھی اور وہ شخص باپ اور ماں کی طرف سے کمینہ تھا اور اس میں دُور دُور تک رحم کا نام ونشان نہ تھا۔ اور تمھارے باپ نے اس پر اپنا دعویٰ کر کے دنیا و آخرت میں ذلت و رُسوائی اور گناہ کمایا کیونکہ رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ ہر بچہ اپنے حقیقی شرعی باپ کا ہوتا ہے اور زانی کو سنگسار کرنا چاہیے لیکن تمھارے باپ نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ کسی دوسرے کا بیٹا ہوتا ہے اور زانی کو سنگسار نہیں کیا جاتا اور زانی کا بھی اپنے ناجائز بیٹے سے ویسے ہی تعلق ہوتا ہے جیسے کسی بچے کا اپنے شرعی باپ سے ہوتا ہے۔ تمھارے باپ نے جہالت کے باعث سنت رسولؐ کو ختم کیا اور جان بوجھ کر گمراہ بدعتوں کا احیا کیا۔

میں اگر سب چیزیں بھول جاؤں تو بھول جاؤں لیکن اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ تُو حضرت امام حسینؑ کو حرمِ رسولؐ خدا (مدینہ منورہ) سے نکال کر حرمِ خدا میں لایا اور پھر تُو نے انھیں قتل کرنے کے لیے حرمِ خدا (مکہ معظمہ) میں اپنے آدمی بھیج دیے یہاں تک کہ تُو نے حضرت امام حسینؑ کو مکہ سے نکال کر کوفہ روانہ کروا دیا۔ تُو نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور رسولؐ خدا کے اہلِ بیتؑ سے دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے سواروں کو ان سے لڑنے کے لیے بھیج دیا۔

پھر تُو نے ابن مرجانہ کو خط لکھا کہ گھڑسواروں، پیادوں، نیزوں اور تلواروں کے ساتھ حسینؑ کا استقبال کرنا اور تُو نے اسے یہ بھی لکھا تھا کہ حسینؑ کا کام تمام کرنے میں جلدی کرنا اور اس معاملے کو طول نہ دینا

یہاں تک کہ تُو نے انھیں اور اُن کے ساتھ جوانانِ عبدالمطلب اور اہلِ بیتؑ رسولؐ کو شہید کر دیا جن سے اللہ تعالیٰ نے نجاستوں کو دُور اور صحیح معنوں میں پاک رکھا ہے اور ہم بھی اُن کی طرح ہیں۔ تیرے نالائق اور حق سے رُوگردان آباؤ اجداد کی طرح نہیں ہیں کہ جو گدھوں کے جگر والے تھے اور تم جانتے ہو کہ اہلِ بطحا کی زمانہ قدیم میں عزت تھی اور اب نئے دور میں بھی عزت ہے۔

تم نے حضرت امام حسینؑ کو حرم میں قتل کرنا چاہا لیکن انھوں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ اُن کی وجہ سے حرمِ خدا، حرمِ رسولؐ اور خانۂ کعبہ کی حرمت پامال ہو، اس لیے انھوں نے واپس جانا چاہا لیکن تم نے اُن کے اعوان و انصار کی قلت کو غنیمت جانتے ہوئے انھیں، اُن کے اہلِ بیتؑ اور اصحاب سمیت شہید کر دیا گویا تم ترک یا کابل کے لوگ کو قتل کر رہے تھے!!

تم مجھ سے کیسے یہ اُمید رکھتے ہو کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں اور تُو مجھ سے کیسے نصرت طلب کر رہا ہے جب کہ تُو نے میرے باپ اور چچا کی اولاد کو قتل کیا ہے اور تیری تلوار سے میرے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں جب کہ ہم تجھ سے اپنے خون کے قصاص کے طلب گار ہیں۔ ان شاء اللہ! ہم بہت جلد اس خون کا بدلہ لیں گے اگر تُو نے ہمیں قتل کیا ہے تو کیا ہوا تم سے پہلے لوگوں نے بھی انبیاءؑ کو قتل کیا ہے۔ بے شک! ہمارے شہداء کا قتل انبیاءؑ کے قتل کی طرح ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس خونِ ناحق کا بدلہ لے گا اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی نصرت اور ظالم سے انتقام لینے کے لیے کافی ہے۔ اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ تُو نے عبدالمطلب کی بیٹیوں اور اُن کے چھوٹے بچوں کو غلاموں کی طرح شام بلایا اور تم ایسا کر کے یہ سمجھ رہے تھے کہ تُو ہم پر غالب آ گیا ہے اور ذلیل کر رہا ہے حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے اور ان کے ذریعے تم پر اور تمھارے ماں باپ پر غلامی سے آزادی دلوا کر احسان کیا۔

خدا کی قسم! اگر تم صبح و شام اس حالت میں گزارو کہ تُو میرے ہاتھ کے زخم سے محفوظ ہو گیا ہے لیکن تُو میری زبان کے لگائے ہوئے زخم سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ رسولؐ خدا کی عترت کے قتل کے بعد زیادہ تجھے مہلت نہیں دے گا۔ وہ تجھ سے اس کا بہت جلد سخت مؤاخذہ کرے گا اور تُو دنیا سے گناہ گار اور دھتکارا ہوا اُٹھایا جائے گا۔ پس! جب تک تمھارا بس چلے زندگی گزار لے کیونکہ تُو جو کرتوت کر رہا ہے خدا کے حضور تمھاری ان بداعمالیوں کا حساب بڑھ رہا ہے"۔ [1]

---

[1] یہ خط درج ذیل کتب سے مرتب کیا گیا ہے: "مجمع الزوائد" ابوبکر الہیثمی: ج ۷، ص ۲۵۰، "انساب الاشراف" بلاذری: ج ۴، ص ۱۸، پہلا ایڈیشن۔ "مقتل الحسینؑ" خوارزمی: ج ۲، ص ۷۷، "کامل ابن اثیر": ج ۴، ص ۵۰، ۶۴ھ کے واقعات "مروج الذھب" مسعودی۔

اَسیرانِ آلِ محمدؐ کی کوفہ سے شام کی طرف روانگی

ابن زیاد (ملعون) نے یزید (ملعون) کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ وہ اسے یہ خبر دے کہ حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان کے اہل و عیال کوفہ میں ہیں۔ ہم ان کے متعلق آپ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں تو یزید نے خط میں یہ لکھ بھیجا کہ حسینؑ کے اہل و عیال کو مقتولین کے سروں سمیت میرے پاس بھیج دو"۔ (اللھوف: ص ۹۵ اور ۹۷)

ایک رقعہ تحریر کر کے اس کے ساتھ پتھر باندھ کر اس قید خانے میں پھینکا گیا جہاں پر آلِ محمدؐ قید تھے۔ اس رقعہ میں یہ تحریر کیا گیا کہ: "ہمارا قاصد فلاں دن یزید کی طرف روانہ ہو گیا ہے تاکہ ہم آپ کے متعلق اس کا حکم جان سکیں اور وہ قاصد فلاں دن واپس لوٹے گا۔ پس اگر تم اللہ اکبر کی صدا سنو تو موت کے لیے تیار ہو جاؤ اور اپنی وصیت کر لو ورنہ تم امان میں ہو گے"۔

قاصد شام سے یہ حکم لے کر آیا کہ حضرت امام حسینؑ کی آلؑ کو شام کی طرف روانہ کر دیا جائے۔[1] ابن زیاد (ملعون) نے کوفہ کی ایک جماعت جن میں زجر بن قیس، ابو بردہ بن عوف ازدی اور طارق بن ظبیان شامل تھے، ان کو یہ حکم دیا کہ حسینؑ اور ان کے مقتول ساتھیوں کے سر لے کر یزید کی طرف روانہ ہو جائیں۔[2]

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت امام حسینؑ کا سر مطہر مجر بن مرہ بن خالد بن قناب بن عمر بن قیس بن حرث بن مالک بن عبید اللہ بن خزیمہ بن لوی لے کر یزید (لعین) کی طرف روانہ ہوا تھا۔ (الاصابہ: ج ۳، ص ۴۷۹، مرہ کے تذکرہ کے ضمن میں)

اور ان مقتولین کے سروں کے پیچھے حضرت امام سجاد علی بن حسین علیہ السلام کے دونوں ہاتھ پسِ گردن باندھ کر لے جایا جا رہا تھا اور امامؑ کے ساتھ آپؑ کے اہل و عیال بھی تھے۔[3] ان سب کی حالت یہ تھی کہ ان کے بدن کا گوشت ان تکالیف و

---

[1] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۲۶، جب کہ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۹۶ پر مذکور ہے کہ ابوبکرہ نے بسر بن ارطاہ کو ایک ہفتہ کی مدت پر معاویہ کے پاس بھیجا تو وہ شام سے ساتویں دن واپس لوٹا۔ ابن نما کی "مثیر الاحزان" ص ۷۷ پر ہے کہ عبداللہ ابن عمر نے عمیرہ کو خط دے کر یزید کے پاس بھیجا اور پھر وہ یزید سے یہ خط لکھوا کر ابن زیاد کے پاس پہنچا کہ مختار ثقفی کو قید سے رہا کر دیا جائے جب کہ عمیرہ نے شام سے کوفہ تک کی مسافت گیارہ دنوں میں طے کی تھی۔

[2] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۳، تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۴، البدایہ: ج ۸، ص ۱۹۱، مقتل الحسینؑ خوارزمی، ارشاد شیخ مفیدؒ، اعلام الوریٰ: ص ۱۴۹، اللھوف: ص ۹۷۔

[3] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۴، الخطط المقریزیہ: ج ۲، ص ۲۸۸

مصائب سے پگھل رہا تھا۔ ①

ان اسیروں کے ہمراہ شمر بن ذی الجوشن، محفر بن ثعلبہ عائذی ② شبث بن ربعی اور عمرو بن حجاج کو ایک دستہ کے ساتھ یہ حکم دے کر روانہ کیا گیا کہ تم مقتولین کے اُن سروں سے جا ملو اور راستے میں آنے والے ہر شہر میں ان سروں کی تشہیر کی جائے۔ ③ تو یہ جلدی سے چلتے ہوئے ایک منزل پر ان سے جا ملے۔ ("الارشاد" شیخ مفیدؒ)

ابن لہیعہ نے بیان کیا ہے کہ اس نے ایک شخص کو کعبہ کے پردہ سے لپٹ کر اپنے رب سے فریاد رسی کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس شخص نے خدا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "میں جانتا ہوں کہ تُو مجھے معاف نہیں کرے گا"۔

ابن لہیعہ کہتا ہے: اس کا یہ جملہ سن کر میں اسے ایک طرف لے گیا اور اس سے کہا: تُو پاگل تو نہیں ہے۔ بے شک! اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اگر تمھارے گناہ بارش کے قطروں کے برابر بھی ہوں گے تو بھی خدا تجھے معاف کر دے گا۔

اس پر اس شخص نے مجھے بتایا: جان لو کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو حضرت امام حسینؑ کا سر کوفہ سے شام لے گئے۔ ایک روز رات کے وقت ہم نے اس سر کو رکھ دیا اور خود شراب نوشی کی مستی میں مشغول ہو گئے۔ اس رات شراب پینے کے بعد میرے ساتھی سو گئے لیکن میں اس سر کی حفاظت کر رہا تھا۔ میں نے اس سر کے گرد نور اور کچھ لوگ دیکھے۔ میں یہ منظر دیکھ کر ڈر کر سہم گیا اور خاموشی اختیار کر لی کیونکہ مجھ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ اتنے میں مجھے گریہ وزاری اور چیخ و پکار کی آواز سنائی دی اور کوئی کہہ رہا تھا:

> یا محمد! اِنَّ اللہَ امرنی اَنْ اطیعك فلو امرتنی اَنْ اُزلزل بھؤلاء الارض کما فعلتُ بقوم لوط
>
> "اے محمدؐ! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپؐ کے حکم کی اطاعت کروں۔ پس! اگر آپؐ مجھے حکم دیں تو میں اس زمین کو ان ظالموں پر یوں اُلٹا دوں جیسے میں نے قومِ لوطؑ کے ساتھ کیا تھا"۔

اس پر رسولؐ خدا نے اس کو جواب دیا:

---

① تاریخ القرمانی: ص ۱۰۸، جب کہ یافعی نے "مرآۃ الجنان" ج ۱، ص ۱۳۴ پر لکھا ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ کی بیٹیوں اور ان کے ساتھ امام زین العابدینؑ جو بیمار تھے، کو یوں دھکیلا جا رہا تھا جیسے قیدیوں کو دھکیلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والے کو نی الناز کرے۔ ابن تیمیہ نے تاریخ کی اس مسلمہ حقیقت سے انکار کیا ہے جیسا کہ ذہبی کی کتاب المنتقی من منہاج الاعتدال ص ۲۸۸ پر اس کا قول ہے کہ (حضرت امام) حسینؑ کے قتل کے بعد ابن زیاد (ملعون) نے آپؑ کی مستورات کو واپس مدینہ بھیج دیا۔

② ابن حزم کی "جمھرۃ انساب العرب" ص ۱۶۵ پر ہے کہ اس کا تعلق بنو عائذہ سے ہے اور اس کا پورا نام ونسب یوں ہے: محفر بن مرہ بن خالد بن عامر بن قبان بن عمرو بن قیس بن حارث بن مالک بن عبید بن خزیمہ بن لوی۔ یہ امام حضرت حسینؑ بن علیؑ کا سر مطہر اُٹھا کر شام لے گیا تھا۔

③ "المنتخب" طریحی: ص ۳۳۹، دوسرا ایڈیشن

یا جبرئیل! اِنَّ لِیْ مَوْقِفًا معهم یوم القیامة بَیْنَ یدی ربی سبحانه

"اے جبرئیلؑ! بے شک، میں قیامت کے دن اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ان ظالموں کی شکایت کر کے فیصلہ کرواؤں گا"۔

وہ شخص کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور جبرئیلؑ کی یہ گفتگو سن کر میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! مجھے امان دیں اور معاف کر دیں۔

اس پر انھوں نے مجھ سے فرمایا: اذهب فلا غفر الله لك "دور ہو جا! خدا تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا"۔

پھر اس نے ابن لھیعہ سے کہا: اب اس واقعہ کو سننے کے بعد کیا تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے گا؟ (اللهوف: ص ۹۸)

دورانِ سفر ایک منزل پر ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں نے حضرت امام حسینؑ کے سر مطہر کو زمین پر دیوار کے ساتھ رکھ دیا تو دیوار سے ایک لوہے کا قلم ظاہر ہوا اور اس نے خون سے دیوار پر ایک شعر تحریر کیا[1] جبکہ ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں نے اس کو محسوس تک نہ کیا۔

أترجو أمة قتلت حسينًا شفاعة جدّه يوم الحساب

"کیا نبیؐ کی اُمت جس نے حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا ہے وہ قیامت کے دن آپؑ کے نانا کی شفاعت کی اُمید رکھتی ہے"۔

انھوں نے خدا کی اس نشانی کی کوئی پرواہ تک نہ کی، ان کی آنکھوں پر ضلالت کے پردے پڑ چکے تھے اور وہ طغیانی میں سرگرداں تھے لیکن یقیناً خدا بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

پھر ایک فرسخ (ساڑھے پانچ کلومیٹر) کے مقام پر پہنچنے سے پہلے انھوں نے حضرت امام حسینؑ کے سر مطہر کو وہاں

---

[1] "مجمع الزوائد" ابن حجر: ج ۹، ص ۱۹۹، "الخصائص" سیوطی: ج ۲، ص ۱۲۷، "تاریخ ابن عساکر": ج ۴، ص ۳۴۲، "الصواعق المحرقة": ص ۱۱۶، "الکواکب الدریہ": ج ۱، ص ۵۷، "الاتحاف بحب الاشراف": ص ۲۳، جب کہ ابن طاووسؒ نے "اللهوف" میں اس کو ابن نجار کی کتاب "تاریخ بغداد" کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ "تاریخ القرمانی" ص ۱۰۸ پر مذکور ہے کہ جب ابن زیاد (ملعون) کے سپاہی راستے میں ایک گرجا گھر تک پہنچے تو وہاں پر کچھ دیر آرام کرنے اور ستانے کے لیے ٹھہر گئے تو انھوں نے وہاں پر اس گرجا کی ایک دیوار پر یہ شعر مکتوب پایا۔ "الخطط المقریزیہ" ج ۲، ص ۲۸۵ پر ہے کہ یہ شعر پہلے سے لکھا ہوا تھا اور اس شعر کے کہنے والے کو نہیں جانتے۔ ابن نما کی کتاب "مثیر الاحزان" ص ۵۳ پر مذکور ہے کہ بلاد روم میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے تین سو سال پہلے کھدائی کی گئی تو وہاں سے ایک پتھر برآمد ہوا جس پر یہ شعر تحریر تھا اور اس کلام کو کہنے والا حضرت شیثؑ کی اولاد میں سے تھا۔

موجود ایک پتھر پر رکھا تو امام مظلومؑ کے سر مطہر سے خون کا ایک قطرہ اس پتھر پر گرا۔ خون کا یہ قطرہ ہر سال روز عاشور اس پتھر پر واضح اور تازہ ہونے لگتا تھا اور لوگ گرد و نواح سے آ کر اس کے پاس جمع ہو جاتے وہ حضرت امام حسینؑ پر گریہ و ماتم کرتے۔ اس پتھر کے گرد بہت زیادہ آہ و فغاں ہوتی تھی اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ حکومت تک ایسا ہی آ رہا۔ پھر اس نے اس پتھر کو وہاں سے ہٹا دینے کا حکم دیا۔ اس دن کے بعد یہ پتھر نہیں دیکھا گیا لیکن وہاں کے مقامی لوگوں نے اس پتھر کی جگہ پر ایک عالیشان گنبد تعمیر کیا اور اس کا نام "نقطہ" رکھا۔ [1]

حلب کے قریب ایک مقام "مسقط السقط" [2] کے نام سے مشہور ہے اور یہ وہ مقام ہے کہ جب رسولؐ خدا کی بہو بیٹیاں اس جگہ پر پہنچیں تو حضرت امام حسینؑ کی ایک زوجہ کا بچہ یہاں پر ساقط ہو گیا تھا جس کا نام "محسن" تھا۔ [3]

سفر شام کے دوران ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں نے ایک مقام پر حضرت امام حسینؑ کا سر مطہر نوک نیزہ پر نصب کر کے ایک راہب کے گرجا کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ رات کے وقت اس راہب نے اس سر مقدس کو تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے سنا اور اس سے نور کی کرنیں بلند ہوتی ہوئی دیکھیں۔ اس نے سنا کہ کوئی شخص پکار کر یہ کہہ رہا ہے: السلام علیك یا ابا عبد الله۔

وہ یہ سب دیکھ کر حیران و پریشان ہو گیا کیونکہ وہ حقیقت و حال سے آگاہ نہیں تھا۔ صبح کے وقت اس نے اپنی قوم سے اس سر مطہر کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا: یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر مطہر ہے۔ ان کی والدہ نبی اکرم حضرت محمدؐ کی بیٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں۔

یہ سن کر اس راہب نے کہا: تم لوگ برباد ہو جاؤ اے قوم! بے شک، ان کے متعلق وارد ہونے والی روایات سچ ثابت ہوئیں کہ جب ان کو شہید کیا جائے گا تو آسمان سے خون کی بارش برسے گی۔

ان عیسائیوں میں سے کچھ نے سید الشہداءؑ کے سر مطہر کو بوسہ دینا چاہا لیکن ابن زیاد (ملعون) کے سپاہیوں نے انھیں

---

[1] جلیل القدر محدث شیخ عباس قمی "نفس المہموم" میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سفر حج کے دوران اس پتھر کی زیارت کی تھی اور وہاں کے خادموں سے اس کے متعلق یہ قصہ سنا تھا۔

[2] "معجم البلدان" ج ۳، ص ۱۷۳ اور "خریدۃ العجائب" ص ۱۲۸ پر اس کا نام "مشھد الطرح" مذکور ہے جب کہ "مروج الذھب" ج ۲، ص ۷۸ پر اس جگہ کا نام "مشھد الدکۃ" ہے اور "مشھد الطرح" حلب کے مغرب میں واقع ہے۔ "تاریخ ابن ابی طی" سے منقول ہے کہ "مشھد الطرح" کی عمارت ۳۵۱ھ میں سیف الدولہ کے حکم سے تعمیر کی گئی۔ بعض لوگ یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہاں پر ایک کان تھی۔ جب حضرت امام حسینؑ کے خاندان کی مستورات اور سروں کو لایا گیا تو حضرت امام حسینؑ کی ایک بیوی یہاں پر گری تھیں۔ جب کہ یہاں کے رہنے والے ان قیدیوں کو دیکھ کر خوشی منا رہے تھے تو حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے ان کو بددعا دی۔ پھر وہ کان خراب ہو گئی تو سیف الدولہ نے اسے تعمیر کیا۔ پھر یہاں مسلسل کئی عمارات تعمیر کی گئیں۔

[3] "معجم البلدان" ج ۳، ص ۱۷۳، مادہ "جوشن" اور ابن وردی کی کتاب "خریدۃ العجائب" ص ۱۲۸ پر جبل جوشن کے ذکر میں مذکور ہے کہ اسیران آل محمدؐ نے وہاں کے لوگوں سے روٹی اور پانی مانگا تھا لیکن انھوں نے نہ دیا تو اسیروں نے ان کو بددعا دی۔ اس وجہ سے یہاں کے لوگوں کو منفعت حاصل نہیں ہوتی۔

اس کی اجازت نہ دی اور پھر ان عیسائیوں نے انھیں درہم دیئے تو یہ اس پر رضامند ہو گئے۔ پھر یہ عیسائی دعوتِ الٰہیہ کے بغیر صرف اس مذبوح و مقتول امامؑ کے سرِ مطہر کی برکت سے کلمہ پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

جب ابن زیاد (ملعون) کے سپاہی اس مقام سے روانہ ہونے لگے تو انھوں نے دیکھا کہ ان درہموں پر یہ تحریر ہے:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ (سورۂ شعراء: آیت ۲۲۷)

"اور ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ لوٹائے جائیں گے"۔ (تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۰)

ایھدی الی الشامات راس ابن فاطم	ویقرعه بالخیز رانة کاشحه
وتسبی کریمات النبی حواسراً	تغادی الجوی من ثکلھا وتراوحه
یلوح لھا رأس الحسین علی القنا	فتبکی وینھاھا عن الصبر لائحه
وشیبته مخضوبة بدمائه	یلاعبھا غادی النسیم ورائحه

"کیا حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نورِ نظر کا سرِ مطہر شامیوں کو تحفے میں پیش کیا جائے گا اور ان سے عداوت و کینہ رکھنے والا انھیں چھڑی سے مارے گا۔ کیا نبی زادیوں کو بے مقنع و چادر قیدی بنایا جائے گا جب کہ ان کے دل اپنے عزیزوں کی موت کے غم سے زخمی ہو چکے ہیں۔ مخدراتِ عصمت و طہارت نوکِ نیزہ پر حضرت امام حسینؑ کے سرِ مطہر کو دیکھ رہی ہیں اور گریہ و زاری میں مشغول ہیں اور ان کے سامنے نورانی سرِ مطہر ان کے صبر کا پیمانہ لبریز کر رہا ہے۔ امام حسینؑ کی ریشِ مبارک اپنے ہی خون سے رنگین ہے جب کہ بادِ نسیم ان سے کھیل تماشا کر رہی ہے اور اس کی خوشبو ہر سُو پھیلی ہوئی ہے"۔ [1]

اسیرانِ آلِ محمدؐ کی شام میں آمد

جب اسیرانِ آلِ محمدؐ دمشق کے قریب پہنچے تو حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے شمر (ملعون) کی طرف یہ پیغام بھجوایا کہ رسولؐ کی بیٹی کہتی ہیں کہ ان قیدیوں کو اس راستے سے لے جاؤ جہاں پر تماشا دیکھنے والوں کا ہجوم کم ہو اور ہمارے مقتولین کے سروں کو ان مخدراتِ عصمت و طہارت سے دُور لے جاؤ تاکہ لوگ اِن سروں کو دیکھنے میں مصروف ہو جائیں اور وہ ہمیں نہ دیکھیں لیکن اس ملعون نے نبی زادیوں کو اس حالت میں دمشق شہر میں داخل کیا جس کے ذکر سے جسم گھلنے لگتا ہے اور ہر انسان کی روح کانپ اُٹھتی ہے۔

شمر ملعون نے حکم دیا کہ ان قیدیوں کو اس راستے سے گزارا جائے جہاں پر تماشا دیکھنے والوں کا ہجوم بہت زیادہ ہو

---

[1] علامہ شیخ عبدالحسین الاعسم نجفی۔

اور مقتولین کے سروں کو ان قیدیوں کے درمیان میں رکھ کر چلو"۔ [1]

یکم صفر المظفر کو اسیرانِ آلِ محمدؐ دمشق میں داخل ہوئے [2] اور ان اشقیاء نے ان اسیروں کو "باب الساعات" [3] پر کھڑا کر دیا۔ شام کے لوگ خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے دف اور ڈھول اور باجے بجاتے ہوئے گھروں سے باہر نکلے۔ ایک شخص نے حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا کے قریب ہو کر پوچھا:

مِنْ اَیِّ السَّبَایَا اَنْتُمْ؟

"تم کس قوم و ملت کے قیدی ہو"؟

حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

نَحْنُ سَبَایَا آلِ مُحَمَّدٍ "ہم اسیرانِ آلِ محمدؐ ہیں"۔ [4]

اس وقت یزید (ملعون) باب جیرون کی بالکونی سے بیٹھا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے جب اسیروں اور شہداء کے سرنوک نیزہ پر سوار دیکھے اور ایک کوے نے کائیں کائیں کر کے شور مچانا شروع کیا تو یزید نے یہ اشعار کہے:

کما بدت تلک الحمول واشرقت	تلک الرؤس علی شفا جیرون
نعب الغراب فقلت قل اولا تقل	فقد اقتضیت من الرسول دیونی

"جب وہ قافلہ ظاہر ہوا اور وہ سر جیرون [5] کی بلندی پر چمکے تو کوے نے کائیں کائیں کرنا شروع کر دی

---

① "اللہوف" ص ۹۹، "مثیر الاحزان" ابن نما: ص ۵۳، "مقتل العوالم" ص ۱۲۵

② "الکامل": شیخ بہائی، "الآثار الباقیۃ": بیرونی، ص ۳۳۱، مطبوعہ آفسٹ، "المصباح": کفعمی، ص ۲۶۹، "تقویم المحسنین" فیض: ص ۱۵، جب کہ "تاریخ طبری": ج ۶، ص ۲۶۶ پر مذکور بیان کے مطابق ان اسیروں کی کوفہ میں قید سے قاصد کی شام سے خبر لے کر واپس کوفہ آنے تک اور پھر ان قیدیوں کا شام میں یکم صفر تک پہنچنا بعید ہے کیونکہ یہ مسافت طے کرنے کے لیے بہت زیادہ وقت درکار ہے۔ ہاں! اگر پرندے کے ذریعے یہ پیغام شام پہنچایا گیا ہو تو یہ ممکن ہے۔

③ "مقتل الخوارزمی": ج ۲، ص ۶۱ پر مروی ہے کہ ان اسیروں کو دمشق کے "باب توما" سے داخل کیا گیا۔ "ثمار المقاصد" ص ۱۰۹ پر مذکور ہے کہ "باب توما" قدیمی شہر دمشق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ ابو عبداللہ محمد بن علی بن ابراہیم المعروف ابن شداد (متوفی ۶۸۴ھ) نے "اعلاق الخطیرہ": ج ۳، ص ۶۷ پر بیان کیا ہے کہ "باب الساعات" کا نام باب الساعات اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اس دروازے پر گھڑیوں کا ایسا نظام وضع کیا گیا تھا کہ جس سے دن کے ہر گزرنے والے گھنٹے کا پتا چلتا تھا۔ وہاں تانبے کی چڑیاں، کوا اور سانپ رکھا ہوا تھا۔ جب ایک گھنٹہ گزر جاتا تو سانپ باہر نکلتا اور پھر چڑیاں سیٹی کی آوازیں نکالتیں اور کوا چلاتا اور ایک کنکر طشت میں گرتا تھا۔

④ "امالی الصدوق": ص ۱۰۰، مجلس ۳۱، "مقتل الخوارزمی": ج ۲، ص ۶۰

⑤ ابن حوقل کی کتاب "صورۃ الارض" ص ۱۶۱، مطبوعہ آفسٹ دمشق میں ہے کہ اسلام میں اس سے بہتر مقام نہیں ہے کیونکہ یہ پہلے صابئین کی عبادت گاہ تھی۔ پھر یونانی یہاں پر اپنے دینی اُمور سرانجام دیتے رہے۔ پھر یہ یہودیوں اور بت پرست بادشاہوں کی عبادت گاہ رہی اور اس مسجد کے ←

اور میں نے کہا: اب تُو چیخ یا نہ چیخ، میں نے اپنا قرض رسولؐ سے چکا لیا ہے"۔

یزید کے ان اشعار کی وجہ سے سبط ابن جوزی، قاضی ابو یعلی، تفتازانی اور جلال الدین سیوطی نے اس پر کفر اور لعنت کرنے کا حکم لگایا ہے۔ ①

سہل بن سعد ساعدی حضرت سکینہؑ بنت الحسینؑ کے قریب ہوا اور کہا: کیا آپؑ کو کوئی حاجت ہے؟ تو حضرت سکینہ ؑ نے سہل سے فرمایا: اس سر کو اُٹھانے والے کو کچھ دے دو تا کہ وہ اس سر کو مستورات سے دُور لے جائے اور لوگ اس سر کو دیکھنے میں مشغول رہیں اور ان کی نظر ہماری طرف سے ہٹ جائے۔ سہل نے ایسے ہی کیا۔ (مقتل العوالم)

ایک بوڑھا (شامی) حضرت امام سجادؑ کے قریب آیا اور اس نے امامؑ سے کہا: شکر ہے اس خدا کا، جس نے تم لوگوں کو ہلاک کیا اور یزید امیر (ملعون) کو تم پر غلبہ عطا کیا۔

اب امام علیہ السلام نے اس مسکین شخص پر اپنے لطف کا فیض جاری کیا جو جھوٹی باتیں سن کر ان پر اِترا رہا تھا۔ امامؑ نے چاہا کہ اسے حق کے قریب کر دیں اور اس کی راہِ راست کی طرف ہدایت فرمائیں۔ اہلِ بیتؑ اس شخص پر اپنے انوار اور فیوض و برکات کی بارش کرتے ہیں کہ جس کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ اس کا دل پاک صاف، طینت طاہر اور اس میں ہدایت کی استعداد موجود ہے۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اے بزرگ! کیا تُو نے قرآن مجید کی تلاوت کی ہے؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تُو نے یہ آیت پڑھی ہے؟

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورۂ شوریٰ: آیت ۲۳)

"(اے نبیؐ) کہہ دیجیے میں تم سے اس کے سوا کوئی اجر رسالت نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم میرے

← ایک دروازے کا نام باب جیرون ہے۔ اس دروازے پر یحییٰ ابن زکریا کا سر مطہر لٹکایا گیا اور اسی جگہ پر حسینؑ ابن علیؑ کا سر مطہر بھی لٹکایا گیا۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے دورِ حکومت میں اس کی ظاہری دیواروں پر سنگِ مرمر لگوا دیا تھا۔الخ۔ بظاہر یہ مسجد جامع اُموی ہے (گزشتہ زمانوں میں مسلمان مسجدوں میں ہی دربار لگایا کرتے تھے۔ اسی جامع اُموی کو دربار یزید کہتے ہیں۔ مترجم)

① "روح المعانی" آلوسی: ج ۲۶، ص ۷۳، سورۂ محمد کی آیت ۲۲: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ کے تحت مذکور ہے کہ یزید (ملعون) کے اس جملہ "میں نے رسولؐ سے اپنا قرض چکا لیا ہے" سے مراد ہے کہ اس نے آلِ رسولؐ کو اپنے ان مقتولوں کے قتل کے بدلے قتل کیا ہے جو رسولِ خدا نے جنگِ بدر کے دن قتل کیے تھے جیسے عتبہ اور شیبہ وغیرہ اور یہ کھلم کھلا کفر ہے۔ اس (ملعون) نے ابن زبعری کے قبل از اسلام کے اشعار "لیت اشیاخی" پڑھ کر بھی اپنے انتقام لینے کی تمثیل بیان کی۔

قرابت داروں سے مودت کرو"۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى (سورۂ انفال: آیت ۴۱)

"اور جان لو کہ تم مالِ غنیمت میں سے جو کچھ لو اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسولؐ اور رسولؐ کے قرابت داروں کا ہے"۔

تو اس بوڑھے نے جواب دیا: ہاں! میں نے یہ آیات پڑھی ہیں۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم ان آیات میں قربیٰ (رسولؐ کے قرابت دار) ہم ہیں۔

پھر امام علیہ السلام نے اسے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ (سورۂ احزاب: آیت ۳۳)

"بے شک! اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ وہ تم اہلِ بیتؑ سے رجس کو دُور رکھے اور وہ تم کو ایسے پاک رکھے جیسے پاک رکھنے کا حق ہے"۔

تو اس بوڑھے نے جواب دیا: ہاں! میں نے یہ آیت بھی پڑھ رکھی ہے۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: ہم ہی وہ اہلِ بیتؑ ہیں جن کو اللہ نے پاکیزگی سے مختص کیا ہے۔

تو اس بوڑھے نے کہا: تمھیں خدا کی قسم ہے کیا تم ہی وہ لوگ ہو؟

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں ہمارے جد رسولؐ خدا کے حق کی قسم! بے شک ہم ہی وہ لوگ ہیں۔

یہ سن کر وہ بوڑھا امام علیہ السلام کے قدموں میں گر کر آپؑ کے قدموں کے بوسے لینے لگا اور کہنے لگا: میں خدا کی بارگاہ میں ان لوگوں سے بری الذمہ ہوں جنھوں نے آپؑ کو شہید کیا۔ اس نے امامؑ کی شان میں جو نازیبا کلمات ادا کر کے گستاخی کی تھی اس پر امامؑ کے سامنے توبہ کی۔ جب یزید (ملعون) کو اس بزرگ کے اس قول و فعل کی خبر پہنچی تو اس نے اس بزرگ کے قتل کا حکم جاری کیا۔[1]

بأية آية يأتي يزيد	غداة صحائف الاعمال تتلى
وقام رسول رب العرش يتلو	وقد صمت جميع الخلق «قل لا»

"کل قیامت کے دن جب نامۂ اعمال پڑھ کر سنائے جائیں گے اس دن یزید (ملعون) کون سی دلیل

---

[1] "الملہوف" ص ۱۰۰، جب کہ تفسیر ابن کثیر: ج ۴، ص ۱۱۲، "روح المعانی" آلوسی اور مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۶۱ پر ہے کہ حضرت امام سجادؑ نے اس بوڑھے کے سامنے آیت مودت کی تلاوت کی تو اسے یقین ہو گیا کہ اس آیت میں بھی قربیٰ ہیں۔

اور آیت پیش کرے گا؟ اور رسولِ خدا عرش کے رب کے سامنے کھڑے ہو کر صحیفۂ اعمال سنا رہے ہوں گے اور تمام مخلوقات خاموش رہ کر یزید (ملعون) کے دلائل کا انکار کر رہی ہوں گی"۔①

ان اسیروں کو یزید (ملعون) کے دربار میں داخل کرنے سے پہلے ان کے لیے ایک رسّی لائی گئی اور سب کو اس رسّی میں جکڑ دیا گیا۔ اس رسّی کو حضرت امام زین العابدینؑ کے گلے سے گزار کر حضرت زینبؑ و اُمِ کلثومؑ اور رسولِ خدا کی باقی بیٹیوں کے گلوں میں باندھ دیا گیا۔ جب بھی یہ اسیر چلنے میں سُستی دکھاتے تو انھیں مارا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ انھیں یزید (ملعون) کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس وقت یزید (ملعون) اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت امام سجادؑ نے یزید (ملعون) سے فرمایا: تمھارے خیال کے مطابق اگر رسولِ خدا ہمیں اس حالت میں دیکھ لیں تو آپؐ کا کیا ردِّعمل ہوگا؟ یہ سن کر تمام حاضرین رونے لگے اور یزید (ملعون) نے حکم دیا کہ اس رسّی کو کاٹ دیا جائے۔② اسیرانِ آلِ محمدؐ کو جامع مسجد کے دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑا کیا گیا۔ یزید نے امام حسینؑ کے سرِ مقدس کو اپنے سامنے رکھا اور ان اسیروں کو دیکھ کر یہ اشعار پڑھے:

صبرنا وكان الصبر منا عزيمة   وأسيافنا يقطعن هاماً ومعصما

نفلق هاماً من رجال أعزة   علينا وهم كانوا أعق وأظلما

"ہم نے صبر کیا اور ہم نے اس صبر کا پختہ عزم کر رکھا تھا جب کہ ہماری تلواریں سر اور ہاتھ کاٹ دیتی ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کے سر شگافتہ کیے ہیں جو ہمارے لیے معزز تھے لیکن وہ لوگ نافرمان اور تجاوز کرنے والے تھے"۔③

پھر یزید (ملعون) نعمان بن بشیر کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: شکر ہے اس خدا کا جس نے (امام) حسینؑ کو قتل کیا۔ اس پر نعمان نے کہا: امیر المومنین معاویہ حسینؑ کو قتل کرنا ناپسند کرتے تھے۔ یہ سن کر یزید (ملعون) نے کہا: وہ حسینؑ کے خروج سے پہلے یہ رائے رکھتے تھے۔ اگر امام حسینؑ نے امیر المومنین معاویہ کے خلاف خروج کا اقدام کیا ہوتا تو وہ بھی حسینؑ کو

---

① "روح المعانی"، آلوسی: ج۲۵، ص۳۱ پر مذکور ہے کہ یہ دونوں شعر سیّد عمر ہیتی کے ہیں جو کہ آلوسی کا ایک رشتہ دار اور ہم عصر لوگوں میں سے ہے۔ آلوسی نے ان اشعار کی تعریف کی ہے۔

② "الانوار النعمانیہ": ص۳۴۳، "الملہوف": ص۱۰۱، "تذکرۃ الخواص" ص۴۹

③ "مرآۃ الجنان"، یافعی: ج۱، ص۱۳۵، کامل ابن اثیر: ج۴، ص۳۵ اور "مروج الذہب" میں ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ کا سرِ مطہر یزید (ملعون) کے سامنے لایا گیا تو اس نے ایک چھڑی سے امام علیہ السلام کے دندانِ مبارک سے گستاخی کرتے ہوئے حصین بن حمام کے یہ اشعار پڑھے:

ابى قومنا ان ينصفونا فانصفت   قواضب فى ايماننا تقطر الدما

تفلق هاماً من رجال اعزة   علينا وهم كانوا اعق واظلما

←

[illegible] نے "الاغانی" میں یہ تمام اشعار ذکر کیے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے "شرح التبریزی" ج۱، ص۲۲۳ کا مطالعہ کیجیے۔

گستاخی کی تو حضرت امام سجادؑ نے اس سے فوراً بلند آواز میں چلاتے ہوئے فرمایا:

لَقَدِ اشْتَرَیْتَ مَرْضَاةَ المخلوقِ بِسخط الخالق فتبوأ مقعدك في النار

"تم نے مخلوق کی خوشنودی کے بدلے خالق کا غضب خرید لیا ہے۔ پس تمھارا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں ہے"۔ (نفس المہموم: ص ۲۴۲)

اعلی المنابر تعلنون بسبه وبسيفه نصبت لكم اعوادها

"تم لوگ برسر منبر اس ہستی پر کھلم کھلا سب وشتم کر رہے ہو جس کی شجاعت وتلوار کے ذریعے تمھارے لیے یہ منبر نصب کیے گئے"۔

حضرت امام سجادؑ نے یزید (ملعون) سے فرمایا:

أَتَأْذَنُ لِیْ ان ارقى هذه الاعواد فاتكلم بكلام فيه لله تعالى رضى ولهؤلاء اجر وثواب؟

"کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں ان لکڑیوں پر چڑھ کر ایسا کلام کروں جس میں خدا کی رضا اور خوشنودی اور ان لوگوں کے لیے اجر وثواب کا باعث ہو؟"

یزید نے پہلے انکار کر دیا لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ انھیں کلام کرنے دو تو پھر بھی یزید (ملعون) نہ مانا۔ پھر اس کے بیٹے معاویہ نے اس سے کہا کہ اسے کلام کرنے کی اجازت دے دیں کیوں کہ یہ جوان اپنی تقریر سے تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تب یزید (ملعون) نے کہا:

اِنَّ هؤلاءِ ورثوا العلم والفصاحة[1] وزقوا العلم زقاً۔[2]

"بے شک! علم اور فصاحت وبلاغت اس گھرانے کی میراث ہے اور ان کو علم ودانش گھٹی میں دی جاتی ہے"۔

لوگوں کے مسلسل اصرار پر یزید (ملعون) نے حضرت امام سجادؑ کو گفتگو کرنے کی اجازت دے دی۔

حضرت علی بن زین العابدین السجاد علیہ السلام کا یزید ملعون کے دربار میں خطبہ

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے یزید کے دربار میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمد لله الذی لابداية له، والدائم الذی لا نفاد له، والأول الذی لا أولية له، والآخر الذی لا آخرية له، والباقی بعد فناء الخلق، قدر الليالی والأيام، وقسم فيما بينهم

---

[1] کامل بہائی۔

[2] ریاض الاحزان: ص ۱۴۸

اور آیت پیش کرے گا؟ اور رسولؐ خدا عرش کے رب کے سامنے کھڑے ہو کر صحیفۂ اعمال سنا رہے ہوں گے اور تمام مخلوقات خاموش رہ کر یزید (ملعون) کے دلائل کا انکار کر رہی ہوں گی"۔ ①

ان اسیروں کو یزید (ملعون) کے دربار میں داخل کرنے سے پہلے ان کے لیے ایک رسّی لائی گئی اور سب کو اس رسّی میں جکڑ دیا گیا۔ اس رسّی کو حضرت امام زین العابدینؑ کے گلے سے گزار کر حضرت زینبؑ و اُم کلثومؑ اور رسولؐ خدا کی باقی بیٹیوں کے گلوں میں باندھ دیا گیا۔ جب بھی یہ اسیر چلنے میں سستی دکھاتے تو انھیں مارا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ انھیں یزید (ملعون) کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس وقت یزید (ملعون) اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت امام سجادؑ نے یزید (ملعون) سے فرمایا: تمھارے خیال کے مطابق اگر رسولؐ خدا ہمیں اس حالت میں دیکھ لیں تو آپؐ کا کیا ردّ عمل ہوگا؟ یہ سن کر تمام حاضرین رونے لگے اور یزید (ملعون) نے حکم دیا کہ اس رسّی کو کاٹ دیا جائے۔ ② اسیرانِ آلِ محمدؐ کو جامع مسجد کے دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑا کیا گیا۔ یزید نے امام حسینؑ کے سرِ مقدس کو اپنے سامنے رکھا اور ان اسیروں کو دیکھ کر یہ اشعار پڑھے:

صبرنا وكان الصبر منا عزيمة　　وأسيافنا يقطعن هاماً ومعصما

نفلق هاماً من رجال أعزة　　علينا وهم كانوا أعق وأظلما

"ہم نے صبر کیا اور ہم نے اس صبر کا پختہ عزم کر رکھا تھا جب کہ ہماری تلواریں سر اور ہاتھ کاٹ دیتی ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کے سر شگافتہ کیے ہیں جو ہمارے لیے معزز تھے لیکن وہ لوگ نافرمان اور تجاوز کرنے والے تھے"۔ ③

پھر یزید (ملعون) نعمان بن بشیر کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: شکر ہے اس خدا کا جس نے (امام) حسینؑ کو قتل کیا۔ اس پر نعمان نے کہا: امیر المومنین معاویہ حسینؑ کو قتل کرنا ناپسند کرتے تھے۔ یہ سن کر یزید (ملعون) نے کہا: وہ حسینؑ کے خروج سے پہلے یہ رائے رکھتے تھے۔ اگر امام حسینؑ نے امیر المومنین معاویہ کے خلاف خروج کا اقدام کیا ہوتا تو وہ بھی حسینؑ کو

---

① "روح المعانی"، آلوسی: ج ۲۵، ص ۳۱ پر مذکور ہے کہ یہ دونوں شعر سید عمر ہاشمی کے ہیں جو کہ آلوسی کا ایک رشتہ دار اور ہم عصر لوگوں میں سے ہے۔ آلوسی نے ان اشعار کی تعریف کی ہے۔

② "الانوار النعمانیہ": ص ۳۴۱، "الملہوف": ص ۱۰۱، "تذکرۃ الخواص" ص ۴۹

③ "مرآۃ الجنان"، یافعی: ج ۱، ص ۱۳۵، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۵ اور "مروج الذہب" میں ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ کا سرِ مطہر یزید (ملعون) کے سامنے لایا گیا تو اس نے ایک چھڑی سے امام علیہ السلام کے دندانِ مبارک سے گستاخی کرتے ہوئے حصین بن حمام کے یہ اشعار پڑھے:

ابی قومنا ان ینصفونا فانصفت　　قواضب فی ایماننا تقطر الدما

تفلق هاماً من رجال اعزة　　علينا وهم كانوا اعق واظلما

←

قتل کر دیتے۔ (مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۵۹)

حضرت امام سجاد علیہ السلام یزید (ملعون) کے دربار میں

یزید (ملعون) نے حضرت امام سجاد علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

كَيْفَ رَأَيْتَ صُنْعَ اللهِ يا علي بابيك الحسين؟

"اے علیؑ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ حسینؑ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تمہیں کیسا لگا؟"

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

رَأَيْتُ ما قضاه الله قبل اَنْ يخلق السماوات والارض

"زمین اور آسمانوں کی خلقت سے پہلے خدا جو فیصلہ کر چکا ہے میں نے اس قضا وقدر کو پورا ہوتے ہوئے دیکھا ہے"۔

یزید (ملعون) نے اپنے دربار میں موجود اپنے مشیروں سے پوچھا کہ حسینؑ کے اس بیٹے کے ساتھ کیا کیا جائے؟ تو انھوں نے یہ مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دو۔

یہ سن کر حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا: اے یزید! تیرے ان مشیروں نے تجھے فرعون کے مشیروں اور ہم نشینوں کے برعکس مشورہ دیا ہے کیونکہ جب فرعون نے اپنے ہم نشینوں سے یہ مشورہ طلب کیا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ کے ساتھ کیا کیا جائے؟ تو انھوں نے فرعون سے کہا: موسیٰؑ اور اس کے بھائی کو مہلت دو کیونکہ پیغمبروںؑ کی اولاد اور نسل کو قتل نہیں کیا جاتا۔

حضرت امام سجادؑ کا یہ جواب سن کر یزید سر جھکا کر سوچ میں پڑ گیا۔ ("اثبات الوصیۃ" ص ۱۴۳، مطبوعہ نجف اشرف)

یزید (ملعون) اور حضرت امام سجادؑ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس میں یہ بھی ہے کہ یزید نے حضرت امام سجادؑ سے کہا:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○ (سورۂ شوریٰ: آیت ۳۰)

"اور جو مصیبت تم پر نازل ہوتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت ہیں اور اس پر بھی وہ بہت

← "العقد الفرید": ج ۲، ص ۳۱۳، خلافت یزید (ملعون) کے تذکرے میں مذکور ہے کہ جب یزید (ملعون) نے اپنے سامنے حضرت امام حسینؑ کا سر مطہر رکھا تو اس نے حصین بن حمام مری کے اشعار پڑھے اور پھر دوسرا بیت الشعر ذکر کیا ہے جب کہ ابن حجر الہیثمی نے "مجمع الزوائد" ج ۹، ص ۱۹۸ پر صرف دوسرا شعر بیان کیا ہے۔ خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ": ج ۲، ص ۶۱ پر ذکر کیا ہے کہ اسیران آل محمدؐ جامع مسجد (دربار یزید) کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے تھے تو اس نے یہ دو اشعار پڑھے جو حصین بن حمام کے ہیں۔ آمدی نے "المؤتلف والمختلف" ص ۹۱ پر حصین بن حمام بن ربیعہ کا نسب بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کا ایک طولانی قصیدہ ہے اور اس قصیدہ کے تین اشعار ذکر کیے جن میں یہ دو اشعار شامل ہیں۔ "الشعر والشعراء" ص ۱۵۱ پر تین اشعار مذکور ہیں جن میں یہ دوسرا شعر بھی شامل ہے۔ "الاشباہ والنظائر" ص ۴ پر متقدمین اور زمانۂ جاہلیت کے اشعار کے ضمن میں دوسرا شعر ذکر کیا گیا ہے۔ "الاغانی" ج ۱۲، ص ۱۲۰، مطبوعہ ساسی میں تیرہ ابیات الشعر مذکور ہیں جن میں یہ دو اشعار بھی شامل ہیں۔

کچھ معاف کر دیتا ہے"۔

حضرت امام سجادؑ نے یزید (ملعون) کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: یہ آیت ہمارے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ (سورۂ حدید: آیت ۲۲)

"روئے زمین پر جتنی مصیبتیں اور خود تم لوگوں پر جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں وہ ہم نے ان کی پیدائش سے پہلے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ دی ہیں اور بے شک خدا کے لیے یہ امر آسان ہے۔ (العقد الفرید: ج ۲، ص ۳۱۳، تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۷)

امام علیہ السلام نے فرمایا: پس! ہم لوگ کسی چیز کے چھن جانے پر افسوس نہیں کرتے اور کسی چیز کے ملنے پر خوشی کا اظہار نہیں کرتے۔ (تفسیر علی بن ابراہیم: ص ۶۰۳، سورۃ الشوریٰ میں)

پھر یزید (ملعون) نے فضل بن عباس بن عتبہ کے یہ اشعار پڑھے:

مهلاً بني عمنا مهلاً موالينا لا تنبشوا بيننا ما كان مدفونا

"اے ہمارے چچا کے بیٹو! ٹھہر جاؤ۔ اے ہمارے سردارو! ذرا صبر کرو اور ہمارے مُردوں کو نہ اکھیڑو"۔ ①

پھر حضرت امام سجاد علیہ السلام نے یزید (ملعون) سے حاضرین سے خطاب کرنے کی اجازت طلب کی تو یزید (ملعون) نے کہا: بہتر یہی ہے کہ تم کوئی نامناسب گفتگو نہ ہی کرو۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت میری جو بدحالی و بے چارگی کی حالت ہے اس حالت میں میرے جیسے شخص کے لیے یہ موزوں نہیں کہ وہ نامناسب اور ڈھٹائی والی گفتگو کرے۔ تمھارے خیال کے مطابق اگر رسولِ خدا مجھے اس حالت میں دیکھیں تو آپؐ پر کیا گزرے گی؟

یہ سن کر یزید (ملعون) نے حضرت امام سجادؑ کے طوق و زنجیر کھولنے کا حکم دیا۔ (مثیر الاحزان: ابن نما وغیرہ)

یزید (ملعون) نے اپنے درباری خطیب کو حکم دیا کہ وہ معاویہ کی تعریف و توصیف بیان کرے اور (امام) حسینؑ اور ان کی اولاد پر لعن طعن اور مذمت کرے تو اس خطیب نے حضرت امام علیؑ اور حضرت امام حسینؑ کی شان میں بہت زیادہ

---

① "المحاضرات": راغب اصفہانی، ج ۱، ص ۵۷۷، باب من يهجم بمساوء الاذويه میں مذکور ہے کہ یہ فضل بن عباس بن عتبہ بن ابی لہب کے پانچ ابیات اشعر میں سے ایک بیت اشعر ہے اور ابوتمام نے "الحماسة" میں یہ تمام اشعار ذکر کیے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے "شرح التبریزی" ج ۱، ص ۲۲۳ کا مطالعہ کیجیے۔

گستاخی کی تو حضرت امام سجادؑ نے اس سے فوراً بلند آواز میں چلاتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ اشْتَرَیْتَ مَرْضَاۃَ الْمخلوقِ بِسخط الخالق فتبوأ مقعد فی النار

"تم نے مخلوق کی خوشنودی کے بدلے خالق کا غضب خرید لیا ہے۔ پس تمھارا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں ہے"۔ (نفس المہموم: ص ۲۴۲)

اعلی المنابر تعلنون بسبه وبسیفه نصبت لکم اعوادها

"تم لوگ بر سر منبر اس ہستی پر کھلم کھلا سب وشتم کر رہے ہو جس کی شجاعت و تلوار کے ذریعے تمھارے لیے یہ منبر نصب کیے گئے"۔

حضرت امام سجادؑ نے یزید (ملعون) سے فرمایا:

أَتَأذَنُ لِیْ ان ارقی هذه الاعواد فاتکلّم بکلام فیه لله تعالی رضی ولهولاء اجر وثواب؟

"کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں ان لکڑیوں پر چڑھ کر ایسا کلام کروں جس میں خدا کی رضا اور خوشنودی اور ان لوگوں کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہو؟"

یزید نے پہلے انکار کر دیا لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ انھیں کلام کرنے دو تو پھر بھی یزید (ملعون) نہ مانا۔ پھر اس کے بیٹے معاویہ نے اس سے کہا کہ اسے کلام کرنے کی اجازت دے دیں کیوں کہ یہ جوان اپنی تقریر سے تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تب یزید (ملعون) نے کہا:

اِنَّ هولاءِ ورثوا العلم والفصاحة[1] وزقّوا العلم زقاً۔[2]

"بے شک علم اور فصاحت و بلاغت اس گھرانے کی میراث ہے اور ان کو علم و دانش گھٹی میں دی جاتی ہے"۔

لوگوں کے مسلسل اصرار پر یزید (ملعون) نے حضرت امام سجادؑ کو گفتگو کرنے کی اجازت دے دی۔

حضرت علی بن زین العابدین السجاد علیہ السلام کا یزید ملعون کے دربار میں خطبہ

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے یزید کے دربار میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمد لله الذی لابدایة له، والدائم الذی لا نفاد له، والأول الذی لا أولیة له، والآخر الذی لا آخریة له، والباقی بعد فناء الخلق، قدر اللیالی والأیام، وقسم فیما بینهم

---

① کامل بہائی۔

② ریاض الاحزان: ص ۱۴۸

الأقسام، فتبارك الله الملك العلام، إلى أن قال: أيها الناس أعطينا ستًّا وفضلنا بسبع أُعطينا العلم والحلم والسماحة والفصاحة والشجاعة والمحبة في قلوب المؤمنين وفضلنا بأن منا النبي والصديق والطيار وأسد الله وأسد رسوله وسبطا هذه الأمة، أيها الناس من عرفني فقد عرفني ومن لم يعرفني أنبأته بحسبي ونسبي أيها الناس أنا ابن مكة ومنٰى، أنا ابن زمزم والصفا، أنا ابن من حمل الركن بأطراف الردا، أنا ابن خير من ائتزر وارتدى وخير من طاف وسعى، وحج ولبّى، أنا ابن من حمل على البراق وبلغ به جبرئيل سدرة المنتهٰى، فكان من ربه كقاب قوسين أو أدنٰى، أنا ابن من صلى بملائكة السماء، أنا ابن من أوحى إليه الجليل ما أوحى أنا ابن من ضرب بين يدي رسول الله ببدر وحُنين، ولم يكفر بالله طرفة عين، أنا ابن صالح المؤمنين ووارث النبيّين، ويعسوب المسلمين ونور المجاهدين وقاتل الناكثين والقاسطين، والمارقين ومفرق الأحزاب أربطهم جأشاً، وأمضاهم عزيمة ذاك أبو السبطين الحسن والحسين، علي بن أبي طالب۔ أنا ابن فاطمة الزهراء وسيدة النساء، وابن خديجة الكبرىٰ۔ أنا ابن المرمل بالدماء، أنا ابن ذبيح كربلا، أنا ابن من بكى عليه الجن في الظلماء، وناحت الطير في الهواء

"تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کے لیے کوئی ابتداء نہیں ہے اور اس کی ذات ہمیشہ رہے گی کہ جس کے لیے فنا نہیں اور وہ ایسا اوّل ہے جس کے لیے کوئی ابتداء نہیں اور وہ ایسا آخر ہے جس کے لیے کوئی انتہا نہیں۔ مخلوق کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا۔ اسی نے دن اور رات کی مدت کا تعین کیا، وہی لوگوں کو دن اور رات میں روزی تقسیم کرتا ہے۔ پس بابرکت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات جو حقیقی بادشاہ اور خوب جاننے والا ہے"۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اپنے خطبے کو مزید جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہم خاندانِ نبوت و رسالت کو چھے امتیازات سے نوازا ہے اور سات فضیلتوں کے ذریعے ہمیں دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ہمارے چھے امتیازات ① علم ② حلم (بردباری)، ③ بخشش و سخاوت ④ فصاحت بیانی ⑤ شجاعت اور ⑥ مومنوں کے دلوں میں ودیعت کردہ محبت ہے۔ اور ہماری سات فضیلتیں یہ ہیں:

① خدا کے برگزیدہ پیغمبر حضرت محمدؐ ہم میں سے ہیں۔ ② صدیق (امیرالمومنین حضرت علیؑ) ہم میں

سے ہیں۔ ③ جعفر طیارؑ ہم میں سے ہیں ④ شیر خدا اور شیر رسولؐ خدا حضرت حمزہؑ ہم میں سے ہیں۔
⑤ اس اُمت کے دو سبط حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ ہم میں سے ہیں۔ (مؤلف کی تحریر کردہ کتاب کے نسخہ میں باقی دو فضیلتیں مذکور نہیں ہیں اور وہ باقی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں جیسا کہ "کامل بہائی" میں ہے کہ حضرت امام سجادؑ نے فرمایا: ⑥ کائنات کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ بتولؑ ہم میں سے ہیں ⑦ وہ مہدیؑ ہم میں سے ہیں جو دجال کو قتل کریں گے۔ (مترجم)

لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا میں اس کو اپنے حسب و نسب سے باخبر کردیتا ہوں۔ اے لوگو! میں مکہ و منیٰ کا بیٹا ہوں، میں زم زم و صفا کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے حجر اسود کو اپنی عبا کے دامن سے اُٹھا کر اس کے مقام پر نصب کیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو بہت زیادہ عطا کرنے والا اور سخاوت کرنے والا ہے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے بہترین احرام زیب تن فرمایا، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے بہترین طواف اور سعی کی۔ میں بہترین حج کرنے والے اور بہترین لبیک کہنے والے کا بیٹا ہوں۔

میں اس کا بیٹا ہوں جس کو براق پر ہوا میں سوار کرایا گیا اور جس کو جبرئیلؑ سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کو ذاتِ خداوندی کا اس قدر قرب حاصل ہوا کہ مقامِ قاب قوسین اَو اَدنیٰ تک جا پہنچے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے آسمان کے فرشتوں کے ہمراہ نماز ادا کی۔ میں اس کا بیٹا ہو جس کو ربِ جلیل نے وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے رسولؐ خدا کے سامنے جنگ بدر و حنین میں تلوار چلائی اور اس نے ایک لحظہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق کفر اختیار نہیں کیا۔

میں اس پیشوا کا بیٹا ہوں جو مومنوں میں سب سے زیادہ نیک و صالح، انبیاء علیہم السلام کے وارث، مسلمانوں کے امیر، مجاہدین کے روشن چراغ ہیں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے ناکثین (پیمان شکن گروہ یعنی اہلِ جمل)، قاسطین (ظلم و تعدی کرنے والا گروہ یعنی اہلِ صفین) اور مارقین (دین سے خارج ہونے والا گروہ یعنی خوارج) کے ساتھ جنگ کی، اور جو باطل گروہوں کی کمر توڑ دینے والے اور ان کو نیست و نابود کردینے والے تھے اور انھوں نے باطل گروہوں کا شیرازہ بکھیر دیا اور وہ ابوالسبطین حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے والد گرامی یعنی علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔

میں فاطمہ زہراؑ کا بیٹا ہوں، میں عالمین کی تمام عورتوں کی سردار کا بیٹا ہوں۔ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے خون میں لت پت کردیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے کربلا میں ذبح

کر دیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس پر جنات نے تاریکی میں اور پرندوں نے ہوا میں گریہ وزاری کی"۔

پس! جب امام سجاد علیہ السلام کا خطبہ اس مقام تک پہنچا تو حاضرین دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور یزید (ملعون) کو فتنہ وفساد کا اندیشہ لاحق ہوا۔ لہٰذا اس نے مؤذن کو حکم دیا کہ وہ نماز کے لیے اذان دے (تاکہ یوں امام سجادؑ کے کلام کو قطع کردے)۔ مؤذن نے کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ!

حضرت امام سجادؑ نے فرمایا: بے شک! خدا سب سے بڑا ہے، اس کی شان سب سے ارفع واعلیٰ ہے اور میں جس قدر اس سے ڈرتا ہوں اور محتاط رہتا ہوں وہ اس سے زیادہ کریم ہے۔

پھر جب مؤذن نے کہا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

تو حضرت امام سجادؑ نے فرمایا: ہاں! میں ہر گواہی دینے والے کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود اور رب نہیں ہے۔

پھر جب مؤذن نے کہا: اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

تو حضرت امام سجادؑ نے اس مؤذن کو مخاطب کر کے فرمایا: اے مؤذن! تمھیں اسی محمدؐ کا واسطہ تھوڑی دیر کے لیے یہاں پر خاموش ہو جاؤ تاکہ میں اس (یزید) سے ایک بات کہہ لوں اور پھر آپؑ نے یزید (ملعون) کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

اے یزید! یہ عزیز وکریم رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھارے نانا ہیں یا میرے نانا ہیں؟ پس! اگر تم یہ کہو گے کہ یہ تمھارے نانا ہیں تو یہ حاضرین اور سب لوگ جانتے ہیں کہ تُو جھوٹ بولے گا اور اگر تم یہ کہو گے کہ یہ میرے نانا ہیں تو پھر یہ بتا کہ تُو نے میرے بابا کو کیوں ظلم وستم سے شہید کیا؟ ان کے مال واسباب کو کیوں لوٹ لیا؟ اور ان کی مستورات کو کیوں قیدی بنایا؟ پس! آگاہ ہو جاؤ کہ قیامت کے دن تیرے لیے ہلاکت وبربادی ہے کہ جب میرے نانا رسولؐ خدا تمھارے خلاف مقدمہ کریں گے۔

یہ سن کر یزید (ملعون) نے مؤذن کو چیختے ہوئے کہا: نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر لوگ آپس میں آہستہ آہستہ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے نماز پڑھی اور کچھ لوگ نماز پڑھے بغیر ہی منتشر ہو گئے۔ (نفس المہموم: ص ۴۴۲، جب کہ "مقتل الخوارزمی": ج ۲، ص ۶۹ پر یہ خطبہ کافی طویل ہے)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر اطہر یزید (ملعون) کے دربار میں

یزید (ملعون) نے حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کو منگوایا اور اسے اپنے سامنے سونے کے ایک طشت میں رکھا[1] جب کہ مخدراتِ عصمت وطہارت اس وقت یزید (ملعون) سے دُور کھڑی تھیں۔ حضرت سکینہؑ اور حضرت فاطمہ کبریٰ علیہا السلام نے

---

[1] مرآۃ الجنان، یافعی: ج ۱، ص ۱۳۵

کھڑے ہو کر اپنی گردن اُونچی کی تاکہ حضرت امام حسینؑ کے سرِ اطہر کی زیارت کر سکیں لیکن یزید (ملعون) امامؑ کے سرِ اطہر کو ان دونوں بیبیوں سے چھپا رہا تھا اور جب مستورات نے امامؑ کے سرِ اطہر کو دیکھا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ ①
پھر یزید (ملعون) نے عام لوگوں کو بھی دربار کے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ ② اس وقت یزید ملعون ایک چھڑی حضرت امام حسینؑ کے سامنے والے دندانِ مبارک پر مار کر گستاخی کر رہا تھا ③ اور کہہ رہا تھا:

یوم بیوم بدر

"آج کا دن جنگِ بدر کے دن کا بدلہ ہے۔" (مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۶)
پھر یزید (ملعون) نے حصین بن حمام کے یہ اشعار پڑھے:

ابی قومنا أن ینصفونا فانصفت ۔۔۔ قواضب فی ایماننا تقطر الدما
نفلق هاماً من رجال اعزة ۔۔۔ علینا وهم کانوا احق واظلما

"ہماری قوم نے ہم سے انصاف کرنے سے انکار کر دیا تو ہم نے یوں انصاف کیا کہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے۔ ہم ایسے مردوں کی کھوپڑیاں چیرتے ہیں جو ہمیں عزیز ہیں کیونکہ وہ زیادہ نافرمان اور زیادہ ظالم ہیں"۔ ④

---

① کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۵، مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۹۵، الفصول المہمہ: ابن صباغ، ص ۲۰۵

② کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۵

③ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۷، کامل ابن اثیر ج ۴، ص ۳۵، تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۸، الصواعق المحرقۃ: ص ۱۱۹، الفروع فی فقہ الحنابلہ: ابن مفلح حنبلی، ج ۳، ص ۵۴۹، مجمع الزوائد: ابن حجر: ج ۹، ص ۱۹۵، الفصول المہمہ: ابن صباغ، ص ۲۰۵، الخطط المقریزیہ: ج ۳، ص ۲۸۹، البدایۃ: ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۹۲، شرح مقامات الحریری، شریشی: ج ۱، ص ۱۹۳ پر دسویں مقام کے آخر میں۔ ایام العرب فی الاسلام: محمد ابی الفضل اور علی محمد بجاوی، ص ۴۳۵، مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۵، اور الاتحاف بحب الاشراف: ص ۲۳ پر ہے کہ یزید (ملعون) ایک چھڑی کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کے سامنے والے دندانِ مبارک پر مار رہا تھا اور "الآثار الباقیۃ": بیرونی، ص ۳۳۱، مطبوعہ آفسٹ۔

④ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۵، الفصول المہمہ": ابن صباغ، ص ۲۰۵، جبکہ یافعی نے "مرآۃ الجنان" ج ۱، ص ۱۳۵ پر پہلا شعر یہ تحریر کیا ہے:

صبرنا فکان الصبر منا عزیمة ۔۔۔ واسیافنا یقطعن کفاً ومعصما

سبط ابن جوزی نے "تذکرۃ الخواص" ص ۱۴۸ پر ان اشعار کو بعض مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مؤرخین کے ایک گروہ نے صرف دوسرا بیت الشعر ذکر کیا۔ ان میں درج ذیل مؤرخین شامل ہیں: "شرح مقامات الحریری": شریشی، ج ۱، ص ۱۹۳، "العقد الفرید": اندلسی، ج ۲، ص ۳۱۳، "البدایۃ": ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۹۷، "الارشاد": شیخ مفید، "تاریخ طبری"، ابن جریر طبری، ج ۶، ص ۲۶۷ اور اس نے کہا ہے کہ یہ بیت الشعر حصین بن حمام المری کا ہے۔

یہ سن کر مروان کا بھائی یحییٰ بن حکم بن ابی العاص جو یزید (ملعون) کے پاس بیٹھا تھا، اس نے کہا:

لهام بجنبِ الطف ادنى قرابة من ابن زياد العبد ذي الحسب الوغل

سمية امسى نسلها عدد الحصى وليس لآل المصطفى اليوم من نسل

''میدانِ طف (کربلا) میں جو مارا گیا ہے وہ پست فطرت و ذلیل ابن زیاد (ملعون) سے زیادہ قریبی ہے۔ سمیہ کی نسل ریت کے ذرات کے برابر ہے جب کہ آج آلِ مصطفیؐ کی نسل باقی نہیں رہی''۔

یہ سن کر یزید (ملعون) نے اس کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا: بکواس بند کر، تیری ماں نہ رہے۔ [1]

یزید کو حضرت امام حسینؑ کے دندانِ مبارک پر چھڑی سے گستاخی کرتا ہوا دیکھ کر ابوبرزہ اسلمی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسولِ خداؐ کو حضرت امام حسینؑ اور ان کے بھائی حضرت امام حسنؑ کے سامنے والے دو دانتوں اور لبوں پر بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے اور اس وقت رسولِ خداؐ فرما رہے تھے:

اَنْتُمَا سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ قتل اللهُ قَاتِلَكُمَا ولعنه واعدله جهنم وساءت مصيراً

''تم دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہو، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے قاتل کو قتل کرے اور اس پر خدا کی لعنت ہو اور اس کے لیے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے جو کہ بہت برا ٹھکانہ ہے''۔

ابوبرزہ اسلمی کی زبان سے یہ جملے سن کر یزید (ملعون) آگ بگولا ہو گیا اور اسے دربار سے باہر نکالنے کا حکم دیا۔ پھر یزید (ملعون) کے سپاہی اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ [2]

یہ گستاخی دیکھ کر قیصرِ روم کا سفیر یزید (ملعون) کی طرف متوجہ ہو کر بولا: ہمارے ملک میں ایک جزیرہ میں حضرت

---

[1] ''تاریخ طبری'': ج ۶، ص ۲۶۵، ''کامل ابن اثیر'': ج ۴، ص ۳۷، جب کہ ابن حجر کی کتاب ''مجمع الزوائد'' ج ۹، ص ۱۹۸ پر، اور ''مناقب ابن شہرآشوب'' ج ۲، ص ۲۲۶ پر دوسرے شعر کی دوسری سطر یوں مذکور ہے: وبنت رسول الله ليس لها نسل۔ ''البدایۃ'': ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۹۳ پر مذکور ہے کہ حصین یہ اشعار پڑھا کرتا تھا اور اس میں دوسرا بیت الشعر ''مجمع الزوائد'' میں مذکور بیت الشعر کے موافق ہے۔ ابن نما کی ''مثیر الاحزان'' ص ۵۴ پر مروی ہے کہ جب حسن مثنیٰ بن حسنؑ نے یزید کو حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر پر چھڑی سے مارتا ہوا دیکھا تو کہا: ہائے ذلت و رسوائی۔

سمية امسى نسلها عدد الحصى وبنت رسول الله ليس لها نسل

''تذکرۃ الخواص'' ص ۱۴۹ پر مذکور ہے کہ جب حسن بصری کو پتا چلا کہ یزید نے حضرت امام حسینؑ کے سر اقدس سے یہ گستاخی کی ہے تو اس نے دوسرا شعر پڑھا اور ''الاغانی'' ج ۱۲، ص ۷۱ پر ان دو اشعار کو ایک تیسرے شعر کے ساتھ عبدالرحمٰن بن حکم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ''مقتل الخوارزمی'': ج ۲، ص ۵۶ پر ان دو اشعار کو مروان کے بھائی عبدالرحمٰن بن حکم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

[2] ''الملہوف'': ص ۱۰۲، جب کہ ''الفصول المہمہ'': ص ۲۵۰، ''تاریخ طبری'': ج ۶، ص ۲۶۷، اور ''مناقب ابن شہرآشوب'': ج ۲، ص ۲۶ پر یہ واقعہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

عیسیٰؑ کے گدھے کے کھروں (سموں) کے نشانات ہیں۔ ہم ہر سال مختلف علاقوں سے وہاں پر زیارت کے لیے جاتے ہیں اور وہاں پر نذرو ہدیے پیش کرتے ہیں۔ ہم اس کی یوں تعظیم و تکریم کرتے ہیں جیسے تم اپنی مقدس کتابؑ کی تعظیم و تکریم کرتے ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ باطل پر ہو۔ (صواعق محرقہ: ص ۱۱۹)

سفیر روم کی اس گفتگو نے یزید (ملعون) کو غضب ناک کر دیا اور اس (ملعون) نے سفیر روم کے قتل کا حکم صادر کیا تو یہ سفیر روم چلتا ہوا حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کے پاس آیا اور اسے بوسہ دینے کے بعد کلمہ پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ جب سفیر روم کو قتل کیا گیا تو یزید (ملعون) کے دربار میں بیٹھے ہوئے افراد نے امامؑ کے سر مبارک سے اُونچی آواز میں یہ سنا: لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ۔ [1]

پھر حضرت امام حسینؑ کے سر اقدس کو دربار سے لے جایا گیا اور اسے تین دن تک یزید (ملعون) کے محل کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ [2] جب یزید (ملعون) کی بیوی عمرو بن سہیل کی بیٹی ہند نے اپنے گھر کے دروازے پر ایک سر دیکھا [3] جس سے نورِ الٰہی روشن ہو رہا تھا اور اس کا خون ابھی تازہ تھا جو کہ خشک نہ ہوا تھا اور اس سے طیب و پاکیزہ خوشبو کی مہک اُٹھ رہی تھی۔ [4] یہ منظر دیکھ کر یزید (ملعون) کی بیوی چادر کے بغیر ہی تیزی سے یزید کے دربار کی طرف بڑھی جہاں پر وہ محفل لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے کہا: رسولؐ خدا کے نواسے کا سر ہمارے گھر کے دروازے پر لٹک رہا ہے۔ تو یزید (ملعون) فوراً اُٹھ کر اس کی جانب بڑھا اور اس پر چادر کروائی اور کہا: اے ہند! حسینؑ پر خوب گریہ کرو۔ بے شک! یہ بنی ہاشم کے فریادرس اور مددگار تھے مگر ابن زیاد (ملعون) نے انھیں قتل کرنے میں جلدی کی۔ [5] یزید (ملعون) نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ ان سروں کو جامع اُموی اور شہر کے مختلف دروازوں پر لٹکا دیا جائے تو انھوں نے ایسے ہی کیا۔ (نفس المہموم: ص ۲۴۷)

مروان (لعین) حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر بہت خوش ہوا (معاذ اللہ) اور اس نے یہ شعر پڑھا:

ضربت دوسی فیهم ضربة　　　اثبتت اوتاد ملك فاستقر

---

[1] "مقتل العوالم": ص ۱۵۱، "مثیر الاحزان": ابن نما، جب کہ "مقتل الخوارزمی" ج ۲، ص ۷۲ پر اس نصرانی کا یزید (ملعون) کے ساتھ مکالمہ اور پھر اس کا قتل ہونا مذکور ہے لیکن امامؑ کے سر اطہر کا کلام کرنا مذکور نہیں ہے۔

[2] "الخطط المقریزیہ": ج ۲، ص ۲۸۹، "الاتحاف بحب الاشراف": ص ۲۲، "مقتل الخوارزمی": ج ۲، ص ۷۵، "البدایہ": ابن کثیر، ج ۸، ص ۲۰۴، "سیر اعلام النبلاء": ج ۳، ص ۳۱۶

[3] مقتل العوالم: ص ۱۵۱۔ اس کتاب کے شروع میں ہند کے باپ کا تعارف اور یہ پہلے کس کی بیوی تھی، کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

[4] الخطط المقریزیہ: ج ۲، ص ۲۸۴

[5] مقتل الخوارزمی: ج ۲، ص ۷۴

"دوسر (عراق کے ایک فوجی دستہ کا نام) نے انھیں ایسی ضرب لگائی کہ اس نے بنو اُمیہ کی بادشاہت کے ستونوں کو مزید مستحکم کر دیا ہے"۔

پھر اس ملعون نے حضرت امام حسینؑ کے چہرۂ اقدس پر چھڑی مارتے ہوئے کہا:

یاحبذا بردك فی الیدین ولونك الاحمر فی الخدین
کانه بات بعسجدین شفیت منك النفس یاحسین

"اے حسینؑ! تمھارے ہاتھوں میں سفیدی اور رخساروں کی سرخی کتنی پیاری لگ رہی ہے گویا کہ یہ سونے کے ٹکڑے ہوں اور میرے دل کو تمھارے قتل سے ٹھنڈک پہنچی ہے"۔ [1]

ایک شامی اور حضرت فاطمہ بنت علی علیہاالسلام

راویوں نے بیان کیا ہے کہ ایک شامی نے فاطمہ بنت علیؑ [2] کو دیکھا تو یزید (ملعون) سے کہا کہ یہ کنیز مجھے تحفہ میں دے دو تاکہ میری خدمت کرے۔ یہ منظر دیکھ کر امیرالمومنینؑ کی بیٹی گھبرا گئیں اور اپنی بہن عقیلۂ بنی ہاشم حضرت زینب علیہاالسلام کے قریب ہو کر ان سے لپٹ گئیں اور کہا: میں کنیزی میں کیسے جاؤں گی؟

تو جناب زینبؑ نے فرمایا: تم مت گھبراؤ، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

اس پر یزید نے کہا: اگر میں چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔

---

[1] "ریاض الاحزان": ص ۵۹، "مثیر الاحزان": ابن نما، ص ۵، جب کہ سبط ابن جوزی نے صرف پہلا بیت اشعر بیان کیا ہے۔ ابن ابی الحدید نے "شرح نہج البلاغہ": ج ۱، ص ۳۶۱، مطبوعہ مصر میں مذکور ہے کہ جب مروان کے پاس حضرت امام حسینؑ کا سر پہنچا تو اس وقت یہ مدینہ کا گورنر تھا اور اس نے یہ اشعار پڑھے:

یاحبذا بردك فی الیدین وحمرة تجری علی خدین
کانما بات بعسجدین

پھر مروان (لعین) نے امام علیہ السلام کے سر اطہر کو رسولِ خدا کی قبر مبارک کی طرف پھینک کر کہا: یامحمد یوم بیوم بدر "اے محمدؐ! آج کا دن جنگ بدر کے دن کا بدلہ ہے"۔ یہ روایت مشہور ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مروان اس وقت مدینہ کا گورنر نہیں تھا جب کہ اس وقت مروان کا شام میں موجود ہونا بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن جریر طبری کی "تاریخ طبری": ج ۶، ص ۲۶۷ اور ابن کثیر کی "البدایہ" ج ۸، ص ۱۹۹ پر یہ عبارت ہے کہ اس وقت مروان وہاں پر (یعنی شام میں) موجود تھا اور جو لوگ اپنے اہل و عیال سمیت شام میں پہنچ رہے تھے۔ وہ ان سے پوچھ رہا تھا کہ تم نے حسینؑ کے ساتھ کیا کچھ کیا ہے۔

[2] "تاریخ طبری": ج ۶، "البدایہ": ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۹۳، "امالی شیخ صدوق": ص ۱۰۰، مجلس ۳۱، جب کہ ابن نما نے "مثیر الاحزان": ص ۵۴ اور خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ": ج ۲، ص ۶۲ پر نقل کیا ہے کہ یہ فاطمہ بنت حسینؑ تھیں۔

تو جنابِ زینبؑ نے اس کو جواب دیا: یہ تم صرف اس صورت میں کر سکتے ہو کہ ہمارے دین سے نکل جاؤ۔
اس پر یزید نے کہا: دین سے تو تیرا باپ اور تیرا بھائی خارج ہوا ہے۔
اس پر حضرت زینبؑ نے فرمایا: اگر تو مسلمان ہے تو پھر تم نے اور تمھارے باپ نے اللہ تعالیٰ، میرے نانا، میرے بابا اور میرے بھائی کے دین کے ذریعے اسلام قبول کیا تھا۔
تو یزید (ملعون) نے کہا: اے خدا کی دشمن! تو نے جھوٹ بولا ہے۔
یہ سن کر جنابِ زینبؑ نے فرمایا: انت امیر مسلّط تشتم ظالماً وتقهر بسلطانك [1]
"تو ایک سر پھرا بادشاہ ہے جو ظلم وستم کے ساتھ برا بھلا کہہ رہا ہے اور اپنی سلطنت کے بل بوتے پر قہر وستم ڈھا رہا ہے"۔
شامی نے اپنی خواہش کو دہرایا تو یزید (ملعون) نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا: دفع ہو جاؤ اور خدا تجھے جلد موت دے۔ (تاریخ طبری: ج ٦، ص ٢٦٥)

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا دربارِ یزید میں خطبہ

ابن نما اور ابن طاووس [2] نے ذکر کیا ہے کہ جب زینبؑ بنت علیؑ [3] نے یہ سنا کہ یزید (ملعون) ابن زبعری [4] کے ان اشعار کو پڑھ رہا ہے:

لیت اشیاخی ببدر شهدوا   جزع الخزرج من وقع الاسل
لأهلوا واستهلوا فرحاً   ثم قالوا یایزید لاتشل

[1] تاریخ کامل ابن اثیر: ج ٤، ص ٣٥
[2] جنابِ زینب علیہا السلام کا یہ خطبہ "بلاغات النساء" ص ٢١، مطبوعہ نجف اشرف اور مقتل الخوارزمی: ج ٢، ص ٦٤ پر مذکور ہے۔
[3] خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ" میں ان کا تعارف یوں کروایا ہے کہ ان کی والدہ رسولؐ خدا کی بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام ہیں۔
[4] سید ابن طاووس نے "اللھوف" ص ١٠٢، مطبوعہ صیدا میں ان اشعار کی نسبت ابن زبعری کی طرف دی ہے لیکن یہ تمام اشعار ابن زبعری کے نہیں ہیں۔ خوارزمی نے "مقتل الحسینؑ": ج ٢، ص ٦٦، ابن ابی الحدید نے "شرح نہج البلاغہ" ج ٣، ص ٣٨٣، مطبوعہ مصر، پہلا ایڈیشن اور ابن ہشام نے اپنی کتاب "سیرت النبیؐ" میں جنگِ اُحد کے ضمن میں سولہ ابیات الشعر ذکر کیے ہیں۔ ان میں ابن طاووسؒ کے بیان کردہ اشعار میں سے صرف پہلا اور تیسرا بیت الشعر مذکور ہے۔ ان کی روایت کے مطابق تیسرے بیت الشعر کا دوسرا آدھا مصرع یوں ہے: وعدلنا میل بدر فاعتدل۔
ابوعلی القالی کی کتاب "امالی" ج ١، ص ١٤٢، اور "شرح المکری" ج ١، ص ٣٨٧ کی روایت کے مطابق یہ مصرع یوں ہے: واقمنا میل بدر فاعتدل، جاحظ کے "رسالۃ فی بنی اُمیہ" میں رسائل کے مجموعہ میں ہے کہ ابن زبعری نے کہا ہے: لیت اشیاخی...... اور پھر تین ابیات الشعر ذکر کیے ہیں اور یہ اشعار کتاب اللھوف میں مذکور اشعار سے تھوڑے مختلف ہیں۔ بیرونی نے "الآثار الباقیۃ" ص ٣٣١، مطبوعہ اوفسٹ میں چوتھے بیت الشعر کے علاوہ باقی تمام ابیات الشعر ذکر کیے ہیں۔

قد قتلنا القوم من ساداتهم وعدلناه ببدر فاعتدل
لعبت بنی هاشم بالملك فلا خبرجاء ولا وحی نزل
لست من خندف ان لم انتقم من بنی احمد ما كان فعل

"اے کاش! میرے وہ بزرگ آج زندہ ہوتے جو جنگِ بدر میں مارے گئے تو وہ دیکھتے کہ تلواروں اور نیزوں کے چلنے سے خزرج کس طرح آہ وزاری کر رہے ہیں۔ وہ یہ منظر دیکھ کر خوشی کے مارے چلا اُٹھتے اور کہتے: اے یزید! تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں۔
ہم نے ان کے بزرگوں کو قتل کر کے ان سے جنگِ بدر کا حساب بے باق کر لیا ہے۔ بنو ہاشم نے حکومت حاصل کرنے کے لیے ایک ڈھونگ رچایا تھا جب کہ نہ تو کوئی خبر آئی اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔ احمد (نبیؐ) کے بیٹوں نے جو کام کیا ہے اگر میں اس کی اولاد سے اس کا انتقام نہ لوں تو میں خندف کی اولاد نہیں"۔

جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

الحمد لله رب العالمين ، وصلى الله على رسوله وآله أجمعين، صدق الله سبحانه حيث يقول: ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآؤُا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿سورة الروم: آیت ۱۰﴾ أظننت يايزيد حيث أخذت علينا أقطار الارض وآفاق السماء فأصبحنا نساق كما تساق الأسارى أن بنا على الله هوانا، وبك عليه كرامة، وأن ذٰلك لعظم خطرك عنده فشمخت بأنفك، ونظرت في عطفك، جذلان مسروراً ، حين رأيت الدنيا لك مستوسقة، والأمور متسقة ، وحين صفالك ملكنا وسلطاننا فمهلًا مهلًا ، أنسيت قول الله تعالى: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿سورة آل عمران: آیت ۱۷۸﴾

أمن العدل يا ابن الطلقاء ، تخديرك حرائرك وإماءك ، وسوقك بنات رسول الله سبايا، قد هتكت ستورهن ، وأبديت وجوههن ، تحدو بهن الأعداء من بلد إلى بلد، ويستشرفهن أهل المناهل والمعاقل ، ويتصفح وجوههن القريب والبعيد ، والدني والشريف، ليس معهن من حماتهن حمي ولا من رجالهن ولي، وكيف يرتجى مراقبة من لفظ فوه أكباد الأزكياء ، ونبت لحمه من دماء الشهداء وكيف يستبطأ في بغضنا أهل البيت من نظر

إلینا بالشنف والشنآن، والاحن والاضغان ثم تقول غیر متأثم ولا مستعظم:

لأهلوا واستهلوا فرحًا ثم قالوا یایزید لاتشل

منحنیًا علی ثنایا أبی عبداللہ سید شباب أهل الجنة تنکتها بمخصرتك وکیف لا تقول ذلك، وقد نکأت القرحة، واستأصلت الشأفة، باراقتك دماء ذُریة محمد ونجوم الأرض من آل عبدالمطلب وتهتف بأشیاخك زعمت أنك تنادیهم فلتردن وشیکًا موردهم ولتودن أنك شللت وبکمت ولم تکن قلت ما قلت وفعلت ما فعلت اللهم خذلنا بحقنا، وانتقم ممن ظلمنا، وأحلل غضبك بمن سفك دماءنا، وقتل حماتنا۔

فواللہ ما فریت الاجلدك، ولا حززت الا لحمك، ولتردن علی رسول اللہ ﷺ بما تحملت من سفك دماء ذُریته وانتهکت من حرمته فی عترته ولحمته، حیث یجمع اللہ شملهم، ویلم شعثهم، ویأخذ بحقهم وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿سورۃ آل عمران: آیت ۱۶۹﴾

وحسبك باللہ حاکمًا، وبمحمد خصمًا، وبجبرائیل ظهیرًا، وسیعلم من سول لك ومکنك من رقاب المسلمین بئس للظالمین بدلًا وأیکم شر مکانًا، وأضعف جندًا۔ ولئن جرّت علی الدواهی مخاطبتك، انی لأستصغر قدرك وأستعظم تقریعك، وأستکثر توبیخك، لکن العیون عبری، والصدور حرّی۔

ألا فالعجب کل العجب، لقتل حزب اللہ النجباء، بحزب الشیطان الطلقاء فهذہ الأیدی تنطف من دمائنا، والأفواہ تتحلب من لحومنا وتلك الجثث الطواهر الزواکی تنتابها العواسل، وتعفرها أمهات الفرعل ولئن اتخذتنا مغنمًا لتجدنا وشیکًا مغرمًا، حین لاتجد إلا ما قدمت یداك وما ربك بظلام للعبید، وإلی اللہ المشتکی وعلیه المعول۔

فکد کیدك، واسع سعیك، وناصب جهدك، فواللہ لا تمحو ذکرنا، ولاتمیت وحینا، ولا یرحض عنك عارها، وهل رأیك الافند وأیامك الاعدد، وجمعك الابدد یوم ینادی المنادی ألا لعنة اللہ علی الظالمین۔

والحمد للہ رب العالمین، الذی ختم لأولنا بالسعادة والمغفرة ولآخرنا بالشهادة والرحمة ونسأل اللہ أن یکمل لهم الثواب، ویوجب لهم المزید ویحسن علینا الخلافة،

انه رحیم ودود، وحسبنا الله ونعم الوکیل۔
"سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو کائنات کا پروردگار ہے اور خدا کی رحمتیں نازل ہوں پیغمبر اکرمؐ پر اور آپؐ کی پاکیزہ عترت و اہلِ بیتؑ پر۔
امابعد! کتنی سچائی ہے خداوندِ عالم کے اس فرمان میں کہ "بالآخر ان لوگوں کا انجام بُرا ہے جنھوں نے اپنے دامنِ حیات کو بُرائیوں کی سیاہی سے داغ دار کر کے اپنے خدا کی آیات کی تکذیب کی اور آیاتِ پروردگار کا مذاق اُڑایا"۔
اے یزید (لعین)! کیا تُو سمجھتا ہے کہ تُو نے ہم پر زمین کے گوشے اور آسمان کے کنارے تنگ کر دیے ہیں اور آلِ رسولؐ کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر دَربدر پھرانے سے تُو خدا کی بارگاہ میں سرفراز ہوا ہے اور ہم رُسوا ہوئے ہیں؟ کیا تیرے خیال میں ہم مظلوم ہو کر ذلیل ہو گئے اور تُو ظالم بن کر سربلند ہوا ہے؟ کیا تُو سمجھتا ہے کہ ہم پر ظلم کر کے خدا کی بارگاہ میں تجھے شان و مقام حاصل ہو گیا ہے؟ آج تُو اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں سرمست ہے، مسرت و شادمانی سے سرشار ہو کر اپنے غالب ہونے پر اِترا رہا ہے اور زمام داری (خلافت) کے ہمارے مسلّمہ حقوق کو غصب کر کے خوشی و سرور کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور نہ ہو اور ہوش کی سانس لے۔ کیا تُو نے خدا کا یہ فرمان بھلا دیا ہے کہ "حق کا انکار کرنے والے یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے انھیں جو مہلت دی ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ ہم نے انھیں اس لیے ڈھیل دے رکھی ہے کہ جی بھر کر اپنے گناہوں میں اضافہ کر لیں اور ان کے لیے خوفناک عذاب معین کر چکا ہے"۔
اے طلقا کے بیٹے! (آزاد کردہ غلاموں کی اولاد) کیا یہ تیرا انصاف ہے کہ تُو نے اپنی مستورات اور لونڈیوں کو چادر اور چاردیواری کا تحفظ فراہم کر کے پردے میں بٹھا رکھا ہے جب کہ رسولؐ زادیوں کو سربرہنہ دربدر پھرا رہا ہے۔ تُو نے مخدراتِ عصمت کی چادریں لوٹ لیں اور ان کی بے حرمتی کا مرتکب ہوا۔ تیرے حکم پر اشقیاء نے رسولؐ زادیوں کو بے نقاب کر کے شہر بہ شہر پھرایا۔ تیرے حکم پر دشمنانِ خدا، اہلِ بیتِ رسولؐ کی پاک دامن مستورات کو ننگے سر لوگوں کے ہجوم میں لے آئے اور لوگ رسولؐ زادیوں کے کھلے سر دیکھ کر ان کا مذاق اُڑا رہے ہیں اور دُور و نزدیک کے رہنے والے سب لوگ ان کی طرف نظریں اُٹھا اُٹھا کر دیکھ رہے ہیں۔ ہر شریف و کمینے کی نگاہیں ان پاک بیبیوں کے ننگے سروں پر جمی ہوئی ہیں اور آج رسولؐ زادیوں کے ساتھ ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ آج ان قیدی مستورات

کے ساتھ ان کے مرد موجود نہیں ہیں جو ان کی سرپرستی کریں۔ آج آلِ محمدؐ کا معین و مددگار کوئی نہیں ہے۔ اس شخص سے بھلائی کی کیا توقع ہو سکتی ہے جس کی ماں (یزید کی دادی ہندہ) نے پاکیزہ لوگوں کے جگر کو چبایا ہو اور اس شخص سے انصاف کی کیا اُمید ہو سکتی ہے جس نے شہیدوں کا خون پی رکھا ہو، وہ شخص کس طرح ہم اہلِ بیتؑ پر مظالم ڈھانے میں کمی کر سکتا ہے جو بغض و عداوت اور کینے سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ ہمیں دیکھتا ہے۔

اے یزید (لعین)! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کرنے اور اتنے بڑے گناہ کو انجام دینے کے باوجود فخر و مباہات کرتا ہوا یہ کہہ رہا ہے کہ آج اگر میرے اجداد زندہ ہوتے تو ان کے دل باغ باغ ہو جاتے اور مجھے دعائیں دیتے ہوئے کہتے کہ اے یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔

اے یزید (لعین)! کیا تجھے حیا نہیں آتی کہ تُو جوانانِ جنت کے سردار حسینؑ ابن علیؑ کے دندانِ مبارک پر چھڑی مار کر ان کی بے ادبی کر رہا ہے۔ اے یزید (لعین)! تو کیوں خوش نہ ہو اور فخر و مباہات کے قصیدے کیوں نہ پڑھے کیونکہ تُو نے اپنے ظلم و استبداد کے ذریعے فرزندِ رسولِؐ خدا اور عبدالمطلبؑ کے خاندانی ستاروں کا خون بہا کر ہمارے دلوں کے زخموں کو گہرا کر دیا ہے اور شجرۂ طیبہ کی جڑیں کاٹنے کے گھناؤنے جرم کا مرتکب ہوا ہے۔ تُو نے اولادِ رسولؐ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین کیے ہیں۔ تُو نے عبدالمطلبؑ کے خاندان کے ان نوجوانوں کو تہہِ تیغ کیا ہے جن کی عظمت و کردار کے درخشندہ ستارے زمین کے گوشے گوشے کو منور کیے ہوئے ہیں۔ آج تو آلِ رسولؐ کو قتل کر کے اپنے بدنہاد (برے) اسلاف کو پکار کر انھیں اپنی فتح کے گیت سنانے میں منہمک ہے۔ تُو سمجھتا ہے کہ وہ تیری آواز سن رہے ہیں؟ (جلدی نہ کر) عنقریب تُو بھی اپنے ان کافر بزرگوں کے ساتھ جا ملے گا اور اس وقت اپنی گفتار و کردار پر پشیمان ہو کر یہ آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ شل ہو جاتے اور میری زبان بولنے سے عاجز ہو جاتی اور میں نے جو کچھ کیا اور کہا ہے اس سے باز رہتا۔

اے ہمارے پروردگار! تُو ہمارا حق ان ظالموں سے ہمیں دلا دے اور تُو ہمارے حق کا بدلہ ان سے لے۔ اے پروردگار! تو ہی ان ستم گروں سے ہمارا انتقام لے۔ اے خدا! تُو ہی ان پر اپنا غضب نازل فرما جس نے ہمارے عزیزوں کو خون میں نہلایا اور ہمارے مددگاروں کو تہہِ تیغ کر دیا۔

اے یزید (لعین)! (خدا کی قسم!) تُو نے جو ظلم کیا ہے یہ تُو نے اپنے ساتھ ظلم کیا ہے۔ تُو نے کسی کی نہیں بلکہ اپنی ہی کھال چاک کی ہے اور تُو نے کسی کا نہیں بلکہ اپنا ہی گوشت کاٹا ہے۔ تُو رسولِؐ خدا کے

سامنے ایک مجرم کی صورت میں لایا جائے گا اور تجھ سے تیرے اس گھناؤنے جرم کی بازپرس ہوگی کہ تو نے اولادِ رسولؐ کا خونِ ناحق کیوں بہایا اور رسولؐ زادیوں کو کیوں دربدر پھرایا؟ نیز رسولؐ کے جگر پاروں کے ساتھ کیوں ظلم روا رکھا۔

اے یزید (لعین)! یاد رکھ کہ خدا تجھ سے آلِ رسولؐ کا انتقام لے کر ان مظلوموں کا حق انھیں دلائے گا اور انھیں امن وسکون کی نعمت سے مالا مال کر دے گا۔ خدا کا فرمان ہے کہ "تم گمان نہ کرو کہ جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے وہ مر چکے ہیں بلکہ وہ ہمیشہ کی زندگی پا گئے اور بارگاہِ الٰہی سے روزی پا رہے ہیں"۔

اے یزید! یاد رکھ! کہ تو نے جو ظلم آلِ محمدؐ پر ڈھائے ہیں، اس پر رسولِ خدا، عدالتِ الٰہی میں تمھارے خلاف شکایت کریں گے اور جبرئیل امینؑ آلِ رسولؐ کی گواہی دیں گے۔ پھر خدا اپنے عدل و انصاف کے ذریعے تجھے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا اور یہی بات تمھارے برے انجام کے لیے کافی ہے۔

عنقریب وہ لوگ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے جنھوں نے تمھارے لیے ظلم و استبداد کی بنیادیں مضبوط کیں اور تمھاری آمرانہ سلطنت کی بساط بچھا کر تجھے اہلِ اسلام پر مسلط کر دیا۔ ان لوگوں کو بہت ہی جلد معلوم ہو جائے گا کہ ستم گروں کا انجام برا ہوتا ہے اور کس کے ساتھی ناتوانی کا شکار ہیں۔

اے یزید (لعین)! یہ گردشِ ایام اور حوادثِ روزگار کا اثر ہے کہ مجھے تجھ جیسے بدنہاد سے ہمکلام ہونا پڑا ہے اور میں تجھ جیسے ظالم وستم گر سے گفتگو کر رہی ہوں۔ لیکن یاد رکھ! میری نظر میں تو ایک نہایت پست اور گھٹیا شخص ہے، جس سے کلام کرنا بھی شریفوں کی توہین ہے۔ میری اس جرأتِ سخن پر تو مجھے اپنے ستم کا نشانہ ہی کیوں نہ بنا دے لیکن میں اسے ایک عظیم امتحان اور آزمائش سمجھتے ہوئے صبر واستقامت اختیار کروں گی اور تیری بدکلامی و بدسلوکی میرے عزم واستقامت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

اے یزید (لعین)! آج ہماری آنکھیں اشکبار ہیں اور سینوں میں آتشِ غم کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ شیطان کے ہم نوا اور بدنام لوگوں نے رحمٰن کے سپاہیوں اور پاکباز لوگوں کو تہہ تیغ کر ڈالا ہے اور ابھی تک اس شیطانی ٹولے کے ہاتھوں سے ہمارے پاک خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں اور ان کے ناپاک دہن ہمارا گوشت چبانے میں مصروف ہیں۔ صحرا کے بھیڑیے ان پاکباز شہیدوں کی مظلوم لاشوں کے اردگرد گھوم رہے ہیں اور جنگل کے نجس درندے ان پاکیزہ جسموں کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔

اے یزید (لعین)! اگر آج تو ہماری مظلومیت پر خوش ہو رہا ہے اور اسے اپنے دل کی تسکین کا باعث

سمجھ رہا ہے تو یاد رکھ کہ جب تُو قیامت کے دن اپنی بدکرداری کی سزا پائے گا تو اس کا برداشت کرنا تیرے بس سے باہر ہوگا۔ خدا عادل ہے اور وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ ہم اپنی مظلومیت اپنے خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ہر حال میں اسی کی عنایت اور عدل و انصاف پر ہمارا بھروسہ ہے۔

اے یزید (لعین)! تُو جتنا چاہے مکر وفریب کر لے اور بھرپور کوشش کر کے دیکھ لے مگر تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تُو نہ تو ہماری یاد لوگوں کے دلوں سے مٹا سکتا ہے اور نہ ہی وحی الٰہی کے پاکیزہ آثار محو کر سکتا ہے۔ تُو یہ خیالِ خام اپنے دل سے نکال دے کہ ظاہر سازی کے ذریعے ہماری شان ومنزلت کو پالے گا۔ تُو نے جس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اس کا بدنما داغ اپنے دامن سے نہیں دھو پائے گا۔ تیرا نظریہ نہایت کمزور اور گھٹیا ہے۔ تیری حکومت میں گنتی کے چند دن باقی ہیں۔ تیرے سب ساتھی تیرا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ تیرے پاس اس دن کی حسرت و پریشانی کے سوا کچھ بھی نہیں بچے گا جب منادی ندا کرے گا کہ ظالم وستم گر لوگوں کے لیے خدا کی لعنت ہے۔ ہم خدائے قدوس کی بارگاہ میں سپاس گزار ہیں کہ ہمارے خاندان کے پہلے فرد حضرت محمد مصطفیٰؐ کو سعادت ومغفرت سے بہرہ مند فرمایا اور امام حسینؑ کو شہادت و رحمت کی نعمتوں سے نوازا۔ ہم بارگاہِ ایزدی میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے شہیدوں کے ثواب واجر میں اضافہ وتکمیل فرمائے اور ہم باقی سب افراد کو اپنی عنایتوں سے نوازے۔ بے شک خدا ہی رحم ورحمت کرنے والا اور حقیقی معنوں میں مہربان ہے۔ خدا کی عنایتوں کے سوا ہمیں کچھ مطلوب نہیں اور ہمیں صرف اور صرف اسی کی ذات پر بھروسہ ہے اس لیے کہ اس سے بہتر کوئی سہارا نہیں ہے"۔

پھر یزید (ملعون) نے کہا:

یاصیحۃ تحمد من صوائح ما اھون النوح علی النوائح

"اے وہ آہ وفغاں جس کی آہ وفغاں کرنے والے تعریف کرتے ہیں، نوحہ اور غم منانے کے لیے نوحہ اور غم منانا کس قدر آسان ہے"۔

یزید (ملعون) کی جہالت اور اس کی گمراہی پر اس کا وہ قول شاہد ہے جو اس نے اس وقت بیان کیا۔ جب اس نے حضرت امام حسینؑ کے سر اقدس کو دیکھ کر اپنے پاس موجود شامیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ فاطمہؑ کے بیٹے کا یہ انجام کیوں ہوا ہے؟

انھوں نے جواب دیا: نہیں۔

تو یزید (ملعون) نے کہا: حسینؑ یہ گمان کرتا تھا کہ اس کا باپؑ میرے باپ سے بہتر ہے اور اس کی ماں فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ میری ماں سے بہتر ہے اور اس کا نانا میرے نانا سے بہتر ہے اور وہ خود مجھ سے بہتر اور مجھ سے زیادہ اس امر خلافت کا حق دار ہے۔

تو پس! (امام) حسینؑ کا یہ کہنا کہ اس کا باپؑ میرے باپ سے بہتر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرے باپ نے اس کے باپ کے خلاف اللہ کی بارگاہ میں محاکمہ کیا تو لوگ جانتے ہیں کہ پھر کس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا، اور اس کا یہ کہنا کہ اس کی ماں میری ماں سے بہتر ہے تو اس میں شک نہیں کہ رسولؐ خدا کی بیٹی فاطمہؑ میری ماں سے بہتر ہے۔

اور اس کا یہ کہنا کہ اس کا نانا میرے نانا سے بہتر ہے تو اس میں شک نہیں کہ جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کی نظر میں رسولؐ خدا کی مثل اور نظیر کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن حسینؑ پر یہ بلا اور مصیبت اس کی کم عقل وفہم کی وجہ سے آئی ہے (معاذ اللہ) اور اس نے یہ آیت نہیں پڑھی تھی:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ

"(اے پیغمبرؐ) کہہ دیجیے کہ اے بادشاہت وملک کے مالک پروردگار! تُو جسے چاہتا ہے بادشاہت و ملک عطا کرتا ہے اور تُو جس سے چاہتا ہے بادشاہت وملک چھین لیتا ہے اور تُو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے"۔ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۲۶)

اور اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا تھا:

وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۴۷)

"اور خدا جسے چاہتا ہے اُس اپنی سلطنت وبادشاہت عطا کرتا ہے"۔ [1]

خرابۂ شام (شام کا زندان) اور آلِ رسولؐ کی بے کسی

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے اس خطبہ سے دربار یزید میں کھلبلی مچ گئی اور وہاں پر بیٹھے ہوئے لوگ آپس میں ایک دوسرے سے اس گمراہی اور ضلالت کے بارے میں گفتگو کرنے لگے کہ وہ کس وادی میں سرگرداں ہیں۔ اس وقت یزید (ملعون) کو اس کے سوا اور کوئی راہ نظر نہ آئی کہ آلِ رسولؐ کو اس مجلس سے نکال کر خرابۂ شام بھیج دیا جائے جہاں پر یہ نہ گرمی سے بچ سکیں اور نہ ہی سردی سے اپنا بچاؤ کر سکیں۔ پس! پھر اسیرانِ آلِ محمدؐ کو وہاں پر بھیج دیا گیا اور انھوں نے تین دن [2]

---

[1] "تاریخ طبری": ج ۶، ص ۲۶۶، "البدایہ": ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۹۵

[2] "الملہوف": ص ۲۰۷، امالی شیخ صدوق: ص ۱۰۱، مجلس ۳۱

تک حضرت امام حسینؑ پر نوحہ و گریہ کیا۔[1]

ایک دن حضرت امام سجادؑ اس خرابہ سے باہر چہل قدمی کے لیے نکلے تو امامؑ سے منہال بن عمرو کی ملاقات ہوئی۔ اس نے امامؑ سے پوچھا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کی زندگی کیسے گزر رہی ہے؟

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

أمسينا كمثل بني اسرائيل في آل فرعون يذبحون ابناءهم ويستحيون نساءهم، امست العرب تفتخر على العجم بانّ محمداً منها وامست قريش تفتخر على سائر العرب بانّ محمداً منها وامسينا معشر اهل بيته مقتولين مشرّدين فانّا لله وانّا اليه راجعون[2]

"ہمارا وقت ان بنی اسرائیل کی طرح گزر رہا ہے جو آلِ فرعون کی ظالم حکومت میں زندگی گزار رہے تھے اور ان کی حالت یہ تھی کہ آلِ فرعون ان کے بچوں کو ذبح کر دیتے تھے اور ان کی عورتوں کو (کنیزی کے لیے) زندہ رکھتے تھے۔ تمام عرب اس بات پر عجم پر فخر کرتے ہیں کہ حضرت محمدؐ عربی ہیں اور قریش اس بات پر تمام عرب پر فخر کرتے ہیں کہ حضرت محمدؐ خاندانِ قریش سے ہیں اور اس محمدؐ کی ہم اہلِ بیت کا حال یہ ہے کہ ہمارے عزیزوں کو قتل کر کے ہمیں دربدر کر دیا گیا۔ پھر امام علیہ السلام نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھا"۔

منہال کہتا ہے: جب حضرت امام سجادؑ میرے ساتھ یہ گفتگو فرما رہے تھے تو اس وقت ایک خاتون آپؑ کے پیچھے سے نکل کر آئیں اور فرمایا: اے بہترین جانشین! کہاں جا رہے ہو؟ پھر آپؑ مجھے چھوڑ کر جلدی سے اس خاتون کے ساتھ واپس چلے گئے۔ پھر میں نے اس خاتون کے متعلق استفسار کیا تو مجھے پتا چلا کہ یہ آپؑ کی پھوپھی حضرت زینبؑ ہیں۔ (الانوار النعمانیہ: ص ۳۴۰)

■■■

---

[1] "مقتل الخوارزمی": ج ۲، ص ۳۴۔ یہ خرابہ یا یوں کہیں کہ قید خانہ جیسا کہ یونینی کی کتاب "مرآۃ الزمان": ج ۴، ص ۱۳۶ پر ۶۸۱ھ کے واقعات کے تحت مذکور ہے کہ گیارہ رمضان ۶۸۱ھ میں دمشق میں آگ لگی جس سے دمشق کا سوق اللبادین اور کتب فروشوں کی پلی، فوارہ چوک، کپڑوں کی مارکیٹ جو سوق عسالاللہ کے نام سے معروف ہے اور جیرون میں پانی کی ٹنکی جل گئی اور یہ آگ مجوں کی گلی کے کشادہ دروازے، قصرِ جیرون کے وسط اور اس مسجد عمری کے وسط تک پہنچ گئی جو دمشق کی جامع مسجد کے مرکزی دروازے کے راستے پر واقع ہے اور یہ جامع مسجد قید خانہ زین العابدینؑ سے بالکل متصل ہے۔

[2] "مثیر الاحزان": ابن نما، ص ۵۸؛ "مقتل الخوارزمی": ج ۲، ص ۷۲

اَسیرانِ آلِ محمدؐ کی شام سے مدینہ واپسی

یزید (ملعون) حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہلِ بیتؑ و اصحابؓ کے قتل اور رسولؐ خدا کی بہو بیٹیوں کی اسیری پر بہت خوش ہوا۔ [1] اس نے اپنی سجائی ہوئی محفل میں اس خوشی کا اظہار بھی کیا اور اس نے ابن زبعری کے اشعار کے ذریعے اپنی مسرت و خوشی کا اظہار بھی کیا، یہاں تک کہ رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے نزول کا واضح اور صریحاً انکار کر دیا اور اس نے اپنے الحاد اور کفر کی بالکل پروا نہ کی، لیکن جب اسے بہت زیادہ لعن طعن اور اس کی مذمت کی گئی تو اس پر یہ واضح ہوگیا کہ اس کو ناکامی ہوئی ہے اور اس نے ایسی بدعملی اور غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کا کوئی اور شخص مرتکب نہیں ہوا یہاں تک کہ جن لوگوں نے دین اسلام قبول نہیں کیا، انھوں نے بھی یہ جسارت نہیں کی۔ یزید ملعون کو اس وقت اپنے باپ معاویہ کی طرف سے کی گئی وصیت کی حکمت اور مقصد سمجھ میں آیا جب اس نے یزید کو وصیت کرتے ہوئے یہ کہا:

اِنَّ اھل العراق لن یدعوا الحسین حتّٰی یخرجوہ فاذا خرج علیک فاصفح عنہ فان لہ رحمًا ماسۃ وحقًا عظیمًا۔ (تاریخ طبری: ج۶ ص۱۸۰)

"یقیناً عراق کے لوگ اس وقت تک حسینؑ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ وہ ان کو خروج پر آمادہ کر کے تمھارے خلاف میدان میں نہ لے آئیں۔ پس اگر وہ تمھارے خلاف خروج کریں تو ان سے عفو و درگزر سے کام لینا کیونکہ ان کی ہمارے ساتھ قریبی رشتہ داری اور ان کا ہم پر عظیم حق ہے"۔

یزید (ملعون) کو اس کے خاص احباب، رشتہ داروں اور اس کی خواتین نے ملامت کی کیونکہ انھوں نے یزید (ملعون) کی گستاخیوں اور جسارتوں کو خود ملاحظہ کیا تھا اور جب اس نے سفیر روم کو قتل کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے حضرت امام حسینؑ کے سرِ اطہر سے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کی صدا سنی تھی۔ (مقتل العوالم: ص۱۵۰)

جب یزید (ملعون) نے اپنے اس گھناؤنے جرم اور سنگدلی کا دمشق میں ہر طرف چرچا سنا تو اس نے لوگوں کی لعن طعن اور گالیوں سے بچنے کے لیے اس جرم کو ابن زیاد (ملعون) کے کندھوں پر ڈال دیا لیکن حقیقت کو چھپایا اور مٹایا نہیں جاسکتا ہے۔

---

[1] "تاریخ الخلفاء"، جلال الدین سیوطی: ص ۱۳۹

جب یزید (ملعون) کو اپنے خلاف فتنہ وفساد کے اُٹھنے اور انقلاب برپا ہونے کا خوف محسوس ہوا تو اس نے حضرت امام سجادؑ اور آپؑ کے خاندان کو شام سے نکال کر ان کو وطن بھیجنے میں جلدی کی اور اُسیرانِ آلِ محمدؐ کی چاہت کے مطابق انھیں وہ عطا کرنے کا حکم دیا۔ اس نے نعمان بن بشیر اور اس کے ہمراہ ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ مدینہ تک ان کے ساتھ جائیں"۔ ("ارشاد"، شیخ مفیدؒ)

جب آلِ محمدؐ کا یہ قافلہ عراق پہنچا تو انھوں نے راستے کی رہنمائی کرنے والے شخص سے کہا: مُرْبِنَا عَلٰی طَرِیْقِ کَرْبَلَا "ہمیں کربلا کے راستے سے لے کر چلو"۔

جب یہ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی قتل گاہ پر پہنچے تو وہاں پر جابر بن عبداللہ انصاری، بنی ہاشم کی ایک جماعت اور اولادِ رسولؐ خدا کے کچھ مردوں کو دیکھا۔ پھر وہ حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے اس حالت میں آگے بڑھے کہ وہ سب گریہ وزاری اور ماتم داری کر رہے تھے۔ انھوں نے کربلا میں حضرت امام حسینؑ پر تین دن تک [1] نوحہ اور گریہ وزاری کی۔ [2]

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری نے حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک کے قریب کھڑے ہو کر فریاد کرتے ہوئے بہت زیادہ گریہ کیا اور تین دفعہ کہا: یَا حُسَیْنُ۔ پھر فرمایا:

> حَبِیْبٌ لا یجیب حبیبه وأنّی لك بالجواب وقد شحطت أو داجك علی أثباجك وفرق بین رأسك وبدنك، فأشهد أنك ابن خاتم النبیّن، وابن سیّد المومنین، وابن حلیف التقویٰ، وسلیل الهدیٰ، وخامس أصحاب الكساء، وابن سیّد النقباء، وابن فاطمة الزهراء سیّدة النساء! ومالك لا تكون كذٰلك وقد غذتك كف سیّد المرسلین، وربیت فی حجر المتقین ورضعت من ثدی الایمان، وفطمت بالإسلام، فطبت حیاً وطبت میتًا غیر أن قلوب المومنین غیر طیبة بفراقك، ولا شاكة فی الحیرة لك، فعلیك سلام الله ورضوانه، وأشهد أنك مضیت علی ما مضی علیه أخوك یحییٰ بن زكریا۔

"کیا ایک محبوب اپنے محبوب کو جواب نہیں دے گا؟ لیکن (اے آقا و مولا!) آپؑ جواب کیسے دیں آپؑ کی گردن کی رگوں کو کاٹ کر خون آلود کردیا گیا اور آپؑ کے سر کو بدن سے جدا کر دیا گیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ خاتم النبیینؐ کے فرزند ہیں۔ آپؑ مومنوں کے سیدوسردار کے فرزند ہیں، آپؑ سراپا تقویٰ و پرہیزگاری کے فرزند ہیں، آپؑ فرزندِ رُشد وہدایت ہیں، اور آپؑ چادرِ تطہیر میں جمع ہونے

---

[1] "الملہوف": ص ۱۱۲، "مثیر الاحزان": ابن نما، ص ۹۷

[2] ریاض الاحزان: ص ۱۵۷

والے پنجتن پاک کے پانچویں فرد ہیں۔ آپؑ سرداروں کے سیّد و سردار کے فرزند ہیں۔ آپؑ عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند ہیں اور آپؑ کی یہ شان اور قدر و منزلت کیوں نہ ہو جب کہ آپؑ نے سیّد المرسلینؐ کے دست مبارک سے غذا کھائی ہے۔ آپؑ نے متقی و پرہیزگار لوگوں کی آغوش میں پرورش پائی ہے، آپؑ کی ایمان کے دودھ سے نشوونما ہوئی اور آپؑ راہِ اسلام پر گامزن رہے۔
آپؑ نے مطمئن زندگی گزاری اور حالتِ اطمینان میں موت سے ہمکنار ہوئے لیکن آپؑ کی جدائی اور فراق پر مومنوں کے دل بے چین اور بے سکونی کی کیفیت سے دوچار ہیں اور آپؑ کی اس عظیم قربانی پر کسی کو شک نہیں۔ پس! آپؑ پر خدا کی سلامتی اور رضا و خوشنودی ہو۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ پر اسی طرح مظالم ڈھائے گئے جیسے آپؑ کے بھائی حضرت زکریاؑ کے بیٹے حضرت یحییٰؑ پر ڈھائے گئے تھے"۔

پھر حضرت جابر بن عبداللہ انصاری نے حضرت امام حسینؑ کے گرد نظر دوڑائی اور (دیگر شہدائے کربلا کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:

السَّلام علیکم ایتھا الارواح التی حلّت بفناء الحسین واناخت برحله ، اشھد انّکم اقمتم الصلاۃ ، وآتیتم الزکوٰۃ وامرتم بالمعروف ، ونھیتم عن المنکر ، وجاھدتم الملحدین وعبدتم اللہ حتّی اتاکم الیقین ۔ والذی بعث محمداً بالحق نبیاً، لقد شارکناکم فیما دخلتم فیه۔

"اے ارواح! آپ پر سلام ہو کہ جو حضرت امام حسینؑ کے آستاں پر آئیں اور ان کے احاطے میں اپنی سواریاں بٹھائیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، نیکیوں کا حکم دیا، برائیوں سے منع کیا۔ آپ نے ظلم اور منکرانِ دین کے خلاف جہاد کیا اور خدا کی اس قدر عبادت کی کہ یقین کی منزلت پر فائز ہوئے۔ اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ نبیؐ بنا کر بھیجا، یقیناً! ہم نے بھی تمہارے ساتھ اس معرکہ میں شرکت کی کہ جس میں تم داخل ہوئے ہو"۔

یہ سن کر (حضرت جابرؓ کے غلام) عطیہ عوفی نے ان سے عرض کیا: ہم ان کے ساتھ اس معرکہ میں کیسے شریک کار رہے حالانکہ ہم نے نہ تو کسی وادی میں پڑاؤ ڈالا اور نہ ہی کسی پہاڑ پر چڑھے اور نہ ہی تلوار سے کوئی ضرب لگائی جب کہ ان لوگوں کے سروں کو ان کے تن سے جدا کیا گیا۔ ان کی اولاد کو یتیم اور ان کی بیویوں کو بیوہ کر دیا گیا؟

حضرت جابر نے اسے جواب دیا: بے شک! میں نے اپنے حبیب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا کَانَ مَعَهُمْ وَمَنْ اَحَبَّ عَمَلَ قَوْمٍ اُشْرِكَ فِي عَمَلِهِمْ

"جس شخص نے کسی قوم سے محبت کی تو وہ بھی اس قوم کے ساتھ ہوگا اور جس نے کسی قوم کے عمل کو پسند کیا تو وہ بھی ان کے اس عمل میں شریک ہوا"۔

اس ذات کی قسم! جس نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا: بے شک! میری اور میرے ساتھیوں کی نیت وہی ہے جس پر حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب دنیا سے رخصت ہوئے ہیں"۔ [1]

حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کو بدن کے ساتھ دفن کرنا

جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے دیکھا کہ یزید (ملعون) ان کی بات ماننے کے لیے تیار ہے تو آپؑ نے اس سے شہداؑ کے تمام سروں کو مانگا تاکہ وہ انھیں اپنی جگہ پر بدن کے ساتھ دفن کرسکیں تو یزید (ملعون) نے آپؑ کی اس بات کو رد نہ کیا اور حضرت امام حسینؑ، آپؑ کے اہل بیتؑ اور اصحاب کے سروں کو حضرت امام زین العابدینؑ کے حوالے کیا۔ حضرت امام زین العابدینؑ نے ان کے سرہائے مقدسہ کو ان کے بدن کے ساتھ ملحق کر دیا۔

"حبیب السیر" میں ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ تمام سروں کو کربلا لے کر آئے تھے۔ اسی طرح "نفس المہموم" ص ۲۵۳ اور "ریاض الاحزان" ص ۱۵۵ پر مذکور ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا سر اطہر امام زین العابدینؑ کربلا لائے تھے اور وہاں پر دفن کیا تو اس حوالے سے فتال نے "روضۃ الواعظین" ص ۱۶۵ اور ابن نما حلی نے "مثیر الاحزان" ص ۵۸ پر تحریر کیا ہے کہ شیعہ امامیہ کے نزدیک اسی قول پر اعتماد کیا گیا ہے۔ ابن طاؤسؒ نے "اللھوف" ص ۱۱۲ پر تحریر کیا ہے کہ شیعہ امامیہ کا عمل اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔ طبرسیؒ کی کتاب "اعلام الوریٰ" ص ۱۵۱، "مقتل العوالم" ص ۱۵۴، "ریاض المصائب" اور "بحارالانوار" میں اس قول کے متعلق مذکور ہے کہ یہی قول علماء کے درمیان مشہور ہے۔

ابن شہر آشوب نے "المناقب" ج ۲، ص ۲۰۰ پر بیان کیا ہے کہ سید مرتضیٰؒ نے اپنے کچھ رسائل میں یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کو آپؑ کے بدن اطہر کے پاس کربلا لوٹایا گیا تھا۔ "بحارالانوار" میں علامہ حلی کے بھائی کی کتاب "العدد القویۃ" سے بھی منقول ہے۔ قزوینی نے "عجائب المخلوقات" ص ۶۷ پر تحریر کیا ہے کہ ۲۰ صفر کو حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کو آپؑ کے جسدِ مبارک کی طرف لوٹا دیا گیا تھا۔ شبراوی کہتا ہے: یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے چالیس دن بعد آپؑ کے سر اطہر کو آپؑ کے جسد مبارک کی طرف لوٹا دیا گیا تھا۔ [2] ابن حجر کی کتاب

---

[1] "بشارۃ المصطفیٰ": ص ۸۹، مطبوعہ حیدریہ روضات الجنات میں مذکور ہے کہ "بشارۃ المصطفیٰ" کے مؤلف کا نام ابوجعفر محمد بن ابی القاسم بن محمد بن علی طبری عاملی ہے جو کہ پانچویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، انھوں نے شیخ طوسیؒ کے بیٹے سے کسب علم کیا۔

[2] الاتحاف بحب الاشراف: ص ۱۲

"شرح همزیۃ البوصیری" میں ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے قتل کے چالیس دن بعد آپؑ کے سر اطہر کو آپؑ کے جسد مبارک کے پاس لوٹا دیا گیا تھا۔ سبط ابن جوزی کہتا ہے: مشہور قول یہ ہے کہ آپؑ کے سر اطہر کو واپس کربلا میں لاکر آپؑ کے جسدِ اطہر کے ساتھ دفن کر دیا گیا تھا۔ ①

مناوی نے "الکواکب الدریۃ" ج ۱ص ۵۷ پر بیان کیا ہے کہ شیعہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کو واپس کربلا لاکر دفن کیا گیا تھا اور قرطبی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اہل کشف وشہود کی طرف اس بات کو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ کشف کے ذریعے اس بات سے مطلع ہوئے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کو واپس کربلا لاکر دفن کیا گیا تھا۔ ابوریحان البیرونی نے کہا ہے کہ ۲۰ صفر کو حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کو آپؑ کے جسدِ مبارک کی طرف لوٹا یا گیا تھا اور پھر آپؑ کے سر اطہر کو جسدِ مبارک کے ساتھ دفن کر دیا گیا تھا۔ ②

ان درج بالا نصوص کی بنا پر ہرگز کسی ایسے قول پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا جو مذکورہ قول کے برعکس ہو۔ جن مشاہیر کی طرف سے یہ روایت نظر آتی ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کو آپؑ کے بابا جان کی قبر مبارک کے پاس دفن کیا گیا تو ان کا خود اس قول سے اعراض (رُوگردانی) کرنا ہمیں اس بات کا پتا دیتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ قول معتبر اور موثق نہیں ہے کیونکہ اس روایت کی اسناد مکمل نہیں ہیں اور اس کے راوی غیر معروف ہیں۔

جب ابوبکر آلوسی سے یہ سوال کیا گیا کہ حضرت امام حسینؑ کا سر اطہر کہاں مدفون ہے؟ تو اس نے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

لا تطلبوا رأس الحسین　　بشرق ارض او بغرب

ودعوا الجمیع وعرجوا　　نحوی فمشهده بقلبی

"حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کو زمین کے شرق یا غرب میں تلاش نہ کرو اور سب لوگوں کو بلاؤ اور وہ میری طرف مائل ہیں کیونکہ امام حسینؑ کا روضۂ مبارک میرے دل میں آباد ہے"۔ ③

---

① تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۰

② الآثار الباقیۃ: ج ۱، ص ۳۳۱

③ "بابلیات": ج ۳، ص ۱۲۸ پر مذکور ہے کہ سبط ابن جوزی نے ان دو اشعار کو تذکرۃ الخواص میں ذکر کیا ہے۔ مؤلف کہتے ہیں کہ "تذکرۃ الخواص" ص ۱۵۹، مطبوعہ نجف میں سبط ابن جوزی کی یہ عبارت ہے کہ ہمارے جلیل القدر علماء میں سے ایک عالم نے یہ اشعار کہے ہیں: لا تطلبوا رأس الحسین......الخ۔

چہلم کا دن

یہ ایک روایت اور دستور چلا آ رہا ہے کہ اپنے عزیز کی موت اور بچھڑ جانے کے چالیس دن بعد اسے خراج تحسین پیش کرنے اور اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرتے ہوئے سوگ کی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور سوگ کی ان مجالس کے ذریعے اس کی یادوں کو ہمیشہ باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ دماغ ان یادوں کو بھلا دیں اور دلوں سے ان کی محبت ماند پڑ جائے۔ لہٰذا ان کی یاد کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے خوب صورت اشعار زبانوں پر جاری ہوتے ہیں اور یوں ان کی یادیں دلوں پر نقش کی جاتی ہیں۔ ان اشعار کے ذریعے کئی سالوں اور نسلوں تک وہ لوگوں کے دل و دماغ میں زندہ رہتے ہیں یا سوگ کی ان مجالس میں ایسا فصیح و بلیغ خطاب کیا جاتا ہے جسے کتابوں میں شامل کر کے تاریخ کا پائیدار حصہ بنا دیا جاتا ہے جس کو وقت ختم نہیں کر سکتا۔ پس! جب بھی ان اشعار کو زبان پر لایا جائے گا اور ایک تحقیق و جستجو کرنے والا شخص کتابوں میں ان خطابات و تقاریر کا مطالعہ کرے گا جو اس شخص کی سوگ کی مجلس پر کی گئی تھیں تو وہ مرنے والا شخص لوگوں کے اذہان میں زندہ رہے گا کیونکہ لوگ اس کے فضائل و کمالات کا تذکرہ سنتے اور پڑھتے رہیں گے۔ یہ ایک اچھی روش ہے اور جس قدر بچھڑنے والے کی اہمیت اور عظمت و فضیلت زیادہ ہوگی اس قدر ہی اس کے لیے اس کی وفات کے بعد ان تعزیتی مجالس کے اہتمام کی قدر و قیمت اور اہمیت بھی زیادہ ہوگی۔ بے شک! جن ہستیوں سے اصلاح اور بھلائی کا درس ملتا ہے اور مختلف شریعتوں میں جن ذوات مقدسہ کی اتباع اور پیروی کی جاتی ہے، ان کے لیے ایسی مجالس کا اہتمام کرنا اہم اور اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے کیونکہ ان ہستیوں کے افعال و اعمال اور تعلیمات کی نشر و اشاعت سے ان کے پیروکار ان کی ذات کو عملی نمونہ قرار دیتے ہوئے اپنی اصلاح کرتے ہیں اور اپنے نفس کو مہذب بناتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری اور ابن عباس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو حدیث نقل کی ہے وہ بھی اسی معنی کو بیان کرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

ان الارض لتبکی علی المؤمن اربعین صباحًا[1]

"زمین چالیس دن تک مومن پر (اس کی موت کے بعد) گریہ کرتی ہے"۔

زرارہ نے ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

انّ السماء بکت علی الحسین اربعین صباحًا بالدم والارض بکت علیه اربعین صباحًا بالسواد والشمس بکت علیه اربعین صباحًا بالکسوف والحمرة والملائکة بکت علیه اربعین صباحًا وما اختضبت امرأة منا ولا ادھنت ولا اکتحلت ولا رجلت حتّٰی اتانا رأس

[1] "مجموعہ الشیخ ورام": ج ۲، ص ۲۷۶، "بحار الانوار": ج ۲، ص ۶۷۶، باب: "حضرت علیؑ کی شہادت میں"، مناقب ابن شہر آشوب سے منقول ہے۔

عبید اللہ بن زیاد و ما زلنا فی حسرة من بعدہ۔[1]

"بے شک! آسمان نے چالیس دن تک خون برسا کر حضرت امام حسینؑ پر گریہ کیا اور زمین نے چالیس دن تک ظلمت و تاریکی کے ذریعے حضرت امام حسینؑ پر گریہ کیا اور سورج نے چالیس دن تک سورج گرہن اور سرخی کے ذریعے حضرت امام حسینؑ پر گریہ کیا اور فرشتوں نے بھی چالیس دن تک حضرت امام حسینؑ پر گریہ وزاری کی اور ہماری کسی عورت نے اس وقت تک اپنے سر میں مہندی اور تیل نہ لگایا اور نہ ہی کسی نے آنکھوں میں سرمہ لگایا اور نہ ہی کسی نے اپنے بالوں میں کنگھی کی، یہاں تک کہ عبید اللہ ابن زیاد (ملعون) کا سر کاٹ کر ہمارے پاس لایا گیا اور ہم شہادت حسینؑ کے بعد ہمیشہ غم زدہ رہتے اور گریہ وزاری کرتے تھے"۔

مختلف اقوام و مذاہب کے لوگوں کے درمیان یہ طریقہ اور عادت رائج ہے کہ وہ چالیس دن تک اپنے مرنے والے کا سوگ مناتے ہیں۔ جب چالیسواں دن (چہلم) ہوتا ہے تو اس دن اس کی قبر پر تعزیتی مجلس کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں اس متوفی کے عزیز و اقارب اور دوست احباب شرکت کرتے ہیں۔ یہ طریقہ صرف مسلمانوں سے مختص نہیں ہے بلکہ عیسائی بھی اپنے مرنے والے کی وفات کے چالیسویں دن ایک تعزیتی مجلس کا انعقاد کرتے ہیں۔ وہ اس دن گرجا گھر (چرچ) میں جمع ہو کر اس پر دوبارہ نماز پڑھتے ہیں، جسے وہ نماز جنازہ کہتے ہیں۔ وہ اس کی وفات کے چھٹے ماہ بعد اور پھر ایک سال بعد اس عمل کا تکرار کرتے ہیں۔

یہودی اپنے مرنے والے کی وفات کے تیس دن بعد اور پھر چھٹے ماہ اور ایک سال بعد اس سوگ اور تعزیتی مجلس کا تکرار کرتے ہیں۔[2] وہ یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں تا کہ مرنے والے کی یاد کو زندہ کیا جائے اور اس کے درجات کو بلند کیا جائے۔ اگر یہ مرنے والا عظیم اور بلند اوصاف و فضائل کا مالک ہو تو ایسا کرنے کا مقصد اس کے اعمال اور آثار سے مستفید ہونا ہوتا ہے۔

بہر حال! ایک بحث و تحقیق کرنے والے عالم کو اصلاح اور خیر و بھلائی کرنے والے گروہ میں کوئی ایسا مرد نظر نہیں آئے گا جو تمام فضائل و مناقب سے آراستہ ہو اور اس کی ساری زندگی اور قیام کا مقصد اور شہادت دعوت الٰہی کی خاطر ہو اور اس نے اپنی زندگی میں اور شہادت کے ذریعے اصلاحی دروس اور اجتماعی نظم و ضبط، اخلاقی تعلیمات اور دینی وعظ و نصیحت سے لوگوں کو روشناس کیا ہو۔ پس! وہ ہستی صرف اور صرف جوانانِ جنت کے سردار حضرت امام حسینؑ کی ذاتِ مبارک ہے جو دین،

---

[1] "مستدرک الوسائل"، محدث نوری: ص ۲۱۵، باب ۹۴

[2] نہر الذھب فی تاریخ حلب: ج ا، ص ۲۳ اور ۲۶۷

امن وسلامتی اور اخلاق وتہذیب نفس کی اقدار کو لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کی خاطر شہید ہوئے۔ اس لیے حضرت امام حسینؑ کی ذات ہر ایک سے زیادہ اس بات کی حق دار ہے کہ ہر جگہ پر آپؑ کی یاد میں مجالس ومحافل کا انعقاد کیا جائے اور ان بلند اہداف و مقاصد کے حصول کی خاطر چہلم کے موقع پر حضرت امام حسینؑ کے حرمِ مقدس کی طرف سفر کرتے ہوئے جوق در جوق بڑھنا چاہیے۔

عام لوگوں کے لیے ان کی وفات کے بعد صرف پہلے چہلم پر تعزیتی مجالس کا انعقاد کیا جاتا ہے کیونکہ ان افراد کے فضائل وکمالات محدود ہوتے ہیں اور صرف اپنی ذات تک ہی محدود ہوتے ہیں جب کہ سیدالشہداء حضرت امام حسینؑ کے فضائل وکمالات کو شمار ہی نہیں کیا جاسکتا اور آپؑ کے حالاتِ زندگی سے ہر دفعہ نئے دروس اور عبرت حاصل ہوتی ہے کہ جب بھی آپؑ کی سیرت اور حیاتِ طیبہ کا ذکر کیا جائے اور ہر نسل کو ان اُمور سے آگاہی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

پس! ہر سال حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر آپؑ کی قبر مبارک کے پاس مجلس و ماتم کے انعقاد اور اہتمام کا مقصد آپؑ کی انقلابی تحریک اور قیامِ حسینیؑ کے اہداف و مقاصد کو زندہ کرنا اور لوگوں کو ان جرائم اور سنگدلی سے آگاہ کرنا جس کا ارتکاب بنواُمیہ اور ان کے ساتھیوں نے کیا ہے۔ کوئی خطیب یا شاعر حضرت امام حسینؑ آپؑ کے اہداف کے متعلق جس قدر بھی دسترس رکھتا ہو اس کے سامنے ہر دفعہ سیدالشہداء امام حسینؑ کی فضیلت کے نئے ابواب کھلتے ہیں۔

اسی لیے شیعیانِ حیدرِ کرار کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ ہر سال حضرت امام حسینؑ کے چہلم پر اپنے امامؑ سے تجدیدِ عہد کرتے ہیں اور ان کے اہداف کی سربلندی کی خاطر اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ جب کہ ابوجعفر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے درج ذیل فرمان میں لوگوں کے درمیان پائی جانے والی اس رسم اور عادت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

> ''حضرت امام حسینؑ پر آسمان نے چالیس دن تک یوں گریہ کیا کہ اس سے طلوع اور غروب کے وقت سرخی ظاہر ہوتی رہی''۔ (کامل الزیارات: ص۹۰، باب ۲۸)

علامات المؤمن خمس: صلاۃ إحدیٰ وخمسین وزیارۃ الاربعین والجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والتختم فی الیمین وتعفیر الجبین۔ [1]

''مومن کی پانچ علامات ہیں: ① اکاون رکعت نماز پڑھنا ② چہلم کے دن زیارتِ امام حسینؑ پڑھنا ③ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو باآواز بلند پڑھنا ④ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا ⑤ سجدہ کرتے وقت اپنی پیشانی خاک پر رکھنا۔

---

① یہ حدیث شیخ طوسیؒ نے ''التہذیب'': ج ۶، ص ۱۷، باب: ''زیارت امام حسینؑ کی فضیلت'' میں ابومحمد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے نقل کی ہے۔ شیخ طوسیؒ نے ''مصباح المتہجد'' ص ۵۱، مطبوعہ ہندوستان میں بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

لوگوں کے درمیان رائج عادت اور رسم ہماری اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر سیّدالشہداءؑ کی یاد میں مجلسِ عزا اور تعزیتی پروگرام کا انعقاد وہی شخص کرے گا جس کا سیّدالشہداءؑ کے ساتھ ولاء کا رشتہ قائم ہوگا اور جو آپؑ کا حُب دار اور پیروکار ہوگا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سیّدالشہداءؑ کے حقیقی پیروکار وہی ہیں جو آپؑ کی امامت کے معترف اور اس پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہیں۔ پس! جوانانِ جنت کے سردار جن کو دعوتِ الٰہیہ کی راہ میں شہید کیا گیا ہے، آپؑ سے ولاء و محبت اور آپؑ پر ایمان کی علامت یہ ہے کہ وہ سیّدالشہداء حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر آپؑ کی قبر مبارک پر مجلس و ماتم کا اہتمام کر کے آپؑ پر اور آپؑ کے اہلِ بیتؑ و اصحاب پر نازل ہونے والے مصائب و تکالیف کے مقابلے میں تجدید عہد کرتے ہیں۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی درج بالا حدیث کے بارے کہا جاتا ہے کہ اس حدیث میں "زیارت الاربعین" سے مراد چالیس مومنوں کی زیارت کرنا ہے، یہ کہنا، حدیث کو سمجھنے میں کوتاہی اور اس جملہ سے نتیجہ اخذ کرنے میں حیلہ بازی کی بنا پر ہے۔ ذوقِ سلیم رکھنے والا شخص ہرگز اس جملے کا یہ معنی نہیں لیتا بلکہ وہ اس معنی کو قبول کرنے سے بھی انکار کرتا ہے کیونکہ امامؑ کی اس حدیث میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے جو "زیارت الاربعین" سے مراد چالیس مومنوں کی زیارت اور خبر گیری پر دلالت کرتا ہو کیونکہ اگر امامؑ چالیس مومنوں کی زیارت کے بارے میں ارشاد فرمانا چاہ رہے ہوتے تو آپؑ "زیارت اربعین" کہتے، لیکن آپؑ نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ آپؑ کا الف اور لام عہدیہ کے ساتھ (یعنی "زیارۃ اربعین" کے بجائے "زیارۃ الاربعین" کہنا) اس حوالے سے خبردار اور متنبہ کرتا ہے کہ زیارۃ الاربعین (چہلم کے دن زیارتِ امام حسینؑ) ان پختہ مثالوں میں سے ایک ہے، جس کے متعلق حضرت امام حسن عسکریؑ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ایمان کی علامات اور بارہ اماموں کے ساتھ ولایت کے رشتہ سے مربوط ہونے کی دلیل ہے۔

بے شک! آلِ رسولؐ میں سے تمام آئمۂ اطہارؑ نجات کے دروازے اور رحمت کے سفینے ہیں اور آپؑ حضرات کی محبت و ولاء کی بنیاد پر مومن اور غیر مومن کو پہچانا جاتا ہے۔ یہ تمام آئمہ اطہارؑ اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ انھیں دینِ الٰہی اور اس کی تبلیغ کی خاطر شہید کیا گیا۔ انھوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اپنے خالق و مالک کے اس حکم کی اطاعت کرتے ہوئے خود کو شہادت کے لیے پیش کیا جس حکم کے متعلق ان کے جدِ بزرگوار رسولِ خداؐ کو وحی کی گئی تھی۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کے بیٹے ابو محمد حضرت امام حسنؑ نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "ہم میں سے تمام کے تمام بارہ امام شہید کیے جائیں گے، ان میں سے بعض کو تلوار اور بعض کو زہر سے شہید کیا جائے گا"۔

پس! ضروری ہے کہ ان آئمہ اطہارؑ میں سے ہر ایک کے چہلم پر مجلس عزا اور ماتم داری کا اہتمام کیا جائے۔ حضرت امام حسن عسکریؑ کی حدیث کے اس جملہ "زیارۃ الاربعین" میں ایسا "قرینہ لفظیہ" موجود نہیں ہے کہ جو صرف حضرت امام

حسینؑ کے متعلق خاص ہو۔ بہر حال! کیونکہ سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے قضیہ اور معرکہ کے ذریعے حق اور باطل کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے:

الاسلامُ بَدْؤُهٗ مُحَمَّدِیٌّ وَبَقَاؤُهٗ حُسَیْنِیٌّ

یعنی ''اسلام کی شروعات حضرت محمد ﷺ سے ہوئیں اور اسلام کو باقی حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانیوں نے رکھا''۔

حضرت رسولؐ خدا کی حدیث ہے:

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ

''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں''۔

حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی اس حدیث میں سید الشہداءؑ کی لازوال قربانیوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو انھوں نے اسلام کی بنیادوں کو مستحکم کیا اور شریعت کی راہ سے باطل کے کانٹوں کو ہٹایا اور آنے والی نسلوں کو گمراہ اور باطل ٹولے کے جرائم سے خبردار کیا۔ حضرت امام حسینؑ نے بعینہٖ اسی طرح قیام فرمایا جس طرح دین الٰہی کی تبلیغ اور نشرو اشاعت کی خاطر پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے آلِ رسولؐ میں سے دین کے آئمہ اور پیشواؤں میں سے ہر امام اور پیشوا نے حضرت امام حسینؑ کے قیام اور تحریک کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا کیونکہ اس حسینی تحریک نے ایسے مصائب اور تکالیف و سختیاں برداشت کیں جس سے سخت چٹان بھی ریزہ ریزہ ہو جاتی۔

آئمہ اطہارؑ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت امام حسینؑ کی مظلومیت کا مسلسل اظہار کرنے سے لوگوں کے عواطف و جذبات اُبھریں گے اور ان کے دل ان آئمہ اطہارؑ کی طرف خود بخود مائل ہوں گے۔ ان مصائب و مظالم کو سننے والے شخص کو یہ معلوم ہوگا کہ حضرت امام حسینؑ ایک عادل امام تھے، اس لیے آپؑ نے پست اور حقیر اُمور کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا اور ان کی امامت انھیں اپنے نانا رسولؐ خدا اور اپنے بابا وصی مصطفیٰ امیر المومنین حضرت علیؑ سے موروثی طور پر ورثہ میں ملی اور حضرت امام حسینؑ کا دشمن ظالم و جابر تھا۔ پس! جب سننے والے کو یہ معرفت حاصل ہو جائے گی کہ حق حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کی اولاد آئمہ معصومینؑ کے ساتھ ہے تو وہ ان حضرات کے طور طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے ان سے وابستہ ہو جائے گا اور ان آئمہ معصومینؑ کے راستے پر چلے گا۔

آئمہ معصومینؑ نے ان میں سے ہر ایک آئمہؑ کے چہلم پر مجلس و ماتم پر نہیں اُبھارا یہاں تک کہ نبی اسلام حضرت محمد ﷺ کے چہلم پر بھی ایسے اُمور کے انعقاد کا حکم نہیں دیا گیا لیکن حضرت امام حسینؑ کی تحریک اور مصائب و آلام کی یاد منانے پر آئمہ معصومینؑ نے بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے کیوں کہ یہ تحریک دینی رابطہ اور تعلق باقی رکھنے کے لیے ایک مضبوط

حامل اور محرک ہے۔ ان مجالس ومحافل کا اہتمام کرنا آئمہ معصومینؑ کے امر کو رائج کرنے کا موجب ہوتا ہے جو کہ آئمہ کے نزدیک محبوب ہے۔ جیسا کہ معصومؑ کا فرمان ہے:

اَحْيُوْا اَمْرَنَا وَتَذَاكَرُوْا فِيْ اَمْرِنَا۔

یعنی "ہمارے امر کو زندہ کرو اور ہمارے امر کے متعلق ایک دوسرے سے تذکرہ کرو"۔

بہرحال کتب کا مطالعہ کرنے والا ایک معزز شخص جب اس قسم کی احادیث کا مطالعہ کرتا ہے تو اس پر یہ آشکار ہو جاتا ہے کہ چہلم کے دن حضرت امام حسینؑ کی زیارت کرنا مومنین سے مختص ہے اور یہ مومنوں کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

مومن کی علامات

پہلی علامت:

اکاون رکعت نماز پڑھنا جو کہ معراج کی رات نبی اکرم ﷺ کی سفارش پر مذکورہ تعداد کے مطابق شرعاً مقرر ہوئیں۔ ان اکاون رکعتوں میں سے دن اور رات کی پانچ فرض نمازوں: فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی سترہ رکعتیں شامل ہیں۔ اور یومیہ نمازوں کے نوافل اور نماز شب (نماز تہجد) کی کُل چونتیس رکعتیں ہیں جن میں آٹھ رکعت نماز ظہر کے نوافل ہیں جو کہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے پڑھے جاتے ہیں۔ اور آٹھ رکعت نماز عصر کے نوافل ہیں جو کہ عصر کی فرض نماز سے پہلے پڑھے جاتے ہیں۔ چار رکعت نماز مغرب کے نوافل ہیں جو کہ مغرب کی فرض نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ اور دو رکعت نماز عشاء کے نوافل ہیں جو کہ نماز عشاء فریضہ کے بعد بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں جو کہ ایک رکعت شمار ہوتی ہے۔ اور دو رکعت نماز فجر کے نوافل ہیں جو کہ فجر کی نماز سے پہلے پڑھے جاتے ہیں۔ اور آٹھ رکعت نماز شب، دو رکعت نماز شفع اور ایک رکعت نماز وتر جو کُل گیارہ رکعتیں ہوئیں۔ تو پس! چونتیس رکعتیں نوافل اور سترہ رکعتیں فریضہ نماز کی کُل اکاون رکعتیں ہوئیں۔ یہ قول شیعہ امامیہ سے مختص ہے جب کہ اہل سنت کی فریضہ نماز کی رکعتوں میں شیعہ امامیہ سے اختلاف ہے۔

اہل سنت کے نزدیک نافلہ نمازوں کی رکعتوں کی تعداد کے حوالے سے ابن ہمام حنفی کی کتاب "فتح القدیر" ج ۱، ص ۳۱۴ پر مذکور ہے کہ فجر کی دو رکعت نافلہ نماز ہے جو کہ فجر کی فرض نماز سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اور نماز ظہر کی فرض نماز سے چار رکعت پہلے اور دو رکعت بعد میں اس کے نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ اور نماز عصر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت اس کے نوافل پڑھے جاتے ہیں اور اگر مکلف چاہے تو دو رکعت نوافل پر بھی اکتفا کر سکتا ہے۔ اور مغرب کی فرض نماز کے بعد اس کے دو رکعت نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ اور عشاء کی فرض نماز کے بعد اس کے چار رکعت نوافل

شیخ اسماعیل البروسوی نے اپنی کتاب "عقد الدرر" میں ذکر کیا ہے کہ اصل میں سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جائے لیکن یہ اہل بدعت وضلالت کا شعار بن چکا ہے۔ لہٰذا اب ہمارے زمانے میں سنت یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنی جائے۔ ①

چوتھی علامت:

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اس حدیث میں لفظ "تعفیر" ذکر ہوا ہے اور لغت میں تعفیر کا مطلب وضع الشیئ علی العفر وھو التراب ہے۔ یعنی کسی شے کو خاک پر رکھنا۔ اس حدیث شریف میں لفظ "الجبین" سے مراد پیشانی ہے۔ جیسا کہ شیخ یوسف بحرانی نے "حدائق الناظرۃ" میں اس کا یہ معنی اس دعوے کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اہل بیتؑ کی زبان مبارک سے زیادہ تر یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور تیمم کے باب میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ہے۔ پس امام حسن عسکریؑ کی اس حدیث میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مومن اپنی پیشانی سجدے کی حالت میں زمین پر رکھتا ہے جب کہ اہل سنت کے ہاں سجدے کے دوران پیشانی زمین پر رکھنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل سے مروی دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق عمامے کی پٹی ②، عام کپڑے ③ اور لباس پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ مذہب حنفیہ کے نزدیک ہتھیلی

---

① یہ حجۃ الاسلام شیخ امینی نے اپنی کتاب "الغدیر" ج۱۰، ص۱۱۱ پر "تفسیر روح البیان" ج۴، ص۱۴۲ سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ پہلی دفعہ اہل تشیع کی یوں مخالفت نہیں کی گئی ہے۔ ابواسحاق شیرازی کی کتاب "المھذب" ج۱، ص۱۳۷، "الوجیز"، غزالی، ج۱، ص۴۷، "المنھاج"، نووی، ص۲۵، "تحفۃ المحتاج فی شرح المنھاج" ابن حجر، ج۱، ص۵۶۰، "عمدۃ القاری فی شرح البخاری" عینی، ج۴، ص۲۴۸، "الفروع" ابن مفلح، ج۱، ص۶۸۱، "المغنی" ابن قدامہ، ج۲، ص۵۰۵ پر مذکور ہے کہ اب قبر کو ہموار بنانا اہل بدعت کے شعار سے مشابہ ہے۔ "رحمۃ الامۃ باختلاف الائمۃ" برحاشیہ "المیزان للشعرانی" ج۱، ص۸۸ پر مذکور ہے کہ قبروں کو ہموار بنانا سنت رسولؐ ہے لیکن چونکہ اب یہ رافضہ (شیعوں) کا شعار بن چکا ہے، لہٰذا اب زیادہ بہتر یہ ہے کہ ان کی مخالفت کرتے ہوئے قبروں کو اونٹ کی کوہان کی شکل میں بنایا جائے۔ اور دیگر ایسے امور جن میں اہل سنت اہل تشیع کی مخالفت کرتے ہوئے سنت کے خلاف عمل کرتے ہیں، ان میں سے ایک نبیؐ کے اہل بیتؑ و اطہارؑ پر مستقلاً درود شریف پڑھنا ہے۔ اس کے متعلق زمخشری نے سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۶ (اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ) کے تحت ذکر کیا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے لوگ رافضی (شیعہ) ہونے سے متہم کرتے ہیں اور نبیؐ نے فرمایا: ایسے امور اور موقف سے اجتناب کرو جس سے تم پر تہمت لگتی ہو"۔

ان میں سے ایک امر یہ ہے جو ابن حجر نے "فتح الباری" ج۱۱، ص۱۳۵، کتاب الدعوات، باب: "کیا غیر نبی پر درود وسلام پڑھا جائے" میں بیان کیا ہے کہ انبیاءؑ کے علاوہ کسی دوسرے پر سلام میں اختلاف ہے جب کہ زندہ پر درود وسلام کی مشروعیت پر اتفاق ہے۔ پس علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ مطلقاً جائز ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کی مشروعیت مشروط ہے اس بات سے کہ کسی ایک شخص پر الگ سے درود وسلام نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ رافضہ (شیعوں) کا شعار ہے۔

② "المیزان" شعرانی، ج۱، ص۱۳۸

③ "الھدایۃ" شیخ الاسلام المرغینانی، ج۱، ص۳۳

حامل اور محرک ہے۔ ان مجالس و محافل کا اہتمام کرنا آئمہ معصومینؑ کے امر کو رائج کرنے کا موجب ہوتا ہے جو کہ آئمہ کے نزدیک محبوب ہے۔ جیسا کہ معصومؑ کا فرمان ہے:

اَحْیُوْا اَمْرَنَا وَتَذَاکَرُوْا فِیْ اَمْرِنَا۔

یعنی "ہمارے امر کو زندہ کرو اور ہمارے امر کے متعلق ایک دوسرے سے تذکرہ کرو"۔

بہر حال کتب کا مطالعہ کرنے والا ایک معزز شخص جب اس قسم کی احادیث کا مطالعہ کرتا ہے تو اس پر یہ آشکار ہو جاتا ہے کہ چہلم کے دن حضرت امام حسینؑ کی زیارت کرنا مومنین سے مختص ہے اور یہ مومنوں کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

مومن کی علامات

پہلی علامت:

اکاون رکعت نماز پڑھنا جو کہ معراج کی رات نبی اکرم ﷺ کی سفارش پر مذکورہ تعداد کے مطابق شرعاً مقرر ہوئیں۔ ان اکاون رکعتوں میں سے دن اور رات کی پانچ فرض نمازوں: فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی سترہ رکعتیں شامل ہیں۔ اور یومیہ نمازوں کے نوافل اور نماز شب (نماز تہجد) کی کُل چونتیس رکعتیں ہیں جن میں آٹھ رکعت نماز ظہر کے نوافل ہیں جو کہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے پڑھے جاتے ہیں۔ اور آٹھ رکعت نماز عصر کے نوافل ہیں جو کہ عصر کی فرض نماز سے پہلے پڑھے جاتے ہیں۔ چار رکعت نماز مغرب کے نوافل ہیں جو کہ مغرب کی فرض نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ اور دو رکعت نماز عشاء کے نوافل ہیں جو کہ نماز عشاء فریضہ کے بعد بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں جو کہ ایک رکعت شمار ہوتی ہے۔ اور دو رکعت نماز فجر کے نوافل ہیں جو کہ فجر کی نماز سے پہلے پڑھے جاتے ہیں۔ اور آٹھ رکعت نماز شب، دو رکعت نماز شفع اور ایک رکعت نماز وتر جو کُل گیارہ رکعتیں ہوئیں۔ تو پس! چونتیس رکعتیں نوافل اور سترہ رکعتیں فریضہ نماز کی کُل اکاون رکعتیں ہوئیں۔ یہ قول شیعہ امامیہ سے مختص ہے جب کہ اہل سنت کی فریضہ نماز کی رکعتوں میں شیعہ امامیہ سے اختلاف ہے۔

اہل سنت کے نزدیک نافلہ نمازوں کی رکعتوں کی تعداد کے حوالے سے ابن ہمام حنفی کی کتاب "فتح القدیر" ج۱،ص ۳۱۴ پر مذکور ہے کہ فجر کی دو رکعت نافلہ نماز ہے جو کہ فجر کی فرض نماز سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اور نماز ظہر کی فرض نماز سے چار رکعت پہلے اور دو رکعت بعد میں اس کے نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ اور نماز عصر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت اس کے نوافل پڑھے جاتے ہیں اور اگر مکلف چاہے تو دو رکعت نوافل پر بھی اکتفا کر سکتا ہے۔ اور مغرب کی فرض نماز کے بعد اس کے دو رکعت نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ اور عشاء کی فرض نماز کے بعد اس کے چار رکعت نوافل

پڑھے جاتے ہیں اور اگر مکلف چاہے تو دو رکعت پر بھی اکتفا کر سکتا ہے۔

اہلِ سنت کی نمازِ شب کے متعلق مختلف اقوال ہیں کہ نمازِ شب کی آٹھ رکعتیں ہیں یا دو رکعتیں یا تیرہ رکعتیں ہیں یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ پس! درج بالا کسی بھی صورت میں فرض اور نافلہ نمازوں کی دن اور رات میں پڑھی جانے والی تمام رکعات کو ملا کر بھی اہلِ سنت کی اکاون رکعتیں نہیں بنتی ہیں تو پس! ثابت ہوا کہ اکاون رکعات نماز پڑھنے کا قول صرف مذہبِ امامیہ سے مختص ہے۔

دوسری علامت:

نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز میں پڑھنا۔ بے شک! مذہبِ امامیہ کے پیروکاروں نے اپنے آئمہ اطہارؑ کی احادیث سے تمسک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کے حصول کے لیے یہ بیان کیا ہے کہ جہری نمازوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز میں پڑھنا واجب ہے۔ اور اخفاتی نمازوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز میں پڑھنا مستحب ہے۔

اس کے متعلق فخر الدین رازی کہتا ہے: مذہب شیعہ کا یہ قول ہے کہ جہری اور اخفاتی نمازوں میں بسم اللہ کا بلند آواز میں پڑھنا سنت ہے جب کہ دیگر مذاہب کے فقہاء ان کے اس قول سے اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے اور جس نے بھی دین میں حضرت علیؑ کی اقتداء کی وہ ہدایت پا گیا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ پاک دلیل ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اللھم ادر الحق مع علی حیث دار (مفاتیح الغیب: ج۱، ص۱۰۷)

"اے اللہ! جدھر علیؑ مڑیں ادھر حق کو موڑ دے"۔

ابو الثناء آلوسی کو فخر الدین رازی کے یہ جملے ہضم نہ ہو سکے تو اس نے یہ کہتے ہوئے عیب جوئی کی کہ اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے جو منقول ہے وہ سب تواتر ہے اور اگر وہ اس پر تواتر کا گمان کرتے ہوئے عمل کرے تو یہ کفر ہے۔ پس! ان میں سے بعض پر ایمان رکھنا چاہیے اور بعض کا انکار کرنا چاہیے۔ فخر الدین رازی نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ جس نے بھی دین میں حضرت علی علیہ السلام کی اقتداء و پیروی کی وہ ہدایت یافتہ ہوا تو یہ بات مسلّم اور درست ہے بشرطیکہ اگر ہم پر یہ واضح ہو جائے کہ حضرت علی علیہ السلام اسی طریقے پر کاربند تھے اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو اس کی بالکل پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ (روح المعانی: ج۱، ص۴۷)

شیعیانِ حیدرِ کرار کو آلوسی اور اس جیسے دیگر افراد کے ایسے تند و تیز جملے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے کیونکہ ان کے قدم

سیدالاوصیاء حضرت علی علیہ السلام کی ولاء اور محبت میں راسخ ہو چکے ہیں۔ رسولِ خدا نے امیرالمومنین حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا:

یاعلی ما عرف الله تعالیٰ الّا انا وانت وما عرفنی الّا الله وانت وما عرفك الّا الله وانا

"اے علیؑ! میرے اور تمھارے سوا اللہ تعالیٰ کی (کماحقہٗ) معرفت کسی کو نہیں اور اللہ تعالیٰ اور تمھارے سوا میری (کماحقہٗ) معرفت کسی کو نہیں اور اللہ تعالیٰ اور میرے سوا تمھاری (کماحقہٗ) معرفت کسی کو نہیں ہے"۔(المختصر: ص ۱۶۵)

ان کنت ویحك لم تسمع مناقبه   فاسمعه من هل اتی یاذا الغبا وکفی

"اگر تم یوں ہلاکت وگمراہی میں سرگرداں تھے کہ حضرت علیؑ کے فضائل ومناقب نہیں سنے تو اے بیوقوف! تم ان کی شان میں سورہ هَلْ اَتٰی (سورۂ دہر) سن لو تو ان کی فضیلت کے لیے یہ ایک سورت ہی کافی ہے"۔ [1]

اہلِ سنت نے نماز میں بسم اللہ کو بلند آواز میں پڑھنے کے مسئلے میں اہلِ تشیع سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ ابن قدامہ کی کتاب "المغنی"، ج ۱، ص ۴۷۸، کاسانی کی کتاب "بدائع الصنائع" ص ۲۰۴ اور "شرح الزرقانی علی مختصر ابی الضیاء فی فقہ مالک" ج ۱، ص ۲۱۶ پر مذکور ہے کہ نماز میں بلند آواز میں بسم اللہ پڑھنا سنت نہیں ہے۔

تیسری علامت:

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی حدیث کے مطابق مومن کی تیسری نشانی یہ ہے کہ وہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتا ہے۔ شیعہ امامیہ اپنے آئمہ اطہارؑ کی روایات پر عمل کرتے ہوئے انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے ہیں جب کہ اہلِ سنت کے ایک گروہ نے ہمارے اس قول کی مخالفت کی ہے۔ ابن حجاج مالکی کہتا ہے: سنت یہ ہے کہ ہر مکروہ شے کو بائیں ہاتھ سے پکڑا جائے اور ہر طاہر چیز کو دائیں ہاتھ سے پکڑا جائے۔ اس وجہ سے انگوٹھی پہننے میں مستحب یہ ہے کہ اسے بائیں ہاتھ میں پہنا جائے اور وہ شخص انگوٹھی کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر بائیں ہاتھ میں پہنے۔(المدخل: ج ۱، ص ۴۶، باب: مسجد میں داخل ہونے کے آداب)

ابن حجر بیان کرتا ہے کہ امام مالک کے نزدیک دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا مکروہ ہے لہٰذا وہ اپنی انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ مالکی مذہب کے عالم الباجی نے کہا ہے کہ امام مالک کے نزدیک بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کو ترجیح حاصل ہے۔(الفتاوی الفقہیۃ الکبریٰ: ج ۱، ص ۲۶۴، باب: لباس)

---

[1] "شذرات الذھب": ابن عماد، ج ۳، ص ۱۴۰ پر مذکور ہے کہ بعض حنبلی فرقہ کے علماء بغداد میں برسرِ منبر یہ دو اشعار پڑھا کرتے تھے۔

شیخ اسماعیل البروسوی نے اپنی کتاب "عقد الدرر" میں ذکر کیا ہے کہ اصل میں سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جائے لیکن یہ اہلِ بدعت وضلالت کا شعار بن چکا ہے۔ لہٰذا اب ہمارے زمانے میں سنت یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنی جائے۔ ①

چوتھی علامت:

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اس حدیث میں لفظ "التعفیر" ذکر ہوا ہے اور لغت میں تعفیر کا مطلب وضع الشیئ علی العفر وھو التراب ہے۔ یعنی کسی شے کو خاک پر رکھنا۔ اس حدیث شریف میں لفظ "الجبین" سے مراد پیشانی ہے۔ جیسا کہ شیخ یوسف بحرانی نے "حدائق الناظرۃ" میں اس کا یہ معنی اس دعوے کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اہلِ بیتؑ کی زبانِ مبارک سے زیادہ تر یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور تیمم کے باب میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ہے۔ پس! امام حسن عسکریؑ کی اس حدیث میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مومن اپنی پیشانی سجدے کی حالت میں زمین پر رکھتا ہے جب کہ اہلِ سنت کے ہاں سجدے کے دوران پیشانی زمین پر رکھنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل سے مروی دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق عمامے کی پٹی ②، عام کپڑے ③ اور لباس پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ مذہب حنفیہ کے نزدیک ہتھیلی

---

① یہ حجۃ الاسلام شیخ امینی نے اپنی کتاب "الغدیر" ج ۱۰، ص ۱۱۱ پر "تفسیر روح البیان" ج ۴، ص ۱۴۲ سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ پہلی دفعہ اہلِ تشیع کی یوں مخالفت نہیں کی گئی ہے۔ ابواسحاق شیرازی کی کتاب "المھذب" ج ۱، ص ۱۳۷، "الوجیز"، غزالی، ج ۱، ص ۴۷، "المنہاج" نووی، ص ۲۵، "تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج" ابن حجر، ج ۱، ص ۵۶۰، "عمدۃ القاری فی شرح البخاری" عینی، ج ۴، ص ۲۴۸، "الفروع" ابن مفلح، ج ۱، ص ۶۸۱، "المغنی" ابن قدامہ، ج ۲، ص ۵۰۵ پر مذکور ہے کہ اب قبر کو ہموار بنانا اہلِ بدعت کے شعار سے مشابہ ہے۔ "رحمۃ الامۃ باختلاف الائمۃ بر حاشیہ "المیزان للشعرانی" ج ۱، ص ۸۸ پر مذکور ہے کہ قبروں کو ہموار بنانا سنتِ رسولؐ ہے لیکن چونکہ اب یہ رافضہ (شیعوں) کا شعار بن چکا ہے، لہٰذا اب زیادہ بہتر یہ ہے کہ ان کی مخالفت کرتے ہوئے قبروں کو اونٹ کی کوہان کی شکل میں بنایا جائے۔ اور دیگر ایسے امور جن میں اہلِ سنت اہلِ تشیع کی مخالفت کرتے ہوئے سنت کے خلاف عمل کرتے ہیں، ان میں سے ایک نبیؐ کے اہلِ بیتؑ واطہارؑ پر مستقلاً درود شریف پڑھنا ہے۔ اس کے متعلق زمخشری نے سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۶ (اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ) کے تحت ذکر کیا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے لوگ رافضی (شیعہ) ہونے سے متہم کرتے ہیں اور نبیؐ نے فرمایا: ایسے امور اور موقف سے اجتناب کرو جس سے تم پر تہمت لگتی ہو"۔
ان میں سے ایک امر یہ ہے جو ابن حجر نے "فتح الباری" ج ۱۱، ص ۱۳۵، کتاب الدعوات، باب: "کیا غیر نبی پر درود وسلام پڑھا جائے" میں بیان کیا ہے کہ انبیاءؑ کے علاوہ کسی دوسرے پر سلام میں اختلاف ہے جب کہ زندہ پر درود وسلام کی مشروعیت پر اتفاق ہے۔ پس علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ مطلقاً جائز ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کی مشروعیت مشروط ہے اس بات سے کہ کسی ایک شخص پر الگ سے درود وسلام نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ رافضہ (شیعوں) کا شعار ہے۔

② "المیزان" شعرانی، ج ۱، ص ۱۳۸

③ "الھدایۃ" شیخ الاسلام المرغینانی، ج ۱، ص ۳۳

پر مجبوری کی حالت میں سجدہ کرنا جائز ہے [1] اور مذاہب اہلِ سنت کے مطابق: گندم، جو، چارپائی اور اس نمازی کی کمر پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرنا جائز ہے جو اس شخص کے آگے کھڑا ہو کر اسی کی طرح نماز پڑھ رہا ہو۔ [2]

اگر یہاں پر امام علیہ السلام کی مراد سجدہ ہے تو اس کو بیان کرنے کا مقصد اس بات کی طرف رہنمائی کرنا ہے کہ سجدۂ شکر میں اپنی پیشانی خاک پر رکھنا زیادہ افضل ہے کیونکہ اس سے انسان اپنی ذلت کا احساس اور تکبر و برائی سے دُوری اختیار کرتا ہے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کی حدیث مبارک کے اس جملہ سے استفادہ کرتے ہوئے صاحب المدارک نے ذکر کیا ہے کہ سجدۂ شکر کے دوران دونوں رخساروں کو خاک پر رکھنا بھی مستحب ہے۔ سیّد بحر العلوم نے اسی بات کی طرف اپنی ایک نظم میں اشارہ کیا ہے جس میں وہ سجدۂ شکر کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں:

والخد أولى وبه النص جلا

وفي الجبين قدائى محتملا

"سجدۂ شکر کے دوران رخسار کو خاک پر رکھنا زیادہ بہتر ہے اور حدیث میں واضح طور پر یہ بیان ہوا ہے اور پیشانی کو خاک پر رکھنا تو اسے بھی بجالانا چاہیے"۔

احادیث میں مذکور ہے کہ سجدۂ شکر کے دوران دونوں رخساروں کو خاک پر رکھا جائے۔ [3] اسی امر کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ بن عمرانؑ مناجات کے دوران خدا کے قرب کے حق دار ٹھہرے۔ [4] شیعہ امامیہ نے اس بات کی مخالفت نہیں کی کہ خواہ سجدۂ شکر کے دوران پیشانی کو خاک پر رکھا جائے یا رخساروں کو خاک پر رکھا جائے، دونوں کی فضیلت ہے جب کہ اہلِ سنت نے نماز یا سجدۂ شکر کے دوران پیشانی کو خاک پر رکھنا ضروری قرار نہیں دیا۔ اہلِ سنت کے علماء میں سے نخعی، مالک اور ابوحنیفہ نے سجدۂ شکر کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اگرچہ حنابلہ [5] (احمد بن حنبل کے پیروکار) اور شافعی [6] نے ہر نعمت کے حصول یا مصیبت کے ٹل جانے پر سجدۂ شکر ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔

---

[1] "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ": ج ۱، ص ۱۸۹

[2] "البحر الرائق" ابن نجیم، ج ۱، ص ۳۱۹

[3] "الکافی": برحاشیہ مرآۃ العقول، ج ۳، ص ۱۲۹، "من لا یحضرہ الفقیہ": شیخ صدوق، ص ۷۹، اور "التہذیب": شیخ طوسی، ج ۱، ص ۲۲۶، تعقیبات نماز کے تذکرہ کے دوران مذکور ہے۔

[4] "من لا یحضرہ الفقیہ": شیخ صدوق، ص ۷۹، تعقیبات نماز کے بیان میں۔

[5] "المغنی" ابن قدامہ: ج ۱، ص ۶۲۶، "الفروع" ابن مفلح، ج ۱، ص ۳۸۲

[6] "کتاب الام": ج ۱، ص ۱۱۶، "المختصر": ج ۱، ص ۹۰، "الوجیز": غزالی، ج ۱، ص ۲

مومن کی نشانیوں کا خلاصہ

ہمارے سابقہ بیان سے حدیث میں بیان کردہ اُمور سے یہ واضح ہوا کہ مذکورہ بالا اُمور ایمان کی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں میں سے ایک "زیارۃ الاربعین" ہے جس سے مراد اہلِ بیتؑ کے حُب داروں کی اس بات کی طرف رہنمائی کرنا ہے کہ وہ حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر سید الشہداءؑ، مظلومِ کربلا، شہیدِ نینوا کا سوگ منانے اور آپؑ سے تجدید عہد کرنے کے لیے آپؑ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے جائیں اور آپؑ سے یوں تجدید عہد کیا جائے کہ آپؑ پر ڈھائے جانے والے اُن مظالم کا اس عہد کے ساتھ تذکرہ کیا جائے کہ جس شخص کے اندر دین تو درکنار ذرہ برابر بھی انسانیت ہو، وہ ایسے گھناؤنے جرائم، سنگدلی اور مظالم کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر قبر حسینؑ کی زیارت کرنا ایمان کی نمایاں نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

ایسے شخص پر تعجب ہوتا ہے جو اس جملہ "زیارت الاربعین" سے چالیس مومنوں کی زیارت کرنا مراد لیتا ہے حالانکہ اس معنی پر کوئی ایسا اشارہ اور قرینہ موجود نہیں ہے کہ جس کی بنا پر یہ معنی مراد لیا جاسکے۔ اس جملے کے یہ معنی (چالیس مومنوں کی زیارت کرنا) مراد لینے کے لیے یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں کہ الف لام عہد یہ کا لانا صحیح ہو جب کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ چالیس مومنوں کی زیارت کرنے پر اسلام نے اُبھارا ہے۔ شیعہ اور اہلِ سنت دونوں کے نزدیک یہ مسلمان کی نشانیوں میں سے ہے لیکن یہ نشانیاں مومنوں سے خاص نہیں ہیں، کہ جس کی بنا پر مومن کا غیر مومن سے فرق کیا جاسکے۔

ہاں! امام حسینؑ کی شہادت کے چالیس دن بعد (ہر سال چہلم کے موقع پر) آپؑ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا اُن اُمور میں سے ہے جس کی طرف مومن کو اس کا اہلِ بیتؑ کے متعلق خالص ایمان دعوت دیتا ہے اور شوقِ حسینی اس زیارت کی تاکید کرتا ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جوانانِ جنت کے سردار حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر صرف وہی لوگ آپؑ کے روضۂ اطہر اور حرمِ مقدس کی زیارت کے لیے کربلا جاتے ہیں جو امام حسینؑ کی اتباع کرنے والے اور آپؑ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والے اور آپؑ کی راہ پر چلنے والے ہیں۔

اس حدیث سے مراد حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر آپؑ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا ہے جب کہ اس پر مشہور علمائے کرام کا فہم و ادراک گواہ ہے کیونکہ مشاہیر علماء نے بھی اس حدیث سے ۲۰ صفر کو حضرت امام حسینؑ کی زیارت کرنا مراد لیا ہے۔ ان علمائے کرام میں سے ایک ابوجعفر محمد بن حسن طوسیؒ ہیں جنھوں نے اپنی کتاب "تہذیب الاحکام" ج ۲، ص ۱۷، باب: "زیارتِ امام حسینؑ کی فضیلت" میں سب سے پہلے زیارتِ امام حسینؑ کی فضیلت میں مطلق احادیث بیان کی ہیں اور پھر ان مقید احادیث کو ذکر کیا ہے جو خاص اوقات میں زیارتِ امام حسینؑ کی تلقین کرتی ہیں اور ان خاص اوقات میں سے ایک روزِ عاشور بھی ہے۔ اس کے بعد یہ حدیث (امام حسن عسکریؑ سے منقول حدیث) بیان کی ہے جو

حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر آپؑ کی زیارت کی تاکید کرتی ہے۔

"مصباح المتہجد" ص ۵۵۱، مطبوعہ بمبئی میں شیخ طوسیؒ نے ماہ صفر المظفر اور اس مہینہ کے مختلف حوادث و واقعات کا تذکرہ کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ ۲۰ صفر کو ابو عبداللہ حضرت امام حسینؑ کے حرم اور مخدرات عصمت و طہارت شام سے مدینہ الرسولؐ کی طرف واپس لوٹیں جب کہ اسی دن حضرت جابر بن عبداللہ انصاری حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے لیے کربلا میں وارد ہوئے اس لیے لوگوں میں سب سے پہلے قبر حسینؑ کے زائر حضرت جابر ہیں۔ چہلم کے دن حضرت امام حسینؑ کی زیارت کرنے کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ ابو محمد حضرت امام حسن عسکریؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: مومن کی پانچ نشانیاں ہیں......الخ۔

ابو الریحان البیرونی نے کہتا ہے کہ ۲۰ صفر کو حضرت امام حسینؑ کے سر اطہر کو آپؑ کے جسدِ اطہر کی طرف لوٹایا گیا، اور پھر آپؑ کے جسد اطہر کے ساتھ دفن کیا گیا اور اسی دن حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر جب حضرت امام حسینؑ کے حرم شام سے واپس لوٹے تو زیارت کی خاطر کربلا پہنچے تھے۔ (الآثار الباقیۃ: ص ۳۳۱)

علامہ حلیؒ نے اپنی کتاب "المنتہیٰ" میں کتاب الحج کے بعد کتاب الزیارات میں بیان کیا ہے کہ ۲۰ صفر کو حضرت امام حسینؑ کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ شیخ طوسیؒ نے ابو محمد حضرت امام حسن عسکریؑ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مومن کی پانچ نشانیاں ہیں......الخ۔ سید رضی الدین علی بن طاؤوسؒ کی کتاب "الاقبال" میں ۲۰ صفر کو زیارتِ امام حسینؑ کے تحت مذکور ہے کہ ہم نے اسناد کے ساتھ اپنے دادا ابو جعفر سے یہ نقل کیا ہے اور انہوں نے اسناد کے ساتھ ہمارے آقا و مولا امام حسن بن علی العسکریؑ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مومن کی پانچ نشانیاں ہیں......الخ۔

علامہ مجلسیؒ نے "مزار البحار" میں حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر امام علیہ السلام کی زیارت کی فضیلت کے باب میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ شیخ یوسف بحرانیؒ نے "حدائق الناظرۃ" میں حج کے بعد زیارت کے باب میں بیان کیا ہے کہ ۲۰ صفر کو حضرت امام حسینؑ کی زیارت کرنا مومن کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

شیخ عباس قمیؒ نے "مفاتیح الجنان" میں "تہذیب الاحکام" اور "مصباح المتہجد" سے نقل کرتے ہوئے یہ روایت بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر آپؑ کی زیارت کرنے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ انھوں نے اس کے بعد یہ ہرگز بیان نہیں کیا کہ اس روایت میں اربعین سے چالیس مومنوں کی زیارت کا احتمال بھی ہے۔

بعض افراد کہتے ہیں کہ اس لحاظ سے یہ بعید ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ نے اپنی اس روایت میں حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر زیارتِ حسینؑ مراد لی ہو کیونکہ امامؑ نے اس زیارت کے عوض آخرت میں ملنے والے اجر و ثواب کا تذکرہ نہیں کیا ہے، جب کہ آئمہ اہل بیتؑ نے جب بھی مظلوم کربلا حضرت امام حسینؑ یا کسی اور امامؑ کی زیارت پر اُبھارا ہے تو

انھوں نے اس زیارت کے عوض ملنے والے اجروثواب کا تذکرہ بھی کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کا اس روایت میں صرف مومن کی نشانیاں بیان کرنا مقصد تھا کہ جن نشانیوں کی بنا پر مومن اور غیر مومن کو پہچانا جاتا ہے۔ امامؑ نے ان نشانیوں میں سے ایک نشانی حضرت امام حسینؑ کے چہلم کے موقع پر زیارت امام حسینؑ کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ہم یہ وضاحت کے ساتھ بیان کرچکے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کا اس روایت میں زیارت امام حسینؑ کے اجروثواب کو بیان کرنا مقصد نہ تھا۔

۲۰ صفر کو زیارت امام حسینؑ کے مستحب ہونے کو شیخ مفیدؒ نے "مسار الشیعہ"، علامہ حلّیؒ نے "التذکرۃ" اور "التحریر"، مُلّا محسن فیض کاشانی نے "تقویم المحسنین" میں ذکر کیا ہے۔ شیخ بہائیؒ نے "توضیح المقاصد" میں چہلم امام حسینؑ کی یہ تشریح بیان کی ہے کہ اگر دس محرم سے امامؑ کے چہلم کا حساب کیا جائے تو یہ انیس صفر کا دن بنتا ہے۔ (یاد رہے کہ) ان کی یہ تشریح متعارف امر کے خلاف ہے، لہٰذا یہ قابلِ قبول نہیں ہے۔

□□□

خاندانِ اہلِ بیتؑ کی کربلا سے مدینہ کی طرف روانگی

جب حضرت امام سجاد علیہ السلام نے تین دن تک کربلا میں قیام کرلیا تو اب آپؑ کو اس کے سوا کوئی اور راہ نظر نہ آئی کہ کربلا سے مدینہ منورہ کے لیے رختِ سفر باندھیں کیونکہ آپؑ نے کربلا میں دیکھا کہ آپؑ کی پھوپھیاں، مائیں اور بیٹیاں دن رات گریہ وزاری اور نوحہ کررہی ہیں اور وہ ایک قبر سے اُٹھتی ہیں تو دوسری قبر پر جاکر آہ وزاری شروع کردیتی ہیں۔

تشکو عداها وتنعی قومها فلها حل من الشجولف الصبر مدرجه

فنعیها بشعی الشکویٰ تؤلفه و دمعها بدم الاحشاء تمزجه

ویدخل الشجو فی الصخرا لاصم لها تزفر من شظایا القلب تخرجه

''مخدراتِ عصمت وطہارت اپنے اعداء کا شکوہ کررہی تھیں اور اپنے عزیزوں کی موت کی خبر دے رہی تھیں اور یہ بیبیاں اس قدر غم زدہ اور افسردہ تھیں کہ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ یہ بیبیاں غمزدہ حالت میں یوں شکوہ کررہی تھیں کہ ان کے آنسوؤں کے اندر خون بھی ملا ہوا تھا۔ اور یہ غم واندوہ سخت چٹان کو بھی ریزہ ریزہ کردے اور جب یہ انسانی دل پر وارد ہوتے ہیں تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیتے ہیں''۔ ①

بشیر بن جذلم کہتا ہے: جب ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو علیؑ ابن حسینؑ حضرت امام سجادؑ اپنی سواری سے نیچے اُترے اور اپنی سواری کو بٹھا دیا اور اپنا خیمہ لگایا اور پھر اپنی مستورات کو سواریوں سے نیچے اُتارا۔ اس کے بعد مجھ سے فرمایا: اے بشیر! خدا تمھارے باپ پر رحم کرے وہ ایک شاعر تھا، کیا تم بھی شعر کہہ سکتے ہو؟

بشیر بن جذلم کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا: جی ہاں فرزندِ رسولؐ! میں بھی شاعر ہوں۔

حضرت امام سجادؑ نے فرمایا: مدینہ کے اندر جاؤ اور انھیں ابوعبداللہ الحسینؑ کی شہادت کی خبر سناؤ۔

بشیر کہتا ہے: میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر مدینہ میں داخل ہوا۔ جب میں مسجد نبویؐ کے قریب پہنچا تو میں نے بلند آواز میں گریہ کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

---

① حجۃ الاسلام شیخ محمد حسین کاشف الغطاءؒ (قدہ)

یا اهل یثرب لا مقام لکم بها　　قتل الحسین فأدمعی مدرار

الجسم منه بکربلا مضرّج　　والرأس منه علی القناة یدار

"اے مدینہ والو! اب مدینہ تمہارے رہنے کے قابل نہیں رہا۔ حضرت امام حسینؑ کو شہید کر دیا گیا ہے جس پر میری آنکھوں سے اشک برس رہے ہیں۔ آپؑ کا جسمِ اطہر کربلا میں خون میں لت پت پڑا تھا اور آپؑ کے سرِ اطہر کو نیزہ پر سوار کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا"۔

پھر میں نے کہا: حضرت امام حسینؑ کے فرزند علیؑ اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کے ساتھ واپس تمہارے پاس پہنچ چکے ہیں اور میں ان کی طرف سے تمہارے پاس قاصد و پیغام رساں بن کر حاضر ہوا ہوں تاکہ تمہیں بتا سکوں کہ وہ کہاں پر تشریف فرما ہیں۔

بشیر بن جذلم کہتا ہے: میرے اس اعلان کے بعد لوگ تیزی سے اپنے گھروں سے باہر نکلے اور ہر مستور کھلے سر واویلا کر رہی تھی۔ مدینہ منورہ میں اس قدر گریہ وزاری ہوئی کہ اس دن سے زیادہ کبھی مدینہ والوں کو روتا ہوا نہیں دیکھا گیا۔ تمام لوگ حضرت امام زین العابدینؑ کے گرد جمع ہو کر آپؑ سے تعزیت کرنے لگے۔ پھر حضرت امام علی زین العابدینؑ اس حالت میں اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے کہ آپؑ کے ہاتھ میں ایک رومال تھا جس سے آپؑ اپنے آنسوؤں کو صاف کر رہے تھے۔ آپؑ کے پیچھے آپ کا غلام کرسی اُٹھائے ہوئے باہر آیا اور امامؑ اس کرسی پر تشریف فرما ہوئے جب کہ آپؑ اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکے۔ یہ منظر دیکھ کر ہر طرف آہ وزاری اور سسکیوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔

پھر حضرت امام سجادؑ نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ جب ان کی آوازیں اور سسکیاں رُک گئیں تو آپؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۝ باری الخلائق أجمعین، الذی بعد، فارتفع فی السموات العلی، وقرب فشهد النجوی، نحمده علی عظائم الأمور، وفجائع الدهور، وألم الفجائع، ومضاضة اللواذع، وجلیل الرزء، وعظیم المصائب الفاظعة الکاظة الفادحة الجائحة۔ أیها القوم، إِنَّ اللّٰهَ تعالی وله الحمد ابتلانا بمصائب جلیلة، وثلمة فی الاسلام عظیمة، قتل أبو عبد الله الحسین وعترته، وسبیت نساؤه وصبیته ، وداروا برأسه فی البلدان، من فوق عامل السنان، وهذه الرزیة التی لامثلها رزیة۔

أیها الناس، فأی رجالات منکم یسرون بعد قتله، أم أی فؤاد لا یحزن من أجله، أم أیة عین منکم تحبس دمعها، وتضن عن أنهما لها فلقد بکت السبع الشداد لقتله، وبکت

البحار بأمواجها ، والسموات بأركانها ، والأرض بأرجائها ، والأشجار بأغصانها ، والحيتان في لجج البحار ، والملائكة المقربون ، وأهل السموات أجمعون۔

أيها الناس ، أي قلب لا ينصدع لقتله ، أم أي فؤاد لا يحن إليه أم أي سمع يسمع بهذه الثلمة التي ثلمت في الاسلام ولا يصم۔

أيها الناس ، اصبحنا مشردين مطرودين مذودين شاسعين عن الأمصار كأننا أولاد ترك وكابل ، من غير جرم اجترمناه ، ولا مكروه ارتكبناه ، ولا ثلمة في الاسلام ثلمناها ، ما سمعنا بهذا في آبائنا الأولين إن هذا إلا اختلاق والله لو أن النبي تقدم إليهم في قتالنا كما تقدم إليهم في الوصية بنا لما زادوا على ما فعلوا بنا ، فإنا لله و إنا إليه راجعون من مصيبة ما أعظمها وأفجعها وأكظها وأفظها وأمرها وافدحها ، فعند الله نحتسب ما أصابنا ، وما بلغ بنا ، فإنه عزيز ذو انتقام۔

"تمام تعریفیں اور حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار، رحمٰن و رحیم ، روز جزا کا مالک اور تمام مخلوق کا خالق ہے۔ وہ خدا جو عقل کے وہم و ادراک سے اس قدر بلند ہے کہ بلند و بالا آسمانوں سے بھی اس کی رفعت و بلندی زیادہ ہے اور اگر اس کا قرب دیکھنا ہو تو وہ اس قدر قریب ہے کہ سرگوشیوں کو سننے والا ہے۔ ہم بڑے بڑے مصائب، غم و اندوہ، تکالیف، دردناک حادثات، صبر سوز رنج والم اور سخت مصیبتوں پر اس کی حمد و شکر کرتے ہیں۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے لیے ہی تمام حمد و تعریف ہے کہ جس نے ہمیں بڑے بڑے مصائب میں مبتلا کر کے ہمارا امتحان لیا اور اسلام میں عظیم رخنہ پڑ گیا۔ ابوعبداللہ حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کی اولاد کو شہید کر دیا گیا۔ آپؑ کی مستورات اور بیٹیوں کو اسیر بنا لیا گیا اور آپؑ کے سر اطہر کو نوک نیزہ پر سوار کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ اس سے زیادہ کوئی اور سخت مصیبت نہیں ہے۔

اے لوگو! حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد تم میں سے کون شخص خوش رہے گا یا کون سا دل ان پر غمگین نہ ہوگا، یا کون سی آنکھ ان پر اشک برسانے میں کنجوسی کرے گی۔ آپؑ کی شہادت پر آسمان کے ساتوں طبقات نے گریہ کیا، دریاؤں اور سمندروں نے اپنی جوشِ امواج کے ذریعے گریہ کیا اور آسمانوں نے اپنے ستونوں اور زمین نے اپنی اطراف کو تزلزل کی کیفیت سے دوچار کرتے ہوئے گریہ کیا، درختوں نے اپنی ٹہنیوں کے ذریعے، دریاؤں اور سمندروں میں مچھلیوں نے آپؑ پر اشک برسائے،

مقرب فرشتوں نے اور تمام آسمانی مخلوق نے آپؑ پر گریہ وزاری کی۔

اے لوگو! کون سا دل ایسا ہے جو آپؑ کی شہادت کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہے یا کون سا جگر ایسا ہے جو آپؑ کے غم میں افسردہ اور بے قرار نہیں ہے یا کون سی قوت سماعت ایسی ہے جو اس اسلام میں پڑنے والے رخنہ کو سن کر بہرہ نہ ہو۔

اے لوگو! ہم اہلِ بیتؑ رسولؐ کو بے یار و مددگار، وطن سے دُور، انتہائی کسمپرسی کی حالت میں یوں در بدر پھرایا گیا جیسے ہم ترک اور کابل کی اولاد ہوں حالانکہ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا تھا اور ہم سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا اور ہماری وجہ سے اسلام میں کوئی دراڑ نہیں پڑی تھی۔ جبکہ ہم نے اپنے آباء واجداد سے بھی مظالم کی کوئی ایسی داستان نہیں سنی تھی۔ یہ ان لوگوں نے ظلم کی نئی داستان اور تاریخ رقم کی ہے۔

خدا کی قسم! اگر نبی کریمؐ اس قوم اشقیاء کو ہم پر اس طرح ظلم وزیادتی اور قتل کی تلقین کرتے کہ جیسے انھوں نے ان لوگوں کو ہماری اطاعت کی وصیت اور تلقین کی تھی تو یہ لوگ تب بھی ہم پر اس سے زیادہ ظلم وزیادتی نہ کرتے جس قدر انھوں نے ہم پر مظالم ڈھائے تھے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ہم پر جو مصائب و تکالیف وارد ہوئیں اور جو ظلم وستم ہم نے برداشت کیے ہیں ہم ان مظالم اور مصیبتوں کا اجر خدا کی بارگاہ سے طلب کرتے ہیں اور وہی اس کا ان ظالموں سے حساب لے گا، بے شک! وہ غالب وقوی اور انتقام لینے والا ہے"۔

اس دوران صوحان بن صعصعہ بن صوحان عبدی جو کہ اپاہج ومفلوج تھے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنا عذر بیان کیا کہ اے فرزندِ رسولؐ! میری ٹانگیں مفلوج ہونے کی وجہ سے میں آپؑ کی مدد نہ کرسکا تو حضرت امام سجادؑ نے ان کا عذر قبول کیا اور ان کے متعلق حُسنِ ظن کا اظہار کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور فرمایا: خدا آپ کے والد پر رحم فرمائے۔

اس کے بعد حضرت امام سجادؑ اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مدینہ میں داخل ہوئے۔ (اللھوف، ابن طاؤسؒ، ص ۱۱۶)

ابراہیم بن طلحہ بن عبیداللہ حضرت امام سجادؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ سے پوچھا: مَنِ الغالب؟ فتح اور جیت کس کی ہوئی ہے؟

حضرت امام سجادؑ نے فرمایا:

اِذَا دَخَلَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ فَاَذِّنْ وَاَقِمْ تعرف الغَالِب [1]

---

(1) "امالی" شیخ طوسیؒ، ص ۶۶۔ ہم نے کتاب کے شروع میں تحریر کیا ہے کہ امامؑ کی اس سے کیا مراد تھی؟

"جب نماز کا وقت ہو جائے اور اذان و اقامت پڑھو گے تو تمھیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس کی فتح اور جیت ہوئی ہے"۔

جب حضرت زینبؑ الکبریٰ اُمِ کلثومؑ مدینہ میں وارد ہوئیں تو یہ اشعار پڑھے:

مَدِيْنَةَ جَدِّنَا لَاتَقْبَلِيْنَا فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا
خَرَجْنَا مِنْكَ بِالْاَهْلِيْنَ جَمْعًا رَجَعْنَا لَارِجَالَ وَلَابَنِيْنَا

"اے ہمارے نانا کے مدینا ہمیں قبول نہ کر کیونکہ ہم حسرتیں اور حزن و ملال لے کر آئے ہیں۔ جب ہم تجھ سے نکلے تھے تو تمام اہل و عیال کے ساتھ نکلے تھے اور اب جب واپس پلٹے ہیں تو نہ مردوں کا سایہ ہمارے سروں پر ہے اور نہ ہی بچے ہماری گودیوں میں ہیں"۔

پھر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے مسجد نبویؐ کے دروازے کی دونوں چوکھٹوں کو پکڑ کر پکارا:

یا جدّاہ انی ناعیة الیك اخی الحسین

"اے نانا جانؐ! میں آپؐ کو اپنے بھائی حسینؑ کی شہادت کی خبر سنانے آئی ہوں"۔

اور دخترِ حسینؑ نے پکار کر کہا:

یا جدّاہ الیك المشتکٰی مما جریٰ علینا فواللہ ما رایت اقسٰی من یزید ولا رایت کافراً ولا مشرکاً شراً منه ولا اجفی واغلظ خلقد کان یقرع ثغرابی بمحضرته وهو یقول: کیف رایت الضرب یاحسین۔ (ریاض الاحزان: ص ۱۶۳)

"اے نانا جانؐ! ہم پر جو مظالم ڈھائے گئے ہیں میں ان کی آپؐ سے شکایت کرتی ہوں، خدا کی قسم! میں نے یزید (ملعون) سے بڑا سنگدل نہیں دیکھا اور میں نے کسی کافر اور مشرک کو بھی اس سے زیادہ شریر اور فتنہ پرور نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے اس سے زیادہ کوئی بداخلاق، جفاکار اور تند مزاج دیکھا ہے۔ وہ اپنی محفل میں میرے بابا جان کے سر کو اپنے سامنے رکھ کر ان کے دندان مبارک پر چھڑی مار کر بکواس کرتا تھا کہ اے حسینؑ! تم کو میری یہ ضرب کیسی لگی؟!"

آغوشِ رسالت کی پروردہ بیبیاں سید الشہداءؑ کی مجلس و ماتم میں مشغول رہتی تھیں اور وہ کھردرا اور سیاہ رنگ کا لباس زیب تن کرتی تھیں، دن رات گریہ و زاری اور نوحہ میں مشغول رہتیں اور حضرت امام سجادؑ ان مخدراتِ عصمت و طہارت کے لیے کھانا تیار کرتے تھے۔ (محاسن البرقی: ج ۲، ص ۴۲۰، باب: مجلس و ماتم کے لیے کھانا کھلانا)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث میں منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

ما اختضبت ھاشمیة ولا ادھنت ولا اجیل مرود فی عین ھاشمیة خمس حجج حتّٰی بعث المختار برأس عبیداللہ بن زیاد (مستدرک الوسائل: ج۲، ص ۲۱۵، باب ۹۴)

"خاندانِ بنی ہاشم کی کسی مستور نے پانچ سال تک نہ اپنے سروں کو خضاب کیا، نہ بالوں میں تیل لگایا اور نہ ہی کسی نے اپنی آنکھوں میں سرمہ لگایا یہاں تک کہ حضرت مختارؓ نے عبیداللہ ابن زیاد (ملعون) کا سر (امام زین العابدینؑ کی خدمت میں) بھیجا تو ان بیبیوں نے یہ کام کیے"۔

سیّدالشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی زوجہ جناب ربابؑ نے حضرت امام حسینؑ پر اس قدر گریہ کیا کہ آپؑ کے آنسو خشک ہوگئے۔ آپؑ کے قرب و جوار میں رہنے والی بعض خواتین نے آپؑ کو بتایا کہ ستو کھانے سے آنسو جاری ہوتے ہیں تو آپؑ نے حکم دیا کہ میرے لیے ستو بنائے جائیں تا کہ میں مزید اشک بہا سکوں۔ (بحارالانوار: ج ۱۰، ص ۲۳۵، از اغانی)

اور جنابِ ربابؑ نے حضرت امام حسینؑ کے غم میں یہ مرثیہ پڑھا:

ان الذی کان نوراً یستضاء بہ	بکربلاء قتیل غیر مدفون
سبط النبی جزاک اللہ صالحة	عنا وجنبت خسران الموازین
قد کنت لی جبلًا صعباً ألوذ بہ	وکنت تصحبنا بالرحم والدین
من للیتامٰی ومن للسائلین ومن	یغنی ویؤوی إلیہ کل مسکین
واللہ لا أبتغی صھراً بصھرکم	حتّٰی أُغیّب بین الرمل والطین

"بے شک! ایسا نور جس کی وجہ سے ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی اسے کربلا میں شہید کر دیا گیا اور انھیں شہید کرنے کے بعد دفن بھی نہ کیا گیا۔ اے نواسۂ رسولؐ! خدا آپؑ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے، آپؑ نے ہم سے خسارے اور نقصان کو دُور کیا۔

آپؑ میرے لیے ایک مضبوط پہاڑ کے مانند تھے، مَیں جس کے دامن میں پناہ لیتی تھی اور آپؑ ہمارے ساتھ شفقت و رحم دلی اور دین داری کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ اب آپؑ کے بعد یتیموں اور محتاج سوالیوں کا ملجا و ماویٰ کون ہوگا اور کون ان پر مال سے سخاوت کرے گا اور تمام مسکین کس کے آگے دستِ سوال بلند کریں گے۔ خدا کی قسم! میں آپؑ کے بعد کسی کے ساتھ رشتۂ ازدواج سے منسلک نہیں ہوں گی یہاں تک کہ مَیں موت سے ہمکنار ہوکر ریت اور مٹی کے درمیان زیرِ زمین نظروں سے اوجھل ہوجاؤں"۔ (اغانی: ج ۲، ص ۱۵۸)

حضرت امام سجاد علیؑ ابن الحسینؑ نے واقعۂ کربلا کے بعد مدینہ میں فتنوں سے دُور رہنے، عبادت کے لیے فراغت پانے اور اپنے بابا پر گریہ کرنے کے لیے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ آپؑ دن رات اپنے بابا پر گریہ و زاری کرتے رہتے یہاں تک کہ آپؑ کے ایک چاہنے والے نے آپؑ سے کہا کہ آپؑ اس قدر گریہ و زاری نہ کریں کیونکہ مجھے آپؑ کے متعلق یہ خوف لاحق ہے کہ کہیں آپؑ گریہ کی زیادتی کی وجہ سے دنیا سے رخصت نہ ہو جائیں۔

تو حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

یا ھذا انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ مالا تعلمون ان یعقوب کان نبیاً فغیب اللہ عنہ واحداً من اولادہ وعندہ اثنا عشر وھو یعلم انہ حی فبکی حتّٰی ابیضت عیناہ من الحزن وانی نظرت الی ابی واخوتی وعمومتی وصحبی مقتولین حولی فکیف ینقضی حزنی وانی لاذکر مصرع بنی فاطمۃ الا خنقتنی العبرۃ واذا نظرت الی عماتی واخواتی ذکرت فرارھن من خیمۃ الی خیمۃ۔

"اے شخص! میں اپنے حال کی پراگندگی اور اپنے حزن و ملال کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکوہ کرتا ہوں اور میں خدا کی طرف سے اس چیز کا علم رکھتا ہوں جس کا تم لوگوں کو علم نہیں ہے۔ بے شک! حضرت یعقوبؑ نبیؑ تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بارہ بیٹوں سے نوازا تھا اور ان بارہ بیٹوں میں سے صرف ایک بیٹا خدا نے ان کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا اور نبی یعقوبؑ جانتے تھے کہ میرا بیٹا زندہ ہے لیکن اس کے باوجود اپنے اس بیٹے کی جدائی پر اس قدر گریہ کیا کہ حزن و ملال کی وجہ سے ان کی بینائی چلی گئی جب کہ میں نے اپنے بابا، اپنے بھائیوں، اپنے چچاؤں اور اپنے ساتھیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور بے شک! میں نے جب بھی بنو فاطمہؑ کی (کربلا میں بکھری ہوئی) لاشوں کو یاد کیا تو مجھے رونے میں پھندا لگ جاتا ہے اور میں جب بھی اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے (شامِ غریباں کا) وہ وقت یاد آ جاتا ہے جب یہ ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ کی طرف بھاگ رہی تھیں۔

علامہ شیخ محمد حسین اصفہانی نے اس منظر کو اپنے اشعار میں یوں بیان کیا:

رای اضطرام النار فی الخباء — وھو خباء العز والاباء

رای ھجوم الکفر والضلالۃ — علی بنات الوحی والرسالۃ

شاھد فی عقائل النبوۃ — ما لیس فی شریعۃ المروۃ

من نھبھا وسلبھا وضربھا — ولا مجیر قط غیر ربھا

شاهد سوق الخفرات الطاهرة	سوافر الوجوه لابن العاهرة
رأى وقوف الطاهرات الزاكية	قبالة الرجس يزيد الطاغية
وهن في الوثاق والحبال	في محشد الاوغاد والانذال

"خیموں میں آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو انھوں نے دیکھا کہ جو عزت و شرافت کے مکینوں کے خیمے تھے۔ امام سجادؑ نے کفر و ضلالت کے پیروکاروں کو وحی اور رسالت کی بیٹیوں پر حملہ آور ہوتے دیکھا۔ آپؑ نے نبوت کی پروردہ بیبیوں کے ساتھ وہ ظلم وستم ہوتے ہوئے دیکھے جو مروت و جواں مردی کی شریعت میں ہرگز جائز نہیں ہے۔

جب مخدرات عصمت وطہارت کے مال واسباب کو لوٹا جا رہا تھا، ان کے مقنع و چادروں کو چھینا جا رہا تھا اور انھیں مارا پیٹا جا رہا تھا تو اس وقت ان مخدرات عصمت وطہارت کا اپنے رب کے سوا کوئی مددگار نہ تھا۔ حضرت امام سجادؑ نے (یہ دل سوز منظر بھی) دیکھا کہ شرم وحیا اور طہارت وصفا کی پیکر بیبیوں کو کھلے سر بدکردار ماں کے (بدکردار) بیٹے کے سامنے لایا جا رہا ہے۔ آپؑ نے پرہیزگار اور طاہرہ بیبیوںؑ کو سراپائے رجس یزید ملعون سرکش کے سامنے کھڑے ہوئے دیکھا۔ جب کہ مخدرات عصمت وطہارت رسیوں میں جکڑی ہوئیں کم عقل اور دین وحسب میں کے لحاظ سے پست لوگوں کے ہجوم میں کھڑی تھیں۔

اے رسولؐ خدا! آپؐ کی اُمت نے آپؐ کی طیب وطاہر اولاد پر جو مظالم ڈھائے ہیں ان کی ہم آپؐ کی بارگاہ میں شکایت کرتے ہیں"۔

والحمدللہ رب العالمین

خاک پائے آلِ رسولؐ والداعی الی الکربلاء المقدسة

حسن رضا باقر ابن حافظ اقبال حسین جاویدؔ

۲۸ راپریل ۲۰۱۴ء بمطابق ۲۷ جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ بروز پیر

بوقت صبح نو بج کر چھیالیس منٹ پر ترجمہ اختتام پذیر ہوا۔